

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224123

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵۲۳۰۵

Accession No. _____

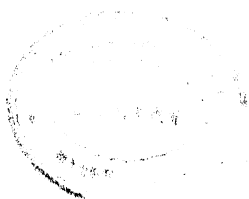
Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

افسانہ لکھنؤ

Copyrighted by Library,
HYDRAABAD (A.P.)



مکتبہ

عشقِ ابرہہؓ و سیدہٗ بنتِ جحشؓ

قرآن آپ کی کتاب ہے؟

﴿قَالَ لَيْسَ بِمَوْلَاكُمْ مَنْظُومٌ﴾

بلاشبہ قرآن مجید کی دعوت و تعلیم پوری انسانیت کے لئے آبِ حیات ہے،
لیکن ہماری دنیا اس سے نا آشنا ہے یہاں تک کہ اس کو "کلامِ آسمانی" ماننے والی
اُمت کی غالب اکثریت بھی اس سے بیگانہ ہے

یہ کتاب ہے؟

اسی صورت حال کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔

- ① یہ قرآنی دعوت اور اسی اہم تعلیمات کا ایک جامع خلاصہ ہے۔
- ② جس میں ۳۰ عنوان کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت مؤثر اور روح پرور شرحات کی شکل میں لکھا گیا ہے۔
- ③ خاص طور پر قرآن کی دعوت و توحید کی بیان اس کتاب کا شاہکار ہے۔
- ④ بالکل ایک نئے طرز کی کتاب ہے، جو قرآن کی دعوت سے روشناسی کے ساتھ ساتھ قرآن کے اعجازِ بیان کا بھی لذتِ شناس کرتی ہے۔

نیا پتہ: امی کثرت، دہلی، جامعہ کاغذ، ۲۰۲۰ صفحات، مجلد ۱۲، ۱۲۰ روپے، قیمت ۱۲۰

کے تاجدارانِ کلمہ

سَالَانَهُ جَنْدَهٗ
غیر مالک سے
۱۵ شلنگ
ہوائی ڈاک کے لیے مزید
محصولہ ڈاک کا اضافہ

لکھنؤ
دفتر افغان
ماہنامہ
فی کاپی ۷۰ پیسے

سَالَانَهُ جَنْدَهٗ
ہندوستان سے ۷/۵
پاکستان سے ۷/۵
ششماہی
ہندوستان سے ۴/-
پاکستان سے ۴/-

جلد ۳، بابت ماہ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ مطابق اپریل ۱۹۶۹ء شمارہ (۱)

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحہ
۱	نگاہ اولیں	عتیق الرحمن سنہلی	۲
۲	معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی	۹
۳	شیخ شہاب الدین سہروردیؒ؟ دھایا اور نضاح کے آئینہ میں	مولانا نسیم احمد فریدی	۱۹
۴	یک دوساعت صحبتے با اہل دل	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۲۵
۵	اسلام کے حلقہ بخش عربوں کو فتر آں کی فوید فتح	" " " "	۳۱
۶	اکبر کا دین الہی اور اس کا پس منظر	پروفیسر محمد اسلم	۴۲
۷	دو محسنوں کی وفات	عتیق الرحمن سنہلی	۵۰

اگر اس دائرہ میں سرخ نشان ہو تو

اس کا مطلب ہو کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہو، براہ کرم آئندہ کیلئے چیز ارسال فرمائیں۔ یا خریداری کا ارادہ نہ تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۸ اپریل تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ دی پی ارسال ہوگا۔
پاکستان کے خریدار :- اپنا چندہ ادارہ اصلاح و تبلیغ ائمہ طہیین، بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور صرف ایک سادہ کارڈ کے ذریعہ ہم کو اطلاع دے دیں، ڈاک نمائندہ کی رسید بھیجنے کی ضرورت نہیں۔
نمبر خریداری :- براہ کرم خط و کتابت اور سی آر ڈی کو پی پر اپنا منبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے۔
تالیم اشاعت :- الفرقان ہرگز نوی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ہر تالیف تک کے صاحب کے نام سے تو فوراً مطلع کریں، اسکی اطلاع ہر تالیف تک جانی چاہیئے اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر افغان، کچہری روڈ، لکھنؤ

(دوبئی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر، ایڈیٹر و پراپرٹیز، تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر افغان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نگاہِ اولیں

عقیق الرحمن منجلی

۲۶ جنوری کے اسٹیشن میں شائع ہونے والے پروفیسر ٹائن بی کے مضمون اور اس پر مسلمانانِ کلکتہ کے احتجاج و اشتعال کا واقعہ ایک معنی میں پرانا ہو گیا ہے۔ لیکن تبصروں کا سلسلہ بہر حال اب بھی جاری ہے اس لیے اس میں ایک تبصرہ کا اور اضافہ بعد از وقت نہیں ہوگا۔

سب سے پہلے مسلمانانِ کلکتہ کے رد عمل پر ہمارا تاثر یہ ہے کہ یہ ایک خاص رخ سے قابلِ تحسین و آفرین ہے، لیکن اصل محرک اور مقصد کے اعتبار سے اس کی مناسب شکل احتجاج و اشتعال کے بجائے کچھ اور تھی۔ قابلِ آفرین پہلو یہ ہے کہ سٹر ٹائن بی نے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ گاندھی جی سے کیا تھا اور آپ کی شان ان کے مقابلہ میں گھٹائی تھی۔ گاندھی جی ہندوستان کے "دیش پتا" کہلاتے ہیں اور ان کی تعظیم کو اس درجہ سرکاری حیثیت حاصل ہے کہ سرکاری دفاتروں ہی نہیں عدالتوں تک میں انکی تصویر کا نہایت احترام سے آڈیاں ہونا بلکہ ہر ایم میز پر ان کی ایک شبیہ کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ کلکتہ کے مسلمان لائقِ صد تحسین و آفرین ہیں کہ انھوں نے اگر یہ سمجھا کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا حق یہی ہے کہ ٹائن بی کا مضمون شائع کرنے والے اخبار کے خلاف ایک پرجوش مظاہرہ کر کے اس سے مسافہ مانگنے کا مطالبہ کیا جائے تو پھر اس حق کو ادا کر دکھانے میں انھوں نے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ صاحبِ مضمون نے اگر آنحضرت کو گھٹایا ہے تو بڑھایا ایک ایسی شخصیت کو ہے جو انکے

ملک میں یہ مقام کھتی ہے۔ اور اس لیے اس موقع پر کسی احتجاج میں بڑی نزاکت ہے۔
ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں ہو کہ ایسی نزاکتیں کتنے ہی لوگوں کو ذرا نص کی ادائیگی سے
روک سکتی ہیں۔ اور دین و ایمان کے وہ تقاضے بھی بخون و دہشت کی نذر ہو سکتے ہیں جنہیں ہر حال
میں پورا کیا جانا چاہیے۔ اس لیے مسلمانانِ کلکتہ قابلِ مبارکباد ہیں کہ انہوں نے اس موقع پر جو
کچھ اپنے ایمان و اسلام کا حق سمجھا اُسے ایک سخت نزاکت کے علی الرغم بے خون و خطر ادا کیا۔
اور ایک نقش پا چھوڑ دیا کہ ہر وہ ان محبت الیسی پر خاداداریوں سے بھی گزر جاتے ہیں۔

اس اولین تاثر کے ساتھ دوسرا تاثر یہ ہو کہ احتجاجی مظاہرہ کر کے اسٹیشن میں سے معذرت
کرانے سے وہ فائدہ حاصل نہیں ہوا جو اس موقع پر ایک دوسرے طریقے سے حاصل کیا جاسکتا
تھا۔ مضمون کا متعلقہ حصہ اس قدر لچر اور ساتھ ساتھ اتنے صاف طور سے قابلِ اعتراض تھا
کہ اُس پر اخبار کے ایڈیٹر کو بڑی آسانی سے قائل کیا جاسکتا تھا۔ اور اس طرح قائل معقول
ہونے کے بعد جو معذرت سامنے آتی وہ یقیناً اُس رسمی معذرت سے بہت مختلف ہوتی ہو کسی
دباؤ کے تحت کی جاتی ہو پھر اس دوسری شکل میں یہ حق بھی حاصل کیا جاسکتا تھا کہ
اسٹیشن ہی میں مسٹر ٹان بی کے مضمون پر ایک تنقیدی مضمون کسی مسلمان صاحبِ علم و ظلم
کا شائع ہو اور جن لوگوں تک مسٹر ٹان بی کا مضمون پہنچا جو ان کی نظر سے اُس پر نہ بھی گزرتے۔

یہ فریضہ دراصل ایک اسلامی حکومت پر عائد ہوتا ہے کہ اس کی قلمرو میں ناموس رسالت
پر کوئی دست درازی کی جائے تو حکومت کا سخت گیر ہاتھ حرکت میں آئے کیونکہ وہاں یہ ایک
اساسِ مملکت کی حرمت کا مسئلہ ہے اور اس کے تحفظ میں سختی برتنے بغیر کوئی حکومت ”حکومت“
کہلانے کی مستحق نہیں رہتی۔ لیکن ایک غیر اسلامی مملکت میں رہنے والے مسلمان ظاہر ہو کہ اس
ذمہ داری سے بری ہیں۔ وہ ذمہ داریاں جو حکمران مسلمانوں پر بتقاضائے حکومت و اقتدار
عائد ہوتی ہوں۔ دوسرے مسلمانوں پر ان کے عائد ہونے کا سوال ہی کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟
یہ بات الگ ہو کہ واجب نہ ہونے کے باوجود بعض صورتوں میں سختی سمجھن ہوگی اور اُس کے لیے
خطرہ مول لینا عزیمت کہلائے گا۔ لیکن عمومی طور پر غیر حکمران مسلمانوں کی ذمہ داری

یہ کہ وہ اپنی زندگی سے اپنے دین اور اپنے غیر کی عظمت لوگوں کے دلوں پر قائم کر لیں۔ اپنے بہترین وسائل جمع کر کے اسلام اور غیر اسلام کو صحیح طور پر اپنے غیر مسلم ماحول میں متعارف کرائیں۔ علم و استدلال کے بموجب تفصیل کرنے والوں کو علی اور استدلالی سطح پر جواب دیں غلط فہمی دنا آشنائی پر مبنی اعتراضات کے مقابلہ میں ”وَجَادِ لَهُمْ جَانِبِيْهِمْ اَصْحٰنُ“ کا عمل کسیر آزماتیں۔ اور کوئی سمجھانے اور جواب دینے کے قابل بھی نہ ہوتو ”وَ اِذَا اَمَرْتُ وَاٰلَا لَلْفُؤْمَرُوْا اَكْرَمًا“ کے طرز عمل سے خود ہی کے ماحول میں اس کے خلاف نفرت کا سامان کر دیں۔

غیر اسلامی ماحول کے مسلمان تو دراصل اپنی ذمہ داری کی رد سے اسلام کے بس مبلغ ہیں۔ اور ایک مبلغ کا لائحہ عمل یہی ہے لیکن مبلغ کا کام نبی پتہ ماری کا کام ہے۔ اس کے لیے آہن کا جگر چاہیے۔ چال چہ ہم لوگ (الامثالہ اللہ) اسلام کی عزت و حرمت کے بارے میں اسلامی حکومت کے فرائض کو اپنا لینا پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں ایک لذت نفس بھی ہے جو خواہ ہمیں وہ لذت سراسر معصوم اور مقدس جذبہ ہی کی لذت نظر آئے لیکن مبلغ کا کردار نفس کشی کا مجاہد چاہتا ہے! ایک طویل مجاہدہ جو آنا ناسرگرا دینے کی عزیمت سے بھی زیادہ سخت ہے! دین کا صحیح مجاہد و صحیح جذبہ وہ ہے جو انسان کو اُس کی اپنی ذمہ داریاں اٹھانے پر اُکسائے اپنی ذمہ داریاں چھوڑ کر اور اپنے کردار سے غافل ہو کر کوئی دوسرا من پسند کردار ادا کرنے کی اُکھاٹ آدمی میں پیدا ہوتی ہے تو یہاں سچے لینا چاہیے کہ کسی مقدس روپ میں کوئی چیز اندر داخل ہو گیا ہے۔ اور تلاش کرنے سے وہ ضرور ہاتھ آئے گا۔

سٹرٹان بی کے مضمون کی اشاعت پر اسٹینٹین سے معذرت نامہ چھپوا کر ہم نے اپنے جذبات کی تسکین کا سامان تو ضرور کر لیا لیکن کیا اسٹینٹین کے ایڈیٹر کو اندرونی طور پر معترف بھی کر دیا کہ اُس سے غلطی ہوئی تھی؟ کیا ہم نے اُس میں یہ احساس پیدا کر دیا کہ ہمارے جذبات و اعتقادات سے قطع نظر مضمون کا متعلقہ حصہ علم و تحقیق کے پیادے بھی نہایت پست و کم عیار تھا؟ کیا ہم نے اپنی اس ذمہ داری کو پورا کیا کہ جن لوگوں تک سٹرٹان بی

کی تحریر پہنچی ہوئی تک نہایت نوٹزد اور مدلل انداز میں ہماری یہ بات بھی پہنچ جائے کہ مسٹر
 ٹائمن بی نے اپنے علم و فضل کی ساری شہرت کے باوجود علم و فضل کے پھرے پر شخص خاک اڑائی ہو؟
 ہم نے اپنے مجروح دل کی ٹیس تو دور کر لی، مگر تقدیر رسالت کے سینہ میں جو تیرہ پیوست کیا
 گیا تھا اسے نکال پھینکنے بلکہ تیر انداز پر لوٹا دینے کا کوئی سوال ہی ہمارے ذہن میں نہیں آیا،
 آنکھوں میں بھی ہوئی سوئیاں جوں کی توں چھوڑ کر ہم خوش خوش چلے آئے کہ باقی سب سوئیاں
 نکل گئی ہیں، حالانکہ پھر کچھ زیادہ وقت نہیں گزرے گا کہ یہ سب بھی از سر نو بھیجی ہوئی ملیں گی؟
 ہم نے اسٹیٹسٹین سے معذرت کرائی اور اپنے نزدیک سارا فرض ادا کر دیا، حالانکہ وہ مندر
 جب ہمارے احتجاجی مظاہرہ کی خبروں کے ساتھ لوگوں کے سامنے پہنچی ہوگی تو زیادہ سے
 زیادہ صرف یہ اثر اُس سے لیا گیا ہوگا کہ مسلمانوں کے جذبات کو ہمیں پہنچتی تھی، لیکن یہ کہ
 یہ ہمیں پہنچا مسلمانوں کے خالص عقیدہ مندانہ نقطہ نظر پر معنی نہ تھا بلکہ اس سے قطع نظر بھی
 مضمون کے متعلقہ حصہ کا معیار بہت اعلیٰ علم و تحقیق کی ذمہ داریوں سے عاری تھا، اس
 تاثر کی ہوا تک کسی کو نہ لگی ہوگی، کیونکہ مسلمان اپنی دینی حس میں بدنام ہو اور ٹائمن بی وقت
 کے مانے ہوئے صاحبِ علم و نظر اور اسلامی تاریخ کے بھی اسکالر!

افسوس، جو اصل گم تھا وہ پس پشت رہا اور جو ہم پر کچھ ایسا فرض نہیں تھا اُس
 میں چار جاتیں تک چلی گئیں، کشمور، بنگالی صاحبِ قلم و اہل نظر مسٹر نرادر چودھری کے بقول:
 پروفیسر ٹائمن بی نے اپنی شہرت کو بالائے طاق رکھ کر یہ ایسا مضمون لکھا، جو کوئی تاریخ دان
 بلا تعصب نہیں لکھ سکتا (ملاحظہ ہو ہندوستان اینڈ ریڈ ۹ فروری ۱۹۶۹ء) اس لیے قدرتی طور پر
 یہ بہترین موقع دیتا تھا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے معاملہ میں مغربی مصنفین کی انہجیر گردی
 کا اچھی طرح پردہ چاک کر دیا جائے۔ اسٹیٹسٹین اگر اس کی اشاعت پر معذرت خواہ ہو سکتا
 تھا تو اس سے زیادہ آسانی کے ساتھ اس پر راضی ہو سکتا تھا کہ اس کا جواب اس میں
 شائع ہو۔ اور اس طرح یہ ایک خداداد موقع ملتا تھا کہ اسٹیٹسٹین جیسے موثر انگریزی اخبار
 میں مسلمانوں کے نقطہ نظر کی اشاعت ہو، ورنہ کہاں اس کا موقع ہوتا تھا!

مضمون کے بارے میں کا اندازہ کرنے کے لیے تو اب کیا، البتہ عبرت حاصل کرنے کے لیے اسے ذرا دیکھیے کہ خدا فراموشی کی سزا میں خود فراموشی (نَسُوا اللَّهَ فَاَسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ) کا کیسا نمونہ ہے۔ ایک عالمگیر شہرتِ علم و فضل کا الگ کس درجہ کی بچکانہ اور بخراندہ باتیں کر رہا ہے، ایک ہستی جس نے چار دہائی کا عالم میں روحانیت کا نور پھیلا دیا، جس نے دن رات میں پانچ پانچ دفعہ خدا کے لیے دنیا سے کٹ جانے کو ایک وسیع و عریض انسانیت کا دین بنادیا، جس نے مسائل کے ہر گرم و سرد موسم میں ایک مہینہ کی روزہ داری کا ذوق و رشتہ دنیا تک کے لیے اپنی اُمت میں ودیعت کر دیا، اُس پر گناہی جی کی فوقیت برائی جا رہی ہے، جن کی اصل دعوت کوئی روحانی کی دعوت ہی نہ تھی۔ اور جنہوں نے اپنے پیچھے کسی روحانی انقلاب کے کوئی آثار نہیں چھوڑے۔

حد ہو گئی، آنحضرت کے بارے میں ارشاد ہو کہ انہوں نے (معاذ اللہ) اپنے روحانی خاہدہ کی قیمت پر سیاسی کامیابی حاصل کی، جبکہ گناہی جی نے سیاست میں وہ کر روحانی پاکیزگی کی بھی اعلیٰ مثال قائم رکھی۔ اتنے بڑے دعوے کی دلیل کیا ہے؟ کچھ نہیں! البتہ اسے ایک امر واقعہ فرض کر کے اس کی وجہ کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہو اور وہ تکلیف دہ ہونے کے باوجود عبرت کے لیے سننے کی چیز ہو فرماتے ہیں: حضرت محمد کے برخلاف، کہ وہ ناکامی کی پریشانی سے دوچار اور قدرتی طور سے کسی دوسرے میدانِ عمل کے ہوا تھے، گناہی جی سیاست میں آئے سے قبل ہر طرح ایک آسودہ انسان تھے، ایک قانون دان کی حیثیت سے وہ ایک کامیاب پکیٹس کے مالک تھے۔ گویا جو شخص آسودہ حال اور نامور اہلِ مال ہو، وہ اگر سیاست میں آئے تو سڑاؤں کی بنی کے نقطہ نظر سے کسی حرص و آندہ اور کسی طامع آزمائی کا سامنا اس پر نہیں کر سکتا۔ برخلاف اس کے، جو شخص پیٹ پر پتھر باندھ کر گزارا کر رہا ہو، وہ اگر اس داری کا رخ کرنا ہو تو یقین کر لینا چاہیے کہ وہ دوسروں کو کچھ دینے کے لیے نہیں اپنا پیٹ بھرنے کے لیے اس طرف آیا ہو!

کیسے عبرت کی جاوے کہ ہمیں کہ ایک بچہ کا انسان کیسی طفلانہ اصول سازی کر رہا ہے۔ حالانکہ دنیا نے اخلاقی اور روحانی بہار کی جتنی فصلیں بھی دکھی ہیں اور آج بھی اس کے جو کچھ بچے کچھ پھول نظر آتے ہیں، تاہم گواہ ہو کہ وہ سب فاقہ مستوں ہی کا طفیل ہے اور

اس شرف میں اُن کا شریک کوئی آسودہ حال ہوا بھی تو اُسے بھی یہی طرزِ داد اپنانا پڑی۔
 ناز پروردہ نعم نہ بردارہ بدوست عاشقی شہوہ زندانِ بلاکش باشر
 اپنے دقت میں تاریخ کا امام سمجھا جائے والا آدمی تاریخ کی اتنی موٹی حقیقت سے روش
 بس ابھی جگہ یقین آتا ہو کہ ہدایت محض عطیہ خداوندی ہو جس کے لیے قلب سلیم چاہیے
 اور کچھ نہیں۔

پاکستان کے حالات بڑھ بڑھ کر دل بردارہ تھا کہ خدا کیا ہونا ہو، قدرتی طور سے اس پر کچھ
 لکھنے کا بھی خیال تھا، مگر قبل اس کے کہ قلم کو اس کی فرصت ملے، حالات کی اس ناسا داک درد
 پر مارشل لاکہ بند لگ گیا ہے! — یہ بند اور علاج بذاتِ خود اچھا ہو یا بُرا، اس کا فیصلہ
 اہل پاکستان کو کرنا ہو، لیکن اس میں اختلاف ممکن نہیں کہ جو ہو رہا تھا اس سے یقیناً یہ
 اچھا ہے۔

ان نئے حالات میں سیاسی سرگرمیاں تو یقیناً ممنوع ہو جائیں گی لیکن غیر سیاسی
 اور غیر اختلافی دینی سرگرمیوں کے لیے امید ہو اسی طرح اجازت رہے گی جس طرح شہد
 کے مارشل لاکہ میں رہی تھی، کیا اچھا ہو کہ دین کے تمام درد مند اس گنجائش سے پورا پورا فائدہ
 اٹھا کر پاکستانی عوام کو اُن اوفیں دینی تقاضوں سے آشنا کرنے پر کمر بستہ ہو جائیں جن
 سے ناآشنائی یا غفلت ہی ان سارے فسادات کی بھی جڑ ہو جن کا بھیا نک اور ناقابل
 گمان تماشہ وہاں ان دنوں دیکھنے میں آیا۔

اسلام کی بنیادی تعلیمات ہی میں تو اس کے تمام اولیں و آخرین اور عمومی و خصوصی
 تقاضے مضمر ہیں، پوری زندگی میں فنی و اثبات کی شاخیں اسی بیج سے نکل کر پھیلی ہیں۔
 اُس کے بوٹے بوٹے عام زندگی سے متعلق تقاضے قوم کے ذہن و عمل میں رچ بس جائیں
 تو مختلف شعبوں اور مختلف حالات کے تقاضوں کا سلسلہ کچھ زیادہ مشک نہیں رہتا، پھر ایک
 خاص حص پیدا ہو جاتی ہے جو قوم کی حفاظت سمجھی کرتی ہو اور ایک حد تک رہنمائی بھی۔ اس
 اندرونی روشنی کے ساتھ باہر سے جس جس کوڑ پر صحیح رہنمائی ملتی جائے گی قوم اُسے قبولی

کرتی جائے گی غلط تر غیبات اور اغوا کی کوششیں یہی قوم پر آسانی سے کارگر نہیں ہو سکتیں۔ اور اگر
 علانیہ ہوں تو چیلنج کئے جائے پر ٹک نہیں سکتیں لیکن اس مضبوط بنیاد کے لیے محنت کے بغیر محض
 قوم کے دعوئے اسلام پر تکیہ کر کے ہر اس غیر اسلامی دعوت اور جاہلی فرسے کو شکست دیدینے
 کی امید رکھنا جس کی فتح و شکست کا فیصلہ اکثریت کی حمایت و عدم حمایت سے ہونا ہو گا کوئی
 صحیح امید نہیں ہے۔

اسلام کے لیے لڑنے والا کیپ ہر طرح کے حربے استعمال نہیں کر سکتا جبکہ غیر اسلامی
 محاذ کو کوئی بھی وہ طریقہ اختیار کرنے میں عار نہیں جس سے لڑائی جیتنے میں مدد ملتی ہو خواہ
 کوئی سی بھی انسانی اور اخلاقی قدر پامال ہوتی ہو۔ اس لیے جب تک قوم کی غالب اکثریت
 مضبوط اسلامی مزاج، اسلامی کیرئیر اور سچے دینی جذبات نہ رکھتی ہو اس طرح کا کوئی اعلا
 معرکہ اہل دین کو جیتنے کی امید نہ رکھنی چاہیئے۔ ہمارا ذہن تو کچھ اس طرح بھی سوچتا ہو کہ
 آیا یہ بات مناسب ہو کہ ایک ایسی مسلم قوم میں اسلام کے اجتماعی نظام کو برسرِ اقدار لانے کی
 براہِ راست جدوجہد کی جائے جس میں کچھ لوگ (تھوڑے یا بہت) اس جدوجہد سے صاف
 صاف نظریاتی کشمکش کرنے اور ایسے چیلنج کرنے کی جرأت بھی کر سکتے ہوں۔ ہمارا خیال ہے کہ
 یہ بات قابلِ غور ہے۔ یہاں اسکی تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں، لیکن اگر یہ اشارہ کافی
 ثابت ہوا تو انشاء اللہ اس کی مزید وضاحت کی جائے گی!۔

ہمدردانِ الفتان سے!

۱۔ الفتان کی توسیع اشاعت کی کوششوں کی ضرورت ہو جن میں ہمیشہ ہمدردانِ الفرقان کا خاص حصہ
 رہا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ اپریل کے مہینے میں جب الفرقان کے نئے سال (نیتیش سال) کا
 بھی پلاہینہ ہو ہمدردانِ الفرقان اس طرف توجہ فرمائیں۔

۲۔ اگر آپ اپنا یا دینِ مقلین میں سے کسی کا کوئی اشتہار اخبارات و رسائل میں شائع ہوتا ہو تو
 الفرقان میں اسکی اشاعت و نشر و اشہر مشہر کے لیے بھی مفید ہوگی اور الفرقان کو بھی
 اس سے مدد ملے گی۔

ان دو پہلوؤں پر اگر ہمدردانِ الفتان اس مہینہ میں خاص طور پر توجہ فرمائیں تو ہم ان
 کے بیدِ شکر ہوں گے۔

کتابُ الاذکار والدُّعوات

معارفُ الحديث
(مُسَلَّس)

دُرود شریف کے خاص کلمات :-

[اس عنوان کے تحت چند حدیثیں گزشتہ اشاعت میں پیش کی جا چکی ہیں، ان کے آگے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔]

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَارِجَةَ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ الصَّلَاةِ عَلَيْكَ؟ فَقَالَ صَلُّوا عَلَيَّ وَاجْتَهِدُوا فِي الدُّعَاءِ وَقُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ عَمِيدٌ.

رواہ احمد والنسائی

حضرت زید بن خارجه رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ پر درود کس طرح بھیجی جائے؟ تو آپ نے فرمایا مجھ پر درود بھیجا کرو اور خوب اہتمام اور دل لگا کر دعا کیا کرو، اور یوں عرض کیا کرو۔

”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ

حَمِيدٌ مُّجِيدٌ

(منہاجہ سنن نائی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن خارجمہ کے اس سوال کے جواب میں کہ آپ پر درود کس طرح بھیجا جائے؟ درود کے کلمات بھی تلقین فرمائے اور اس سے پہلے ارشاد فرمایا "صَلِّ عَلَىَّ وَاجْتَبِدْ وَافِي الدُّعَاءِ" اس عاجز نے "وَاجْتَبِدْ" فِي الدُّعَاءِ کا مطلب یہی سمجھا ہے کہ درود شریف جو دراصل اللہ تعالیٰ کے حضور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک دُعائے صریح زبان سے سرسری طور پر نہیں بلکہ اہتمام اور دل کی پوری توجہ کے ساتھ مانگی جائے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ مَنْ قَالَ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَتَرَحَّمْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، شَهِدْتُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَشَفَعْتُ لَهُ

رداء الطبری فی تہذیب الآثار (رفع الباری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مجھ پر اس طرح درود بھیجا "اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَتَرَحَّمْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ" تو میں قیامت کے دن اس کے لیے شہادت دوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔

(تہذیب الآثار للطبری)

(تشریح) حضرت ابو ہریرہ کی روایت کی ہوئی اس درود میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل کے لیے صلوات اور برکت کے علاوہ ترحم کی بھی دُعائے ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بہت سے علماء اور فقہانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رحمت کی دعا سے منع فرمایا ہے، کیونکہ یہ دعا تو عام مومنین کے لیے کی جاتی ہے، لیکن اگر صلوٰۃ و سلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے رحمت اور تترحم کی استدعا آپ کے لیے کی جائے تو مضائقہ نہیں ہے، تشہد میں ”اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہ“ ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس میں آپ کے لیے سلام کے ساتھ رحمت کی دعا بھی ہے، اسی طرح حضرت ابو ہریرہ کے روایت کیے ہوئے اس درود میں صلوٰۃ اور برکت کی استدعا کے بعد تترحم کی استدعا بھی کی گئی ہے۔ اس طرح تترحم کی استدعا صلوٰۃ و سلام کا تکملہ بن جاتی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُكْتَلَ بِالْمَكِّيَّاتِ الْأُولَى إِذَا صَلَّيَ عَلَيْنَا أَهْلَ الْبَيْتِ فَلْيَقُلْ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَآزْوَاجِهِ أَقْمَاتِ الْمُؤْمِنِينَ وَذُرِّيَّتِهِ وَآهْلِ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ۔

رداء البدادر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو اس سے خوشی ہو اور وہ چاہے کہ تجھ پر اور میرے گھر والوں پر درود بھیج کے اللہ کی رحمتیں اور برکتیں زیادہ سے زیادہ اور بھرپور حاصل کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کیا کرے

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَآزْوَاجِهِ أَقْمَاتِ الْمُؤْمِنِينَ وَذُرِّيَّتِهِ وَآهْلِ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ	اے اللہ اپنی خاص نوازش اور عنایت و رحمت فرمائی اُمّی حضرت محمد پر اور ان کی ازواج مطہرات اُمتات المؤمنین پر اور ان کی اولاد پر اور ان کے سب گھر والوں پر، تو ہر حمد و ثناء کا مستحق
--	---

مُحَمَّدٌ۔

سزاوار ہے اور عظمت و کبریائی تیرا

ہی صفت ہے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث کی بنا پر بعض حضرات کا خیال ہے کہ درودوں میں یہ درود سب سے افضل ہے۔ کیونکہ فرمایا گیا ہے کہ جو زیادہ سے زیادہ اور بھرپور رحمت و برکت اور اجر و ثواب حاصل کرنا چاہے وہ یہ درود پڑھے۔ اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ نماز میں تو وہ درود پڑھنا افضل ہے جو ابتدائی حدیثوں میں گزر چکا اور نماز سے باہر یہ درود افضل ہے جس کو حضرت ابو ہریرہؓ نے اس حدیث میں روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَدَّ هُنَّ فِي يَدَيَّ جِبْرِئِيلُ وَقَالَ جِبْرِئِيلُ هَكَذَا أَنْزَلَتْ مِنْ عِنْدِ رَبِّ الْعِزَّةِ۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ۔

اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ۔

اللَّهُمَّ وَتَرَحَّمْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ۔

اللَّهُمَّ تَخَنَّنْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَخَنَّنْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ۔

اللَّهُمَّ وَسَلِّمْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا سَلَّمْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ۔

رواہ الیہی فی شعب الایمان والذلیلی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ جبرئیل امین نے میرے ہاتھ کی انگلیوں پر گن کر درود شریف کے یہ کلمات تعلیم فرمائے اور بتایا کہ ربُّ العزت جل جلالہ کی طرف سے یہ اسی طرح اترے ہیں۔۔۔۔۔ وہ کلمات یہ ہیں

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ..... الخ

(مسند فردوس دہلی، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس درود میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گھر والوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے صلوٰۃ اور برکت اور ترقی کی استدعا کے علاوہ سلام اور تحنن کی اتنا بھی کی گئی ہے۔ تحنن کے مفہوم کو اردو زبان میں شفقت اور پیار دلا رہے ادا کیا جاسکتا ہے اور سلام کے معنی ہیں ہر برائی اور ناپسندیدہ چیز سے سلامتی اور حفاظت۔ اس حدیث کے بارہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کنز العمال جلد اول میں جہاں یہ حدیث ذکر کی گئی ہے وہیں سند کے لحاظ سے اس کے ضعیف ہونے کی تصریح بھی کر دی گئی ہے۔ پھر اسی کی دوسری جلد میں اسی مضمون کی ایک حدیث اور درود شریف کے یہی کلمات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی صاحب متدرک ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری کی ”معرفت علوم الحدیث“ کے حوالے سے ان کی مسلسل سند کے ساتھ نقل کیے گئے ہیں اور اس سند کے بھی بعض راویوں پر سخت جرح کی گئی ہے، ساتھ ہی سیوطی سے نقل کیا گیا ہے کہ انھیں اس حدیث کے بعض اور طریقے بھی ملے، نیز حضرت انس سے بھی قریباً اسی مضمون کی ایک حدیث روایت کی گئی ہے جو ابن عساکر کے حوالہ سے کنز العمال میں بھی درج ہے۔ اور اصحاب فن کا یہ مسئلہ اصول ہے کہ ضعیف حدیث تعدد طرق کی وجہ سے قابل قبول ہو جاتی ہے۔ خاص کر فضائل اعمال میں ایسی حدیث سب کے نزدیک قابل عمل ہے۔ علامہ علی قاری نے شرح شفاء میں حاکم کی روایت کردہ حضرت علی دانی حدیث کے راویوں پر سخت جرح کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ ”غایتہ الامر یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کو بھی قابل اعتماد سمجھا جاتا ہے۔“ (شرح شفاء ص ۳۴) انہی سب باتوں پر نظر رکھتے ہوئے یہ حدیث ضعیف ہونے کے

یاد جو یہاں درج کر دی گئی ہے۔

یہاں تک جو احادیث درج ہوئیں جن میں درود و سلام کے کلمات تلقین فرمائے گئے ہیں، یہ سب مرفوع حدیثیں تھیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات تھے۔ اور ان میں درود و سلام کے جو کلمات تعلیم فرمائے گئے ہیں۔ ان سب کی بنیاد وحی ربانی پر ہے، حضرت ابو سعود انصاریؓ کی حدیث کے ذیل میں ادھر گزر چکا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بشیر بن سعد نے دریافت کیا کہ ہم آپ پر درود کس طرح بھیجا کریں؟ تو آپ کچھ دیر خاموش رہے، یہاں تک کہ وحی آئی اس کے بعد اپنے درود ابراہیمی تلقین فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ درود شریف کے بارہ میں آپ کو بنیادی رہنمائی وحی سے ملی تھی، اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ درود و سلام کے جو کلمات بھی کسی وقت آپ نے تلقین فرمائے ان کی بنیاد وحی پر ہے۔ اور یہ فضیلت درود و سلام کے انھیں کلمات کو حاصل ہے جو کسی وقت آپ نے تعلیم فرمائے۔ ان کے علاوہ بعض صحابہ کرام اور دوسرے سلف صالحین سے درود و سلام کے جو کلمات منقول ہیں ان کو یہ خصوصیت اور فضیلت حاصل نہیں ہے، اگرچہ ان میں سے بعض لفظی اور معنوی لحاظ سے بہت ہی بلند ہیں اور انہی بقولیت میں کوئی شبہ نہیں ہو۔ ان میں سے ایک درود جو کتب حدیث میں فقہ الامتہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا گیا ہے، اور دوسرا جو حضرت علی مرتضیٰ سے مروی ہے یہاں درج کیے جا رہے ہیں اور انہی پر روایات کا یہ سلسلہ ختم کیا جا رہا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَحْسِنُوا الصَّلَاةَ عَلَيْهِ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْرُونَ لَعَلَّ ذَالِكَ يُعْرَضُ عَلَيْهِ فَقَالُوا لَهُ فَعَلِمْنَا، فَقَالَ قُولُوا
اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلَى
سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَإِمَامِ الْمُتَّقِينَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّنَ مُحَمَّدٍ
عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ إِمَامِ الْخَيْرِ وَقَائِدِ الْخَيْرِ وَرَسُولِ الرَّحْمَةِ
اللَّهُمَّ ابْعَثْ مَقَامَهَا مُحَمَّدًا يُعْطَى بِهِ الْأَلْوَنُ وَالْأَخْرُونَ

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى
إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ اللَّهُمَّ بَارِكْ
عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى
آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ۔

رداء ابن ماجہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ جب
تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو تو بہتر سے بہتر طریقہ پر درود بھیجنے کی
کوشش کرو، تم جانتے نہیں ہو انشاء اللہ تمہارا وہ درود آپ کی خدمت میں
پیش کیا جائے گا۔ لوگوں نے عرض کیا تو آپ ہمیں بتا دیجئے اور سکھا دیجئے
کہ ہم کس طرح درود بھیجا کریں۔ آپ نے فرمایا یوں عرض کیا کہ
”اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَاتَكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتَكَ الخی قولہ
..... إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ“

اے اللہ اپنی خاص عنایات اور رحمتیں اور برکتیں نازل فرما سید المرسلین امام
المستقین، خاتم النبیین حضرت محمد پر جو تیرے خاص بندے اور رسول ہیں، نیکی
اور بھلائی کے راستہ کے امام اور راہنما ہیں، رحمت والے پیغمبر ہیں (یعنی جن کا
وجود ساری دنیا کے لیے باعث رحمت ہے)۔ اے اللہ ان کو اس مقام
محمود پر نازل فرما جو اولین و آخرین کے لیے قابل رشک ہو۔ اے اللہ حضرت
محمد اور آل محمد پر اپنی خاص نوازشیں اور عنایتیں فرما جس طرح کہ تو نے حضرت
ابراہیم و آل ابراہیم پر نوازشیں اور عنایتیں فرمائیں، اور حضرت محمد و آل محمد پر
اپنی خاص برکتیں نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم و آل ابراہیم پر برکتیں
نازل فرمائیں، تیری ذات ہر حمد و ستائش کی سزاوار ہے اور عظمت و کبریائی
تیری ذاتی صفت ہے۔

(سنن ابن ماجہ)

(تشریح) درود شریف کے یہ کلمات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے

لوگوں کو تعلیم فرمائے تھے، بلاشبہ بڑے مبارک اور مقبول کلمات ہیں اور اس میں وہ درود ابراہیمی بھی لفظ بہ لفظ شامل ہے جو کعب بن عجرہ کی اس روایت میں گزر چکا ہے جو صحیحین کے حوالے سے سب سے پہلے درج کی جا چکی ہے۔

عَنْ عَلِيِّ كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَهُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ — "إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا — لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ رَبِّي وَسَعْدَ يَدُكَ صَلَوَاتُ اللَّهِ الْبَرِّ الرَّحِيمِ وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ وَالنَّبِيِّ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَمَا سَبَّحَ لَكَ مِنْ شَيْءٍ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ عَلَى مُحَمَّدٍ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ خَاتِمِ النَّبِيِّينَ وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَإِمَامِ الْمُتَّقِينَ وَرَسُولِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الشَّاهِدِ الْبَشِيرِ الدَّاعِي إِلَيْكَ بِأَذْنِكَ السِّرَاجِ الْمُنِيرِ وَعَلَيْهِ السَّلَام —

اور وہ القاضی عیاض فی کتاب النفا

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح درود بھیجتے تھے — (پہلے سورہ احزاب کی آیت تلاوت فرماتے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجے گا حکم دیا گیا ہے) — "إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا — اس کے بعد کہتے لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ رَبِّي وَسَعْدَ يَدُكَ — اے میرے اللہ میں تیرے اس فرمان کی بسر و چشم تعمیل کرتا ہوں اور عرض کرتا ہوں

"صَلَوَاتُ اللَّهِ الْبَرِّ الرَّحِيمِ وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ وَالنَّبِيِّ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ... الخ"

اُس خداوند تعالیٰ کی طرف سے جو بڑا احسان فرمانے والا اور نہایت مہربان ہے

خاص نوازشیں اور عنایتیں ہوں، اور اس کے ملائکہ مقررین اور انبیاء اور صدیقین اور شہداء و صالحین کی اور اُس ساری مخلوقات کی جو اللہ کی تسبیح و حمد کرتی ہے بہترین دعائیں اور نیک تمنائیں ہوں حضرت محمد بن عبد اللہ کے لیے جو خاتم النبیین، سید المرسلین، امام المتقین اور رسول رب العالمین ہیں، جو اللہ کی طرف سے شہادت ادا کرنے والے ہیں، اللہ کے فرمانبردار بندوں کو رحمت و جنت کی بشارت سنانے والے اور مجرموں و نافرمانوں کو برے انجام سے اور اللہ کے عذاب سے آگاہی دینے والے ہیں جو تیرے بندوں کو تیرے حکم سے تیری طرف دعوت دیتے ہیں، اور تیرے ہی دشمن کیے ہوئے چہرہ پر اشک ہیں، اور ان پر سلام ہو۔ (شفاء قاضی عیاضی)

(تشریح) یہ درود پاک جیسا کہ ظاہر ہے الفاظ و مطالب کے لحاظ سے نہایت بلند اور ایمان افروز ہے۔ لیکن حدیث کی کسی کتاب میں اس کی روایت نظر سے نہیں گزری۔ البتہ پانچویں اور چھٹی صدی کے عالم اور محدث قاضی عیاض نے اپنی کتاب الشفاء بحقوق المصطفیٰ میں اس کو حضرت علی مرتضیٰ سے نقل کیا ہے۔ اور علامہ قسطلانی نے "مواہب لدینیہ" میں شیخ زین الدین بن محسن مراغی کی کتاب "تحقیق النضر فی دار الحجۃ" کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ پر یہی درود پاک پڑھا تھا اور لوگوں کے دریافت کرنے پر ان کو بھی تعلیم فرمایا تھا۔ بہر حال الفاظ و مطالب کے لحاظ سے بڑا باریا اور رُوح پر درود درود ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے درود و سلام کے جو کلمات یہاں نقل کیے گئے اُن سے یہ معلوم ہو گیا کہ اُمت کے لیے یہ پابندی نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف آپ کے تلقین فرمائے کلمات ہی کے ذریعہ درود و سلام بھیجے بلکہ ارباب

ذوق و محبت کے لیے دروازہ کھلا ہوا ہے وہ حدود شریعت کے پابند رہتے ہوئے اپنے ذوق و شوق کے تقاضے کے مطابق دوسرے کلمات کے ذریعہ بھی آپ پر صلوة و سلام بھیج سکتے ہیں۔ چنانچہ بہت سے اکابر امت، تابعین اور بعد کے علماء عارفین سے اور بھی کلمات منقول ہیں لیکن وہ سلسلہ معارف الحدیث سے باہر ہیں اس لیے ان کو یہاں درج کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا، اگر اشر نے توفیق دی تو ان میں سے بھی چند منتخب کلمات کو ایک مستقل مضمون میں جمع کرنے اور ان پر کچھ لکھنے کا ارادہ ہے۔
والحمد للہ رب العالمین والصلاة والسلام علی سید المرسلین
وآلہ واصحابہ اجمعین۔

معارف الحدیث جلد پنجم

ابید تھی کہ شروع اپریل میں تیار ہو جائے گی۔ لیکن

اب اندازہ ہو کہ انشاء اللہ آخر اپریل تک تیار ہو سکے گی

یہ جلد کتاب الاذکار والدعوات ہے

۔۔۔ اس کے مضامین اور دعوات کی فہرست انشاء اللہ فرقان میں بھی شائع کر دی جائے گی۔

اُس سے کتاب کی عظمت اور افادیت کا کچھ اندازہ کیا جاسکے گا

مصنف نے دیباچہ میں امید ظاہر کی ہے

کہ انشاء اللہ یہ کتاب میرے لیے اور اپنے ان پڑھنے والوں کے لیے جو رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی اس میراث کی قدر کریں جو اس کے ذریعہ ان تک پہنچائی جا رہی ہے مغفرت و

رحمت کا وسیلہ بنے گی۔

چار سو سے زیادہ صفحات، کتابت، طباعت دیدہ زیب، معیاری کاغذ، نفا علی

قیمت غیر مجلد ۶/۵۰ مجلد رگیزین پختہ ۵/۷۰

مینجر کتب خانہ الفتاویٰ، کچھری روڈ، لکھنؤ

حضرت شیخ شہنا الدین مہر دینی قاسم سرہ

اپنی وصایا اور فضلِ عجم کے آئینے میں

== اَنْمَوْلَانَا نَسِيْمَ اَحْمَدَ فَرِيْدِي اَمِيْرُو هِي ==

وَصَلَّىٰتْ — نصیر الدین بغدادی کو جبکہ اُنھیں خرقة پہنایا —

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ————— وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ————— (آپ نہ بٹائیں اپنے پاس سے اُن لوگوں کو جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ بس اپنے رب کی رضا چاہتے ہیں)۔

لفظ ارادت جو خاص اصطلاح کے طور پر مشائخِ صوفیہ کے یہاں مستعمل ہے اس کی اصل دنیا دہی آیت ہے (يُرِيدُونَ وَجْهَهُ) ————— مُرِيدُ مشائخِ صوفیہ کے نزدیک وہ ہے جس کی ہمت، اللہ تعالیٰ سے طلبِ مزید کرتی ہے۔ جو مزید کو برابر طلب کرتا رہے گا وہ مُرِيد ہے۔ جب وہ طلبِ مزید سے سست پڑ جائے گا تو اس کو (سست ترقی میں آگے بڑھنے کے بجائے) رجعت (واپسی) سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اور ارادت کے باب میں اس کی ہمت زائل ہو جائے گی۔ اکابرِ صوفیاء کے نزدیک ایسے شخص کی موت اس کی حیات سے بہتر ہوتی ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جب کوئی مُرِيد، مزید حاصل نہیں کر رہا ہے تو وہ نقصان میں ہے اور نقصان میں خسران

ہے — جب خسارہ دائمی طور پر کسی بندے کے شامل حال ہو جائے تو پھر اس کی موت اس کی حیات سے بہتر ہوتی ہے — مرید کو اپنی ارادت میں ایک شیخ کی ضرورت ہے جو صاحب بصیرت ہو، وہ راہ سلوک طے کرائے اور اس کو طریق موافقہ اور ابواب مریدانہ بتائے، نیز صفات نفس، اخلاق نفس اور مخفی شہوات نفس سے آگاہ کرے — اس لیے کہ معرفت نفس طریقہ صوفیاء کی جڑ اور بنیاد ہے — معرفت نفس کا معرفت رب سے گہرا تعلق ہے — جیسا کہ ایک بزرگ کا مقولہ ہے — ”جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا“ — معارف کے مراتب و منازل ہیں۔ اہل معرفت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ابرار دوسرے مقربین۔ ابرار کو نفس کی بعض حرکات اور شہوات کی معرفت ہوتی ہے۔ مگر مقربین کی معرفت نفس اس سے اعلیٰ ہوتی ہے — بہت سے علما، ابرار کی نظر میں اُن کے مبلغ علم کی رو سے عین طاعت ہوتے ہیں اور وہ مقربین کے نزدیک معصیت ہوتے ہیں کیونکہ مقربین کی نظر نفس کی حالت معلوم کرنے میں دقیق ہوتی ہے اور ان کو علم النفس میں کمال حاصل ہوتا ہو — اسی وجہ سے بزرگوں نے کہا ہے حسنات ابرار سیئات المقربین — یعنی ابرار کے نزدیک جو (بعض) حسنات ہیں وہ مقربین کے نزدیک سیئات کا درجہ رکھتے ہیں —

درحقیقت مشائخ صوفیاء میں جو ارباب بصیرت ہیں ان کے علاوہ کسی کئی مقامات و احوال کی تفصیل اور اُن آفات کی معرفت حاصل نہیں ہوتی جو فسادِ اعمال کا باعث ہیں — یہاں تک کہ وہ علماء جو احکام شرع اور علم مسائل و فتویٰ سے توافقت ہیں لیکن زہد فی الدنیا، تقویٰ اور علم القلوب سے بہرہ مند نہیں ہیں، وہ بھی مشائخ صوفیاء کے اس بلند مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس لیے کہ صوفیاء کا علم، ”میراث التقویٰ“ ہے — اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ اتَّقُوا اللَّهَ ذَٰلَکُمْ یَعْلَمُ اللَّهُ — اس آیت میں علم کو تقویٰ سے متصل کیا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّہٗ یُخفی اللہ من تبادۃ العلماء۔ (یعنی اللہ تعالیٰ سے

ڈرنے والے علم والے ہی ہیں) اس آیت میں غیر متقی سے علم کی نفی ہے۔
 جب کوئی شخص زہد فی الدنیا اور تقویٰ کے بغیر علم کو جمع کرے گا تو وہ فقط
 علم کا ایک برتن ہوگا۔ حقیقی عالم وہی ہوگا جو تقویٰ اختیار کرے گا۔ پس
 جب یہ بات واضح ہو گئی کہ مرید صادق، اللہ کے راستے میں چلنے کے لیے ایک
 ذی بصیرت شیخ کی صحبت کا محتاج ہے جو اس کو مقامات قرب اور حقیقت عبودیت تک
 پہنچا دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى
 بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنْ اَتَّبَعَنِ (اے رسول آپ کہہ دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے۔ میں اور
 میرے متبعین اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دیتے ہیں) نواب، شیخ کمال
 کا متابعت رسول کی بنا پر باذن اللہ، داعی الی اللہ ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ ...
 اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تعلیم کے لیے اور اپنے خاص بندوں کی تدریجی ترقی کو
 ظاہر کرنے کے لیے فرماتا ہے "وَالَّذِيْنَ يَقُولُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اٰزْوَاجِنَا
 وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْ لِّلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا" (وہ جو کہہ کتے
 ہیں اے ہمارے رب ہماری بیویوں اور ہماری ذریات دادلا دو کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک
 بنائے اور ہم کو تقویٰ شعار لوگوں کا امام بنائے) اس آیت سے پتہ چلا کہ ایک گروہ
 ایسا ہوتا ہے جو قدۃ المتقین کہلائے جانے کا مستحق ہوتا ہے۔ ہر وقت اور ہر زمانے
 میں ہر علاقے میں ایسے افراد ہوتے ہیں اگرچہ وہ عدد میں نسیل ہوں۔ جو کہ چھتر
 ایک بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں لہذا ان کی اقتداء بھی وہی مریدین صادقین کرتے
 ہیں جو طریق حق کے سالک ہوتے ہیں اور وہی ان سے علم اور ارشاد اس طرح حاصل
 کرتے ہیں جس طرح علماء راسان، علم و راست حاصل کرتے ہیں۔

..... مرید (مجازی طور پر) ولد ہوتا ہے اور شیخ بمنزلہ والد ہوتا ہے۔ اسلئے

کو ولادت دو قسم کی ہے ایک ولادت طبعیہ اور دوسری ولادت حقیقیہ۔۔۔۔۔ پس
 ولادت طبعیہ۔ رسوم ملک اور رسوم عالم شہادت و حکمت کی اقامت کے لیے واقع
 ہوتی ہے اور ولادت معنویہ اجزاء ملکوت اور عالم الغیب والقدرة کے مطالعے

کے لیے ہوتی ہے، سرکار رسالت مآب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اُمت کے معنوی والد ہیں اور شیخ حسن متابعت رسول کی وجہ سے مریدین کا روحانی باپ رہتا ہے۔ جس طرح ولادت طبعیہ میں بچے کے دودھ پینے کا ایک زمانہ اور دودھ چھوٹنے کا ایک وقت ہوتا ہے اسی طرح ولادت معنویہ میں ہے۔ پس مرید ملازمت شیخ اور اس کی دوام صحبت کا اس وقت تک محتاج رہتا ہے جب تک استفادہ کرنے کی قوت پیدا ہو اور اس کے لفظ اور اشارہ چشم سے نفع حاصل کرنے لگے۔ اور شیخ کے اشارہ چشم سے نفع حاصل کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ شیخ کو اور اس کے اعمال کو دیکھے کہ وہ کس طرح خلوت اور خلوت میں مع الحق اور مع الخلق رہتا ہے۔ شیخ کے اخلاق و آداب کو دیکھے کہ یہ سب باتیں سیکھے اور اس طور طریقے کا پابند رہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کمالی صدق و محبت کی بنا پر جب یہ شیخ کی طرف نظر محبت سے دیکھے اور شیخ بھی اس کی طرف نظر محبت سے دیکھے تو شیخ کی نگاہ سے اس کے باطن میں نور اور برکت پیدا ہونے لگے۔ اس طرح اس کے باطن میں خیر چاکریں ہو جائے جس طرح سپی کے اندر موتی منکھن ہوتا ہے..... بعض رانہوں میں یہ تاثیر ہے کہ وہ جب کسی انسان پر نظر ڈالیں یا کوئی انسان ان کی طرف دیکھ لے، تو انسان ہلاک ہو جائے۔ پھر کیا بعید ہے کہ بعض بندوں میں (منجانب اللہ) دلوں کے زندہ کرنے کی قوت پیدا ہو جائے۔

جب مرید صادق، شیخ کی خدمت میں رہے تو اس کا ادب یہ ہے کہ وہ اپنے ارادے اور اختیار سے نکل جائے اور حتی الامکان، ماکولات و طبوہات اور تمام معاملات میں شیخ کا تابع ہو۔ بالکل اس طرح جس طرح بچہ اپنے والد کا تابع ہوتا ہے..... مرید کے لیے حق تک پہنچنے کا راستہ سوائے شیخ کے ذریعہ کے اور کوئی نہیں۔ پس شیخ ابواب حق میں سے ایک کھلا ہوا دروازہ ہے۔ اس کی طرف رجوع کر کے اپنے اختیار و ارادہ سے دست بردار ہو جائے۔..... مرید، شیخ سے ناخص حالت میں جدا ہو گا تو اس صورت میں ایسی آفات کا اندیشہ ہے جو امراض قلبیہ تک پہنچانے

دالی ہوں اور مزاج توبہ و استقامت کو ختم کرنے والی ہوں، ابوجہ انحراف کے۔۔۔
ایسے شخص کا زہد کے بعد دنیا کی طرف اور عبادت سے عادت کی طرف رجوع
ہونا بہت جلد ہوتا ہے اور یہ مرض اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنے شیخ سے قبل ارادت
جدا ہو گیا، جس طرح دودھ پینے والے بچے کا جب اپنے وقت سے پہلے دودھ چھوٹ
جاتا ہے تو اسے (بعض اوقات) کوئی نرکی مرض لاحق ہو جاتا ہے۔۔۔ یہ دوام ملازم
و صحبت اُن مریدین کے لیے ضروری ہے جو صادقین میں نہ کہ ان کے لیے جو شیخ کے
صورت محب ہیں اور اس سے تھوڑی سی برکت چھل کرنے والے اور اس کی صحبت سے
ادنیٰ درجہ پر قناعت کرنے والے ہیں۔ اُن کا مرید نام پڑھانا محض رسمی ہے حقیقی
نہیں۔۔۔ پس مرید حقیقی کو شیخ، خرقہ ارادت اس وقت پہنا تا ہے جب پہلے
اس کے باطن کو ارادے اور اختیار سے انخلا کا خرقہ پہنا دیتا ہے اور وہ مرید جو بحین
میں سے ہے اس کو شیخ، فقط خرقہ تبرک پہنا تا ہے اور خرقہ ترک میں دوام صحبت
اور ملازمت شرط نہیں ہے، اس کے پھیننے سے مریدین میں شیخ سے (فدائے) شناہت
حاصل کر لیتے ہیں اور شیخ کے ساتھ رابطہ محبت بگاڑ چکے، غصہ ظاہر جاتا ہے، اور
بعد صحبت، برکت و خیر حاصل کر لیتے ہیں، پس خرقہ تبرک تو ہر اس محب کو دیا جا سکتا
ہے جو اچھا گمان رکھتا ہو اور اس خرقے کو طلب کرے۔ مگر خرقہ ارادت اس شخص
کو ہی پہنایا جاتا ہے جو مستقل جد و ہند کرے اور طریقہ میں اس طرح داخل ہو کہ اپنی
خواہشات ترک کرے، عادت تقویٰ اختیار کر کے اپنے ارادے سے نکل جائے۔۔۔
امرتی کی رعایت مد نظر رکھے، اپنی نظر کو مخلوق سے ہٹالے۔۔۔ مخلوق کی اقتدار نہ
کرے، نہ اُن کے استحقاق اور پسندیدگی کی نہ ان کے استقباح اور ناپسندیدگی کی۔
اس کے نزدیک قبیح و ناپسندیدہ وہ ہو جس کو شریعت نے قبیح قرار دیا ہے اور حسن و
پسندیدہ وہ ہو جس کو شریعت نے حسن بتایا ہے۔۔۔۔۔ وہ ہر تکلف سے
بری ہو۔۔۔

(باقی)

تفسیر قرآن

درس قرآن - دس سات جلدوں میں مجلد
گھر بیٹھے قرآن سمجھیں اور سمجھائیے۔

نہایت سادہ انداز میں قرآن کی تعلیم کو پیش کرنا والا ایک
قابل قدر سلسلہ اس کے ذریعہ ہر گھر میں درس قرآنی جاری
کیا جاسکتا ہے جو اجماعی افادہ پر کسی غرض سے ایک ایک صفحہ
کے سبق کی شکل میں مرتب کیا گیا ہے۔
ہر منزل کی ایک ایک جلد قیمت نکل سیٹ ۶/-

قصص القرآن

از مولانا حفص الرحمن مرحوم
اہم سابقہ کے سلسلے میں قرآن کے بیانات پر تراویح و حدیث
اور علوم عمرانی کی مدد سے تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے اور
ان واقعات کے ہر پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اپنے مضمون
پر پورا ایک کتب خانہ کی قیمت ملے گا۔ جلد غیر مجلد ۲۸/-

نہم قرآن

از مولانا سعید احمد اکبر آبادی
اس میں خاص طور سے ان لوگوں کی غلطی و رفع کی گئی ہے جو
حدیث نبوی اور اہل بیت علیہم السلام سے بے نیاز ہو کر قرآن سمجھنے
کے دعوے کرتے ہیں۔ قیمت ۴/-

دھی الہی

از مولانا سعید احمد اکبر آبادی
مسئلہ دھی پر مکتبہ کا کتاب ہے جس میں دھی اور اس کے
متعلقہ گوشوں پر جدید اسلوب میں بحث کی گئی ہے
قیمت ۴/-

القول فی التفسیر (ادد)

اہل علم کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ تفسیر کے اصول و
سادہ شاہد ہیں جو مختصر سادہ بنے نظیر ہے۔ اس سے
قرآن ہمیں کی عید لائے آجاتی ہے۔ فائدہ سے ترجمہ
کیا گیا ہے۔ قیمت ۱/-

الاتقان فی علوم القرآن (ادد)

علامہ سیوطیؒ امت عالیہ کے مشہور مفسرین میں ہیں۔
"الاتقان" ان کی تالیف ہے جو تفسیر ہے جس کو ان کی
شاہکار کہا جاسکتا ہے یہ قرآن ہمیں کے لیے بنیادی کتاب
ہے تفسیر قرآن سے متعلق تقدیم کی حد تک اس کے
علمی و ادبی اثرات اس میں محفوظ ہیں۔ بڑے سے بڑے
علماء بھی اس سے مستفید نہیں ہو سکتے۔ درجہ اول میں
قیمت کامل ۳۶/-

تفسیر تدریج قرآن (جلد اول)

از مولانا امین احسن اصلاحی
یہ تفسیر مولانا اصلاحی کے چالیس سالہ تدریس قرآن کا نتیجہ
ہے۔ قرآن پاک کی تفہیم کے واسطے اس کو بجا طور پر
اس دور کا شاہکار کہا جاسکتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے
اس تفسیر میں اضافہ ہوتا ہے کہ قرآن بیشک اللہ کی کلام
آفت کی طاعت بڑا کثرتی سا ہے۔ ۹۰ صفحات
نہایت حسین اور مضبوط جلد قیمت ۲۰/-

تفسیر مجیدی (جلد اول)

از مولانا عبد المجید دریا بادی
شیخ بہ سورہ فاتحہ و سورہ آل عمران، نیادین مکتب
نظرائی اور بہزرت اضافوں کے ساتھ۔
صفحات ۱۸۰، مضامین ۱۸۰، مضبوط جلد قیمت ۱۸/-

مولانا دریا بادی کے تفسیری رسائل
مولانا دریا بادی نے قرآن مجید سے متعلق خاص خاص
موضوعات پر چند متعلق رسائل بھی لکھے ہیں قرآن مجید
کے ہر باب قلم کو ان کا معاملہ کرنا چاہیے۔
قرآنی شخصیتیں ۲/۲۵ جو انات قرآنی ۲/-
تخصص رسائل ۲/- بشریت انبیاء ۲/۲۵

مکتب خانہ الفتحر، کچہری روڈ، لکھنؤ

ایک دُعا صحتِ بائِل دِل

مجلسِ حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی مظلہ

تیرھویں مجلس

(مرتبہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

۴ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۳ جنوری ۱۹۶۹ء پشتمنہ ۹ بجے صبح
خاص حاضرین مجلس مولوی حسن خاں میوانی، سید ظہیر الحسن صاحب (ذبیح نواب
سید نور الحسن خاں خلف الرشید نواب سید صدیق حسن خاں بہادر، مولوی
فراہیم صاحب تحصیلدار، مولوی نثار الحق ندوی۔

ہم لوگ جب بچے تو مکتوباتِ امام ربانی کا مکتوب ۱۶ جو حدیث و فتاویٰ عالم کے
بارے میں مولانا حمید احمدی کے نام تحریر کیا گیا ہے، پڑھا جا رہا تھا، پہلے حضرت نے اس کا
فارسی متن پڑھ کر سنایا، پھر حافظ منظور صاحب نے اس کا اردو ترجمہ پڑھا۔

حضرت نے سامنے سے ایک جگہ کتاب اٹھائی، اور سید ظہیر الحسن صاحب کی طرف
ہنس کو بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ "نماز پڑھنے کا مزہ تو اس کو پڑھنے کے بعد آئے گا، ہم کو معلوم
ہی نہیں کہ نماز کیا ہے"۔ ظہیر الحسن صاحب نے کتاب کھول کر دیکھی تو وہ "الارکان الادبیۃ"
تھی۔ راقم سطور ان کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا، اس کی بھی نظر پڑی، فرمایا کہ "قرآن شریف کا

عطر ہے اس کو روز گھونٹا رہے، کپڑا بننا، گلاب بننا وغیرہ ایک مدت میں آتا ہے، دین کو یہ سمجھ رکھا ہے کہ ادھر گئی کھایا، ادھر آئینہ میں منہ دیکھنے لگے، دین کا کام بھی ایک مدت میں آتا ہے، جس طرح دنیا کے کاموں کو ہم مدتوں میں دیکھتے ہیں، راقم سطور نے عرض کیا کہ حضرت دُعا فرمائیں کہ اس کے لکھنے والے کو بھی ناز پڑھنی آجائے، حضرت نے اس پر پُرازدِ شفقت کلمات فرمائے اور دُعا دی۔

فرمایا عبادتوں میں چہرہ نہ ملا ہوا ہے، کھاتے جاؤ بھوک لگتی جاتی ہے، اسی کا نام عبادت ہے جس سے طبیعت سیر ہوئی اس کا نام عادت ہے، دُنیا کی ہر چیز کے کھانے کے بعد طبیعت سیر ہو جاتی ہے مگر عبادت سے طبیعت سیر نہیں ہوتی، عادت اور عبادت میں یہی فرق ہے، میری بچی کی شادی ہوئی سب بھائیوں نے اس کو تحفے دیئے، میں نے اس کو ایک نصیحت نامہ لکھ کر دیا، یہی میرا تحفہ تھا، اس کا خاص مضمون یہی تھا کہ عادات کو عبادت بنانے کی کوشش کرو، عبادات کو عادت نہ بنالو، اس وقت ہماری اکثر عبادات عادت بن گئی ہیں، جو عادت اور بغیر کسی شعور و استحضار کے ادا ہوتی ہیں، کسی کو کلب جانے کی عادت ہے، کسی کو مسجد جہنم کی، عبادت کی عظمت اور اس کی فضیلت کا استحضار نہیں ہوتا، اجر و ثواب کے خیال اور آسہ و آسودگی پر نظر کر کے کسی کام کو انجام دینے کا نام عبادت ہے، یہی ترغیب و منافع ہیں جن کی وجہ سے آدمی سردی کی رات میں جب وہ میٹھی نیند سو رہا ہوتا ہے، لمحات سے نکل کر ناز پڑھنے کے لیے اُٹھتا ہے، ٹھنڈے پانی سے وضو کرتا ہے، مسجد جاتا ہے اور یہی دُنیاوی منافع کی خاطر کرتا ہے، ڈاکہ کی آواز پر کوئی عزیز سفر حج سے واپس آئے ہیں اُن کے استقبال و ملاقات کے لیے آرام چھوڑ کر، اور تکلیف اٹھا کر جاتا ہو۔ مجھے تہجد کے لیے اُن چیزوں سے کام لینے سے ہمیشہ اختلاف رہا، جو بیداری کے لیے معاون اور نیند دور کرنے والی ہیں، اس کے لیے تو ”هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَاَعْطِيْهِ“

هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَاسْتَغْفِرْ لَهُ“ کی وہ عدا ہی کافی ہے جو رات کے آخری حصہ (ثَلَاثُ اللَّيْلِ الْأَخِيرِ) میں لگتی ہے۔ اس عدا کے بعد پھر کسی اور تدبیر یا انتظام کی ضرورت نہیں۔

فرمایا کہ مہربی کے ایک تاجر ایک مرتبہ کہیں جاتے ہوئے بھوپال اُتر گئے، اس دن میرے سر میں درد تھا، میں دوپہر کو یہ کہہ کر سو گیا کہ مجھے جگانا نہیں، وہ سیٹھ صاحب آئے مجھے دریافت کیا اور کہا کہ مجھے جلد جانا ہے، لوگوں نے مجھے جگانا دیا، سرگرائی تو بہت ہوئی لیکن اس خیال سے کہ اللہ کی مخلوق سے فائدہ ہوتا ہے، کوئی آتا ہے تو میں پُردل بھر لیتا ہوں، اُنھوں نے حضرت تاج الدین باباؒ کا ذکر شروع کیا، کہ ایسے بزرگ تھے ایسے سیف زبان تھے، جس سے جو کہہ دیا، ہو گیا، جس کو سخت سُست کیا یا پتھر اُٹھا کر مارا اس کا کام بن گیا، میں خاموش سن رہا، جب وہ اچھی طرح بیان کر چکے تو میں نے کہا کہ میں بڑا خوش قسمت ہوں کہ تاج الدین باباؒ روز رات کے آخری پہر میں میرے غریب خانہ پر تشریف لاتے ہیں، لیکن بد قسمت بھی پرلے درجہ کا ہوں کہ وہی وقت میرے گہری نیند سونے کا ہوتا ہے، وہ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، مجھے خبر نہیں ہوتی، اسیٹھ صاحب میری یہ بات سن کر بہت چونکے، اور کہنے لگے کہ اُن کا تو مدت ہوئی وصال ہو گیا، وہ اب کہاں تشریف لاتے ہیں؟ اور اتنا کامل بزرگ کسی کے یہاں آئے تو وہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں نے کہا کہ میرا تو یہی قصہ ہے کہ تاج الدین باباؒ تشریف لاتے ہیں اور میں ہوتا رہتا ہوں، جب اُن کی حیرت کی انتہا ہو گئی تو میں نے کہا کہ آپ تاج الدین باباؒ کے جو لے سمجھیں میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے یہ حدیث مروی ہے کہ جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوتی ہو کہ کون جو مجھ سے دعا کرے میں قبول کروں کون جو مجھ سے مانگے میں کو دوں کون جو معفوٰ طلب کرے، میں اس کی مغفرت کا فیصلہ کروں۔

میں ناگپور کے ایک مجذوب بزرگ تھے، پہلے انگریزی فوج میں تھے، پھر ترک و بخرید اختیار کر لی، صاحب جذبِ محال تھے وفات کو غالباً پچاس برس ہوئے ہوں گے۔

سے اُمراء اور اغنیاء کا عام حال یہی ہو کہ کسی بزرگ کے پاس جاتے ہیں تو بجائے اس سے استفادہ کرنے اور اسکی بات غور کرنے کے، دوسرے بزرگوں کی بزرگی کا حال اور ان کے کرامات و خوارق بیان کرتے لگتے ہیں۔

صفات بیان کر رہے ہیں کہ زبان سے کچھ نکلا اور ادھر ہو گیا، جس کی طرف اشارہ کر دیا اس کا کام بن گیا، یہ تو دراصل اللہ تعالیٰ کی صفت ہے،

”إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۚ فَسُبْحَانَ
الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ“

میں کی شان یہ ہو کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرے تو کہہ دیتا ہو کہ ہو جا، تو وہ صرت اس کے حکم سے موجود ہو جاتا ہو پاک
ہو وہ ذات ہی کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہو، اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کے جانا ہو۔

اور جس کی یہ شان ہے وہ میرے گھر روز مخبر صادق (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطلاع کے
مطابق نزل و اجلال فرماتا ہے، لیکن وہی وقت میرے خواب نوٹیں کا ہوتا ہے، اس لیے
مجھ سے بڑھ کر خوش قسمت اور بد قسمت کون ہو سکتا ہے کہ اس کی طرف سے بذل و عطا
کا اعلان ہوتا ہے اور رحمت کا صلائے عام دیا جاتا ہو اور میں گہری نیند سوتا ہوں، اگر ایسی
بڑی ہستی کسی کے یہاں آنے والی ہو تو آدمی تو برس تک اس کے انتظار میں گھڑا رہ
سکتا ہے، عربی نے کچھ غلط نہیں کہا ہے،

عربی اگر بگریہ میسر شدے وصال

صد سال می توان بہ تمنّا گریستن

لیکن اس غیبی آواز کو سننے کے لیے خاص حسّہ اور خاص کان درکار ہیں، جس
طرح ایک ملک کی آواز دوسرے ملک میں سننے کے لیے ایک مخصوص صندوقچہ (ریڈیو سٹ)

۱۵ یہ واقعہ حضرت نے اس تفصیل کے ساتھ ساٹھ سال پہلے میری ابتدائی حاضری کے موقع پر سنایا تھا، میری
خواہش تھی کہ حضرت اس کا اعادہ فرادیں، تاکہ اس مجلس کے مفعولات میں میں اس کو قلم بند کروں، آج
یہ تمنا پوری ہوئی۔ حضرت نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تاج الدین بابا کا وہ قصہ جو میں نے آپ
کو سنایا تھا، پھر اس کو اختصار کے ساتھ بیان کیا میں نے اپنے حافظہ پر زور ڈال کر یہاں وہ قصہ اسی
تفصیل کے ساتھ نقل کر دیا، جو میں تقریباً بیس سال پہلے حضرت کی زبان سے سن چکا ہوں اور
کئی موقوفوں پر اس کو نقل کر چکا ہوں۔

کی ضرورت ہے، جس کے پاس وہ صندوق ہے اور وہ اس کے استعمال کا طریقہ جانتا ہے وہ بھوپال میں بیٹھا ہوا کراچی کی آواز سنتا ہے، اور جو اس سے محروم ہے وہ اس سے بے بہرہ رہتا ہے، ایسے ہی یہ آواز ہر شخص نہیں سنتا۔ قبر والے بھی بکھار رہے ہیں "يَا وَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ" (اے ہمارے ہمتی! ہم اس سے غافل رہے، ہم ہی غفلت و اہمال سورہ نمل میں خدا کے تین پیغام پہنچانے والوں کا جو ذکر ہے اس کو پڑھیے۔

"وَاصْبِرْ لَهُمْ مَثَلًا أَصْحَابَ الْقُرْيَةِ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ" انہ اس قصہ میں بھی آتا ہے، کہ جب اُس تیسرے خدا کے بندے کو بھی شہید کر دیا، اور اللہ نے اس کو اپنے انعامات سے سرفراز فرمایا، تو اس کا قول بھی منقول ہے "قَالَ يَا لَئِيتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ" مگر یہ آواز دہی سنتے ہیں جن کا حاشہ بیدار ہوتا ہے اور کان کھلے ہوتے ہیں۔

ان آیات کے مطالب کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بعض اوقات مصیبت فرحت کا مقدمہ بن کر آتی ہے، اسی واقعہ میں ہے کہ نبیؐ آئے تو قوم پر قحط ہو گیا۔ "قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرُ بِكُمْ" تمہارا آنا ہمارے لیے بدشگونی کا باعث ہوا، انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے اعمال سب بڑھ کر بدشگونی کا باعث ہیں، "ثَالُوا طَائِرُكُمْ مَعَكُمْ" میں نے حیدر آباد کے طاعون، انفلوئنزا اور موسیٰ ندی کے سیلاب کے متعلق یہی کہا تھا کہ یہ حالات، اور مصائب چونکانے اور آنکھ کھولنے کے لیے آئے ہیں، میں نے اسی وقت کہا تھا کہ یہ اللہ کی رحمت ہے، لوگ کہتے تھے کہ یہ رحمت کیسے ہو سکتی ہے، میں نے کہا تھا کہ جب غضب آتا ہے تو رحمت لے کر آتا ہے، لیکن اگر ان سے سبق نہ لیا گیا تو پھر خیر نہیں، چنانچہ یہی ہوا، کہ میں تو چلا آیا، لیکن مدت کے بعد پھر وہاں وہ انقلاب آیا کہ دنیا ہی بدل گئی۔

عرصیاں جاری ہیں کہ غضب بھیجے اور وہ فرماتے ہیں نا منظور! لوگوں کے حالات ایسے ہو چکے ہیں کہ غضب آئے لیکن اللہ کے ایسے بندے موجود ہیں جن کی وجہ سے غضب نہیں آ رہا ہے، انفلوئنزا آیا، ندی آئی، اس کے بعد اللہ نے ڈھکیل کر پہنچا دیا،

لے کاش میری قوم داؤں کو کسی طرح مسلم ہو جائے میرے پوروں گارنے بھرتے، یا درمیرا کام دعوہ فرمایا گیا۔

اللہ کے بندے غور و فکر نہیں کرتے۔

فرمایا کہ روح کا اپنے تعلق دلوں سے بڑا تعلق رہتا ہے، یہ بات بہت دلیلوں سے

ثابت ہے، ”قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ بِمَا غَضِبَ رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ

الْمُذْمُومِينَ“ سے بھی ظاہر ہوتا ہے، اب وہ قرآن مجید کے صند و قہ سے ظاہر ہو رہا

ہے، یہ سب آوازیں قبرستانوں سے آتی ہیں، آنکھیں بند کر لینے کی حالت میں (مراقبہ میں)

تخیلی آواز آتی ہے لیکن قرآن مجید کے ذریعہ مستند اور ناقابل انکار طریقہ پر آوازیں آتی ہیں

اور حقائق کا علم ہوتا ہو کیسے کیسے دریافت، ترقی یافتہ، اور معزز لوگ ان قبروں میں پڑے

ہوئے ہیں، مولانا حاجی نے خوب فرمایا ہے،

بر سر قبر کیے رفتم و گفتم چونی

گفت احوال چہ پرسی چو تو آئی دانی

مگر از ذائقۃ الموت خبر نیست ترا

تو کہ بے ہوش دریں عالم سرگردانی



دماغین

دماغی کمزوریوں

کی

کامیاب دوا

دماغی کام کرنے والے مسئلہ اہل علم، ٹیچر، وکیل، انجینئروں کے لئے ایک تحفہ ہر عمر کے لوگ استعمال کر سکتے ہیں

دواخانہ طبیب کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ



اسلام کے حلقہ بگوش عربوں کو قرآن کی نوید فتح

(الفرقان کے پچھلے شمارہ میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی زیر طبع کتاب "ما قبل التکبیر" و ما بعد ہمارے جس آخری مضمون "فتح للعرب المسلمین" کا ذکر کیا تھا اس کا اردو ترجمہ پیش ہے یہ مضمون ایسے دینی و تاریخی حقائق پر مشتمل ہے، جو غالباً اس دفاحت و قوت کے ساتھ اس سے پہلے جدید طبقہ کے سامنے نہیں آئے۔ ترجمہ حسب سابق سید محمد الحسنی مدظلہ العالی (النبیۃ الاسلامیہ کا ہے۔)

اس میں کوئی شک نہیں کہ بین الاقوامی یہودیت کو اپنے بہت سے مقاصد و توقع سے بھی زائد کامیابی حاصل ہو چکی ہے۔ اور اس کے بہت سے وہ منصوبے بروئے کار آگئے ہیں جن کا خواب وہ ہزاروں سال سے دیکھ رہی تھی۔ بہت سی وہ باتیں جو پہلے خواب خیال اور جنون و پریشان دماغی کا نتیجہ معلوم ہوتی تھیں اس آسانی کے ساتھ واقعہ بن چکی ہیں کہ نہ صرف عرب بلکہ یہودی بھی کچھ عرصہ پیشتر اس کا تصور کرنے سے قاصر تھے۔

پہلے اسرائیل کی ریاست عالم عربی کے قالب و جگر اور اس کے بہترین و مقدس مقامات کے عین وسط میں قائم ہوئی اور عربوں اور مسلمانوں کے سینہ پر کاہوس بن کر مسلط ہو گئی، اس کے بعد یہودیوں کے بین الاقوامی اثر و رسوخ کی بدولت اس نے اپنے وجود کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ دن بدن طاقت پکڑتی گئی اور بالآخر عالم عربی کی سب سے بڑی فوجی طاقت پر غالب آئی اور اس کی

ہوائی قوت کو ختم کر دینے میں کامیاب ہو گئی۔ اس سے زیادہ خطرناک بات یہ ہوئی کہ اس نے ہر چون کی جنگ میں چند گھنٹوں کے اندر عربوں کی قوت اور قوت مدافعت کو سخت نقصان پہنچایا، بیت المقدس، شہر اردن، اے مغربی کنارے اور جزیرہ نمائے سینا پر مکمل قبضہ کر لیا، سوئز اور مصر کے ساحلی شہر ہر وقت اسرائیلی حملہ کی زد میں رہنے لگے، شام میں اس نے اندر تک پیش قدمی کی اور بیت سے فوجی اہمیت کے مقامات اور پہاڑیوں پر قبضہ کر لیا، اس نے بعض عرب ممالک کے ہوائی اڈوں کو بڑی جہازات کے ساتھ نشانہ بنایا اور اب وہ پورے عالم عربی پر قبضہ چھانے اور جہاز کے مقدس مقامات تک پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔

اسرائیل کے بعض لیڈروں نے کھل کر یہ بات کہی ہے کہ اسلام کے دور اول میں جن یہودی نوآبادیوں پر قبضہ کر لیا گیا تھا وہ اس پر دوبارہ قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے آگے بڑھ کر بہت سے یہودی۔ یہ خواب دیکھ رہے ہیں کہ ایک نہ ایک دن ان کو دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن جائے جس کا حکم دنیا کے تمام حدود و ملکات، سرکاران حکومت اور دیندار پر پڑے گا۔ اور اس طرح وہ خواب پورا ہو جائے گا جس کا ذکر یہودیوں کی مقدس کتاب تلمود میں اور حکماء صیہون کے مشہور پروردگار کو کریمین کتاب ہے۔

اب میں اس پر غور و فکر کرتا ہوں کہ کیا یہ صورت حال واقعی مستقبل اور پائیدار صورت اختیار کرے گی اور صیہونیت کے باقی ماندہ منصوبے بھی پائیہ نیکی کو پہنچ جائیں گے، کیا عرب اور مسلمان ان حوصلہ مند یہودیوں کے رحم و کرم پر رہنے کے لیے مجبور ہوں گے، کیا ان کی رسی اتنی دراز کر دی جائے گی اور ان کو اس طرح بے درپہ کامیابیاں حاصل ہوتی جائیں گی کہ بالآخر ساری دنیا پر ان کا تسلط قائم ہو جائے گا، ان کے تمام منصوبے اور مقاصد پورے ہو جائیں گے، اور ان کا فلسفہ حیات اور افکار و نظریات ساری دنیا میں پھیل جائیں گے، کیا انسانیت کی زمام قیادت ان کے حوالہ کر دی جائے گی، اور وہ اس طرح اس کی رہنمائی د

قیادت کرنے لگیں گے جس طرح تاریخ کے بہت سے دوسرے مذاہب، تہذیبوں اور دعوتوں نے اپنے اپنے وقت پر کی تھی۔

ہم اس وقت تک اس سوال کا فیصلہ کن اور قطعی جواب نہیں دے سکتے جب تک کہ ہم اس عجیب و غریب اور بیکراں کائنات پر ایک نظر نہ ڈال لیں، اس کے خالق و پروردگار کے اسماء و صفات، افعال و ارادوں اور اس کے قوانین فطرت و اصول قدرت کا مطالعہ نہ کر لیں، اور انسانی تاریخ کے تجربوں اور اہم واقعات کو اپنی نظر کے سامنے نہ رکھیں۔

ہم اس سوال کا اطمینان بخش جواب اسی وقت دے سکتے ہیں جب نسل انسانی کی صلاحیت، انسانی حمیر میں خیر و شر کی آمیزش، انبی نوع انسان کا مستقبل اور اس کائنات کی تقدیر اور قوانین فطرت ہماری نظر کے سامنے ہوں اور ہمارے ذہن میں ان کا واضح اور یقین تصور موجود ہو۔

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ خالق کائنات نے اس کائنات اور اس سیارہ کو جس پر ہم رہتے ہیں صرف فساد و تخریب، خون ریزی اور دہشت پسندی، ظلم و سنگدلی، حیوانیت و برکت سازشوں اور کمزوری کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور اس نے اس دنیا کے لئے یہ سارا اہتمام و انتظام (جو اس کے شیعہ کے حسن و جمال، ترتیب و توازن اور اعجاز سے ظاہر ہے اور جس میں انبیاء کی بعثت، کتب سماویہ کا نزول، وحی و الہام، صالحین و صالحین کی نصرت، خیر پرشہ اور فساد پر صلاح و فلاح کا غلبہ سب چیزیں شامل ہیں) صرف اس لئے کیا ہے کہ اس پر ایک ایسے عفر کا قتل ہو جائے جو کسی زمانہ میں انبیاء کی طرف منسوب سمجھا جاتا تھا اور جس کی روگول میں ان کے خون کے چند ایسے ذرے شامل ہیں جن کو آج خوردبین سے دیکھنا بھی مشکل ہے اور جسکی حقیقت تک رسائی ریاضی کی مدد سے بھی ناممکن ہے، اُس نے اس کائنات کا پورا انتظام اس کاظم کیا ہے کہ ایک نسل جو اپنے کو (خدا کی پسندیدہ و برگزیدہ قوم) کہتی ہے اور اپنے کو مقدس الہی خاندان کے افراد سمجھتی ہے شاری طاقتوں مارے ذہن پر اور دولتوں پر قابض ہو جائے۔

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ یہ خاندان وہ واحد انسانی نسل ہے

جس کو اللہ نے ہر قسم کی صلاحیتوں اور طاقتوں سے نالا مال کر دیا ہے اور ہر قسم کی ذہانت، عقلی دماغی اور ہر قسم کا کمال صرف اس کے ساتھ مخصوص ہے۔ باقی تمام نسل جن سے دنیا آباد اور بزم عالم قائم ہے وہ آٹے کے چکر کی طرح حقیر و بے قیمت ہیں اور ہر طرح کی اہمیت و صلاحیت، ایجاد و اختراع کی قوت اور محکم یہ کہ تمام عطیات خداوندی سے کسر محروم ہیں تو ہمیں یہ بات یقیناً تسلیم کر لینا چاہیے کہ صرف اسی نسل کو نبی نوع انسان پر حکمرانی کا حق حاصل ہے اور دوسری تمام نسلیں واقوام صرف اس لیے پیدا ہوئے ہیں کہ ان کو جانوروں کے روپ اور بھڑوں کے گلہ کی طرح ہانکا جاتا رہے۔ اس ناز پروردہ اور محبوب اولاد اور ان ”مہمی و پیدائشی خوش نصیبوں“ کے سوا جتنے لوگ بھی ہیں وہ شطرنج کے ان مہروں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے جن کو یہ مغز اور ذہن یہودی بڑی قدر و ہمارت کے ساتھ ایک دوسرے سے لڑاتے اور ان سے کھیلنے رہتے ہیں، خود ان کو اپنے مستقبل کی تعبیر اور زندگی کی تشکیل میں کوئی دخل نہیں ہے۔

اسی طرح اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ انسانی فطرت اصلاً بد ہے، اور تعمیر کے مقابلہ میں تخریب کو اور اصلاح کے مقابلہ میں فساد کو پسند کرتی ہے، ہر چیز کو بدگمانی کی نظر سے دیکھتی ہے۔ ساری دنیا سے بیزار اور برسر پیکار ہے، امنی و حال دونوں سے برگشتہ ہے۔ وہ ہر وقت نفاق و دروغ اور انتقام، نفرت اور کینہ کی آگ میں جلتی رہتی ہے، اور اپنے سینہ میں ہر قسم کی قسوت و سبید و عداوتوں کا ذخیرہ رکھتی ہے اور ہر صنعت و تعمیر اور ہر تمدنی ورثہ اور تمدنی دولت کے صرف کمزور پہلو دیکھنے کی عادی ہے۔ اپنے سوا سب کو حقیر سمجھتی ہے، وہ احساس کمتری کا شکار ہے، اور اس کی نگاہ میں انسان کی عزت و شرافت

۱۔ آیات کو قرآن مجید نے ان کی زبان سے اس طرح ادا کیا ہے۔ نحن ابناء الله واحباؤه
رسوله مائدہ ۱۸) اہل عہد عتیق اور تلمود کے ہمنامات ان وغیرہ یہ جبرستوں ہیں اور ان میں جا بجا یہودیوں
کے امتیاز و تفاخر کی ذکر ہے۔ یہ مختصر مضمون اس کی تفصیلات کا مضمون نہیں۔

کا کوئی قیمت نہیں ہے۔ مادہ پرستی کے سوا اس کا کوئی سطح نظر نہیں اور عقلی جذبات کی تسکین و تکمیل کے سوا اس کا کوئی مشرب و مسکب نہیں وہ فتح کے وقت ظلم و بربریت کی آخری حد پر ہوتی ہے، اور ہزیمت کے بعد بزدلی کے آخری کنارے پر، وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ہر قسم کے جائز و ناجائز وسائل کو استعمال کرنا ضروری سمجھتی ہے، اپنے عزائم کو بروئے کار لانے کے لیے اس کو ذیل سے ذیل عمل، بڑے سے بڑے ظلم، پست سے پست اختلاق اور آخری درجہ کے فحاشی سے بھی کوئی عار نہیں ہوتا۔

اگر ہم تھوڑی دیر کے لیے یہ فرض کر لیں کہ تاریخ سادی، تہذیب و تمدن کی تشکیل، انسانی کی فلاح اور اقوام عالم کی سیاست و تدبیر کا واحد تیسری اور حقیقی محرک اور طاقتور و مؤثر عنصر صرف کروفریب جرائم پسندی، تخریبی ذہانت ہے اور تہذیب و تمدن کا یہ درخت صرف فساد فی الارض، ضمیر اور خاندانی نظام کے خاتمہ، بے حیائی و بے قید زندگی کی تبلیغ و اشاعت اور بغاوتوں اور سازشوں کے ذریعہ برگ و بار لاسکتا ہے۔ اور وہ واحد ذریعہ اور وسیلہ جو اقوام کی تقدیر کو ڈھالتا ہے اور دنیا کے تمام انقلابات میں کارفرما نظر آتا ہے، اور تاریخ کا رخ بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ دراصل وہ خفیہ ہاتھ ہے جو سازش کا جال پھیلاتا ہے، اور وہ سب سے بڑی طاقت جس پر اعتماد ممکن ہے بدعہدی، دھوکہ بازی، عسکری اور اعلیٰ درجہ کی رذالت اور کردار کی بستی و گندگی ہے۔ اور خدا کو سب سے زیادہ پسندیدہ شئی جو فتح و کامرانی کی شرط اور انسانیت کی فلاح و خوشحالی کی بنیاد ہے وہ تکبر اور خود غرضی ہے۔

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ انسانیت کا چہرہ ہمیشہ سے سیاہ اور داغدار ہے اور امن و سکون، انسانی اخوت، ہمدردی و انسانیت اس کی تقدیر میں نہیں بلکہ اس کی قسمت میں ملے قرآن مجید نے ان ہیودیوں کے لیے "مغضوب علیہم" کا لفظ دراصل اسی لیے استعمال کیا ہے یہ وصف سورہ فاتحہ میں ہے جو بار بار پڑھی جاتی ہے اس بلیغ چیلے کا صحیح ذوق وہی لے سکتا ہے اور ہیودیوں پر اس کے ٹھیک ٹھیک انصاف کا اندازہ اسی کو ہو سکتا ہے جو ہیودیوں کے قوی خصائص اور اس کو دار سے واقف ہے جو انہوں نے انسانیت کی تاریخ میں ادا کیا ہے۔

صرف یہ لگوا ہے کہ ایک جنگ سے دوسری جنگ، ایک المیہ سے دوسرا المیہ، ایک بد نصیبی سے دوسری بد نصیبی اور ایک بغاوت سے دوسری بغاوت کے درمیان بچکولے کھاتی رہے یہاں تک کہ اس جہنم میں جا پڑے جو غیظ و غضب، کینہ و حسد، اغراض و ہوس اور نفرت و عداوت کی ایندھن سے بھرا ہوا ہے۔

اگر ہم یہ مان لیں کہ اس دنیا میں رسالت و ہدایت کا کوئی قصہ ہی سرے سے موجود نہیں، یہاں نہ عقائد و مبادی کا کوئی سوال ہے، نہ قلب و ضمیر کا کوئی مسئلہ، نہ اخلاق و فضائل کی کوئی ضرورت، نہ خدا کی پسندیدہ شریعت اور نظام زندگی کی کوئی حاجت، یہاں صرف ایک ہی حقیقت کا روبرو ہے اور صرف اسی کو زندہ اور باقی رہنے کا حق ہے، اور وہ ہے نسل و خاندان کی برتری، آباء و اجداد کا خون، پرانی روایات، نفرت و انتقام، کینہ و غمظمت رفتہ کے حصول کی کوشش اور اپنے پرانے علاقوں کو واپس لینے کی ہوس، ہم پسندی، اور ہوس ملک گیری کی تسکین اور اپنے جذبہ جہم و طمع کی تشفی و تسلی۔

اگر ہم ان تمام مفروضات کو تسلیم کر لیں اور یہ ساری باتیں مان لیں تو پھر اس میں یقیناً شبہ نہیں کہ یہودی انسانی قیادت اور غلبہ و کامرانی اور اقتدار و تسلط کے جائز اور بوزوں امیدوار ہیں۔ اور ان کو ابتداء سے اسی کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ اس نقطہ نظر سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حالات اسی طرح برقرار رہیں گے۔ اور یہودیوں کی ہوس ملک گیری اور اپنی سرحدوں کو بڑھاتے رہنے کی بالیسی کامیاب ہوگی اور ان کے لیے کوئی چیز تنگ راہ نہ بن سکے گی اور ان کے تمام شیطانی منصوبے ایک ایک کر کے پورے ہو جائیں گے۔ یہی وہ حقیقی تصویر ہے جو ہمیں یہودیوں کے عہد قدیم بائبل میں تلود میں حکما و صیہوں کے پروٹوکولز میں اس کے لیڈروں کی تقریروں میں ان کے جلسوں کی کارروائیوں میں بلکہ خدا ان کے عملی اقدامات میں ملتی ہے۔ خاص طور پر اس جنگ کے بعد یہ تصویر اور زیادہ ابھر کر سامنے آ رہی ہے لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ پوری تصویر کینہ پروری اور حقارت کی تصویر ہے یہ

جن لوگوں سے تیار ہوئی ہے اس میں یہ چیزیں شامل ہیں۔ انسانیت سے قدیم بغض و عداوت یہودی نسل کے تقدس پر ایمان کاٹل، اسرائیلی خون کی عبادت و پرستش کی حد تک غمظمت

اور تاریخ انسانی کے ہر دور اور دے زمین کے ہر گوشہ میں بقیہ انسانی نسلوں اور قوموں کو ہر اہمیت و صلاحیت سے محروم سمجھنا، پوری دنیا پر تسلط حاصل کرنے کا منصوبہ شرفساد کا طبیعت نامانیہ اور فساد طبع بن جانا، تشدد اور دہشت انگیزی کا قومی خصائص اور مودنی عاداتوں کا درجہ اختیار کر لینا۔

یہ تصویر یہودیوں کی تاریخ کے ساتھ اس طرح وابستہ ہے جس طرح نراج انسان کے ساتھ، یہ سائے کی طرح ہر وقت اور ہر جگہ ان کے ساتھ ہے، اس لیے کہ سازش ان کی تاریخ کی سب سے بڑی بنیاد اور ان کے نظام زندگی کا سب سے بڑا ستون ہے۔ یہ وہ محور ہے جس کے گرد ان کی ساری ذہانت اور کاوش گھومتی ہے۔ یہی وہ داغ یا خفیہ ہاتھ ہے جو ہر بغاوت، انقلاب، سازش، تحریکی نظریات، تباہ کن فلسفوں اور ہر قسم کی بے چینی، اضطراب، انارکی اور ہر طرح کے اقتصادی، سیاسی، اجتماعی اور اخلاقی بحران کے پیچھے کام کر رہا ہے۔ ایک ممتاز یہودی مفکر ڈاکٹر اسکر لوی نے اپنے اس جملے میں اس قوم کی ساری تصویر کھینچ دی ہے۔ وہ یہودیوں کے کردار پر فخر کے ساتھ روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے:-

”ہم ہی دنیا کے حاکم اور مفسد ہیں، ہم ہی تمام فتنوں کو ہمدایتے ہیں ہم ہی جلا دیں۔“
یہودیوں کے پاس اُن کی زندگی کے کسی دور میں کوئی عالمی پیغام نہیں رہا۔ اس کی

لہ۔ برطانیہ کے سابق یہودی وزیر اعظم بنجمن ڈزرائیلی لارڈ بکینر فیلڈ نے اپنے یہودی ہیردہینڈیا کی زبان سے ”بن الاقوامی یہودی“ کی حقیقی تصویر کھینچ دی ہے، وہ لکھتا ہے:-
”یورپ میں ایسی کوئی عظیم ندری تحریک شکل ہی سے لے گی جس میں یہودیوں کا بہت بڑا اور نمایاں حصہ نہ ہو۔ قدیم زمانہ کے عیسائی بھی یہودی تھے۔ بہم روسی ڈپلومیسی جو یورپ کے ملکوں کے لیے باعث برائی بنی ہے اس کی تنظیم اور نفاذ بھی یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ وہ عظیم بغاوت جس کا عواجز میں تیلر مورہا ہے اور جو ایک قسم کی تحریک اصلاح دینی سے ملتی جلتی چیز ہے بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ طاقتور ہے۔ اس کو جس سے خود انگلستان کے لوگ بھی بہت کم واقف ہیں، وہ بالکل یہودیوں ہی کی نگرانی میں پروان چڑھ رہی ہے!“ (مہتری فورڈ کی کتاب کے عربی ترجمہ ”الیہودی العالمی“ ص ۱۱ سے ماخوذ ہے)

دجہ ہے کہ خون اور نسل کی تقدیس اور ہر قسم کی فوقیت و برتری، پاکیزگی اور روحانی ترقی کی سلاحت اور قرب خداوندی کو صرف ایک نسل و برادری کے ساتھ مخصوص سمجھنے کا عقیدہ عالمی پیغام کی روح اور اسپرٹ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا اس طرح مساوات، انسانی اخوت و برادری اور ترقی کے مواقع میں یکسانیت اور وحدت انسانیت کا انکار عالمی پیغام اور اخلاقی دعوت کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہو سکتا۔ خون و نسل کی تقدیس اور ہر قسم کی ذہانت و اعلیٰ داعی اور عظمت و برتری کو صرف ایک طبقہ کے ساتھ مخصوص سمجھنے کا مزاج نسل انسانی پر نفقت کے بالکل منافی ہے۔ روئے زمین کی دوسری اقوام اور پوری انسانیت کو اپنے دعوت و پیغام میں شریک کرنا، اور اپنے علم صحیح، عمل صالح اور اخلاق فاضلہ میں ان کو حصہ دار بنانا اس مزاج کے ساتھ کبھی جمع ہی نہیں ہو سکتا، یہ مزاج بدایت و دعوت کا دائرہ قدرتی طور پر تنگ کر دیتا اور اس کو ایک نسل اور عنصر میں محدود کر کے سر بہ ہر کر دیتا ہے اس لئے اس کی ترویج و اشاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ یہودی مذہب کسی دور میں انسانیت عامہ کا مذہب نہ بن سکا اور نہ یہودی (اپنے مذہبی صحیفوں کی روشنی میں) تبلیغ رسالت کے کبھی تکلف ہی کئے گئے بلکہ ان کی مذہبی کتب میں ایسے نصوص موجود ہیں جو ان کو اپنے مذہب کی تبلیغ سے باز رکھتے ہیں۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہی نکلا جاتا ہے تھا کہ وہ نبی اسرائیل اور دوسری اقوام کے درمیان برابر امتیازی سلوک کرتے رہیں اور خیر و شر اور گناہ و ثواب کے صرف اس معیار اور پیمانے پر ایمان رکھیں جو نسل اور قوم کے ساتھ بدلتا رہتا ہو اور

لے تو مسلم امریکن فاضلہ مریم جیل نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:-

”یہی نہیں کہ یہودی اپنے مذہب کی تبلیغ علی طور پر نہیں کرتے تھے بلکہ وہ یہ بھی پسند نہ کرتے تھے کہ دوسرے لوگ ان کا مذہب اختیار کریں۔ مجھے ان کی طویل تاریخ میں صرف دو مثالیں ایسی ملیں ہیں جب ایک قابل ذکر قہدانے یہودی مذہب اختیار کیا۔ ایک بامین میں بعثت محمدی (مسلم) سے کئی صدی پہلے دوسری باتاماری الاصل مملکت خزاہ کے باشندوں کا یہودی مذہب قبول کرنا یہ ریاست ایک زمانہ میں ان کے حدود میں تھی۔

(Islam versus Ahle-Kitaab Part 2 Presentation)

ان کو دوسری قوم کے ساتھ بڑی سے بڑی نا انصافی جرم اور ظلم سے عائد ہو۔ قرآن عسید کی مندرجہ ذیل آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا الْإِنْسَ عَلَيْنَا
فِي الْأَلَمِينَ سَبِيلٌ لَّهُ
نہیں جو ہم پر آیتوں کے بارے میں کوئی گرفت

ان تمام خالق کے پیش نظر یہ بات بالکل قدرتی اور کچھ میں آنے والی ہے کہ وہ تمام قومیں اور نسلیں جو یہودیوں کے اقتدار و تسلط میں ہیں ان کی کھلی ہوئی نا انصافی و حق تلفی اور سخت ترین مظالم کا شکار ہوں۔ اس لیے کہ وہ ان اقوام کو اپنے برابر کی قوم اور ایک شریف اور باعزت انسانی نسل اور انسانی مجموعہ کی حیثیت سے نہیں دیکھتے وہ ان کی نظر میں بے جان جمادات یا بے زبان حیوانات سے زیادہ قیمت نہیں رکھتے، اللہ نے ان کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ نوزائیدہ اس کی "لاڈلی اولاد" کی خدمت گذاری کرتے رہیں۔

لیکن وہ فطرت سلیم جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عطا کی ہے، وہ پیغام جو مذاہب اور آسمانی صحیفوں میں ملتا ہے اور جس میں سب سے زیادہ خدا کے عدل و انصاف، رحم و مہمت اور قدرت کا بیان ہے اظہار میں اس عجیب و غریب، متوازن اور منظم کائنات کی تخلیق کا مقصد اور نسل انسانی کی پیدائش اور اس کو خلافت الہی سے سرفراز کرنے کا اذہان بیان کیا گیا ہے، اس مفروضہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہستیوں کو جو خواص رکھے ہیں اور اقوام کے عروج و زوال حکومتوں کے قیام اور سقوط، تہذیبوں کی ترقی اور پسپائی اور فتح و شکست کے جو قوانین مقرر فرمائے ہیں اور تمام مذاہب، فطرت سلیم رکھنے والے انسانوں، نیز نسل انسانی نے جس طرح متفقہ طور پر اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ وہ صرف ایک نسل، ایک قوم ایک خاندان اور ایک ملک یا شہر کا رب نہیں بلکہ سب کا معبود اور

لے سورہ آل عمران،۔۔۔ مگر یہ نظریہ اور عقیدہ ہندوستان کے برہمنوں اور آریہ نسل کے قدیم فاضلین کے نظریے سے بہت ملتا جلتا ہے جس پر ہندو مذہب کے طبقاتی نظام اور عدم مساوات کی بنیاد ہے۔ اور جو متعدد اصلاحی کوششوں کے باوجود اب تک ہندوستانی سماج میں اس طرح رائج ہے اور اس پر بدستور عمل ہو رہا ہے۔

رب ہے اور مشرق و مغرب سب کا مالک و پروردگار ہے، اس کی روشنی میں یہودیت کا
فیلسفہ خود بخود غلط ثابت ہے اس کے علاوہ تاریخ انسانی کی یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ اقوام اس
پیغام و نصب العین اور ان فضائل و صفات کے ساتھ زندہ رہتی ہیں جن میں وہ دوسرے
سے خالق ہوں۔ ان کی بقا و ترقی کا راز اسی افادیت اور بقاء، انفع کے قانون میں مضمر ہے
جو پوری کائنات میں جاری و ساری ہے اور جس کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔
فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُثَاءً ۖ
وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ
فِي الْأَرْضِ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ
الْأَمْثَالَ

ہیں جو اوپر بیکار جھاگ ہوتے ہیں وہ ختم ہو جاتے
ہیں اور جو لوگوں کے لئے نفع مند اور کارآمد
ہوتا ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے، اللہ اس
طرح مثالیں بیان فرماتا ہے۔

یہ باتیں حتمی طور پر یہ ثابت کرتی ہیں کہ یہودی جو ان تمام حقائق کو چیلنج کر رہے ہیں اور خدا
کی سنت، فطرت، قوانین قدرت اور ان اعلیٰ مقاصد کے ساتھ برسرِ جنگ ہیں جن کے
لیے اس نے یہ پوری کائنات پیدا کی، نسل انسانی کو وجود بخشا اور اس کے اندر خیر و صلاح
ترقی اور بقاء کی خواہش اور جذبہ پیدا کیا، زیادہ دن تک اس اقتدار و تسلط اور فتح و کامرانی
کے مزے نہ لے سکیں گے۔ ان کو اپنی ان تمام آرزوؤں اور تمناؤں کی تکمیل کا موقع کبھی
حاصل نہ ہوگا۔ اور ان کے تخریبی منفی اور تباہ کن منصوبے کبھی پورے نہ ہو سکیں گے۔ خواہ
ان کی حمایت کے لیے ہزاروں حکومتیں، ٹیڈ کھڑی ہوں اور ان کی پشت پر دنیا کی تمام
بڑی طاقتیں جمع ہو جائیں اور ان کے پاس وہ تمام شیطانی حربے اور جہنی وسائل اکٹھا
ہو جائیں جو آب تک ایجاد ہو سکے ہیں اور جن میں خود ان یہودیوں کا بنیادی حصہ ہے
اور جو ان کا خاص فن اور موضوع ہے۔

۱۰ احادیث نبوی کے مطالعہ سے (جو حدّ تو اتر کو پہنچ چکی ہیں) یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانے
میں یہودی ظالمین میں اقتدار و تسلط کے پورے طور پر مالک ہو جائیں گے۔ مہران میں دجال پیدا ہوگا
جو اس قوت و اقتدار اور اختیار و تصرف کا آخری رمز اور نمونہ ہوگا۔ اور وہ اپنے اس اختیار
و اقتدار کا مظاہرہ بھی کرے گا۔ سارے یہودی ایک جگہ جمع ہو جائیں گے، باقی حاشیہ لگے مفسرین

غلبہ اور فتح انشاء اللہ اہل حق کی اور انسانیت کے لیے عمومی اور ابدی پیغام رکھنے والی ملت ہی کی ہوگی جس کی شفقت میں پوری انسانیت کا حصہ ہے اور جس کی نظر میں ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے جو حق کے لیے ہر جگہ سینہ سپر ہو جاتی ہے۔ اور ظلم کا مقابلہ ہر موقع پر ہر شکل میں ہر جگہ کرتی ہے۔ جو انسانیت کی خدشت کے لئے زندہ ہے اور انسانیت ہی کے ساتھ وابستہ ہے۔ جس کا دامن فتنہ و فساد سے پاک ہے اور اور جو دنیا میں علو و فساد کی نہیں حق و انصاف کی علمبردار ہے۔ (باقی)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پھر مسلمان ان پر غالب آئیں گے اُن سے قتال کریں گو ہر چیز یہودیوں کی دشمن ہو جائے گی۔ بیان تک کہ پھر بھی ان کی خبری کریں گے۔ علماء اہل سنت تیرہ سو برس سے آثار قیامت کے باب میں ان احادیث پر غور و غوض کرتے رہے ہیں۔ اس وقت یہ باتیں عالم اسباب اور واقعات کے لحاظ سے بہت بعید بلکہ محال اور ناقابل فہم تھیں۔ اس لیے کہ اس پورے عرصہ میں یہودی ساری دنیا میں پراگندہ اور منتشر رہے یہاں تک کہ اس صدی کے نصف میں یہ نوی بیٹین گوئی ظاہر ہونا شروع ہوئی فلسطین میں یہودیوں کے لئے قومی وطن کے قیام کی تجویز سامنے آ گئی۔ اس کے بعد وہ سب کچھ پیش آیا جو اب کسی سے مخفی نہیں اب بیٹین گوئی کے آخری حصہ کو بھی پورا ہونا ہے جس طرح اس کا پہلا حصہ پورا ہو چکا ہے۔ یہ نبوت کے ان معجزات میں سے ہے جس کا کچھ حصہ صبح کی طرح روشن ہو چکا ہے اور باقی بھی اسی طرح ظاہر اور روشن ہونے والا ہے۔

وَلِلّٰهِ الْاٰمَنُ مِنْ قَبْلِ وَمِنْ بَعْدِ۔

اکبر کا دین الہی اور اس کا پس منظر

از پروفیسر محمد اسلم

— (۲) —

اکبری بدعات

اکبر نے دین اسلام سے برگشتہ ہوتے ہی اپنے اعمال کے نام ایک حکم جاری کیا جس کی رو سے انھیں مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کرنے کا کوئی اختیار نہ رہا۔^{۱۳۱} جزیہ اس سے پہلے ہی منسوخ ہو چکا تھا۔ علمائے دین اور ائمہ اہل سنت (جنھیں ابوالفضل سبزی فردش اور کفیش دوز کہہ کر بکار کرتا تھا) کے ساتھ تو اسے خدا واسطے کا بیر تھا، اس لیے ان ایام میں اگر وہ کسی کو گالی دینا چاہتا تھا کسی کی تحقیر مقصود ہوتی تھی تو وہ اسے ”نقیبہ“ کہہ کر پکارتا تھا۔^{۱۳۲} اس کی صحبت میں ملک اشرف فیضی صاحب تفسیر سوانح الالہام ”ایں پیالہ را بکبودی نقھامی خویم“ کہہ کر جام چڑھایا کرتے تھے۔^{۱۳۳}

پادری بوبد و ستورجی مہرجی را اسکے زیر اثر وہ آگ کی تعظیم کرنے لگا تھا اور اس ابوالفضل

^{۱۳۱} براہوئی، جلد ۲، ص ۲۰

^{۱۳۲} مکتوبات علوی، دورق ۲۰، ۲۱، الفت

^{۱۳۳} ایضاً ۳۰۹

^{۱۳۴} ایضاً ۲۶۱

کہ یہ حکم دیا تھا کہ وہ اس بات کا خاص خیال رکھے کہ شاہی محل میں ہر وقت آگ روشن رہے۔ اور شاہ کے حکم سے کہ ان سے آتش پرستوں کی ایک جماعت فقیہ رسیکری بلائی گئی۔ وہاں کے ایک نامی گرامی آتش پرست اور شیر کو خاص طور پر بلایا گیا تھا۔ ۱۵۴۵ھ عمن فانی کی روایت ہے کہ آذر کو ان نامی ایک آتش پرست کا دل و جان سے احترام کیا کرتا تھا ۱۵۴۵ھ

اکبر کی رعایا کی اکثریت اور اس کی ہندو بیوان گائے کی پرستش کرتے تھے۔ اس لیے اس نے گاؤں کی قانون نافذ کر دی ۱۵۴۵ھ اس کے علاوہ اس نے یہ بھی کیا کہ گائے کے گوبر کو پوتر قرار دے کر اس کی تعظیم کرنے کا حکم جاری کیا۔ وہ خود بھی گوبر کا دل و جان سے احترام کیا کرتا تھا ۱۵۴۵ھ اسی دور میں اس نے یہ حکم جاری کیا کہ اگر کوئی شخص کسی قصائی کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے بچھا گیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا ۱۵۴۵ھ دن میں دوبار اکبر سورج کی پرستش کیا کرتا تھا ۱۵۴۵ھ اس سورج پر وہ سورج کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جاتا اور سنسکرت زبان میں سورج کے نام بتاتا ۱۵۴۵ھ ایک سرکاری درباری عالم ملا شیر نے جب ان اسماء الحسنیہ کو منظوم کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا تو اس نے اپنی خوشنودی کا اظہار کیا ۱۵۴۵ھ

بادشاہ نے اپنے درباریوں کو حکم دیا کہ اس کی یہ خواہش ہے کہ وہ ماہ رمضان میں ایک سانسے کھایا پیا کریں، اور اس غرض سے اگر وہ پان کا بیڑا منہ میں رکھ کر دربار میں آیا کریں تو یہ زیادہ سوزوں ہو گا۔ بصورت دیگر وہ روزہ دار ہونے کے الزام میں دھریے جائیں گے ۱۵۴۲ھ اور نگ زیب کے سوانح نگار فاروقی صاحب اپنی کتاب میں اکبر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس نے اپنے بیٹے دانیال کے نام یہ فرمان جاری کیا تھا کہ وہ گیارہ کی مسجد گرا کر اس کی جگہ مندر بنوادے ۱۵۴۵ھ لیکن شاہزادے نے اس کی تعمیل پر کوئی توجہ

۱۵۴۴ھ بدایونی ص ۲۵۱ ۱۵۴۵ھ دستان مذاہب ص ۲۶۱ ۱۵۴۶ھ ایضاً ۱۵۴۷ھ بدایونی جلد ۲، صفحہ ۲۵۱

۱۵۴۸ھ ایضاً ۱۵۴۹ھ دستان مذاہب ص ۲۶۸ ۱۵۵۰ھ تذکرۃ الملوک، درق ۲۲۲ ب

۱۵۵۱ھ بدایونی، جلد ۲ ص ۲۲۲ ۱۵۵۲ھ بدایونی جلد ۲ ص ۲۲۶

۱۵۵۳ھ تذکرۃ الملوک، درق ۲۲۱ ب ۱۵۵۴ھ اورنگ زیب ایڈنبرگ نامہ ص ۵۶۳

نہ دی اور اس طرح یہ مسجد بن گئی۔ ۵۱۵ھ دربار سے ملے مسجد اور شاہی محل میں اذان اور نماز باجماعت پر پابندی لگادی گئی اور بادشاہ نے احمد، محمد، محمود اور مصطفیٰ جیسے نام رکھنے پر ناخوشنودی ظاہر کی۔ ۵۱۶ھ اس نے خود اپنے پوتوں کے نام ساسانی بادشاہوں کے ناموں پر پوشنگ، بلورث اور باسقور رکھے۔ ۵۱۷ھ اس کے علاوہ اگر بادشاہ کے کسی ملازم کے نام کا جزو ملحوظ تھا تو وہ اس ملازم کو کوئلہ دیتے وقت کسی دوسرے نام سے پکارتا تھا۔ ۵۱۸ھ حضور کا اسم گرامی مکہ طیبہ میں سے خد کے دیا گیا اور خاص خاص حقوں میں پاشاہی محلات کے اندر یہ مکہ پڑھا جاتا تھا۔ ۵۱۹ھ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْكَبْرُ خَلِيفَةُ اللَّهِ

ہما بھارت کے دیباچہ میں ابو الفضل اکبر کو خلیفۃ اللہ ہی لکھتا ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا تھا کہ اکبر کا اللہ تبارک تعالیٰ کے ساتھ براہ راست تعلق تھا اور اس کے اور خدا کے درمیان بنی اکرم کا واسطہ ضروری نہیں تھا۔ اکبر عجوات پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اس لیے وہ حضور کے عجوات مثلاً شق الفراء و معر ان کا منکر تھا۔ ۵۲۰ھ اس کے علاوہ بہت سی احادیث کا بھی منکر تھا۔ جو شخص قرآن کو ہی حضور کی تعریف سمجھتا ہو، اس سے یہ توقع رکھنی ہے کہ اسے کہ وہ حدیث پر ایمان رکھتا ہو۔

ان ہی ایام میں اس نے یہ حکم جاری کیا کہ سولہ سال سے کم عمر کے لڑکے اور چودہ سال سے کم عمر کی لڑکی کی شادی نہ کی جائے۔ ۵۲۱ھ اور اگر دولہا اور دولہن کی عروں میں کوئی شبہ ہو تو یہ ضروری تھا کہ ان کا قریبی کو توالی میں توئے بیگی سے معائنہ کر دیا جائے۔ ۵۲۲ھ اسی طرح اکبر نے خدیجیکے دن کیے کا غور لگاتے ہوئے دوسری شادی پر پابندی لگادی۔ ۵۲۳ھ

۵۱۵ھ تاریخ فرشتہ، جلد ۲، ص ۴۹۱ ۵۱۶ھ برالونی جلد ۲، ص ۲۶۹، ۴۱۴

۵۱۷ھ تذکرہ اکبر نامہ، ورق ۳۵، الف ۳۰، الف ۴۶، الف ۵۵، برالونی، جلد ۲، ص ۲۶۹، ۴۱۴

۵۱۹ھ ایضاً ۲۰۳ ۵۲۰ھ ہما بھارت، ورق ۵، الف

۵۲۱ھ برالونی، جلد ۲، ص ۳۱۶-۳۱۷ ۵۲۲ھ ایضاً ۱۶۳ ۵۲۳ھ ایضاً

۵۲۴ھ ایضاً ۳۶۱ ۵۲۵ھ ایضاً ۳۵۶

بادشاہ کے حکم سے کئی قبرستان اور مسجدیں مسمار کر دی گئیں اور اکثر مقابر پر ہندو قابض ہو گئے۔ بادشاہ نے یہ فرمان جاری کیا کہ عوام کو چاہیے کہ وہ آئندہ عربی اور علوم اسلامیہ کی بجائے ریاضی، ہیئت، فلسفہ اور طب جیسے مضامین کا مطالعہ کریں۔ غالباً ان ہی ایام میں اس نے بارہ سال سے کم عمر کے بچوں کے ختم پر پابندی لگا دی اور اس کے بعد یہ معاملہ ان کی صواب دہ پر چھوڑ دیا گیا۔ آئندہ ہندو عورتوں کو سستی ہونے کی اجازت بھی دیدی گئی۔^{۱۶۹} جب اکبر کی والدہ کا انتقال ہوا تو اس نے ہندوؤں کے رواج کے مطابق بھدرہ کر دیا۔ اس واقعہ کے چھ سال بعد جب اس کی رضاعی ماں فوت ہوئی تو اس موقع پر بھی اس نے اور اس کے خوشامدی امرا نے بھدرہ کر دیا۔^{۱۷۰} جب ۱۰۰ ہجری میں شیخ مبارک راہی ملک بھاگوا،^{۱۷۱} تو ابو الفضل علامی اور صاحب تفسیر سوانح الامام ابو الفیض فیضی نے بھی بھدرہ کر دیا۔^{۱۷۲} خواجہ کلاں خواجہ عبید اللہ بن خواجہ باقی باللہ نے ابو الفضل کی ایسی ہی حرکات دیکھ کر اس کا شمار ملحدوں اور زندقوں میں کیا ہے۔^{۱۷۳} بدایونی رقمطراز ہے کہ جب سلیم کی شادی راجہ بھگوان داس کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تو شادی کی رسومات ہندوانہ طریقے پر ادا کی گئیں۔^{۱۷۴} اکبر ہندوؤں کے دیوی دیوتاؤں کا بڑا معتقد تھا اور اس کے تعلق یہ روایت ملتی ہے کہ چتینہ کی عرش میں بھی گایا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے ایسے مکے بھی ڈھلوائے تھے۔ جن پر رام چندر اور سیتا کی موتیں موجود تھیں۔^{۱۷۵} مشہور مورخ اسٹینلے لین پول نے برٹش

^{۱۶۹} ایضاً، ص ۳۶۳

^{۱۷۰} بدایونی، ص ۳۲۲

^{۱۷۱} اکبر اینڈ دی جیو اریس، ص ۳۵، از بدایونی جلد ۲، ص ۳۶۶،^{۱۷۲} بدایونی جلد ۲، ص ۳۶۶

^{۱۷۳} از امرأة عالم، دوق ۱۳۵۴، ص ۱۲۲، سوانح اکبری، ص ۱۲۲، اکبر نامہ جلد ۳، ص ۸۳۱

^{۱۷۴} جلد ۲، ص ۳۸۸

^{۱۷۵} آثار الامراء، جلد ۱، ص ۶۸۵

^{۱۷۶} سیخ الرجال، دوق ۳۳۵، ص ۳۳۵

^{۱۷۷} از بدایونی، جلد ۲، ص ۳۲۱، از تذکرۃ الامراء، دوق ۱۳۱ اب

^{۱۷۸} ادنگ زیب اینڈ ہرٹائر، ص ۵۶۳

میوزیم لندن کے مثل سکوکات کی فرست تیلہ کی تھی اس فرست میں پانچویں بریت پر
۲۴ نمبر کے پر دام اور سیتا کی موت میں سوچو ہیں

اکبر کے حکم سے شاہی دربار کے قریب ایک میخانہ کھولا گیا اور شراب نوشی پر سلطان احمد کی
حوصلہ افزائی کی گئی تھی شیطان پورہ کے نام سے بادشاہ نے طوائفوں کی ایک الگ سی قائم
کر دی تھی۔ بدایونی لکھتا ہے کہ بادشاہ مان کے حالات سے باخبر رہتا تھا احمد کے ذاتی حالات
میں بڑی دل چسپی لیتا تھا

بادشاہ نے یہ حکم جاری کیا کہ آئینہ کوئی مسلمان اپنی خالہ، بیوی، ماہوں یا بچہ کی لڑکی کے
ساتھ نکاح نہ کرے کیونکہ ایسے نکاح سے جو ادلاء پیدا ہوتی ہے وہ ہمیشہ کمزور رہتا ہے۔ اکبر
جو بازی میں بھی دل چسپی لیتا تھا اور اس مقصد کے لیے اس نے ایک جو خانہ بھی کھلوا دیا۔
یہاں جواریوں کو سرکاری خرمنے سے جو اکھیلنے کے لیے قرض بھی ملتا تھا ان باتوں کو مدد کو
گوئیوں معلوم ہوتا ہے کہ اکبر اسلام کا جانی دشمن پورا تھا، امدودہ ایک ایک کر کے تمام اسلامی شعا
رٹنے پر تیار تھا۔

اکبر کا ایک فریہ سلطان خواجہ ذوق تھا تو شاہی حکم کے مطابق اس کی قبر میں اس کے چہرہ
کے مقابل مشرق کی جانب ایک سوراخ دکھایا گیا تاکہ ہر صبح جب سورج طلوع ہوتا تو اس کی سچی
کرنیں سلطان خواجہ کے چہرہ پر پڑیں۔ بدایونی لکھتا ہے کہ اکبر اور اس کے پیروں سمجھتے تھے کہ
سورج کی مقدس روشنی انسان کو گناہوں سے پاک کر دیتا ہے

اکبر لوگوں کو مرید کیا کرتا تھا۔ اور جو شخص اس کا مرید ہوتا تھا اُسے "چیلہ" کہتے تھے

۱۷۹ دی کوئٹہ ان دی مثل ایمر رز آف ہندستان ان دی برٹش میوزیم، ص ۲۲۔

۱۸۰ اخبار محبت، ذوق ۹۹، الف دب، ۱۱۔ بدایونی، جلد ۲، ص ۳۰۲

۱۸۱ اخبار محبت، ذوق ۹۹، الف دب، ۱۱۔ بدایونی، جلد ۲، ص ۳۰۲

۱۸۲ اخبار محبت، ذوق ۹۹، الف دب، ۱۱۔ بدایونی، جلد ۲، ص ۳۰۶

۱۸۳ بدایونی، جلد ۲، ص ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶،

جس طرح موقوفائے کرام اپنے سریدوں کو اپنے مشائخ کا شجرہ فراہم کرتے ہیں۔ بعینہ اکبر اپنے چیلوں کو اپنی تصاویر دیا کرتا تھا جسے وہ اپنی دستاویز میں اڈس لیتے تھے۔ ۱۲۷۱ھ جب یہ چلے آئیں میں ملے تو سلام سنوں کی بجائے ایک پچیدہ اندر اکبر کہتا تو دوسرا اس کے جواب میں جلالہ لکھتا بادشاہ کا پچیدہ بننے سے پہلے امیدوار کو اس مضمون کی ایک تحریر بھی بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنا ہوتی تھی۔ ۱۲۷۱ھ

۱۲۷۱ھ فلاں بن فلاں ہاشم بطور و رغبت و شوق قلبی از دین اسلام مجازی و تعلیمی کہ از پدران دیدہ و شنیدہ بوم اہل تبرانودم و در دین الہی اکبر شاہی در آدم و در اتب چہارگانہ اخلاق کہ ترک مال و جان و ناموس و دین باشد قبول کردم۔
بیرل، دیوی اور پکھوتم جیسے ہندوؤں نے اکبر کے ذہن میں یہ بات بٹھادی تھی کہ سوکھ (نغوذ باشر) خدا کا منظر ہے اور ایک بار خدا نے (نغوذ باشر) اس کی صورت میں اولاد دیا تھا۔ اس لیے ہر صبح سوکھ کے درشن کرنا باعث سعادت ہے۔ ۱۲۷۱ھ چنانچہ بادشاہ علی الصبح اس کے درشن کیا کرتا تھا اور اس مقصد کی خاطر شاہی محل میں سوکھ خانہ قائم کیا گیا تھا۔ ۱۲۷۱ھ
اسلام میں چونکہ مردوں کے لیے ریشمی لباس کا استعمال اور مرد و عورت کے لیے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا حرام ہے اس لیے بادشاہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھانا کھاتا اور درباریوں کو ریشمی لباس زیب تن کر کے دربار میں آنے کی ترغیب دیا کرتا تھا۔ اپنی اسلام دشمنی کی بنا پر ہی اس نے سب بھجری کا استعمال متروک کر کے اس کی جگہ اہل افنی سن راج کیا۔ ۱۲۷۱ھ

قصہ مختصر، اکبر نے جملہ شعائر اسلامی مٹا دیے۔ بقول ڈاکٹر محمد حسین صاحب اگر اس صورت حال کا اسلامی ذہن سے مطالعہ کیا جائے تو وہ دین اسلام سے نفرت ہو چکا تھا۔ مسلمانوں

۱۲۷۱ھ بریلونی ص ۳۳۸ ۱۲۷۱ھ ایضاً ص ۳۵۶ ۱۲۷۱ھ ایضاً ص ۳۴۲

۱۲۷۱ھ ایضاً ص ۳۵۵ ۱۲۷۱ھ ایضاً ص ۳۵۶ ۱۲۷۱ھ بریلونی جلد ۲ ص ۳۰۶

۱۲۷۱ھ ایضاً ص ۳۵۵ ۱۲۷۱ھ موشل ہسٹری آف اسلامک انڈیا ص ۱۲۲

کے لیے یہ بڑا نازک وقت تھا۔ حضرت امام ربانیؒ رقمطراز ہیں: ”مسلمانانِ ازغفار احکامِ اسلام عاجز بودند اگر میکردند بقتل میر سیدند“۔^{۱۹۱} ایک دوسرے مکتوب میں آپ یوں تحریر فرماتے ہیں: ”اگر مسلمانے از شعراء اسلام اغفار نہاید بقتل میر سیدند“۔^{۱۹۲} حالات اس قدر ناگفتہ بہ ہو گئے تھے کہ خود حضرت مجددِ اہلِ ثنائی اس دور میں ظہورِ ہمدی کے منتظر تھے۔ ان حالات میں شیخِ مسلمِ چشتیؒ کے صاحبزادے شیخِ بدرا الدینؒ ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ میں جا بیٹے۔^{۱۹۳} بعض مورخوں کا یہ بھی خیال ہے کہ اکبر نے خود ان کو جلاوطن کر دیا تھا۔ حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ حجازِ شریف لے گئے تو واپس آنے کا ارادہ ہی ترک کر دیا۔ یہ تو بھلا ہو شیخ عبد الوہاب متقی کا کہ انھوں نے آپ کو ہندوستان واپس جا کر اپنا شن چلانے کی ترغیب دی۔^{۱۹۴} ورنہ ہندوستان اس بزرگ کی دینی خدمات سے محروم رہ جاتا۔ جون پور کے قاضیِ ملامحمد یزدی نے، جو ایک مانے ہوئے عالم تھے، یہ فتویٰ دیا کہ اکبر مرتد ہو چکا ہے اس لیے اس کے خلاف صفِ آرا ہونا ہر مسلمان کا فرض ہے۔^{۱۹۵} (امامِ الہند شاہ ولی اللہؒ کے پوتے، شاہ اسماعیل شہیدؒ بھی اکبر جیسے ”کافر، زندیق اور مرتد“ حاکم کے خلاف بغاوت کو جائز قرار دیتے ہیں)۔^{۱۹۶}

علماء کی ایک جماعت نے ملامحمد یزدی کی جرأت کی داد دیتے ہوئے اکبر کے خلاف تلوار اٹھانے کا فتویٰ جاری کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمد معصوم کا بلی، میر معز الملک، محمد مصوم خاں فرخودی، نیابت خاں اور عرب بہادر جیسے جانناز بادشاہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔^{۱۹۷} بعض دوسرے امرا نے بھی اکبر کے بھائی حکیم میرزا کے ساتھ خط و کتابت شروع کر دی۔^{۱۹۸} میرزانے ہندوستان پر حملہ کر دیا اور وہ لاہور تک بڑھ آیا۔ بنگال اور بہار کے توراتی

^{۱۹۱} مکتوباتِ امام ربانی، جلد ۱، مکتوب نمبر ۴۶۔ ^{۱۹۲} ایضاً، مکتوب نمبر ۱۰ (بادشاہ نامہ محمد امین قزوینی درق)

الہ پر بھی قریب قریب اسی مضمون کی عبارت ملتی ہے)۔ ^{۱۹۳} بدایونی، جلد ۲، ص ۲۱۲

^{۱۹۴} حیاتِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۱۹۔ ^{۱۹۵} دیکھیں برج پٹری آٹ اٹریا، جلد ۱، ص ۱۳۶

^{۱۹۶} منصبِ امامت، ص ۹۰۔ ^{۱۹۷} بدایونی، جلد ۲، ص ۲۰۶۔ ^{۱۹۸} مغل فتوحی، درق ۱۶۲۔

اُمراء نے جمعہ کے خطبہ سے اکبر کا نام حذت کر کے اس کی جگہ حکیم میرزا کا نام شامل کر دیا۔^{۱۹۸}
 باغی اُمراء کی قیادت بابا خاں جباری اور وزیر جنبل نے کی اور کچھ مدت کے لیے وہ اکبر کی
 اطاعت سے آزاد ہو گئے۔ اکبر نے ان کے خلاف فوج کشی کی۔ فریقین میں گھمان کی جنگ
 ہوئی لیکن بد قسمتی سے بابا خاں عین معرکہ کا راز میں کام آیا۔^{۱۹۹} امیر میر کی نام ایک سردار جو
 اپنی فوج لے کر باغیوں کی مدد کو آ رہا تھا شاہی فوج کے ہاتھ لگا۔ بادشاہ نے اس کا سر قلم کر دیا۔^{۲۰۰}
 حسین بیگ چیرا دقلی بھی اکبر کے خلاف لڑا تھا اور میدان جنگ میں کام آیا۔ باغی اُمراء
 کا زور ٹوٹنے ہی علماء کی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی۔ میر یعقوب قاضی بنگال کے دست و پا باز تھے کہ
 انھیں دریا میں پھینک دیا گیا۔^{۲۰۱} ملا محمد نیر دہلی اور میر معز الملک بھی میر یعقوب کی طرح دریائے
 جمنہ میں پھینکے گئے۔^{۲۰۲} قاضی لان برنی کو اکبر کے حکم سے فوج کیا گیا۔^{۲۰۳} لاہور کے اکثر
 علماء کو اکبر نے مرداؤ والا، اور بقیۃ السیف کو دور دراز علاقوں میں جلا وطن کر دیا۔^{۲۰۴} حضرت
 مجدد الف ثانی کے خسر شیخ سلطان تھا نیر ہی بھی بادشاہ کے حکم سے تختہ دار پر لٹکائے گئے۔
 ڈاکٹر محمد سلیم رقمطراز ہیں کہ وقتی طور پر اکبر باغیوں کو دبانے میں کامیاب ہو گیا۔
 لیکن بالآخر اس کے مرنے کے بعد راسخ العقیدہ مسلمان اپنے مشن میں کامیاب ہوئے۔^{۲۰۵}
 اکبر کے الحاد اور بے دینی کے خلاف اس کی زندگی کے آخری ایام ہی میں کام شروع
 ہو گیا تھا۔ خواجہ باقی باشر اور حضرت مجدد الف ثانی اس تحریک کے رُوح رواں
 تھے۔ لیکن ان کا طریق کار زورانی اُمراء کے طریقے سے مختلف تھا۔
 (بشکریہ المعارف لاہور)

^{۱۹۸} غفرلہ، ذوق ۱۳، ۱۹۹۹ء تاہج محمدی، ذوق ۱۰۲، ص ۲۰۰۔ ایضاً ذوق ۱۰۳، الف

^{۱۹۹} ایضاً، ذوق ۱۰۳۔ ^{۲۰۰} بدایونی، جلد ۲، ص ۲۴۴

^{۲۰۱} ایضاً۔ ii تاہج محمدی، ذوق ۱۰۳، الف

^{۲۰۲} تاہج محمدی، ذوق ۸۲، الف ^{۲۰۳} بدایونی، جلد ۲، ص ۲۴۴

^{۲۰۴} لے سوشل سٹری آف اسلامک انڈیا، ص ۱۳۴۔

دو محسنوں کی وفات

از عتیق الرحمن منبھلی

گزشتہ مہینے دو محسنوں سے محرومی ہوئی، یعنی شفاء الملک حکیم عبدالعزیز صاحب لکھنؤی اور مولوی فہیم الدین صاحب (میرٹھی) نے علی الترتیب ۶ رذی الحجہ اور ۱۰ رذی الحجہ کو ملک آخرت کی راہ لی۔ ملک الملک سے دعا ہے کہ انھیں رحمت و مغفرت سے نوازے اور ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

شفاء الملک حکیم عبدالعزیز صاحب لکھنؤ کے مشہور خاندان اطہا سے چھوٹی ٹولہ کی بزرگ ترین یادگار تھے۔ کوئی ۶۵ سال مطب فرمایا اور قریب پچاسی برس کی عمر پائی۔ الفرقان کے خریداروں میں ان کا نام نامی ایک مدت سے تھا۔ مگر اب سے چند سال پہلے تک میرس لیے وہ تقریباً ایک جلّبی شخصیت تھے۔ ۱۹۶۷ء میں سخت اعصابی ضعف کا حملہ ہوا اور وہ رہ کر اس کا اعادہ ہوتا رہا۔ ۶۶ء کی گرمیوں میں یہ حالت ہو گئی کہ دوا علاج بیکار محسوس ہونے لگا۔ والد ماجد بار بار معالجہ کی طرف متوجہ فرماتے اور میں ایک ایس کی کیفیت کے ساتھ ٹالتا جاتا۔ حتیٰ کہ بستر سے اٹھنا مشکل ہو گیا۔ حکیم صاحب قبلہ سے رجوع کی نوبت اتنا نہ آئی تھی، والد ماجد نے اصرار سے فرمایا کہ ابکی ان سے رجوع کر کے دیکھا جائے۔ اور پھر ایک دن (غالباً ۱۴ جون ۱۹۷۷ء کو) حکیم صاحب کے مطب میں حاضری عمل میں آہی گئی۔ والد ماجد نے تعارف کرایا کہ الفرقان کی تمام ذمہ داری ایک عرصہ سے اس نے اٹھا رکھی تھی مگر اب دعائی سال سے ضعف اعصاب کی کیفیت چل رہی ہے کہ کسی علاج یا تبدیلی آتے ہو اسے کیسا ہی فائدہ ہو جائے لیکن ادھر کچھ کام کیا اور

اور عوارض کو ثنا شروع ہوئے۔ حکیم صاحب نے بڑی شفقت سے نسخہ تجویز فرمایا اور علاج شروع ہو گیا۔

علاج کا یہ سلسلہ تقریباً ایک سال نہایت پابندی سے جاری رہا۔ ہر ہفتے یا زیادہ سے زیادہ دو ہفتے کے بعد حاضری ہوتی تھی۔ مطلب کا وقت میری کمزوری کے اعتبار سے خصوصاً موسم گرما میں نہایت ہی سخت تھا، یعنی گیارہ سے ایک تک۔ اور عموماً حکیم صاحب کی تشریف آوری گیارہ کے بعد ہی ہوتی تھی، پھر مطلب کا فاصلہ بھی کوئی ڈیڑھ میل۔ غرض یہ آمد و رفت سخت دھوپ اور لو کے دنوں میں بہت ہی ہوشیہ پڑتی تھی۔ مگر حکیم صاحب کی طرف سے جس غایت و کرم اور شفقت و التفات کا معاملہ تھا اس کی خشکی نے کبھی اس کلفت کے گتے بہت کو پست نہ ہونے دیا، کہ حسب ہدایت حاضری میں فرق پڑتا۔ میں حاجت مند تھا اور وہ کرم فرما، دوسرے فیس پیش کرتے تھے اور مجھ سے فیس بھی نہیں لی جاتی تھی لیکن التفات و کرم کا یہ عالم تھا کہ ادھر نظر پڑی اور ان کی یہ خواہش ہوئی کہ سب کو چھوڑ کر پہلے مجھے دیکھ لیں۔ کچھ دیر لگتی تو بیچ میں ایک دو بار معذرت آمیز جملے زبان پر آ جاتے۔ عمر اور عمرت کے اعتبار سے میرے بزرگوں کے بزرگ تھے مگر ایسی تو وضع سے پیش آنے کہ شرم آئے۔ حال کہنے کی قریب والی کرسی پر بیٹھتا تو عموماً مصافحہ کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ پھر اس قدر شفقت بھرے لہجے میں مال پوچھتے جیسے کسی حد درجہ عزیز سے مخاطب ہیں۔ حال اچھا ہوتا تو زبان پر ”الحمد للہ“ اور چہرہ پر مسرت نمایاں ہو جاتی وہ مسرت نہیں جو ایک معالج کو اپنی کامیابی سے ہوتی ہے بلکہ وہ مسرت جو ایک شفیق بزرگ کو اپنے کسی عزیز کی راحت سے ہوتی ہے۔ کچھ تکلیف بتاتا تو اسی طرح اس کا تاثر چہرہ پر آ جاتا۔ اور پھر نسخہ میں ترمیم فرما کر بڑے دلنوازا انداز میں فرماتے کہ ان شاء اللہ اس سے طبیعت ٹھیک ہو جائے گی، اب یہ تکلیف نہیں رہے گی۔ اور پھر اسی کریمانہ انداز سے رخصت کرتے جس سے شروع میں پیش آئے تھے۔

حکیم صاحب کے علاج کا یہ سلسلہ پوری پابندی اور تسلسل کے ساتھ تقریباً سال بھر چلا۔ اور اس میں موصوف نے اپنے ایک خاص تدریجی نقشہ پر معالج کی تکمیل فرمائی لیکن اس کے بعد والے سال میں بھی میں وقتاً فوقتاً ضرورت پڑنے پر حاضر خدمت ہوتا رہا۔

ہو۔ خود الفرقان بھی ان کی اس شرافت و ولہیت کے منت کشوں میں سے ایک جب کبھی ضرورت ہوئی تو بس سادہ سے دو چیلے ٹیلیفون پر کہہ دئے اور عموماً مولوی صاحب کا آدمی ہی روپے پہنچا گیا۔

عام حاجتمندوں کی امداد و اعانت میں ان کے ہاتھ کی وسعت کا علم اللہ ہی کو ہوگا مگر مجمل طور پر اتنا اندازہ ہے کہ وہ مال کے بارے میں **وَالْوَعْدُ مِنَ مَالِ اللَّهِ الَّذِي** اتنا کم لے گا ذہن رکھتے تھے۔ کسی حاجتمند کی حاجت براہ راست اپنے سامنے آئے یا کسی قابل اعتماد شخص کے ذریعہ اس کا علم ہو وہ اپنے اوپر واجب سمجھتے تھے کہ اس کی مدد کریں، اور **وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْضُومِ** کے نعرہ میں داخل ہوں۔ صرف وقتی مدد نہیں بلکہ بیواؤں یتیموں اور معذوروں کے بعض مستقل مامانہ وظیفے بھی ہمارے علم میں ہیں۔ اگرچہ ان کے اخفاء کا تو یہ عام تھا کہ شاید وظیفہ پانے والے آج تک نہ جانتے ہوں کہ کہاں سے آرہے۔

حافظ قرآن تھے اور اچھا یاد تھا خصوصاً پڑھتے تو بہت ہی اچھا تھے سادہ اور نہایت صحیح، مخارج کی ادائیگی میں بڑی ہنگامی۔ دس سال سے میرا قیام بھی ان کے گھر میں تھا۔ محلہ کی ایک چھوٹی سی مسجد میں جو چند آدمیوں کے دم سے آباد ہے وہ پابندی کے ساتھ ترانہ میں قرآن سناتے تھے۔ آٹھ بجے دوکان بند کر کے آتے اور پھر چند منٹ رک کر مکان سے میرے مسجد چلے جاتے، کھانا یا ناشتہ بعد میں کرتے۔ ان دنوں بلکہ رمضان کے پورے مہینے میں فجر کی نماز بھی اسی مسجد میں پڑھتے۔ روزانہ کچھ دیر ساتھ کا موقع پورے سال میں اسی مبارک مہینے میں ملتا تھا۔ اور اس کے لیے وقت نماز فجر کے بعد کا تھا کہ مسجد سے نکلے اور میرے ساتھ میرے مکان سے کچھ آگے بڑھ کر امین الدولہ پارک تک چہل قدمی کی۔ طبیعت

لے اور دو حاجتمندوں کو اللہ کے اس مال میں میرے جو اس نے تم کو دیا ہے۔ (قرآن)

لے اور اللہ کے فرماں بردار بندوں کے مالوں میں حق ہوتا ہو یعنی وہ حق سمجھتے ہیں) مانگنے

اور نہ مانگنے والے سب حاجتمندوں کا۔ (قرآن)

میں ساوگی کا جو ذکر اور پرکایا ہے اس کا یہ عالم تھا کہ مجھے اگر کچھ آگے بڑھ کر کسی دن دودھ لینا ہوتا تو ساتھ چھوڑتے نہیں تھے بلکہ ہمارا کر کے وہاں تک ساتھ جاتے تھے۔

اللہ عز و جل رحمت کرے اپنے تجربہ میں تو وہ فرشتہ صفت انسان تھے صرف چون
میں کی عمر پائی صحت چھی اور جسم بھرا ہوا تھا۔ عید الفصحی سے دودن پہلے فلو ہوا عید کو اچھے
رہے دوسرے دن اور اچھے تھے۔ کہ نو بجے صبح دل کا حملہ (ہٹ ایک) ہوا۔ جو آنا سخت
تھا کہ ڈاکٹر دیں نے شروع ہی سے ایسی ظاہر کر دی۔ اللہ نے انھیں سب کچھ دیا تھا دوسرے
دن صبح تک قیسی سے قیسی علاج ہوا۔ دو دو ڈاکٹر رات میں ان کی تیار داری
کو رہے مگر وقت پورا ہو گیا تھا۔ حکم الہی کے آگے کسی کی نہ علی۔ اور صبح ۸ بجے کے قریب
روح جسم سے جدا ہو گئی۔ رہے نام اللہ کا! کیسے دیکھتے دیکھتے مولوی صاحب کثرت
کے لیے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اللہ ان سے جنت میں ملاقات نصیب کرے۔ وہ یقیناً
ہمیشہ یاد آتے رہیں گے۔

مولوی صاحب کی یادگار تین بچے ہیں دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی
پسماندگان میں عزیز واقارب کے وسیع حلقے کے ساتھ اہلیہ بھی ہیں اللہ تعالیٰ ان کے صدمے
کو، جو بعض وجوہ سے ان کے لئے بہت ہی سخت ہے، ہلکا کرے۔ انھیں دیا میں
راحت سے رکھے اور جنت النعیم میں پھر ملنا مقدر فرمائے۔ اور اصل ملنا تو وہیں کا ہے
جس کے بعد پھر جدائی کا خطرہ ہی نہیں وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِیَ الْحَبِیْرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ
جی جانتا تھا کہ گزشتہ الفرقان ہی میں اپنے ان دو محسنوں کی تعزیت کی جائے۔

گہرا لب بھر کے قریب ہو گیا ہے کہ کھنے سے طبیعت کو سخت آبا ہے۔ کھنے کی محنت سے
اچھی خاصی طبیعت اپنی بارگاہ کی آبا اس کا تصور بھی طبیعت کو ان ہوتا ہو کوئی چیز کی سخت ضرورت یا
اندیشہ خواہش سے کھنا ہی پڑے تو کوئی دن کی کوشش سے طبیعت عوار ہو تی ہو اور قیاساً گزشتہ اتھت
کے وقت میں نہیں تھی مجھ کو مگر ناظر اگر بعد کو یہ تاخیر بہت ہی شاق تھی۔ ناظرین سے درخواست ہے کہ
دونوں حضرات کے لیے رحمت مغفرت کی دعا فرمائیں کہ الفرقان میں تذکرہ کا مقصد یہی ہے۔

لے آخرت کی زندگی ہی، اگر تم جانتے ہو تو اس زندگی ہے۔ (قرآن)

حدیث نبویؐ اور اس کے متعلقات

بخاری شریف کا اردو ترجمہ
بخاری شریف کو امت نے قرآن مجید کے بعد صحیح ترین اور سب سے زیادہ مستند کتاب مانا ہے یہ اس کا تالیف اتحاد ترجمہ جو تین ضخیم جلدیں اعلیٰ کاغذ قیمت جلد ۱۵۴ (مبدلہ البیادر جلد ۱۵۴) (اردو)
یہ بخاری شریف کی جامع اور مکمل تفسیر ہے۔
قیمت جلد ۱۳/-

الادب الفرو (اردو)
یہ امام بخاری کی ایک مستقل تصنیف جو جس میں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذلک تعلیمات و روایات اور سنن و مسلمات کو جمع کیا جو جن کا تعلق باب معاشرت و اخلاق سے ہے۔ اس کے کما سوا حیدر کی بیرونی کاشفی و کھنڈہ والوں کے لیے قابلِ تدارک ہے۔
قیمت جلد ۱۲/-

حصن حصین (ترجمہ مع عربی)
ذخیرہ حدیث میں جس قدر رعایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول و ماثور ہیں وہ سب اس میں جمع کر دی گئی ہیں جملہ مشکلات اور دفع بیانات کے لیے اس کا ختم خیر بات میں سے ہے۔
قیمت جلد ۱۲/-

کتاب الامثالہ (ترجمہ اردو)
ترجمہ از سر آستانہ کتب خانہ فقید ذریعہ تبلیغ کا امام اعظم نے پائیں ہزار احادیث و اقوال سے منتخب فرمایا۔
قیمت جلد ۱۰/-

بورخ الحرام (ترجمہ)
حدیث کی شہرہ و سی کتاب جو قیمت جلد ۱۲/-
ترجمان السنہ (۲ جلد)
از حضرت مولانا بدیع عالم مہاجر مدنی
کتاب اپنی شہرت و مقبولیت کی وجہ سے تواتر کے لیے تیار ہے قیمت جلد اول ۱۲/- جلد دوم ۱۰/- جلد سوم ۱۲/-
جلد چہارم ۱۲/- جلد کیلئے ہر جلد پر دو روپے زیادہ

علوم الحدیث (ترجمہ اردو)
اس کتاب کے مصنف لبنان کی ایک دور رس کے پروفیسر ڈاکٹر مصطفیٰ صلیح ہیں، ترجمہ غلام احمد صاحب پوری نے کیا ہے، اپنے موضوع پر جامع فاضلانہ کتاب جو اس کے خاص موضوعات پر ہیں۔
حجیت حدیث - تالیف تدریس حدیث -
حدیث اسلامی کتابوں کی بنیاد - مولیٰ حدیث -
حدیث کی کتابوں اور ان کے
مولفین کا تعارف - کتاب کی نوعیت کا انکشاف
مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ پانچ سو سے زیادہ صفحات
فیس کاغذ - نہایت اعلیٰ کتابت و طباعت۔
قیمت جلد ۱۶/-

عجائب النفع مع شرح فوائد جامعہ
فی حدیث حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلی
بے نظیر اور مفید ترین تصنیف جو شرح لے اس کی
افادیت میں بیحد اضافہ کر دیا ہے قیمت جلد ۱۵/-

ابن ماجہ اور علم حدیث
از فاضل گرامی مولانا عبدالرشید نعمانی
عہد رسالت سے امام ابن ماجہ کے زمانہ تک کی
تاریخ تدریس حدیث اور سنن ابن ماجہ پر تفصیلی تحقیق
تبصرہ - قیمت ۸/-

محمد شہین عظام اور ان کے
علی کا نام ہے
از مولانا تقی الدین ندوی مظاہری
امام اربعہ اور اصحاب صحاح ستہ کا تذکرہ
اور تدریس حدیث کی مختصر تاریخ، شروع میں
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا مقدمہ
قیمت جلد
چار روپے پچاس پیسے

کتب خانہ الفتنان، کچہری روڈ، لکھنؤ

اسلام کیا ہے

مجلد اول، بیروت، دار الفکر، ۱۹۸۱ء

مضمت نے ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں کی دینی ضرورت اور ان اصولی تکت غرض کو سامنے رکھ کر توجہ اور محنت یہ کتاب لکھی ہے، اسلامی تعلیمات پر ایسی غید اور جامع کتاب اردو زبان میں کم از کم ہمارے علم میں نہیں جو اسلام کے متعلق ضروری واقفیت حاصل کرنے کیلئے ہی نہیں بلکہ کال عثمان اور اشکاؤلی بننے کے لیے بھی اس کتاب کا مطالعہ اور اس پر عمل انداز کافی ہو، اسلام کی ضروری تعلیمات کو بیچ بستیوں کی شکل میں مرتب کر کے اس کتاب پر عمل کیا گیا جو ہر سبق اپنے موضوع پر ایک مستقل مضمون اور مؤثر خطبہ ہے، یہاں کو مسلمان بنانے کی خاص کوشش کی گئی جو کہ بے پڑے لوگ اور کم عمر بچے بھی آسانی سے سمجھ سکیں، خود پڑھ کر ایمان تازہ کیجئے، بیوی بچوں کو پڑھا کر انہیں بکا اور کہ ان مسلمان بنائے، مسوزں اور عیدوں میں سنا کر تبلیغ کا حق ادا کیجئے، اور مسلمانوں میں ایمانی روح اور دینی زندگی پیدا کر سنے کا بے انتہا خواہش حاصل کیجئے، اور اگر آپ کو کوئی غیر مسلم دوست اسلام کو جاننا اور سمجھنا چاہے تو اس کے لیے اتمہ نیا بھی یہ کتاب ہی کتاب بنے کیجئے۔۔۔۔۔ کاغذ و طبع است حق۔۔۔۔۔

مجلد اول، بیروت، دار الفکر، ۱۹۸۱ء

پشکوان کے
عمدہ تیلوں میں
آپ کی خاص پسند۔

پوسٹ مین برائڈ
صاف کیا ہوا مونگ پھلی کا تیل
۳۰۱ اور ۱۵۵۵ کلو

عمدہ وناسپتی
۳۰۲ اور ۱۶۵۵ کلو

ستلوا، ستل کا تیل
۳۰۲ اور ۱۵۵۵ کلو

بلاڈ خالص ناریل کا تیل
۳۰۲ اور ۱۶۵۵ کلو

کھنکھار

صاف کیا ہوا ناریل کا تیل

۳۰۲ اور ۱۵۵۵ کلو

اجی سلاڈ تیل

۳۰۲ اور ۱۵۵۵ کلو

عمدہ ریزہ بستی



الفستان

مَرْصُوعٌ

عَتِيقُ الرَّحْمَنِ سُبْحَانِي



قرآن آپ کی کتاب ہے؟

تاکید۔ مولانا محمد رفیع الدین

بلاشبہ قرآن مجید کی دعوت و تعلیم پوری انسانیت کے لئے آبِ حیات ہے، لیکن ہماری دنیا اس سے نا آشنا ہے یہاں تک کہ اس کو کلامِ الہی ماننے والی اُمت کی غالب اکثریت بھی اس سے بیگانہ ہے

یہ کتاب

اسی صورت حال کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔

- یہ قرآنی دعوت اور اس کی اہم تعلیمات کا ایک جامع خلاصہ ہے۔
- جس میں ۲۰ عنوان کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت مؤثر اور روح پرور شرحیں بیان کی گئی ہیں۔
- خاص طور پر قرآن کی دعوت کو جدید تکنیکیان اس کتاب کا شاہکار ہے۔
- بالکل ایک نئے طرز کی کتاب ہے جو قرآن کی دعوت سے روشناسی کے ساتھ ساتھ قرآن کے اجمالی بیان کا بھی لذت شناس کرتی ہے۔
- قرأت الیٰ لایب جماعت، مکتبہ محمدیہ، ۲۰ صفحات، جلد ۱۰۰، پشاور، ۱۹۸۰ء

کے بچانہ افستن رکھو

<p>سَآلَانَهٴ چَندَهٴ</p> <p>غیر ممالک سے</p> <p>۱۵ اشنگ</p> <p>ہوائی ڈاک کے لیے مزید</p> <p>محصولہ ڈاک کا اضافہ</p>	<p>لکھنؤ</p> <p>افسان</p> <p>ماہنامہ</p> <p>فیسے کا پانچے ۷۰ پیسے</p>	<p>سَآلَانَهٴ چَندَهٴ</p> <p>ہندستان سے ۷/۵۰</p> <p>پاکستان سے ۷/۵۰</p> <p>ششماہی</p> <p>ہندستان سے ۴/۱۰</p> <p>پاکستان سے ۴/۱۰</p>
--	---	---

جلد نمبر ۳ | بابت ماہ صفر ۱۳۷۹ء مطابق مئی ۱۹۶۹ء | شمارہ نمبر ۲۹

نمبر شمارہ	مضامین	مضامین نگار	صفحہ
۱	نگاہِ ادلیس	عتیق الرحمن بنعلی	۲
۲	درس قرآن	مولانا محمد منظور نعمانی	۱۰
۳	شیخ شہاب الدین سہروردیؒ دعایا اور نصائح کے آئینہ میں	مولانا نسیم احمد فریدی	۱۹
۴	یک دو ساعت صحیحے با اہل دل	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۲۴
۵	اسلام کے حلقہ بگوش عربوں کو ستران کی نوید فتح	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۳۳
۶	سائنس کی بے خدائیت کے خلاف اقبال کا جہاں	ڈاکٹر رفیع الدین ایم اے پی ایچ ڈی	۴۶
۷	جدید مطبوعات	ع - س	۵۵

اگر اس دائرہ میں ○ سرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب ہو کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہو گئی ہو۔ براہِ کرم آئندہ کے لیے جہزہ ارسال فرمائیں، یا خریداری کا ارادہ نہ تو مطلع فرمائیں جہزہ یا کوئی دوسری اطلاع ہم پر مئی تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بعینہٴ نئی بی ارسال ہوگا۔
پاکستان کے خریدار :- اپنا جہزہ ادلولہ اصلاح و تبلیغ کسٹمر لیننگ لاہور کو بھیجیں اور صورت ایک سادہ کارڈ
کے ذریعہ ہم کو اطلاع دیں ڈاکخانہ کی رسید بھیجنے کی ضرورت نہیں۔

نمبر خریداری :- براہِ کرم خط و کتابت اور مئی اور ڈاکو پہنچا کر خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے
تالچ اشاعت :- اگر لقمان ہیراگریزی عینہ کے پہلے سہفہ میں ردائہ کر دیا جاتا ہو، اگر ہر تاریخ تک کسی صاحب کو نہ
ملے تو فوراً مطلع کریں، اگلی اطلاع ہم تاریخ تک آجائے اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر افسان، کچہری روڈ، لکھنؤ

(دوہری) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر، ایڈیٹر و پراپرٹری ٹریڈر میں چھپو اگر دفتر لقمان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نگاہِ اُمیں

عَلِیْقُ الرَّحْمٰنِ سَنَبْهَلِیْ

پاکستان کے جن اذیت ناک حالات کا خاتمہ ۲۵ مارچ (سنہ ۷۰) کو ایک نئے مارشل لا پر ہوا، مولانا عبدالمجید صاحب یادی مدثر صدق جدیدؒ نے ان حالات سے متاثر ہو کر مارچ کے صدق جدید میں "بنیاد پاکستان - ایک محاسبہ" کے عنوان سے ایک مضمون تحریر فرمایا ہے۔ مضمون دا طلب بھی ہے کہ نہ صرف اپنے بارے میں کم نظری اور فریب خوردگی کا بڑا اعتراض کر کے اخلاقی جرأت کی ایک اعلیٰ مثال مولانا نے قائم کی، بلکہ اس اعتراض کی زد اگر مولانا کے بے شمار ہم خیالوں پر بھی پڑ رہی تھی تو ان کی ناگواری کے برحق اندیشہ کو بھی اپنے احساسِ مذہبی پر اثر انداز نہیں ہونے دیا۔ لیکن یہ داد تحسین مولانا کے ہمسروں کا منصب ہے۔ ہمارا حصہ اس میں نصیحت و عبرت ہے جو مولانا کا اصل مقصد ہے۔

مولانا نے لکھا ہے کہ مطالبہ پاکستان کی بنیاد اصلاً دنیوی تھی، یعنی مسلمانوں کو ملکی حقوق کے بارے میں ہندوؤں سے شکایات، اندیشے اور تلخیاں پیدا ہوئیں جن کا حل بعض لوگوں نے یہ دھوڑ بھاڑ کچھ حصہ ملک کا مخصوص اپنا کر لیا جائے، دلوں کو آزادی اور امن و چین سے رہنے کا موقع ملے گا اور ان حق تلفیوں سے نجات ہو جائے گی۔ مسئلہ دینی شکایات کا بالکل نہیں تھا، علاوہ ازیں مطالبہ کے ترجمان اعظم جناح صاحب تھے، یہ خود اس بات کی بہت کھلی علامت تھی کہ معاملہ دینی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ نہ دینی حیثیت رکھتے تھے اور نہ کوئی خاص دینی واقفیت۔

یہ مولانا دریابادی کے ابتدائی حصہ مضمون کا خلاصہ تھا، آگے کچھ حصہ یعنی ان کے الفاظ

میں پڑھ لیجئے۔ فرماتے ہیں۔

”جب تحریک بھیلی اور اس کے قدم جم لیے تو عام مسلمانوں میں اپنی سادہ دلی سے قدرۂ یہ خیال پیدا ہوا کہ جب حکومت اپنی ہوگی تو لازمی طور پر قانون اسلام رائج ہوگا۔ او! اس فریب نفس میں مبتلا ہونے والے بے شمار عامی مسلمانوں میں ان سطور کا راقم اور صدق کا مدیر بھی تھا۔ علما میں مخلصین اور تہجد گزاروں کی ایک بڑی تعداد بے شبہ تھی لیکن وہ بھی اے موجودہ سیاسیات کی باریکیوں اور پیچیدہ گتھیوں کو کیا سمجھتے، ان کے ذہن میں حکومت کا تہا شدہ ہی سادہ نقشہ تھا جو کروڑوں (حروبِ صلیبیہ) کے زمانہ میں آج سے سیکڑوں سال قبل تھا۔ جب مسلمانوں اور غیر مسلموں میں جنگ جہاں کہیں بھی ہو بڑی آسانی سے جہادِ دینی کی شکل اختیار کر لیتی۔ موجودہ نسلی و لسانی، جغرافیائی و سیاسی معاشی و عمرانی قسم کی بے شمار پیچیدگیوں کا کسی دماغ کو اندازہ ہی نہ تھا۔“

تقریباً آخر میں جا کر مولانا پھر لکھتے ہیں :-

”پاکستان کا اصل مقصود دُنیوی حکومت حاصل کرنا تھا، مسلمان قوم و ملت کو آزادی دلانا تھا۔ داعیانِ پاکستان اسی مطالبہ کو لے کر اُٹھے تھے۔ تحتِ اشعار میں البتہ یہ بات تھی کہ جب قوم کو آزادی حاصل ہوگی تو قدرۂ وہ اپنے ہی نظامِ حکومت کا انتخاب کرے گی۔ اس راہ کی پیچیدگیاں، گتھیاں اور لایخیں دشواریاں ہرگز دشواریوں میں نہیں نہ لاشعور میں۔ بس ایک محمل، مبہم اور نہایت پر جوش نعرہ تھا جو زبان اور حلقوں سے نکل رہا تھا (....) اس کے مضمرات متفصلاً کا واضح کیا معنی، مصلحت لایخیال نہ مسلمانوں کے چھوٹوں کے دل میں آیا نہ بڑوں کے۔ بھولی قوم کی طرح لیڈر بھی کچھ ایسے ہی بھولے بھالے تھے! بد نصیبی دونوں میں مشترک۔“

مولانا کا لہجہ جس قدر بہرہ ورانہ ہو اور محاسبہ میں جتنی رعایت سے انھوں نے کام لیا ہے وہ بالکل ظاہر ہے، مگر عبرت و نصیحت کے لیے اتنا بھی بہت کافی ہے۔ قوم کے ایک خاص رابطہ مزاج کی تشخیص اس میں پردہ داری ہی کے ساتھ سہی، مگر آگئی ہے۔ اور وہ ہے نفردل پرست ہو جانا اور ان کے تجزیہ کو گناہ ٹھیرانا، خوابوں کی دُنیا میں مڑے لینا اور حقائق کی طرف آنکھ

اٹھا کے نہ دیکھنا، جذبات کی تحریک پر دوڑنا اور دعوتِ فکر و نظر کو خاطر میں نہ لانا۔ یہ ہماری ملت کا وہ مزاج بن گیا ہے کہ سوچ سمجھ کے بات کرنے والے یا گوشے میں پڑے رہتے ہیں یا طعن و تشنیع کا جوت بنتے ہیں۔ اور جذبات کو اپیل کرنے والے خواہ وہ اربابِ اخلاص ہوں یا طالبِ جاہ اور طالعِ آزمائش ان کی پرستش کرنے والوں کی کوئی کمی نہیں ہو۔ بس ان کی زبان پر من پسند نعرے ہوں، شعلہ نواہی کی ابھی صلاحیت رکھتے ہوں اور قوم ان کے الفاظ میں اپنے دل کی بات سنے، حد یہ ہے کہ کسی شخص سے یکایک اور بالکل غیر متوقع طور پر ان کے مسائل میں کچھ اس طرح کی باتیں ظاہر ہوتی ہیں جو سو فیصدی ان کی پسند کی ہیں، اس سے زیادہ یہ اس شخص کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ اور اگر کچھ جانتے تھے تو وہ کچھ کشش یا حسنِ ظن کی بات نہیں تھی۔ لیکن اب اس سے جو خوش ہوئے، جو توجہ بالکل ضرورت نہیں کہ اسے تمام پہلوؤں سے جانچیں رکھیں، کچھ قیافہ فحاشی سے کام لیں کہ فلاں فلاں جو اور مسئلے اس کے دائرہ کار کے ہیں ان میں بھی اس سے اسی رویہ کی امید کی جانی چاہیے یا کچھ اور اندیشہ ہے؟۔ بالکل کسی بات کی ضرورت نہیں، ہمیں خوش ہوئے اور مکمل اعتماد کا اعلان کر دیا کہ اس سے بہتر آدمی ہماری نظر میں نہیں۔ ہمارے سامنے اس کی ایک بالکل قرینہ مثال ہے اور اسی کا ذکر ہم یہاں کرنا چاہتے ہیں، لیکن پہلے خود مولانا دریا بادی سے سن لیجئے کہ اس مرض کا ظہور تحریکِ پاکستان کے ایام میں کس حد تک ہو چکا ہے۔ مولانا کا یہ ٹکڑا ۱۸ اپریل ۱۹۶۹ء کے صادقِ جدید سے ماخوذ ہے جس میں ”چند مزید صراحتیں“ کے عنوان سے ابراہام چ کے مضمون پر ایک تکرار ہے۔ فرماتے ہیں:-

”خوش عقیدگی اور اعجابِ پرستی کی جو روح آج سے نہیں صدیوں سے مسلمانوں پر مسلط ہو رہی ہے ہر دور میں انھیں عجیب عجیب خوش فہمیوں میں مبتلا کرتی رہی ہے اور اسی نے قائدِ اعظمؒ کی مذہبیت سے متعلق طرح طرح کی اختراعی روایتیں پھیلا رکھی ہیں لوگ بے تکلف انھیں ایک سے دوسرے کی طرف منتقل کرتے رہتے تھے اور کسی کو ان پر جو حرج و عقیدہ کا خیال تک نہ آتا تھا۔“

اس کے بعد ایک بڑے مستند حوالے سے چلی پڑی روایتِ جلال صاحب کی تہجد گراوی کی

نقل کر کے مولانا فرماتے ہیں:-

”جی ہاں ناز بچکانہ ہی نہیں ناز تہجد! — سادہ لوح و معصوم صفت قوم اس خوش خیالی میں مبتلا اور اس کی منتظر کہ امام مہدی کا ظہور بس اب ہوا چاہتا۔۔۔“

خوش عقیدگی کی اس مثال کے بعد حال کی وہ مثال جو ہمیں دینا ہے، بڑی پھکی نظر آئے گی۔ مگر اسے لانا اس لیے ہو کہ ایسی ایسی چوٹیں کھانے کے بعد بھی کیا فطرت ہماری ملت کا ہو اور کیا وضع داری اس نے پائی ہے کہ کوئی خود ہی اس کے حق عقیدت پر متم دھا جائے تو دوسری بات ہے ورنہ اسے آج بھی بس ایک ادا پر مکمل سپردگی میں کوئی انکار نہیں! قیام پاکستان کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی دس چاندلری پر ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب فائز ہوئے، وہ بھلا مسلمانوں کو کیا پسند آتے، ان کے بعد یہ جگہ کرنل بشیر حسین زیدی کو مل گئی۔ ان کے طور طریق بھی پسند آنے والے نہیں تھے، خصوصاً دینی خیال کے مسلمانوں کو جو علی گڑھ سے کوئی رابطہ رکھتے تھے ان کی بعض ترقی پسندیاں بہت ناگوار تھیں اور معاملات مسلم پریس میں آنے لگے۔ وہ گئے تو مرکزی حکومت کے ایک سکریٹری اور ایک پرانے قوم پرور خاندان کے فرزند برادر بن طیب جی نے ان کی جگہ لی۔ ہمیں یاد ہے کہ ان کی ان دونوں حیثیتوں کی بنا پر وہ لوگ اس تقرر سے کچھ زیادہ مطمئن نہیں تھے جو علی گڑھ کے معاملات میں قوم کے ترجمان بنے ہوئے تھے، بلکہ آتے ہی طیب جی نے سرسید فتنے پر جو تقریر کی وہ کچھ تشویش انگیز تھی — مگر آدمی صاحب ضمیر اور صاحب رائے تھے، اس وقت کے وزیر تعلیم مٹر چاگلا یونیورسٹی کا جو حلیہ بنانا چاہتے تھے، اس سے انھیں اختلاف ہوا اور بعض مواقع پر یونیورسٹی کی حیثیت اور نوعیت کے بارے میں انھوں نے پبلک طور پر ایسی باتیں کہیں جو وزیر تعلیم سے اظہار اختلاف کی حیثیت رکھتی تھیں۔ یونیورسٹی کے بارے میں بعض اکثریتی حلقوں سے ہونے والے مکروہ پروپیگنڈے کی تردید بھی انھوں نے ایک شان خود داری اور عزت مندانہ ناگواری کے ساتھ کی۔ ان کی اس طرح کی باتوں سے یونیورسٹی کے مسلم طلباء اور حقیقۃً مسلمان اشاف میں ایک خود اعتمادی پیدا ہوئی، دوسری یونیورسٹیوں کے مقابلہ میں احساس کسری اور لاجاری نازل ہونے لگے۔ اس کے علاوہ بھی کچھ اقدامات طیب جی نے اپنے مختصر دور میں اپنے طلبہ کی انگلیں پوری کرنے اور قومی زندگی میں انھیں

نبرا کا درجہ دلانے کے لیے کیے۔ اور اپنی ان سرگرمیوں میں وہ برابر اضافہ ہی کرتے ہوئے یونیورسٹی سے رخصت ہو گئے۔

کیا شبہ ہے کہ طیب جی کی یہ باتیں قابلِ تحسین تھیں۔ اور کسی قدر غیر متوقع ہونے کی بنا پر ان کا اور بھی زیادہ اعتراف کیا جانا چاہیے تھا۔ مگر کیا ان چند باتوں سے طیب جی کا پورا ذہن سامنے آ جاتا تھا۔ اور ان لوگوں کو غیر مشروطِ اعتماد کا اظہار کر دینا چاہیے تھا جو ایک دینی روح بھی مسلم یونیورسٹی میں جاری و ساری دیکھنا چاہتے تھے؟ حالانکہ اس پہلو سے طیب جی ابھی تک بندھے تھے۔ مگر جب قائدِ اعظم جناح صاحب ہندوؤں سے کشمکش کے معاملہ میں مسلمانوں کا دل خوش کر دینے کے بعد متجددِ ارائی کا حُسنِ ظن پاسکتے ہیں تو کیا طیب جی اتنے اعتماد کے بھی حقدار نہ تھے کہ اگر وہ اس روح کے علمبردار نہ بنے تو کسی غیر دینی روح کے بھی علمبردار یا طرفدار نہ بنیں گے چنانچہ جب یہ داپس بلا لیے گئے تو ان لوگوں نے ان کا اسی طرح سوگ منایا جیسے ان کا ایک آئینہ دل و اُس جانسراں سے چھین لیا گیا اور پھر جہان کے بعد نواب علی یا درجنگ آئے اور کچھ نوالے ہی ستم ڈھا کر چلے گئے تو ان کی خالی جگہ کے لیے ایک بیکٹو کونسل کی طرف سے رکھے گئے ناموں کو اس پہلو سے بھی رد کرتے ہوئے کہ یہ صحیح اسلامی ذہن نہیں رکھتے ہیں اور اس لیے مسلم یونیورسٹی کے لیے موزوں نہیں ہو سکتے، پھر ایک بار بدرالدین طیب جی کو یاد کیا گیا کہ بس وہ ہیں جو اس یونیورسٹی کے لیے موزوں ہو سکتے ہیں! اب کیسے سب نقشہ کھینچا جائے کہ لوگوں کے اظہارِ اعتماد کا کیا عالم تھا! کسی گریڈ کی ادبِ ملک ان کے لیے گفتگوؤں اور اخباری مضامین و مراسلات میں ٹپک رہی تھی۔ مبادا کوئی سمجھے کہ وہ اب علی گڑھ لڑنا پسند نہیں کریں گے۔ لہذا ایوں کے اطمینان کے لیے ان کی طرف سے از خود ہی اس کا اطمینان اس طرح کے اشعار لکھ کر دلادیا جاتا تھا کہ

مہرباں ہو کے مجھے چاہو بلا جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر مٹاؤ آنکھوں

لے ہیں اس سے بالکل اختلاف نہیں جو طیب جی واقعی بہت موزوں ہیں لیکن یہاں بات دوسری ہو رہی ہے۔

یہ سب کچھ ہو رہا تھا مگر اس کا اب بھی سوال نہیں تھا کہ طیب جی کے دینی خیالات تو معلوم کر لیے جائیں۔ اور اہل حق پاؤں کٹانے سے پہلے یہ تو جان لیا جائے کہ وہ اس بے پناہ اعتقاد کے ہر پہلو سے اہل بھی ہیں یا نہیں؟۔

ابھی ماتم مکمل نہیں ہوتا۔ طیب جی کو علی گڑھ کا چانس تو ملا نہیں اور ادھر وہ کچھ دن بعد سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو گئے۔ رگوں میں ایک سیاسی خاندان کا خون تھا جسے علی گڑھ کی وائس چانسلری کے دور میں مسلمانوں کے حالات کے قریبی مطالعے اور ان کے اظہار اعتماد و عقیدہ نے جگا دیا۔ چنانچہ ریٹائر ہونے کے بعد یہ خبریں ملنے لگیں کہ طیب جی ملک کی سیاست میں آئے ہیں۔ بس پھر کہہ دیا تھا، علی گڑھ کے سلسلہ میں ان کے خصوصی حامی اور سفارشی جو مسلمانوں کے لیے ایک اہل اثریائیڈر کی تلاش میں بھی تھے، دوڑ پڑے کہ دیدہ و دل فرش راہ ایک نشریہ لائیں! تاج قیادت سمجھائیں، مسلمان گوش بر آواز ہیں، طیب جی سمجھدار آدمی تھے، پہلے انھوں نے ملک کا ایک دورہ طے کیا، کہ اس کے بعد کوئی فیصلہ کریں گے۔

دورہ کے پروگرام میں پہلا نام لکھنؤ ہی کا پڑا، جو بہت دن سے مسلم سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا ہے اور شاید مسلم سیاست میں طیب جی کے آنے کا دعویٰ اول بھی ہو ہی تھا۔ پانچ دن طیب جی رہے۔ کیا ہوتا یا جلے کہ کیا جذبات خوش آمدید کہنے والوں کے تھے! کیا کیا محفل ان کی امید پر بنائے گئے تھے! مگر وہ آدمی چونکہ ایمان دار تھے، اس لیے بس دو تین دن ہی میں ظاہر ہو گیا کہ وہ ان لوگوں کے ذرا کام کے نہیں جو مسلمانوں کی بالکل الگ سیاسی تنظیم چاہتے ہیں۔ یہ بھی کھل گیا کہ وہ دین کے معاملے میں پورے "ترقی پسند" ہیں۔ علما تک کو تہجد کی دعوت دینے کا حوصلہ رکھتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ علی گڑھ یونیورسٹی کے بائے میں جس پہلو سے وہ سو فی صدی قابل اطمینان نظر آتے تھے اس میں بھی رخنہ نکل آیا کہ در بھری پریس کانفرنس میں کہہ گئے، کہ مسلم یونیورسٹی کو اسلامی کلچر کی نمائندگی کرنے والا ادارہ تو ضرور رہنا چاہیے، جیسے بنا اس ہندو یونیورسٹی ہندو کلچر کی نمائندگی کرے، مگر یہ میں نہیں مانتا ہوں کہ مسلم یونیورسٹی مسلمانوں کی یونیورسٹی ہے۔ بس اس کے بعد ہمارے خوش فہموں کا وہی حال تھا

جو ہر حکمتی چیز کو سنا سمجھ کر دوڑنے والوں کا ہوتا ہے۔ سارے جذبات خاک اور سائے بنتے ہیں۔
بارہ کر رہ گئے۔

یہ مثال اتنی طویل ہو گئی کہ کہیں اصل موضوع بحث فراموش نہ ہو گیا ہو، یا کسی کو یہ گمان نہ ہو جائے کہ اصل مقصد اسی کا تذکرہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ مضمون شروع کرتے وقت یہ قصہ بطور مثال بھی ذہن میں نہ تھا۔ اس کا خیال یکایک اُس جگہ پہنچ کر آیا جس جگہ اس کی تقریب شروع ہوتی ہے۔ اور پھر جب تقریب پیدا ہو رہی تھی تو اس کا پھوڑا ظلم تھا۔ یہ بالکل تازہ بتازہ عہدِ پادشاهی میں ہمارے مزاجِ خوش اندیشی، بھٹ پٹ عقیدہ بندی اور خود گردناری کو درسِ عبرت بننے میں کوئی لمبا سفر طے نہیں کرنا پڑا۔ سارا متنازعہ بھی نہیں ہے کہ عبرت انگیزی میں کوئی شک ہو۔ اور ایک خاص پہلو یہ ہے جس کی طرف اس مثال کے تقریبی جلوں میں اشارہ ہو گیا تھا۔ کہ طیب حجازی بیچارے نے ذرا بھی کوئی ایسی بات نہیں کی یا کسی تھی جس سے اس طرح کی خوش فہمیوں کی اُن پر کوئی دُردہ داری آتی ہو اور مبتلا ہونے والوں کے لیے کوئی عذر بنتا ہو! صرف وہ کام کیا تھا جو ایک خود شناس اور خود دار دانش چانسلم کو کرنا چاہیے کسی یونیورسٹی کے طلبہ احساسِ کمتری دہاؤں کے فضلاء کی ملک میں قدرتی ان پراور یونیورسٹی کے شان پر ہیوٹا لٹا ایک باشندہ اُس چائلز کی نظر میں وہ کی توہین ہو اور یونیورسٹی کے قدرتی سے اس کا دفاع ہو جائے ذہن اگر فطرت نہ ہو گئے ہوتے تو کسی نجات نہ ہونے کی تلاش مانگو لیا تاکہ نہ پہنچ گئی ہوتی، تو یہ کوئی مشکل سے سمجھ میں آنے والی بات نہ تھی۔ بالخصوص جبکہ طیب حجازی کا اصول، اُن کی تعلیم و تربیت اور عام زندگی بھی اُن کے اس طرزِ عمل کو نہ خاص سنی پہنانے میں کوئی مدد نہیں کرتی تھی جو بڑے جوہرِ اعتماد کے ساتھ پہنا دیے گئے۔ تو اس مثال سے اندازہ کیجئے کہ ہم میں دھوکہ کھانے کی صلاحیت کس حد تک پہنچی ہوئی ہے! ایک آدمی نہ دھوکہ دے رہا ہے نہ کوئی بات ہی اس کی ایسی ہے جس سے خواہ مخواہ غلط فہمی ہو سکے مگر ہمیں بس بہانہ چاہیے کہ کسی کو مرکزِ اُمید بنالیں۔

اور اس سے بھی بڑھ کر اس قصے کا المیہ یہ ہے کہ یہ دھوکہ کھانے والے عوام نہیں تھے، وہ تھے جنہیں قوم کی کریم کہا جاتا ہے۔ پڑھے لکھے عالم و فاضل، وکیل اور بیرسر، بھانڈیہ و سنجیدہ

جنہیں مسلمان ہند کے اس پُر آشوب دور نے بچا کہ دیا ہے۔ بتائیے جیت کر ہم کا یہ حال ہو کہ بے سبب دھوکہ کھائے تو قوم کس درجہ پر ہوگی! اور ایسی قوم کے لیے خطرات کا کیا ٹھکانہ ہے۔

مولانا عبد الماجد صاحب نے ایک بند کھول دیا ہے، پتہ نہیں کہ اس صورت حال پر دل خون ہو رہا تھا۔ مرض کے اتنے پہلو ہیں اور قوم بقول مولانا درادی ہوتی، بھولی ہے کہ ہندی کی چندی کے بغیر چارہ نہیں، اس لیے اب گھٹو کو آئندہ پرکھنا ناگزیر ہے۔
سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

توفیق ساز گار ہی تو اپنی بساط بھر سب ہی پہلو کھولنے ہیں تاکہ جو مکی تلاش ہو کے اور کوئی صلح اس پریشاں نظری کا سوچنا آسان ہو!

لَبَنَّا اِيْمَانًا لِّدُنَاكَ رَحْمَةً وَ هَيْئًا لِنَاْمِنْ اَمْرًا رَشَدًا

ذی الحجہ ۱۳۸۵ء کے الفتان میں والد ماجد کے ایک نوٹ کی بنا پر اہل کرم صحت کا حال پوچھتے ہیں۔ الحمد للہ وسط مارچ سے حال بہت غنیمت ہے۔ علانج ڈاکٹری چل رہا ہے جو بظاہر ساگرا ہو لیکن اسے ایک لاف کا سامنا ہوا، ورنہ ہوا اس گرمی کے موسم میں آئے دن عداوت کجری کی سخت تکلیف دہ حاضری ہے۔ کوئی مناسبت بھی نہیں۔ ”نڈائے ملت“ جس سے اسے قریباً بیسے پہلے قطع تعلق بھی کیا جا چکا ہے اس نے پچھلے تعلق کی نشانی کے طور پر دفعہ ۱۵۳۔ الف (اخبارات کی گوشمالی) کے تحت اکٹھے پانچ فقرے اس جان ناتواں پر ہیں۔ میں اس سلسلہ ابتلا کے خیر و عافیت اور استقامت کے ساتھ گزر جانے کے لیے نہایت ہمدردانہ دعاؤں کا طالب ہوں۔

میں شاید اپنی عدم مناسبت اور کمزور صحت کی بنا پر بہت عرصہ ہی میں ان تقدرات سے حیران ہو جاتا اور الفتان کے لیے کچھ لکھنے لکھانے کا سوال ہی نہ رہتا، مگر خدا بہترین عنایتوں سے نوازے، میرے چھوٹے بھائی حفیظ الرحمن نشانی کو کہ وہ مجھ سے نشانی محبت لکھتے ہیں اور ان تقدرات کی پیردی کا سارا بار انھوں نے اس طرح اپنے اوپر لے لیا ہے کہ مجھے (باقی صفحہ ۱۰)

دَرَسِ قرآن

مسجد مرکز والی۔ الاحقرم الحرام ۱۳۸۹ھ

دین سے غدار می کرنے والے

نام نہاد مسلمانوں کو سخت ترین انتباہ

[حمد و صلوٰۃ اور اعوذ اور بسم اللہ کے بعد]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
أَمْ عِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يُمَاقِفُونَ
كُومَةً لَا سِطْرَ ذَٰلِكَ فَضَّلَ اللَّهُ يُونُسَ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ
عَلِيمٌ إِنَّمَا أَوْفَّقَكُمُ اللَّهُ لِتَتَّبِعُوا سُبُلَهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ سَاهُونَ
وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ
هُمُ الْغَالِبُونَ ٥

الحمد ٥٢ - ٥٥ - ٥٦

مسلمانانِ اہم میں سے جو لوگ اپنے دین سے بھر جائیں تو اللہ کو ان کی کوئی پروا نہیں
ان کی جگہ وہ دوسرے لوگ پیدا کرے گا جن سے اُس کو محبت ہوگی اور وہ اس کے
چاہنے والے ہوں گے۔ وہ نرم دل اور فروتن ہوں گے اہل ایمان کے لیے اور سخت
خزان اور زور آور ہوں گے کافروں کے مقابلہ میں، پوری جدوجہد اور جان بازی

کریں گے راہ خدا میں اور بالکل پروا نہ کریں گے (اس کے راستہ میں) کسی ملامت گر کی ملامت کی یہ اللہ کا فضل و انعام ہے وہ اُس سے نوازا تا کہ جس کو چاہتا ہے۔
(مسلمانوں!) تمہارا ولی (یعنی تمہاری غلصانہ دوستی اور وفاداری کا مستحق) پس اللہ ہے اور اس کا رسول، اور وہ مؤمنین صادقین کو اچھی طرح نازا داکرتے ہیں، ذکوۃ دیتے ہیں اور (اللہ کے سارے ہی احکام کے سامنے) تسلیم خم کرتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنی ولایت (یعنی غلصانہ دوستی اور وفاداری) کا تعلق قائم کر لیں اللہ سے، اس کے رسول سے اور سچے اہل ایمان سے تو وہ حزب اللہ (یعنی اللہ کی جماعت) میں شامل ہیں اور یہ خداوندی جماعت ہی انجام کار غالب ہونے والی ہے۔

تفسیر و تشریح :-

یہ سورہ مائدہ کے آٹھویں رکوع کی آخری تین آیتیں ہیں، پہلے ہفتہ جب یہ رکوع شروع ہوا تھا تو میں نے اس صورت حال اور پس منظر کا ذکر کیا تھا جس میں سورہ مائدہ کا یہ حصہ نازل ہوا ہے۔

میں نے بتایا تھا کہ جس زمانہ میں یہ صورت کا یہ حصہ نازل ہوا ہے، مدینہ طیبہ کے لوگ علم طور سے اسلام قبول کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ گجوش ہو چکے تھے لیکن ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو اسلام قبول کرنے کے بارے میں پورے غصے نہیں تھے قرآن پاک میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کم سے کم دو طرح کے تھے۔ ایک تو وہ جو اندر سے اسلام اور مسلمانوں نے سخت ترین دشمن تھے اور انہوں نے صرف فریب کے طور پر اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے ہی کے لئے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا تھا، اس قسم کے منافقوں میں عبداللہ بن ابی بنی اسکول کا نام بہت مشہور ہے۔

دوسری طرح کے منافق وہ تھے جنہوں نے اسلام کو وقت کی ایک مقبول دعوت اور کامیاب تحریک دیکھ کر اور اُس سے وابستگی کو اپنے لئے نفع بخش سودا سمجھ کر قبول کر لیا تھا اور مسلمانوں میں شامل ہو گئے تھے، لیکن انھیں اسلام کے بارے میں وہ اذعان و یقین اور شرح صدر بالکل نہیں تھا جو مؤمنین صادقین کو ہوتا ہے، اس لئے ان کا اسلام

ان کی مفاد پرستی کا بالاج تھا اور انھیں اسلام سے زیادہ اپنے مفادات عزیز تھے لیکن انھیں اسلام اور مسلمانوں سے وہ عداوت بھی نہیں تھا جو عبد اللہ بن ابی جیسے نبی کے منافقین کو تھا۔ بلکہ یہ دراصل غرض پرست اور مفاد پرست قسم کے لوگ تھے۔

بچے غلصہ مسلمانوں اور دو قسم کے ان منافقوں کے علاوہ ایک جو تھا مستقل عنصر وہاں یہودیوں کا تھا مدینہ کے اس باس میں ان کی مستقل بستیاں تھیں، یہ لوگ عام طور سے خوشحال اور دولت مند تھے، بڑے کلمے بھی تھے، اہل کتاب تھے، ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو مذہبی بزرگ اور پیشوا مانے جاتے تھے ان کا پورے علاقہ میں بڑا وقار تھا اور اپنے دائرہ میں ان کو ایک طرح کی مذہبی و روحانی حکومت و سیادت حاصل تھی۔

جب مدینہ طیبہ میں اسلام کو عام مقبولیت حاصل ہو گئی اور وہاں کے قریب قریب ہر لوگ اسلام کے حلقہ مجبوس ہو گئے تو ان یہودیوں میں اور خاص کر ان کے لیڈروں اور مذہبی پیشواؤں میں حسد کے جذبات بھرک اٹھے اور وہ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف طرح طرح کی ریشہ دوانیاں اور سازشیں کرنے لگے اور مسلمانوں میں سے وہ مفاد پرست اور غدار قسم کے لوگ جن کا میں نے ابھی ذکر کیا تھا، ان کے آلہ کار بن گئے وہ ان یہودیوں سے خاص خلا کار کھتے تھے اور وہ ان کو خوب استعمال کرتے تھے۔

مسلمانوں میں ایسے مفاد پرست غدار ہمیشہ رہے ہیں اور آج بھی بہت بڑی تعداد میں ہیں۔ اس رکوع میں ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ کے الفاظ سے اگرچہ خطاب بظاہر عام مسلمانوں سے کیا گیا ہے لیکن دراصل اسی غدار طبقہ کو تنبیہ کرنا اور آگاہی دینا مقصود ہے جو اللہ اور رسول اور دین کے مقابلہ میں اپنے مفادات کا زیادہ وفادار تھا اور جو دشمنان اسلام یہودیوں کا آلہ کار بن جاتا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ سیدھے مسلمان بھی اپنی سادہ لوحی سے یہودیوں کے ساتھ ایسے غلصہ سازہ روابط رکھتے ہوں اور یہ نہ سمجھتے ہوں کہ یہ یہودی اس لائق نہیں ہیں کہ ان سے ایسے تعلقات رکھے جائیں اور نادانانہ طور پر وہ یہودیوں کے آلہ کار بھی بن جاتے ہوں۔

بہر حال مسلمانوں میں سے جو لوگ اپنی منافقانہ ذہنیت باسادہ لوحی کی وجہ سے

یودیوں کے ساتھ ایسے تعلقات اور روابط رکھتے تھے جن کی وجہ سے وہ ان کے آلہ کار بن جاتے تھے، مدلل انہی کو تنبیہ کرتے ہوئے اس رکوع کی پہلی آیت میں فرمایا گیا تھا۔
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا زَايِغَهُمْ دَوَابَّ تُفْهَمُونَ ۚ وَالتَّصَاوُرُ الْأَوَّلِيُّ
 (اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا ولی نہ بناؤ) یعنی ان سے ایسے روابط نہ رکھو جو ہم مقصد اور عمدہ دوستوں کے درمیان ہی ہوتے ہیں۔ اس حکم کی تشریح اور تفصیل میں پچھلے ہفتہ کے درس میں کرچکا ہوں اور یہ بھی بتا چکا ہوں کہ غیر مسلموں سے تعلقات اور روابط کا مسئلہ زیادہ تفصیل اور وضاحت کے ساتھ اٹھائیں یہ بابہ میں سورہ ممتحنہ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

آج اس وقت میں نے اس رکوع کی جو آخری تین آیتیں آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں، ان میں بھی اسی طبقہ کو اور اس طرح کے تمام لوگوں کو خواہ وہ کسی زمانہ میں اور دنیا کے کسی حصہ کے ہوں بڑے جلال کے انداز میں سخت آگاہی دی گئی ہے اور یہ آخری درجہ کی تنبیہ اور آگاہی ہے اور اس کے ایک ایک لفظ سے جلال نکلا رہا ہے۔
 ارشاد فرمایا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ كُوفَةً لَا رَيْبَ

اے مسلمانو! تم میں سے جو لوگ مرتد ہو جائیں، یعنی اسلام سے اٹھ کر ہو جائیں اور اس کو چھوڑ کر دوسرا کوئی دین و مذہب اختیار کر لیں تو خدا کا اور اسلام کا کچھ نہیں بگڑے گا بلکہ وہ خود ہی محروم اور مردود ہو جائیں گے اور اللہ ان کی جگہ دوسرے بندوں کو دین کی نصرت اور خدمت کے لئے کھڑا کرے گا جن میں یہ اوصاف ہوں گے۔ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ۔ ان کو خدا کی محبت اور اس کا پیار حاصل ہو گا اور وہ دل و جان سے خدا سے محبت کریں گے، اس لیے ان کی دوستی اور دشمنی اور نرمی اور گرمی صرف اللہ کے لئے ہو گی۔

أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُنْكَرِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ۔ اہل ایمان کے لئے یعنی خدا، اس کے رسول اور اہل ایمان کے دین کے ماتنے والوں کے سامنے وہ باطل عاجز و بیچارے نرم دل اور ان کے خدمت گزار ہوں گے۔ ”أَذِلَّةٌ“ ذلیل کی جمع ہے، اس کے معنی یہاں نرم اور متواضع کے ہیں۔ ذلت اگر خدا کی طرف سے یا دشمنوں کے دباؤ سے ہو تو مصیبت و فتنہ ہے۔ اور اس سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں اس سے پناہ مانگی گئی ہے۔ اور اگر بندہ اپنے ارادہ اور اختیار سے اپنے کو دوسروں کے سامنے اللہ کے لیے بہت اور نرم کرے اور اپنے کو ان سے نیچا اور کمتر سمجھے تو یہ بڑا کمال ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے تھے ”وَفِي نَفْسِي ثَلَاثٌ خَذَلْتَنِي“ اس آیت میں اللہ کے جن محبوب و مقبول بندوں کا ذکر ہے، ان کے کردار کا ایک رخ تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ مومنوں اور اللہ کے وفادار بندوں کے سامنے ”أَذِلَّةٌ“ یعنی بہت اور نرم ہوں گے۔ اور دوسرا رخ یہ بتایا گیا ہے کہ ”أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ“ یعنی خدا کے باغیوں، منکرین اور دین کے دشمنوں کے مقابلہ میں وہ زور آور سخت اور گویا فلولادی انسان ہونگے اسی کو قرآن پاک میں دوسری جگہ ان لفظوں میں بیان فرمایا گیا ہے ”أَشِدَّةٌ أَوْ عَلَى الْكَافِرِينَ“ (سورہ الفتح)

آگے ان کی تیسری اور چوتھی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ

يُحِبُّونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَفُونَ كَوْمَةً لَا يَمُرُّونَ بِهَا إِلَّا بِمُحَرِّمٍ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ۔ وہ اللہ کے راستہ میں اپنے امکان بھر جدوجہد اور جان بازی کریں گے اور اللہ اور اس کے دین کے ساتھ سچے عشق کی وجہ سے اس راہ میں کسی ملامت اور کی ملامت کی مطلق پروا نہیں کریں گے۔

یہ ان بندوں کے اوصاف بیان ہوئے جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے کچھ بھیب اور عقائد پرست مرتد ہو جائیں تو اللہ کو ان کی کوئی پروا نہیں، وہ خود محروم و مردود ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے دین کی نصرت و خدمت کے لیے اور لوگوں کو اٹھائے گا جن میں یہ اوصاف ہوں گے، وہ خدا کے محبوب اور دل و جان سے اس کے محب ہوں گے۔ ایمان والوں کے لئے یعنی اللہ کے وفادار بندوں کے لئے نہایت نرم و متواضع اور اس کے باغیوں

کافروں کے مقابل میں مرد آہن اور بے لچک ہوں گے۔ اللہ کے دین کی راہ میں بے دریغ جہد کریں گے اور ہر قسم کی قربانی دیں گے اور کسی ملامت گر کی ملامت انکے قدموں میں لغزش نہیں پیدا کر سکے گی۔ آگے فرمایا گیا ہے: **ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَّشَاءُ**۔ یعنی ان ایسا ہی اوصاف کا کسی بندہ کو عطا ہونا اور دین کی نصرت و خدمت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو منتخب کیا جانا اور اس کی توفیق ملنا، اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و انعام ہے، اس عظیم نعمت اور دولت سے وہی بندے فائدے جاتے ہیں جن کو خدا نے علیم و حکیم نوازا نا چاہتا ہے۔ آخر میں فرمایا گیا: **وَاللَّهُ ذَا سِعَةٍ عَلِيمٌ**۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے خزانے بے انتہا وسیع اور لامحدود ہیں جو بندے اپنے کو اس فضل و انعام کا مستحق بنا لیں وہ ان سب کو بھر دے عطا فرمائے گا۔ لیکن وہ علیم کل اور بہہ داں ہے اس لیے وہ کسی کو عطا فرمانے یا محروم کرنے کا فیصلہ اندھا دھند نہیں کرتا بلکہ اس کے سارے فیصلے علمِ عظم کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔

یہ میں نے آیت کے اجزا کی مختصر تشریح کی ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا اس آیت میں **"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا"** کے الفاظ سے بظاہر عام مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا ہے لیکن فی الحقیقت **أَنْ تَأْتِيَهُمْ دَهْنٌ** رکھنے والے مسلمانوں کو ہی لکھا ہے دی گئی ہے جو اللہ و رسول اور اسلام کی وفاداری میں پورے غلص اور یکسو نہیں تھے بلکہ اپنی مفاد پرستی کی وجہ سے دشمنانِ اسلام سے بھی یارانہ کاٹھے ہوئے تھے اور ان سے ایسے روابط اور تعلقات رکھتے تھے جو صرف ہم مقصد اور ہم مشرب رفیقوں کے درمیان ہی ہونے چاہئیں۔ اس آیت میں **أَنْ تَأْتِيَهُمْ دَهْنٌ** کیا ہے کہ خدا کو اور اس کے دین کو تمہاری بالکل ضرورت نہیں۔ اگر تم بالفرض مرتد ہو کر کھلے دشمنوں کی صفوں میں شامل ہو جاؤ جب بھی تم کچھ نہیں بگاڑ سکو گے اور اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دین کے غلص جاننا زبیا ہی پیدا کرے گا اور تم مردود ہو جاؤ گے۔ لہذا اگر تم مسلمان رہنا چاہتے ہو اور خدا کی رحمت اور عنایت سے محروم ہونا نہیں چاہتے تو اللہ و رسول اور دین کے پورے وفادار ہو جاؤ۔ اپنے اندر حنیفیت کی شان پیدا کرو اور خدا کے دشمنوں سے ایسے تعلقات نہ رکھو اور ان کے آلہ کار اور ایجنٹ نہ بنو

یعنی جو لوگ اللہ اُن کے رسول اور مومنین کو اپنا ولی بنالیں اور اپنی مولایت "یعنی" یاری و فاداری "کا تعلق اُن کے لئے خالص کر لیں وہ اللہ کے لشکر کے سپاہی اور خدائی یار ٹی "حزب اللہ" کے ارکان و اعضاء ہیں اور یہ خدائی یار ٹی اور یہ اللہ کا لشکر انجام کار و ثمنوں پر غالب آئے والا ہے۔ یہ اللہ کا فیصلہ اور اُن کی اُٹل تقدیر ہے۔

یہاں تک میں نے ان آیتوں کا سادہ مطلب بیان کر دیا ہے۔ جیسا کہ میں نے ابھی بتا جا تھا ان آیتوں کے نزول کے وقت ان کا خاص دُشمن یعنی اُمس مخصوص طبقہ کی طرف سے تھا جس کا میں نے ابھی ذکر کیا تھا لیکن فی الحقیقت ان آیات میں ہر دور کے اُن مسلمانوں کے لئے بُرا سخت انتباہ ہے جو اپنے دنیوی مفادات اور نفس کی خواہشات کے مقابلہ میں اللہ و رسول کے احکام اور دین کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور کھلی ہوئی بات ہے کہ آج کی مسلمان قوم میں جس کو لوگ نادانستی سے "خیر امت" کہتے ہیں، وہ فیصدی سے زیادہ کامیابی ہے۔ ہر حال یہ آیتیں ان سب مسلمانوں کو سنارہی ہیں کہ خدا کو اور اُن کے دین کو تمہاری کوئی ضرورت اور حاجت نہیں، اگر تم اپنی بد بختی سے اس نافرمانی اور جبروتی ارتداد کی حالت سے آگے بڑھ کے بالکل مرتد بھی ہو جاؤ تو اللہ کو کوئی بُرا و انہیں۔ اللہ تمہاری جگہ دوسروں کو لائے گا اور اُن سے دین کی خدمت کا کام لے گا اور پھر ان پر اُمس کا فضل و انعام ہو گا۔

اس آخری آیت نے یہ بھی صاف بتا دیا کہ ہر مسلمان کلمائے والا اللہ کے لشکر کا سپاہی اور اللہ کی یار ٹی "حزب اللہ" کا رکن نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمان کو لائے والا کسی قوم کے لیے نصرت اور غلبہ و تحیابی کا وعدہ نہیں ہے بلکہ یہ وعدہ صرف اُن اہل ایمان کے لیے ہے جنہوں نے اپنی وفاداری کو اللہ و رسول اور مومنین صاداتین کے لیے خالص کر دیا ہو اور اُن کی عملی زندگی اس کی شہادت دے رہی ہو۔ جو بھی اللہ کے لشکر اور "حزب اللہ" کے رکن ہیں، انہی کے لئے فرمایا گیا ہے "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِزْبَ اللَّهِ هُمْ الْغَالِبُونَ"۔

آج کل دنیا کے مختلف حصوں میں اور مختلف ملکوں میں مسلمانوں اور غیر مسلم طاقتوں کے درمیان جو ٹکراؤ ہو رہا ہے میں اُن کی اُمت پر گریز نہیں کہ ایک طرف اللہ کے دوست

اور دنا دار بندے ہوں اور دوسری طرف اُس کے دشمن، ایک طرف "حزب اللہ" ہو اور دوسری طرف "حزب الشیطان" بلکہ اس لحاظ سے جو صورت حال ہے وہ بالکل کھلی ہوئی ہے اور اس میں کسی کو غلط فہمی کی بھی گنجائش نہیں ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی اُس غیبی مدد اور نصرت کا کوئی استحقاق نہیں ہے جس کا وعدہ اس آیت میں موجود ہے کہ پاک کا دوسری آیتوں میں کیا گیا ہے۔ سبھی بات یہ ہے کہ دنیا کے اکثر حصوں میں مسلمانوں کی اجتماعی عملی زندگی قریب قریب اتنی ہی گندی ہو گئی ہے جتنی کہ نزول قرآن کے وقت نبی اسرائیل کی تھی جس پر قرآن پاک میں جا بجا سخت تنقید کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس زندگی کی وجہ سے اُن پر خدا کی لعنت ہوئی اور وہ نعمتوں سے محروم کئے گئے۔ میں نے اس دور میں بار بار آپ سے کہا ہے کہ قرآن پاک میں "بنی اسرائیل" کا ذکر اتنی کثرت سے اتنی تفصیل سے جو کیا گیا ہے اس کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ہم مسلمان اُس کے آئینے میں اپنے چہرے دیکھتے رہیں اور اس سے سبق حاصل کرتے رہیں۔

— نگاہ اولیں — (جلد صفحہ ۹) —

ملائیچ پر حاضری کے سوا کچھ اور نہیں کرنا پڑتا۔ ندائے ملت سے قطع تعلق کے بعد سے مقدمہ آتے کے مصارف تک کی فکر بھی وہی والد ماجد سے مل کر کرتے ہیں۔ خود ان پر بھی اس سلسلہ کا ایک منحصر ہے مگر علامہ جیسے سب اُن ہی پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں سلامت رکھے اور ہر خیر ازانی فرمائے۔ ہمارے مشیران قانونی جناب عبدالمنان صاحب ایڈوکیٹ اور جناب سید صفیر احمد صاحب ایڈوکیٹ کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی عنایات سے نوازے۔ ان کا خلوص بھی بالکل مثالی ہے۔

۱۔ بعض اخبارات میں ان ہی دنوں ہندوستان بھر کے اُخذ اخبارات اور افراد کی فرست نکلی ہے اُس میں غلطی سے چھوٹی معلومات میں میرا نام درج ہے، حقیقت کہ ندائے ملت میں یہ غلطی اسی طرح نقل ہو گئی ہے۔

حضرت شیخ شہنا الدین سہروردی قدس سرہ

وصایا اور نصائح کے آئینے میں

(مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی امرہوی)

(۳)

(و صیئت : بنام نصیر الدین بغدادی کا بقیہ حصہ) {تسلل کے لیے ملاحظہ ہو}

مربدین کو اپنے مشائخ کے ساتھ کیا طریقہ برتنا چاہیے؟ اس کے لیے اسے آنحضرت صلی اللہ کے سوا
کا ہر ذمہ بہترین نمونہ ہے۔ صحابہ کرامؓ نے فرمایا ہے کہ ہم نے ہمت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سب
طاعت پر خوشحالی میں اور تنگدستی و پریشانی کے عالم میں جی چاہا یا نہ چاہا ہر حال میں۔
اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے کلام پاک میں غایت ادب و رسول کی تہیہ فرمائی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا۔
فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا
فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

خدا کا قسم لوگ ایماندار نہیں ہوں گے جب تک وہ اپنے آپسی جھگڑوں میں آپ کو اپنا حکم نہ بنائیں
پھر آپ جو فیصلہ صادر فرمائیں اس سے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور آپ کے فیصلے کو تسلیم
کریں۔ اللہ تعالیٰ اُمت کو حکیم رسول کا حکم فرماتا ہے۔ اُن تمام معاملات میں جو اس کو
پیش آئیں۔ اگرچہ اس آیت کا سبب نزول حضرت زبیر ابن عوامؓ وغیرہ کا مقدمہ ہے،
زمین کے بادے ہیں۔ لیکن اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص واقعہ کا.....

اللہ تعالیٰ نے اپنے حکیم ثنائت بنانے کا حکم فرمایا۔ اُس کے بعد نئی قلب بنا لی کرنے کا۔
 اس لیے کہ حکیم و ذلیفہ کا ہر اور ادب ظاہر ہو اور ذوالی تنگی قلب و ذلیفہ باطن اور ادب باطن پر
 بعض لوگ حکم بنانے پر توجہ دہوتے ہیں مگر (خلاف مزاج) فیصلے کی صورت میں تنگی
 قلب کے اذائے پر آمادہ نہیں ہوتے ممکن ہے کہ وہ مرید بھی جس نے خرقہ تبرک پہنا کر فقہ صاحب
 حکیم کی حیثیت میں ہو جائے اور جس نے خرقہ اور دت پہنا کر وہ اذالہ حرج والا ہو۔ ہم نے جو کچھ
 ذکر کیا ہے مرید کے اپنے شیخ کے مقابلے میں اپنے اختیار سے باہر آجانے کے متعلق۔ وہ
 اس آیت کریمہ کے مفہوم میں داخل ہے۔ جب مرید شیخ کے ساتھ ادب کا راستہ اختیار
 کرنے کا ارادہ کرے تو وہ قرآن مجید کے ذریعے ادب سیکھے اور منیر ہو۔ اُس پر ایت سے جو
 اللہ تعالیٰ نے اُمت محمدیہ کو صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمائی ہے چنانچہ وہ جو جنت میں
 یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (انہی قولہ)
 وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔
 پس مرید خود کرے اور سیکھے اُس ادب کو جو کلام اللہ میں ہے۔ سورہ نور میں ہے۔
 اِنَّ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ
 عَلَى أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّى يَسْتَأْذِنُوا۔ اس آیت سے دلالت ہو رہی
 ہے اُس بات پر جس کو ہم نے ذکر کیا ہے یعنی شیخ کی صحبت اور اُس سے مفادت بصیرت کے ساتھ
 ہو۔ بہت سی آیات میں یہ معنی موجود ہیں جو تلاش کرے گا وہ کلام اللہ میں پائے گا۔
 مریدین کو کئی باتوں کا حکم دیا جائے اُس میں بڑی تفصیل ہے لیکن جس بات کی تاکید پہلے کی جا رہی
 وہ یہ ہے کہ تجدیدِ توبہ کرے اس لیے کہ توبہ ہی کام کی جڑ اور بنیاد ہے بعض مشائخ نے فرمایا ہے
 کہ مرید مرید نہیں ہو سکتا جب تک اُس کے بائیں طرف کا فرشتہ تیرہ سال تک کچھ نہ لکھ
 پائے۔ حفاظتِ توبہ پر مرید قادر نہیں ہو سکتا سوائے وہ اہم محاسبہ کی مدد کے۔

عدہ حقیقت یہ ہے کہ ایمان والے بندے پس وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ اور اس کے رسول پر اور دینی کا علی یہ چوکی جہنم
 کسی اجتماعی ہم میں رسول کے ساتھ ہوں تو اُس سے اجازت لیے بغیر کہیں نہ جہان میں

جیسا کہ بزرگوں نے فرمایا ہے محاسبہ گرد (دنیا میں) اپنے نفسوں کا اس سے پہلے کہ محاسبہ کی جاد (یعنی قیامت میں)۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے نفس کا محاسبہ ہر فرض نماز کے بعد کرے۔ جب سچائی کے ساتھ محاسبہ پر مداومت کرے گا تو اس کی نغز شیں کم ہوتی جائیں گی یہاں تک کہ معدوم ہو جائیں گی۔ جب محاسبہ کا حق ادا ہو گا تو قلبی فعل میں جو لا یعنی باتیں ہوتی ہیں اُن سے باز رہے گا۔

اگرچہ وہ مبارک ہی کیوں نہ ہوں۔ اس وقت اس کی فضولیات کم ہوں گی اور اس کا ظاہر مہیا ست علم کے قبضے میں ہو گا۔ پھر اس بات کی توقع ہو گی کہ وہ مقام مراقبہ تک پہنچ کرے اور اُس کا باطن بھی ظاہر کی طرح سیاست علم کے ماتحت ہو جائے۔ مراقبہ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے قلب کو اس بات کی طرف متوجہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی سجدہ پر ہیں، اس وقت وہ اللہ تعالیٰ سے پوری طرح شراٹے گا اور ضمیر کے خطرات سے بھی اس طرح پرہیز کرے گا جس طرح حرکات و اوج سے پرہیز کرتا ہے پھر اس مقام سے ترقی کر کے مقام شاہدہ تک پہنچے گا اور اُس کا یہ کنناٹج ہو گا کہ میرے قلب نے رب کو دیکھا۔ یہی مقام احسان ہے جس کی طرف اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول مبارک میں اشارہ فرمایا ہے۔ اِنْ تَعْبُدُوا اللَّهَ كَأَنَّ تَرَآهُ۔ (یعنی احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے گویا کہ اُسے دیکھ رہا ہے) اور اب شاہدہ کے مواجید مختلف ہوتے ہیں مگر اصول میں سب متفق ہیں فقط فرداع میں اختلاف ہوتا ہے۔ وہ اسباب جو نوثر ہیں اور مریضین کے لیے خیر خیر کو کھینچنے والے ہیں چار ہیں تمام مشائخ صوفیاء ان چار چیزوں اور اُن کے حسن تاثیر پر متفق ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ قَلْبٌ طَافٌ۔ قَلْبٌ مُّتَمَامٌ۔ قَلْبٌ خَاطِلٌ مَعَ الْاَنَامِ یعنی لوگوں سے بجا ضرورت لئے جلتے سے بچنا، مریض کو چاہیے کہ ان چار باتوں کا خیال رکھے۔ اس کے بعد وہ ثمرات و برکات شاہدہ کرے گا۔ اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے یہ احوال مشائخ ہیں اور اُن کے بدایات اور نہایات ہیں اور یہ سب باتیں میراث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مشائخ کو یہ میراث من مناجات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے شیوخ کے ساتھ صدق صحبت کی برکت سے

اور بد سلوکی کرنے والے کے حق میں انتقاماً بد سلوکی نہ کرے بلکہ بد سلوکی کرنے والے کو صاف کرے اپنے علم و عمل پر نازاں نہ ہو۔ اپنے آپ کو چشمِ حقارت سے اور تمام مسلمانوں کو چشمِ احترام و تعظیم سے دیکھے۔ ہر حال کو چاہیے کہ وہ تہجد بھی پڑھے..... اگر ممکن ہو تو مغرب و عشاء اور فجر و عصر کے درمیان بھی نوافل پڑھ لے۔ چاشت کی نماز کا بھی خیال رکھے غسلِ جمہ کا اور طہارت کی حالت پر سونے کا بھی لحاظ رکھے۔ جمعہ کے دن جامع مسجد کو جلد چلا جائے اور اس جمعہ کے دن کو خاص طور پر آخرت کے لیے بنادے (کم از کم) اس دن میں تو اہلِ دنیا کی آمیزش نہ کیے۔ ہر روز صدقہ دے تبنا بھی ہو۔ کم ہو یا زیادہ — زیادہ نہ ہنسے — سحرے کو ہلکا رکھنے کی کوشش کرے۔ — نفلی روزے بھی رکھے۔ ہر پیر اور جمعرات کو روزہ رکھے اور اس میں اضافہ کر دے تو اچھلے روزہ ہر ماہ ایامِ بیض (۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱) کے روزے رکھے اور یہ کم سے کم ہیں۔ — اپنے تمام جوارح کو مخالفتِ شرع سے محفوظ رکھے خاص طور پر آنکھ اور زبان کو قابو میں رکھے کہ آنکھ سے کسی ناجائز چیز کو نہ دیکھے اور زبان سے غیبت نہ کرے۔ بد نظری اور غیبت ان دونوں چیزوں میں لوگ زیادہ مبتلا ہیں۔ — راستے میں جب چل رہا ہو تو ذکرِ قلبی کر رہے ہو کوئی قدمِ غفلت کے ساتھ نہ اٹھائے۔ میں نے جتنی باتیں ذکر کی ہیں ان کو پورا کرنے پر دھی لوگ قادر ہوتے ہیں جو دنیا سے بے پرواہ ہوتے ہیں۔ (اور آخرت کا دھیان رکھتے ہیں) انسان کو چاہیے کہ غصہ و دُعاویٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ان باتوں کو طلب کرے اور یہ بھی جان لے کہ (اس دنیا میں) اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی موجود ہیں جنکو ان باتوں پر عمل کرنا نصیب ہے۔ ان کا نصب العین ایک ہی نصب العین ہے (اللہ کو راضی کرنا اور آخرت کی طیاری)..... نماز کی کو چاہیے کہ نماز کی ہر حالت کی حفاظت کرے۔ بایں طور کہ قیام، رکوع اور سجدے وغیرہ میں جو کلمات زبان سے کہے اسکے معنی دل کے اندر سمجھے تاکہ معنی کا دھیان اُس کے دل کے دوسو سوں کو دو کر دے۔ یہ اصل کبیر ہے اسکو خوب یاد رکھے۔ اسی طرح تلاوتِ قرآن اور اذکار میں بھی معنی کا دھیان رکھے۔ اللہ ہی توفیق دے والا اور مدد کرنے والا ہے۔

یک دُعا عتِ صُحبتِ با اہل دِل

مجلسِ حضرِ شاہ محمد عقیب مجذبی مدظلہ

(چند ہفتیں مجلس)

(مرتبہ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی)

ہرذیقہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۵ جنوری ۱۹۶۹ء (شعبہ) ۱۰ بجے دن

پہلے کچھ دیر قرآن شریف کا درس ہوا، پھر مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث پڑھی گئی، اس کے بعد مکتوباتِ امام ربانی کا ایک مکتوب شہ بنام خواجہ صلاح الدین اجماری پڑھا گیا، اور اس کا ترجمہ سنایا گیا، اس کے بعد مجلس شرفاً ہوئی، حاصلِ کلام یہ تھا کہ معرفت سے پہلے آدمی کچھ اور جانتا ہے، معرفت کے بعد کچھ اور، معرفت سے پہلے وہ جو معاملہ کرتا اور زبان سے جو کہتا ہے، وہ اس کا فعل نہیں ہوتا، اس کی حالت اور نادانیت کا کمرہ ہے، معرفت کے بعد گویا ایک نیا چہرہ ظہور میں آیا، اب اس کے ساتھ اس کے شایانِ شان معاملہ کیا جائے گا، اس پر واقعیان فرمایا کہ ایک بزرگ کی خدمت میں ایک صاحب رستہ تھے، دو برس انھوں نے خدمت کی، ایک دن ان بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی فرمائش یا محتاج ہے؟ انھوں نے کہا کہ حضور مجھے کیا کاشوق ہے، فرمایا کہ تم نے پہلے نہ بتایا، یہ تو معمولی بات ہے، اب اس کا سامان نہیا کرو، کیسا بنانا سکھاؤں، انھوں نے عرض کیا کہ رنگ، کرکھائی سب ساتھ

دکھتا ہوں، ان بزرگ نے کہا اچھا کڑھائی چڑھاؤ کڑھائی میں جوش آیا تو دروازہ کے سامنے ایک بوٹی کھڑی اشارہ کر کے فرمایا یہ ڈال دو، اس کے ڈالتے ہی رنگ سیاہ ہو گیا، اوپر کی تہہ ہٹائی تو معلوم ہوا کہ چاندی ہے، وہ صاحب بہت خوش ہوئے، کہنے لگے کہ اس بوٹی کو تو میں دوزخ اندہ اپنے پاؤں سے روڑتا ہوں، اور اس پر جوتا پہن کر چلتا پھرتا ہوں، فرمایا کہ نہیں تم اس کو نہیں ڈالتے تھے، تمہاری بھالت اس کو روڑتی تھی۔

فرمایا کہ بھالت اپنا کام کرنا نہیں چھوڑتی، انسانی فطرت اپنا کام کرتی ہی رہتی ہے، دریا پہ پل بنادھا جاتا ہے، پائے زمین میں گاسے جاتے ہیں، پل پیاد کی طرح کھڑا رہتا ہے، گودیا نہیں مانتا، اس کے پایوں سے ٹکراتا رہتا ہے، اُن کو ہلا کر گرا دینا چاہتا ہے، انہیں کامینا تو نہیں ہوتا، مگر اپنا کام نہیں چھوڑتا، پل پرانا ہو کر گر جاتا ہے، مگر دریا کی فطرت نہیں بدلتی، وقوت متضادہ ہر وقت اس سے نکلتی رہتی ہے، یہی انسان کا حال ہے، بنی اسرائیل کو دیکھیے کیسی کیسی آیات، بنیات، روشن معجزات دیکھے، اللہ نے سمندر اُن کے لیے پایاب کر دیا، اور وہ گزر گئے، اس سب کے دیکھنے کے بعد بھی اُن کی بھالت نہ گئی، اور اُن کی فطرت نہ بدلی، لوگوں کو بت پرستی کرتے دیکھا تو خود بھی بت پرستی کا شوق ابھرا، اور حضرت موسیٰ سے کہنے لگے کہ ہمیں بھی پرستش کے لیے ایک نیا معبود بنادجیے۔ "قالوا یا موسیٰ اجعل لنا الہا کمالہم الیہ قال انکم قوم تھملون"۔ (بولے کہ موسیٰ ہمارے لیے بھی اُن کے معبودوں کی طرح ایک معبود بنادو۔ موسیٰ نے کہا کہ تم بڑے جاہل لوگ ہو۔)

بعض لوگ نمانہ کے بھی پابند ہوتے ہیں، حج بھی کر لیتے ہیں، ذاکر شاغل بھی ہوتے ہیں، تجلیات اور انوار بھی اُن کو نظر آتے ہیں، لیکن ہلاکت کے چھوٹے چھوٹے مسائل اُن کو یاد نہیں ہوتے، اور ایک نبوی حکم شرعی پر بھی غل کرنا دشوار اُن کو ہوتا ہے۔

فرمایا کہ درستگی عقائد کے لیے ایک مکتوب بہت عمدہ ہے، مدت سے خیال آتا ہے کہ اس کو الگ چھاپنا چاہیے، اگر عقیدہ درست ہو تو اعمال خود درست ہو جائیں گے، اعمال اور عبادات کے بارے میں بھی ضروری ضروری ہدایات ہیں، گویا ایک دستور العمل ہے۔ راقم مسطورہ کے دریافت کرنے پر کہ حضرت سید آدم نبویؑ، اور خواجہ محمد معصوم

رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے میں کیا فرق ہے؟ (دونوں حضرت مجددؑ کے خلفائے خاص ہیں، اور دونوں سے الگ الگ سلسلے جاری ہوئے، فرمایا کہ دونوں طریق میں کوئی (مبنیادی) فرق نہیں ہے، موقع اور وقت کے لحاظ سے دونوں حضرات نے سبک کی تعلیم کی ہے، لوگ اس کو سلوک مقررہ سے الگ سمجھ لیتے ہیں، فرمایا کہ جہاں تک غور کیا، اس راہ میں سمجھا اور پڑھا ہوا کام نہیں دیتا، یہ تو اہل اسمی چیز ہے، اللہ کی طرف متوجہ ہونے سے اصلاح و تربیت کے طریقوں کا ارتقاء ہوتا ہے، اُسی سے صحیح اصلاح و تربیت ہوتی ہے، حکیم سید ابو حبیب صاحب دینوی کے صاحبزادے مولوی سید ابو ظفر صاحب ندوی آئے تھے، ان کو اکثر سوالات کا جواب خلافت توقع ملا، وہ لطیفہ قلب کو پوچھنے لگے، میں نے کہا کتاب اور کاغذ پر جس کو لطیفہ قلب لکھا ہے، وہ قلب نہیں، حقیقت قلب کچھ اور ہے، جس طرح نقشہ میں جہاں کچھ لکھا ہوتا ہے، وہ کہہ نہیں ہے، مکہ کہیں اور ہے، اگر کوئی اس پر انگلی رکھ کر کہے، یہ کہہ ہے تو وہ کہہ نہیں ہے۔ انھوں نے دریافت کیا، کہ توجہ کس طرح دی جاتی ہے، اور توجہ کی کیا حقیقت ہے؟ میں نے کہا کہ یہ لفظ غلط ہے، انبیاء کا خیال نکال کر کے پہلے اپنے کو کامل بنانا چاہیے، جو بزرگ توجہ نہیں دیتے، ان کی توجہ خود بخود پڑتی ہے۔ یہ مقررہ چیزیں کام تو دیتی ہیں، مگر کسمبلی گڑبڑ بھی ڈال دیتی ہیں، ان بزرگوں کے سارے ارشادات حدیثوں کا ترجمہ ہوتا ہے، حضرت مجدد صاحبؑ نے تحریر فرمایا ہے کہ دوسرے طریقوں میں تعلقات ماسوی اللہ کا منقطع کرنا اور انفس و افتاق کی نفی کرنا طریق کا پہلا قدم ہے، اور اثبات پر مقدم ہے، اللہ نے کچھ کو الٹا کیا کہ ذات بادی سے تعلق پیدا کرنا خود ماسوی سے منقطع ہونے کا سبب ہوگا، میں عرصہ تک اس پر غور کرتا رہا کہ اس کی دلیل دماخذ کیا ہے؟

ماسوی اللہ سے انقطاع کے ثبوت اللہ سے تعلق، اور اس کی ذات کا استحضار اور استقراء کیسے ہوگا؟ میری عادت تھی کہ جو خیال میرے دل میں پیدا ہوتا تھا، اس کو دل میں رکھتا تھا، استفسار نہیں کرتا تھا، اللہ تعالیٰ نے بزرگوں کے دل میں خود خیال پیدا فرمادینا تھا

۱۰ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے برادر اکبر، اور حضرت پیر الہ احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز و خلیفہ،

اور مجھے ایسے سوال کا جواب مل جاتا تھا 'ایک دن والد صاحب کو وضو کر رہا تھا 'فرمایا کہ حضور نے امام حسنؑ کو جو دعا سکھائی تھی وہ تم پڑھتے ہو؟' اللہمَّ اقْذِفْ فی قلبی رجاءک 'حافظ رجائی عثمٰن سوالِ محشی لا ارجو غیرک' میرا مطلب حل ہو گیا 'کہ اس میں اللہ کی امید دل میں پیدا ہو جانے 'اور اس کے جذرِ قلب میں ممکن ہو جانے کی دعا پہلے کی گئی ہے' پھر غیر اللہ سے امید منقطع ہو جانے کا سوال کیا گیا ہے 'کہ یہ اس کا لازمی نتیجہ ہے' کتنے عالی مرتبہ سلوک کی اپنے نواسہ کو تعلیم فرمائی گئی ہے 'کیسی کیسی محنتیں اور مشقتیں لوگ برداشت کرتے ہیں 'اللہ کے رسول صلعم نے کتنی آسانی سے تعلیم فرمادی ہے 'لیکن کبھی اس کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔

حیدرآباد میں سلسلہ چشتیہ کے ایک مشہور شیخ حضرت شاہ خاوش صاحبؒ تھے۔ ان کا

شعر ہے :-

جہاں کس مصیبت سے تصور یاہ کا دل میں بٹھایا سنتیں کر کے اس لیلیٰ کو گل میں
میرے دل میں آیا کہ یہ تو دائیہ کے خلاف بات ہے تصورِ مصیبت سے جایا نہیں جاتا 'ٹھایا ادھڑایا
جاتا ہے 'یہاں بالکل شروع میں ایک تبلیغی جلسہ ہوا تھا 'اس میں ایک پنجابی صاحب نے اپنی
تقریر میں کہا کہ ذکرِ زین اپنا حلقہ ذکر چھوڑ چھوڑ کر اس سلسلے میں شامل ہو گئے ہیں۔ میں
نے مجمع میں تو کوئی تردید نہیں کی 'لیکن بعد میں اپنے دوستوں سے کہا کہ ذکر چھوڑا اسی نہیں جا
سکتا 'وہ ذکر ہی نہیں جو آسانی سے چھوٹ جائے 'نہم کی کان میں جو گر جائے وہ نکل نہیں
سکتا' ع ہر کہ در کان نہم رفت نہم شد
کوئی اگر ذکرِ حقیقی کو چھوڑنا چاہے تو ذکر اس کو نہیں چھوڑتا۔

کو ردائی میں ایک افغانی مفتی صاحب تھے 'وہ سرحد میں کسی بزرگ سے بیعت تھے'
وہ فحش سے کہنے لگے 'کہ ہم مراقبہ میں جب بیٹھتا ہے 'تو نیند آنے لگتی ہے' میں نے کہا کہ بڑی
عمدہ بات ہے 'مراقبہ میں جو اس کی کو بہ تکلف معطل کیا جاتا ہے 'نیند میں ادھ بٹا تکلف
معطل ہو جاتے ہیں 'یہ جو مراقبات کیے جاتے ہیں داعی ہیں 'اُن میں خیال کو کسی ایک
چیز پر جمانا ہوتا ہے 'لیکن جو مراقبات قلبی ہوتے ہیں 'اُن میں بہ ادوی رہتی ہے 'حدیث

میں آتا ہے۔ "تسام عینی ولا یسام قلبی"۔ (میری آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتا) کسی کی آنکھ ٹھنی رات کو گم ہو جائے تو لوگ کہتے ہیں چراغ لاؤ، میں کہتا ہوں کہ چراغ بجھا دو، تاکہ آنکھ ٹھنی اندھیرے میں چلے اور نظر آجائے، جتنی یہ روشنی بڑھتی ہے، وہ روشنی ماند ہوتی ہے۔ "ان فی ذلک لذكری لمن کان له قلب أو ألقى السمع وہوشید"۔ بے شک اس میں نصیحت ہے اُن لوگوں کے لیے جن کے پاس دل ہو اور وہ متوجہ ہو کر سنیں۔

فرمایا کہ بعض حضرات کے یہاں مراقبات اصل ہیں، اور انھوں نے مراقبات کا آغاز و دیں "یتفکرون فی خلق السموات والارض" کو قرار دیا ہے۔ وہ عالم مراقبہ میں پوری تیر کو بھنی کرتے ہیں۔ اس راہ کے سالکین کے یہ مصرعہ در ذہان رہتا ہے۔
بالاردم بالاردم، بالاتر از الاردم

میں عرض کرتا ہوں، کہ اس میں سُلم اور غیر مسلم شریک ہیں، دونوں تیر کو بھنی کرتے ہیں، اس تفکر سے پہلے ایک اور چیز جو، جو اس نماز کے لیے بمنزلہ وضو اور ہمارت کے ہے، وضو اور ہمارت نماز پر مقدم ہے، ترائن شریف میں ہے۔ "الذین یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً و علیٰ جنوبہم و یتفکرون فی خلق السموات والارض" جب اس تفکر سے پہلے ذکر ہو گا تو اخلاق و نفوس مرکی ہو جائیں گے، اور یہ تفکر فی الخلق شمر معرفت، اور موصی الی اللہ ہو گا، یہ وہ تفکر ہے جس میں غیر مسلم شریک نہیں، پہلے اپنے دماغ کو مرکی و مہر بنا لو

سے راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اس وقت پر حضرت نے ایک قادری بزرگ کی تصنیف جو قلمی اور قدیم تھی، نکال کر دکھائی، اس میں ایک دائرہ بنا ہوا تھا، جس میں وسط میں اوپر سے نیچے کی طرف روح القدس، جبریل امین، عیسیٰ، کہ سہی..... لکھا ہوا تھا، اور کنارہ کی طرف زحل، مشتری، مریخ، شمس وغیرہ کے نام لکھے تھے، یہ مراقبہ تفکر کا ایک دائرہ تھا۔

مے جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کمرے، بیٹھے اور حالت استراحت میں اور غور کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں۔

پھر اس دائرہ (خلق) سے نکلنے کی قوت پیدا ہوگی ورنہ ہمیں کیسے رہے گا کہ اس میں اتنی بلندی پر پہنچے، اگر اہل کفر بھی بہت نیچے ہے، کیونکہ چاند بھی خلق ہے۔ اللہ کے بندے خلق سے کہیں اونچے پہنچتے ہیں، اللہ کے کثیر ذکر سے دماغ مرئی اور مصطفیٰ ہو جاتا ہے، اب جدھر لے جائیے گا وسعت ہی وسعت ہے، اللہ کے ذکر کو تنگی ہوتی ہی نہیں ہے۔

فرمایا کہ بچی داڑھی سب کی دکھی، پانچواں ادب بچا بہت کم لوگوں کو دیکھتا ہوں، حالانکہ میرے خیال میں بہت ہی ناگید و دعیہ اس پر آئی ہے، داڑھی پر نہیں آئی ہے۔

فرمایا کہ تمہا انسانی قوت سے کام نہیں ہوتا، جب انسانی طاقتوں نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں، اور انسان نے اپنے عجز کا اعتراف کر لیا ہے، تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی مدد ظاہر ہوئی ہے، اور اس کی قوت نے کام کیا ہے، لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان اپنی دالی طاقت اور کوشش صرٹ کرے۔ یہی معنی ہیں آیت قرآنی کے: "والذین جاهدوا فینا لنھدینہم سبلنا وان اللہ لمحہ المحسنین" (اور جو جان لٹوائیں گے، ہماری خاطر ہم ضرور دالیں گے انھیں اپنے راستوں پر اور بے شک اللہ اپنے پرستاروں کے ساتھ ہے)

میں نے جب مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہ مطلب بیان کیا تو وہ بہت خوش ہوئے، کئی بار سینہ سے لگایا، اور دوڑ تک پہنچانے آئے، اگر محض اپنی قوت، انسانی عزائم اور ہمتوں سے کام لیا جائے گا، تو کام نہیں بنے گا۔ جب تباہی مغل ہو جائیں اور ہمت ٹوٹ جائے تب معاونت خداوندی شروع ہوتی ہے، جہاں سپرد و ہتھیار ڈال دیئے، وہیں اللہ نے سپردی اور ہتھیار پہنائے، بدو کا کیا قصہ تھا؟ جب حضور صلعم نے فرمادیا "اللھم

ان تھلک ہذا العصابۃ لن تعبد۔" (پروردگار اگر تو نے اس جمیعت کو ہلاک ہونے دیا تو پھر تیری پرستش کرنے والا کوئی نہ ہوگا) تو مدد آئی، سورہ یوسف میں ہے: "حتیٰ اذ استئیس الرسل وظنوا انھم قد کذبوا جاء ہم نصرنا"

دیباچہ تک کے جب یوسف ہونے لگے، پیغمبر اور انھیں خیال کرنے لگا کہ نصرت کا وعدہ یوں ہی تو نہیں تھا تو آگئی ہماری مدد

تھیاد ڈال دیے گا یہ مطلب نہیں کہ پہلے ہی سے تھیاد ڈال دو پہلے تھیاد پہنو، پہن کر ڈالو پھر ایک موقع آئے گا حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اپنی زود گاہ سے یہ سوچ کر نہیں نکلے تھے کہ روئے دجلہ میں گھوڑے ڈال دیں گے جب موقع آگیا گھوڑے ڈال دیے، اللہ نے جو قوت دی تھی وہ ختم کر دی، اب اللہ کی قوت نے دستگیری کی۔

ضلع بھنور میں ایک صاحب آلمہ کا نوش وارد بناتے تھے جو نہایت قوی ہوتا تھا اور وہ جان بہ لب مریضوں کے لیے جو اہر مہرہ کا کام دیتا تھا وہ کہتے تھے کہ آلمہ کو جوش دیتے دقت، اسمیں ایک قوت پیدا ہوتی ہے، ٹھیک اسی دقت اس کو تار لینا چاہیے اگر آگ پر رہنے دیا گیا تو وہ قوت ختم ہو جائے گی، اور اگر بے کار ہو جائے گا۔ وہ اس کا ٹھیک دقت پہناتے تھے، لڑکے کو بھی بتاتا کہ اس کو اس کی صفحہ بچان نہیں آئی۔ وہ اس کو بنانے میں کامیاب نہیں ہوا، اسی طرح خاص موقع پر انسان میں ایمان و توکل کی ایک خاص کیفیت اور ایک روحانی طاقت ابھرتی ہے، اگر اُسی دقت اس سے کام نہ لیا جائے، تو وہ ختم ہو جاتی ہے، پھر تکلف سے پیدا نہیں ہوتی، اگر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اس دقت دیر لگاتے، اور تداہیر سے کام لیتے تو وہ اس طرح دیر کو عبور نہیں کر سکتے تھے، یہ قوت اختیار دی، اور دائمی نہیں، بجلی کی طرح ظاہر ہوتی اور غائب ہو جاتی ہے۔ شیخ سعدیؒ نے حضرت یعقوبؒ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

کے پر سید از آن گم کردہ نرسند
کہ اسے روشن گہر پیر نرد مسند
زمصرش بے پیرا ہن شمیذی
چراہ چاہ کنعاش نذیدی
گفت احوالی مابرق جہانست
دے پیدا و دیگر دم نہانست
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم
گے بر پشت پائے خود نہ بینم
اگر درویش بر حالے بماند
سر دست از د عالم بر فشانند

فرمایا کہ جب کوئی آگ کہتا ہے کہ سب سے بڑا گندگار میں ہوں، تو میں عرض کرتا ہوں کہ تمہاری ہی ضرورت تھی یہ بڑے کام کی چیز ہے، اللہ کی راہ میں ان رسا صیغہ کی قربانی دو نوٹوں کے تو ان سے کام چلتا ہے، ملائی میں ملا کر کھائے نہیں جاتے، ان نوٹوں

کے توڑنے کے لیے بیک ہے، یہ تو بہ اور استغفار کا بینک ہے، جہاں یہ نوٹ توڑ لئے جاتے ہیں اور جہاں ان کی مانگ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "ومن ینع مع اللہ الیاً آخر لا یرہاد" لہ بہ قائم احسابہ عند ربہ اینہ لا یفلم الکافرون" اور جو کوئی پکارے اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود کہ جس کے لیے کوئی دلیل اُس کے پاس نہیں ہے تو اس کا حساب پروردگار کے پاس ہوگا۔ یاد رہے کہ کافر فلا حجاب نہیں ہو سکتا، اب اس کی اصلاح دلفانی کی تدبیر بتاتا ہے "وقل رب اغفرہ وادحمہ وَاَنْتَ خَبِیرُ الرَّحِیْمِ" (اور کہو کہ اسے پروردگار بخش دے اور رحم فرمادے۔ کیونکہ تو سب سے اچھا رحم فرمانے والا ہے)۔

فرمایا کہ پہلے انسان دُلا تپلا مسوکھا اور لاغر ہوتا ہے پھر وہ گوشت اٹھی میوے اور مقویات و عمدہ غذائیں کھاتا ہے، تو شادابی اور تازگی آتی ہے، گوشت پر صحت ہے، پھر ورزش، کسرت کرتا ہے، پھر جب اس کا بدن کسرتی اور طاقتور ہو جاتا ہے، تو وہ میدان میں اُترتا ہے، پہلوانوں سے دو دو ہاتھ کرتا ہے، اور کشتی لڑنے کے قابل بنتا ہے۔ یہی تینوں مرحلے سورہ العصر میں بیان کیے گئے ہیں۔ "إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا" یعنی ایمان لاکر اپنے اعضاء، میسہ اور دل و دماغ کو صحیح غذا پہونچاؤ پھر ان پر عمل کرو، جو بمنزلہ کسرتہ و ورزش کے ہے۔ "وَعَلُوا الصَّالِحَاتِ" اب اکھاڑہ میں اُتر دو، اور اپنے ایمان و عمل صالح کا جو ہر دکھاؤ، دوسروں کو حق و صبر کی تلقین کرو، اب تم دعوتِ تبلیغ کے قابل ہوئے، اب اس میں سستی کر دگے، یا بخل سے کام لو گے، تو گنہگار ہو گے، "وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" اگر کوئی شخص تہ تازہ دفر بہ ہو، اور وہ اپنی طاقت کا استعمال نہ کرے تو گنہگار، اور اگر تندرست و طاقتور ہونے سے پہلے کسی سے کشتی بڑے اور اکھاڑ میں ختم ٹھونک کر اُتر آئے، تو نادان اور قصور دار، ایمان و عمل صالح سے پہلے دعوتِ غلطی، اور ایمان و عمل صالح کے بعد خابوش رہنا، اور دوسروں کو دعوت نہ دینا غلطی ہے، یہاں ایک لٹومیاں تھے، بڑے کسرتی اور پہلوان گر لڑے کسی سے نہیں۔

فرمایا کہ کئی بار یہ خیال آیا، کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ہی صحابہ کرام میں یہ حالات کیسے رونما ہوئے، اور ان میں اتنی جلدی

اختلافات کی صورت کیسے پیدا ہو گئی، غور کرنے سے معلوم ہوا کہ جو چیز جتنی اعلیٰ اور قیمتی ہوتی ہو، اتنی ہی نازک اور ذکی اٹھس ہوتی ہے۔ انسان کے اعضا میں آنکھ بڑی اعلیٰ اور قیمتی چیز ہے اتنی ہی نازک اور ذکی اٹھس ہے، کہ ایک ذرا سا کولہ کا ذرہ برداشت نہیں کر سکتی، فوراً کھٹک پیدا ہو جاتی ہے، اس کے مقابلے میں پاؤں میں کتنی سخت برداشت اور صلاحیت ہے کہ لنگر دل اور پتھروں پر چلتا ہے، اور کوڑے گر کر کٹ رہتا ہے، اور اس میں فرق نہیں پڑتا، اچھا ہونا، اور فحش ہونا دلالت کرتا ہے کہ نازک سمجھی ہے، آنکھ کو بار بار صاف کرنے اور دھونے رہنے کی ضرورت ہوتی ہے، بال بھی آئے گا تو بے چین کہ دے گا، جس میں قوت زیادہ بڑھی ہوئی ہے نہ اکت بھی زیادہ ہے۔

مولانا نعمانی کی تالیفات

جن کے مطالعہ سے دینی حقائق پر یقین اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے

معارفِ محمدیہ جلد پنجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کلمات کے ذریعہ

کا ذکر کرتے تھے اور مختلف احوال و اوقات میں جو کچھ کرتے تھے اور جن کی آپ نے امت کو نصیحت فرمائی وہ سب اس میں ہی جمع کر دی گئی ہیں۔ احسن اور کم قیمت ۶/۵۰

۲/۵۰ (اردو) قیمت

اسلام کیا ہے؟ اسلام کیا ہے، ہندی ادیشن

۲۱۔ انگریزی ادیشن ۸۰۔

دین و شریعت قیمت ۳/۵۰

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے۔ قیمت ۵۰

مذہب کی حقیقت ۵۰/۵۔ نماز کی حقیقت ۱۲۰

برکات رمضان ۱۱۰۔ آسان بخ ۱۰۵

آپ سے کیسے کریں عبادت کے لیے بہترین ۲۱۰

مذہب کی حقیقت ثانی ۲۰۰ قیمت ۷۰

مکتوبات خواجہ محمد مصطفیٰ رحمہ اللہ کی قیمت ۲۱۵۰

حضرت مولانا محمد امین علیہ الرحمہ کی قیمت ۳۲۰

نورانی حضرت مولانا محمد امین علیہ الرحمہ کی قیمت ۲/۵۰

معارفِ محمدیہ جلد اول ایمانیات، کفر و نفاق، ایمان و آخرت، قرآن و روایات

قیامت، ستر، سراط، میزان، جنت، دوزخ اور تقدیر سے متعلق احادیث نبوی کی تشریح اور مشکوک و شبہات کا ایمان بخش جواب ... قیمت ۵۰

جلد دوم اصلاح اخلاق اور تزکیہ قلب و نفس

سے متعلق احادیث اور دل میں خفا

کا خوف اور آخرت کی نگہ پیرا کرنے والے حضوروں

کے مواعظ کی تہمیت موثر تشریح۔ ہر حصہ ایمان کے

لیے بہترین روحانی غذا۔ قیمت ۵۰/۵

ہمارے اور نماز سے متعلق سارے بین

اسوے زیادہ احادیث کی تشریح۔

شاہ ولی اللہ کے حکیمانہ اور مجتہدانہ طرز فکر کی روشنی

میں ... قیمت ۵۰/۵

جلد سوم کفر، سوم، جمع سے متعلق احادیث

کی تشریح اور احکام کے مقاصد

اور حکمتوں کا بیان۔

قیمت ۵۰/۵ (جلد ۱۱ جرت ۲۵/۱)

اِسْلَام کے حلقہ بگوش عربوں کو

قرآن کی نوید مستح

(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

— (۲) —

مکرو فریب، سازشی ذہن، مجرمانہ و مریضانہ ذہنیت اور تخریبی ذہانت نے (جو) احترام انسانیت کی منکر ہے اور عقل و اخلاق کے حدود کا کوئی لحاظ نہیں کرتی، جو انسانیت اور منصفی رُخ پر چلتی ہے، تالیخ میں متعدد بار بظاہر ایسی شاندار کامیابی اور فتوحات حاصل کی ہیں کہ لوگوں کی نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئی ہیں۔ اس کی فتح مندویں اور پیش قدمیوں کو دیکھ کر اکثر انسانی تالیخ پر شبہ ہونے لگا اور اس کا اندیشہ پیدا ہو گیا کہ حق کی قوت، صداقت اور حُسن انجام اور اہل تقویٰ و اہل صدق کی فتح کا یقین متزلزل ہو جائے اور اس پر اعتماد جاتا رہے۔ اس تخریبی قوت نے بارہا تالیخ میں ایسے ہنگامے برپا کیے ہیں کہ ان کے سامنے عزم و استقامت کے پہاڑ بھی متزلزل ہو گئے اور بڑے سے بڑے فلسفی اور علماء مذہب بھی اپنی جگہ سے ہل گئے۔ آزمائش کی ان نازک گھڑیوں میں جو حیرت و اضطراب اور شک و شبہ دلوں میں پیدا ہونے لگتا ہے۔ قرآن مجید نے اس کی نہایت بلوغت تصویر ہمارے سامنے رکھ دی ہے

حَتّٰی اِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ ۙ

یہاں تک کہ جب پیغمبر مایوس ہو گئے

وَقُلْنَا اَنْتُمْ قَدْ كَذَبْتُمْ
نَحْنُ نَا فَتَجِيحُ مِنْ نَشَاءٍ وَلَا
يُؤَدُّ بَا سَنَا عَنِ الْقَوْمِ
الْمُجْرِمِينَ
اور ان کو گمان ہونے لگا کہ ان سے
یہ نہیں کہہ دیا گیا، یہودی بھی ان کو ہماری
مدد پس بجا دیا گیا اس عذاب جس کو ہم نے جہاں
اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے نہیں بھایا جاتا ہے۔
دوسری جگہ آتا ہے۔

اِذْ جَاءُوكُم مِّنْ فَوْقِكُمْ
اَسْفَلَ يَتُنَزَّلُ فَاذْهَابَتْ اَلْاَبْصَارُ
وَبَلَغَتِ الْفُلُوجُ الْحَنَاجِرَ
وَتَطْنُوْنَ بِاللّٰهِ لَنُظُنُّوْا
هٰذَا لَيْكِ الْاَنْبِيَا۟ لَمْ يَمْنُوْا
وَتَرٰهُمْ كُو۟فِرًا لَّا يَشْعُرُوْنَ
جب وہ آپ سے تم پر ادرے بھی اور نیچے
سے بھی اور جب پھیل گئیں آنکھیں
اور آگے کلجے منہ کو اور گمان کرنے لگے
تم اللہ سے طرح طرح کے گمان۔ یہ موقع
تھا جہاں آزمائے گئے مسلمان اور
ہلائے گئے کفری طرح۔
انسان کی نفسیات ہے کہ وہ ہر غلبہ و فتح سے متاثر ہوتا اور اس کے سامنے اپنا
سر جھکا تا ہے۔ خواہ وہ کسی ہی وقتی و عارضی، یا کسی ہی حقیر اور خیر اہم فتح ہو۔ قرآن مجید
نے اس نفسیات کا بہترین علاج پہلے ہی کر دیا ہے۔ ارشاد ہے۔

لَا يَغْرُرُكَ تَقَلُّبُ الْكَافِرِيْنَ
كُفْرًا وَّ اِنِّي الْبَلَادِ - مَسَاعٍ
قَلِيْلٍ ثُمَّ مَآ وَا هُمْ جَهَنَّمُ
وَكَيْفَ تَسْتَعِيْلُ الْمُهَادِثَ
یہ کافروں کا شہر در شہر دور دورہ نہیں
دھوکے میں نہ ڈالے۔ یہ چند دن کی بہار ہے۔
اس کے بعد ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔
اور بُرا ٹھکانا ہے۔

دوسرے موقع پر ارشاد ہے۔

مَا يُجَادِلُ فِیْ اٰیَاتِ اللّٰهِ
اِلَّا الْكَافِرِيْنَ كُفْرًا وَّ اَخْلَا يَعْرِضَكَ
تَقَلُّبُهُمْ فِی الْبِلَادِ
نہیں مجادلہ کرتے ہیں اللہ کی آیات میں
مگر کفر کرنے والے، ہوسنہ دھوکا دے تم کو
ان کا شہر در در دور دورہ۔

اس نے اس کمزور نفسیات اور ذہن کا بھی علاج کیا ہے جو آسانی کے ساتھ کمزور فریب اور جعل سازی و سازش کا شکار ہو جاتا ہے، اس کو بار بار تنبیہ اور آگاہ کیا ہے کہ ان سازشوں و فریب کاریوں اور ظاہری کام رانیوں کا انجام ذلت و ناکامی اور نصیحت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں۔ یہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور و بودی اور بے نتیجت ہیں۔

وَإِنَّ أَوْفَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتٌ اور بے شک گھروں میں سب سے بڑا گھر
الْعُنْكَبُوتُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ کمزوری کا گھر ہو گا۔ مگر یہ جانتے ہوں۔

اس نے صاف صاف اعلان کیا ہے کہ شر سے خیر پیدا ہی نہیں ہو سکتا جس چیز کی بنیاد اور جڑیں اچھی زمین یا فطرتِ سلیم میں پیوست نہ ہوں وہ ہر لمحہ اور ہر وقت خطرے کی زد میں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

أَمْ نَسِيَ بُنْيَانَهُ عَلَى یادہ (اچھا ہے) کہ جس نے اپنی عمارت کی
شَفَا جُرُجٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ بنیاد کبھی ایک گرنے والے غار کے کنارے پر
فِي نَارٍ جَهَنَّمَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي پڑھ لے گا اس کو آتشِ دوزخ میں؛ اور
الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ اللہ نہیں سمجھ دیتا ہر ظالم لوگوں کو۔

دوسری جگہ آتا ہے۔

وَمِثْلَ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ اور گندے کلمہ کا مثال ایک بڑے درخت
نَجِيسَةٍ نَّجَسَتْ مِنْ فَوْقِ کی سی ہے کہ اوپر سے اکھاڑ لیا جائے،
الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ کچھ بھی خبات اسے نہ ہو۔

وہ حضرت موسیٰ کی زبان سے جادو گروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے۔

وَقَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُم بِهِ السِّحْرُ کہا موسیٰ نے کہ تم جو لیکر آئے ہو وہ جادو ہے
إِنَّ اللَّهَ سُبُّهُ إِنَّ اللَّهَ یقیناً اسے اللہ بھی درہم برہم کرے گا
لَا يُغْنِي عَنْكَ الْمُسْدُونُ اللہ نہیں بنے دیتا ہر فسادوں کے کام۔

وہ کمزور فریب اور سازش و تخریب کا عام قانون اور اس کا انجام اور حشر بتاتے

۱۔ سورہ عنکبوت، الم ۷۷، سورہ براءت ۱۰۹۔ ۲۔ سورہ ابراہیم ۲۴۔ ۳۔ سورہ یونس ۸۱۔

نشاندہی راقم سطور کی اکثر تحریروں و تقریروں میں موجود ہے اور جن میں بہت صاف گوئی و صراحت کے کام لیا گیا ہے انسانیت عامہ کی دعوت و ہدایت اور عالمی و بین الاقوامی پیغام کے حامل و داعی ہیں۔ اور ہمیشہ رہیں گے، وہ اب بھی اس دین کے علمبردار ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو سب سے پہلے نوازا اور مقام سبقت عطا فرمایا ان کے پاس وہ میراث اور وہ دولت مشترکہ ہے جس میں دنیا کی ساری قومیں اور نسلیں حصہ دار ہیں۔ اس میں یہود کے ”بنی لادھی“ یا ہندوستان کے ہندوؤں اور برہمنوں کی طرح کی اجارہ دار نہیں، اس میں اعتبار نسل و خون کا نہیں بلکہ شوق و طلب، دُوبی جستجو، حسین عمل، جہاد میں سبقت اور سعی و جد جہد میں مقام فضیلت کا ہے۔ امام احمد ابن حنبل اپنی سند کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ

لو کان العلم بالثویا لتنادوا
اُناسٌ من ابناء فارس
اگر علم ثریا پر بھی ہوتا تب بھی فارس کے
کچھ لوگ اس کو حاصل کر لیتے۔

عربوں نے ہمیشہ ان تمام لوگوں کا خوش دلی اور عالی ہمتی سے اعتراف کیا ہے جنہوں نے علوم و دینیہ میں کمال پیدا کیا خواہ وہ کسی جگہ سے تعلق رکھتے ہوں انھوں نے ان کی امامت و پیشوائی تسلیم کی، اور ان کی تعریف اور مدح و توصیف میں وہ الفاظ استعمال کئے ہیں انھوں نے اپنے ہاں کے فضلا اور اہل کمال کے لئے بھی استعمال نہ کیے تھے۔ انھوں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری (م ۳۵۶) کو حدیث میں امیر المؤمنین کا درجہ دیا۔ اور صحیح بخاری کے متعلق ”اصح کتاب بعد کتاب اللہ“ کے الفاظ استعمال کیے۔ امام ابوالعالی عبدالحکیم الجونی نیشاپوری (م ۴۰۸) کو امام اکرمین کا لقب دیا۔ امام غزالی (م ۵۰۵) کو حجة الاسلام تسلیم کیا۔ عراقی اور اہل عجم پہلی صدی ہجری کی وسیع اسلامی مملکت میں مزج علم اور سرچشمہ فیض بن چکے تھے۔ اور علم و افتاء، اور فقہ و حدیث کی مندان کے سپرد تھی۔ یہ وہ حقیقت ہے جو طبقات، سیر اور تراجم کی کتابوں اور اسلامی تہذیب کی پوری تاریخ سے آشکارا ہے۔

۱۔ حضرت ہارون کی اولاد جو تمام مذہبی مناصب کی نگاہ میں معتبر ہیں۔

۲۔ امام حنبل ج ۲ ص ۲۹

یہ تسلسل اسلام کی این روشن اور تابناک ابتدائی صدیوں میں اس طرح قائم رہا کہ علامہ ابن خلدون مغربی دم ۸۰۰ھ بھی یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ عجیب بات ہے کہ ملت اسلامیہ کے اکثر اہل علم و اہل کمال سرزمین عجم سے تعلق رکھتے ہیں۔ خواہ علوم شرعیہ ہوں یا علوم عقلیہ، باوجود اس کے کہ ملت عربیہ ہے اور صاحب شریعت بھی عرب ہیں، چنانچہ علم نحو کے مفسر سیبویہ ہیں اس کے بعد ابوعلی فارسی اور ان دونوں کے بعد زجاج، اور یہ سب عجمی نژاد ہیں۔ یہی مناسب علماء حدیث، علماء اصول، فقہاء، متکلمین اور مفسرین میں بھی ہے۔

عربوں میں ان کی فطرت سلیم کی وجہ سے انسانی مساوات کے اصول، اور انسانیت کے احترام کا جذبہ نسبت دوسری قوموں کے زیادہ پایا جاتا ہے، وہ ان اصولوں کے اجرا اور ان پر عمل درآمد میں دوسری اقوام سے زیادہ حجت اور گر بخوش ہیں یہ اصول ان کی ان غظیم اور مبارک فتوحات میں ہمیشہ ان کا رہبر رہا جنہوں نے دنیا کو علم و تہذیب فضیلت و تقویٰ کے نئے آفاق سے آشنا کیا۔ اسی مساوات کی وجہ سے وہ مفتوح قومیں جو ہمیشہ فاتح اقوام سے بغض و عناد رکھتی ہیں ان سے محبت کرنے لگیں۔ یہاں تک کہ سندھ اور ملتان کی بعض بُت پرست اقوام نے پہلی صدی ہجری میں عرب فاتح محمد بن قاسم کا بُتہ ہنگا اپنے ان بتوں میں شامل کر لیا جن کی وہ پہلے سے پرستش کر رہی تھیں یا ان کی حد سے بڑھی ہوئی عقیدت اور تعظیم کی وجہ سے تھا، اسی طرح مفتوح اہل سمرقند کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جو مشفقانہ اور محبت آمیز برتاؤ کیا۔ اس نے ان کے دلوں میں ان فاتحین کی محبت اور اسلام کی عظمت بیدار کر دی اور اس کی وجہ سے ان علاقوں میں اسلام بہت سرعت کے ساتھ پھیلا ان قوموں نے نہ صرف اسلامی تہذیب قبول کی

۱۔ مقدمہ ابن خلدون ناشر المطبعة المصیّتہ المصریہ

۲۔ فتوح البلدان للبلادہی میں ہے کہ

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو ان کے پاس اہل سمرقند کا ایک وفد پہنچا اور ان سے شکایت لگا کہ تہذیب نے جب اس علاقہ کو فتح کیا تھا تو انہوں نے اسلامی اصول و قواعد کے خلاف سمرقند پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کو زیادہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عامل کو لکھا کہ ایک خط بھیج کر کہیں جو اس (دبانی) کے صفحہ پر

بلکہ عربی زبان بھی اختیار کر لی اور ان اجنبی فاضلین کے اخلاق و عادات، دستور و قوانین اور زبان و لہجوں کو اس قومی ورثہ پر ترجیح دی جس کو وہ صدیوں اور نسلوں سے اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ کا مشہور مقولہ جو انہوں نے اپنے ایک بڑے فوجی قائد سے کہا تھا آج تک دنیا میں گونج رہا ہے۔ اور تاریخ عالم میں ثبت ہے۔

من متی استعبدتم الناس تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنالیا،
وقد ولد تھم اٹھا تھم اپنی ماؤں کے پیٹ سے تودہ آزاد
احسأنا پیدا ہوئے تھے۔

عرب عہد جاہلیت اور عہد اسلام دونوں میں اپنی فطرت، نشو و نما، اور ان اصولوں اور قدروں کی وجہ سے جن پر وہ ایمان رکھتے تھے سازشی ذہن و مزاج جو عیسہ کاری، کفر و فریب، منافقت اور خفیہ سرگرمیوں سے بہت دور تھے، وہ کھلے ہوئے دشمن تھے اور کھلے ہوئے دوست، جنگ کرتے تو کھلے میدان میں مصالحت کرتے تو اعلان کے ساتھ، ان کا کردار، ان کی امثال و حکم، ان کے تاریخی واقعات اور قبائلی جنگیں سب اس پر گواہ ہیں۔ نفاق ان کی طبیعت ہی میں نہیں تھا۔ تقریباً تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ مکہ میں نفاق اس لیے نہیں تھا کہ وہ خالص عربی ماحول رکھتا تھا، اور یہودیت و خادجی عناصر کی آلودگی سے پاک تھا نیز یہ کہ تمام ایسی آیات جن میں نفاق اور منافقتین کا ذکر ہے وہ مدنی ہیں یعنی مفسرین و اہل اصول نے منہوجہ ذیل آیت سے بھی استدلال کیا ہے۔

(عجیبہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) معاملہ میں غلطی صادر کرے۔ اگر وہ مسلمانوں کے اخراج کا فیصلہ کرے تو ان کو اسی وقت شہر سے نکال دیا جائے۔ سب نے ابن حاضر اباجی کو قاضی تسلیم کیا اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ مسلمان شہر چھوڑ کر چلے جائیں پھر اس کے بعد برابر کا مقابلہ ہو۔ اہل سرقند نے جنگ کو پسند کیا اور اس بات پر تیار ہو گئے کہ مسلمان وہاں رہیں چنانچہ مسلمان وہاں آباد ہو گئے۔ یاد رہے کہ یہ فتح سرقند کے سات سال بعد کا واقعہ ہے۔

وَمِمَّنْ جُذِرَ مِنَ الْأَعْرَابِ اور تمھارے ارد گرد کے اعرابوں میں سے
مُتَافِقُونَ وَ مِنْ أَهْلِ الْيَمِينَةِ اور خود اہل مینہ میں سے کچھ لوگ منافق
فَرَادَا عَلَى الْيَفَاقِ ہیں، نفاق کی حد کمال کو پہنچے ہوئے ہیں۔

اس لیے ہر اس خطہ زمین پر جہاں عربوں کی حکومت ہے، یا ان اقوام میں جو عربوں کی قیادت میں ہیں، ان تہذیبوں اور ثقافتوں میں جن کی رہنمائی ان کے ہاتھ میں ہے اس سیاست میں جس میں ان کا سرگرم اور اہم حصہ ہے کم از کم کسی خفیہ سازش خفیہ سرگرمیوں اور پس پردہ تحریکوں کا خطرہ نہیں۔ یہاں اخلاق میں نفاق اور تخریب و فساد پسندی قومی مصالح بخفی یا جماعتی انسانیت کے لیے نئے نئے مسائل اور الجھنیں پیدا کرنے کا ذہن، ایک گروہ کو دوسرے سے لڑانے کا شوق اس لیے نہیں پایا جاتا کہ ان کی قیادت ہمیشہ سے ایک خاص مزاج رکھتی ہے وہ صاف بے لاگ، واضح اور فیصلہ کن ہے اس کا ظاہر و باطن یکساں ہے۔ اور شرق و غرب اور عجم و عرب کے معاملے میں امتیازی طرز فکر اور سلوک اس کی قومیت کے اجزاء ترکیبی سے خارج ہے۔

جہاں تک اس انتہا پسند قومیت اور جاہلی عصبیت کا تعلق ہے جو بعض عرب علاقوں اور آبادیوں میں مصیبت و آزار مائش بن گئی ہے اور اس عہد آخر میں بعض عربی قیادتوں نے اس کا علم اٹھا رکھا ہے وہ ایک خارجی، عارضی اور بیرونی عنصر ہے جو حقیقی عربی اسلامی مزاج کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ یہ مزاج و ذہن پہلی فرصت میں اس پر غالب آئے گا۔ اور اس کی حقیقی شکل نکھر کر سامنے آجائے گی اس کو بالآخر اس ایمان کی آغوش میں پناہ ملے گی جو پہلے ہی سے اس کے جسم و جان میں پیوست ہے اور اس کے خون میں جاری و ساری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت
أَتْقَاهُ۔ والا وہ ہے جو اس کا سب سے زیادہ

لگاؤ و ادب کرتا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم
مٹی سے پیدا کیے گئے کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے ساتھ۔

اگر اسلام اللہ کا آخری اور ابدی پیغام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بقا و دوام
کا ذمہ لیا ہے اگر قرآن آخری آسمانی کتاب ہے جس کی حفاظت و بقا کی ضمانت اللہ
نے کی ہے۔ اور اس کے بغیر اسلام اور مسلمانوں کی (ایک عقیدہ و اصول مخصوص شخصیت
فانوں و شریعت اور پیغام و دعوت کی حامل قوم کی حیثیت سے) بقا کا تصور ہی نہیں
کیا جاسکتا اور ان سب چیزوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عمل ضمانت ہے اور صاف

اعلان ہے

إِنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نَارٍ لَّئِنَّا لَذِكْرٌ وَإِنَّا لَهُ
لِحَافِظُونَ ۝

بے شک ہم نے ازل کیا ہے۔ نصیحت نا
اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

تو پھر اس کے ساتھ عربوں کی بقا اور حفاظت کی بھی مکمل ضمانت موجود ہے۔ قرآن
عجمہ کی بقا عربی زبان کے بغیر ممکن نہیں اور عربی زبان کی بقا اہل زبان کے بغیر ناممکن
اور یہ سب غلطیاں نہیں اس آب و گل کی دنیا میں ہونا ہے۔ اس لیے یہ بات کسی طرح سمجھ میں
نہیں آتی کہ یہ ابدی، عالمی اور لافانی کتاب ایک ایسا معجزہ یا حیرت انگیز جادو ہے جس کا
کوئی سمجھنے والا ہی نہ ہو یا ایسا سرگرم راز ہو جائے جس کی دریافت اور جس سے افادہ ہی
ناممکن ہو، تاہم کئی زبانوں کی طرح اس طرح سمجھا جائے جس طرح ہیر و گلیفی، فنیقی اور گیری زبانیں
مٹ گئیں اور آثار قدیمہ میں پہونچ گئیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت اعلیٰ
اور بلند و بالا ہے کہ وہ ایسی صورت کو حفاظت و بقا قرار دے اور اس کو عزت و شرف
سے تعبیر کرے اور اپنا یہ احسان اس امت اور پوری انسانیت کو بار بار یاد دلانے جو
ہر قسمل اور ہر دور کے لیے روشنی کا نیا رہ ہے اس طرح یہ بات بھی حکمت کے خلاف
ہے کہ یہ عرب ایک طویل عرصہ کے لیے غلام اور ذلیل و خوار بنا دیے جائیں اور اپنی
اس طاقت حیثیت اور صلاحیت سے محروم ہو جائیں جو نئی نوع انسان کی رہنمائی اور

انسانیت کی قیادت کے لیے ضروری ہے اور یہ پورا علاقہ یہودیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے جہاں سے اسلام کا آفتاب طلوع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی روشنی اطراف عالم میں پھیل گئی جس کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ اسی طرح وابستہ اور جزو لا ینفک ہے کہ اس کی مثال مذاہب کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی جہاں وہ بہت عتیق (دمیت اللہ) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سارے انسانوں کے لئے نگہوارہٴ امن اور بجائے پناہ قرار دیا ہے اور اس کو تعظیم و محبت اور عشق و شفقت کی کاسبک بڑا مرکز بنایا ہے اور جہاں وہ منیۃ الدنویا ہے جس کو ہم مرکز وحی، آغوش اسلام اور کاہ گاہ تاریخ کہہ سکتے ہیں اگر عرب ذلیل ہوتے ہیں اور یہ خطہ زمین جہاں مسلمانوں کے مقدس مقامات ہیں جو اسلام کا قلعہ اور حصار ہے اور اس کا سرچشمہ اور اصلی مرکز ہے ان کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو اسلام کی بقا اس کی عزت و سربلندی اور امن و اطمینان کی فضا میسر نہیں آسکتی خواہ سیکڑوں ہزاروں نئی اسلامی حکومتیں قائم ہو جائیں اور سیکڑوں سبر جھنڈے فضا میں لہرائے گئیں بیخاندانہ بعض اہل اقوال میں آیا ہے کہ

اذا ذلَّ العرب ذلَّ الاسلام اگر عرب ذلیل ہوئے تو اسلام ذلیل ہو جائے گا
اس لیے یہ غیر طبعی اور غیر فطری حالات بقا و ترقی کی صلاحیت خود ہی نہیں رکھتے ، فطرت انسانی عقل سلیم منطق و استدلال ، خواص اشیا ، و خالق نابستہ اور مذہبی تصوص آسمانی وعدے تاریخ و جغرافیہ حتیٰ کہ خود صحت مند اند و حقیقت پسندانہ سیاست کا (جو عقل درندہ سے محروم ہو کر جنون و یا گنجل بن کی سرحدوں میں نہ پہنچ گئی ہو) بھی یہ فیصلہ دیکھ لے وہ عایدانہ یا بھگانہ سیاست یا ڈبوسی جو امریکا اور روس نے عربوں کے معاملوں میں اختیار کر رکھی ہے وہ ایک روایتی سیاست ہے جس کا عقل و ذہانت ، فیصلہ کی قوت ، اخلاق جرات حیا ، وغیرت اور اصول آدمیت سے کوئی تعلق نہیں وہ اکثر و بیشتر یہودی اندر و ربرخ کے زیر سایہ رہتی ہے اس کا زیادہ تر انحصار اپنی اس کند ذہن مکریر ٹیڑھ پرانے کاغذات اور فائلوں پر ہے جو حقائق پر مبنی نہیں ہوتے یہ سیاسی طرز اھدیو یہ قوموں میں اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ بڑھاپے کا شکار ہونے لگتی ہیں اور ان کے فطری کے دن قریب ہوتے ہیں۔

یہ حالات زیادہ دن تک برقرار نہیں رہ سکتے۔ اگر کچھ عرصہ یہ حالات باقی رہ جاتے ہیں تو اس غیر طبعی صورت حال کے بچاؤ سے یہ بڑت بھی طویل ہی کبھی جائے گی۔

صیہونیت کی یہ وقتی فتح اور اس کے بعض مقاصد اور منصوبوں کی تکمیل ایسی فتح نہیں جس کو ایک پیغام کی دوسرے پیغام پر، ایک فلسفہ کی دوسرے فلسفہ پر، ایک اُمت کی دوسری اُمت پر، ایک مذہب کی دوسرے مذہب یا حق کی باطل پر فتح کہی جاسکے۔ یہود کے پاس نہ پہلے دنیا کے لئے کوئی دعوت تھی نہ آج۔ یہ یہ کہہ کر جوہ چونکے کہ کو پیش آیا یہودیوں اور اُمت مسلمہ کے درمیان نہیں تھا، نہ یہودیوں اور عرب اقوام کے درمیان تھا۔ اس میں تو اس ملت اور ان عرب اقوام کو گھسنے کا اور اپنے جوہر دکھانے کا موقع بھی مل سکا۔ چونکہ اس جنگ سے اسلام کو بہت دور رکھا گیا۔ پہلے سے سوچے سمجھے منصوبے کے ماتحت اس کو میدان جنگ سے ہٹا دیا گیا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک زیادہ عملی اور حقیقت پسندانہ قیادت کی ایک ناکارہ قیادت پر فتح ہے۔ یہود کی خوش قسمتی تھی کہ ہزاروں سال کے بعد ان کو پہلی بار ایک ایسی قیادت حاصل ہوئی جس نے وہ تنگ و عار اور داغ و دھوڑ والا جو ہزاروں سال سے ان کی پیشانی پر لگا ہوا تھا، اور ان کی نئی تاریخ بنائی، عربوں کی بددینی یہ تھی کہ ان کی قیادت نے بہت سے ان اسباب کی بنا پر جن کا ذکر کتاب کی ابتدائی تفصیلات میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے ان کے ساتھ اور ان کی تاریخ کے ساتھ ٹراٹلم کیا ہے۔ اور ان کو ایک ایسی جگہ پہونچا دیا ہے جہاں سے آگے بڑھنا بھی مشکل ہے اور پیچھے ہٹنا بھی دشوار۔

اس کے باوجود قیادت کی غلطیاں (خواہ کتنی ہی سنگین کیوں نہ ہوں) اور خواہ وہ ایک عرصہ تک اپنا عمل کرتی رہیں۔ اور اثر ڈالتی رہیں) ہم پر بھی ایسی نوعیت رکھتی ہیں جن کی اصلاح ہو سکتی ہے اور جن میں تبدیلی بہر حال ممکن ہے۔

البتہ پیغام و دعوت، قوموں کی صلاحیت اور بقا و ترقی کی قوت اور فتح کا مستحق ایک ایسا دشوار ترین اور پیچیدہ مسئلہ ہے جو کسی نئی دعوت، صلاحیت کو مستعار نیکو عمل نہیں کیا جاسکتا۔ نہ اس کے تین مردہ میں نئی روح ڈالی جاسکتی ہے۔

عربی اسلامی ملت کو کسی نئے پیغام کی ضرورت ہے نہ کسی نئے دین کی نہ اس میں نئی روح ڈالنے کی، یہ اُمت، زندگی، قوت، حوصلہ و ہمت بلکہ برق و شر سے بھر پور ہے اور ہر وقت اپنے جذبہ قربانی اور جذبہ ایمانی کا مظاہرہ کرنے کے لیے مضطرب اور بیتاب ہے اس کے برخلاف اس کی قیادتیں (لیڈرشپ) سمندر کی ان موجوں کی طرح ہیں جو آتی جاتی رہتی ہیں، وہ کبھی کبھی تیز اُٹھ کر اپنے وجود کا اعلان کرتی ہیں بعض اوقات کسی جہاز یا کشتی کو ہلا کر رکھ دیتی ہیں اور ڈبو بھی دیتی ہیں لیکن بالآخر اس نحر زخا میں گم ہو جاتی ہیں اور ان کا پتہ بھی نہیں لگتا لیکن سمندر اسی طرح باقی رہتا ہے اور کسی وقت اپنے وجود اپنی شخصیت اور اپنے صفات و اثرات سے محروم نہیں ہوتا۔

ساری تاریخ میں ہیں ان غضبناک موجوں کا بار بار مشاہدہ ہوا ہے، ان میں سے بعض موجیں تو اتنی بلند ہوئیں کہ انہوں نے آسمان کو جھولیا لیکن اس کے بعد اسی سمندر کی تہ میں ہمیشہ کے لئے سونٹکیں۔ کتنی حکومتیں قائم ہوئیں، کیسی کیسی قیادتیں ظاہر ہوئیں لیکن دیکھتے ہی دیکھتے ان کی بساط الٹ گئی، اکتبہ اسلام اسی طرح زندہ و تامل بندہ ہے، اُمت کبھی وہی ہے اس کا پیغام کبھی وہی، قرآن کبھی وہی ہے اور ایمان کبھی وہی۔ یہ حوادث و انقلابات اور یہ نشیب و فراز، وہ قدرتی تجربات ہیں جن کے دنیا کی زندہ اور بیدار قومیں ہمیشہ گزرتی ہیں، یہ وہ آزمائشیں اور امتحانات ہیں جن سے کھرے کھوٹے کا فرق معلوم ہوتا ہے اور قوم کی بختگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کی بدولت وہ تکلیف و راحت ترقی و ثروت ہر حالت کی عادی ہوتی ہے وہ فتح کے وقت غرور میں مبتلا نہیں ہوتی اور ناکامی و ہزیمت کے بعد مایوسی کا شکار نہیں ہوتی

يٰۤاَيُّهَا عَلٰى مَا قَاتَلْتُمْ
وَلَا تَغْمُرْ حَوْلَآئِمَاۤ اَتَاكُمْ مِنْهُ

ناکہ نہ قاتل ہو تم اس چیز پر جو تمھارے
ہاتھ سے نکل گئی اور نازاں نہ اس پر جو تمھیں

دیدہ گئی ہے

اس کی مثال اس زندہ و صحت مند و توانا جسم کی ہے جس کی قوت و طاقت اور قوت

برداشت کا صحیح و متوازن ہونا ہے جب وہ صحت و مرض، بصفت و قوت، آب و ہوا کے اختلاف، موسموں کے تغیر اور اس طرح کی تمام چیزوں پر فتح حاصل کر لیتا ہے اور ہر قسم کے تلخ و ترش کا عادی ہو جاتا ہے جس طرح ایک صحت مند جسم کے لیے صحت کی ضمانت ہے خواہ اس کو درمیان میں ان تمام مراحل سے گزرنا پڑے۔ اسی طرح انسانیت کے لیے بہترین پیغام رکھنے والی اور ان صفات و خصوصیات کی حامل قوم کے لیے جو اسے عالم کے لیے باعث خیر و سرخشمہ ہدایت ہے، فتح و نصرت بھی شہیدیت قدرت ہے اور قرآن مجید اس کی فتح کی ضمانت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ
فَاسْتَرْوُوا فِي الْأَرْضِ فَأَنْظُرُوا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ
هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى
وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ وَلَا تَهِنُوا
وَلَا تَحْزَنُوا وَ أَنْتُمْ أَعْلَوْنَ
إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ إِنْ يَمْسَسْكُمْ
قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ
مِثْلُهُ وَ تِلْكَ الْآيَاتُ
مُنْذِرَةٌ لِّمَن هَمَّتِ النَّاسِ
وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا
وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ سُمَّدًا ۚ وَاللَّهُ
لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ وَلِيُمِثِّلَ
اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا دِينَهُمْ
وَالَّذِينَ كَفَرُوا دِينَهُمْ ۚ وَلِيُذَكِّرَ

تم سے پہلے بھی سنت، اللہ کے برسکے واقعات
گزر چکے ہیں، لو گھومیں و گردے زمین پر
اور دیکھو کہ جھوٹے والوں کا انجام کیا
ہوا۔ یہ وضاحت ہے لوگوں کے لیے اور
ہدایت و نصیحت ہے خاص اہل تقویٰ کے لیے
اور تم نہ سست ہمت ہو اور نہ رنجیدہ کہ تم ہی
سر بلند رہنے والے ہو اگر تم میں ایمان ہے۔
اگر تمہیں زخم لگے ہیں تو دشمن کو بھی اسی
طرح زخم پہنچا ہے اور یہ دن تو ہم اسی
طرح لوگوں کے درمیان ادا کرنے بدلتے
رہتے ہیں۔ اور اس سے یہ بھی مقصد ہے
کہ اللہ ایمان والوں کو دیکھ لے اور تم میں سے
بعض کو شہید بنا دے۔ اللہ ظالموں کو نہیں
پہچانے گا۔ لیکن اللہ اللہ کہ ایک صاف کرنے والی
ایمان والوں کو کفر کرنے والوں کو

سائنس کی بے خُدا اِیّت کے خِلاف

اقبال کا جہاد

ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ

اقبال دو برہانوں کا سب سے پہلا مفکر ہے جس نے سائنس کی بے خُدا اِیّت — (GODLESSNESS) کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا تھا، وہ پروردِ الفاظ میں کہتا ہے۔
عشق کی تیغِ جگر دار اُڑالی کس نے علم کے ہاتھ میں خالی ہو نیامے ساتی!
یہاں علم سے اقبال کی مراد سائنس ہے اور کوئی دوسرا علم نہیں، چنانچہ اقبال خود اپنے خطوط میں ایک جگہ لکھتا ہے:-

”علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دار و مدارِ حواس پر ہے۔ عام طور پر میں نے علم کا لفظ ان ہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس علم سے ایک طبعی قوت ہاتھ آتی ہے جس کو دین کے ماتحت رہنا چاہیے۔ اگر دین کے ماتحت نہ رہے تو شیطنیت ہے۔ یہ علم علمِ حق کی ابتدا ہے“

اقبال کے اس شعر سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے ذہن میں یہ بات ہے کہ ایک زمانہ وہ بھی تھا جب عشق کی تیغِ جگر دار سائنس کی نیام کے اندر اپنی جگہ پر موجود تھی اور بعد میں یہ افسوس ناک حادثہ پیش آیا کہ کسی نے اس تلوار کو اس نیام سے اُڑالیا جس کا

نتیجہ یہ ہے کہ یہ نیام اب تک خالی پڑی ہوئی ہے۔ یہاں اقبال کا اشارہ اس تاریخی حقیقت کی طرف ہے جو سارٹن (SARTON) اور برفال (BRIFFAULT) کی تحریروں سے اب پائے ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ سائنسی علوم کے بانی اور سائنسی طریق تحقیق کے موجد اسپن کے مسلمان تھے اور یہ مسلمان سائنس کے موجد اس لیے بنے تھے کہ ان کی مقدس کتاب قرآن حکیم نے ان کو علم دے رکھا تھا کہ وہ مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کریں۔ کیونکہ ان کا مشاہدہ اور مطالعہ خدا کی معرفت کا سب سے پہلا ذریعہ ہے۔ ان کو بتایا گیا تھا کہ خدا کی ہمتی اور خدا کی صفات جلال و جلال کے نشانات مظاہر قدرت کے اندر آشکار ہیں۔ چنانچہ انھوں نے خدا کی معرفت کی جستجو میں مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کیا اور اس سے جو نتائج حاصل کئے ان کو ضبط تحریر میں لائے۔ آج اسی قسم کے نتائج کو ہی ہم سائنس کا نام دیتے ہیں۔ چونکہ دنیا کے ان پہلے سائنسدانوں کی سائنس خدا کے عقیدے سے پیدا ہوئی تھی لہذا وہ خدا کے عقیدہ کے ارد گرد ہی گھومتی تھی۔ جب ہسپانوی مسلمانوں کے سیاسی حالات نے پلٹا کھایا اور وہ اسپین سے نکلنے پر مجبور ہوئے تو سائنس یورپ کے ان لوگوں کے ہاتھ آئی جو پولوسیت (PAULISM) یا جدید عیسائیت کے پیرو تھے۔ ان لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ دین اور دنیا الگ الگ چیزیں ہیں ایک پاک اور مقدس ہے اور دوسری ناپاک اور غیر مقدس۔ لہذا دنیا کے علم کو جسے سائنس کہا جاتا ہے خدا سے کوئی تعلق نہیں رہتا اور سائنس والوں سے کلیسا کی گہری اور آشکار دشمنی نے اس عقیدہ کے لیے مزید ثبوت ہم پہنچایا اور کلیسا اور ریاست کے افتراق نے جو دونوں کے طویل اور شدید جھگڑوں کے بعد ایک نئی حقیقت کے طور پر رونما ہوا تھا۔ اس عقیدہ کو تقویت دی اور اس کے لیے راستہ صاف کیا۔ لہذا اس عقیدہ نے جائز عمل چھڑا اور سائنس سے خدا کا نام خارج کر دیا گیا۔ یہ کلیتہً وجود میں تفریق پیدا کرنے اور خود حقیقت کا نشانات کو دو مختلف حصوں میں تقسیم کرنے کی ایک نامعقول اور ناپاک جسارت تھی جس کے پیچھے کوئی علمی یا عقلی دلیل موجود نہ تھی۔ تاہم سائنس کی بے خدایت کا عقیدہ جو اس طرح عیسائیت کے لٹن سے پیدا ہوا تھا۔ عیسائی

مغرب کی دنیا میں ممکن ہو گیا۔ ظاہر بات ہے کہ سائنس میں اس عقیدہ کے جاگزیں ہونے کے بعد کوئی ایسے سائنسی نظریات پیدا نہ ہو سکے تھے جو اس سے مطابقت نہ رکھتے ہوں۔ لہذا ایسے سائنسی نظریات وجود میں آنے لگے جو درہل اسی کی پیداوار تھے لیکن جن کو آسانی سے اس کا ثبوت سمجھا جاسکتا تھا۔ ایسے سائنسی نظریات میں ہم انیموین صدی کی طبعیاتی مادیت اور میکائینٹ کو اور ڈارون کے میکائنی اور مادی نظریہ ارتقا کو شمار کر سکتے ہیں جنہوں نے اس خیال کو بظاہر ایک سائنسی حقیقت کا درجہ دیا کہ قدرت میں کوئی تخلیقی یا راہنما قوت موجود نہیں اور خدا کا عقیدہ بظاہر دونوں کی تشریح کے لیے غیر ضروری ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ رفتہ رفتہ یہ بھول گئے کہ سائنس کی بے خدائیت درحقیقت ایک مذہبی عقیدہ ہے جس کو عیسائیت نے جنم دیا تھا اور یہ سمجھنے لگے کہ یہ خود سائنس ہی کی ایک ضرورت ہے۔ اب بھی عیسائی مغرب کے سائنس دان ہمیشہ یہ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ انہی سائنس کو ہر حالت میں اُس راستہ سے بچائیں جو خدا کے عقیدہ کی طرف جاتا ہے اور خواہ کچھ ہو جائے اس کو سختی کے ساتھ اس پر دلیوری کے اندر بند رکھیں جو سائنس کی بے خدائیت کے نامعقول عقیدہ نے اس کے ارد گرد بنا رکھی ہے۔ چنانچہ وہ ایسے حقائق کو نظر انداز کرتے ہیں جو قدرت میں کسی ذہنی یا تخلیقی قوت کی کارفرمائی کا ثبوت ہم پہنچاتے ہوں خواہ وہ ثبوت کتنا ہی بین اور آشکار کیوں نہ ہو۔ مثلاً وہ انہی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ قدرت میں یہ سب چیزیں موجود ہیں تنظیم، ترتیب، تجویز، تعمیر، تکمیل، وحدت، یکسانیت، تسلسل بقصدیت، تضاد، توافق، چٹائی فکر، ارتقائی حرکت، زندہ حیوانات کی خود کارانہ نشوونما اور کو برتر اور بلند تر مراحجیاتی طرف توجہ بخود ملے جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں کسی ذہنی قوت کے عمل کا پتہ دیتی ہیں اگر یہ چیزیں موجود نہ ہوتیں تو طبعیاتی اور حیاتیاتی علوم ممکن ہی نہ ہوتے۔ اس کے باوجود وہ ان کے وجود سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور ان کی کوئی تشریح نہیں کرتے کیوں کہ سائنس کی بے خدائیت کے مفروضہ کے ہوتے ہوئے وہ ان کی کوئی معقول تشریح نہیں کر سکتے۔ اگر وہ کبھی ان حقائق سے سخت مجبور ہوں

تو وہ ان کی تشریح کے لیے خدا کے تصور کو کسی حالت میں بھی استعمال نہیں کرتے بلکہ کچھ من گھڑت اور فرضی مابعد الطبعیاتی تصورات کو استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً جیمز جینیئر "ریاضیاتی ذہن" کو فرض کرتا ہے۔ برگسان کسی "قوت حیات" کا نام لیتا ہے اور ڈریش کسی "عالمی ایکم" یا ایٹمی لہجی کا ذکر کرتا ہے لیکن یہ تمام تصورات نامکافی اور نامستلشی بخش ہیں۔ مثلاً کیا یہ ممکن ہے کہ کائنات میں کوئی اعلیٰ درجہ کار ریاضیاتی ذہن تو کار فرما ہو لیکن اُس میں شخصیت کے دوسرے اوصاف مثلاً جذباتی یا اخلاقی موجود نہ ہوں یا قدرت میں — کوئی ایسی قوت اجسام حیوانات کی تخلیق اور تکمیل کے کاموں میں مصروف ہو جو سوچتی سمجھتی ہو اپنے مقاصد سے آگاہ ہو اور ان کو حاصل کرنے کی قدرت رکھتی ہو لیکن ایک کامل شخصیت نہ ہو۔ ہمارا تجربہ اس قسم کے سنگڑے تصورات کی نفی کرتا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ریاضیاتی فکر اور مقصدیت کے اوصاف جس وجود میں ہوتے ہیں وہ شخصیت کے باقی ماندہ جذباتی اور اخلاقی اوصاف سے بے بہرہ نہیں ہوتا۔ لہذا ہم قرآن حکیم کا روشنی میں اس نتیجہ پر پہنچنے کے لیے مجبور ہیں کہ قدرت میں جو ریاضیاتی ذہن یا قوت حیات کار فرما ہے وہ خدا ہی ہے لیکن سائنس کی بے خدائیت کا مذہبی عقیدہ مانع ہی کہ مغرب کے سائنسدان بات ایسے الفاظ میں کہیں۔

اگرچہ بے خدا سائنس یہ نہیں کہتی کہ خدا موجود نہیں، لیکن وہ مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ اس طرح سے کرتی ہو کہ گویا ان کا کوئی خالق نہیں اور اگر ہے تو اس کی صفات کا کوئی نشان ان کے اندر موجود نہیں۔ اس طرح سے وہ اس دروازہ کو بند کر دیتی ہے جس کی راہ سے خدا کی معرفت اور محبت کا نور سب سے پہلے انسان تک پہنچتا ہے۔ اقبال کا یہ خیال قرآن حکیم کی تعلیمات کے عین مطابق ہے کہ خدا کی معرفت کا پہلا ذریعہ انسان کے حواس ہیں جن کی مدد سے وہ مظاہر قدرت میں خدا کی صفات کا مشاہدہ کرتا ہے قدرت کا مشاہدہ کرنے کے بغیر ہم خالق اور رب اور رحیم اور کریم اور عادل اور حفیظ اور علیم اور سمیع اور بصیر اور مبین اور معین ایسے الفاظ کے معنی نہیں سمجھ سکتے جو خدا کی صفات کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان سے قرآن حکیم کا سب سے پہلا مطالبہ یہ ہے

کہ وہ خدا پر ایمان لانے کے لیے مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کرے جو اس کے بعد خدا کی معرفت کا دوسرا ذریعہ ذکر ہے جس کی مدد سے انسان قدرت کا مشاہدہ کرنے کے بغیر اور مسجد کے ایک کونہ میں بیٹھ کر بھی خدا کی صفات پر غور و فکر کر سکتا ہے کیونکہ وہ پہلے قدرت کے مشاہدہ سے ان الفاظ کے معنی سمجھ چکا ہوتا ہے جو خدا کی صفات پر دلالت کرتے ہیں اس ذکر سے خدا کا حضور یا خدا کے قرب کا احساس پیدا ہوتا ہے جو عشق یا محبت ہے اور شعور یا ادراک ہے بالآخر سطح کی چیز ہے۔ اقبال نے اس مطلب کو ایک شعر میں ادا کیا ہے

علم حق اول جو اس آخر حضور آخر او مے نگینہ در شعور

ایک اور جگہ وہ اس خیال کا اظہار اس طرح کرتا ہے

یہ ہیں سب ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام جو جس کی شان میں آیا ہو علمہ الانماء

مقام فکر ہے پائش زمان و مکان مقام ذکر ہے سبحانہ ربی الاعلیٰ

الفضل بے خدا سائنس خدا کا انکار کرنے کے بغیر انسان کو اس طرح سے سوچنے اور کام

کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ خدا موجود ہی نہیں۔ بے خدا سائنس نے ہی اس نامعقول اور

بے بنیاد عقیدہ کو رواج دیا ہے کہ ہر معیاری فلسفہ وہی ہے جس میں خدا ایک حقیقت

کے طور پر مذکور نہ ہو یہی وجہ ہے کہ بے خدا سائنس کے اس زمانہ میں کائنات کے جس قدر

فلسفے پیدا ہوئے ہیں مثلاً ڈاروینزم۔ مارکزم۔ میکڈوگلزم۔ فرائڈزم۔ ایڈلرزم۔ بی

ہیو میٹرازم۔ لاجیکل پازیٹوزم۔ ہیومنزم وہ سب بے خدا ہیں.....

.... اور یہی وجہ ہے کہ بے خدا سائنس کے اس زمانہ میں انسانی فطرت اور انسانی اعمال

کے جس قدر نظریات وجود میں آئے ہیں وہ بھی سب کے سب بے خدا ہیں۔ مثلاً بے خدا

فلسفہ ریاست، بے خدا فلسفہ اخلاق، بے خدا اقتصادیات، بے خدا قانون، بے خدا فلسفہ

تعلیم، بے خدا نفسیات فرد، اور بے خدا نفسیات جماعت۔ لہذا سائنس کا بے خدا ہونا کوئی

معمولی سا معصوم سا اور بے ضرر تاثیر نہیں جو صرف کتابوں ہی میں آیا ہو۔ اس نے

انسان کی کتابوں کو ہی نہیں بلکہ ان کے جملہ عقیدوں۔ قدروں۔ منصوبوں۔ مقصدوں

اور حق و باطل۔ نیک و بد اور خوب و زشت کے معیاروں، حتیٰ کہ اُمیدوں اور آرزوؤں کو بدل کر اس کے اعمال و افعال کو بھی بدل ڈالا ہے۔ انسان اس طرح سے بنایا گیا ہے کہ وہ جو سوچتا ہے وہی کرتا ہے۔ اگر اس کے افکار و آراء اور اس کے تصورات و نظریات بے خدا ہوں تو اس کے اعمال و افعال کا بے خدا ہونا ضروری ہے۔ لہذا سائنس کی بے خدا اُمتِ عالمِ انسانی کا ایک بہت بڑا حادثہ ہے جس نے تاریخ کا رخ موڑ دیا ہے۔ اسی کی وجہ سے اب دنیا میں کوئی ایسی ہم گیر اخلاقی اور روحانی قوت باقی نہیں رہی جو اندر سے انسانی اعمال کو ضبط میں لاکر صحیح راستہ پر ڈال سکے۔ یہی حقیقت ہے جو دور حاضر کے انسان کی تمام بدقسمتیوں اور پریشانیوں کا بنیادی سبب ہے، مثلاً عالمگیر جنگوں کا ایک سلسلہ جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔ میزائلوں اور ایٹم بموں کے بڑھتے ہوئے انبار میں لاتعداد معیار اخلاق کا فقدان، سیاست والوں کے بھوٹ اور فریب، سیاسی سازشیں اور ان سے پیدا ہونے والے سیاسی قتل اور سیاسی انقلابات، اقتصادی خوشحالی کے باوجود اطمینانِ قلب کا فقدان اور ذہنی بیماریوں، نحو و کشیوں اور جرائم کی روز افزوں تعداد، آزاد جنسیت، طفلی قتل بے راہروی، علم اور اتاد کے احترام کا زوال اور علمی درسگاہوں کے ضبط و نظم کا بگاڑ وغیرہ وغیرہ اس وقت ہر جدید کالج ایسے نوجوانوں کی تربیت گاہ ہے جو خدا اور مذہب اور اخلاق کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ اکبر نے ایسے ہی کالج کے لیے کہا تھا: یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا۔ افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اور اگر کوئی پوچھے کہ مسلمانوں کے علمی، ذہنی، اخلاقی اور سیاسی انحطاط کا سبب بڑا اور بنیادی سبب کیا ہے؟ تو پورے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ وہ بھی سائنس کی بے خدا اُمت ہے جسے مسلمانوں نے بھی ہر جگہ اپنی یونیورسٹیوں میں اپنایا ہے۔ اقبال بڑے سوز اور درد کے ساتھ اپنے ساتھی سے کسی ایسے کافر اور محبوب کی شکایت کرتا ہے جس کے غمزدہ خوریز نے اللہ کا نام لینے والوں کی متاعِ دین و دانش کو لوٹ لیا ہے۔

متاعِ دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی: کیس کا فراد کا غمزدہ خوریز ہر ساتھی
یہ کافر اور محبوب مزر کیا یہی بے خدا علم ہے جس نے مسلمانوں کے فکر کو اللہ سے بیگانہ

کر دیا ہے۔

یہی وہ حقائق ہیں جن کی بنا پر اقبال نے سائنس کی بے خدائیت کے خلاف علمِ جہاد بند کیا ہے وہ کہتا ہے۔

علم بے عشق است از طاغوتیاں	علم باعشق است از لاهوتیاں
علم کو از عشق بر خور دار نیست	جز نالش خانہ افکار نیست
مکتب از مقصود خویش آگاہ نیست	تا بجزب اندرونش راہ نیست
شیخ مکتب ہے اک عمارت گر	جس کی صنعت ہے روح انسانی
مکتبہ دلپذیر تیسرے لیے	کہ گیا ہے حکیم قاتلانی
پیش خورشید بر کش دیوار	خواہی ار صحن خانہ نورانی

اقبال ہماری توجہ بجا طور پر اس بات کی طرف مبذول کرتا ہے کہ اگر سائنس کو خدا کے تصور پر قائم کیا جائے تو ترقی کرتے ہوئے وہ ایسے غلط نتائج کو خود درست کرتی چلی جاتی ہے۔ بے خدائیت میں یہ خاصیت نہیں ہوتی کیونکہ وہ خدا کے تصور کی انہماگی اور روشنی سے محروم ہوتی ہے۔

وہ علم اپنے بتوں کا ہے آپ ابراہیمؑ	کیا ہے جس کو خدا نے دل و نظر کا زیم
وہ علم بے بصیری جس میں ہلکا نہیں	تجلیاتِ کلیم و مشاہداتِ حکیم
اقبال نے علم اور عشق کی ایک گفتگو تنظیم کی ہے جس میں وہ اپنے دکھ اشعار کی پوری	قوت کے ساتھ سائنس کو خدا کے تصور کے ساتھ متحد کرنے پر زور دیتا ہے۔

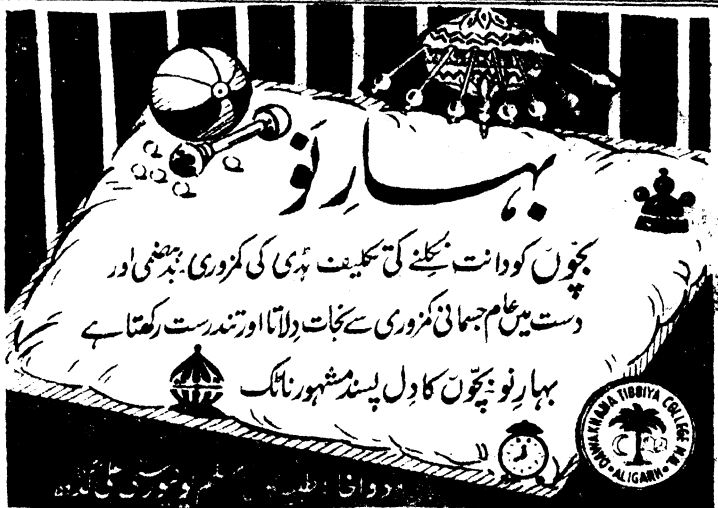
سائنس کہتی ہے۔

نگاہم رازدار ہفت و چار است	گرفتار کن دم روزگار است
جہاں بینی بایں سوا ز کر دند	مرا با آنسوئے گرد وں چہ کار است
چکہ صد لغز از سازے کہ دارم	بیا زار انگنم رازے کہ دارم

عشق جواب دیتا ہے۔

زافون تو دریا شعلہ زار است	ہوا آتش گزار و زہر دار است
----------------------------	----------------------------

چو بامن یار بودی نور بودی
بریدی از من و نور تو نار است
خلوت خانہ لاہوت زادی
ولیکن درخ شیطان فستادی
بنیادین خاکدان را گلستان ساز
تہ گردوں ہمیشہ جاوداں ساز
بیایک ذرہ از درد و لم گیر
جہان پیر را دیگر جواں ساز
ز روز آفرینش ہمدم ایستم
ہماں یک نغمہ را زیر دم ایستم
صرف اتنی بات ہی نہیں بلکہ اقبال بڑے زور سے مسلمانوں کو اس تاہے کہ مستقبل کا
عالمگیر ذہنی انقلاب سائنس اور خدا کے تصور کے اسحاق سے پیدا ہوگا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ
اٹھیں اور سائنس کو خدا کے ساتھ ملا کر اس عالمگیر ذہنی انقلاب کی قیادت کریں۔
غیر بیان را زیر کی ساز حیات
شرقیان را عشق رمز کائنات
زیر کی از عشق گرد و حق شناس
کار عشق از زیر کی حکم اساس
عشق چوں بازیر کی ہمسر بود
نقشبند عالم دیگر نشود
خیز و نقش عالم دیگر بنہ
عشق را بازیر کی آمیزدہ
ہمارے نظریہ حیات کے ممکنات کے اندر اس بات کی واضح شہادت موجود ہے
کہ ہم غفریب خدا کے تصور کو سائنس سے متحد کر کے مستقبل کے اس عالمگیر ذہنی انقلاب
کی قیادت کریں گے جس کی پیش گوئی اقبال نے کی ہے۔ (بشکریہ میثاق لاہور)




درجہ اولیٰ

۱۰۰ مغز و مشق

- آنکھوں کی تمام بیماریوں کا دشمن
- بینائی کا محافظ
- لمبے روزگار معنوں بنائیے رنگا رنگا
- آخر تک قائم رہے گی۔
- دیکھنا جفت لگتا نہیں بلکہ ٹھنڈا اور
- فرحت پہنچاتا ہے۔
- سرمے کیساتھ ہمارا جیستی کیمیائی سامانی
- بھی طلب فرمائیے۔

کے پانچویں کے وہی
پہچے ہوئی
اوس
۲۶ دواؤں کا
سرکب



ایک قلم چھوئیے
ڈاکٹر جی۔ ڈی۔ جی۔
پروفیسر جی۔ ڈی۔ جی۔
کونسلر جی۔ ڈی۔ جی۔
کونسلر جی۔ ڈی۔ جی۔

دارالفیض خٹمانی۔ پریس

نئی مطبوعات

(کئی سال ہوئے تعداد کتب کا سلسلہ مرتب کی خرابی صحت سے رک گیا تھا۔ اور پھر وہ بجا رہ گیا۔ اس بار اللہ کے کرم سے اس کے از سر نو آغاز کا ارادہ پورا ہو گیا ہے۔ اس دفعہ میں آئی ہوئی تمام کتابوں کا قرض ادا کر ا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ البتہ گزشتہ چھ ماہ میں ہی حضرات نے تبصرہ کے لیے کتابیں بھیجی ہیں وہ اگر اپنی مرسل کتابوں سے از سر نو مطبع فرمادیں گے تو انشاء اللہ ان کا تذکرہ ان صفحات میں آجائے گا۔ مرتب)

تفسیر ماجدی جلد اول :- بڑی قسط۔ صفحات ۷۹۰ کاغذ کتابت اور طباعت بہتر قیمت :- اٹھارہ روپیہ پستہ :- صدق بک ایجنسی کچری اردو لکھنؤ۔

مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی مدیر صدق جلدینے ایک عرصہ سے اپنی تمام علمی اور ادبی صلاحیتوں کا اصل مصرف کتاب اللہ کی خدمت کو بنا رکھا ہے۔ انھوں نے اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں قرآن مجید کی تفسیر کا شرف حاصل کیا ہے۔ بیش نظر کتاب ان کی اردو تفسیر کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ پہلا ایڈیشن پاکستان کی تاج کمپنی سے نکلا تھا۔ دوسرے ایڈیشن میں ترمیم اور اضافوں کے علاوہ ایک فرق یہ ہے کہ پہلے ایک ایک پارے کی جلد الگ الگ تھی اب کی سوڑ فاتحہ سے آکر عمران تک اسی ایک جلد میں آگئی ہے۔

قرآن پاک کی یہ تفسیر متعدد حیثیتوں سے منفرد و ممتاز اور مجدد قابل قدر ہے۔ ایک اہم بڑی کارآمد خصوصیت یہ ہے کہ عربی کی تمام مستند تفاسیر اور مفردات القرآن پر نئی تحقیقات کا عطر کشید کر دیا گیا ہے۔ اس طرح یہ تفسیر ایسا درجہ استفادہ بھی حاصل کر لیتی ہے کہ ایک عام آدمی کا دل اعتماد کے ساتھ اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔ دوسری طرف سابقین کے افادات

پر کافی وسیع نظر بھی ہو جاتی ہے۔ دوسری قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کے حالات و واقعات نیز ان کی شریعتوں کے احکام وغیرہ کی تشریح و توضیح میں اسرائیلیات پر اعتماد کرنے کے بجائے بڑی کاوش و تحقیق سے کام لیا گیا ہے۔ اولاً عہد نامہ قدیم و عہد نامہ جدید کو سامنے رکھا گیا ہے پھر موجودہ مغربی محققین اور مصنفین کی کتابوں سے فائدہ اٹھایا گیا ہے جن پر مولانا کی نظر بڑی وسیع ہے اور تیسری خصوصیت جو اس دوسری ہی سے پیدا ہوتی ہے یہ ہے کہ تفسیر مابعدی میں ہمیں اسلام اور ادیان سابقہ کے تقابلی مطالعہ کا بھی موقع فراہم ہو جاتا ہے۔ سائنٹفک تحقیقات کے حوالہ سے قرآن پر حزن گیری کی جو کوششیں ہمارے عہد نامہ میں ہوتی آ رہی ہیں مولانا نے ان کا طلسم توڑنے پر بھی توجہ دی ہے اور وہ اس کے اہل تھے۔ ترجمہ کا سفر مولانا نے مرشد تھانوی کی انگریزی پکڑ کر طے کیا ہے، بس اتنا تصرف و ادراک تھا کہ زبان کے جدید ادبی معیار کے اعتبار سے اس کی تجدید ہو جائے۔ اور ترجمہ میں اس پابندی کے بعد اس کا کہنا ہی کیا کہ قرآن کی ترجمانی میں مسلک تھمود پر بڑی سختی سے کاربند نظر آتے ہیں۔

مولانا کا خاص اسلوب تحریر مآخذ دل ہے تفسیر میں بھی اس کا رنگ یہی رہا ہے۔ اس لیے الفاظ کم اور مطالب زیادہ ملتے ہیں۔ نکتہ آفرینی بھی مولانا کا خاص مذاق ہے۔ علمی ادبی، فقہی، کلامی اور احسانی نکتے موقع و محل کی مناسبت سے خوب خوب آئے ہیں اور سب سے آخر میں یہ کہ تفسیر کا افتتاحیہ بھی ایک خاصہ کی چیز ہے مستقل قدر و قیمت کا حامل۔ اللہ تعالیٰ کتاب کی باقی جلدوں کو بھی مولانا کی زندگی ہی میں اشاعت سے ہمکنار کرے۔

(ع۔ س)

معارف الحدیث جلد ہفتم

انشاء اللہ تعالیٰ کے پہلے ہفتہ میں بالکل تیار ہو کر پریس سے آجائے گی اور دوسرے ہفتہ میں طالبین کو روانگی شروع ہو جائے گی۔ اس کے عنوانات مضامین کی فہرست اس شمارہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

منیجر کتب خانہ الفتان، لکھنؤ

مَا آتَاكَ الرَّسُولُ فَخُذْهُ وَمَا نَهَاكَ عَنْهُ فَانْتَهِ

معارف الحدیث

یعنی

احادیث نبویؐ کا ایک جدید اور جامع انتخاب
اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد پنجم

کتاب الادکار والدعوة

تالیف

مولانا محمد منظور نعمانی

—————

ناشر: کتب خانہ الفتان، کچہری روڈ، لکھنؤ

۶/۵۰	قیمت مجلد	مطبوعہ و تنویر پریس، لکھنؤ	مجموعہ ۱۳۸۹	بار اول
۷/۷۵	غیر مجلد	اپریل ۱۹۶۹ء	۱۳۵۰	

نکتہ سنجان را صلوائے عام دہ
از نیچے آئیے پیغام دہ

پیشکش

اُن سب انخوانِ دینی کی خدمت میں — جو

”نبی اُمّی“ سیدنا حضرت محمدؐ کی (فداہ اُمّی و ابی و روحی و نسلی) پر
ایمان رکھتے ہیں

اور آپ کی ہدایت اور اُسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں اپنی اور تمام اولادِ آدمؑ کی
نجات کا یقین کرتے ہیں

اور اس لئے آپؐ کی تسلیم اور طرزِ زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں
آئیے

علم و شعور ہی کے راستے سے مجلسِ نبویؐ میں حاضر ہو کر
آپؐ کے ارشاداتِ سنیں!

اور

اس چشمہٴ انوار سے

اپنے تاریک دلوں کے لئے روشنی حاصل کریں!

عاجز و عاصی

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

فہرست مضامین ”معارف الحدیث جلد ہفتم“ بقید صفحہ

صفحہ	عنوان یا مضمون کا اشارہ
	مقدمہ : ————— از ڈاکٹر میر ولی اللہ دین ایم اے۔ پی ایچ ڈی
۱	سابقہ صدر شعبہ فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی (حیدرآباد)
۱۱	دیباچہ : — از مولف
	کتاب الازکار والدعوات
۱۸-۱۷	شریعت کے نظام میں اذکار ودعوات کا امتیاز اور غرض و غایت
۱۹	ذکر اللہ کی عظمت اور اس کی برکات
۱۹	ذکر اللہ کی عظمت و اہمیت پر قرآن کریم کی روشنی میں شیخ ابن قیم کا روح پرور کلام
۲۸	ذکر اللہ کی عظمت اور برکات کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات
۳۵	دوسرے تمام اعمال خیر کے مقابلہ میں ذکر اللہ کی فضیلت
۳۷	عذاب سے نجات دلانے میں ذکر اللہ سے زیادہ کوئی چیز بھی مؤثر نہیں
۳۸	ذکر لسانی کی فضیلت کی احادیث
۴۰	ذکر اللہ سے غفلت کا انجام حسرت و محرومی اور دل کی قساوت
۴۱	ذکر کے خاص کلمات اور ان کے فضائل و برکات
۴۳	کلمہ تہمید (سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ) کی فضیلت کا راز
۴۶	”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ“ کی جامعیت اور فضیلت
۴۸	زبان پر نہایت اچھے اور آخرت کی میزان میں نہایت بھاری دو کلمے
۴۸	غیر مادی چیزوں کے وزن کا مسئلہ عقل اور تجربہ کی روشنی میں
۵۰-۴۹	بہت مختصر ذکر و تسبیح کا وہ طریقہ جس کے ذریعہ لمبے وظیفوں سے زیادہ ثواب حاصل کیا جاسکتا ہے
۵۲	”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی خاص فضیلت اور کلمات ذکر میں اس کا امتیاز
۵۵	کلمہ تہمید ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْخَزَائِرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ کی خاص عظمت و برکت
۵۷	”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ کی خاص فضیلت اور اس کی امتیازی تاثیر

صفحہ	عنوان، یا مضمون کا اشاریہ
۵۹	”اسماؤ حسنی“ اور ان کے بارے میں ایک تحقیقی بحث
۶۷	۹۹۔ ”اسماؤ حسنی“ جو سب کے سب قرآن مجید میں موجود ہیں
۶۷، ۶۹	”اہم اعظم“ اور اس کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی خاص تحقیق
۷۳	قرآن مجید کی تلاوت (جو ذکر اللہ ہی کی ایک اعلیٰ شکل ہے)
۷۴	قرآن مجید کی عظمت
۷۴	اس کائنات کی ہر چیز مخلوق اور غیر اللہ ہے، صرف قرآن ہے جو مخلوق نہیں بلکہ اللہ کی صفت قائم ہے۔
۷۵	جس بندے کو قرآن مجید میں مشغول رہنے کی وجہ سے ذکر و دعا کی فرمت نہ ملے، اللہ تعالیٰ اس کو ذاکرین اور سائلین سے بھی زیادہ عطا فرمائے گا۔
۷۸	اللہ کی نگاہ میں سبک اچھے اور مبارک بستہ قرآن کے متعلمین اور متعلمین ہیں
۸۱	قرآن اور قوموں کا عروج و زوال
۸۴	تلاوت قرآن کا اجر و ثواب (مکمل)
۸۵	تلاوت قرآن کا وہ طریقہ جس سے قلب کو نورانیت اور نسبت مع اللہ نصیب ہو (از شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ)
۸۶	ماہر قرآن کا مقام (مکمل)
۸۷	قیامت میں قرآن پاک کی شفاعت و وکالت
۹۰	خاص خاص سورتوں اور آیتوں کی برکات
۹۴	سُورَةُ فَاتِحَةٍ (۹۱) سُورَةُ بَقَرَةِ (۹۲) سُورَةُ كَهْفِ
۹۶	سُورَةُ يُونُسَ (۹۵) سُورَةُ وَاقِعَةِ (۹۶) سُورَةُ مَلِكِ
۹۸	سُورَةُ الْحَمْدِ تَنْزِيلِ (۹۷) سُورَةُ الْاِطْعَامِ (۹۸) سُورَةُ التَّكْوِيْنِ
۱۰۳	سُورَةُ زُلْزَلِ، سُورَةُ الْكَافِرُوْنَ، سُورَةُ اخْلَاصِ (۹۹) معوذتین
۱۱۰	آیۃ الکرسی (مکمل) بقرہ کی آخری آیات (مکمل) آل عمران کی آخری آیات
۱۱۴	دُعَا
۱۱۵	بندوں کے مقامات میں سبک بلند عبادت کا مقام ہے
۱۱۵	دُعَا عبادت کا جو ہر اور اُس کا خاص مظہر ہے
۱۲۰	دُعَا کا مقام اور اُس کی عظمت (مکمل)
۱۲۰	دُعَا کی مقبولیت اور نافذیت

صفحہ	عنوان، یا مضمون کا اشارہ
۱۲۲	دُعائے متعلقِ ہدایات
۱۲۵	دُعائیں غلبتِ طلبی اور صلہ بازگی کی ممانعت
۱۲۶	حرام کھانے اور حرام پہننے والوں کی دعا قبول نہیں
۱۲۷	وہ دعائیں جن کی ممانعت ہے۔
۱۲۹	موت کی دعا کرنے سے ممانعت کا مطلب اور اس کا عمل
۱۲۹	خاصانِ خدا کبھی کبھی تھاوا کہی کے غلبہ رشوق سے موت کی تمنا کرتے ہیں
۱۳۱	دُعائے چند آداب
۱۳۱	دوسرے کے لئے دعا کرنے سے پہلے اپنے لئے دعا
۱۳۳	ہاتھ اٹھانے کا کرنا (۱۳۱) دعائے پہلے حمد و صلوٰۃ (۱۳۲) دعائے آخر میں آمین
۱۳۴	اپنے چھوٹوں سے بھی دعا کی درخواست کرتی چاہئے
۱۳۵	وہ دعائیں جو خصوصیت سے قبول ہوتی ہیں
۱۳۷	دعا کی قبولیت کے خاص احوال و اوقات
۱۴۱	دعا قبول ہونے کا مطلب اور اس کی مختلف صورتیں
۱۴۴	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں
۱۴۴	حضور کی دعاؤں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے
۱۴۵	نمازیں، اور نماز کے بعد کی جانے والی دعائیں
۱۴۹	تکبیر تحریمہ کے بعد کی افتتاحی دعائیں (۱۴۵)
۱۵۶	قدہ اخیرہ کی بعض دعائیں (۱۵۶)
۱۶۱	ختم تہجد پر حضور کی ایک نہایت جامع دعا
۱۶۷	مختلف اوقات و احوال کی دعائیں
۱۷۷	صبح اور شام کی دعائیں (۱۶۷)
۱۸۷	نیند نہ آنے کی شکایت کی دعا (۱۸۷)
۱۹۱	سوکر اٹھنے کے وقت کی دعائیں (۱۸۷)
۱۹۳	گھر سے نکلنے اور گھر میں آنے کے وقت کی دعائیں

صفحہ	عنوان، یا مضمون کا اشارہ
۵۹۶	مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت کی دعا
۵۹۷	کسی مجلس سے اٹھنے کے وقت کی دعائیں
۶۰۲	بازار جانے کی دعا (۲۰۲)
۶۰۵	کسی مبتلائے مصیبت کو دیکھنے کے وقت کی دعا
۶۰۸	کھانے پینے کے وقت کی دعائیں (۲۰۵)
۶۱۲	نیا لباس پہننے کے وقت کی دعا (۲۱۱)
۶۱۴	نکاح اور شادی سے متعلق دعائیں (۲۱۳)
۶۱۹	سفر پر جانے اور واپس آنے کے وقت کی دعائیں (۲۱۵) - سفر میں کسی منزل پر پہنچنے کے وقت کی دعا
۶۲۱	کسی بستی میں داخلہ کے وقت کی دعا (۲۱۷) - سفر پر جانے والے کے لئے وصیت اور اس کے لئے دعا
۶۲۵	سخت خطرہ کے وقت کی دعائیں (۲۲۳)
۶۳۱	مصابب اور مشکلات کے وقت کی دعائیں (۲۲۵)
۶۳۵	قرض اور تنگ حالی سے نجات کی دعائیں (۲۲۷)
۶۳۷	غصہ کے وقت کی دعا (۲۲۹)
۶۳۸	چھینک آنے کے وقت کی دعائیں (۲۳۱)
۶۳۹	آندھی اور تیز دھند ہوا کے وقت کی دعائیں
۶۴۵	بادل اٹھنے اور بارش برسنے کے وقت کی دعائیں
۶۴۷	بارش کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا (۲۴۱)
۶۵۰	یللہ العتدر کی دعا (۲۴۹)
۶۵۳	جامع اور ہرمہ گیر دعائیں
۶۵۴	اس عنوان کے تحت قریباً ۲۵ صفحات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۵ جامع دعائیں درج کی گئی ہیں جن میں سے ہر دعا دنیا کے لئے ایک عرفانی معجزہ اور امت کے لئے بیش بہا تحفہ ہے، ہر دعا کثرت و وسوسہ سے بھری ہوئی ہے۔
۶۹۲	استعاذہ کی دعائیں
۶۹۲	دنیا اور آخرت کا کوئی شر کوئی فساد کوئی فتنہ اور کوئی بلا اور آفت ایسی نہیں ہے جس رسول اللہ

صفحہ	عنوان، یا مضمون کا اشاریہ
۲۹۲ ۳۰۷	صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی پناہ نہ مانگی ہو اور امت کو اس کی تلقین نہ فرمائی ہو۔ اس سلسلہ کی ۱۵ حدیثیں۔
۲۹۷	”عذاب قبر“ اور ”قنۃ قبر“۔ ”عذاب نار“ اور ”قنۃ نار“ کا فرق
۲۹۸	دولت مندی و خوش حالی اور اسی طرح فقر و تنگدستی نعمت بھی ہے اور قنۃ و آزمائش بھی
۳۰۲	غیر طبعی اور ناگہانی موت کی جن صورتوں کو ”شہادت“ بتایا گیا ہے ان سے پناہ مانگنے کی وجہ
۳۰۶	بیماری اور بڑے اثرات سے تحفظ کے لئے استعاذہ کی دعائیں
	استغفار و توبہ
۳۰۸	توبہ و استغفار کی حقیقت اور ان کا باہمی تلازم
۳۱۱	توبہ و استغفار بلند ترین مقام (۳۰۹)۔ توبہ و استغفار کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ
۳۱۳	گناہوں کی سیاہی اور توبہ و استغفار سے اُس کا ازالہ اور کامل صفائی
۳۱۷	غفارت کے ظہور کے لئے گناہوں کی ضرورت
۳۲۱	بار بار گناہ اور بار بار استغفار کرنے والے (۳۱۷)
۳۲۲	مرنے والوں کے لئے سب سے بہتر تھہر استغفار (۳۲۳)
۳۲۷	عام نوہنیں کے لئے استغفار (۳۲۵)
۳۲۸	توبہ و انابت سے بڑے سے بڑے گناہوں کی معافی
۳۳۱	”تھو آدمیوں کا قاتل سچی توبہ سے بخشد یا گیا“ اس حدیث کے بارے میں ایک اصولی اشکال اور اس کا جواب
۳۳۱	توبہ کرنے والے کافروں اور مشرکوں کے لئے بھی مشورہ رحمت
۳۳۳	توبہ و استغفار کے خاص کلمات
۳۳۹	سید الاستغفار (۳۳۵)
۳۴۲	استغفار کی برکات
۳۴۵	استغفار پوری اُمت کے لئے امان (۳۴۳)
۳۴۶	توبہ و استغفار سے اللہ کتنا خوش ہوتا ہے
۳۴۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیانی فرمائی ہوئی ایک مسافر بدو کی عجیب و غریب مثال
۳۴۸	توبہ کرنے والے گنہگار بندے سے اللہ تعالیٰ کے خوش ہونے کے موضوع پر شیخ ابن المستسیمؒ کا رُوح پرور عارفانہ کلام۔

صفحہ	عنوان، یا مضمون کا اشاریہ
	صلوٰۃ و سلام
۳۵۳	قرآن مجید میں غیر معمولی انداز میں صلوٰۃ و سلام کا حکم
۳۵۴	صلوٰۃ علی الہیم کا مطلب اور ایک اشکال کا حل
۳۵۵	صلوٰۃ و سلام کی عظمت و اہمیت (۳۵۵) - صلوٰۃ و سلام کے بارے میں فقہاء کے مسائل
۳۵۸	درد و سلام کا مقصد (۳۵۸) درد و سلام کی خاص حکمت
۳۵۹	حدیثوں میں درد و سلام کی ترغیبات اور فضائل و برکات
۳۶۵	آپ کے ذکر کے وقت درد سے غفلت کرنے والوں کی محرومی اور ہلاکت
۳۶۹	مسلمانوں کی کوئی نشست ذکر اللہ اور صلوٰۃ علی النبی سے خالی رہونی چاہیے
۳۷۰	درد و شریف کی کثرت قیامت میں حضور کے خدوسی قرب کا وسیلہ
۳۷۱	اگر کوئی بندہ اپنے مقاصد کے لئے دعاؤں کی جگہ بھی درد بھی پڑے تو اس کے سبب مسائل غیبیہ حل ہو گئے
۳۷۳	درد و شریف، عاکی قبولیت کا وسیلہ
۳۷۵	دنیا میں کہیں بھی درد بھیجا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچتا ہے
۳۷۹	قبر مبارک پر جو درد و سلام عرض کیا جائے اس کو آپ خود سنتے ہیں اور دُرد و اول کا پہونچا پا جاتا ہے
۳۸۱	درد و شریف کے خاص کلمات
۳۸۴	ایک عظیم تحفہ درد و ابراہیمی روایت کعب بن عجرہ (۳۸۴) - استدعا صلوٰۃ کے بعد برکت مانگنے کی حکمت
۳۸۷	لفظ "آل" کی تحقیق (۳۸۷) - درد و شریف میں تشبیہ کی حقیقت اور نوعیت
۳۸۹	درد و شریف کا اول و آخر "اَللّٰهُمَّ" - "اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ حَيِّتُ"
۳۹۸	اس درد کے الفاظ کی روایت سیحیت (۳۹۸) - شیخ ابن القیم اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا ایک سو
۴۰۴	درد و شریف کے الفاظ کی بنیادوں پر ہے (۴۰۴) - "اللّٰہی اِلٰہی" کے لقب کی خاص اہمیت اور محبوبیت
	حضرت عبداللہ بن مسعود کا پسندیدہ اور تعلیم فرمودہ ایک بابرکت درد
۴۰۶	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تعلیم فرمودہ ایک خاص درد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں آپ پر پڑھا گیا

تفسیر قرآن

درس قرآن (مکمل سات جلدوں میں مکتب
گھر بیٹے قرآن سمجھئے اور سمجھائیے
نہایت سادہ آغاز میں قرآن کی تعلیم کو پیش کرنے
والا ایک قابل قدر سلسلہ اس کے ذریعہ ہر گھر میں
درس قرآنی جاری کیا جاسکتا ہے۔ عوامی افادیت
کے خیال سے ایک ایک صفحہ کے سبق کی شکل میں
مرتب کیا گیا ہے۔ ہر منزل کی الگ الگ جلد

قیمت مکمل سیٹ - ۶۰/-

فصل الف قرآن

(از مولانا خطہ الرحمن مرحوم)

اہم سابقہ کے سلسلہ میں قرآن کے سامان پر
تاریخ و حدیث اور علوم عمرانی کی مدد سے تفصیلی روشنی
ڈالی گئی ہے اور ان دو اوقات کے ہر ہر پہلو کو باہر
کیا گیا ہے۔ ایسے موضوع پر پورا ایک کتب خانہ ہو۔

قیمت مکمل چار جلد، غیر مکتبہ ۲۸/-

تفسیر قرآن

(از مولانا سید احمد اکبر آبادی)

اس میں خاص طور سے ان لوگوں کی غلطی واضح کر دی گئی جو
حدیث نبوی اور اہل علمین سے بے نیاز ہو کر قرآن کی کج فہم

دعوے کرتے ہیں۔ قیمت - ۴/-

وحی الہی (از مولانا سید احمد اکبر آبادی)

سلسلہ وحی پر محققانہ کتاب جو جم میں وحی اور اس کے
مستقلہ کو شوں پر جدید اسلوب میں بحث کی گئی ہو قیمت - ۳/-

الغفران النجیہ (اردو)

اہل علم کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ فتح تفسیر کے
اصول و مبادی پر شاہ ولی اللہ کا یہ مختصر رسالہ بے نظیر

ہو۔ اس سے قرآن فہمی کی کلید ملے گی آج بھی۔ فائدہ سے

ترجمہ کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۰/-

الاتقان فی علوم القرآن (اردو)

علامہ سیوطیؒ امت محمدیہ کے مشہور مصنفین میں ہیں۔

"الاتقان" ان کی ممتاز ترین تصنیف ہے جس کو ان کا
شاہکار کہا جاسکتا ہے، یہ قرآن فہمی کے لیے بنیادی
کتاب ہے۔ تفسیر قرآن سے متعلق متقدمین کی صد کتابوں
کے علمی جواہرات اس میں محفوظ ہیں۔ بڑے سے بڑے
علماء بھی اس سے مستفید نہیں ہو سکتے۔ دو جلدوں میں

قیمت کامل ۲۶/-

"تفسیر تدبر قرآن" (جلد اول)

(از مولانا امین احسن اصلاحی)

قرآن پاک کی تفہیم کے بارے میں اس کو بجا طور پر
اس دور کا شاہکار کہا جاسکتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے
اس یقین میں اضافہ ہوتا ہے کہ قرآن بے شک اللہ ہی
کا کلام ہے۔ آئینہ کی طباعت بڑا کتابی سا سائز
۹۰۰ صفحات نہایت حسین اور مضبوط جلد، قیمت - ۳۰/-

تفسیر ماجیدی (جلد اول)

(از مولانا عبدالمجید دریا بادی)

مشتمل ہے سورہ فاتحہ و بقرہ و آل عمران، نیا ادیش
مکمل نظر ثانی اور بکثرت اضافوں کے ساتھ۔

صفحات ۹۰۰، صفحات، بڑا سائز، مضبوط جلد

قیمت ۱۸/-

مولانا دریا بادی کے تفسیری سائل

مولانا دریا بادی نے قرآن مجید سے متعلق خاص

خاص موضوعات پر چند مستقل سائل بھی لکھے ہیں
قرآن مجید کے ہر طالب علم کو ان کا مطالعہ کرنا چاہیے

قرآنی شخصیتیں - ۲/۲۵، حوانات قرآنی - ۲/-

قصص و سائل - ۲/-، بشریت انبیاء - ۲/۵۰

کتب خانہ الفت سن، پھری روڈ، لکھنؤ

حدیث نبویؐ اور اس کے متعلقات

بخاری شریف کامل (اردو)

بخاری شریف کو امت نے قرآن مجید کے بعد صحیح ترین اور سب سے زیادہ مستند کتاب مانا ہو گا قابل اعتماد ترجمہ جو بین الممالک اعلیٰ کا خلافت جلد ۴۵۰ ذی قعدة الحجازی (اردو) یہ بخاری شریف کی جامع اور مکمل تفسیر ہے۔

قیمت جلد ۱۳/-

الادب المفرد (اردو)

یہ امام بخاری کی ایک مستقل تصنیف جو حسین بن علی بن ابی اسد صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات و ہدایات اور سنن و معمولات کو جمع کیا ہو جن کا تعلق باب معاشرت و اخلاق سے ہو۔ آپ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کا شوق رکھنے والوں کے لیے قابل قدر تحفہ ہے۔

قیمت جلد ۱۲/-

حصن حصین (ترجمہ متن عربی)

ذخیرہ حدیث میں جمعہ دعائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول و ماثور ہیں وہ سب اس میں جمع کر دی گئی ہیں۔ عملی مشکلات اور دفع بلیات کے لیے اس کا ختم تجربات میں سے ہو۔

قیمت جلد ۱۲/-

کتاب الاثار (ترجمہ اردو)

قریباً نو سو اٹھارہ گراں قدر ذخیرہ جس کو امام اعظمؒ نے چالیس ہزار احادیث و اشعار سے منتخب فرمایا۔

قیمت جلد ۱۲/-

لبوغ المرام (ترجمہ)

حدیث کی مشہور دوسری کتاب جو قیمت جلد ۱۲/- ترجمان السنہ (۴ جلد)

(از حضرت مولانا بدر عالم ہما جس مدنی)

یہ کتاب اپنی شہرت و مقبولیت کی وجہ سے تیار کیے

ہے بنیاد پر قیمت جلد اول ۱۲/- جلد دوم ۱۲/- جلد سوم ۱۲/-

جلد چارم ۱۲/- جلد کے لیے ہر جلد پر دو روپے زیادہ۔

علوم الحدیث (ترجمہ اردو)

اس کتاب کے مصنف لبنان کی پوزیٹی کے پروفیسر ڈاکٹر صبی صالح ہیں۔ ترجمہ غلام احمد صاحب حریری نے کیا ہو، اسے موضوع پر جامع فاضلانہ کتاب ہے۔ اس کے خاص موضوعات یہ ہیں:-

حجیت حدیث — تاریخ تدوین حدیث —

حدیث اسلامی قانون کی بنیاد — اصول حدیث

حدیث کی کتابوں اور ان کے مؤلفین کا قیادت۔

کتاب کی نوعیت کا اندازہ مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا

ہے۔ پانچویں سے زیادہ صفحات، نفیس کاغذ، نہایت

اعلیٰ کتابت و طباعت، قیمت جلد ۱۲/-

عجائبہ نافعہ مع شرح نوائل جامعہ

فن حدیث پر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی

بے نظیر اور مفید ترین تصنیف ہے۔ شرح نے اس

کی افادیت میں بے حد اضافہ کر دیا ہے البتہ کوئی

حدیث کی ان نیکو میڈیا کا جامہ لگا ہو۔ قیمت جلد ۱۵/-

ابن ماجہ اور علم الحدیث

(از فاضل گرامی مولانا عبدالرشید نقوی)

عہد رسالت سے امام ابن ماجہ کے زمانہ تک کی تاریخ

تدوین حدیث اور سنن ابن ماجہ پر تحقیقات تیسرہ قیمت ۸/-

محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے

(از مولانا تقی الدین ندوی مظاہری)

ائمہ اربعہ اور اصحاب صحاح ستہ کا تذکرہ اور

تدوین حدیث کی مختصر تاریخ، شروع میں مولانا سید

ابو الحسن علی ندوی کا مقدمہ۔ قیمت جلد ۴/۵۰

فن اسماء الرجال ائمہ حدیث کا عظیم کارنامہ

مولانا تقی الدین ندوی مظاہری کی دوسری تصنیف

شروع میں مولانا علی میاں ندوی کا مقدمہ۔ حدیث

کے ہر طالب علم کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

قیمت ۵/- ۱۲

کتاب خانہ انفسان، پکری روڈ، کھنڈ

سیرت کی منتخب کتابیں

سیرۃ النبیؐ

از علامہ شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی
از جلد اول تا پنجم دہشتم الموقت ذی طبع ہو قیمت ۱۶/۵
زاد المعاد اردو (چار جلدوں میں)

از حافظ ابن العقیلم

سیرت پاک پر گزشتہ صدیوں میں لکھی جانے والی
کتابوں میں علم و تحقیق کے لحاظ سے زاد المعاد کا سب سے
مقام ہے۔ قیمت مکمل ۴۱/-

الصبح السیر (از مولانا یحییٰ عبدالرؤف دانا پوری)

سیرت نبوی پر نہایت تحقیق اور مستند کتاب قیمت ۱۶/-

دعوت اسلام علامہ اقبال کے استاد سر قاضی

آزاد کی شہرہ آفاق تصنیف پر بیچک آفت اسلام کا

اردو ترجمہ جو سید احمد خان کے ایم اے پر مولوی خاتون

دبوی نے کیا تھا۔ قیمت جلد صورت ۱۰/-

پیغمبر عالم (از مولانا عبدالصمد رحمانی)

۱۰ شخصیت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر ایک

نہایت فاضلہ کتاب ۹/۴۵

رحمت عالم (از علامہ سید سلیمان ندوی)

عوام اور طلبہ کے لیے سیرت کے موضوع پر ایک مختصر لیکن

جاری تصنیف قیمت ۲/-

مقالات سیرت (از ڈاکٹر محمد رفیع صدق قدوسی)

سیرت کے موضوع پر آٹھ گرانقدر مقالوں کا مجموعہ مولانا

علی میاں نے اس کتاب کے مقدمہ میں دل کھول کر خراج

تحقیر پیش کیا ہے۔ قیمت ۵/-

پہلی تقریر سیرت مولانا احمد سعید دہلوی کی سوانح نگار

تقریر ۱/۴۵ دوسری تقریر ۲/۵۰

الف رواق

علامہ شبلی نعمانی کا مشہور و مقبول شاہکار قیمت ۱/۵

صدیق اکبر الفاروق کے جو سیرت صدیقی پر مبنی

ہونے والے غلام مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی اس

فاضلہ کتاب نے پُر کر دیا جو۔ قیمت صورت ۸/-

تاسیخ ردۃ عمدہ تصنیف کی بنیادوں اور نگار

مرکز میرا کی مضمون تاسیخ قیمت ۴/-

حضرت ابو بکر کے سرکاری خطوط ڈاکٹر

خورشید احمد کی فاضلہ تصنیف جو اس وقت زیر طبع ہے۔

حضرت عمر کے سرکاری خطوط از ڈاکٹر

خورشید احمد قیمت صورت ۸/-

حضرت عثمان کے سرکاری خطوط

ڈاکٹر خورشید احمد قیمت ۴/-

حضرت عبداللہ ابن مسعود اور ان کی فہرست

اپنے موضوع پر نہایت ہی مفید اور فاضلہ تصنیف ۴/-

حضرت ابو ذر غفاریؓ (از مولانا مظاہر حسین گیلانی)

مولانا گیلانی مرحوم کے مسلم و غلامان کا آئینہ قیمت ۲/۵

فاطمہ کا چاند (از مولانا عبد الصمد رحمانی) ۲/۲۵

شہید کر بلا از قاضی زین العابدین صاحب مدظلہ

قیمت ۱/۵۰

اشاعت اسلام مولانا حبیب الرحمن عثمانی

سابقہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی مشہور و معروف

تصنیف قیمت صورت ۶/-

خلفاء راشدین اور انہیں نسبت کہ امام کے تعلقات

قیمت ۱/۵۰

اسوۂ حسنہ مولانا ظفر الدین مفتاحی کے قلم سے ۳/-

کتب خانہ اہل سنت کی پوری روداد

اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ

تاریخ فیروز شاہی
فیروز شاہ تغلق کی مملکت
سوانح حیات۔ اس کے
پر شکوہ عہد کا قابل اعتماد تذکرہ اسی دور کے ایک
مصنف کے قلم سے قیمت ۱۱/-
(چار حصوں میں)
مغلیہ دور حکومت
خانی خان نظام الملک
کی منتخب اللباب کا اردو ترجمہ قیمت کا ۱۱/-
(دو جلدوں میں)
سفر نامہ ابن بطوطہ
ابن بطوطہ نے دنیا کی
سیاحت ۲۵ سال کی۔ اس کی سیاحت کے دوران
پیش آنے والے حالات و تجربے ملاحظہ کیجئے۔
ترجمہ از دہلی احمد جعفری ندوی مرحوم۔ قیمت ۲۲/-
مصنف ڈاکٹر
شاہجہاں کے ایام اسیری
پنیر (فرانسیسی)
اور عہد اورنگ زیب
مترجمہ غلیظہ
محمد حسین قیمت ۱۲/-
نژادہ داراشکوہ
سفینۃ الاولیاء کی مشہور و معروف
تالیف جو اس کے رجحانات کا آئینہ ہے۔
قیمت صرف ۴/-
نژادہ العنیں

تاریخ ملت (گیارہ حصوں میں) دہلی کی
شائع کردہ۔ عہد رسالت سے سلاطین ہند تک کی
مکمل تاریخ۔ قیمت مکمل ۲۵/-

تاریخ اسلام پر ایک نظر فاضلانہ کتاب
قیمت ۴/-

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء
مصنف یحیٰ یحیٰ علی شاہ
قیمت ۴/-

تاریخ ہند پر نئی روشنی
قیمت ۲/-

کتاب خانہ افستار لکھنؤ

دس جلدوں میں مکمل
تاریخ طبری (اردو) قیمت کامل سیٹ ۱۵۰/-
۱۵ جلدوں میں مکمل
تاریخ ابن خلدون (اردو) قیمت کامل سیٹ ۱۱۵/-
تلفظہ تاریخ پر
مقدمہ تاریخ ابن خلدون (اردو) عظیم النظر کتاب
قیمت ۱۵/-

خلافت نبو امیہ (دو جلدوں میں) جسٹری کی
تاریخ کامل سے اردو ترجمہ قیمت ۲۲/-

تاریخ تمدن اسلام (دو جلدوں میں) کی شہرہ
آفاق کتاب کا اردو ترجمہ قیمت ۲۰/-
انگریزوں نے سیاسی اغراض کے
آئینہ حقیقت کا بنیے مسلمان بادشاہوں کے تذکرہ
کے جو نامے لکھے ہیں ان کی حقیقت
سے پردہ اٹھا دیا ہے۔ ان کو لانا اگر شاہ خان نجیب آباد
قیمت ۱۵/-

تاریخ فاطمین مصر (دو جلدوں میں) کی فاطمی تصنیف
سے انگلی جوئی تاریخ۔ از جناب ڈاکٹر زاہد علی کنگھوڑ
قیمت مکمل ۳۰/-

تاریخ غرناطہ ترجمہ از عظیم احمد اشرف ندوی
قیمت اول ۱۲/- دوم ۱۲/-
ترجمہ عنایت اللہ دہلوی
امیر تیمور قیمت ۱۲/-

تاریخ مختصات قیمت ۴/-

۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامہ
قیمت جلد ۵۰/-
قیمت جلد ۶۰/-

ندوة المصنفین علی کی مطبوعات

۲۳/-	فہات القرآن (مکمل ۶ جلدوں میں)
۱۵۰/-	تہذیب قرآن
۱۱۰/-	دہشہ قرآن
۶۱۰/-	قرآن اور تفسیر سیرت
۸۱۰/-	اسلام کا اقتصادی نظام
۵۱۰/-	اسلام کا نظام عفت و عصمت
۵۱۰/-	اسلام کا زرعی نظام
۵۱۰/-	اسلام کا نظام مساجد
۸۱۰/-	اسلام کا نظام حکومت
۵۱۰/-	اسلام میں غلامی کی حقیقت
۸۱۰/-	غلامان اسلام
۸۱۰/-	تاریخ ادبیات ایران
۸۱۰/-	تاریخ گجرات
۶۱۰/-	تاریخ علم فقہ
۶۱۰/-	لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر
۱۱۰/-	اشراقی اور فلسفہ اخلاق
۵۱۰/-	اعلم والعلماء
۲۱۰/-	سیرت النبی
۳۱۰/-	عروج و زوال کا اہل نظام
۱۸۱۰/-	مہضبات اللغات جلد علی ۲۰/- غیر جلد علی
۶۱۰/-	مسلمانوں کا عروج و زوال
۶۱۰/-	مسلمانوں کا نظم و حکومت
۱۱۰/-	مسلمانوں کا نظام تعلیم تربیت جلد اول ۹۱۰/- جلد دوم ۹۱۰/-
۳۱۰/-	نیل سے فرات تک
۲۱۰/-	ہندوستان شاہان علیہ کے عہد میں

دار المصنفین اعظم گڑھ کی مطبوعات

۶۵۰/-	سیرۃ النبی، ۲ جلد اول، ۲ جلد دوم، ۲ جلد سوم، ۲ جلد چہارم، ۲ جلد پنجم، ۲ جلد ششم، ۲ جلد ہفتم، ۲ جلد ہشتم، ۲ جلد نواں، ۲ جلد دہواں
۴۱۰/-	سیرۃ الانصار اول ۳۱۰/- دوم ۴۱۰/-
۵۱۰/-	سیرۃ الصحابہ ششم ۶۱۰/- ہفتم ۵۱۰/-
۸۱۰/-	اسوۃ صحابہ اول ۶۱۰/- دوم ۸۱۰/-
۱۱۰/-	سیرۃ الصحابیہ ۳۱۰/- تابعین ۱۱۰/-
۳۱۰/-	اہل کتاب صحابہ و تابعین
۲۲۶/-	تاریخ اسلام مکمل چار جلدوں میں
۱۹۱۰/-	تاریخ دولت عثمانیہ کامل
۱۸۱۰/-	تاریخ تغلیہ کامل (۲ جلدوں میں)
۸۱۰/-	تاریخ اندلس
۱۰۱۰/-	تاریخ فقہ اسلامی
۶۱۰/-	اسلام کا سیاسی نظام
۶۱۰/-	ہماری بادشاہی
۶۱۰/-	گجرات کی تہذیبی تاریخ
۶۱۰/-	الغزالی
۵۱۰/-	الملاون
۵۱۰/-	سیرت عمر بن عبدالعزیز
۵۱۰/-	حیات شبلی
۱۹۱۰/-	محمد علی کی درباری مکمل
۱۸۱۰/-	مقالات سلیمانی
۱۰۱۰/-	صاحب اشعری
۱۶۲۵/-	ہندوستان کے عہد وسطی کی ایک جھلک
۱۳۱۰/-	ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تہذیبی خیالات
۶۱۰/-	ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تہذیبی کارنامے

کتاب خانہ الفتان پکری روڈ لکھنؤ

فقہ و فتاویٰ

علم الفقہ از حضرت مولانا عبدالشکور صاحب ۱۶/۱
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل در تہ مولانا مفتی محمد شفیع
صاحب قیمت ۲۱/۰
فتاویٰ رشیدیہ کامل ۸/۰
تالیخ علم فقہ ۲۱/۲۵

تصوف و اصلاح نفس

تزکیہ نفس از مولانا امین احسن اصلاحی ۶/۱
تبلیغ دینی از امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ۲/۵۰
ارشاد السالکین از مولانا عبدالباقر چوہدری ۱۱/۵۰
کلمات اکابر از مولانا اسحاق بنارسی ۱۱/۵۰
وحدة الوجود والشہود ۱/۰
وجہ و سماع ۱/۳۷
شائم ابدیہ ۲/۰
مکتوبات شیخ الاسلام کامل ۱۶/۵۰

احتقاق حق و ابطال باطل

تقریر دلیلیہ از مولانا محمد قاسم نانوتوی ۲/۵۰
تحقیق مذاہب از مولانا طبع الحق دیوبندی ۲/۰
اثبات النبوة از مجدد الف ثانی ۲/۰
تحفہ اثنا عشریہ (اردو) ۱۵/۰
تقویۃ الایمان (کلام) ۱۲/۰
برہین قاطعہ از حضرت مولانا خلیل احمد ۵/۰
رد بدعت از مجدد الف ثانی ۱/۲۵
بدعت کیا ہے از مولانا حامد عثمانی ۲/۰
چالیس بدعتیں ۶۲/۰

انگریزی زبان میں دینی کتابیں

دہات اسلام از مولانا محمد شفیع عثمانی
ترجمہ از ڈاکٹر محمد آصف قدوائی قیمت ۸/۰
اسلام ایک قیمتی اینڈ پریکٹس از مولانا محمد منظور عثمانی
ترجمہ از ڈاکٹر محمد آصف قدوائی قیمت ۸/۰
اسلام اینڈ دی ورلڈ از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
ترجمہ از ڈاکٹر محمد آصف قدوائی قیمت ۱۳/۰
سلسلہ ان انڈیا از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
ترجمہ از ڈاکٹر محمد آصف قدوائی ۶/۰
قادیانہ از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۷/۰
لائف آف محمد ۱۰/۰
دی درجوہ از شیخ الحدیث علامہ ۲/۵۰
دی اسٹوڈنٹ آن صحابہ (حکایات صحابہ) ۵/۰
دی بلیسڈ پرافٹ (رحمت عالم) ۲/۰
ٹیکس آن دی پرافٹ (قصص النبیین اول) ۱۶/۰
اسلام ایٹ دی کراس روڈ ۲/۰
اے کال ٹو مسلم ۵/۰
اے گریٹ انکلیش اسلام ۱۲/۰

لغات

مصباح اللغات عربی اردو دکنشری
از مولانا عبدالحفیظ بیادی بچاس ہزار سے زیادہ
عربی الفاظ کی تشریح قیمت جلد ۲۰/۰
اردو عربی دکنشری از مولانا عبدالحفیظ بیادی
اردو عربی جدید از پیش نظر ثانی ادیبی اضافہ ۱۶/۰
قاموس القرآن انتقادی زمین العابدین سکادمیری ۱۰/۰

کتب خانہ الفتان، پچھری روڈ، لکھنؤ

تصانیف مولانا بیگم ابوالحسن علی ندوی

انسانی دنیا پسندوں کے عروج و زوال کا اثر۔

اردو - ۶۶ انگریزی - ۱۳۶

تذکرہ مولانا مفتی ابوالحسن گنج مراد آبادی قیمت ۲/۵۰

تاریخ و دعوت و عزیمت سوم - قیمت مجلد - ۶/-

مولانا حضرت رائے پوری - قیمت - ۶/-

ہندوستانی مسلمان اردو - ۵۶ انگریزی - ۶/-

تاریخیت - اردو - ۴۴ عربی - ۴۴ انگریزی - ۶/-

اسلامیت و مغربیت کی کشمکش - قیمت - ۵/-

کاروانِ مدینہ - قیمت - ۳/-

تصانیف مولانا احمد سعید دہلوی

جنت کی کھجی - قیمت - ۲/۵۰

دوزخ کا کھٹا - قیمت - ۲/۵۰

موت کا جھٹکا - قیمت - ۵/-

رسول کی باتیں - قیمت - ۲/-

مشکل کشا - قیمت - ۲/۵۰

پردہ کی باتیں - قیمت - ۱/۳۰

جنت کی ضمانت - قیمت - ۱/-

خدا کی باتیں - قیمت - ۲/۸۰

پہلی تقریر سیرت - قیمت - ۱/۴۵

دوسری تقریر سیرت - قیمت - ۲/۵۰

تصانیف مولانا عبد الباقی ندوی

تجدیدِ دین کا - قیمت - ۶/-

تجدیدِ تعلیم و تبلیغ - قیمت - ۲/-

تجدیدِ معاشیات - قیمت - ۵/-

تجدیدِ نسوت و سلوک - قیمت - ۵/-

تصانیف حضرت شاہ ولی اللہ

”حجۃ اللہ الباقیہ“ کا مئی دو جلدوں میں مجلد

اصل عربی متن کے ساتھ اردو ترجمہ از علامہ عبدالحق

صاحبہ فقیر خانی قیمت ۳۶

”ازالۃ الخفا“ اردو ترجمہ دو ضخیم جلدوں میں مجلد - ۳۶

تصانیف حضرت حکیم الامت تھانوی

تعلیم الدین قیمت ۱/۴۰

حیات المسلمین قیمت ۱/۴۰

اصلاحِ ابروم قیمت ۱/۹۰

اعمالِ قرآنی مترجم قیمت ۱/۶۰

بہشتی زیور - کامل - غیر مجلد قیمت ۱۲/-

مواظعت - کامل قیمت ۵/۵۰

دین کی باتیں قیمت ۲/۸۰

تصانیف حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا علی

تبلیغی نصاب - مجلد چہم ۴/۵۰

سادہ ۶/-

مکاتبات صحابہ - اردو - ۱/- - انگریزی ۳/۵۰

خصائلِ نبوی - شرح مشکاۃ ترمذی - ۶/-

فضائلِ ناز قیمت ۱/۸۰

فضائلِ رضوان - ۱/۵۵ - فضائلِ قرآن - ۱/۶۰

فضائلِ ذکر - ۱/۶۰ - فضائلِ حج - مجلد - ۲/۵۰

فضائلِ تبلیغ قیمت ۶/۳۰

فضائلِ صداقت - مجلد چہم (کامل) - ۴/۵۰

فضائلِ درود شریف قیمت ۱/۴۵

الاعتدال فی مراتب الرجال (اسلامی ریاست) - ۳/۵۰

کتاب خانہ انفتیان، کچہری روڈ، اکھنور

[illegible]

مِنْهُ كَانَ كِتَابُ الْفُرْقَانِ، كُورِنْ، وَدَوَّاسُ هَبْرُؤَ

市

چکوان کے
عُمدہ تیلوں میں
آپ کی خاص پسند

پوسٹ میں برائڈ
صاف کیا ہوا مونگ چلی کا تیل
۳۰۶۱ اور ۵۵۵ کلو

عُمدہ وناستی
۳۰۶۱ اور ۱۶۶۵ کلو

ستلوا، ستل کا تیل
۳۰۱۲ اور ۱۵۵۵ کلو

بلڈ خالص ناریل کا تیل
۳۰۱۲ اور ۲۴ کلو

کوکو جار

صاف کیا ہوا ناریل کا تیل

۳۰۱۲ اور ۵۵۵ کلو

امی سلاؤ تیل

۳۰۱۲ اور ۵۵۵ کلو

اسمڈ مرلز، بمبئی ۸

فَتَكُونُ
مَرُومًا

مَرْحُومًا

عَلَيْهِ السَّلَامُ

قرآن آپ کی کیا کہتا ہے؟

مکتبہ المصنفین مولانا محمد منظور عثمانی

بلاشبہ قرآن مجید کی دعوت و تعلیم پوری انسانیت کے لئے آبِ حیات ہے، لیکن ہماری دنیا اس سے نامشنا ہے یہاں تک کہ اسکو ”کلامِ الہی“ ماننے والی اُمت کی غالب اُمتیت پر بھی اس سے بیگانہ ہے

(یہ کتاب)

اسی صورت حال کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔

- یہ قرآنی دعوت اور اس کی اہم تعلیمات کا ایک جامع خلاصہ ہے۔
- جس میں ۲۰ عنوان کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت مؤثر اور روح پرور شرحات کیساتھ پیش کیا گیا ہے۔
- خاص طور پر قرآن کی دعوت و توحید کی بیان اس کتاب کا شاہکار ہے۔
- بالکل ایک نئے طرز کی کتاب ہے، جو قرآن کی دعوت سے روشناسی کے ساتھ ساتھ قرآن کے اعجازِ بیان کا بھی لذت شناس کرتی ہے۔

نہایت اعلیٰ کتابت و طباعت، عمدہ کاغذ، ۲۰۰ صفحات، مجلد مع گرد و پیش، قیمت ۵-۰۰

کے متعلقہ الفاظ قرآن لکھتے ہیں

First Edition, 1960

سَالَا نَهَ جَنْدَه
غیر ممالک
۵ اشلائگ
ہوائی ڈاک کے لیے مزید
محصول ڈاک کا اضافہ

لکھنؤ
دفتر افشان
ماہنامہ
۴۰ پیسے

سَالَا نَهَ جَنْدَه
ہندوستان سے ۴/۵۰
پاکستان سے ۴/۵۰
ششماہی
ہندوستان سے ۴/-
پاکستان سے ۴/-

جلد ۳ | بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ مطابق جون ۱۹۶۹ء | شمارہ ۳

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحہ
۱	نگاہ اولیں	عقیق الرحمن سنبھلی	۲
۲	یک دو ساعت صحبتے با اہل دل	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۲۱
۳	پردہ اور شہر آں مجید	مولانا امین احسن اصلاحی	۲۸
۴	حضرت شیخ شہاب الدین ہمدانیؒ دعایا اور نصائح کے آئینے میں	مولانا نسیم احمد فریدی امرہوی	۴۷
۵	ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم	مولانا محمد منظور نعمانی	۵۳

اگر اس دائرہ میں سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہو کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہو۔ براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ادارہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ کوئی دوسری اطلاع ۳۰ جون تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ دیہی ارسال ہوگا۔
پاکستان کے خریدار :- اپنا چندہ ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور صرف ایک ماہہ کارڈ کے ذریعہ ہم کو اطلاع دے دیں ڈاک خانہ کی رسید بھیجنے کی ضرورت نہیں۔
غیر خریداری :- براہ کرم خود کتابت اور سی آرڈر کوپن پر اپنا تبرع خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے
تالیف اشاعت :- الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے مہینہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر تالیف کسی صاحب کو ملے تو فوراً مطلع کریں اس کی اطلاع ۸ تالیف تک آجانی چاہیے اسکے بعد سالانہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر ہوگی۔

دفتر افشان، پچھری روڈ، لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر، ایڈیٹر و پراپرٹری توئیر پرس میں چھپو کہ دفتر الفرقان پچھری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نگاہِ اولیں

از _____ عتیق الرحمن منجلی

_____ (گزشتہ سے پیوستہ) _____

تحریک پاکستان کی حمایت، جن لوگوں نے ملت کے دنیوی مفاد کے علاوہ، بقول مولانا دیوبند "اس فرب نفس" یا خوش فہمی کے ماتحت بھی کی کہ "جب حکومت اپنی ہوگی تو لازمی طور پر قانون اسلام رائج ہوگا"۔ ان میں سے عوام تو صاف معذور قرار دیے جاسکتے ہیں کہ وہ کہلاتے ہی مکالاف نام "ہیں۔ لیکن پڑھے لکھے اور ہوشمند خصوصاً اہل دین اور اہل علم دین کے لیے بظاہر کوئی عذر نہیں بنتا کہ ان کے لیے اس غلط فہمی کی کیا گنجائش تھی! اسلامی حکومت اور اسلامی اخوت کے لیے عصر حاضر کی پیدا کردہ مشکلات اور نئے عمرانی تصورات کی فتنہ سامانیوں کا انھیں علم و ادراک نہ سہی، لیکن تحریک کی خالص دنیوی اساس اور قیادت کی مدین سے نادانیت، پھر اس کی غیر اسلامی حیات و معاشرت۔ اور اسی کے ساتھ عام طور پر ملت کی بھی اس پہلو سے ناگفتہ بہ حالت، کیا یہ چیزیں اس غلط فہمی کو رد کرنے کے لیے کچھ کم تھیں (کہ جب حکومت اپنی ہوگی تو لازمی طور پر دہان اسلام حکمران ہوگا اور معاشرہ اسلامی اصولوں میں ڈھلے گا)۔

مولانا دیوبندی زید مجدہم کی تحریر فی الواقع تو یہ تاثر بھی دیتی ہے کہ تحریک پاکستان کی

بنیاد ہی دینی دھڑی کو اس پر اسلامی حکومت کی تعمیر کا خواب دیکھا جاتا۔ لیکن اس تاثر کے مقابلہ میں جس تاثر کا زیادہ گہرا نقش قائم ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ جو چیز اس اپنی حکومت کے اطلاق حکومت بننے میں حائل ہو گئی وہ اصل میں خارجی فضا کی ناسازگاری تھی جس نے نسلی و لسانی، جغرافیائی و معاشی تفرقہ کا زہر پھیلا کر کسی مذہبی رابطہ کو اس اس مملکت بننے کی پوزیشن میں نہیں رہنے دیا ہے۔ اور پھر اس کا مطلب کچھ ایسا نکلتا ہے کہ تحریک کی غیر دینی اساس اور غیر دینی قیادت کے باوجود اگر خارجی فضا سب راہ نہ ہوتی تو پاکستان ایک اسلامی حکومت کے سانچہ میں ڈھل سکتا تھا۔

مولانا کا اگر ایسا ہی خیال ہے تو اس سے ادب کے ساتھ اختلاف ہے۔ جدید آفاقی تمدن کی اس فضائے بیشک آج کسی بھی خطہ زمین میں اسلامی حکومت کے قیام کو بہت مشکل بنا دیا ہے۔ لیکن اس مشکل "کو ناممکن کے معنی میں لینا تو ایک ضرورت سے زیادہ مایوسی ہے۔ اسلامی حکومت کے قیام کو ناممکن بنانے والی چیز صرف ان شرائط کا فقدان ہے جن کا تقاضا اس نظام حکومت کی فطرت کرتی ہے۔ یہ شرائط پورے ہو رہے تو پھر کسی خارجی مانع میں یہ طاقت نہیں کہ ان کے فطری نتیجہ کو روک سکے۔ اصل میں معاملہ ادل سے آخر تک تمام ہی شرائط کے فقدان کا تھا اور ایسے میں خارجی حالات کی عدم مزاحمت تو کیا ساری دُنیاں کہ خواہش مند بھی ہوتی تو نیک دل لوگوں کا یہ خواب اسی طرح اپنی تعمیر کے لیے ترستا اور تڑپتا رہتا۔ قصور جدید آفاقی تمدن کا بالکل نہیں، خطا اپنی ہی تھی کہ اس کا سبیل کو انگوڑی کی سبیل سمجھ بیٹھے اور بڑی دلغزب امیدیں اس بھرے خوشوں کی باندھ لیں۔ حالانکہ بات کھلی ہوئی تھی کہ جب تحریک کو قوم میں اسلامی زندگی کی جدوجہد کوئی واسطہ نہیں، اسلامی مزاج اور آداب کا اس میں کوئی گورنر نہیں، قائد تحریک کا نہ ذہن دین سے آشنا، نہ عمل۔ اور قوم کی غالب اکثریت عظیمی باعث رسوائی پیغمبر ہیں، کا مصداق! تو آخر اس تحریک سے حاصل ہونے والا اقتدار کیونکر حکومتِ اکہیہ کا نمونہ بن سکے گا؟

۱۰ واضح رہے کہ یہاں تحریکِ پاکستان سے وابستہ دُنوی امیدوں سے کوئی بحث نہیں ہے۔ جو کچھ گھٹو گھٹو دینی امیدوں اور دینی خوابوں کی ہے۔

یہ بات انی جاسکتی ہے کہ ان سب خامیوں کے باوجود جب نعرہ اسلامی حکومت کا لگ رہا تھا اور کم از کم عوام (حقیقت ناآشنائی کے ساتھ ہی سہی) اسی جذبہ سے سرشار ہو کر مطالبہ پاکستان کا دم بھر رہے تھے۔ اور لیڈروں کے ہاے میں بھی یہ فرض کر لینے کی کوئی قطعی بنیاد نہیں تھی کہ ان نعروں سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں کا کبھی انھیں احساس ہی نہیں ہو سکتا، تو یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ قیام پاکستان کے بعد جب نظام حکومت کا مسئلہ آئے گا تو تحریک کا دینی عنصر کچھ انعام و نفیم کی مدد سے اور کچھ عوام کی پرورش تائید کے دباؤ سے (جس کی امید بجا طور سے کی جاسکتی تھی اور جسے پورا کرنے کا موڈ بھی عوام کے ایک بڑے طبقے نے قیام پاکستان کے فوراً بعد بخیرگی کے ساتھ دکھایا) نظام حکومت کو اسلام کے راستہ پر ڈالنے میں (تحریک کا یہ دینی عنصر) کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن اس توقع کے ساتھ یہ اندیشہ بھی ہر حال کوئی مخفی حقیقت نہیں تھا کہ اصل قیادت کو پتہ نہیں احساس ذمہ داری کی توفیق ملے یا نہ ملے، یا اس کے ذہن میں اسلام کا کوئی ایسا تصور بوجہ طور سے جاگزیں ہو جس میں یورپ کے فیض یافتہ "عموماً مبتلا ہوتے ہیں۔ اور جو اصل اسلام کے لیے ایک آفت جہاں ہے۔ تو پھر دینی عنصر کی کیا چل پائے گی (جبکہ یہ یوں بھی رکاب دار ہیں اور اقتدار کے لئے پُر اس کی کھنچاں بھی اسی غیر دینی قیادت کے ہاتھ میں ہوگی جس کے رسائل سے کام لے کر وہ عوام کو فریب بھی دے سکتی ہے۔ اور اپنی بے پناہ مقبولیت کے زور پر طرح طرح کے چالوں سے عوام کو اس دینی عنصر سے برگشتہ کر دینے میں بھی اس کی کامیابی بعید از قیاس نہیں ہے۔

برصغیر کے سب سے زیادہ موثر اور فعال دینی عنصر کو اس نے اپنی مخالفت پر ایسے حربوں ہی سے اسلم عوام میں بری طرح جرح کر کے انحراف رکھ ہی دیا تھا! — یہ امکانات کا ایک بالکل تحقیقی اور بدیہی پہلو تھا۔ پیش پا افتادہ حالات و واقعات اس سے آگاہی دے رہے تھے۔ مگر بڑے بڑے دانشور اہل علم و نظر ان آگاہیوں کو ان سنی کرتے ہوئے ان فردوں کے ہمنوا بن ہی گئے کہ پاکستان کا مطلب ہے "ایک اسلامی حکومت۔ اقامت شریعت۔ اور احیاء خلافت!

کیا شبہ ہے کہ یہ ایک ماتم انگیز کم نظری تھی — ایسی فریب خوردگی تھی جس پر جتنی بھی

حجرت کی جائے کم ہے۔ محترم مولانا عبدالماجد صاحب نے جو کچھ بھی اس پر لکھا ہے، وہ ذرا بھی ایک واقعی حقیقت کے اعتراف سے زیادہ نہیں، حقیقت یہی ہے کہ ہماری بے پناہ توانائیاں، ہمارے حیاتِ آفریں جوصلے اور تلاطم خیز دلوں، اصل میں اسلام ہی کے نام پر تحریکِ پاکستان کی نذر ہوئے، حالانکہ جو چیز اس تحریک کی ساخت میں سب سے کم یقینی تھی، وہ اسلام ہی کی سر بلندی تھی۔ اور یہ ایک ایسی بدھی حقیقت تھی جسے محسوس کرنے کے لیے دینے کچھ واقفیت اور عقلِ عام سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت ہرگز نہ تھی!

لیکن ہماری اس بد قسمتی کا تو جواب ہی نہیں کہ جس نقطہ پر عقل و فکر کا یہ المیہ تمام ہوا، وہیں سے ایک دوسرے المیہ کا باب کھل گیا جو اس سے کہیں زیادہ ماتم خیر تھا اور جس میں ہر روز ایک نیا درد قشال ہو رہا ہو۔ اب یہ ایک باب ”نہیں ہا، کتاب بن گیا ہو۔ ایسی ضخیم کتاب جسے متعین کا مورخ پتہ نہیں کتنی جلدوں میں قلمبند کر سکے!۔ اس اجمال کی کچھ تفصیل، کسی دوسرے پر تنقید کے لیے نہیں، خود تنقیدی کے جذبے سے حوالہ قراں ہو۔ خدا کے لیے اسی نظر سے اے دیکھئے! کوئی بری نیت ہمیں نہ تلاش کیجئے۔

عین اُس وقت جبکہ مطالبہ پاکستان کا نعرہ اُٹھا، ملت اسلامیہ ہند کے فکری انق پر ایک نیا ستارہ ایک نئی تابش کے ساتھ اُبھر اُٹھا۔ اس نے مطالبہ پاکستان کی ابتداء سے پہلے ہی متحدہ قومیت دے آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے خطرات کے بڑے بھیاںک پہلو سامنے لا کر اُن اُن اُن کے ”سوادِ اعظم“ کی تشکک آمیز نگاہیں اپنی طرف کھینچ لی تھیں۔ اُس کے دلائل کی قوت اور اسلوب بیان کی طاقت نے ”متحدہ قومیت“ کے حامیوں پر بڑے مخصوص کی کیفیت طاری کر دی تھی۔ اور پاکستان کا نعرہ اُٹھا تو اُس کے حامیوں اور علبرداروں کو کم از کم منفی دلائل کی پہلے سے پوری طرح تیار زمین مل گئی تھی لیکن ادھر یہ نعرہ اُٹھا اور ادھر اُس کے تشکیکیں تیور اُس کے مقابل ہو گئے۔ پاکستان کا مطلب بتایا گیا: ”لا الہ الا اللہ“ یعنی وہ سر زمین جہاں اللہ کا حکم چلے گا۔ اس سحر انگیز نعرہ پر اُسے پوری قوم رتھان نظر آئی۔ ارباب عقلِ خود اور اہل علم و نظر کو بھی اس نے دیکھا کہ اس طوفان میں اُن کے ننگے ٹوٹ رہے ہیں۔

حالا کہ اُس کی نظر میں تحریکِ پاکستان سے ”خودِ رِغ“ لا الہ الا اللہ کا کوئی

امکان نہ تھا۔ اُس کی تنقید اور تقسیم کا رخ اب اُسی بحرِ پورِ طریقہ پر اُن لوگوں کی طرف پھیر گیا جو اب تک اس کے مدح خواں اور قہداں تھے۔

اس نے کہا کہ: اسلامی حکومت کا نصب العین بے شک سب سے بلند تر سیاسی نصب العین جو ایک مسلمان قوم کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں کہ وہ اسلام کا قانون نافذ کرنے کے لیے آمادہ جہد ہو۔ لیکن اسلامی حکومت ایسی تحریکوں سے تو قائم نہیں ہوتی جیسی تحریک پاکستان کے لیے اُٹھی جو اس کے لیے تو ایک بالکل ہی دوسری طرح کی تحریک کی ضرورت ہے۔ اُس نے کہا:

(۱) "یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک درخت اپنی ابتدائی گوبل سے لے کر پورا درخت بنے تک تو ملیں کی حیثیت سے نشوونما پائے، مگر بارگودری کے مرحلے پر پہنچ کر یکایک اُم کے پھل دینے لگے۔ اسلامی حکومت کسی عجز کی شکل میں صادر نہیں ہوتی۔ اس کے پیدا ہونے کے لیے ناگزیر ہے کہ ابتدا میں ایک ایسی تحریک اُٹھے جس کی بنیاد میں وہ نظریہ حیات، وہ مقصد نہدگی، وہ معیار اخلاق، وہ سیرت، وہ کردار ہو جو اسلام کے مزاج سے مناسبت رکھتا ہو۔ اُس کے لیڈر اور کارکن صرف وہی لوگ ہوں جو اس خاص طرز کی انسانیت کے سانچے میں ڈھلنے کے لیے مستعد ہوں۔ پھر وہ اپنی جہد و جد سے سوسائٹی میں اُسی ذہنیت اور اُسی اخلاقی روح کو پھیلانے کی کوشش کریں۔ پھر اسی بنیاد پر تعلیم و تربیت کا ایک نیا نظام اُٹھے جو اس مخصوص ٹائپ کے آدمی تیار کرے۔ اس سے مسلم سائنسٹ، مسلم فلسفی، مسلم نوآرخ، مسلم ماہرین مالیات و معاشیات، مسلم ماہرین قانون، مسلم ماہرین سیاست، غرض ہر شعبہ علم و فن میں ایسے آدمی پیدا ہوں جو اپنی نظر و فکر کے اعتبار سے مسلم ہوں

اس دماغی پس منظر کے ساتھ یہ تحریک علاؤ اُس غلط نظام زندگی کے خاتمہ جہد و جد کے جو کردہ پیش پھیلا ہو ہے۔ اس جہد و جد میں اس کے علمبردار مصیبتیں اٹھا کر، سختیاں جھیل کر قربانیاں کر کے، مار لکھا کر اور جانیں دے کر اپنے مخلصوں اور اپنے ارادے کی مضبوطی کا ثبوت دیں۔

..... اس طرح کی جادو جگہ
 سوائی کے وہ تمام عناصر جن کی نظرت میں کچھ بھی نیکی اور راستی موجود ہے، اس تحریک میں کھینچ آئیں گے
 پست میٹر لوگوں اور ادنیٰ درجہ کے طریقوں پر چلنے والوں کے اثرات تحریک کے مقابلہ میں بہت
 چلے جائینگے عوام کی ذہنیت میں ایک انقلاب دوڑنا ہوگا۔ اجتماعی زندگی میں اس مخصوص نظام
 حکومت کی بیاس پیدا ہو جائے گی۔ اور اس بدلی ہوئی سوسائٹی میں کسی دوسرے
 طرز کے نظام کا چلنا مشکل ہو جائے گا۔ آخر کار ایک لازمی اور طبعی نتیجہ کے طور پر یہی
 نظام حکومت قائم ہو جائے گا جس کے لیے اس طور پر زمین تیار کی گئی ہو۔
 اسلامی نظام حکومت اور دوسری قسم کی حکومتوں میں ہر ہر پہلو سے فرق بتاتے ہوئے
 اُس نے کہا کہ :-

(۲) ”وہ اپنی جڑ سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی شاخوں تک ہر چیز میں دنیوی حکومتوں
 (Secular States) سے بالکل مختلف ہے۔ اس کی ترکیب، اس کا مزاج،
 اس کی نظرت کوئی چیز بھی ان سے نہیں ملتی۔ اس کو بنانے اور چلانے کے لیے ایک
 خاص قسم کی ذہنیت، خاص طرز سیرت اور خاص نوعیت کے کردار کی ضرورت ہو۔
 اس کی فوج، اس کی پولیس، اس کی خارجی سیاست، اس کے صلح و جنگ کے معاملات،
 سب کے سب دنیوی ریاستوں سے مختلف ہیں، ان کی عدالتوں کے جج اور ججٹس
 اس کی عدالت کے کلرک، بلکہ چیر اسی تک بننے کے اہل نہیں ہو سکتے۔ ان کی پولیس کے
 انسپکٹر جنرل و اہل کانسٹیبل کی عہدہ کے لیے بھی موزوں نہیں ٹھہرتے۔ ان کے جنرل اور
 فیلڈ مارشل و اہل سپاہیوں میں بھرتی کرنے کے قابل نہیں..... غرض وہ
 تمام لوگ جو ان حکومتوں کے کاروبار چلانے کے لیے تیار کیے گئے ہوں، جنگی اخلاقی
 اور ذہنی تربیت ان (دنیوی حکومتوں) کے مزاج کے مناسب حال کی گئی ہو، اسلامی
 حکومت کے لیے قطعی ناکارہ ہیں، اس کو اپنے شہری، اپنے دوڑ، اپنے کونسلر، اپنے
 اہلکار، اپنے سپاہی، اپنے جج اور ججٹس، اپنے محکموں کے ڈائریکٹر، اپنی فوجوں کے
 قائد، اپنے خارجی سفراء اور اپنے وزیر، غرض اپنی اجتماعی زندگی کے تمام اجزاء اپنی

انتظامی شین کے تمام پرزے بالکل ایک نئی ساخت کے درکار ہیں.....
 اُس نے پاکستانی تحریک کے لائحہ عمل اور اُس کے دینی غوروں کے تضاد پر انگلی رکھتے ہوئے کہا کہ:-
 (۳) ”ہمارے ہاں یہ سمجھا جا رہا ہے کہ بس مسلمانوں کی تنظیم تمام درودوں کی دوا ہے۔
 ”اسلامی حکومت“ یا آزاد ہندوستان میں آزاد اسلام“ کے مقصد تک پہنچنے کی سبیل
 یہ سمجھی جا رہی ہے کہ مسلمان قوم جن افراد سے مرکب ہے وہ سب ایک مرکز پر جمع ہوں
 متحد ہوں اور ایک مرکزی قیادت کی اطاعت میں کام کریں لیکن دراصل یہ قوم پرتلا
 پروگرام ہے۔.....

..... اس کے نتیجے میں ایک قومی حکومت بھی سر
 آسکتی ہے اور بدو براتل وطنی حکومت میں اچھا خاصہ حصہ بھی لے سکتا ہے لیکن اسلامی
 انقلاب اور اسلامی حکومت کے مقصد تک پہنچنے کے لیے یہ پہلا قدم بھی نہیں بلکہ اٹھ
 قدم ہے۔

یہاں جس قوم کا نام مسلمان ہے وہ ہر قسم کے رطب و یابس لوگوں سے بھری ہوئی
 ہے کیر کر کے اعتبار سے جتنے ناپ کا فرقوں میں پائے جاتے ہیں۔ اتنے ہی اس
 قوم میں بھی موجود ہیں۔ عدالتوں میں جھوٹی گواہیاں دینے والے جس قدر کا فرقوں میں
 فراہم کرتی ہیں غالباً اسی تناسب سے یہ بھی فراہم کرتی ہے۔ رشوت، چوری، زنا، جھوٹ
 اور ددسرت تمام ذمائم اخلاق میں یہ کفار سے کچھ کم نہیں ہے۔ بیٹ بھرنے اور دولت
 کمانے کے لیے جو تدبیریں کفار کرتے ہیں وہی اسی قوم کے لوگ بھی کرتے ہیں ایک مسلمان
 وکیل جان بوجھ کر حق کے خلاف اپنے نوکل کی بیری دی کہتے دقت اتنا ہی خدا کے خون
 سے خالی ہوتا ہے جتنا ایک غیر مسلم وکیل ہوتا ہے۔ ایک مسلمان دس دس دولت پا کر یا
 ایک مسلمان عہدیدار حکومت پا کر وہی سب کچھ کرتا ہے جو غیر مسلم کرتا ہے۔ یہ اخلاقی
 حالت جس قوم کی ہو اُس کی تمام کالی اور سفید بھیروں کو جمع کر کے ایک منظم
 گڈ بنا دینا اور سیاسی تربیت سے اُن کو لوہڑی کی ہوشیاری سکھانا یا فوجی تربیت
 سے اُن میں بھیرنے کی دوندگی پیدا کرنا جنگل کی فرازدادی حاصل کرنے کے لیے

تو ضرور مفید ہو سکتا ہے اگر میں نہیں سمجھتا کہ اس سے اعلا کلمۃ اللہ کس طرح ہو سکتا ہے۔.....

اس تنقید کے جواب میں جو باتیں حامیانِ پاکستان کی طرف سے کہی جاتی تھیں اور اپنی دینی امیدوں کو کچھ نہ کچھ حق بجانب ثابت کرنے کی جو کوشش یہ لوگ کرتے تھے، اس کا تذکرہ کرتے ہوئے بھی ایسے ہی بے چلک انداز میں کہا گیا کہ یہ سراسر خام خیالی ہے۔ یہ ناممکنات کا خواہیج۔ یہ تاثرات بخ اور اجتماعیات کے ابدی تجروں کی نفی ہے! — لیجئے اصل الفاظ پڑھیے:-

(۴) ”بعض لوگ یہ خیال غاہر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ غیر اسلامی طرز ہی کا سہی، مسلمانوں کا قومی اسٹیٹ قائم تو ہو جائے پھر دفعہ دفعہ تعلیم و تربیت اور اخلاقی اصلاح کے ذریعہ اس کو اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ مگر میں نے تاریخ و سیاسیات اور اجتماعیات کا جو تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے اس کی بنا پر میں اس کو ناممکن سمجھتا ہوں۔ اور اگر یہ منصوبہ کامیاب ہو جائے تو میں اس کو ایک معجزہ سمجھوں گا۔ حکومت کا نظام اجتماعی زندگی میں بڑی گہری جڑیں رکھتا ہے۔ جب تک اجتماعی زندگی میں تغیر واقع نہ ہو کسی منصوبہ کی تدبیر سے نظام حکومت میں کوئی مستقل تغیر پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ عرب بن عبد العزیز جیسا زبردست فرمانروا جس کی پشت پر تابعین اور تبع تابعین کی ایک بڑی جماعت بھی تھی، اس ممالک میں قطعی ناکام ہو چکا ہے کیونکہ سوسائٹی سختیت مجموعی اس اصلاح کے لیے تیار نہ تھی۔ محمد تغلق اور عالمگیر جیسے طاقتور بادشاہ اپنی شخصی زندگی کے باوجود نظام حکومت میں کوئی تغیر نہ کر سکے۔ مامون الرشید جیسا باجبروت حکمران نظام حکومت میں نہیں صرف اس کی ادبی شکل میں نہایت سی تبدیلی پیدا کرنا چاہتا تھا اس میں بھی ناکام ہوا۔ یہ اس وقت کا حال ہے جبکہ ایک شخص کی طاقت بہت کچھ کر سکتی تھی۔ اب میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ جو قومی اسٹیٹ جمہوری طرز پر تعمیر ہوگا وہ اس بنیادی اصلاح میں آخر کس طرح مددگار ہو سکتا ہے۔ جمہوری حکومت میں اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں آتا ہے جن کو دوزخوں کی پسندیدگی حاصل ہو۔ دوزخوں میں اگر اسلامی ذہنیت اور اسلامی فکر نہیں ہے۔ اگر وہ صحیح

اسلامی کیرکمر کے عاشق نہیں ہیں۔ اگر وہ اس بے لاگ عدل اور ان بے لچک اصولوں کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں جن پر اسلامی حکومت چلائی جاتی ہے، تو ان کے دونوں سے کبھی مسلمان قسم کے آدمی منتخب ہو کر پارلیمنٹ یا اسمبلی میں نہیں آ سکتے۔ اس ذریعے سے اقتدار ان ہی لوگوں کو ملے گا جو مردم شناری کے رجسٹر میں چارے مسلمان ہوں، مگر اپنے نظریات اور طریق کار کے اعتبار سے جن کو اسلام کی ہوا بھی نہ ملے گی۔

یہ سینکڑوں صفحات میں سے بطور ”مثبت نمونہ از خرداب“ ہے۔ تنقید و تفہیم اور جرم و قصص سے لبریز یہ تحریریں سنہ ۱۳۸۵ء میں ایک چشمہ کسار کی گھن گرج اور ایک تندہ بے پناہ کے ساتھ اہل رہی تھیں متحدہ قومیت اور نیشنلزم دالے آواز دہندستان ہی میں آواز دی اسلام کا یقین رکھنے والوں میں سے بھی کچھ لوگ ان حلوں سے اُکھڑ گئے تھے جو ان کے فکر پر اس قلم نے پہلے کیے تھے، اب اُس کے مقابل دوسرے حلقے سے کچھ لوگ منظرِ نازل ہوئے۔ ایک قلیل تعداد متذبذب اور بین بین کی تھی، وہ بھی اس آواز کی طرف متوجہ ہوئی اور ایک نئی تحریک کی بنیاد پڑی جو مسلمانوں کو اُس راہِ عمل کی دعوت دے گی جس سے صحیح معنی میں اسلامی حکومت وجود میں آتی ہے۔ اندازہ کیجئے کہ معاملہ کو کس قدر سوچ سمجھ کر یہ لوگ اس نئی تحریک میں آئے ہوں گے! بلاشبہ سینکڑوں صفحات پڑھ کر۔ اور کسی جذبہ بانی اپیل کے بجائے دلائل کی قوت سے متاثر ہو کر مسائل کے تجزیہ اور نتائج پر یقیناً پورے شعور کے ساتھ مطمئن ہو کر، انھوں نے اس نئی دعوت کو لبیک کہا تھا۔ یہ تصور بھی کرنا مشکل ہو کہ ان میں سے کوئی سرسری فکر سے داعیِ تحریک کا ہر کاب ہو گیا تھا۔ اور قیاس و گمان کی کیا بات! اُس ابتدائی دور دالے ہی نہیں، بعد میں جو لوگ چلی گامی پر بیٹھے ہیں ان سے بھی پوچھئے تو اپنا طرہ امتیاز یہی بتائیں گے کہ ہر طرح سوچ سمجھ کر اور بہت کچھ پڑھ کر اس تحریک سے انھوں نے رشتہ جوڑا ہے۔ تحریک کی بنیاد ہی اُس ابتدائی دور کے سراسر استدلالی لٹریچر پر ہے۔

لیکن اس مکمل شعوری تحریک کا حشر دیکھئے جس کا ہر فرد نظریاتی نفی و اثبات کے ایک ایک پہلو پر حادی تھا۔ جو دو آنے، چار آنے کی ممبری کا فام بھر کر رکیت کی سند نہیں پا گیا

تھا، بلکہ حکومت اسلامی کی حقیقت اور اُس کے وجود میں آنے کے طریقہ کا ٹھیک اس طور پر
ادراک کر کے، جس طور پر ان سب چیزوں کو داعی تحریک نے سیکڑوں صفحات میں پیش کیا تھا۔
_____ اور اس ادراک کے ماتحت اپنے فرائض اور طرز عمل کا بھی داعی کی تصریحات ہی
کے مطابق احساس کر کے، باقاعدہ بارگاہ خدادندی میں عہد و حلف کے ذریعہ یہ سب لوگ
تحریک میں شامل ہوئے تھے!

پاکستان کے لیے مسلم لیگ کی تحریک ۱۳۸۵ھ تک چلتی رہی۔ اور یہ دوسری تحریک سادہ
ہی ساتھ وجود میں آئی تھی، اپنے نظریات کی مثبت اشاعت کے ضمن میں آخر تک اس خیال کی نفی
کرتی رہی کہ پاکستان سے ایک ”اسلامی“ حکومت کی بنیاد پڑے گی اور ”نسلی مسلمانوں“ کا وہ
مجموعہ جس پر پاکستانی علاقے شتمل ہوں گے، اپنی حدود و جہ اخلاقی، علی اور فکری کج خرمیوں کے
باد و اور ان تمام اہمیتوں کے فقدان کے باوجود، جو ایک ”اسلامی“ حکومت کو چلانے کے لیے
دروکار ہیں۔ اسلام کے اُس نظام حکومت ہی کو اپنی ملکیت کے لیے منتخب کرے گا جو انتہائی بے
لاگ قانونوں اور بے لچک اصولوں کا مجموعہ ہے اور جسے چلانے کے لیے بیچے سے ادھرتک خالص
اسلام کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ایک نئی مشینری ناگزیر ہے۔ چنانچہ اس بے لاگ اور بے لچک
لہ۔ آخر تک نفی، مگر ایک مثال یہ کہ ۲۵ اپریل ۱۳۸۵ھ کو اس تحریک کے ایک لیڈر نے تحریک کے ایک اہم اجتماع
میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

”اگر آپ فی الواقع نظام اسلامی کے خواہاں ہیں تو پہلے اپنے آپ کو اور اپنے لوگوں کے دلوں کو بدلے دو۔
ان جسموں کو برائیں گے جن میں وہ دھڑک رہے ہوں گے۔ پھر وہ اجسام اپنے گھروں اور خانہ لاؤں اور بیٹیوں اور شہزادوں
برائیں گے جن میں وہ رہتے ہوں گے۔ انکی سیرتیں، ان کی صورتیں، ان کے معاملات، تعلقات، سیاست، تجارت، معاشرت
اور تمدن ہر شے بدلتی جائیگی تا آنکہ وہ ایک ایسی روایتی اور جماعت بن جائیں گے کہ ان کے اندر کسی دوسرے نظریہ زندگی
کا عملاً چلنا محال اور نا ممکن ہو جائیگا۔ اور وہ نظام اسلامی وجود میں آئے گا جس کا ہر جز اسلامی اور ہر جز ستر
پا اسلام ہوگا۔ اسلامی نظام ہمیشہ اسی طرح برپا رہے گا اور آئندہ جب کبھی قائم ہوگا، اسی طرح ہوگا جو لوگ اسکے سوا کسی
دوسرے طریقہ کو بھی اسلامی نظام کے قیام کا ذریعہ سمجھتے ہیں وہ سخت دھوکے میں ہیں اور ہم کو کشش کر رہے ہیں کہ ان کے اس
دھوکے کو جلد از جلد دور کریں۔“

نظریہ کی بنا پر پاکستان کی تحریک سے زندہ برابر پھردی اس نئی تحریک نے ہمیں دکھائی۔ اس کی نظر میں یہ پھردی ایک کارعبت ہی نہیں، اپنے آپ سے دشمنی تھی۔ کہہ نہ جیا کہ کہا گیا تھا، 'یہ بگڑے ہوئے اور نفس پرست مسلم معاشرہ کے دو ٹوٹے تو:

”اختیار ان ہی لوگوں کو ملے گا جو مردم شناسی کے رجسٹر میں چاہے مسلمان ہوں، مگر اپنے نظریات اور طریقہ کار کے اعتبار سے جن کو اسلام کی ہوا بھی نہ ملے گی۔“ لے اور پھر اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا تھا کہ:

”اس قسم کے لوگوں کے ہاتھ میں اختیار آنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم اُنہی مقام پر نہیں ہیں جس مقام پر غیر مسلم حکومت میں تھے۔ بلکہ اس سے بھی بڑے مقام پر، کیونکہ وہ ’قومی حکومت‘ جس پر اسلام کا نام لکھا تھا، اسلامی انقلاب کا راستہ روکنے میں اس سے بھی زیادہ جری اور بے باک ہوگی جتنی غیر مسلم حکومت ہوتی ہے۔ غیر مسلم حکومت جن کا مول پر قید کی سزا دیتی ہے، وہ ’مسلم قومی حکومت‘ ان کی سزا بھیانوسی اور جلا وطنی کی صورت میں دیگی اور پھر بھی اس حکومت کے لیڈر جیسے جی غازی اور مرے پر رحمہ اللہ علیہ جاری رہیں گے۔“

اس بے لاگ اور انتہائی صاف توقع کے عالم میں نظریہ پاکستان (تقریباً اچانک) ایک واقعہ بن جاتا ہے اور اس دوسری تحریک کا ہیڈ کو اور بھی نوشتہ تقدیر ہے، اسی پاکستان میں متصل ہونے پر مجبور ہوتا ہے۔ رکنیت کے انتہائی سخت معیار کی بنا پر اور پھر عام طور پر مسلمانوں کے لیے تحریک پاکستان کی بے پناہ جاذبیت کے نتیجے میں، اس دوسری تحریک کو ابھی افراد ہی کہاں ہیما ہوئے تھے، کہ تقسیم نے اس منہی بھر جمیعت کی بھی کم سے کم نصف طاقت سے ہیڈ کو اور کو محروم کر دیا۔ اب اس کو اپنے واضح نظریات اور نہایت بے لاگ خیالات کی رو سے کیا کرنا تھا؟ دیہا! جیسے آپ اس مضمون میں پیش کیے گئے پہلے ہی اقتباس میں پڑھائے ہیں! اور کس حد

لے یہ اقتباس اور پروچکا ہے۔ آگے کا اقتباس اُسی عبارت کا حصہ ہے جو اس وقت چھوڑ دیا گیا تھا۔

سب راہ ثابت ہوگی؟

مگر پاکستان بنتے ہی اور اس میں قدم رکھتے ہی یہ جماعت، جو مسلمانوں کے علمی، اخلاقی اور فکری حال کو کسی طرح بھی اس قابل سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھی کہ اُس پر ایک اسلامی حکومت کی عمارت کھڑی کی جاسکے جو حضرت عمر بن عبدالعزیز (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے تجربہ کا حوالہ دیتی تھی کہ اپنی زبردست شخصیت اور مکمل حاکمانہ حیثیت، نیز اپنی پشت پر تابعین، متبع و تابعین کی ایک بھاری جمعیت اور خیر القرون کی قربت کے باوجود نظام حکومت کے انقلاب کی مہم میں صرف اسی لیے قطعاً ناکام ہوئے کہ ”سوسائٹی کی حیثیت مجموعی اس اصلاح کے لیے تیار نہ تھی“ جس کے امکان کا گویا عقیدہ تھا کہ ”جب تک اجتماعی زندگی میں تغیر واقع نہ ہو کسی مصنوعی تدبیر سے نظام حکومت میں کوئی مستقل تغیر نہیں پیدا کیا جاسکتا۔“ جو ایک اسلامی اسٹیٹ وجود میں لانے اور ایک دن سبھی کا مباحی کے ساتھ چلانے کے لیے اتنی طویل اور ہمدردی قلمی مجددہد کو شرط لازم قرار دیتی تھی کہ چیرا سی سے لے کر صدر جمہوریہ تک کی مشینری کے لیے ایک ایک پرزہ اسلام کے سانچے میں ڈھل کر تیار ہو جائے۔ اور ماہرین الیات و مہاشیات اور ماہرین قانون و سیاست ہی نہیں، مورخین و فلاسفہ اور سائنسدانوں تک کی ایک پوری فوج ایسی وجود میں آجائے جو اپنے اپنے شعبہ میں اسلام کا بول بالا کرنے والی ہو۔ جو اس کھیل پر بھی کان دھرنے کو تیار نہیں تھی کہ ایک دفنہ اگر قومی بنیاد پر ہی کوئی مسلم اسٹیٹ قائم ہو جائے تو ”دفتہ رفتہ“ تعلیم و تربیت اور اخلاقی اصلاح کے ذریعہ سے اس کو اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ ”یہی جماعت — پاکستان بنتے ہی — اپنی تمام علمی توذائیوں کے ذریعہ اس یقین کا اظہار کرنے لگی کہ مسلمانوں کے اس قومی اسٹیٹ کو تو محض مطالبوں اور غوروں کے جادو سے ایک اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

پاکستان کو وجود میں آئے ہوئے نقطہ چھ ہی مہینے ہوئے تھے، اور اس جماعت کی قیادت کو ہاں پہنچے ہوئے، اس سے بھی کم کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی سے یہ مطالبہ شروع ہو گیا کہ پاکستان کے ”ایک اسلامی حکومت“ ہونے کی قرارداد پاس کی جائے — یعنی ایک قومی حکومت

پر ”اسلام کا“ دسی ”نمائشی لیبل“ جلد سے جلد چپا کر دیا جائے جس پر سب سے بڑا اعتراض تھا اور جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ یہ چیز ایک نام نہاد مسلم حکومت کو ”اسلامی انقلاب“ کا راستہ روکنے میں ایک غیر مسلم حکومت سے بھی زیادہ جری بنادیے والی ہے۔ اس مقصد کے لیے خود اُسی شخصیت نے پاکستان کے بڑے بڑے شہروں کے سرگرم دروے کئے جس نے یہ ساری باتیں اپنی جماعت کا دین دایمان بنائی تھیں، پبلک جیلے منعقد کر کے لوگوں کو ابھارا کہ وہ پورے زور و شور سے اپنی مطالبہ کی نغم میں جماعت کا ہاتھ بٹائیں اور پاکستانی قیادت کو اس آئینی اعلان پر مجبور کریں کہ پاکستان کا نظام حکومت اسلامی نظام ہوگا۔

پاکستان کے نعرہ پر تو مسلمان ”دیوانہ“ ہی اس تصور میں ہوا تھا کہ اسلام کی حکومت بنے گی۔ مسلم لیگ کی قیادت نے آنا کافی کی تو وہ قدرتی طور سے اس مطالبہ کے پر جوش ہمنوا بن گئے جس کے لیے مسلم لیگ کے علماء کا طبقہ بھی اپنی زبرداری کے تحت سرگرم تھا چنانچہ ایک ”قرارداد مقاصد“ کی شکل میں یہ ہم کسی حد تک کامیابی سے ہمکنار ہو گئی۔ اس قرارداد کی نوعیت کیا تھی اور کس دل سے پاس کرنے والوں نے پاس کی تھی؟ حقیقت تو اس قدر جانے، مگر خود مطالبہ کے قائم اور داعی انقلاب اسلامی کے کا تبصرہ اس پر یہ تھا کہ:

”ان حضرات کے قرارداد مقاصد پاس کرنے کی حیثیت بالکل ایسی ہے جیسے کوئی

میں صاحب کسی مسلمان نواب یا رئیس زادے سے نکاح کرانا چاہے اور وہ اپنے اور اپنی اولاد کے لیے وراثت کے حقوق اور مسلمان سوسائٹی میں برابری کے حقوق حاصل کرنے کے لیے کلمہ اسلام پڑھ لے لیکن نہ اس کلمہ سے پہلے اُس کی زندگی میں کوئی تغیر آئے اور نہ اُس کے بعد کوئی تبدیلی رونما ہو جیسی میں صاحبہ وہ پہلے تھیں ویسی ہی میں صاحبہ وہ بعد میں رہیں۔“

”در حقیقت یہ ایک ایسی بارش تھی کہ نہ جس کے پہلے کوئی گھٹا اٹھی اور نہ جس کے بعد کوئی اونچائی پیدا ہوئی۔ اس قرارداد کے پاس ہونے کے دو چار دن پہلے تک بھی اس بات کے کوئی آثار نہیں تھے کہ کوئی واقعہ ہونے والا ہے۔ اس بارش

سے پہلے ٹھنڈی پرواہ نہیں چلی۔ بلکہ اس کے پرس جانے کے بعد معلوم ہوا کہ ایک حادثہ
تھا جو کیا اور گزر گیا۔" ۱

اس قرارداد کے بارے میں ایسی رائے نہ صرف رکھنے، بلکہ اعلیٰ اعلان اُس کا اظہار کرنے کے
باجوہ، کہا گیا کہ اُس کے دہی صحن میں جو لالہ اکا اللہ محمد رسول اللہ کے ہیں۔ اور بھڑٹ
کہ دیا گیا کہ

"اس سلسلے کو ادا کرنے کی وجہ سے ہماری ریاست اصولی حیثیت سے اسلامی ہو گئی ہے۔"

پاکستان بننے کے بعد کی یہ عملی پالیسی جو اس جماعت نے اپنائی، صحیح تھی یا غلط؟ اس سے
دفعے میں اسلامی انقلاب کی منزل قریب ہوتی تھی، یا یہ پالیسی راستہ بہک جانے کے مترادف
تھی؟ ان سوالات سے اس وقت کوئی بحث نہیں ہے، دیکھنے کی بات یہاں صرف یہ ہے کہ مسلم
لیگ کی تحریک سے بننے والے پاکستان کے بانیوں میں جن خیالات کا اظہار شدہ سے لیکر
شدہ تک ایک بے پناہ قطعیت کے انداز میں کیا جاتا رہا تھا، اُن خیالات اور اس پالیسی
میں بالکل مشرق و مغرب کی سمتوں جیسا تضاد تھا یا نہیں؟ اور اس پالیسی کو جماعت کے اساسی
نظریات سے بالکل روگردانی کے سوا، کوئی بھی دوسرا نام دینا ممکن ہے؟ — لیکن قارئین
نے تو جو کچھ بھی سوچ سمجھ کر یہ راہ اختیار کی ہو، حیرت اس پر ہے کہ متبعین میں سے ایک کی بھی
آواز سننے میں نہیں آئی کہ یہ ہمارا قافلہ ایک دم سے کس طرف مڑ گیا؟ حالانکہ، جیسا اور یہ
بات واضح ہو چکی ہے کہ ان میں سے ایک ایک پوری طرح، اس نئی تحریک کے نفی و اثبات کو
سمجھ کر اس میں آ رہا تھا۔ اور پاکستان کے بارے میں تو پوری صراحت کے ساتھ ان لوگوں کا
ذہن یہ بنایا گیا تھا کہ (مسلم لیگ کے جیسے طریق کار اور اس کی جیسی قیادت کے ذریعہ)
اس کے دہو میں آنے پر ہمیں اپنی منزل کے لیے کوئی شارٹ کٹ (آسان و مختصر راستہ)

۱۔ یہ دونوں اقتباس براہ راست اصل نسخہ سے نہیں لیے جاسکے ہیں، اس لیے ایک واسطہ پر اعتماد
کیا گیا ہے اور یہی نوعیت واسطہ کے حاشیہ میں درج شدہ اقتباس کی ہے جو حالانکہ اس کی صحت ان کے
آجائے گی۔ ۲۔

نہیں ل جائے گا۔ بلکہ وہی اور اسی طرز کی طویل جہد بھی دہاں بھی کرنی پڑے گی جو پاکستان نہ بننے کی صورت میں ناگزیر ہے! — انھیں بتایا گیا تھا کہ یہ ایک ”لیموں کا“ پورا نصب کیا جا رہا ہے اور درخت بن کر اس پر لیموں ہی کا پھل آسکتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی کہے کہ ”باداوری کے مرحلے“ میں اس سے ”آم کے پھل“ بھی لیے جاسکیں گے، تو اس دلوانے کی بات پہ نہ جانا۔ — انھیں بتایا گیا تھا کہ یہ مسلمانوں کا ایک ”قومی اسٹیٹ“ بنے جا رہا ہے، اس کے بارے میں اسلامیت کے عمود پرست دیکھ جانا۔ اس کی اسلامیت بس ایک ”نمائشی لیبیل“ ہوگی اور اس لیبیل کے ساتھ ایک نام نہاد مسلم حکومت اسلامی انقلاب کے راستہ میں اُس سے بھی بڑی رکاوٹ ہے۔ جتنی بڑی رکاوٹ ایک غیر مسلم حکومت ہو سکتی ہے۔ لیکن ان ساری تفصیلات و تحقیقات کے باوجود پورا قافلہ بغیر ادنیٰ چون درچراہی نہیں غایت جو شش کے ساتھ اس ہم پہ کھڑا ہو گیا کہ اس ”نام نہاد مسلم اسٹیٹ“ پر حقیقی مسلم اسٹیٹ کا لیبیل لگوانے کے رہا جائے۔ اور اس ”لیموں کے درخت“ یہ وہ جادو کیا جائے کہ پھل اس پہ سب کے سب نہیں تو تھوٹے بہت تو آم کے بھی ضرور آدیں! پچان چو حاکمیت الٰہی کی قرار داد کا کالیبل اس قومی اسٹیٹ پہ لگو، کہ یہ لوگ مطمئن ہو گئے کہ اب اس ”لیموں کے درخت“ سے ”آم کے پھل“ لیے جاسکتے ہیں۔ اور پھر جب فصل کا دقت آیا تو یہ پورے اطمینان ہی کے ساتھ دوڑے کہ آموں ہی سے جھولیاں بھر کر لائیں گے۔

یعنی قیام پاکستان کے چوتھے ہی سال (۱۹۵۱ء) میں پنجاب اسمبلی کے انتخابات کا اعلان چھوٹے پر اس جماعت نے بھی طے کر لیا کہ وہ اس میدان میں اترے گی۔ مادہ کم از کم ایک صوبے کی زمام حکومت کے لیے معرکہ آرائی کا جو موقع مل رہا ہے اس میں اسلامی اصولوں کے ساتھ وہ اپنے بس بھر پوری کوشش کرے گی کہ حکمران جماعت نہ سہی تو ایک قابل لحاظ سیاسی طاقت ہی بن کر اس معرکہ سے اُبھرے۔

کوئی شبہ نہیں کہ حصول طاقت کے اس پار لیمائی معرکہ میں جماعت نے اُن اسلامی اصولوں کی بڑی سختی سے پاسداری کی جنھیں اُس نے پاکستان بننے سے قبل کے دعوتی دور میں

اسلامی سیاست کے لیے ضروری بتایا تھا۔ مگر یہ بات جماعت کے کسی فرد کو اس توقع پر یاد نہ آئی کہ ان اسلامی اصولوں کی بار آوری کیلئے، ایک خاص قسم کی زمین پہلے تیار کرنے کو بھی تو ضروری ٹھہرایا گیا تھا۔ یہ بھی تو کہا گیا تھا کہ ہماری مسلم سوسائٹی کی حالت ہر پہلو سے بگاڑ کے اس نقطے پر پہنچی ہوئی ہے کہ جب تک اسے ایک طویل صبر کا زامہ اور سچھوت جہد و جدوجہد کے ذریعہ اوپر سے چھتک بولا نہیں جائے گا، اس میں کم از کم جہولہی انتخاب کے راستے تو مصلحت کے برسرِ اقتدار آئیں گی کوئی شکل نہیں ہے جتنی کہ اس حال کو ٹھیک فہم کرنے والوں یا کسی دوسرے راستے سے ایسی سوسائٹی میں برسرِ اقتدار آجائے کی سوچنے والوں کو یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ آج کی مسلم سوسائٹی میں تو ایسے اقتدار کی کامیابی کا سوال ہی کیا، تابعین شیخ تابعین کا دور تھا، عربیہ و عجمیہ بھی محبوب و محترم شخصیت حکمران تھے، جس نے اپنے پیشرو کی طرف سے نازدگی کے ذریعہ صاحبِ اقتدار ہو جانے کے بعد عاتاتِ اسلامیہ کے مجمع میں دستبرداری کا اعلان کرتے ہوئے انھیں اپنی مرضی سے کسی کو بھی خلیفہ بن لینے کی آزادی دی۔ لہذا اس پر بھی سب نے بیک آواز اُسی کا قلابہ اطاعت اپنی گردنوں میں ڈالے رکھنا منظور کر لیا، اور وہ تھا ایک شخص کی مرضی سے بہت کچھ ہو سکے کا دور بھی تھا لیکن سوسائٹی، بحیثیت مجموعی چونکہ اس کے اصلاحی منصوبے کو قبول کرنے کیلئے تیار نہ تھا اس لیے اسے قطعاً "کامیابی نہیں ہو سکی۔ یہ بار بار اور دہر دہر سے دہی ہوئی تھام آگاہیاں دیگران رافضیت، بیکہ رہ گئیں اور جماعت، خود اپنے ہی خیال کی رو سے ایک "زمین شور" میں "سنبل" آگاہی کی حد و حدود کی طاق سے جُٹ گئی جس کا انجام وہی ہوا جس سے یہ لوگ خود ہی نہیں آگاہ تھے بلکہ دوسروں کو بھی خبیث چچ کر آگاہ کرنے کی خدمت چھ سات برس انجام دیتے رہے تھے۔ یعنی ایک سیٹ بھی نہ ملی اور اسلامی اصولوں کی ساری چمک دمک، خاک میں مل گئی، انکی اخلاقی اہلیں ایک مسلم سوسائٹی میں اس طرح بے اثر ہو کر رہ گئی جیسے مردوں پر کب حیات کا پھر کا وہ انھیں زندگی نہیں دے سکتے۔ نہیں! نہیں! کہئے کہ اسلامی اصول، ایک سلمان تو تم میں ٹھہرا دیے گئے، ان اصولوں کے ساتھ دوٹ مانگنے والے اس قابل بھی نہ ٹھہرے کہ انھیں سب نہیں چھو سکتیں ہی تو تم نے دیتی حالانکہ یہ وہی قوم تھی جس نے اسلامی دستور اور اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے میں ان لوگوں کا اسی طرح ساتھ دیا تھا جس طرح پاکستان کے مطالبہ میں مسلم لیگ کا!

یہ المیہ کیسے وقوع میں آیا؟ بالکل دیس ہی اور انھیں اسباب کے ماتحت، جن اسباب کے ماتحت پاکستان سے خارجہ دینی امیدوں کا وہ المیہ جس کا نام مولانا عبدالمجید صاحب داریا بادی نے کیا ہے۔ (باقی)

لے یہ الفاظ اس جماعت کے سربراہ کے ہیں اور نہ صحیح تعبیر یہ ہے کہ سوسائٹی کا وہ بھی بھر حصہ اصلاح کیلئے تیار نہ تھا جو اس دور میں خلیفہ گری کرتا تھا۔ کہ فارسی کا ایک نصیحت آمیز شعر ہے۔

زمین شور سنبل بر نیار و دروخم محل ضائع گردان

ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم جس طرح ہندوستان کے دوسرے وزیر اعظم شری لال بادر شاستری اپنے عہدہ پر ڈیڑھ ہی سال گزارنے کے بعد، یکایک قلبی حملہ کا شکار ہو کر ڈر اسی دیر میں چل دیے تھے۔ ملک کے تیسرے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب بھی اپنے پانچ سالہ عہدہ کے دو سال پورے کرنے سے قبل ہی اسی طرح آٹا ناٹا زندگی کے آخری انجام سے دوچار ہو گئے۔ بقاؤ خدا سے پاک ہی کے لیے ہے۔ امتحان کچھ بھی ہو جائے، موت کی دسترس کے لیے اس کے کچھ ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے حسنت کو قبول فرمائے اور لغزشوں سے درگزر کرے۔

ڈاکٹر صاحب اپنی طلیت اور دوسرے اوصات و کمالات کا وجود جو کسی زمانہ میں گئے بنے لوگوں کو ہکا بیکسرتے ہیں نیز ذاتی دینداری اور شرعی وضع قطع کے باوجود اپنے ایک خاص مسلک کی بنا پر مسلمانوں میں عام طور سے وہ قدر و منزلت نہیں رکھتے تھے جو ان کے علمی مقام، عالی دماغی اور دوسرے بلند اوصات کی بنا پر ہونی چاہئے تھی خصوصاً صدر جمہوریہ ہند کے عہدہ پر فائز ہونے کے بعد تو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ایک بڑی خلیج حائل ہو گئی تھی۔ اور اس حقیقت کو چھپانے سے کوئی فائدہ نہیں کہ ان کی موت پر اظہار ملال کرنے والوں میں حقیقتہً رنجیدہ ہونے والے کم اور دم ادا کرنے والے زیادہ تھے۔ بظاہر ڈاکٹر صاحب صدر جمہوریہ بننے کے بعد سوچنے لگے کہ اپنے آپ کو کسی انجام کے لیے راضی کر لیا تھا کس نیت سے راضی کر لیا تھا؟ اس کا حال خدا ہی جان سکتا ہے۔

ان دنوں کے جس خالص طرز عمل نے ڈاکٹر صاحب کے اور مسلمانوں کے درمیان دوری بڑھائی ہے (کوئی اچھی سے اچھی بھی تو جہیز کر کے) اسلامی نقطہ نظر سے قابل تنقید ہی کہا جائے گا لیکن اب جبکہ ڈاکٹر صاحب گزر گئے ہیں۔ اگلی برس ہندوستانی کا سوال پیدا نہیں ہوتا، تو اس سلسلہ میں ایک بات ضرور احساس دلانے کی ہے کہ ڈاکٹر صاحب ہم لوگوں کے نقطہ نظر سے جیسی بڑی حیز کہ اس عہدہ پر قربان کر دیا، ویسی نہ سہی کچھ چھوٹی موٹی چیزیں تو موجود سرکار دارالہ سے تعلق رکھنے پر ہم میں سے بھی تو قربان کرنا پڑتی ہیں۔ ان کا اعزاز و عہدہ بڑا تھا انھوں نے بڑی چیز قربان کر دی۔ چھوٹے اعزاز اور چھوٹے عہدہ کے لیے اس سے کم کی ضرورت ہوتی ہے لوگ اُسے قربان کر دیتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ علمی خدمات کی سرکاری سند اور خلیفہ مملکت کا اعزاز حاصل کرنے والوں میں شمولیت کے لئے بعض عالمان دین اور خادمان دین تک کو شائبہ ہوتے ہیں حالانکہ اس بند و خلیفہ کے حصول کی رسمی کارروائی میں دیسے در بدلہ کی آداب و جمہوریہ کے حضور میں بجا لانا ہوتا ہے جن پر ایک دینی فیمیر کسما ہٹ ضرور محسوس کرتا ہے اور پھر اس کے ساتھ یہ بھی بعض اوقات یہ اعزاز بالکل بلا استحقاق یعنی اسی زبانوں کے نام پر حاصل کیا جاتا ہے جن میں صاحب کا کوئی ادنیٰ کارنامہ نہیں ہوتا۔

سلسلہ جاری رہا۔ اس میں کچھ نہیں تو بچاس ساٹھ مرتبہ کھڑے اور بیٹھے ہوں گے، آواز اسی طرح بلند اور پر جوش رہی، اور تعجب و ضعف کا نام و نشان نہیں معلوم ہوتا تھا، ساڑھے بارہ بجے کے قریب اپنی نشست گاہ پر آکر بیٹھ گئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر جوش پیدا ہوا اور کھڑے ہو کر تقریر فرماتے لگے، یہ دیکھ کر نواب سید ظہور الحسن خان صاحب نے (جو بستر عیالات سے گئی روز کے بعد اٹھ کر آئے تھے) راقم سطور سے کہا کہ جب تک ہم لو آپ نہیں اٹھیں گے یہ سلسلہ جاری رہے گا، اور حضرت کو تعجب بہت ہو جائے گا، سلسلہ کلام جاری تھا کہ وہ اور راقم سطور باہر نکل آئے، بعد میں معلوم ہوا کہ چند منٹ اور سلسلہ کلام جاری رہا، پھر ختم فرمادیا، اور حاضرین مجلس منتشر ہو گئے۔

آج چونکہ مختلف طبقات کے لوگ شریک محفل تھے، اور بڑی تعداد متوسط تعلیم یافتہ اور کاروباری لوگوں کی تھی، اس لیے تقریر پر اصلاحی رنگ غالب تھا، اور زیادہ زور اخلاق کی اصلاح، شریعت اور سنت کی پیروی، اور اسلامی زندگی اختیار کرنے پر تھا، ان مضامین کو خدمت کرتے ہوئے جو پچھلے ملفوظات میں آپ نے بیان کیے ہیں، اس مجلس کی خاص خاص باتیں اور قابل ذکر نکات درج کیے جاتے ہیں۔

فرمایا کہ مولانا آدمؒ نے ایک قصہ بیان کیا ہے، جو بڑا سبق آموز ہے، کہ ایک بادشاہ ایک غریب عورت پر عاشق ہو گیا، اس کو اپنے ہرم میں داخل کیا، خاصہ شامی روز کھانے کے لیے پیش کیا جاتا، لیکن اس سے کھانا نہ جاتا، کھانا اس کے بدن کو نہ لگتا، کوئی بڑن ڈبلی ہوتی چلی جاتی، حکماء نے ہزار تدبیریں کیں، کارگر نہ ہوئیں، اس کی بھوک نہ کھلی، آخر اس کنیز نے خود ہی عرض کیا کہ مجھے تنہا ایک مکان میں کر دیجئے، میرے حصہ کا کھانا وہیں ہو چنادیا جاتا، کھانے، اسیا ہی کیا گیا، چند دن میں اس کی رنگت بدل گئی، اشتہا کھل گئی، اور وہ شکم سیر ہو کر کھانے لگی، حکماء کو تجسس ہوا کہ وہ کون سا معجون یا کشتہ استعمال کرتی ہے، جس سے اس کی حالت میں اتنا تغیر ہوا۔ انھوں نے چھپ چھپ کر دیکھا، تو معلوم ہوا کہ وہ کھانا مختلف طاقتوں میں الگ الگ رکھ دیتی ہے۔ ہر طاق کے سامنے کھڑے ہو کر صدا لگاتی ہے، میان بچوں کی خیرات، ایمان بہت دینے سے کھڑی صدا

لگا رہی ہوں، اپنے بچوں کی خیرات، اپنے بچوں کا صدقہ، یہی عمل وہ دیر تک کرتی، پھر کھانا اٹھا کر کھاتی، معلوم ہوا کہ وہ فقیرنی تھی خیرات اس کے منہ کو لگی ہوئی تھی، دردِ رے سے ٹکڑا ٹکڑا مانگ کر پیٹ بھرتی تھی، دہاں شاہی دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانے چُنے ہوئے تھے، اس کے حلق سے یہ کھانے نہیں اترتے تھے، جب اُس نے اپنی عمر بھر کا شیوہ شروع کیا، تو اس کی بھوک کھل گئی، اور وعدہ کام کرنے لگا۔

بزرگانِ دین کے کلام میں بڑے لطیف اشارات ہوتے ہیں، ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نعمت کا جو خوانِ مفت مل گیا، اس کی قدر نہیں ہوئی، اور ہم دُلبے ہونا شروع ہوئے، ہم بھی دوسری قوموں کے دردِ راز سے بھیک جمع کر کے کھا اچاہتے ہیں، اسی سے ہم لوٹے ہوں گے، سابقہ قوموں کی جھائیں، بلائیں اور ذلتیں دیکھو تو اس نعمت و سہولت کی قدر آئے گی۔

حضرت نے سورہ بقرہ کی آیات: ”فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ“ پھر جب کوچ کیا حضرت طالوت نے لشکر کے ساتھ تو کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمائے گا، آیاتِ تلاوت فرما کر ان کی تفسیر فرمائی شروع کی، فرمایا کہ آج کل جب شکرِ ردا نہ ہوتے ہیں، تو رسد کا بڑا عہدہ انتظام کیا جاتا ہے، ضرورت کی ہر چیز موجود ہوتی ہے۔ اہلِ لشکر کو دوسروں سے اچھا کھلایا لایا جاتا ہے۔ آسودگی اور فادہِ البالی کے اسباب زیادہ مہیا کیے جاتے ہیں، لشکر کے جنرل محفوظ اور میدانِ جنگ سے بہت دور مقام پر بیٹھ کر فوجوں کو لڑاتے ہیں، لیکن اسلامی لشکر فادہ مستوں، اور تنگ حالوں کا لشکر ہوا کرتا تھا، ان کی رسد فادہ بھوک پیاس تھی، یہی حضرت طالوت کے لشکر کا حال تھا، کوسوں چلے پانی نہ ملا، زبان سوکھ گئی، کچھ لوگوں نے کہا: لَا طَاقَةَ لَنَا بِالْيَوْمِ بِجَاوِلَتْ وَجُودِہ (آج ہم میں جاوالت اور اُس کے لشکر سے لڑنے کی تاب نہیں ہے)۔ کہا رہ جاؤ! اللہ کو تمہارے رہنے کی پرداہ نہیں، اب جو گھر بار چھوڑ کر چلے، تو رسد کا کیا ذکر، پینے کو پانی بھی نہ ملا، فرمایا گیا: إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ“ یہ پُرانا قصہ نہیں، آج کا قصہ ہے۔ آج بھی حرام کے دردِ راز بہت کھلے ہیں، اتنے پیاسے ہونے کے بعد کہا گیا:

فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي۔ جو آبی پیاس کے بعد بھی پی لے، وہ ہمارے ساتھ نہ رہے، آج بھی کہا جاتا ہے کہ آدمی کافی نہیں، اپنے بھوکے رو رہے ہیں، حرام کا مال لے کر رشوت لے کر آدمی بڑھاؤ، صودی قرضہ لا، آج بھی انبیاء کی آوازیں آتی ہیں، "فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي"۔ جو ناجائز طریقہ زندگی اختیار کر لیں گے، وہ ہم میں سے نہیں ہیں، "إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ" (اے مگر بس ایک چلہ پینے والا مستثنیٰ ہے) حلال قلیل آدمی پر قناعت کر دو، رشوت وغیرہ سے بچو، جھٹھوں نے ان لیا، اللہ نے اُن کی پیاس بجھا دی، جھٹھوں نے نہ مانا، وہ پیتے پیتے مر گئے، یہ اسلام میں داخل ہونے کا پہلا دروازہ ہے، عبدیت کے دائرہ میں داخل ہو جاؤ، سب دروازے کھل جائیں گے، میں نہ اپنی جان کا مالک ہوں نہ اپنی اولاد کا، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، ہر قسم کے معبودانِ باطل کا مرقم کرتا ہے، ہر قسم کی انانیت کو توڑتا ہے، یہاں "اَنَا" کی گنجائش نہیں، اب میرا کچھ نہیں سب "خدا" کا ہو چکا ہے۔ "إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِآنَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ لِحَافَةٌ دَبَّ شَيْكُ اللَّهِ" اللہ نے خرید لی ہے ایمان والوں سے اُن کی جان اور اُن کے مال اس وعدہ پر کہ اُن کا بدلہ جنت ہے)

فرمایا کہ یہ شکایت عام ہے کہ نماز میں دل نہیں لگتا، لیکن جب آدمی عدالت میں حاکم کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو گھر کی بے مرد سامانی، بچوں کی بیماریوں، اور بازو سے سودا سلفت لانے کا خیال بھی نہیں آتا، اگر کوئی ان چیزوں کو یاد بھی دلائے، تو آدمی کہتا ہے کہ یہاں تو جان و مال، عزت و اکبر کی پڑھی ہوئی تم ان باتوں کو یاد دلاتے ہو، بڑے نقصان کے سامنے چھوٹا نقصان نقصان نہیں ہے

بلبل و گل۔ ہے رہے نہ رہے ہم کو غم ہے جن کے جانے کا
ہزاروں آدمی نماز میں کھڑے ہوتے ہیں، عدالت میں جا کر اس کا تماشہ دیکھو، بچا سول خط آتے ہیں، لیکن ایک میں بھی یہ فراتش نہیں ہوتی، کہ دعا کیجئے کہ جب میں حاکم کے سامنے کھڑا ہوں تو دوسرے کا خیال نہ آئے، لیکن جب احکم الحاکمین کے سامنے کھڑے ہوتے ہو، تو پھر حسیہ کا خیال کیسے آتا ہے؟

فرمایا، مجھے طلب اور فنکیات کے مطالعہ سے اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل کرنے اور اس کی نشانیوں کو سمجھنے میں سب سے زیادہ مدد ملی، اتنی کسی علم سے نہیں ملی، میں نے طبی اصول سے بڑے بڑے نتائج نکالے، اور سبق حاصل کیے، ایک مثال دیتا ہوں، بلیڈ بلیڈ، آگ وغیرہ ان سب کو سالم ایک جگہ رکھ دیجئے، مہینوں ساتھ وہیں گئے، ان میں سے کوئی دوسرے کی تاثیر قبول نہیں کرے گا، جب تک یہ سب الگ الگ منہ بنائے ہوئے رہیں گے، ان کے پاس رہنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا، سب کا میزان الگ الگ سب کی تاثیر علیحدہ علیحدہ، اب اس کی ترکیب یہ ہے کہ ان سب کو کوٹ کر باریک کیا جائے، بڑائی مغایرت ہے، سب کو توڑ کر باریک کر لینے سے یہ بڑائی ختم ہو جاتی ہے، اور یہ سب یک ذات ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں وہ ہادون دستہ بھی بتا دیا ہے، جس میں ان سب کو ڈال کر کوٹ کر باریک کرتے ہیں، قرآن شریف میں آپ خود ہی وہ ہادون دستہ تلاش کیجئے، جس میں امت کے تمام افراد کو کوٹ کر باریک کیا جاتا ہے، اور ہر ایک کی "انا" ختم ہو جاتی ہے، سب کٹ گئے، پس پا کر ایک مرکب سفوف بن جاتے ہیں، یہ ہادون دستہ کیا ہے، حوادث اور مصائب اور امتحانات کا ہادون دستہ، دیکھیے قرآن شریف میں آتا ہے:-

وَلْيَسْبُلُوْكُمْ مِّنْ شَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ
وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ
وَالْاَنْفُسِ وَالْمَرْاَتِ

اور ہم ضرور آزمائشیں گے تم کو کچھ ڈر، کچھ
بھوک اور جان و مال نیز پیداوار
میں کچھ کمی سے۔

اب اس کے بعد وہ معجون تیار ہوگی، جس میں کوئی جز علیحدہ نہیں، لیکن ابھی پھر ایک چیز کی ضرورت ہے، اور وہ فعل و انفعالات کا واسطہ ہے، یعنی وہ چیز جس کے ذریعہ ایک جز دوسرے جز میں اثر انداز ہو، اور مزاجوں میں داخل پیدا ہو، طبی اصول کے مطابق وہ چاشنی ہے، جو واسطہ کا کام دیتی ہے مگر یہ چاشنی بھی ایک تناسب سے ہونی چاہیے۔ وہ حد سے نہ بڑھ جائے، ورنہ مضر ہوگی اور متون کو بدمزہ کر دے گی۔

پھر اس کو ایک مدت تک گرم رکھا جاتا ہے، اب اس کا نام معجون ہوا، اس پر بات

وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ
لیکن چونکہ اتنا بڑا ایک ہی ہاؤن دستہ ملنا مشکل تھا، اس لیے الگ الگ ہاؤن دستوں میں
ان کو کوٹنے، پینے اور کوٹ کٹا کر معجون بنانے کی اجازت دی گئی، لوگوں نے ان کو الگ
الگ معجون سمجھ لیا، اب وہ الگ الگ طریقے ایک دوسرے سے مغایر ہو گئے اور مستقل
بالذات سمجھے جانے لگے۔

اس معجون کی خاصیت بتائی گئی کہ
"لَا يَبْدُو وَتُحَوَّنَ فِيهَا الْمَوْتُ
إِلَّا الْمَوْتَةُ الْأُولَىٰ وَوَقَاهُمْ
رَبُّهُمْ عَنْدَ أَبِ الْجَحِيمِ"
نہیں مرزہ بچھیں گے وہ اس میں موت
کا گم ایک بار اور دور رکھے گا اللہ انکو
عقاب جہنم سے۔
البتہ کھانے میں معجون کو ٹوی ضرور ہے "حققت الجنة بالمكانة" (جنت خلدان
طبع امور سے ڈھکی ہوئی ہے)

تاخیر
اشاعت
انوس ہے کہ لکھنؤ کے شدید شیعہ فساد کی وجہ سے الفرقان
کی کتابت میں تاخیر ہو گئی جس کی بنا پر زیر نظر شمارہ ایک ہفتہ کی تاخیر
سے شائع ہو رہا ہے اب حالات اعتدال پر آ رہے ہیں اس لئے
امید ہے کہ آئندہ شمارہ ٹھیک وقت پر شائع ہو رہے گا۔ (مینجر)

مَا هُنَا مِمَّا مِثْلُ لَاهُورَ

حکومت پاکستان نے بھارت کو رسائل و کتب بھیجنے پر پابندی لگا دی ہے۔ قارئین
ماہنامہ "میشاق" آگاہ رہیں کہ جب تک یہ حکم نافذ ہے انھیں "میشاق" کا کوئی شمارہ
نہ مل سکے گا۔

مینجر ماہنامہ "میشاق" لاہور

پروردہ اور قرآن

اَلَّذِي مَرَّلَنَا اٰمِيْنَ اَحْسَنِ اِصْلَاحِي

پروردہ اس وقت کا ایک ایسا اہم مسئلہ ہے جس کا ہر مسلم گھرانے سے تعلق ہے۔
 ذیہ نظر مضمون ہمارے لئے جس اس موضوع پر اسلامی احکام اور قرآنی نقطہ نظر کی بہترین
 ترجمانی کرتا ہے۔ یہ اگرچہ اس مسئلے سے متعلق پاکستان کے خاص حالات کی تحریک سے لکھا
 گیا ہے مگر بنیادی طور پر اس معاملہ میں ہندوستان و پاکستان اور اسی طرح دوسرے
 ملک کے درمیان کوئی خاص فرق نہیں پایا جاتا۔ اس لیے الفتان میں بھی اس کو
 معاصر و پریشاں کے شکلیہ کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ (مدیر)

مسئلہ کی نوعیت | پروردہ کا مسئلہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے تو اس قدر اہم ہے کہ اس کو تمام
 معاشرتی مسائل کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے۔ خانگی زندگی کی ساری
 ستریں اور خوشحالیوں اس پر مبنی قرار دی جاسکتی ہیں۔ صرف افراد کا بننا اور بچنا ہی نہیں
 بلکہ حکومت کے ضعیف دستہ کام کا بھی بہت بڑی حد تک اس پر انحصار ہے۔ اس کے بارہ
 میں اگر ہم نے کوئی غلط روش اختیار کر لی تو اس سے صرف ہماری معاشرتی زندگی ہی متاثر
 نہیں ہوگی بلکہ اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر ہمارے تمام اخلاقی اقدار بھی متاثر ہوں گے
 لیکن جو حضرات آج اختیارات میں اس پر خام فرسائی فرما رہے ہیں (یا فرما رہی ہیں)
 ان میں سے کسی کو بھی اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہے کسی کالج یا اسکول کے مباحثہ میں

جس مبلغِ علم اور جس درجہ کے احساسِ ذمہ داری کے ساتھ لڑکے شریک ہو جایا کرتے ہیں، اس سے بھی کم تر درجہ کے علم اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ یہ لوگ اس مباحثہ میں کود پڑتے ہیں۔ قرآن و حدیث کے علم یا ان سے استدلال کی تو ان حضرات سے تو توفیق ہی کسے ہو سکتی ہے، انخالص عقلی معاشرتی اور اجتماعی پہلوؤں سے جو کچھ اس سلسلہ پر کہا جاسکتا ہے اس کا بھی کوئی اثر ان کی تحریروں میں نہیں پایا جاتا ہے۔ مردوں کی طرف سے عورتوں کو پردے کے خلاف اُگسانے کے لیے جذباتی اپیلیں ہیں، اصل دین پر ”دینی ملا“ کے نام سے چوٹیں ہیں، پردہ کے حامیوں پر رجعت پسندی اور ترقی دشمنی کے طعنے ہیں۔ اس طرح عورتوں کی طرف سے پردے کی زندگی پر حقارت آمیز پھبتیاں ہیں، گھر کی بندشوں اور پابندیوں پر گالیاں اور کوسنے ہیں، ملا کے دین پر صلواتیں اور نعمتیں ہیں، اس طرح کی بے شمار چیزیں آپ کو ان تحریروں میں بکثرت ملی جائیں گی۔ ان باتوں سے جہاں سچی چاہے دامن بھر لیجئے لیکن اگر آپ یہ دیکھنا چاہیں کہ کسی بات پر سنجیدگی سے کوئی دلیل لای گئی ہو تو آپ کوشش اور تلاش کے باوجود بھی، اس طرح کی کوئی چیز نہ پاسکیں گے۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ جو لوگ اس بے پردائی کے ساتھ ہماری ساری معاشرتی زندگی کی بنیادیں اکھیر رہے ہیں۔ وہ اس خطا میں مبتلا ہیں کہ ان کا یہ کارنامہ پاکستان کی تمدنی و معاشرتی تعمیر کے سلسلہ کی ایک باریک کڑی ہے۔

اس بحث میں حصہ لینے والے جتنے بھی ذکور و انات میں خدا کے فضل و کرم سے سب مسلمان ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو اس بات کا دعویٰ ہے کہ پردے کے معاملہ میں جو کچھ خدا اور رسول نے کہا ہے۔ اس سے اس کو انکار نہیں ہے، انکار جمہور ہے وہ ”دین ملا“ ہے لیکن حالت یہ ہے کہ ہر شخص قرآن کی اتنی بات کو تو لے لیتا ہے جتنی اس کی خواہشوں کے مطابق ہے اور جو بات اس کی خواہش کے خلاف نظر آتی ہے اس سے اس طرح کترا جاتا ہے گویا وہ بھی دین ملا کے تحت داخل ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ پیچھے تو چلنا چاہتے ہیں اپنی خواہشوں کے لیکن ظاہر یہ کہ ناچاہتے ہیں کہ قرآن کے پیچھے چل رہے ہیں۔ یہ ہماری قوم کی ذہنی بد حالی اور اخلاقی گمراہی کی نہایت

کھلی ہوئی دیں ہے۔ اس کے اکثر افراد کا یہ حال ہے کہ یہ بیک وقت کئی کئی مسئلوں کے ساتھ محبت اور ایک ہی ساتھ کئی کئی دینوں پر تھوڑا تھوڑا اعلیٰ کرنا چاہتے ہیں۔ اس اعتقاد ذہن اور اس منافقانہ سیرت کے ساتھ اللہ ربی بہتر جانتا ہے کہ یہ ان بھاری ذمہ داریوں کو کس طرح سنبھال سکیں گے جو اُن پر آن پڑی ہیں۔

ان مضامین سے اہل علم کے تو کسی غلط فہمی میں پڑنے کا اندیشہ نہیں ہے لیکن یہ اندیشہ ضرور ہے کہ ممکن ہے ان کے بُرے اثرات ہمارے ان بھائیوں اور بہنوں تک متغیر ہوں جو اخلاص اور یکسوئی کے ساتھ اسلام پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اسلام سے ناواقف ہونے کی وجہ سے بسا اوقات دھوکے میں پڑ جایا کرتے ہیں۔ ہم ان کی رہنمائی کے لیے چاہتے ہیں کہ قرآن مجید میں پردہ سے متعلق جو احکام دیے گئے ہیں۔ ان کو بیان کر دیں۔ اس سے ہمارے ان بھائیوں کو بھی فائدہ پہونچے گا جنہوں نے اس اخباری مباحثہ کے دوران میں اسلام کا نقطہ نظر پیش کرنے کی کوشش کی ہے لیکن تاویل و تفسیر کی بعض پرانی مشکوک کی وجہ سے وہ صحیح نقطہ نظر پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

قرآن میں پردہ کے احکام کی نوعیت

۱۔ ایک وہ احکام ہیں جو خاص کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو مخاطب کر کے یا ان سے متعلق، عام مسلمانوں کو مخاطب کر کے دیے گئے ہیں لیکن مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ احکام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے لیے خاص نہیں ہیں بلکہ ان کا حکم امت کی تمام ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے لیے عام ہے۔ خطاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو خاص طور پر پیش نظر رکھنے کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ شروع شروع میں معاشرتی اصلاح کا یہ مشکل قدم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں ہی سے اٹھایا گیا اور دوسری وجہ یہ کہ تمام امت کی خواتین کے لیے نمونہ ہونے کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور آپ کے اہلیت پر ان ہدایات و احکام کی ذمہ داری زیادہ قوت اور شدت کے ساتھ عائد ہوتی تھی۔ یہ احکام سورۃ احزاب کی آیات (۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵) میں ہیں۔

۲۔ دوسرے وہ احکام ہیں جن میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ دوسری عام خواتین بھی شامل ہیں اور جن میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ کسی مسلمان عورت کو کسی ضرورت سے جب گھر سے باہر قدم نکالنے کی کوئی ضرورت پیش آجائے تو اس حالت میں اس کو کیا روایت اختیار کرنا چاہیے۔ یہ احکام سورہ احزاب کی آیات (۵۹، ۶۰) میں ہیں۔

۳۔ تیسرے وہ احکام ہیں جو عام مردوں اور عورتوں کو مخاطب کر کے گھروں کے اندر آنے جانے سے متعلق دیئے گئے ہیں اور جن میں تفصیل کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ ایک مسلمان جب اپنے کسی بھائی کے گھر میں داخل ہو تو اس کو کن آداب و قواعد کی پابندی کرنی چاہیے اور گھر کی عورتوں پر ایسی حالت میں پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ یہ احکام سورہ نور میں بیان ہوئے ہیں۔

اب ہم ان تینوں قسم کے احکام کی تفصیل بیان کریں گے۔
پہلی قسم کے احکام | یہ ہدایات دی گئی ہیں:-

یا ایہ الذین آمنوا	اے پیغمبر کی بیویو! تم عام عورتوں کی
ان الذین آمنوا	انہیں نہیں ہو۔ اگر تم میں خدا ترس ہے
تو دوسروں سے بات کرنے میں لگاؤ	کی کوئی بات زبان سے نہ نکالو کہ جس
کے دل میں نفاق کا دوگ ہے، کوئی	غلط توقع کر بیٹھے اور اچھی بات کو اور
اپنے گھروں میں ترارے رہو اور گڑے	ہوئے زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح
اپنے آپ کو رکھائی نہ پھرو اور نماز	قائم کرو۔ زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس
کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ تعالیٰ	

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السَّبِيلَ
 إِنِ اتَّبَعْتُمْ فَلَا تَخْضَعْنَ
 بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي
 قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا
 مَعْرُوفًا وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ
 وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ
 الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ
 وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَاطِعْنَ
 اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا
 يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ
 عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ

الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ
تَطْهِيراً۔

یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کرے اسے
نہی کے گھر والو اور تم کو پاک کس مہیا کہ

(۳۲-۲۳-۱۰۱۰۱۱)

چاہیے۔

پھر مردوں کو بتایا ہے کہ اگر ان کو پیغمبر کے گھروں میں سے کسی گھر میں جانا پڑے تو
ان کو کن آداب کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا
تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا
أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ
غَيْرِ طَعْنٍ إِنَّهُ وَلَكِنْ إِذَا
دُعِيتُمْ فَأَدْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ
فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْذِنِينَ
لِحَدِيثِهِ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ
يُؤْذَى النَّبِيَّ فَيَسْتَجِ
مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَجِي
مِنْ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ
مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ
وَرَاءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ
أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ
وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ
تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ
تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ
تَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَٰلِكُمْ
كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا

اے ایمان لانے والو نہ داخل ہو تم پیغمبر
کے گھروں میں کہ تم کو کھانے کی اجازت
دی جائے نہ انتظار کرتے ہوئے کھانے
کی تیاری کا۔ اس جب تم کو بلایا جائے
تو جاد اور جب کھا چکو تو فوراً منتشر ہو
جاد اور نہ لگ جاد باتوں میں یہ باتیں
نبی کو دکھ پہنچا رہی تھیں لیکن وہ تمہارے
لحاظ کی وجہ سے کہتا تھا لیکن اللہ عز و جل کے
اظہار میں نہیں شرعاً اور اگر تم کو پیغمبر
کی بیویوں سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردہ
کی اوٹ سے مانگیو یہ تمہارے دلوں کے
لیے بھی زیادہ پاکیزگی بخش طریقہ ہے اور
ان کے دلوں کے لیے بھی پاکیزگی بخش ہے
اور تمہارے لیے زیبا نہیں ہے کہ تم اللہ
کے رسول کو دکھ پہنچاؤ اور نہ بہ جائو
کہ اس کے بعد اس کی بیویوں سے کبھی کلاخ
کو رہو یہ باتیں اللہ کے نزدیک بڑے گناہ
کی ہیں خواہ تم کسی بات کو راز میں رکھو

اِنْ تُبَدُّوا شَيْئًا اَوْ تَحْفَوْا
 فَلَاَ اللّٰهُ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا لَا
 جُنَاحَ عَلَيْهِمْ فِيْ اٰبَاءِهِمْ وَلَا
 اَبْنَاءِهِمْ وَلَا اِخْوَانِهِمْ وَلَا اَسْنَآءَ
 اِخْوَانِهِمْ وَلَا اَسْنَآءَ اَخَوَاتِهِمْ
 وَلَا نِسَآءَ هِيْنَ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ
 وَالْمُتَّعِيْنَ اللّٰهُ وَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى
 كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝۵۳ (احزاب)

یا اس کو ظاہر کر دے۔ اللہ ہر بات سے واقف ہے۔ البتہ نبی کی بیویوں پر ان کے باپوں اور بیٹوں، بھائیوں اور بھتیجیوں، بھانجیوں اور دینی مہنوں اور ان کے غلاموں کے بارہ میں کوئی الزام نہیں ہے اور اس نبی کی بیویوں اور اللہ سے دُور اللہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں پڑھے کے احکام

(۱) عورتوں کو عام حالات میں نا محرم مردوں سے گفتگو نہیں کرنی چاہیے۔ اگر کسی خاص ضرورت سے گفتگو کی نوبت آ ہی جائے تو زبان سے ہرگز کوئی ایسی گھاوٹ کی بات نہ نکالیں جو سینے والے کے دل میں گدگدائی پیدا کرے اور وہ کسی طبع خام مبتلا ہو جائے۔

(د) مسلمان عورت کی اصلی جگہ اس کا گھر ہے۔ (وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ) اس وجہ سے صرف کسی خاص ضرورت ہی سے اس کو گھر سے قدم باہر نکالنا چاہیے۔ بعض سیر سپائے 'تفریح' اور نائش کے لیے بن سونہرے کھٹنا جاہلیت ہے۔ اور ایک مسلمان شریف زادی کے لیے جاہلیت کی روش اختیار کرنا حائر نہیں ہے۔

(ج) کسی مسلمان کو اپنے کسی مسلمان بھائی کے گھر دعوت وغیرہ کے سلسلہ میں جانا پڑے تو گھر میں اجماعت کے بعد داخل ہو اور اس کو چاہیے کہ وقت کے وقت پہنچے اور کھانا کھا کے فوراً واپس ہو جائے یہ نہ کرے کہ گھنٹوں پہلے سے دھڑلانا دے کہ بیٹھ جائے اور پھر کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بھی سر کینے کا نام نہ لے جس سے گھر کی بیبیوں کی آزادی اور ان کی پردہ داری میں خلل پیدا ہو۔

(د) اگر گھر کی بیبیوں سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردہ کی اوٹ سے مانگے۔ دینا تا ہوا انکے سامنے نہ چلا جائے۔

صرف وہ اعزہ ان پابندیوں سے مستثنیٰ ہیں جو حرم ہوں۔ مثلاً باپ، بھائی، بھتیجے، بھانجے وغیرہ یا گھر کے غلام نیز عورتوں میں سے صرف دینی بہنوں ہی کی آزادانہ آمد و رفت گھروں کے اندر اسلام نے پسند کی ہے۔ خبیثات اور منافقات کے اختلاط سے بسا اوقات بڑے بڑے فتنے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں جس کا تجربہ خود عہد رسالت میں حضرت زینبؓ کے معاملے میں ہو چکا ہے۔

اد پر کی آیات سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ عام حالات میں عورت گھر سے باہر کا پردہ کے لیے گھر سے باہر نکلنا اسلام نے پسند نہیں کیا ہے۔ صرف کسی خاص ضرورت ہی کے لیے اس کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے۔ اب دیکھئے کہ اس خاص حالت میں بھی اگر گھر سے باہر قدم نکالنے کی اجازت دی ہے تو اس کے ساتھ کیا قید لگائی ہے؟ ایسی صورت میں عورت کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ اپنے اد پر بڑی چادر لے لے اور اس کا گھونگھٹ چہرہ پر ڈکالے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّذَوَاتِكَ	اے پیغمبر! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور سہیلیوں
وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ	کی عورتوں کو حکم دے دو کہ جب وہ گھر
يُذْنِبْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَدٍ	سے باہر نکلیں تو اپنے چہروں پر اپنی بڑی
بِئْسَ مَا أَذْنَىٰ أَن	چادر کا حصہ اٹکالیا کریں۔ اس سے تو بے
يُعَرِّضْنَ فَلَا يُؤْذِينَ	ہے کہ ان کا شریف زادی ہونا واضح ہو
(۵۹ - احزاب)	جائے اور وہ مستحکم نہ جائیں۔

اے جس زمانہ میں یہ حکم نازل ہوا ہے اُس زمانہ میں مدینہ میں منافقوں کا زور تھا۔ مسلمان محمدؐ میں جب ضرورت کے لیے باہر نکلتیں تو وہ ان کو پھیرتے اور جب ان سے باز پرس کی جاتی تو عذر کر دیتے کہ ہم نے سمجھا کہ کوئی نونہل ہے۔ اس سے بعض ذہین لوگوں نے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ یہ حکم جنگی حالات کے لیے تھا جس کو بعد میں سورہ نور کی آیات نے منسوخ کر دیا۔ آگے چل کر ہم نے سورہ نور کی آیات کا صحیح عمل بتایا ہے۔ اس میں غلط خیال کی خود تردید ہو جائے گی۔

اس آیت میں جلاب کا لفظ آیا ہے۔ جلاب اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جو سارے جسم کو چھپائے۔ عرب کے شریف خانہ دانوں کی خواتین عموماً جب باہر نکلتیں تو اس طرح کی چادر اوپر لے کر نکلتیں۔ پنجاب میں پرانی وضع کی بڑی بوڑھیوں میں اب تک اس طرح کی چادر کا رواج ہے اور وہ اس کو نئی طرز کے برقعوں پر ترجیح دیتی ہیں۔ ہمارے نزدیک بھی پیشانی برقعوں کے مقابل میں یہ چادریں جسم کو زیادہ چھپانے والی اور بڑھکائی سے زیادہ بچانے والی ہیں۔ یہی جلاب ہے جس کی جگہ بعد میں تمدن کی ترقی سے برقع نے لے لی ہو اس وجہ سے برقعہ کی نسبت یہ بحث تو ہو سکتی ہے کہ اس کی موجودہ ترقی یافتہ شکلوں میں اس سے وہ مقصد پورا ہوتا ہے یا نہیں۔ جو اسلام نے اذانے جلاب (بڑی چادر کا گھٹٹا لٹکانا) سے پیش نظر رکھا ہے لیکن یہ کہنا تو انتہائی بھالت کی بات ہے کہ برقعہ محض ملاکی ایجاد ہے۔ قرآن و اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اب آئیے سورہ نور کی آیتوں پر غور فرمائیے جو گھر کے اندر کے پردے گھروں کے اندر کا پردہ سے متعلق ہیں۔ لیکن ان پر غور کرنے سے پہلے دو باتیں بطور تمہید پیش نظر رکھنی ضروری ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ ان آیات کا تعلق رشتہ داروں، عزیزوں، گھر کے کام کاج کرنے والے ملازموں اور اعتماد کے دوستوں سے ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک طرف معاشرتی زندگی کو پر لطف، خوشحال اور آسان رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ تعلق رکھنے والوں کو گھروں میں آنے جانے، ملنے جلنے اور اجتماعی و انفرادی طور پر کھانے پینے کی اجازت دی جائے اور دوسری طرف صحیح اخلاقی نقطہ نگاہ یہ مطالبہ کرتا ہے کہ ان پر کچھ ایسی پابندیاں بھی عاید کی جائیں کہ گھروں کی زندگی میں بڑھکائی اور بد چلنی راہ نہ پائے۔ اسلام کو جو دین فطرت ہے۔ یہ دونوں مطالبات پورے اعتدال و توازن کے ساتھ ٹھونکا رکھنے ہیں۔

(ج) دوسری بات یہ یاد رکھیے کہ عرب میں مشترک خاندانی نظام (Joint Family System) کا رواج نہیں تھا۔ ہر باغ جب شادی کر لیتا اپنا گھر الگ بنانے کی کوشش کرتا۔ باپ کا گھر الگ، چچا کا گھر الگ، بھائی کا گھر الگ، بہن کا گھر

الگ اور خود اس کا اپنا گھر الگ۔ اس طرح ایک ہی خاندان کے بہت سے الگ الگ گھر بن جاتے۔ جو علیحدہ علیحدہ بھی ہوتے اور باہم دیگر فطری اور معاشرتی علاقے میں مربوط بھی رہتے۔ (ج) تیسری بات یہ ہے کہ سادہ تمدنی زندگی کی وجہ سے اچھا زمانہ میں عموماً تو زمانہ مکانات کے ساتھ مردانہ بیٹھکوں کا رواج تھا اور نہ دروازوں پر پردے ہی ہوتے تھے۔ عرب کی معاشرتی اور تمدنی زندگی سے متعلق ان باتوں کو پیش نظر رکھ کر سورہ نور کی ان آیتوں کو پڑھیے۔ فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خَلُوا
بِمَوَاطِنَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا
وَتَسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَلِكُمْ
خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ه
فَإِنْ كُنْتُمْ تَحِبُّونَ فِىهَا أَحَدًا فَلَا
تَدْخُلُوْهُ حَتَّى يُؤْذِنَ لَكُمْ بِهِ
وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ اذْهَبُوا فَارْجِعُوا
لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَتَعَلَّمُ مَا عَمِلْتُمْ فَلْيَسْ
خِذُوا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيكُمْ فَدُخِلُوا
بِمَوَاطِنَ غَيْرِ مَسْجِدِهِ
فِيهَا مَسَاجِدُ لَكُمْ وَاللَّهُ
يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ
تَعْلَمُونَ قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ
يَغْضَوْنَ أَعْيُنَهُمْ مِنَ النَّصَافِ
وَيُخْفِظُونَ أَفْئِدَتَهُمْ ذَٰلِكَ
أَدْرَأَ لَكُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ
بِمَا يَصْنَعُونَ قُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ
يَغْضِضْنَ مِنْ عَيْنِهِنَّ مِنَ النَّصَافِ
وَيُخْفِظْنَ أَفْئِدَتَهُنَّ ذَٰلِكَ
أَدْرَأَ لَكُمْ وَلَيْتَ بَدِّلَ مِنْ
زِينَتِكُنَّ الْإِمَاطَةَ

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور سڑکوں کے گھرؤں میں سبب تک تمہارا ان سے اس نہ ہو اور تم اس گھرؤں پر سلام نہ کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم کو یاد دہانی حاصل ہو جائے کہ اگر گھر کے اندر کسی کو نہ پاؤ تو اس وقت تک نہ داخل ہو جب تک کہ تمیں اجازت نہ ملے اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ جاؤ۔ یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزگی بخش طریقہ ہے اور اللہ جو کچھ تم کہتے ہو اس سے باخبر ہے۔ تمہارے لیے ان گھرؤں میں داخل ہونے میں کوئی ہرجا نہیں ہے جن میں عورتیں نہ رہتی ہوں اور انہیں تمہارا کوئی کام ہو اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ گھرؤں کے اندر داخل ہونے کی صورت میں مسلمانوں کو یہ حکم دو کہ وہ اپنی نگاہیں

مِنْهَا جَ وَ لِيَضْرِبَنَّ جُمُحُ هِئَ
عَلَى جُبُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ
زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ
آبَاءِ هِئَ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ
أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ
أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَاءِ
هِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ
أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرَ أُولِي
الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ
الطُّفُلِ الَّذِينَ لَمْ يَنْظُرُوا
عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا
يَضْرِبَنَّ بِأَرْجُلِهِنَّ
لِيَعْلَمَ مَا خِفْتَيْنِ مِنْ
زِينَتِهِنَّ ؕ وَتَوْبُوا إِلَى
اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ؕ

(۲۷-۳۱- نور)

نبی رکھیں اور اپنی شرم کی جگہوں کی احتیاط
کریں۔ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزگی بخش
طریقہ ہے۔ اسی طرح مسلمان عورتوں
کو حکم دے کہ وہ اپنی نگاہیں نبی رکھیں اور
اپنی شرم کی جگہوں کو محفوظ کر لیں اور اپنی
زینت کی چیزوں میں سے کسی چیز کو ہر
نہ کریں مگر جس کا ظاہر ہونا ان کے لیے ہر
دہ اپنی اور ٹھنیوں کے بل لایا کریں۔
اپنے گریبانوں پر اور نہ ظاہر کریں اپنی
زینت کو مگر اپنے شوہروں یا اپنے
باپوں یا اپنے بیٹوں یا اپنے بھائیوں
یا اپنے بھتیجیوں یا اپنے بھانجیوں یا اپنی
دینی بہنوں یا اپنے غلاموں کے سامنے یا
اپنے ایسے ملازموں کے سامنے جو عورت
کی ضرورت سے مستغنی ہو چکے ہوں یا ایسے
بچوں کے سامنے جو ابھی سرے سے
عورتوں کے بھید سے واقف ہی نہیں
ہوں اور زمین پر یا دلوں مار کر نہ چلیں
کہ ان کی زینت کا اظہار ہو اور اللہ کی
طرف رجوع کر دے ایمان والو تم سب
تاکہ تم کا مایہ جانی حاصل کرو۔

گھر کے اندر کے پردہ سے متعلق اصولی قوانین

مذکورہ بالا آیات میں گھروں کے اندر
داخل ہونے سے متعلق مندرجہ ذیل

ہدایات دی گئی ہیں۔

۱۔ کوئی مسلمان کسی مسلمان کے زمانہ مکان کے اندر داخل نہیں ہو سکتا مگر دو شرطوں کے ساتھ ایک یہ کہ گھر والوں کے لیے وہ اجنبی نہ ہو۔ بلکہ ان کے ساتھ اس کا انس اور ربط ضبط ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ داخل ہونے سے پہلے سلام کر کے داخل ہونے کی اجازت حاصل کرے۔

انس کی صورتیں کئی ایک ہو سکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ گھر والوں کے ساتھ قرابت اور رشتہ دار کا تعلق رکھتا ہو یا صاحب خانہ کا قابل اعتماد دوست ہو۔ یا گھر والوں کے ساتھ خدمت اور غلامی کا تعلق رکھتا ہو۔

۲۔ سلام اجازت حاصل کرنے کا ایک مہذب اور بابرکت طریقہ ہے۔ اور اس کی ضرورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتائی ہے کہ دروازے پر عین مرتبہ سلام کرے۔ اگر کوئی جواب اور اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ جائے۔
۳۔ اگر گھر پر صاحب خانہ موجود نہ ہو تو جب تک اجازت نہ ملے داخل نہ ہو۔ اور اگر لوٹ جانے کو کہا جائے تو بلا تکلف لوٹ جائے۔

۴۔ جو مکانات زمانہ نہ ہوں مذکورہ بالا اجازت کی شرط سے مستثنیٰ ہیں مثلاً مردانہ پیشگوئیں میں ہر شخص آجا سکتا ہے۔

۵۔ داخل ہونے والے مرد کو چاہیے کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھے۔ اور شرم کی جگہوں کے معاملہ میں پوری احتیاط برتے۔

۶۔ اس حالت میں گھر کی بیبیاں مندرجہ ذیل ہدایات پر عمل کریں۔

(۱) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ (۲) اپنی شرم و احتیاط کی جگہوں کو پوری طرح محفوظ

کر لیں (۳) اس طرح سمٹ سمٹ جائیں اور کپڑوں کو اس طرح سنہال لیں کہ ان کی زینت کی چیزیں ظاہر نہ ہوں۔ صرف وہ زینت اس سے مستثنیٰ ہے جس کا ظاہر ہونا لازمی ہو مثلاً لباس کا ظاہری حصہ (۴) اپنی اور دھنیوں کے بگل مار لیں تاکہ سینہ چھپ جائے۔

(۵) چلتے پھرتے زمین پر پاؤں مار کر نہ چلیں کہ پازیب کی جھبکا و سنائی دے۔

۴۔ تمام محرم اور نامحرم عزیزوں اور متعلقین کے لیے گھر دلوں کے اندر کھانے میں نہ کوئے بالا
توانین کی پابندی لازمی ہے۔ البتہ عورت کے لیے زینت کی چیزوں کے اٹھار کی جو
ممانعت ہے اس سے شوہر اور محرم اعز یعنی باپ، بھائی، بھتیجے، بھانجے وغیرہ مستثنیٰ
ہیں۔ اسی طرح ملازم کے ساتھ غیر اونٹنی الا سرباۃ (عورت کی ضرورت سے مستثنیٰ)
کی قید لگا کر یہ واضح کر دیا کہ جو ان ملازم کے سامنے اٹھانہ زینت جائز نہیں اور ملازم اور
غلام دونوں کا ذکر چونکہ آیت میں الگ الگ موجود ہے اس وجہ سے ملازم کو غلام پر
قیاس کرنا بالکل غلط ہوگا۔ ایک عام خادم اور غلام میں معاشرتی اور نفسیاتی اعتباراً
سے آسمان و زمین کا فرق ہے۔ نابالغ بچوں کو بھی اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ علاوہ
ازیں دینی بہنوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ قطاعہ عورتوں کے سامنے
شریف زادوں کو اٹھانہ زینت سے بچنا چاہیے، سبادادہ کسی فقہ میں مبتلا کر دیں۔
گھر دلوں کے اندر کے پردہ کے متعلق یہ اصولی قوانین ہیں اس
بعض ضروری تشریحات کے بعد لوگوں کے سوال پر اس سے متعلق بعض مزید تشریحات

اور ہدایات نازل ہوئیں جو یہ ہیں۔

اے ایمان والو! تمہارے غلام اور قریب
الہدغ بچے تین اوقات میں اجازت
لیا کریں۔ نماز فجر سے پہلے اور دوپہر کے
وقت جب تم کپڑے اتارتے ہو اور عشاء
کے بعد یہ تین اوقات تمہارے پردوں
کے ہیں۔ ان کے علاوہ اوقات میں تمہارا
ادب اور ان کے ادب پر اس بات میں کوئی
ہرج نہیں ہے کہ وہ بے اجازت آئیں
جائیں۔ تم ایک دوسرے کے پاس ہر وقت
آنے جانے دلو۔ اس طرح اللہ اپنی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنُكُمُ
الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ
لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ
مَرَّاتٍ مِّن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ
وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ
الظَّهْرِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ
الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْدَاتٍ لَّكُمْ
لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ
بَعْدَ هُنَّ طَوَّافُونَ عَلَيْكُمْ
بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ كَذَلِكَ

يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ وَاللَّهُ
عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَإِذَا بَلَغَ الْاطْفَالُ
مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسَادُوا كَمَا أَشَدَّ
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَلِكَ
يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ آيَاتِهِ وَاللَّهُ
عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَالْقَوَاعِدُ
مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ
نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ
أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ
مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ وَأَنْ
يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللَّهُ سَمِيعٌ
عَلِيمٌ ۝ (۵۸-۶۰-نور)

آیتوں کو واضح کرتا ہے اور اللہ علم والا اور
حکمت والا ہے۔ اور جب تمہارے بچے بلوغ
کو پہنچ جائیں تو وہ بھی اس طرح اجازت لیں
جس طرح ان سے پہلوں نے اجازت لی ہے
اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتوں کو
 واضح کر لے گا اور اللہ علم والا ہے اور حکمت
 والا ہے اور بڑھ چکی عورتیں جو اپنے کلام کی
امید دار نہیں ہیں ان پر اس آیت میں کوئی
حرج نہیں کہ وہ اپنے کپڑے الگ کر دیں بشرط
زینت کا اظہار کرنے والی نہ ہوں اور احتیاط
 رکھیں تو ان کے لیے زیادہ بہتر ہے اور اللہ
سننے والا اور جاننے والا ہے۔

بعض خصوصیات اور ان کے حدود

مذکورہ بالا آیات میں تین باتیں بیان ہوئیں۔
(۱) غلاموں اور نابالغ بچوں کو گھر کے اندر آنے
جانے کے لیے ہر وقت اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف نماز فجر سے پہلے تو دہر کے
وقت اور عشاء کے بعد اجازت لینے کی ضرورت ہے۔ ان اوقات میں بلا اجازت گھر میں اندر نہ
ہے کہ وہ گھر والوں کو کسی ایسی حالت میں دیکھ لیں جس حالت میں دیکھنا نامناسب ہو جیسے ضرورت
کے لحاظ سے اوپر والے احکام میں گویا تخفیف کی گئی ہے۔

(۲) نابالغ بچوں کے لیے یہ رخصت صرف اس وقت تک ہے۔ جب تک وہ نابالغ
ہیں۔ بلوغ کے بعد ان کو بھی اجازت کے اسی عام قاعدہ پر عمل کرنا پڑے گا جو سب کے لیے
بیان ہوا ہے۔

(۳) بڑھ چکی عورتوں کے لیے بہتر تو یہی ہے کہ وہ پردہ کے تمام ضوابط کی پابندی کریں لیکن
اگر انہما زینت مقصود نہ ہو تو وہ گھر کے اندر بھی اور باہر بھی پردہ کے اس خاص اہتمام سے

آزاد رہ سکتی ہیں جو ادھر بیان ہوا ہے۔ مثلاً کل مارنے اور گھونگھٹ لٹکانے کی ان کو ضرورت نہیں ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ | اس کے بعد ایک اور شبہ کی طرف توجہ فرمائی جو ادھر کے احکام کی وجہ سے اس وقت بہت سے ذہنوں میں پیدا ہو چلا تھا۔ وہ یہ کہ جب لوگوں نے دیکھا کہ اسلام نے گھروں کے اندر آنے جانے پر بہت سی پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ یہاں تک کہ قریبی اعزہ بھی ان قیود سے نہیں بچ سکے ہیں تو ایک طرف لوگوں نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ شاید اسلام سوشل زندگی کی آزادیوں اور دلچسپیوں کو ختم کرنا چاہتا ہے اور اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ افراد احباب ایک دوسرے سے بے تکلفانہ ملیں جلیں اور ایک دوسرے کے یہاں کھائیں پیئیں۔ دوسری طرف بعض لوگوں نے یہ خیال کیا کہ بہتوں کے مرفیض اور معذور اعزاء جو ان پابندیوں سے پہلے اپنے رشتہ داروں کے گھروں میں پڑے رہتے تھے۔ ان پابندیوں کے بعد وہ ایک نہایت راحت بخش آزادی سے محروم ہو گئے۔

قرآن نے ان دونوں شبہوں کو مٹا کر دیا کہ ان پابندیوں کو عائد کرنے سے مقصود نہ تو سوشل زندگی کی دلچسپیوں کو ختم کرنا ہے نہ معذوروں اور عاجزوں کو کسی زحمت میں ڈالنا ہے۔ نہایت شوق کے ساتھ اپنے اقربا اور اپنے دوستوں کے گھروں میں آد جاؤ اور ایک دوسرے کے یہاں جماعتی اور انفرادی شکل میں جس طرح چاہو کھاؤ پیو۔ البتہ اجازت حاصل کرنے کے لیے سلام ضرور کر لیا کرو۔ اگر یہ چیز کوئی پابندی ہے تو یہ ایسی پابندی ہے جو تمہارے لیے بھی اور گھروالوں کے لیے بھی بہت سی برکتوں کا باعث ہے۔ چنانچہ فرمایا:

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا	نہ کسی نابینا پر کوئی ہرج ہے نہ کسی لنگڑے
عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا	پر نہ کسی بیمار پر اور نہ خود تم لوگوں پر کہ کھاؤ
عَلَى الْمَرْئِيِّ حَرَجٌ وَلَا عَلَى	بیو اپنے گھروں میں یا اپنے باپوں کے گھروں
أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ	یا بچہ ماؤں کے گھروں میں یا اپنی بہنوں کے
بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ	گھروں یا اپنی چھو بھئیوں کے گھروں میں یا
أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ	اپنے بچاؤں کے گھروں یا اپنے ماموں

أَخْوَابِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ
 أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ
 أَخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَالَاتِكُمْ
 أَوْ مَا مَلَكَتْ مِنْ مَخَاجِبِهِ أَوْ صَدَائِقِكُمْ كُنَّ
 عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْهُمَا
 فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ
 تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ
 تَعْقِلُونَ ۝ (۶۱- نور)

کے گھروں میں یا اپنی خالائوں کے گھروں میں
 یا اس کے گھر میں جو تمہاری تولیت اور اتہام بن
 ہیں یا اپنے کسی دوست کے گھر میں نہا ہوا
 اور کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم کھاؤ یا چمکا
 شکل میں یا الگ الگ البتہ جب گھروں
 میں داخل ہو تو سلامتی بھیج کر اپنے آپ
 پر خدا کی طرف سے سلامتی یا برکت اور
 پاکیزہ۔ اسی طرح اللہ واضح کرتا ہے اپنی
 آیتوں کو تاکہ سمجھو۔

اوپر کے مباحث سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ
 اوپر کے مباحث کا خلاصہ | قرآن شریف میں دو طرح کے پردے کے احکام بیان
 ہوئے ہیں۔ ایک اس صورت کے لیے جب عورت کو گھر کے باہر نکلنا پڑے اور اجنبیوں سے
 ساتھ پڑنے کا اندیشہ ہو۔ دوسرے اس صورت کے لیے جب گھر کے اندر خود اس کے یا اس
 کے شوہر کے اعزاد اقرباء اور متعلقین دلازمین اور اس طرح کے لوگ آئیں۔ پہلی صورت سے
 متعلق حکم سورہ احزاب میں دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت اپنے اوپر بڑی چادر لے کر
 نکلے اور اس کا گھونگھٹ چہرے پر لٹکائے۔ دوسری صورت سے متعلق احکام سورہ نور میں دیے
 گئے ہیں اور اس سلسلہ کے اصولی مسائل یہ ہیں۔

- (۱) کوئی اجنبی شخص بغیر کسی تعلق کے کسی کے زمانہ مکان کے اندر داخل نہ ہو۔
- (۲) اہل تعلق میں سے جو داخل ہو وہ اجازت لے کر داخل ہو۔
- (۳) داخل ہونے والا اپنی نگاہ نیچی رکھے اور اپنی شرم کی جگہوں کے معاملے میں پوری احتیاط ہوتے۔

(۴) گھر کی عورتیں، اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، سمت سمٹا کر رہیں، زینت کی چیزیں
 اگر کسی چیز کا اظہار ہو، تو مجھوڑا ہو۔ کل مار لیا کریں..... زمین پر پاؤں مار کر نہ چلیں۔

۵، زینت کی چیزوں کا انہار صرف شوہر اور محرم عزیزوں کے سامنے جائز ہے نیز غلام اور بوڑھے لازم اور نابالغ کے سامنے بھی ان کے انہار میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۶، غلاموں اور نابالغ بچوں کے لیے ہر وقت اجازت لینا ضروری نہیں ہے صرف ان اوقات میں اجازت لینا ضروری ہے جو اوقات خاص پر وہ کے ہیں اور جن میں ان کا اپنا کام آجائے ان کے لیے بھی اور گھروالوں کے لیے بھی احتیاط اور حیا کے منافی ہے۔

۷، بوڑھی عورتوں کے لیے رخصت ہے۔ وہ بغیر برقعہ کے باہر نکل سکتی ہیں بشرطیکہ انہار زینت مقصود نہ ہو۔ اگرچہ بہتر یہی ہے کہ وہ بھی پردہ کے احکام کی پابندی کریں۔

۸، پردہ سے متعلق یہ اصولی اور بنیادی قوانین ہیں۔
اصولی احکام کے تحت بعض خصوصیتیں | جو خود قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں اور جن کے

بارہ میں کسی شبہ یا اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر ان میں کسی پہلو سے اختلاف ہو سکتا تھا (ا) وہ ہوا ہے، (ب) وہ صرف یہ پہلو ہے کہ عام طور پر لوگ سورہ نور اور سورہ احزاب کے احکام کے الگ الگ نسخہ و محل سے واقف نہیں ہیں۔ اس وجہ سے اس مسئلہ پر جو کچھ اب تک لوگوں نے لکھا ہے۔ اس میں ایک سخت قسم کا تناقض پایا جاتا ہے اور اس تناقض کی وجہ سے ان کے نتائج بحث جس قدر پردہ کے حامیوں کے لیے مفید ہیں اسی قدر بلکہ اس سے کچھ زیادہ سی پردہ کے مخالفوں کے لیے مفید مطلب ہیں۔ اس مضمون میں اس تناقض کو پوری طرح واضح کر دیا گیا ہے اور پردہ سے متعلق تمام آیات کے صحیح صحیح محل کو میں نے دیا گیا ہے جس کے بعد کسی منصف اور خدا ترس آدمی کے لیے اس معاملہ میں راہ حق سے انحراف کی کوئی وجہ باقی نہیں رہ گئی ہے اس وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی شخص اس مسئلہ میں کجودی اختیار کرے تو وہ شخص یا تو سخت ہٹ دھرم ہے یا تحت کج فہم اور اپنے شخص سے کبھی یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ کسی حق کو اپنی خواہش کو خلاف قبول کرے یا گناہ وہ حق کشا ہی واضح کیوں نہ ہو۔

ان احکام پر خود کرنے سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پردہ کے بارہ میں خواہ گھر والوں کے اندر کا پردہ ہو یا گھر والوں سے باہر کا۔ ہم کو نہایت واضح اور قطعی ہدایات دی ہیں۔ ان واضح اور قطعی احکام کے بعد اس باب میں اگر کوئی چیز سکھانے اور بتانے

کی باقی رہ گئی تھی تو وہ صرف بعض جزوی اور ضمنی مسائل تھے جو یا تو اہل علم کے اجتہاد پر بھروسہ
 گئے ہیں یا پیغمبر کے قول و فعل سے ان کی تشریح ہو گئی ہے۔ چنانچہ ان کلیات کے تحت خاص
 خاص حالات کے لیے جو شخصیتیں ملی ہوئی ہیں ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان
 فرمادیا ہے مثلاً اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو شریعت نے
 اجازت دی ہے کہ وہ اس کو ایک نظر دیکھ سکتا ہے۔ اگر پولیس یا جج کو کسی عورت کی شناخت
 مطلوب ہو تو ان کو بھی اجازت ہے کہ وہ اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح کسی بھی ضرورت
 کے تحت ایک طبیب یا ڈاکٹر کو بھی یہ اجازت حاصل ہے کہ وہ کسی اجنبی عورت کو دیکھ یا
 چوسکتا ہو، علیٰ ہذا القیاس لکئی حالات (emergency) کے لیے یہ قوانین بڑی حد تک نرم
 کر دیے گئے ہیں۔ مثلاً کسی مکان میں اگر آگ لگ جائے یا کوئی عورت بانی میں دوب
 رہی ہو تو اس حالت میں مقدم یہ ہے کہ عورت کی جان بچانے کی کوشش کی جائے۔ اگرچہ
 اس کوشش میں پردہ کے شرعی احکام کا لحاظ نہ رکھا جاسکے۔ اسی طرح سفر و خصوصاً
 سفر حج اور جنگ کی حالت میں بھی ضرورت و مصلحت کے بعض استثنیات اور رخصتیں
 ہیں جن کی احادیث میں تصریح آگئی ہے۔ نیز اس سلسلہ کے بعض دوسرے ضمنی اور
 جزوی مسائل بھی ہیں جو ائمہ مجتہدین نے کھول دیے ہیں اور وہ فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔
 یہ تمام جزوی اور ضمنی مسائل اپنے باب کے اصولی اور بنیادی احکام پر مبنی ہیں۔ اس وجہ
 سے یہ تو ہو سکتا ہے کہ ان جزوی مسائل سے اسی طرح کے حالات کے لیے کچھ اور احکام
 استنباط کر لیے جائیں لیکن یہ بات بالکل غلط ہوگی کہ ان رخصتوں اور استثنیات کو اصل قرار
 دے کر پورے سے متعلق تمام بنیادی اصولوں کو ڈھک دینے کی کوشش کی جائے۔ اس طرح
 کی جہالت دین کے معاملہ میں صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو شریعت سے بالکل جاہل ہیں۔
 روایات اور احادیث میں اگر ایسے واقعات ملے ہیں کہ دوران جنگ میں نبی صلی اللہ علیہ
 وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی بیویوں نے پردہ کا قوانین کا لحاظ نہیں رکھا تو یہ اس بات
 کا ثبوت تو بلاشبہ ہے کہ عام حالات کے لیے اسلام نے پردہ کے جو احکام دیے ہیں، خاص طرح
 کے حالات پیش آجانے سے ان میں بہت بڑی حد تک دلیل کو دیا جاتی ہے۔ لیکن یہ اس

بات کا ثبوت ہرگز نہیں ہے کہ اسلام نے سرے سے کوئی حکم ہی نہیں دیا ہے اور عورتوں کو اذن عام ہے کہ وہ کھلے بندوں جہاں چاہیں پھریں۔ اگر یہ طرزا استدلال صحیح مان لیا جائے تو ایک شخص یہ بھی دعویٰ کر سکتا ہے کہ اسلام میں سرے سے وضو کا کوئی حکم ہی نہیں دیا گیا ہے۔ کیونکہ بہت سی راویوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے محض تیمم کر کے نمازیں پڑھی ہیں علیٰ ہذا انقیاس ایک شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ قیام نماز کا کوئی ضروری رکن نہیں ہے۔ کیونکہ صحابہ اور صحابیات میں سے بہتوں نے بیٹھ کے نمازیں ادا کی ہیں۔ اگر یہ طرزا استدلال غلط ہے اور ظاہر ہے کہ غلط ہے تو یقیناً ان لوگوں کا استدلال بھی صحیح نہیں ہو سکتا جو بعض مستحبات کی بنا پر، جن کا تعلق ٹھیک حالات سے ہے۔ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام میں سرے سے پردہ کا کوئی حکم نہیں ہے اور ملاؤں نے یہ چیز اپنی طرف سے گڑھ کے بعد میں مسلمانوں کی زندگی کے اندر شامل کر دی ہے۔

ادب کی تفصیلات سے یہ حقیقت ابھی طرح واضح ہو چکی ہے کہ قرآن میں پردہ کے متعلق نہایت واضح اور تفصیلی احکام ہیں۔ نیز یہ حقیقت بھی واضح ہو چکی ہے کہ سورہ نور میں مردوں اور عورتوں کو گھبراہٹ سے بچانے کا جو حکم دیا ہے اس کا تعلق دراصل گھر کے اندر کے پردہ سے ہے جہاں اپنے عزیزوں اور قریبیوں کے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہو یا باہر کے پردہ کے باہر میں وہی ادا جائے جلاباد اور پر بڑی چادر لیا اور اس کا گھونٹ چہرہ پر لٹکا لیا تاکہ حکم جو سورہ احزاب میں آیا ہے نیز زینت کے اظہار کی ممانعت اور ناگزیر طور پر ظاہر ہوجانے والی زینت کے امتناع کا تعلق بھی گھر کے اندر کے پردہ سے ہے جہاں کو باہر نکلنے کی صورت سے جو لوگ متعلق کرتے ہیں انہوں نے قرآن شریف پر غور نہیں کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ ایک سخت قسم کے تضاد اور تناقض میں مبتلا ہیں۔

ادب کے مباحث سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی ہے کہ جس طرح موجودہ بے پردگی قرآن کے بالکل خلاف ہے۔ اسی طرح مرد پر پردہ بھی بہت بڑی حد تک قرآن کے بالکل خلاف ہے۔ بالخصوص گھروں کے اندر کے پردہ سے متعلق قرآن نے جو احکام دیے ہیں وہ تو یک قلم بدل ڈالے گئے ہیں۔ ان کی جگہ یا تو ایک بالکل غلط قسم کی آزادی اور بے قیدی نے

سے رکھی ہے۔ یا ایک بالکل ناروا قسم کی پابندی نے یا تو یہ حالت ہے کہ قریب کے رشتہ داروں اور عزیزوں سے بھی لوگ اس طرح کے پردہ کو ضروری سمجھتے ہیں جس قسم کا پردہ اجنبیوں اور بیگانوں سے ضروری قرار دیا گیا ہے یا یہ حالت ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ قربت و رشتہ داری کی کوئی ادنیٰ وابستگی بھی ہو جاتی ہے، ان کے لیے سب سے کسی قسم کے پردہ کی ضرورت ہی نہیں خیال کی جاتی۔ اس افراط و تفریط کا نتیجہ یا تو یہ ہے کہ اس سے بہت سے خاندانوں کی اجتماعی زندگی متاثر ہو جاتی ہے اور ان کے درمیان وہ انس اور وہ ربط و غبط باقی نہیں رہ جاتا ہے جس کو اسلام نے بانی رکھنا چاہا ہے اور جس کی بربادی اسلامی معاشرہ کی بربادی کے ہم معنی ہے۔ اس افراط و تفریط سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ قرآن نے جس حد تک ڈھیل دی ہے اس سے بھی پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے اور جو پابندیاں عائد کی ہیں ان کا بھی پورا پورا لحاظ رکھا جائے۔ اسی طریقہ پر عمل کرنے سے وہ اجتماعی زندگی وجود میں آئے گی جس میں عفت اور آزادی دونوں چیزیں پورے اعتدال و توازن کے ساتھ موجود ہوں گی اور جس کے اندر ہی اس صحیح اسلامی اخلاق کی تربیت ممکن ہو سکے گی جو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول نے پسند فرمایا ہے۔



حضرت شہاب الدین سہروردی قدس سرہ

وصایا اور نصائح کے آئینے میں

مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی امر دہی

وصیت — عبد العزیز کو

مجھ سے عبد العزیز نے سوال کیا ہے کہ میں اُن کو وصیت کروں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اُن کو اور اُن کے تمام دینی احباب و متوسلین کو فائدہ پہنچائے۔۔۔۔۔ پس میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا اور جو باتیں دل و دماغ میں حاضر تھیں ان کو لکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ تو رفیق دینے والا ہے۔

اے طالب! وصیت ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق ہونا چاہیے۔ جس کی استعداد کامل ہے اُس کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ صحبت ایمان کے بعد اپنے اوپر تین چیزیں لازم کر لے۔

(۱) تقویٰ اللہ۔ اس کا پہلا درجہ یہ ہے کہ اپنے اعضاء کو شرع کی منع کی ہوئی باتوں سے قولاً و فعلاً محفوظ رکھے۔ بندہ۔ جب اللہ تعالیٰ سے اپنے اعضاء و جوارح کو قابو میں رکھ کر ڈرتا ہے تو یہ تقویٰ اُس کے باطن کی طرف سراپت کر جاتا ہے اور اُس کا قلب کینہ، حسد، جھوٹ، تکبر، ریا، سمعہ (دکھاوٹ، سناوٹ) تقنع اور ترزین سے پاک رہتا ہو جاتا ہے۔ اور پھر وہ ظاہری و باطنی دونوں حیثیت سے متقی بن جاتا ہے۔

(۲) زہد فی الدنیا۔ زہد اُس وقت متحقق ہوتا ہے جبکہ نفس غذا، لباس

اور مکان میں بقدر حاجت سے زائد مطالبے کو ساقط کر دے۔ نیز مخلوق کی تعریف و مدح سے اور طلب جاہ و مرتبہ اور اس کے لئے منقشے سے بھی دست بردار ہو جائے۔

(۳) دوام عمل — اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کبھی قلب اور جوارح دونوں سے اور کبھی فقط قلب سے —————

اکثر وہ لوگ ہیں جو بجا ہدہ اسباب و اکتساب میں اپنی جانیں کھپاتے کھپاتے مر جاتے ہیں اور اُن کی بہتیں اکمل استعداد والوں کے مقصد عالی کو پانے میں قاصر ہیں۔ اُن کے لیے اُن کے حسبِ حال یہ وصیت ہے کہ وہ حدودِ بشری کی رعایت اور فرضِ نازوں کا اہتمام کریں۔ (یہ واضح رہے کہ فرضِ نماز کا حُسن، حضورِ قلب ہے۔ میں ان کو یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ وہ تلاوت اور رکوع و سجود کے تمام اذکار اور نماز کی تمام مشکلیں اور حالتوں میں دل اور زبان کو مجتمع کرنے میں امکانی کوشش کریں — کوئی اس بات پر قانع نہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے قلب کی بجائے قالب لے کر جائے۔

..... میں زبان سے اور دل سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی وصیت کرتا ہوں۔

قلب سے تو ہر مجلس و محفل میں اور ہر راستے میں خاص طور سے کھانے کے وقت اور وضو کے وقت۔ اس لیے کہ کھانے اور وضو کے وقت ذکر کرنے والے کے قلب پر شیطان کا ورو دہشیں ہوتا۔ نماز میں دوسوہ کبھی کم آتا ہے —

میں اپنے دینی بھائیوں کو ہمیشہ طہارت پر رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ بندے کو مناسب یہ ہے کہ جب وہ بے وضو ہو دوبارہ وضو کر لے۔ اس لیے کہ وضو، مومن کا ہتھیار ہے۔ جہاں تک ہو سکے قبلہ رو بیٹھے۔ اور یہ مراقبہ کرے (دھیان جائے) کہ اے کفرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ مبارک میں بیٹھا ہے۔ اس طرح اُس کا قول و فعل درست ہو جائے گا۔ جب سوئے تو وضو کی حالت میں سوئے اور قبلے کی طرف چہرہ ہو — اور سب سے زیادہ نافع وصیت یہ ہے کہ قیامِ لیل (تہجد) کا خیال رکھے۔ یہ تہجد صالحین کا طریقہ ہے۔ کوئی ایسا نہ کرے کہ اُس کی پوری رات اس حالت میں گز جائے کہ اُس نے رات کے کسی نہ کسی جھٹے میں نفل نہ پڑھے ہوں۔

..... (یہ بھی ملحوظ رہے کہ) موت کا دھیان بیجا اُمید و آرزو کی دراز دہانی کو کو تاہ کرنا ہے۔ یہ بھی پسندیدہ بات ہے کہ کوئی دل صحت سے خالی نہ رہے اور کوئی ہفتہ بلا روزے کے نہ ہو۔ میں وصیت کرتا ہوں کہ کسی مسلمان کا ذکر، ہو تو خیر کے ساتھ ہو۔ اپنے نفسوں پر باب تاویل نہ کھولیں۔ اور دینی بھائیوں کو یہ بھی جاہل ہے کہ وہ ناز و صبح کے بعد دنیا کا کلام نہ کریں۔ یہاں تک سورج ایک نیزہ بلند ہو جائے پھر اس عکس کو چند رکعات (اشراق) پڑھ کر ختم کریں۔

وصیت — اپنے صاحبزادے عماد الدین کو

اے میرے پیارے بیٹے! میں تجھے تقویٰ اللہ اور خشیت کی وصیت کرتا ہوں۔ نیز حق اللہ، حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حق والدین اور تمام مشائخ کے حقوق کے ادا کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ پس اس صورت میں اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہو گا۔

علانیہ اور پوشیدہ دونوں حالتوں میں اللہ کا دھیان رکھنا۔ قرأت قرآن، ظاہر و باطناً ستر و علانیہ، غم و تدبیر، تفکر اور حزن و بکا کے ساتھ کرتے رہنا۔ تمام احکام میں (سب سے پہلے) قرآن کی طرف رجوع کرنا۔ اس لئے کہ قرآن عجب اللہ کی مخلوق پر اللہ کی رحمت و برہان ہے۔ قرآن کے حقوق کا لحاظ رکھنا۔ راہِ علم سے ایک گام بھی بوجھ اُدھر نہ ہونا۔ نقد کو حاصل کرنا، جمالِ مونیہ میں سے نہ ہو جانا۔ بازاری قسم کے لوگوں سے علیحدہ رہنا اس لئے کہ وہ دین کے چور اور طریق (راہِ حق) کے رہزن ہیں۔ سنت کی پابندی تجھ پر لازم ہے۔ اہل توحید کے اعتقاد پر قائم رہنا اور بدعات سے بچتے رہنا اس لیے کہ ہر بدعت، اگر اسی ہے۔ امرو (لوگوں)، (اجنبی) عورتوں اور اہل بدعت سے نیز (بلا ضرورت) اغنیاء اور عوام سے اختلاط بھگتنا۔ ان سے میل جول کرنے سے دین برباد ہو گا۔ دنیا کی چیزوں میں تھوڑی پر قناعت کر لینا۔ خلوت کو لازم رکھنا۔ اپنی خطاؤں پر گریہ و زاری کرنا۔ حلال روزی کھانا۔ اس لئے کہ یہ امر مفتاحِ انجلیات (نیکیوں کی کنجی ہے)۔ حرام چیزوں کو نہ چھونا اگر ایسا کیا تو

قیامت کے دن تجھ کو آگ چھوئے گی۔ حلال کپڑا پہنا، ایسی صورت میں حلاوتِ ایمان اور حلاوتِ عبادت محسوس کرے گا۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اس بات کو نہ بھول کہ تو اس کے سامنے (ایک دن) کھڑا ہوگا۔ صلوٰۃ اللیل اور صیام النہار پر عملدرآمد رکھنا۔ جماعت کی نماز نہ چھوڑنا۔۔۔۔۔ ریاست و امارت کو طلب نہ کرنا اس لئے کہ جو ریاست و امارت کو پسند کرے گا وہ کبھی فلاح یاب نہ ہوگا۔۔۔۔۔

تیرے اوپر سفر بھی لازم ہے تاکہ تیرا نفس بہت ہو۔ طلبِ شایخ کی طرف متوجہ رہنا۔۔۔ کوئی تیری تعریف کرے تو بھول نہ جانا اور اگر کوئی تیری مذمت کرے تو غمگین نہ ہونا۔ مدح و ذم تیرے نزدیک برابر ہوں۔ تمام مخلوق خدا کے ساتھ اپنے اخلاق اچھے رکھ اور تو اضع اختیار کر۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "جو اللہ کے لئے تو اضع اختیار کرے گا اللہ اُس کو اونچا اٹھائے گا۔ اور جو تکبر کرے گا اللہ تعالیٰ اُس کو نیچے گرا دے گا۔"

ہر حال میں ہر نیکو کار اور بدکار کا اکرام کر۔ تمام انسانوں پر رحم کر چھوٹے بڑے ہوں یا بڑے اللہ کی تمام مخلوق کو نظرِ رحمت سے دیکھ (زیادہ) مت سنسن اس لئے کہ ضحک (ہنسنا) غفلت کی وجہ سے ہو کر رہتا ہے اور قلب کو مُردہ کر دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ ہنسنے سے منع فرمایا ہے اور ضحک کو موتِ قلب کا باعث قرار دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اگر تم وہ بات جان لو کہ جس کا علم مجھ سے تو تم کم ہنسو اور زیادہ گریہ و زاری کرو"۔ اللہ کی طرف سے ڈھیل کی وجہ سے بیخوف نہ ہو جانا اور اللہ کی رحمت سے مایوس بھی نہ ہونا بیخوف ورجائے درمیانِ زندگی بسر کرنا۔

اے بیٹے! دنیا طلبی کو ترک کر اس مُردار دنیا کو (ضرورت سے زیادہ) طلب کرنے میں دین کے چلے جانے کا خوف ہے۔ صوم و صلوٰۃ کا خیال رکھنا حالتِ فقر میں، پرہیزگار، ادب شعار، نفعیہ اور عالم کی حیثیت سے زندگی گزارنا۔ جہالِ صوفیہ سے یک سو رہنا شایخ کی جان و مال سے خدمت کرنا شایخ کے قلوب اور اُن کے ضبطِ اوقات اور ان کی سیرت

پر دھیان رکھنا۔ مشائخ کی باتوں کا انکار نہ کرنا ہاں اگر خلافِ شرع کوئی بات ہو تو انکار کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر تو نے خواہ مخواہ مشائخ پر اعتراض کرنا شروع کر دیا تو کچھ کبھی بھی فلاح نصیب نہ ہوگی۔ لوگوں سے سوال اور ان سے قرض لینے کا معاملہ نہ کرنا۔ کوئی چیز کل کے لیے (خواہ مخواہ) ذخیرہ کر کے نہ رکھنا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ روز، تازہ رزقِ مقسوم تمہارا کرتا ہے۔ سخی النفس والقلب بن۔ اللہ تعالیٰ نے جو دیا ہے اس کو صحیح صرفت میں (خرچ کر۔ بخل سے۔ حسد سے مکرو فریب سے پرہیز کرنا اس لیے کہ بخیل اور حاسد دوزخ میں جائیں گے۔

اپنے حال کو مخلوق پر ظاہر نہ کرنا اور ظاہر کو خواہ مخواہ مزین نہ کرنا اس لیے کہ ظاہر کی ٹیپ ٹاپ باطن کی خرابی کا سبب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رزق عطا کرنے کے جو وعدے فرمائے ہیں ان وعدوں پر بکھروسہ کر۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کے رزق کی ضمانت لے لی ہے۔ خود ارشاد فرماتے ہیں ذَا لَکُمْ مِنْ دَاخِلِکُمْ فِی الْاَشْیَاءِ اِلَّا عَلٰی اللّٰهِ یَرْحَمُکُمْ (زمین پر چلنے والا کوئی جاندار نہیں ہے مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔ تمام مخلوق سے (رزق کے سلسلے میں) بالکل مایوس ہو جانا۔ مخلوق سے جی نہ لگانا۔ حق بولنا اور مخلوق میں سے کسی کا سہارا نہ ڈھونڈنا۔

تجھے لازم ہے کہ خصوصیت سے اپنے نفس کی حفاظت کا اہتمام کرے اور لایعنی باتوں سے بچتا رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ”انسان کے اسلام کی خوبصورتی سے ہے یہ بات کہ وہ لایعنی اور بیکار باتوں سے پرہیز کرے۔“..... کھانے پینے، سونے اور کلام کرنے میں کمی کرنا..... تیرا عمل خالص ہو، تیری آنکھ رٹنے والی، تیری دُعا جہدِ سعی عمل ہو تیرے کپڑے پُرانے، تیرے رتقا، فقراء ہوں۔ تیرا گھر مسجد، تیرا مال فقہ، تیری زینت زُہد، تیرا مونس رب کریم ہو۔

کسی سے بھائی چارہ اور دوستانہ اُس وقت تک نہ کرنا جب تک اُس کے اندر پانچ خصلتوں کو نہ پالے۔

(۱) وہ مالدار سی کے مقابلے میں فقر کو مقدم رکھنے والا ہو۔

- (۲) جمالت کے مقابلے میں علم کو اختیار کرنے والا ہو۔
 (۳) علم کے مقابلے میں عمل کو زیادہ پسند کرنے والا ہو۔
 (۴) دنیا پر آخرت کو فوقیت دینے والا ہو۔
 (۵) (اللہ کے راستے کی) ذلت کو (دنیاوی) عزت پر ترجیح دینے والا ہو۔ علاوہ
 ازیں وہ علم ظاہر و باطن میں کامل و بصیر ہو۔۔۔۔۔ نیز وہ موت کے لیے مستعد ہو۔
 اے بیٹے! دنیا اور اُس کی ظاہری رونق و زینت بے فریفتہ نہ ہو جانا، دُنیا
 ظاہر میں سرسبز، بُر رونق اور پُر از حلاوت معلوم ہوتی ہے (حالانکہ حقیقت اس کے
 خلاف ہے)۔۔۔۔۔ بظاہر ارشاد نبویؐ دنیا میں ہر طرح زندگی بسر کر گویا کہ تو
 مسافر ہے۔۔۔۔۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۲) انسانی شرم و حیا کی بھی دھجیاں، دخترانِ اسلام کے ہاتھوں اُڑ رہی ہیں، بکھر رہی ہیں
 لیکن آپ اس اندرونی دیک کے خلاف کوئی محاذ قائم کیے بغیر اُس بیرونی لیغاری سے بزدل آزادی ہی کو ساری
 خدمتِ اسلام سمجھتے ہوئے ہیں جو مسلم پرسنل لا کے خلاف سر اٹھا رہی ہیں۔۔۔۔۔ آزادیِ نسواں کی اس
 شیطانی دھن پر رقص کرنے والے اپنے اس طبقہ اناث کی موجودگی میں، جس کی تعداد جنگل کی آگ جیسی
 بڑھ رہی ہے، آپ اس لیغار کو روک سکتے ہیں جو اسی طبقہ کے نام پر اُٹھی ہے؟

یہ ہمارے معاشرہ کا صرف ایک پہلو ہے، درنہ حقیقت میں وہ ہر پہلو سے کم و بیش دیک خوردہ
 ہو چکا جو۔ اور اسی لیے اس کو کسی بھی پہلو کے بیرونی حلوں سے بچانے کی تدبیر کا ذکر نہیں ہو رہی جو ہر
 لوگ باہر نہیں اندر ہے، اور یہ اندر کا روگ ہی باہر کے حلوں کو دعوت دے رہا ہے۔ اور ان کی ہمت
 بڑھا رہا ہے۔ جب تک اپنے آپ کو مریض مانے بغیر بس مظلوم سمجھا جائے گا۔ یہ روگ بڑھتے رہیں گے۔
 اور ہم بیچ بچار کے سوا کچھ کر کے نہیں دکھا سکیں گے۔۔۔۔۔ ٹائمن بی کے مضمونؔ وہ جان فروشنا
 مظاہرہ! اور نگہمت فقیر محمد کے کا رنامہ پر یہ ستاٹا!۔۔۔۔۔ کاش کوئی یہی بتا دے کہ
 دامنِ تماشائیوں میں جو انانِ اسلام بالکل نہیں تھے!

ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم

ایک یادگار واقعہ

محمد منظور نعمانی

صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین خاں مرحوم کے حادثہ ارتحال پر قریباً ایک مہینہ گزر چکا ہے اور ان دنوں میں اُن کی شخصیت اور زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور آئندہ بھی لکھا جاتا رہے گا۔ راقم سطور اب سے ۲۵ سال پہلے کا ایک واقعہ کا ذکر کرنا چاہتا ہے جس کا سچ تک ذہن پر تاثر ہے۔

تہذیب کے طور پر یہ بتانا ضروری ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی وفات قریباً ایک سال کی طویل علالت کے بعد ۱۴ ستمبر کے وسط میں ہوئی تھی، یہ عاجز اُن کی اس آخری علالت کے آخری ۴-۵ مہینوں میں زیادہ تر ان کی خدمت میں بستی نظام الدین (دہلی) کے تبلیغی مرکز میں مقیم رہتا تھا، اسی زمانہ میں ڈاکٹر صاحب سے شناسائی ہوئی۔ موصوف اُن دنوں قریب قریب سرجمہ کو اور کبھی کبھی ہفتہ کے دوسرے دنوں میں بھی ادکھلے سے پیدل نظام الدین آکر فجر کی جماعت میں شریک ہوتے تھے اور اکثر نماز فجر کے بعد بھی کافی دیر ٹھہر کر واپس تشریف لے جاتے تھے۔ جہاں تک یاد پڑتا ہے حضرت مولانا کی وفات کے بعد بھی ڈاکٹر صاحب کا یہ معمول کچھ دنوں جاری رہا۔

۴۔ ادکھل اُس بستی کا نام ہے جس میں جامولہ واقع ہے، اُس سے نظام الدین کا فاصلہ ۵ میل کے قریب ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے قہقہے ہی غصہ کے بعد میوات کے مشہور قصبہ نوح میں ایک تبلیغی اجتماع ہوا یہ عاجز بھی اس میں شریک ہوا تھا اور ڈاکٹر صاحب بھی تشریف لے گئے تھے۔ دہلی سے نوح جانے کے لیے لاری کی اگلی سیٹ پر ہم دونوں کو ساتھ ہی بٹھایا گیا تھا جس کی وجہ سے راستہ میں باتیں کرنے کا پورا موقع ملا۔ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قریبی عزیز مولوی ظہیر الحسن صاحب کانہرہلوی مرحوم بھی ساتھ تھے جو ڈاکٹر صاحب مرحوم کے علی گڑھ کالج کے پرانی ساتھی تھے۔ ڈاکٹر صاحب غالباً ایک روز جلسہ میں شریک رہ کر اگلے ہی دن کسی خاص ضرورت سے واپس ہو گئے اور ہم دونوں سے وعدہ لے گئے کہ واپسی میں کچھ دیر کے لیے ادھلے ان کے پاس ٹھہریں گے اور اطمینان سے کچھ باتیں کریں گے۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد ہم دونوں ایک سہا کار سے نظام الدین کے لیے روانہ ہوئے۔ اللہ کی مشیت کہ ہماری کار راستہ میں بگڑ گئی اور اس کی درستی میں کئی گھنٹے لگ گئے، جس کی وجہ سے ہم لوگ رات کو بہت تاخیر سے ادھلے ڈاکٹر صاحب کے مکان پر پہنچے۔ یہ بہت معمولی حیثیت کا ایک بھڑا سا نو تعمیر مکان تھا بعد میں کسی نے رپت کرنے پر معلوم ہوا تھا کہ یہ اتنا بھڑا سا مکان ڈاکٹر صاحب ہی نے اپنا رہائش کے لیے بنوایا ہے۔

مکان میں چند کرسیاں تھیں جو بجائے بید کے مونجھ کے موٹے قسم کے بازوؤں سے لگی تھیں، میں نے بازوؤں سے بنی ہوئی اس طرح کی کرسی اس سے پہلے کہیں نہیں دیکھی تھی اس لیے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ یہ خود آپ کی ایجاد ہے؟ بتایا کہ اس جنگ (۳۹-۴۰ء)

لے مولوی ظہیر الحسن صاحب مرحوم حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی عزیز اور کانہرہلہ کے رئیس تھے، پورے علاقہ میں ان کا خاص وقار اور اثر تھا، شہر کے خونی دروں میں مکان پر اپنی نشست گاہ میں بیٹھے ہوئے تھے، کسی فاسم نے گولی کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا۔

کی دوسری جنگ عظیم کے شروع ہونے سے پہلے میں جرمنی میں تھا، وہاں جنگ کی تیاریوں کے سلسلے میں بہت پہلے سے اُن سب چیزوں کو ذخیرہ کیا جا رہا تھا جو جنگ میں کسی طرح کام آنے والی تھیں اور اُن کی جگہ دوسری چیزوں سے کام چلایا جا رہا تھا۔ چمڑا کبھی ان ہی چیزوں میں سے تھا، چٹاں چہ وہاں عام طور سے جوتے تک چمڑے کے بجائے بانڈوں کے بنے ہوئے استعمال کیے جا رہے تھے، کرسیوں میں بھی بانڈ استعمال ہو رہا تھا، میں نے دیکھا کہ اس میں لاگت کم آتی ہے اور مضبوطی بہت زیادہ ہوتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے کھانے کے بارہ میں پوچھا، ہم لوگوں نے کہا کہ اب نظام الدین جاکر کھائیں گے، اصرار فرمایا کہ ہمیں کھا لو اس بہانے کچھ دیر بیٹھنے اور باتیں کرنے کا موقع مل جائے گا۔ ہم لوگوں نے منظور کر لیا۔ وہاں ایک جرمن خاتون بھی تھیں (جو غالباً جامعہ ملیہ میں تعلیم پانے والے بچوں کی مربیہ اور تالیق تھیں)، انھوں نے چند منٹ میں اسٹود پر پہلے چائے تیار کر کے ہمارے سامنے رکھ دی۔ اور اس کے لیے بڑی معذرت کی کہ دودھ کم ہے اور اس وقت کہیں سے دستیاب ہونے کا امکان نہیں ہے۔ اس کے بعد اسی اسٹود پر اُن خاتون نے ہمارے لیے اپنے یورپین طریقہ پر بغیر نمک مرچ کے کچھ سبزی اُبالی، اُس وقت گھر میں صرف ایک ہی انڈیا تھا وہ بھی اُبالا اور یہ سب چیزیں ہمارے سامنے میز پر لگا دیں۔ ڈاکٹر صاحب کا کھانا جو روزہ خورہ کے معمول کے مطابق اُن کے لیے جامعہ کے باورچی خانہ سے آیا رکھا تھا وہ بھی میز پر لگا دیا گیا، ڈاکٹر صاحب بھی ساتھ بیٹھ گئے، لیکن ہمیں یقین دلاوا کہ آج وہ کسی معمولی سے کھانا کھانے کا فیصلہ کر چکے ہیں اس لیے کھانے میں شریک نہیں ہوئے، ہم لوگوں نے کھانا کھایا اور کچھ دیر کے بعد رخصت ہو کر نظام الدین چلے آئے۔

یہ بات خصوصیت قابل ذکر ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا جو کھانا اُس دن ہم لوگوں کے حصہ میں آیا وہ بہت ہی معمولی قسم کا کھانا تھا۔ جہاں تک باورچی تھا ہے ۳۰-۳۵ ٹھنڈی روٹیاں تھیں اور پتلے شوربے کا سالن تھا، غالباً اسی وقت ڈاکٹر صاحب سے دریافت

کرنا بہت مشکل ہو گیا تھا کہ یہ وہی کھانا ہے جو خاتون کے ساتھ تھا، وہی ڈاکٹر صاحب اپنے بیٹے کے لیے لگوا رہے ہیں۔



۲۵ سالوں آپ کی خدا کا انجام دے رہا ہے

طب قدیم کا ایک نادر شاہکار آنکھوں کی تمام بیماریوں اور کمزوریوں کو دور کرتا ہے

- بنگاہ کو گرنے اور تھکنے نہیں دیتا۔
- رات کو استعمال کیجئے تو دن بھر اپنی آنکھوں میں تروتازگی اور نگاہ محسوس کریں گئے
- اسکا استعمال آخر عمر تک بنیائی کا تحفظ اور امراض کی مدافعت کرتا ہے۔

انتہائی خفیہ ہے کہ اپنے بیش بہا فوائد کے باوجود یہ آنکھوں میں لگا اور کرکٹ ایسے بلکہ سکون اور ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔



کوئی سی بھی تین شیشی ایک ساتھ منگانیے پر معمول دیکینگ صحت

جسے کہتے ہیں: دارالفضل رحمانی میسرہ بلندنگ۔ دیوبند (یو۔ پی۔)

استعمال کے بعد جن بیشاخصراً
نے تعریفی تحریس عنایت فرمائی
ان میں سے چند نام :-
• مولانا حسین احمد مدنی
• مولانا محمد علی اعظمی مدظلہ العالی
• مولانا شبیر احمد خان
• مفتی عتیق الرحمن صاحب
• مولانا ابو الیث صاحب
• امیر جماعت اسلامی ہند
• حکیم کنیا لال صاحب دیرہ ہارپور
• ڈاکٹر خضر یار خان صاحب
سابق بھڑی سرچن

پتہ: میسرہ بلندنگ رحمانی دارالفضل

تذکرہ مجدد الف ثانی

مجدد الف ثانی نمبر ہفت ستر کا تازہ کتابی ایڈیشن

ہفت ستر کے مجدد الف ثانی نمبر میں پہلی بار حقیقت سامنے آئی تھی کہ امام ربانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کا وہ کون سا کتابی کارنامہ جو جسکی وجہ سے آپ کو کسی ایک صدی کا نہیں بلکہ الف ثانی یعنی پورے دو ستر اے (از ستر تا ستر) کا مجدد ماننے مان لیا ہے۔ ہفت ستر کے اس نمبر کی اشاعت پر انیس برس گزر چکے ہیں اس عرصہ میں مسکن اسلامی دنیا کے حالات میں بہت کچھ تبدیلیاں ہوئی ہیں ان تبدیلیوں کو اور انکے دینی تقاضوں کو دیکھ کر یقین بڑھ جاتا ہے کہ واقعہ حضرت موصوف پورے الف ثانی کے مجدد ہیں اور ہمارے اس دور کیلئے بھی انکے تجدیدی کام میں پوری رہنمائی موجود ہے۔

یہ حقیقت آپ پر اس کتاب کے مطالعے کے لئے لگی جس میں مجدد الف ثانی کے ذاتی حالات بھی ہیں اور انکے تجدیدی کام کی تفصیلات بھی۔ نیز آپ کے تمام مشہور خلفاء کا تذکرہ بھی۔

صفحات ۳۵۲ • سائز متوسط • قیمت ۴/۰

کتابخانہ ہفت ستر کے متنوع

Price Rs. 5-00

پشکوان کے
عصمہ تیلوں میں
آپ کی خاص پسند۔

پوسٹ مین برانڈ
صاف کیا جوا مونگ پھلی کا تیل
۳۰.۱ اور ۵۵.۵ کلو

عصمہ وناستی
۳۰.۲ اور ۱۶.۵ کلو

ستلوا، ریل کا تیل
۳۰.۲ اور ۵۵.۵ کلو

بھانڈ خالص ناریل کا تیل
۳۰.۲ اور ۱۶.۵ کلو

کوکو جابر

صاف کیا جوا ناریل کا تیل
۳۰.۲ اور ۵۵.۵ کلو

ای سلاؤ تیل

۳۰.۲ اور ۵۵.۵ کلو

عصمہ ریلز بیسی

الفقه المذنب

ج ١

عتيق الرحمن بن يحيى

تذکرہ مجدد الف ثانی

مجدد الفثانی نمبر ۱۲۱۲

نفسِ نر کے مجدد الف ثانی نمبر سی ہلی بار حقیقت سامنے آئی تھی کہ امام ربانی
شیخ احمد سرسندی قدس سرہ کا وہ کون سا امتیازی کا نام ہے جو جسکی وجہ سے آپ کو کسی ایک
صدی کا نہیں بلکہ الف ثانی یعنی پونے دو سو گز پر لے (از ۱۸۵۷ء تا ۱۹۲۷ء) کا مجدد امت
مان لیا ہے۔ نفسِ نر کے اس نمبر کی شاعت پر کس برس گزر چکا ہے، اس عرصہ میں مصلح
اسلامی دنیا کے حالات میں بہت کچھ تبدیلیاں ہوئی ہیں ان تبدیلیوں کو ادراک کرنے پر
تقاضوں کو دیکھ کر یقین بڑھ جاتا ہے کہ واقعہ محضرت موصوف پورے الف ثانی کے
مجدد ہیں اور ہمارے اس دور کیلئے بھی انکی تجدیدی کام میں پوری رہنمائی موجود ہے۔

حقیقت آپ پر اس کتاب کے مطالعے کے فائدے کی جس میں مجدد الف ثانیؑ کے ذاتی حالات بھی ہیں اور ان کے تہذیبی کام کی تفصیلات بھی، نیز آپ کے تمام مشہور خلفاء کا تذکرہ بھی۔

صفحات ۲۵۲ ، فائز متوسط ، قیمت ۴/۱

کتابخانه افتخار لکھنؤ

مَآلَانْہ جَنْدَہ
غیر مالک سے
۱۲ شلنگ
ہوائی ڈاک کے لیے مزید
عمول ڈاک کا اضافہ

لفسان

ماہنامہ
فی کاپی ۷۰ پیسے

مَآلَانْہ جَنْدَہ
ہندوستان سے ۷/۵۰
پاکستان سے ۷/۵۰
ششماہی
ہندوستان سے ۲/-
پاکستان سے ۲/-

جلد ۳۷ بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۸۹ مطابق ماہ جولائی ۱۹۶۹ء شماره ۳۲

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحہ
۱	نگاہِ آدلیں	عتیق الرحمن سنہلی	۲
۲	دنیا اور آخرت میں فیروزمندی کی شرط (دوسرے ستر آں)	مولانا محمد منظور نعمانی	۱۹
۳	حقیر شیخ شہاب الدین سہروردی دعایا اور نصائح کے آئینہ میں	مولانا نسیم احمد فریدی امر وہی	۲۷
۴	اکبر اور نقطوی تحریک	پروفیسر محمد اسلم (پنجاب یونیورسٹی)	۳۰
۵	اسلامی تحقیق.....	ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے پی ایچ ڈی	۴۴
۶	نئی مطبوعات	ع. س.	۵۳

اگر اس دائرہ میں ○ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہو کہ کہہ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہو براہ کرم آئندہ کے لیے چھپڑہ ارسال فرمائیں تا خریداری کا امداد نہ ہو تو مطلع فرمائیں جیسا کوئی دوسری اطلاع ۲۰ ہر جولائی تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بھیضہ دی جائیگی ارسال ہوگا۔
پاکستان کے خریدار: اپنا چھپڑہ ادارہ اصلاح و تبلیغ کسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور صورت ایکٹ کا روڈ کے ذریعہ ہم کو اطلاع دے دیں۔ ڈاک کی تاریخ کی رسیڈ بھیجنے کی ضرورت نہیں۔

بہر خریداری: براہ کرم خط و کتابت اور نئی آرڈر کوہن پر اپنا مزید خریداری ضرور لکھ دیا کیجیے۔
تاریخ اشاعت: الفرقان ہر چھ مہینے کے پہلے ہفتے میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر ہر تاریخ تک کسی صاحب کے ذمے قرضہ یا مبلغ کریں اسکی اطلاع ۲۰ تاریخ تک آجائی چاہیے ایک مہینہ سال بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر ہوگی۔

دفتر لفسان، پکھری روڈ، لکھنؤ

(مطبی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر ایڈیٹر و مدیر پبلشر نے توہیر پوس میں بھیجے اگر دفتر الفرقان پکھری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نگاہ اولیں

از عتیق الرحمن شنبلی

(گزشتہ سے پیوستہ — ۳)

اس سلسلہ مضمون کا واحد مقصد مسلمانوں کی اُن فکری اور جذباتی کمزوریوں کی دریافت ہو جن کے زبواثر وہ دینی اور دنیوی جہد میں نہایت آسانی سے اور بعض وقت نہایت حیرت انگیز طور پر، غلط راستوں پر پڑ جاتے ہیں۔ اور جس کے نتیجہ میں عمرہ درانہ سے محدود یوں اور مایوسیوں کے سوالیہ کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ اس نوعیت کے مضمون میں مختلف تحریکوں کا تفصیلی جائزہ تو ناگزیر ہے۔ لیکن تنقید پیش نظر نہیں ہے۔ اس لیے نہایت سنجیدگی کے ساتھ اس کی کوشش ہے کہ تنقید کا رنگ نہ ڈالنے پائے۔ لیکن اس کے باوجود غیر شعوری طور پر ایسا ہو سکتا ہے۔ پس اگر کسی کو مضمون کے کسی حصہ میں ایسا رنگ نظر آئے تو ہم پیشگی معذرت خواہ ہیں۔ اور توجہ دلائے پر انشاء اللہ مزید احتیاط پر نظر رکھی جائے گی۔

اسلام اور کتاب و سنت کی حکومت کا تصور اپنی دین کے لیے (بلکہ عامۃ المسلمین کے لیے) بھی اتنا سحر انگیز ہے اور طبعیتیں اس کے لیے اس قدر ترس گئی ہیں کہ ایک جھوٹی امید بھی دور اس کا چہرہ دکھائے تو بس دل تابو سے باہر سارا اڑھا کھا اور قوت فکر و فیصلہ جواب دے جاتے ہیں۔ پاکستانی تحریک کی بنیاد، اس کے انداز اور قیادت کا غیر دینی حال بولے خود، یہ سمجھانے کے لیے کافی تھے، کہ ایسی تحریک سے جو مملکت وجود میں آئے گی، اُس کا نظام حکومت آپ سے آپ اسلامی ہونے کا سوال ہی کیا، یہ بھی بہت مشکوک ہے کہ اقامہ و تنہیم یا صحابی دباؤ کی طاقت سے برسرِ قیاد

لوگوں کو اس راستہ پر لگادیا جائے یا ان سے جگہ خالی کرالی جائے۔ اس کے علاوہ جیسا کہ اوپر تفصیل سے دکھایا گیا، ایک طاقتور قلم اور پھر اس کی طاقت سے وجود میں آنے والی جماعت نے بھی ہر چیز سمجھایا اور پیش پا افتادہ حقیقتوں کے ذریعہ سمجھایا، کہ یہ امیدیں دھوکہ دیں گی، حسرت اور دروغ بنیں گی۔ ان سے باز آجاؤ اور اسلامی حکومت کا قیام چاہتے ہو تو اس کے واقعی راستہ پر چلو۔ مگر کسی نے سن کے نہ دیا، کہ جب پوری قوم اسی امید اور آرزو پر ساتھ ملے رہی ہے تو آخر کس میں طاقت ہے کہ ایک جمہوری نظام کے اندر قوم کی آرزوؤں کو بروئے کار نہ آنے دے۔
— ٹھیک یہی وہ سبب تھا جس نے آٹھ دس سال کے اندر ہی اس نامصیح جماعت کو بھی مسلم لیگ کے مقام پر پہنچا دیا۔

پاکستان کا قیام جس طرح اور بہت سوں کے نزدیک ناممکن سی بات تھی غالباً ان ناقدین کا خیال بھی اس کے بارے میں ہی تھا، اس لیے جب تک پاکستان بن نہیں گیا ان لوگوں کو اپنے انکار اور طریق کار پر مضبوطی سے ساتھ قائم رہنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ لیکن جب یہ مسلم مملکت ”بہت مشکل“ اور ”قریباً غیر ممکن“ کے تحلیلات کو رونق دیتی ہوئی وجود میں آگئی، پھر تبادلہ آبادی نے اسے تقریباً سو فی صدی مسلم آبادی کا ملک بھی بنا دیا، تو آخر یہ کسی دوسری مٹی کے تو نہیں تھے، بلکہ حامیان پاکستان سے بھی بڑھ کر اسلامی حکومت کے خواہاں تھے۔ اس مسلم مملکت کے وجود میں آنے نے جس کے لیے اسلامی حکومت کے نام پر مسلمانوں کو متحرک کیا گیا تھا، اور اسکے تقریباً صد فی صد مسلم آبادی کے نظر نے ان کے دل میں بھی امید کی وہ گدگدی پیدا کر دی جو بہت سے اہل علم و دانش کے دلوں میں اس مملکت کے محض تصور سے پیدا ہو گئی تھی اور جس نے اسلامی حکومت کی ذریت خواہش کو علم و فکر کے قیل و قال پر غالب کر دیا تھا۔ اس مضمون کی پچھلی قسط میں اس ناقد جماعت کے بانی کے جن مقالے سے بہت سے اقتباسات پیش کیے گئے تھے، اس مقالہ کی ابتداء اس پیرا گراف سے ہوتی تھی:-

اس مقالہ میں مجھے اس عمل (PROCESS) کی تشریح کرنی ہے جس سے ایک طبعی نتیجہ کے طور پر اسلامی حکومت وجود میں آتی ہے۔ آج کل میں دیکھ رہا ہوں کہ اسلامی حکومت کا نام بالوجہ اطفال بنا ہوا ہے مختلف حلقوں سے اس تصور اور اس مقصد کا اظہار

ہو رہا ہے۔ مگر ایسے ایسے عجیب راستے اس مسئلہ تک پہنچنے کے لیے تجویز کیے جا رہے ہیں جو حق
 دہان تک پہنچانا اتنا ہی محال ہے جتنا موٹر کار کے ذریعہ سے امریکہ تک پہنچنا۔ اس خام خیالی
 (LOOS - THINKING) کی تمام تردید یہ ہے کہ بعض ریاستی و تاریخی اسباب سے کسی
 ایسی چیز کی خواہش قریب ہو گئی ہو جس کا نام "اسلامی حکومت" ہو، مگر خالص علمی (SCIENTIFIC)
 طریقہ پر نہ تو یہ سمجھنے کی کوشش کی گئی کہ اس حکومت کی نوعیت کیا ہے اور نہ یہ جاننے کی کوشش
 کی گئی کہ وہ کیونکر قائم ہو کر رہتی ہے۔ ایسی حالت میں یہ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ علمی طریقہ پر
 اس مسئلہ کی پوری تحقیق کی جائے۔

اس عبارت کے ذریعہ کیا جانے والے الفاظ میں جو بات کہی گئی ہے اس پر ہم نے اپنے تجزیہ میں صحت
 اتنا امان نہ کیا ہے کہ اسلامی حکومت کی یہ خواہش ہی ایک دینی جذبہ سے تحریک پاکستان کی عمومی حمایت کا
 باعث بنی گئی۔ لیکن آگے جو یہ بات مذکورہ عبارت میں کہی گئی ہے کہ اسلامی حکومت کی نوعیت اور اسے وجود
 میں لانے کے لائحہ عمل کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی، اس کے عمومی انداز سے ہمیں تو کیا شاید کسی بھی حقیقت
 پر نہ کو اتفاق نہ ہو سکے گا۔ پاکستانی تحریک کے حامیوں میں ایسے علماء اور دینی فکر و نظر کے حامل بھی موجود
 تھے جو ان حقائق کو جاننے اور سمجھنے میں صاحبِ قریر بالاسے کم نہ تھے، مگر مدتوں کی ترقی ہوئی خواہش نے
 محض ذہنی امید کا روئے دلربا دیکھ کر علم و نظر کے صاف اور صریح تقاضوں کو دبا دیا۔ اور بعینہ ہی ساتھ
 ان مآخذ کو پیش آیا کہ جب پاکستان نے ایک معنی جاگتی حقیقت بن کے اور ایک خالص مسلم مملکت کا منظر
 پیش کر کے انہیں بھی اس امید کے دائرہ کشش میں داخل کر لیا، تو پھر یہ بھی اپنے آپ کو نہیں روک سکے
 اور ان کے سائنٹیفک طریق فکر کی طاقت اس خواہش کے آگے جواب نہ گئی جو ان میں بظاہر کچھ زیادہ
 ہی موجود تھی۔

لیکن یہ دوسرا نسخہ اس لیے زیادہ افسوسناک ہے کہ یہ حضرات تحریک پاکستان کی ابتداء سے اسکی
 انتہا کے دن تک نہ صرف خود اس حقیقت پر گہری نظر اور جزم و یقین کا اظہار کر رہے تھے بلکہ دوسروں کو بھی
 اس کے سمجھانے میں لگے ہوئے تھے کہ نظام اسلامی کے قیام کا راستہ صرف ایک ایسی سوسائٹی کی تعمیر ہے
 جس میں کسی دوسرے نظام کا چلنا محال ہو جائے۔ سوسائٹی اور عام معاشرہ کو اس ڈھنگ پر لانے
 بغیر کسی دوسرے طریقے سے اس نظام کو وجود میں لے آنے کا خواب جو لوگ دیکھتے ہیں وہ سمجھ کر

میں ہیں۔ اس درجہ ذہنی بیداری اور اس بیداری کی برسوں علمبرداری کے باوجود یکھفت ان حضرات کا خود اسی دھوکے میں مبتلا ہو جانا جس میں دوسروں کے مبتلا ہونے پر وہ سرپیٹتے پیٹتے تھکے جا رہے تھے، انھیں مسلم دواڑوں کے بل پر الیکشن کی بازی جیتنے کا خواب دیکھنا جن کے بارے میں وہ دوسروں کو سمجھاتے تھے کہ ان کے دواڑوں سے کبھی "مسلمان" قسم کے آدمی منتخب ہو کر پارلیمنٹ یا اسمبلی میں نہیں آ سکتے۔ اسے اگر پہلے سانحہ سے کہیں بڑا سانحہ اور فکر و نظر کا شدید تر المیہ نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟

مگر افسوس یہ ہے کہ بات اس دھوکے کے پہلے ہی مرحلہ پر ٹرک نہیں گئی۔ اور جو کچھ حامیان پاکستان کو بتایا گیا تھا اس کی صداقت خود اپنے ہی تجربے میں دیکھ کر بھی ان لوگوں کو احساس نہیں ہوا کہ وہ کیسی المناک غلطی کر بیٹھے ہیں، بلکہ احساس ہوا تو کیا ہوا؟ کہ ہم لوگوں نے ضرورت سے زیادہ اصول پرستی اور ریاستداری کا مظاہرہ کیا اور نہ شاید ایسی چوٹ نہ ہوئی۔ چنانچہ کچھ ہی دن بعد پنجاب کی ریاست بھادلوہر میں انتخابات ہوئے تو ان میں بھی نہ صرف حصہ لیا گیا بلکہ کامیابی کے لیے وہ ناجائز طریقے بھی کسی حد تک اختیار کیے گئے جنھیں انتخابات پنجاب میں حکمران پارٹی کو اختیار کرتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ اور جو برقیہ پراقتدار چلے گئے والوں اور ان کے درکاروں کا ہندوستان و پاکستان میں وطیرہ ہے۔ لیکن اس بات سے یہ لکچر انکار کرتے ہیں، اس لیے قابل اعتماد شہادتوں کے باوجود ہم اس سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ سترہ برس پہلے ہندو بانگ انکار اور نظریات کے برعکس جو راستہ یہ اسلامی تحریک "اختیار کر کے رائے میں انتخابی اور الیکشنی معرکہ آرائی تک پہنچی تھی وہ بدلائیں گیا۔ بلکہ اس معرکہ آرائی کے آنکھ کھول دینے والے نتائج کے باوجود انھیں پاکستانی عوام کے بل پر پاکستان کو دستوری اعتبار سے اسلامی ملک بنانے کی وہ مجدد و مجدد اس حالت کی تمام سرگرمیوں کا اصل بنی رہی جو سترہ برس میں شروع کی گئی تھی اور ان طریقوں سے بنی رہی جو کچھ بارے میں جماعت کی تاسیس کے پہلے ہی دن سربراہ جماعت نے ان الفاظ میں تصریح اور تنبیہ کی تھی کہ

"تحریک اسلامی اپنا ایک خاص مزاج رکھتی ہے اور اس کا ایک مخصوص طریق کار ہے جس کے

ساتھ دوسری تحریکوں کے طریقے کسی طرح جوڑ نہیں کھاتے جو لوگ اب تک مختلف قومی تحریکوں میں حصہ لیتے رہے ہیں اور جن کی طبیعتیں انھیں کے طریقوں سے مانوس رہی ہیں انھیں اس جامعیت میں لاکر اپنے آپ کو بہت کچھ بدلتا ہو گا۔ جیسے اور جلوس، جھنڈے اور فرسے، یونیفارم اور مظاہرے، رزلویشن اور ایڈریس، بے گام تقریریں اور گراگم تحریروں اور اس نوعیت کی تمام چیزیں ان تحریکوں کی جان ہیں مگر اس تحریک کے لیے سب قائل ہیں۔ یہاں کا طریق کار قرآن اور سیرت محمدیؐ اور صحابہ کی سیرتوں سے سیکھئے اور اس کی عادت ڈالئے۔ آپ کو زبان یا قلم یا مظاہروں سے عوام پر سحر نہیں کرنا ہے کہ ان کے ریڈر کے ریڈو آپ کے پیچھے آجائیں اور آپ انھیں اپنے پیروں۔ آپ کو ان میں حقیقت اسلامی کی معرفت پیدا کرنی ہے۔ عرفان حقیقت کے بعد ان میں یہ عزم پیدا کرنا ہے کہ اپنی انفرادی زندگی اور گرد و پیش کی اجتماعی زندگی کو اس حقیقت کے مطابق بنائیں اور جو کچھ باطل ہو اس کو مٹانے میں جان و مال کی بازی لگادیں۔

کسی تصریح اور تنبیہ ہے کہ کوئی قسم لگا نہیں رکھا گیا ہے! — مگر انڈیئے سحر امیڈیا بقول مولانا دریا بادی "قرب نفس"؛ اگر اس ناخوب "کو" خوب ہونے اور تحریک اسلامی کے ساتھ جوڑ کھلنے میں کسی تدریج کی بھی ضرورت نہیں پڑی! جیسے ہی انہیں کیے گئے، جلوس بھی نکالے گئے۔ اور دستور بننے "مناکر ان تمام "سم قائل" چیزوں میں سے جس چیز کی ضرورت سمجھی گئی وہ میں دین سمجھ کو نوش جاں کی گئی اور اس طرح عوام پر ٹھیک مسلم لیگ مارکہ "اسلامی" سحر طاری کر کے (دیکھ کہ ان میں حقیقت اسلامی کا عرفان پیدا کر کے) اپنے مطالبات کا پھندا بنالیا گیا — یعنی اس اسلامی تحریک نے نہ صرف وہ راستہ چھوڑ کر جسے وہ کسی مملکت میں نظام اسلامی کے قیام کا واحد ذریعہ سمجھتی تھی، وہ راستہ اختیار کر لیا جس کے باعث اصلاح حاصل ہونے پر اس کے جزم و یقین کی کوئی انتہا نہیں تھی، بلکہ وہ تمام طریقے بھی پسے شرح صد کے ساتھ اپنالے جو اس دوسرے راستے کے لوازم میں تھے۔ اور یہ بالکل فطری بات تھی۔ کسی بھی چیز کے لوازم سے مفر کہاں!۔

لے یاد ہے کہ یہ لفظ مولانا دریا بادی نے تحریک پاکستان کی حمایت کے سلسلہ میں اپنے اور اپنے جیسے دوسرے حضرات نے استعمال کیا ہے

بہر حال پاکستان کو عوامی طور پر "ہنانے کے بجائے دستوری طور پر" اسلامی بنانے کی یہ سرگرم جدوجہد، مسلم لیگ کے دینی عنصر کی اندرونی کوششوں کے ساتھ لڑکچہ پالینے اور پھر کھوٹینے کے درمیان جھولتی ہوئی، آٹھ سال بعد یعنی ۱۹۷۹ء میں، ایک ایسا دستور بنانے میں کامیاب ہوئی، جس کے ذریعہ اس "اسلامی تحریک" کے رہنماؤں کی نظر میں بھی بس "وہ کم سے کم شرائط" پوری ہوتی تھیں جو کسی دستور مملکت کے "اسلامی" کہلانے کے لیے ناگزیر ہیں اور اس کے باوجود یہ کامیابی ارباب اقتدار کی سخت مزاحمت اور بار بار کی مایوسیوں کے پس منظر میں، اس تحریک کے لیے فتح مہین قرار پائی!

لیکن یہ کامیابی "ذاتِ خود تو اسلامی نظام کو وجود میں نہیں لاسکتی تھی۔ یہ تو بس اتنی کامیابی تھی کہ دستور میں چند اسلامی دفعات کی کرڈی گویاں ارباب اقتدار کے حلقے سے زبردستی اترا دئی گئیں۔ یعنی دہی صورت تھی جو قرارداد مقاصد کی منظوری میں پیش آئی تھی اور جس پر اس تحریک اسلامی کے قائد کا تبصرہ یہ تھا کہ:

"ان حضرات کے قرارداد مقاصد پاس کرنے کی حیثیت بالکل ایسی ہی تھی جیسے کوئی میم صاحب کسی مسلمان نواب یا رئیس زادے سے نکاح کرنا چاہے اور وہ اپنے اور اپنی اولاد کے لیے وراثت کے حقوق اور مسلمان سوسائٹی میں برابری کے حقوق حاصل کرنے کے لیے کلمہ اسلام پڑھ لے۔"

بلکہ جتنی سخت مزاحمت ان دفعات کے قبول کیے جانے میں پیش آئی تھی اس کی بنا پر معاملہ قرارداد مقاصد کی منظوری سے بھی بدتر اور ناقابلِ اطمینان تھا۔ اس لیے ظاہر تھا کہ اقتدار اگر ایسے ہی لوگوں کے ہاتھ میں رہتا تو یہ دفعات زیادہ سے زیادہ زینتِ قرطاس بنی رہتیں یا ایسی شکل میں نفاذ پذیر ہوتیں جن سے نظام حکومت کی غیر اسلامیت میں کوئی فرق ہی نہ آتا۔ اس لیے قدرتی بات تھی کہ جو لوگ دستور کی اسلامیت کے لیے کوشاں ہوئے تھے وہ اس دستور کے ماتحت ہونے والے پارلیمنٹ اور اسمبلیوں کے انتخابات میں بھی حصہ لیتے تاکہ اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں نہ رہنے پائے۔

چنانچہ تحریک نظام اسلامی کے سربراہوں نے اسی قدرتی طرز پر سوچا کہ انھیں انتخاب کے معرکہ میں اترنا ہے۔ لیکن اس قدرتی تقاضے کے علی پہلوؤں پر جب انھوں نے غور کیا تو کچھ ایسے حقائق سامنے

اُن کے وہ تقاضے سامنے آئے جو سلسلہ کے انتخابی نتائج بھی کی طرح پکار کر کہہ رہے تھے کہ آگے راتہ بند ہے۔ اب تک جو غلطی ہوئی سو ہوئی، اب ایک دم پیچھے لوٹ کر اسی راتہ کو پکڑنا چاہیے جسے آٹھ برس پہلے ایک جھوٹی امید کی دوسرہ کاری سے شارٹ کٹ کے دھوکے میں چھوڑ دیا تھا۔ لیکن یہ آواز نہ صرف اسی طرح صدراعظمِ اُفتاب ہوئی جس طرح سلسلہ کے انتخابی نتائج کا سبق رائیگاں گیا تھا۔ بلکہ اس ساحرہ امید نے، جو آٹھ برس سے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی، اس بناؤ بگاڑ کی گھڑی میں وہ انہوں نے قائم تحریک کے کان میں بھونکا کہ ”اسلامی انقلاب کا جو فلسفہ اور ایک اسلامی تحریک کا جو طریق کار انہوں نے کبھی خوب جگہ سے لکھ کر اپنے ہی جریہ میں نہیں جریہ عالم پر ثبت کیا تھا، اس کی بالکل نفی کرنے والا ایک نیا فلسفہ اور نیا طریق زبان حال سے گزر کر زبانِ حال پر بھی جاری ہو گیا! — کیا نیا فلسفہ جو سابق نظریہ ہی کی نفی نہیں کرتا تھا، بلکہ مطلق دینی فکر کے لیے وہ بلکہ بے اماں اور اس ”جھگائے دفانما“ کا نمونہ تھا کہ ص۔

میریتہ کہے میں بیان کر دوں تو کہے صنم بھی ہری ہری

آئیے کچھ تفصیل اس اضطراب انگیز و لرزہ خیز اجالی بیان کی ہو جائے! سلسلہ میں پاس ہونے والے پاکستانی دستور کے ماتحت جو نئے سرے سے انتخابات ہوئے ان میں حصہ لینے کے لیے سوچتے وقت اس جماعت کے سامنے یہ حقیقت آئی کہ ہم ہر جگہ اپنے معیارِ مطلوب کے مطابق نمائندے کھڑے کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں اس لیے ناگزیر ہے کہ الیکشن میں کھڑے ہونے والے دوسرے ایسے لوگوں کی بھی حمایت کی جائے اور انہیں ووٹ دیے اور دوائے جمائیں جو ہمارے مقصد (نظامِ اسلامی کا قیام) کے لیے مفید ہو سکتے ہوں۔ لیکن اس میں یہ قباحت تھی کہ دوسرے تمام لوگ یا آزادانہ (INDEPENDENT) طور پر یا کسی پارٹی کے ٹکٹ پر ”خود امیدوار بن کر“ کھڑے ہوتے۔ (کیونکہ جمہوری انتخابات کا یہی مروجہ طریقہ ہے) اور امیدواری سسٹم وہ چیز تھی جس کو یہ تحریک نہ صرف شروع سے ناجائز بتاتی آئی تھی، بلکہ انتخاباتِ پنجاب سلسلہ

لے جس کے انتخابات ان مضمون کی گوشہ قلم میں دیے گئے تھے۔ لے اقتباس بالمعنی۔

کے موقع پر بھی اس سسٹم سے اجتناب کا فیصلہ کرتے ہوئے ایک نیا سسٹم اس نے ایجاد کیا تھا اور اپنی اس پالیسی کے سلسلہ میں احادیث نبوی سے مسئلہ کی توضیح کے ساتھ "زمانہ کے تحریکات کا بھی حوالہ دیتے ہوئے" کہا گیا تھا کہ:

"... اب ہم کو اس امر میں کوئی شک باقی نہیں رہا ہے کہ ہماری اجتماعی زندگی اور توہم ریاست کو جن چیزوں نے سب سے بڑھ کر گندہ کیل ہے ان میں سے ایک یہ امید داری اور پارٹی ٹکٹ کا طریقہ ہے۔ اسی بنا پر جماعت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس ناپاک طریقہ انتخاب کی جڑ کاٹ دی جائے۔ جماعت نے اپنے پارٹی ٹکٹ پر آدمی کھڑے کر کے گندہ کیل کو آندہ امید داری کی حیثیت سے کھڑا ہونے کی اجازت دے گی۔ نہ کسی ایسے شخص کی تائید کرے گی جو خود امیدوار ہو اور اپنے لیے آپ ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کرے خواہ انفرادی طور پر یا کسی پارٹی کے ٹکٹ پر یہی نہیں بلکہ جماعت اپنی انتخابی عہدہ جہ میں خاص طور پر یہ بات عوام الناس کے ذہن نشین کرے گی کہ امیدوار بن کر اٹھنا اور اپنے حق میں ووٹ اکٹھا آدمی کے غیر صالح اور نااہل ہونے کی پہلی اور کھلی ہوئی علامت ہے۔ ایسا آدمی جب کہیں اور جہاں کہیں سامنے آئے لوگوں کو فوراً سمجھ لینا چاہیے کہ یہ ایک خطرناک شخص ہے۔ اس کو ووٹ دینا اپنے حق میں کانٹے پڑنا ہے۔"

جمہوری انتخابات کی تاریخ میں یہ انقلابی اعلان اس جماعت نے اپنی "انتخابی عہدہ جہ نامی پمفلٹ میں کیا اور پارٹی ٹکٹ اور امید داری سسٹم کے بجائے انتخابی حلقوں کی "عوامی پنجائیں" قائم کیں جو اپنے حلقہ کے صالح ترین اور اہل ترین شخص کو نامزد کریں اور اسے گوشتے میں بٹھا کر اس کے انتخاب کی عہدہ جہ اس جماعت کی رہنمائی میں از خود کریں۔

علاوہ ازیں "ووٹروں کا ایک عہد نامہ مرتب کیا گیا جس کی چار دفعات میں سے تیسری دفعہ یہ تھی کہ

(۳) "میں کسی ایسے امیدوار کو ووٹ نہیں دوں گا جو خود امیدوار بن کر کھڑا ہو اور ووٹ حاصل کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کرے۔"

یہ تھا امید وادی سسٹم اور پارٹی ٹکٹ سسٹم کے بارے میں اس جماعت کا موقف! جس کی بدولت
شہدے براہِ مہجانش اس بات کی نہیں نکلتی تھی کہ کسی آزاد امیدوار یا پارٹی ٹکٹ والے امیدوار کی حمایت میں
کوئی اور فی دلی چسپی بھی لی جاسکے اور دوسری طرف اس جماعت کو یہ حقیقت کھلے طور سے نظر آ رہی تھی کہ ہم تنہا
الیکشن لڑ کر اقتدار میں تبدیلی نہیں لاسکتے!۔ ادلایہ نا تو اتنی دالی حقیقت بجائے خود کہہ رہی تھی کہ ابھی انقلاب
قیادت اور قیامِ نظامِ اسلامی کا وقت نہیں آیا کیونکہ اس وقت کی علامات یہ بتائی گئی تھیں کہ
”دوسرائی کے وہ تمام عناصر صبح کی فطرت میں کچھ بھی بیک اور دوسری وجود ہے اس تحریک
(تحریکِ نظامِ اسلامی) میں کچھ اکٹھے کیئے گئے۔ بہت سیرت لوگوں اور ادنیٰ درجہ کے طریقوں پر چلنے
والوں کے اثرات تحریک کے مقابلہ میں دے پلے جائیں گے۔ عوام کی ذہنیت میں ایک
انقلاب رونما ہوگا۔ اجتماعی زندگی میں اس مخصوص نظامِ حکومت کی پیاس پیدا ہو
جائے گی۔ اور اس بلی ہوئی سوسائٹی میں کسی دوسرے طرز کے نظام کا چلنا
مشکل ہو جائے گا۔“ (لاحظہ ہو الفتان ماہ جون ص ۷)

اور ظاہر ہے کہ جب اس کے برعکس خود اپنا عالم یہ محسوس کیا جا رہا ہو کہ ہم ”بہت سیرت لوگوں
اور ادنیٰ درجہ کے طریقوں پر چلنے والوں“ کے مقابلہ میں عوامی نمائندگی کی باڈی جیتنا تو درکنار ان کے
مقابلہ کے لیے ہر جگہ آدمی بھی نہیں فراہم کر سکتے، تو اس سے بڑھ کر اور کونسی علامت اس بات کی ہوگی
کہ اقتدار پر کنٹرول کرنے کا وقت ابھی نہیں آیا۔ لیکن اب اسے سحر طلب کہئے یا ”زیرِ فتن“ کہ ایک
محسوس حقیقت کی یہ بظاہر خاموشی، لیکن باطن کی گنجی ہوئی آواز شہرِ سماعت سے بھی شاید نمودار ہو۔

اس حقیقت حال کی آواز کے بعد دوسرا درجہ اس سلسلہ کا تھا کہ امید وادی سسٹم کو انتہائی
قطعیت کے ساتھ شرعاً ناجائز اور تجربہ آزمائے انتخاباً نہ کہہ چکنے کے بعد کیونکر ایسے لوگوں کی حمایت کی جا
سکتی ہے جو انفرادی یا جماعتی حیثیت سے ”امیدوار“ بن کر الیکشن میں آ رہے ہوں؟ اور کیونکر ایسے
نظامِ اسلامی کی اقامت کے لیے کارآمد تصور کیا جاسکتا ہے؟ جبکہ ”امیدوار“ بن کر الیکشن میں
آنے کو کسی آدمی کے ”غیر صلح اور نا اہلی“ ہونے کی ”پہلی اور کھلی ہوئی علامت“ قرار دیا جا چکا ہے!
اور خداوندِ بندگان خدا کے سامنے اعلان کیا جا چکا ہے کہ ”ایسا آدمی جب کہیں اور جہاں کہیں سامنے

آئے۔ لوگوں کو فوراً سمجھ لینا چاہیے کہ یہ ایک خطرناک شخص ہے۔ اور اس کو دوٹو دینا اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔ مسئلہ کی یہ نوعیت باؤڈنڈ کہہ رہی تھی کہ ”امیدوار“ بن کر الیکشن میں حصہ لینے والے کسی شخص کو بھی، اقامت نظام اسلامی کے مقصد میں ”کارآمد“ مان لینا، اپنی آنکھوں میں دھول بھونکنا ہو۔ اور اس کے ساتھ یہ خدا اور بندگان خدا کے سامنے کیے ہوئے اعلان و اظہار سے وہ رد گردانی ہوگی جس کے بعد خدا اور اس کی شریعت کو اپنی خدمات سے معاف کر دینا ہی مناسب ہو سکتا ہے۔ یہ آواز زیادہ دور کی نہیں تھی، صرف چار پانچ سال پیچھے کے ماضی سے اٹھ رہی تھی اور وقت کا پورا ماحول اس سے آشنا بھی تھا، اس لیے سماعت سے تو محروم نہیں رہی، لیکن اس کے جواب میں وہ انہوں سا جڑہ امیداشتق طلب نے دوسری طرف سے پھونکا جس نے نہ صرف اس آواز کی تمام اثر انگیزی کی روک تھام کر لی، بلکہ وہ نیا فلسفہ انقلاب اسلامی، قائم تحریک کی زبان پر جاری کر دیا جس کا ماتم ہم تقصیر سے پہلے ہی کر آئے ہیں۔

قائم تحریک نے مسئلہ کی اس نوعیت کے باوجود۔ جو کم سے کم اثنا تقاضہ ضرور کرتی تھی کہ اگر الیکشن لڑا جائے تو صرف اپنے دم سے لڑا جائے، کسی ”امیدوار“ قسم کے آدمی کی نہ حمایت کی جائے نہ جو ابی حمایت الیوں سے لی جائے۔۔۔ (اس کے باوجود قائم تحریک نے) کہا کہ نہیں! الیکشن لڑا جائے گا اور امیدوار قسم کے مفید مطلب آدمیوں سے بھی انتخابی سمجھوتہ کیا جائے گا۔ اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ

لے یہاں یہ بات بھی علم میں آئے کہ جو فرمودات آرہی ہیں ان کا تعلق تھا امیدواری سسٹم کے مسئلہ سے نہیں، بلکہ حایان جماعت میں سے بعض حضرات نے یہ سوالات بھی اٹھائے تھے کہ جو دستور پاس ہو چودہ کم سے کم درجہ میں بھی جماعت کے معیار مطلوب کے مطابق ”اسلامی“ کب ہو؟ کہ اس کے ماتحت الیکشن میں حصہ لیا جائے اور اگر اس کا مطلوبہ حد تک اسلامی بنانے نیز قانون سازی کو کتاب و سنت کا پابند بنانے کے لیے الیکشن میں حصہ لیا جا رہا ہے تو پھر ان ادھان کے حال اشخاص ہی کو ایوانہائے قانون ساز میں پہنچانے کی جہود و جدوجہد ہونے چاہیے جو دستور کی کامل اسلامیت کے معنی جانتے ہوں اور کتاب و سنت کا علم رکھتے ہوں۔ امیدواری کے مسئلہ کے علاوہ یہ سوال بھی آگے درج کیے جانے والے فرمودات میں پیش نظر تھا۔

جسے صرف تمناؤں میں بیان کرنے پر اکتفا کرنا نہ ہو، بلکہ منزل مقصود کی طرف واقعی چلنا بھی ہو اُسے تو ہر قدم جانے اور دوسرا قدم اٹھانے کے لیے تمام ممکن محسوس موافق طاقتوں سے اس طرح کام لینا اور تمام موجود مراعاتوں کو ہٹانے کے لیے اس طرح لڑنا ہو گا کہ گویا اس وقت کرنے کا کام یہی ہے۔“

اس معاملے میں صرف نظریات کام نہیں دیتی بلکہ اس کے ساتھ حکمت عملی ناگزیر ہے۔ اس حکمت کو نظر انداز کر دینے والا آدمی طرح طرح کی باتیں کر سکتا ہے۔ کیونکہ یا تو وہ قافلہ میں شامل ہی نہیں ہوتا یا پھر قافلہ کو لے کر چلنے کی ذمہ داری اس پر نہیں ہوتی۔ اگرچہ چلنا ہی نہ ہو بلکہ چلنا بھی ہو وہ ہر بات کو محض اس کے خیالی حسن کی بنیاد پر قبول نہیں کر سکتا۔ اسے تو عملی نقطہ نظر سے تول کر دیکھنا ہوتا ہے کہ جن حالات میں وہ کام کر رہا ہے جو قوت اس کے پاس اس وقت موجود ہے یا فراہم ہونی ممکن ہے اور جو مزاحمتیں راستے میں موجود ہیں ان سب کو دیکھتے ہوئے کون سی بات قابل قبول ہے اور کون سی نہیں اور یہ کہ کس بات کو قبول کرنے کے کیا نتائج ہوں گے۔“

مزید : —

”جو شخص یہ چاہے کہ پہلا قدم آخری منزل ہی پر رکھوں گا اور پھر دوران سہمی میں کسی مصلحت و ضرورت کی خاطر اپنے اصولوں میں کسی استثناء اور کسی لچک کی گنجائش بھی نہیں رکھوں گا وہ عملاً اس مقصد کے لیے کوئی کام نہیں کر سکتا۔“

”یہاں (یعنی عمل کی دنیا میں) آئیڈلزم کے ساتھ برابر کے تناسب سے حکمت عملی کا لانا بھی ضروری ہے۔ وہی یہ طے کرتی ہے کہ منزل بقصد تک پہنچنے کے لیے راستہ کی کن چیزوں کو آگے کی پیش قدمی کا ذریعہ بنانا چاہیے، کن کن مواقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے، کن کن موانع کے ہٹانے کو مقصدی اہمیت دینی چاہیے۔ اور کن اصولوں میں اہم تر مصالح کی خاطر حسب ضرورت لچک کی گنجائش نکالنا چاہیے۔“

یہ اصول شکلی اور راستہ بدلی کا فلسفہ کس فلم سے نکل رہا ہے؟ جس قلم نے کہیں اس طرز فکر پر نقد و

حکومت کے بے پناہ گزیر بن گئے تھے اور اپنی طاقت بھر تمام بچے اُدھیر ڈالے تھے۔ سب کچھ نقل کیجئے تو ایک کتاب بن جائے گی، اس لیے بس چند اقتباسات پڑھ لیجئے :-

”آزادی پسند علماء اور ان کے ہم خیال مسلمان اس راستہ پر براہِ راست حکومتِ النبیہ کی جدوجہد کے راستہ پر - (ع) آنے کی مشکلات یوں بیان فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں اگر صرف مسلمان آباد ہوتے، یا مسلمانوں کی بھاری اکثریت ہوتی، جیسی مصر، ایران، عراق وغیرہ ممالک میں ہے، تب تو ہمارے لیے آسان تھا کہ حکومتِ النبیہ کی جدوجہد کرتے اور اس صورت میں اس کے قائم ہونے کا امکان بھی تھا۔ مگر مشکل یہ ہے کہ میان تہم طیل القواد ہیں۔ اکثریت غیر مسلم ہے، حکومتِ النبیہ کے نام سے کانوں پر ہاتھ رکھتی ہے۔۔۔۔۔ اور پھر انگریزی حکومت بھی ہے جو ہمیں اور غیر مسلم بھائیوں کو ایک ساتھ دباؤں سے بھر رہی ہے۔ مسلمانوں کی آبادی کا کثیر حصہ بھی اخلاقی و اعتقادی حیثیت سے تنزل کی حالت میں ہے۔ لہذا اس وقت جو کچھ ہو سکتا ہے وہ یہاں ہے کہ مشترک حکومت کے نصب العین کو قبول کر کے غیر مسلموں کے ساتھ مل کر - انگریزی اقتدار سے نہات حاصل کر لی جائے۔ یہ مرحلہ طے ہونے کے بعد آزاد ہندوستان میں ہم اپنی قوتوں کو بھرپور جمع کریں گے اور اپنے اصلی نصب العین کے لیے جدوجہد شروع کر دیں گے اس کے سوا اور کوئی راستہ اس وقت قابلِ عمل نہیں ہے۔

دوسری طرف مسلم لیگ اور اس کے ہم خیال لوگ اپنی مشکلات کو ایک دوسرے رنگ میں بیان کرتے ہیں - وہ کہتے ہیں کہ ”دلائل تو ہم یہاں قلیل القواد ہیں۔ پھر تعلیمی اور معاشی حیثیت سے بھاری قوت بہت کم ہے۔ اور مزید برآں ایک ایسی تنگ نظر اکثریت نے سیاسی اور معاشی قوتوں کے منابع پر غلط حاصل کر لیا ہے جو علاؤ تو ہم کو ایک الگ قوم سمجھ کر تعلیم حاصل کر لے اور پیٹ بھرنے کے ہر دروانے سے دربرہناتی ہے، مگر سیاسی اغراض کے لیے اصولاً ہمارے مستقل قومی وجود سے انکار کرتی ہے۔ اور چاہتی ہے کہ ”ہم ہندوستانی قوم میں شامل ہو کر یہاں ایک ایسی جمہوری حکومت قائم ہو جانے دیں جس میں سیاسی طاقت کے حصول کا ذریعہ محض ووٹوں کی کثرت ہو۔ اس مقصد میں اس کے کامیاب ہو جانے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم اپنی قومی شخصیت ہی کو سرے سے کھو دیں، پھر کھلا حکومتِ النبیہ کا غلاب

کمان دیکھا جائے گا۔ لہذا سب سے پہلے اس کے سوا کوئی قابلِ عمل صورت نہیں ہے کہ جس طرح دنیا کی ادب و تربیت میں اپنی تنظیم کیا کرتی ہیں اسی طرح ہم بھی اپنی تنظیم کریں اور دنیا میں جس طرح ریاستی لڑائی لڑی جاتی ہے اسی طرح ہم بھی لڑ کر سب سے پہلے ان علاقوں میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، اسی جمہوری دستور کے مطابق جو انگریزی تصورِ جمہوریت کے تحت بننا ہے، اپنی حکومت قائم کر لیں۔ بعد میں جب اختیارات ہمارے ہاتھ میں آجائیں گے تو ہم مسلمانوں کی تعلیم اور ان کی اخلاقی و تمدنی حالت کو درست کر کے رفتہ رفتہ حکومتِ جمہوریہ کو حکومتِ اکیبہ میں تبدیل کر لیں گے۔

نیشنلسٹ علماء اور مسلم لیگی لیڈروں کا جو طرزِ فکر اس عبارت میں پیش کیا گیا ہے اس میں اور اس فلسفہِ حکمتِ عملی میں جو اوپر نقل کیا گیا، سوائے اس کے کیا فرق ہے، کہ ایک جگہ سیدھے مانے اور عندِ خواہانہ طریقہ سے..... بات کہی گئی ہے اور دوسری جگہ اسی طرزِ فکر کو تعبیر و بیان کی مہارت سے ایک ایسی علمی "حکمت و دانائی" کے قالب میں ڈھال دیا گیا، جو عندِ معذرت کے بجائے ایک فلسفے کا آئینہ دار ہے۔ اور اس پر تنقید کی نظر اٹھاتے ہوئے آدمی کو خونِ معلوم ہوتا ہے کہ کیسے بے عقل نہ بنادیا جاؤں! تعبیر و داد کے پالش سے نیچے اتر کر دیکھئے تو حقیقت دونوں جگہ ایک ہے۔ لیکن اس طرزِ فکر کا مظاہرہ جب تک نیشنلسٹ علماء، یا مسلم لیگ کے زعماء کر رہے تھے، اس وقت تک بارے میں اس قلم نے دو ٹوک فیصلہ صادر کیا کہ

"بظاہر دونوں فریقوں کے خیالات میں بڑا وزن محسوس ہوتا ہے..... لیکن حقیقت

یہ ہے کہ جہاں مشکلات کا یہ لوگ ذکر کرتے ہیں ان میں قطعاً کوئی وزن نہیں ہے، بلکہ خود

یہی بات کہ حکومتِ اکیبہ کے راستہ میں ان کو اس نوعیت کی مشکلات نظر آتی ہیں اس امر کا

مصریح کا ثبوت ہو کہ انہوں نے اسلامی تحریک کے مزاج اور اس کے طریق کار (Tec -

Anique -) کو سرے سے سمجھا ہی نہیں ہے۔ زیادہ گہرائی میں جانے کی ضرورت نہیں اگر

اس تحریک کی تاریخ ہمارے سامنے ہو تو بادی النظری میں ان عذرات کی غلطی نمایاں ہو جاتی

ہے۔"

۱۰ تقریریں ۱۰۰۰ ۱۰۰۰ ۱۰۰۰

اور پھر یہ بتا کر کہ اس تحریک "دین حق" کی تاریخ میں "ان مشکلات" سے ہزار گنا زیادہ مشکلات ہمیشہ پیش پیش آئی ہیں، ارشاد ہوا کہ

"ہم یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اس تحریک کو اٹھانے اور چلانے کے لیے خارج میں کیا گام اور داخل میں کسی سازگاری کی ضرورت ہے جس سالانہ اور ہر سال گارڈی کو یہ لوگ دھمکتے ہیں وہ مذکورہ فرام ہوا ہے، نہ فرام ہو گا۔ دراصل خارج میں نہیں بلکہ مسلمان کے اپنے باطن میں ایمان کی ضرورت ہے۔".....

اس کے بعد ذرا گہرا تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ

..... "جس نوعیت کی مشکلات کو یہ لوگ اپنی راہ میں حائل پا رہے ہیں وہ دراصل ایک قوم کی مشکلات ہیں نہ کہ ایک تحریک کی۔ جہاں ایک قوم اپنی زندگی اور اپنی قومی اغراض کے لیے جدوجہد کر رہی ہو وہاں تو بلاشبہ اس قسم کے مسائل درپیش ہوتے ہیں..... مگر ایک اصولی تحریک جو کسی خاص قوم کی اغراض سے وابستہ نہ ہو بلکہ انسانی زندگی کی اصلاح و فلاح کے لیے ایک دعوت لے کر اٹھے اُس کے سامنے ان سوالات میں سے کوئی سوال بھی نہیں ہوتا۔ اس کے مسائل کی نوعیت بالکل دوسری ہوتی ہے۔ اس کی کامیابی یا ناکامیابی کا انحصار اس پر ہوتا ہے کہ اس کے اصول بجائے خود معقول ہیں یا نہیں؟ وہ انسانی زندگی کے مسائل کو کہاں تک حل کرتے ہیں؟ وہ بالعموم انسانی فطرت کو کس حد تک اپیل کرتے ہیں؟ اور اس کی طرف دعوت دینے والے خود اس کی پیروی میں کتنے محنت اور کتنے صادق العزم ہیں؟"

مذکورہ بالا اقتباسات میں جو سطریں زیر خط کر دی گئی ہیں، ذرا ان پر خاص طور سے غور کیجئے! کیسی سچ کنی اس طرز فکر کی کی گئی ہے، جسے بعد میں "حکمت عملی اور" "Practical Wisdom" کے معرب کن ناموں سے اپنے لیے جائز ہی نہیں لازم قرار دینے کی ٹھانی گئی ہے۔ ایکشن کے اسید وادی سسٹم کے بارے میں سلسلہ کی وہ قرارداد یاد کیجئے جس میں کہا گیا تھا کہ:

"ہماری اجتماعی زندگی اور قومی سیاست کو جن چیزوں نے سب سے بڑھ کر گنہہ کیا ہے

لے تحریر سلسلہ ۱۴۲۹ھ

ان میں سے ایک یہ امید داری اور پارٹی ٹکٹ کا طریقہ ہے۔ اسی بنا پر جماعت نے فیصلہ کیا ہو

کہ اس ناپاک طریق انتخاب کی جڑ کاٹ دی جائے۔" انہ

— سہ ماہی میں اسی ناپاک طریق انتخاب کو نگلے گا ناپاک حکیمانہ قدم قرار دیا جا رہا ہے۔ اور اس دلیل سے قرار دیا جا رہا ہے کہ اس سے منزل مقصود کی طرف پیش قدمی میں آسانی ہوگی؛ مگر اس سے پہلے جب کوئی دوسرا اس قسم کی حکمت عملی کو برتا ہوا دکھائی دیا تھا اور لوگ اس حکیمانہ "دوید کو مقصد اصلی کی خاطر انگیز کرتے نظر آتے تھے تو کہا گیا تھا کہ

"تم جس اسلام کی نمائندگی کا دعویٰ کرتے ہو وہ دنیا میں یہ اصول قائم کرنے آیا تھا کہ انسان کا مقصد ہی صرف پاک نہ ہونا چاہیے، بلکہ اس کو حاصل کرنے کے ذرائع بھی پاک ہونے چاہئیں۔ مگر تمہارا حال یہ ہے کہ جس ذریعہ سے بھی تم کو کامیابی کے حصول کی امید نظر آتی ہے خواہ وہ کتنا ہی ناپاک اور ذلیل ذریعہ کیوں نہ ہو، تم دوڑ لگاتے اُسے دانتوں سے پکڑ لیتے ہو اور جو تمہیں اس سے روکنا چاہے انہ اس کو کاٹ کھانے پر آمادہ ہو جاتے ہو۔ ذرائع کی پاکی اور ناپاکی سے قطع نظر کر کے محض کامیابی کو مقصود بالذات بنانا تو دہریوں اور کافروں کا شیعہ ہے۔ اگر مسلمان نے بھی یہی کام کیا تو اس کی خصوصیت کیا باقی رہی؟" لہ

اور اسی سلسلہ کی تحریروں میں آپ ایک جگہ اس محرمہ بالا مضمون کو بیان کرنے والی یہ حدیث بھی پڑھ سکتے ہیں کہ "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْعَالُ السِّيْئَةَ بِالْسِّيْئَةِ وَلٰكِنْ يَجْعَالُ السِّيْئَةَ بِالْخَيْرِ اِنَّ الْخَيْرِيْنَ لَا يَجْعَالُ الْخَيْرِيْنَ" لہ

غرض کہاں تو غیر منقسم ہندوستان کی مشکلات اور یہاں کے ناموافق حالات بھی ناقابل اعتبار تھے اور اصرار تھا کہ واقعات کی اسی ناسازگار دنیا میں نہ صرف سیدھے سیدھے حکم مت اکسمیہ کا نعرہ بلند کیا جائے بلکہ اس کے مقدس اور پاکیزہ طریق کار سے بھی سبرو انحراف نہ کیا جائے۔

لہ تحریر سن ۱۳۸۶ء ترجمہ: اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ اچائی سے برائی مٹتی ہے۔ ایک ناپاک چیز سے دوسری ناپاک چیز نہیں مٹائی جاسکتی۔ ع۔

اس کے اصول کی طاقت و اثر انگیزی اور اپنے عزم صادق پر پھر دہ کیا جائے حتیٰ کہ منزل مقصود ملے نہ آئے تب بھی کوئی غم نہیں۔ کیونکہ یہ بھی کچھ ضروری نہ تھا کہ بہر حال رسول اور اصحاب رسول حکومت اکتیہ قائم کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے ہوں۔ بار بار وہ اس مقصد میں ناکام ہوئے ہیں۔ اور کہاں پاکستان کی نسبتاً بہت کم مشکلات میں یہ درس دیا جائے گا کہ بھائی مشکلات و موانع بھی تو کوئی چیز ہیں، ان سے صرف نظر کر کے اصولوں پر ایسا زور کیسے دیا جاسکتا ہے جس کے نتیجہ میں ان مشکلات و موانع سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہو جائے اور منزل مقصود کے بجائے خالی اصول ملے اور وہ جائیں؟ یہ اصول پرستی نہیں بے عقلی ہے!۔ اور اسی پر بس نہیں، بلکہ کسی نے جب اس پر ٹوکا اور زیادہ نہیں صرف اتنا چاہا کہ عمل آپ جو جاہیں کریں اس کے جواز (JUSTIFICATION) کے لیے ایسا فلسفہ مت ایجاد کیجئے جو اسلام کے تمام اصولوں کے لیے قیغی بن جائے۔ تو اس پر ٹھیک دہی رد عمل تھا جو سنہ ۱۹۷۱ء میں اس طرح کے طرز عمل والوں کا بتایا گیا تھا کہ ”اور جو تمہیں اس سے روکنا چاہے اسی کو کاٹ کھانے پر آمادہ ہو جاتے ہو“۔

گویا:۔

صد سالہ دورِ جبرِ ختم ہوا ساقی کا ایک جام
نکلے جو میکدے سے تو دنیا بدل گئی

یا پھر شیعہ کی کبھی یاد کیجئے۔

وہ شیعہ کہ دھوم مٹی حضرت کے زہد کی

اب کیا بتائیں رات ہمیں کس کے گھر لے

(بانی)

ندائے ملت اور افسان! اظہارِ حال کرتے ہوئے ضمناً اس کا ذکر بھی آگیا تھا کہ ندائے ملت سے اب راقمِ حروف (عقیدۃ الرحمن) کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس بے تعلقی کی ایک بڑی

۱۔ تحریر شدہ۔ ۲۔ اس فقرہ کی یہ نوعیت ان نام نہاد ”شرعی دلائل“ کی بنا پر ہی گئی تھی جو اسکے حق میں پیش کیے جا رہے تھے۔ بہت سے بیان ان کو طوالت کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔ اس سب کی تفصیل ”الفرقان“ شمارہ ۱۰۷ اور شمارہ ۱۰۸ میں ملے گی۔ ۳۔ اس رد عمل کی تفصیل دیکھنی ہو تو ”الفرقان“ باب ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵

ناخوشگوار کمائی ہے۔ اسی وجہ سے باوجود احساس ضرورت کے ماہِ صفر والے نوٹ سے پہلے (یعنی چھ مہینے تک) اس کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ اور یہ ذکر بھی بالکل ضمنی اور محض نوعیت کا تھا۔ لیکن خیال تھا کہ اس سے کسی حد تک وہ ضرورت بھی پوری ہوگئی ہوگی جس کا برابر احساس تھا۔ مگر معلوم ہوا کہ یہ ضمنی تذکرہ بہت ہول کے لیے کافی رہا۔ چنانچہ بعض ناظرین الفرقان تک کے ایسے خطوط اب تک دفتر الفرقان میں آتے ہیں جن میں نڈے نڈے کے متعلق شکایات یا شورے بھی درج ہوتے ہیں۔ مجبوراً نڈا زیادہ صراحت کے ساتھ کر کر کر عرض کیا جا رہا ہے کہ نڈے نڈے سے ناب میر کوئی تعلق ہے اور نہ والدہ ماجدہ ظلمہ (مولانا نعمانی) کو کسی کچھ سروکار ہے اور اس حالت پر چھ مہینے گزر چکے ہیں۔ لہذا نڈے نڈے کے سلسلہ میں ہم لوگوں سے کوئی خط و کتابت نہ کی جائے۔ بلکہ اس سلسلہ میں یہ تبادیلا بھی مناسب ہوگا کہ نڈے نڈے کے سابق مدیر دار کا بنادادہ ڈاکٹر محمد آصف قدوائی اور برادرِ حمید حفیظ نعمانی وغیرہ کا بھی کوئی تعلق اخبار سے اب نہیں ہے۔ ہاں ایک تعلق نڈے نڈے سے اب بھی ہم لوگوں کا ہے جس کا ذکر ماہِ صفر والے نوٹ میں آیا تھا یعنی وہ چھ مقدمات جو یو۔ پی۔ گورنمنٹ کی طرف سے نڈے نڈے کے بعض مضامین کے سلسلے میں چل رہے ہیں۔ جن میں سے پانچ کا تعلق میری ذات سے ہے اور ایک برادرِ حمید حفیظ پر ہے۔ اور ان سے کوئی مطلب نڈے نڈے کے موجودہ کار پر داخل کو نہیں ہے۔ لہذا اس معاملے سے اگر کسی کو دلچسپی ہو تو اس میں بیشک ہم لوگوں ہی سے رابطہ قائم کرنا مناسب ہوگا۔ اس کے علاوہ معاملات میں براہِ راست دفتر نڈے نڈے سے مراملت کرنی چاہیے۔

ناظرین الفرقان سے ایک درخواست

از محمد منظور نعمانی

میری البیہ ۵-۶ مہینے سے سخت علیل ہیں۔ لکھنؤ میں رہتے ہوئے جتنے علاج ممکن ہو سکتے تھے ان سب کے باوجود ابھی حالت قابلِ اطمینان نہیں ہے جس کا قدرتی طور پر میرے سائے کاموں پر اثر پڑ رہا ہے، الفرقان کے ناظرین سے دینی تعلق کی بنا پر درخواست ہے کہ ان کی صحت کا ملہ عاجلہ کے لیے دُعا فرما کر احاسی فرمائیں۔

واجہدہ علی اللہ تعالیٰ

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

دَرْسِ قُرْآنِ درمزد والی مسجد

صفر ۱۳۸۹ھ، ۲۰ اپریل ۱۹۶۹ء

دُنیا اور آخرت میں فیروز مندی کی شرط

ایمان و تقویٰ اور خداوندی ہدایت کی پیروی

حمد و صلوٰۃ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اور بِسْمِ اللّٰہِ کے بعد

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتَابِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَکُنُوْا مِنْ اَعْمٰمِنَاۤ اِنَّهُمْ سَيِّئَاتٍ ۝
 لَاۤ اَدْخَلْنٰهُمْ جَنَّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ وَلَوْ اَنَّھُمْ اٰتٰوُا التَّوْرٰتَ وَالْاِنجِیْلَ
 وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا کُلُوْا مِنْ قُوْطُبِھِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِھِمْ
 مِنْھُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۝ وَکَثِیْرٌ مِنْھُمْ سَآءٌ مَا یَعْمَلُوْنَ ۝

المائدہ ع ۹

اور اگر یہ اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ والی زندگی اختیار کرتے تو ہم ان کے
 پہلے گناہ معاف کر دیتے اور آخرت میں ان کو جناتِ نعیم (جہنم و آرام کے بستی
 باغوں میں داخلہ دے دیتے) جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی وہ سب نعمتیں بھرپور پاتے جن کا
 اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسولوں کی زبانوں پر وعدہ کیا گیا ہے)

اور اگر وہ تورات و انجیل کی اور اس مقدس کتاب کی جو ان کے رب کی طرف سے
 ان کے لیے اب اتاری گئی ہے (یعنی قرآن پاک کی) پابندی کرتے (اور ان کی ہدایا پر

ٹھیک ٹھیک چلتے تو اپنے اوپر سے اور نیچے سے (یعنی ہر طرف سے) اللہ کا رزق پاتے
 — (لیکن صورت حال یہ ہے) کہ ان میں (تھوڑے سے لوگوں کی) ایک جماعت تو
 افراط و تفریط کے بغیر ٹھیک راستہ پر چلنے والی ہے اور اکثریت ان میں سے ایسی ہے

کہ اس کا کردار بہت برا ہے۔ (سورہ مائدہ آیت ۶۵-۶۶)

تفسیر و تشریح :- یہ سورہ مائدہ کے نویں رکوع کی آخری آیتیں ہیں۔ ان سے اوپر کی
 آیتوں میں اہل کتاب خاصہ کہ یہودیوں کی روحانی گمراہی اور صلاح و سعادت سے محرومی
 کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا گیا تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں انھوں نے اخلاق
 اور انسانیت کی ساری حدود کو توڑ ڈالا ہے۔ حد یہ ہے کہ اذان جیسی مقدس چیز کو جس میں
 اللہ کی توحید و کبریائی کا اعلان اور نماز جیسے بابرکت عمل کی دعوت ہے، انھوں نے
 تمسخر و استہزاء کا نشانہ بنایا ہے۔ اس کی نقل آتارہے اور منہ چراتے ہیں (وَإِذَا نَادَيْنَا
 إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوا هَاهُنَا ذُلًّا وَلَعِبًا)

اس کے بعد فرمایا گیا تھا کہ ان میں اس قدر بگاڑ آ گیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ معصیتیں
 ان میں عام ہو گئی ہیں بلکہ ان کی حالت یہ ہے کہ "اِشْرَكَ وَعَدُوا فَاَن" اور "اَكَلُوا مِمَّا حَرَّمَ" یعنی گندے غلیظ گناہوں سے اور بندگانِ خدا پر ظلم و زیادتی کرنے اور حرام کمانے
 اور کھانے سے ان کو خاص دلچسپی ہو گئی ہے اور یہ سب لعنتی اعمال ان کے مرغوب و محبوب
 مشاغل بن گئے ہیں، وہ دن رات انہی میں منہمک رہتے ہیں اور اس چیز نے ان کی
 دوجوں کو بالکل مسح کر دیا ہے۔ (تَرَى كَثِيرًا مِّنْهُمْ لِيَسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
 وَاجْتِهَادٍ السُّبْحَةِ لَيْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝)

اس کے بعد خصوصیت سے ان کے مذہبی پیشواؤں کے بارہ میں فرمایا گیا تھا کہ
 انھوں نے براہِ منہر کا حیرانہ رویہ اختیار کر لیا ہے۔ وہ ان خبیث اعمال کو گوارا کرنے لگے ہیں
 روک ٹوک بالکل نہیں کرتے۔ (وَلَوْلَا نِيَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَنْبِيَاءُ عَنْ قَوْلِهِمُ
 الْاِشْرَكَ وَاجْتِهَادِهِمُ السُّبْحَةِ لَيْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝)

اس کے بعد فرمایا گیا تھا کہ ان کی رُو میں اب اتنی مردہ ہو گئی ہیں کہ اسلام اور

مسلمانوں کی دشمنی میں یہ خدا کی شان میں بھی گستاخیاں کرتے ہیں۔ استہزاء اور قہقہے کے طور پر کہتے ہیں "يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ" مسلمانوں کے اللہ میاں کا ہاتھ آج کل تنگ اور خالی ہو گیا ہے اس لیے ان کے پیغمبر اپنے آدمیوں سے چندوں اور صدقہ کی اپیل کرتے رہتے ہیں، معاذ اللہ۔۔۔ اس کے بعد فرمایا گیا تھا کہ یہود اپنی ان گستاخیوں اور زبان درازیوں کی وجہ سے رحمت الہی سے محروم کر دیے گئے ہیں اور خداوند تھاہار کی لعنت کا نشانہ بن گئے ہیں (وَلَعْنُوا اِيْمَانًا قَالُوا)۔۔۔ پھر اس لعنت خداوندی کے ان کی زندگی پر جو اثرات پڑے ہیں ان کو بیان کرتے ہوئے آخر میں نسر مایا گیا تھا "وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ" یعنی اب ان کی حالت یہ ہے کہ ان کی ساری تنگ و دو اور دوڑ دھوپ فساد کے لیے ہو رہی ہے۔۔۔ یہ اگرچہ اپنے کو دنیا کی برگزیدہ نسل کہتے ہیں اور اللہ کے مقدس نبیوں سے نسبت جوڑتے ہیں۔ لیکن ان کا کردار یہ ہے کہ اللہ کے سائے پیغمبر جس صلاح کے پھیلانے کے لیے آئے تھے یہ اس کے خلاف فساد پھیلانے کی ہم چلا رہے ہیں۔ اور ہدایت کی اس روشنی کو بھاد دینا چاہتے ہیں جو سارے نبی اپنے اپنے وقت پر لائے تھے اور جو مکمل شکل میں خدا کے یہ آخری نبی لے کر آئے ہیں۔۔۔ اور ایسے لوگ کبھی خدا کی محبت و عنایت اور اس کے پیار کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ بلکہ یہ محروم ہی رہیں گے (وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ) یہ میں نے گزشتہ ہفتہ کے درس کا خلاصہ بیان کر دیا ہے۔ اس کے بعد متصلاً یہ آیتیں ہیں جو میں نے اس وقت آپ کے سامنے تلاوت کیں۔۔۔ ان میں مشفقانہ اور خیر خواہانہ انداز میں فرمایا گیا ہے۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ

سَيِّئَاتِهِمْ وَلَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان اہل کتاب سے کوئی عناد نہیں ہو گیا ہے۔

بلکہ انہوں نے خود اپنے پر ظلم کیا ہے۔ اور ایمان کے بجائے کفر کی راہ اختیار کر کے

اور صلاح و تقویٰ کی جگہ نفسانیت اور معصیت کا راستہ اپنا کے خود ہی اپنے کو اللہ تعالیٰ کی ابدی رحمت اور جنت سے محروم کر لیا ہے۔ اگر یہ لوگ اللہ کے پیغمبر پر ایمان لاتے اور تقویٰ والی زندگی اختیار کرتے جس کی دعوت اللہ کے سائے پیغمبر اور اللہ کی طرف سے آنے والی ساری کتابیں اور سائے صحیفے دیتے رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے قانون رحمت کے مطابق ان کے پچھلے گناہ تصور سب معاف کر دیے جاتے اور آخرت میں یہ اللہ کے جواد رحمت جنت میں جگہ پاتے۔ لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا دُخْلُهَا لَهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ — اور اگر آخرت پر ایمان ہو تو کسی بندہ کی سب سے بڑی خوش بختی اور کامیابی یہی ہے کہ اس کے گناہ تصور معاف کر دیے جائیں، ان کا کوئی حساب نہ ہو اور دوزخ آخرت میں جنت نصیب ہو جائے۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ اگر اہل کتاب اللہ کے اور اس کے پیغمبروں کے بتائے ہوئے راستہ پر ٹھیک ٹھیک چلتے تو آخرت میں مغفرت اور جنت کے علاوہ اور اس سے پہلے اس دنیا میں بھی یہ ہر طرح کی نعمتوں اور برکتوں سے نوازے جاتے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكْفَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ

اور یہ اہل کتاب اگر تورات و انجیل کی تعلیمات پر اور اس ہدایت پر ٹھیک ٹھیک چلتے جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے لیے اب نازل کی گئی ہے — یعنی قرآن پاک — تو اوپر سے اور نیچے سے ہر طرف سے رزق پاتے اور زمین و آسمان کی برکتوں کے دروازے ان کے لیے کھول دیئے جاتے، ان پر اوپر سے بھی نعمتوں کی بارش ہوتی اور زمین بھی ان کے لیے رزق الہی کے خزانے اگلتی۔

ان دو آیتوں سے اوپر کی آیتوں میں بلکہ پچھلے کئی رکوعوں میں اہل کتاب خاص کر ان میں سے یہودیوں کی بد اعمالیوں اور اس کے نتیجہ میں ان پر اللہ کی لعنت و غضب کا ذکر کیا گیا تھا اور ان کا انداز ترسیمی تھا۔ ان آخری دو آیتوں کا انداز ترسیمی ہے ان میں فرمایا گیا ہے کہ یہ اہل کتاب اگر کفر و عصیان کے بجائے ایمان اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے

اور اپنے گندے جذبات اور نفسانی خواہشات کی اتباع کے بجائے اللہ کی مقدس کتابوں توراۃ و انجیل اور قرآن حکیم کی ہدایات کی پیروی کرتے تو آخرت میں "جنت النعیم" کے وارث بنائے جاتے اور وہاں کی کبھی نہ ختم ہونے والی نعمتوں سے فیض یاب ہوتے اور آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی ان پر اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوتا کہ زمین سے بھی ان کو فراوانی سے رزق ملتا اور آسمان سے بھی ان پر رحمتوں اور برکتوں کی بارش ہوتی مطلب یہ ہو کہ اس دنیا میں جو نعمتیں زمین سے حاصل ہوتی ہیں وہ بھی ان کو ملتیں اور جہی نعمائے الہیہ کا نزول آسمان سے ہوتا ہے وہ ان سے بھی بہرہ یاب ہوتے۔

میرے نزدیک ان دونوں آیتوں کا مدعا اور پیغام یہ ہے کہ ان اہل کتاب کے لیے جو الحاد و انحراف اور بد اعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے محروم ہو گئے ہیں اب بھی دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اگر یہ اپنی اصلاح کر لیں، کفر و عصیان کا طریقہ چھوڑ کے ایمان تقویٰ کا راستہ اختیار کر لیں اور نفسانی خواہشات اور گندے جذبات کی غلامی کے بجائے خداوندی ہدایت کی پیروی کو اپنا شعار بنالیں تو دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور رحمتوں سے اب بھی پورا پورا حصہ لے سکتے ہیں۔

یہ بات اگرچہ یہاں اہل کتاب کے بارہ میں اور ان میں سے بھی خاص کر یہود و نصاریٰ کے بارے میں فرمائی گئی ہے لیکن مد اصل یہ اللہ تعالیٰ کا عام قانون اور اس کا اذلی دستور ہے۔ سورہ اعراف میں حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت شعیب علیہم السلام کی قوموں کا یہ حال بیان فرمانے کے بعد کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں پر ایمان لانے اور ان کی ہدایت پر چلنے کے بجائے کفر و نافرمانی کا راستہ اختیار کیا اور ان پر خدا کا غضب اور عذاب نازل ہوا۔ فرمایا گیا ہے۔

”وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابَاتٍ

مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ“ ۵

(اور اگر ان بستیوں والے کفر و نافرمانی کے بجائے ایمان و تقویٰ کا راستہ اختیار کرتے تو ہم ان پر زمین و آسمان کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے) اس آیت سے

اور زیادہ صراحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہو گئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا عام اور سب سے گہرا قانون اور ازلی ابدی سنت اللہ ہے کہ جو قوم اور امت ایمان اور تقویٰ والی زندگی اختیار کر لے وہ آخرت میں جنت کی نعمتوں کے علاوہ اس دنیا میں بھی زمین و آسمان کی برکتوں سے نوازی جائے گی

جس زمانہ میں مسلمانوں کی عام زندگی ایمان اور تقویٰ والی تھی، ان کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح زمین و آسمان کی برکتوں کے دروازے کھول دیے تھے۔ شروع شروع میں تو ابتدائی اور ابتدائی دور ہر جا ایمان والوں کی تربیت کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ لیکن اس مرحلہ کو طے کر لینے کے بعد ان پر ہر طرف سے نعمتوں کی بارش ہی بارش تھی۔ اؤ چیزوں کے علاوہ زمینی پیداوار میں برکت کا یہ حال تھا کہ ابو داؤد شریف جو صحاح ستہ کی اہم کتابوں میں سے ہے اس کے مؤلف اور جامع امام ابو داؤد نے خود اپنا شاہرہ لکھا ہے کہ زمین کی پیداوار میں اسی برکت تھی کہ مصر کے بازار میں میں نے ایسے کھیرے دیکھے جن میں سے ایک کو میں نے اپنے بالشت سے ناپا تو وہ تیرہ بالشت تھا۔ اسی طرح انھوں نے لکھا ہے کہ وہاں میں نے ایسے لیوں دیکھے جن کو نہ سے دو حصے کر کے ایک حصہ کو اونٹ کی پیٹھ پر ایک جانب اور دوسرے حصہ کو دوسری جانب لادا جاتا تھا۔ اسی طرح حضرت امام احمد بن حنبل نے بیان فرمایا کہ انھوں نے ایسے گہوں دیکھے جن کا ایک دانہ بصرہ کی گھوڑی کی گھٹلی کے برابر تھا۔

یہ دراصل ”لَفْتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ“ کا ایک ظہور تھا۔ لیکن کسی قوم اور امت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ اسی وقت ہوتا ہے جب اس کی زندگی اجتماعی اور عمومی طور پر ایمان اور تقویٰ کی ہو، نفاق اور فسق و فجور اگر ہو بھی تو باطل دبا ہوا ہو۔ لیکن اس کے برعکس اگر کسی قوم اور امت کی حالت یہ ہو کہ اس میں آخرت سے بے فکری، اللہ و رسول کی نافرمانی اور فسق و فجور عام ہو تو اگرچہ اس میں کچھ صلاح اؤ متقی لوگ اور اولیاء اللہ بھی ہوں تو وہ قوم اجتماعی حیثیت سے ان نعمتوں اور برکتوں کی مستحق نہیں رہتی۔ سورہ مائدہ کی جو آیتیں اس وقت زیر درس ہیں ان کے آخری حصہ میں

یہ بات بھی بڑی صراحت کے ساتھ فرمادی گئی ہے، اہل کتاب کی محرمیوں کے تذکرہ کو ان الفاظ پر ختم کیا گیا ہے۔

”مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ“

یعنی ان اہل کتاب کی حالت یہ ہے کہ ان میں ایک چھوٹا سا گروہ اور ایک تقویٰ سی تعداد تو بیشک ایسی ہے کہ اس کی روش ٹھیک ہے اور وہ راہِ راست پر ہے یعنی اس میں خدا ترسی اور فکرِ آخرت ہے اور وہ لوگ خداوندی ہدایت کی پابندی کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ لیکن ان میں کی بڑی تعداد بد اعمالیوں اور بد کرداریوں میں مبتلا ہے۔

”وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ“

اس سے معلوم ہو گیا کہ جب کسی امت کی حالت یہ ہو جائے کہ اس کی اکثریت کی زندگی نافرمانی اور فسق و فجور کی ہو تو اگر اس میں کچھ بندے اعلیٰ درجہ کے صالح اور تقویٰ اور اولیاء اللہ بھی ہوں تو اُمت اللہ تعالیٰ کی خاص نعمتوں اور برکتوں سے محروم ہی رہے گی۔

ہم مسلمان آج بالکل اسی حال میں ہیں۔ قرآن پاک میں اُن اہل کتاب کے حق میں فرمایا گیا تھا مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ۔ یہ لفظ بہ لفظ آج کے مسلمانوں پر صادق ہے اور یہ کسی مخصوص علاقہ یا کسی خاص ملک کے مسلمانوں کا حال نہیں ہے، بلکہ پورے عالمِ اسلامی کی حالت یہی ہے مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ۔ ان الفاظ میں قرآن پاک نے زمانہ نبوت کے اہل کتاب کی تصویر کھینچی تھی۔ آج یہ اُمتِ مسلمہ کی زندگی کی تصویر ہے۔ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ۔

بیشک اس اُمت میں آج بھی اصحابِ صلاح و تقویٰ اور اولیاء اللہ کی ایک خاصی تعداد ہو لیکن چونکہ اکثریت بلکہ غالب ترین اکثریت خداوندی ہدایت سے بے پڑا ہو کر من مانی زندگی گزار رہی ہے اس لیے اُمت ان نعمتوں اور برکتوں سے محروم ہے جن کے دروازے اب ان تقویٰ والی قوموں کے لیے کھولے جاتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ بیان فرمایا اگر آخری زمانہ میں مسلمانوں پر ایسے برے حالات آئیں گے اور وہ اس اس طرح تباہ و برباد کیے جائیں گے تو اہمات المؤمنین میں سے غالباً حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ حضرت کیا اس زمانہ میں اُمت صالحین سے خالی ہو جائے گی؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس وقت بھی اُمت میں اللہ کے کچھ صالح بندے ہوں گے۔ انھوں نے عرض کیا۔

أَمْهَلَكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ
یا رَسُولَ اللہ؟
حضرت کیا ہم اسی حالت میں بھی
ہلاک و برباد کر دیے جائیں گے جبکہ
ہم میں اللہ کے کچھ صالح بندے بھی
ہوں گے؟

آپ نے ارشاد فرمایا
لَنَعْمَ إِذَا أَكْثَرَ الْخَبِيثُ

ہاں جب خبیثت یعنی فتن و فجور کا اُمت
میں غلبہ ہوگا تو صحابہ کے چوتھے پوتے
بھی ہلاکتیں اور بربادیاں آئیں گی۔

اس وقت پورے عالم اسلامی میں مسلمان جن ذلتوں سے دوچار ہو رہے ہیں اور
جن کی سب سے زیادہ تکلیف دہ مثال اسرائیلی حکومت اور عربوں کے معرکہ میں سامنے
آئی ہے اس کا حقیقی اور بنیادی سبب یہی ہے کہ اُمت کی موجودہ زندگی نے اس کو
خدا کی نصرت سے یکسر محروم کر دیا ہے۔ ایمانی نقطہ نظر سے بنیادی اور حقیقی سبب
یہی ہے۔ ظاہری اسباب و تدابیر کے لحاظ سے جو کوتاہیاں ہیں وہ دراصل اس کے
نمرات و نتائج ہیں، اور علاج صرف یہی ہے کہ پھر سے ایمان و تقویٰ کی زندگی اُمت
میں عام ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ازیلی ابدی منشور ہے۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ كَفَرُوا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمُ بَابًا
مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ

وصایا اور صلح کے آئینے میں

اَزْمَوْلَانَا لَاسْمِیْمَ اَحْمَدُ فَرِیْدُیْ اَمْرُوہِیْ

وصیت — بعض نصیحتوں کو

مجھ سے میرے ایک دوست نے (اللہ تعالیٰ تمام احباب کو توفیق نیکے) فقر اور فساد کے مکر و فریب کی شرح چاہی ہے۔ اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ میں دنیا کے کچھ علاقوں میں گھوما ہوں۔ میں نے بہت سے امور کا تجربہ کیا ہے بڑے بڑے کاموں پر سوار رہا ہوں، بزرگوں کی صحبت اٹھائی ہے اور چیزوں کی کرڈا ہٹ اور مٹھاس کو چکھا ہے۔ کتابوں کی چھان بین کی ہے، علماء کی خدمت میں رہا ہوں۔ عجائب قدرت کا مطالعہ کیا ہے (اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ) میں نے کوئی شے عمر اور دنیا سے زیادہ جلد زوال پذیر ہونے والی نہیں دیکھی اور موت و آخرت سے زیادہ قریب کوئی چیز نہیں پائی..... میں نے قناعت کے اندر دنیا و آخرت کی بھلائی اور طمع کے اندر تمام جہان کی برائی دیکھی۔ میں نے سب سے زیادہ نقصان والا اس شخص کو دیکھا جو اپنے اوقات کو (لینے و دینے اور) لینے و دینے میں گزارتا ہے۔ میں نے سب سے اچھی زمین تو اضع کو پایا اور سب سے بُری چیز بخل کو — میں نے وہ چیز جو

جامع شہر ہو حد کو پایا اور کسی شخص کے سامنے دست ہواں دراز کرنے میں ذلت کی موت پائی۔ مجھے حیاتِ ابدی، سوال سے بچنے اور اپنے حال کو پوشیدہ رکھنے میں نظر آئی۔ کوشش اور جدوجہد میں میں نے توفیق کا مشاہدہ اور تجربہ کیا۔ میں نے ہر جرہیں کو محروم دیکھا اور جس کسی کو طالب دنیا دیکھا منہ موم پایا..... ذلت و خواری میں نے ان لوگوں میں مشاہدہ کی جو طاعتِ مخلوق میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور عسکر و شہنشاہانِ لوگوں میں دیکھا جو طاعتِ خالق میں مصروف ہیں..... میں نے عاقل اگر دیکھا تو اس شخص کو جو آخرت کی طرف متوجہ ہے۔ دنیا کے راعب کو میں نے بس دنیا ہی میں مشغول اور جان کھپاتے دیکھا۔ دنیا سے بے پرواہ کو نادرغ البالی اور مطمئن پایا۔ اور یہ بھی دیکھا کہ جو داعی "مرید" ہے وہ (سچا) طالب ہے اور جو فقط مریدی کا دعویٰ ہی دعویٰ کرتا ہے اس کو کاذب پایا۔ میں نے برکتِ رزق اور برکتِ عمر طاعتِ خداوندی میں دیکھی اور دنیا و آخرت دونوں (کی کامیابی) متا بہت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی۔ میں نے داخلہ جنت اکلِ حلال میں دیکھا۔ جان لے لے فقیر اللہ تعالیٰ تجھے توفیق دے کہ فقر و درویشی کی زمینت اور بنیاد اُن چیزوں پر ہے جن کو میں بیان کرتا ہوں:-

تیرا زاد راہ تقویٰ اللہ ہو۔ تیری پونجی افلاس ہو۔ تیرا سفر اخلاص ہو۔ تیرے انھاس مراحل ہوں۔ تیری منزل قبر ہو۔ تیرا ساتھی یقین ہو۔ تیری تدبیر تحرز و انکساری ہو..... تیرا گھر خلوت ہو..... تیری مجلس مسجد ہو، تیرا درس حکمت ہو، تیری نظر عبرت ہو، تیری محافظ حیا ہو..... تیری عادت حسنِ خلق ہو..... تیری علمِ قناعت ہو..... تجھے نصیحت کرنے والے مقابر ہوں، تیرے داخلہ حوادثِ آیام ہوں، تیرا اساع ذکر موت ہو..... تیرا ہتھیار وضو ہو، تیری سواری پرہیزگاری ہو، تیرا دشمن شیطان ہو۔ تیرا عدد و انفس ہو۔ دنیا تیرے نزدیک ایک قید خانہ ہو اور خواہشِ نفس تیری نظر میں داروغہ جیل ہو۔ تیری رات تطہیر (نفل) ہو اور تیرا دن استغفار ہو..... تیرا قلعہ دین ہو، تیرا شعار شہر ہو تیری محبوب کتاب اللہ ہو، تیری انیس سُنّت رسول اللہ ہو، تیرا اس المال، اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن اور تیرا شغف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ہو۔ نفسِ آمار سے

بجائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نفس کو تمام اشیاء میں شریر ترین بنایا ہے۔ اور یہ نفس تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہر وقت موجود ہے..... نفس کی مثال اس چور کی ہے جو گھر کے تمام ساز و سامان سے خوب واقف ہو۔ نفس کی صفات مذکورہ یہ ہیں کہ وہ شر سے محبت اور خیر سے بغض رکھتا ہے۔ عہد (عبدیت) سے مخالفت اور بیجا خواہشات سے موافقت رکھتا ہے تو اسے طاعت کی طرف بلائے گا وہ تجھے معصیت کی جانب تحریک کرے گا..... نفس، شہوت و خواہش کے معاملے میں چوپایوں کے مانند ہے۔ نفس خون کے عالم میں بنی کی طرح ہو جاتا ہے اور امن کے زمانے میں شیر اور چیتا بن جاتا ہے۔ نفس کی ایک بُری عادت یہ بھی ہے کہ وہ فقر و فاقہ سے تو ڈرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ سے ادا اس کے عذاب الیم سے نہیں ڈرتا۔ نفس شیطان کے قبضہ میں ہے اور اس کے بہت سے مددگار ہیں جیسے دنیا اور دنیا کی ٹیپ ٹاپ اور دنیا کے متعلقات نفس کے ہر ہر فرد کا پاس لشکر۔ فحش، خیل و شتم اور زینت حیات دنیا کے سلسلے کی بہت سی چیزیں موجود ہیں۔ جیسے کثرت نوم، کثرت اکل، کثرت ضحک و مزاح..... حُب دنیا، الماری، تلخیرِ احد، چغلی، عاداتِ ذمیمہ، شربِ خمر، ازکابِ مباحی، لہو و لعب، جمع مال، طولِ اَمال۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے تو فنی دی اس کو نفس کے عیوب سے آگاہ کر دیا۔ اور نفس کو مستح کرنے میں اعانت فرمائی۔

تو نفس کے منہ میں تقوے کی لگام لگا دے اور اس کو تواضع و انکسار کی زنجیروں میں جکڑ دے۔ عقل کو اس کا عقل (بندھن) بنائے، شرع کو اس کا قید خانہ اور عبادت کو اس کا دار و غہ بنادے۔ عبادت و طاعت کے اندر بھی نفس کی طرح طرح کی مکاریاں اور حیلاریاں دخل انداز ہو جاتی ہیں اور یہ مکاریاں معصیت والی مکاریوں سے بھی زیادہ بُری ہوتی ہیں۔ مثلاً عبادت کو دکھانے کے لیے سوازا، قیمتِ عمل طلب کرنا۔ ریاکاری، نفاق اور اس بات کو پسند کرنا کہ لوگ ہاتھ چومیں، خوب تعریف کریں، بادشاہوں اور مالداروں کی توجہ ادا ہو جائے، دنیا والوں میں آنا جانا..... نقص اور بناوٹ، اپنے روزوں اور نمازوں کا اظہار۔ لوگوں کو دکھانے کے لیے کم کھا۔


اپنی کرامات کی تشریح و تفسیر اپنے وجد اور بکا کا ذب کا اعلان۔ ہونٹوں کا چلانا
آنکھوں سے اشارے کرنا۔ مالداروں سے میل ملاپ، مریدین کی کثرت، زیارت
نواں۔ نعوذ باللہ من الشیطان الرجیم
جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی خیریت چاہتا ہے تو اس کو نفس کے عیوب
سے خبردار کر دیتا ہے۔ ————— والحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ
علیٰ رسولہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین —

BOMBAY ANDHRA TRANSPORT CO.

TRANSPORT CONTRACTORS

113, BHANDARI STREET, CHAKLA,


BOMBAY-3



دماغین
دماغی کمزوریوں
کی
کامیاب دوا

دماغی کام کرنے والے مسٹر آطاب علم نیچر، وکیل، انجینئروں
کے لئے ایک تحفہ ہر عمر کے لوگ استعمال کر سکتے ہیں

دواخانہ البیوتہ جیمس پینینٹی علی گڑھ



اکبر اور نقطوی تحریک

از پروفیسر محمد اسلم، استاد شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی لاہور

[پروفیسر محمد اسلم صاحب کا ایک گرانقدر مقالہ "اکبر کا دین الہی اور اس کا پس منظر" ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ اور محرم ۱۳۵۸ھ کے شماروں میں نظر نواز ہو چکا ہے۔ پروفیسر صاحب نے یہ زیر نظر مقالہ خاص الفتان کے لیے تحریر فرمایا ہے اور حسب سابق بڑی نادر تحقیقات پیش کی ہیں۔]

اکبر کے مریدوں میں ابوالفضل سرفراز تھا۔ اور بدایونی نے ایک موقع پر اسے محمد دین و مذہب نو کے لقب سے ملقب کیا ہے۔ جن لوگوں نے اکبر کو گمراہ کیا ان میں بھی ابوالفضل کا نام سب سے اوپر تھا۔ جہاں تک ابوالفضل کا تعلق ہے وہ محمد تھا اس کی اپنی تحریروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کی زندگی میں ہی اس پر فتوے لکھے شروع ہو گئے تھے ابوالفضل فطرتاً الحاد کی طرف مائل تھا اور ایک بار اس نے باتوں باتوں میں بدایونی سے کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ چند روز وادی الحاد کی سیر کروں۔ بدایونی نے کہا کہ اگر نکاح کی قید اٹھاؤ تو پھر اس سیر کا لطف دد بالا ہو جائے گا۔ اس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ

۱ منتخب التواریخ، مطبوعہ مکتبۃ ۱۸۶۵ء جلد ۲ ص ۲۰۳۔

۲ آئین اکبری، مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۶۹ء جلد اول، ص ۱۸۹۔

۳ منتخب التواریخ، جلد ۲، صفحہ ۲۶۲۔

ابو الفضل کے دل میں اسلام کے متعلق شکوک پیدا ہو چکے تھے اور — خزاہم اللہ مرضاً کے مصداق یہ شکوک دل بدن بڑھتے گئے اور آخر کار وہ مبداء و معاد کا انکار کر کے طرد ہو گیا۔
 عبدالقادر بدایونی اور خواجہ کلاں عبید اللہ (ابن خواجہ باقی باللہ) دونوں نے شریف آملی کو ابو الفضل کی گمراہی کا سبب بنایا ہے۔ شریف آملی کے متعلق ان دونوں بزرگوں کی یہ متفقہ رائے ہے کہ وہ محمود بیخونی کا پیر و تھا اور اس کا شمار نقضوی فرقہ کے ”روا“ میں ہوتا تھا۔ اس فرقہ نے دسویں صدی میں ایران اور ہندوستان کے ہزاروں لوگوں کے ذہنوں کو متاثر کیا۔ اور ایران میں تو اس فرقہ کو اتنا فروغ ہوا کہ اس کے پیروں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی اور شاہ عباس اول کا نگہاسن ڈولنے لگا۔ شاہ نے اپنا تخت تاج منظرے میں دیکھ کر ہزاروں نقضویوں کو مسئلہ ہجری میں تہ تیغ کر ڈالا۔ سبھی مؤرخ اس پر متفق ہیں کہ اس قبل عام میں کچھ نقضوی جان بچا کر ہندوستان چلے آئے اور یہاں آکر اپنے عقائد کا پرچار کرنے لگے۔ ان میں شریف آملی بھی تھا جو ابو الفضل کا دست راست مانا جاتا تھا۔

ڈاکٹر نذیر احمد صاحب صدر شعبہ فارسی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور تہران یونیورسٹی کے پروفیسر صادق کیا کی تحقیق کے مطابق نقضوی فرقہ کا بانی محمود بیخونی گیلان کے ایک گاؤں بیخون کا رہنے والا تھا۔ بچپن ہی میں اس کے دل میں حصولِ علم کی آرزو جھپکنے لگی۔ اتفاق سے ان دنوں ایران میں فضل اللہ استرآبادی اور اس کے حروفی فرقہ کا بڑا شہرہ تھا۔ محمود اس کی شہرت سن کر اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے اکتسابِ فیض کرنے لگا۔ کچھ عرصہ بعد دونوں میں کسی مسئلہ پر اختلاف پیدا ہوا اور محمود نے فضل اللہ

۱۔ بایوگرافی، ۲۳۹، ۲۴۰۔ !! مبلغ الرجال، مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ۔ ورق ۲۲ الف۔

۲۔ تاریخ عالم آراء سیاسی، مطبوعہ تہران ۱۳۳۵ھ ج ۲، ص ۲۷۵۔

۳۔ ایضاً۔ !! نقضویان یا بیخونیاں، مطبوعہ تہران ۱۳۳۵ھ، ص ۹-۱۰۔ !! منتخب التواریخ جلد ۲، ص ۲۴۶۔

۴۔ تاریخ دینی و ادبی مطالعے مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۹۱ء، ص ۱۔ !! نقضویان یا بیخونیاں، ص ۵۔

سے علیحدگی اختیار کر لی اور سترہ سبیری میں نقطوی فرقہ کی بنیاد رکھی۔
 محمود سبیزانی کے مخالفین بھی اس بات پر متفق ہیں کہ وہ کسی زمانے میں بڑا عابد و زاہد
 تھا۔ اس کا یہ معمول تھا کہ وہ آبادی سے دور عبادت و مراقبہ میں مشغول رہتا اور درختوں کے
 پتے اور گھاس کھا کر اپنا گزارا کرتا۔ ایک دن وہ ایک ندی کے کنارے بیٹھا وضو کر رہا تھا کہ
 اسے پانی میں کوئی چیز بہتی نظر آئی جب وہ چیز اس کے قریب آئی تو اس نے اُسے بغور
 دیکھا، وہ ایک تر و تازہ گاجر تھی۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر اس گاجر کو پکڑ لیا اور وہیں بیٹھے
 بیٹھے اسے کھا گیا۔ اس کے بعد وہ ہر روز وقت مقررہ پر وضو کے لیے ندی پر آتا اور ایک
 بہتی ہوئی گاجر اس کی طرف آتی اور وہ اسے پکڑ کر کھا لیتا۔ وہ اس پر خوش تھا کہ خدا نے
 اس کے رزق کا اس طرح انتظام کر دیا ہے۔

محمود سبیزانی کو گاجر میں کھاتے ہوئے دو ماہ گزر گئے تو اس کے دل میں یونہی
 ایک خیال آیا کہ دیکھنا تو چاہیے کہ روزانہ یہ گاجر کہاں سے آتی ہے۔ اگلے روز وہ وقت
 مقررہ سے پہلے ندی پر پہنچا اور پانی کے بہاؤ کے خلاف چل پڑا۔ ابھی وہ تھوڑی
 ہی دور گیا تھا کہ اس نے دیکھا کہ ایک برہنہ عورت ندی کے کنارے بیٹھی — زرد کے رادر
 محل مخصوص خود میغرتہ دمی برآمد و ساعتے ہاں علی قیام نمود چوں از کار پر داخت و
 آتش تو قان او فرو نشست آں زردک رادر آب از دست فرو بہشت ۹۵ محمود نے دوسرے
 یہ منظر دیکھا تو خدا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ "اے خدا تو اپنے مخلص بندوں کو ایسی چیزیں
 کھانے کے لیے دیتا ہے؟ اس واقعہ کے بعد وہ اسلام ہی سے پھر گیا اور اس نے الحاد
 و زندقہ کا پرچار شروع کیا۔ اس نے اپنے عقائد پر تیرہ رسالے لکھے جن میں "بجر کو زہ"
 سب سے گیا گزارا ہے۔ اس کے اندراجبات کے متعلق بدایونی لکھتا ہے کہ — فضلاتہ ۹۶

۹۵ ایضاً۔ "دس در سال ۸۰۰ میں دین نور پیدا درد"

۹۶ ملخ الرجال، ورق ۱۲۰۔ ۹۷ ایضاً ورق ۲۲ الف

۹۸ الفت سرائے: مقالہ نگار نے متن اور تراشی میں ایسے تمام الفاظ جدید فارسی رسم خط میں لکھ دیے
 مردوں سے لکھے تھے۔ ہم نے اپنے ناظرین کی سہولت کے لیے ایسے تمام الفاظ کو اپنے مباحث کے مانوس رسم خط میں تبدیل کر دیا ہے۔

کہ در آسنا خوردہ گوش از شنیدن آں تے میکند۔ اس خدا بیزار کے رہ سائے مذہب میں سے شریف آملی اکبر کے عہد حکومت میں ہندوستان آیا اور ابوالفضل نے اس سے یارانہ کاٹھ لیا۔

شریف آملی (ایران میں) نقطوی فرقہ کا ایک سرگرم مبلغ تھا اور اس کی تبلیغ دہی سے ہزار ہا لوگ اس فرقہ میں شامل ہو گئے۔ جب شاہ عباس نے نقطویوں کا قتل عام شروع کیا تو وہ کسی نہ کسی طرح جان بچا کر ایران سے بھاگ نکلا۔ بدایونی اور خواجہ کلاں دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ ایران سے بھاگ کر اس نے بلخ میں مولانا محمد زاہد نہیر شیخ حسین خوارزمی کی خانقاہ میں پناہ لی اور صوفیوں کی طرح رہنے لگا۔ اس کی طبیعت کو چونکہ درویشی سے کوئی مناسبت نہ تھی اس لیے اس نے ہرزہ سرائی اور شطاحی کو اپنا شعار بنالیا۔ جب مولانا محمد زاہد کو اس کے عقائد معلوم ہوئے تو انھوں نے اسے اپنا خانقاہ سے نکال دیا اور وہ دکن (ہندوستان) چلا آیا۔

دکن میں ان دنوں شیعیت کا دور دورہ تھا۔ وہاں لوگوں نے شریف آملی کو مشیعی عالم سمجھتے ہوئے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ وہ چونکہ فطرتاً باطن تھا اس لیے اس نے شیعیت کا لبادہ اوڑھ کر اپنے عقائد کا پرچار شروع کیا۔ جب لوگوں کو اس کے عقائد معلوم ہوئے تو وہ اس کے درپے آزار ہوئے۔ بدایونی کے الفاظ ہیں کہ۔ حکام دکن میخواسند کہ لوح ہستی اور اذ نعش حیات پاک سازند، عاقبت بر سواری خرقہ فرایافتہ بر سوئی تشریش نمودند۔ (حکام اس کو قتل کر دینا چاہتے تھے۔ مگر اس میں تخفیف کر کے اسے گدھے پر سوار کر کے گھمانے کی سزا دی گئی)

دکن سے جان بچا کر شریف آملی شمالی ہندوستان چلا آیا اور پہلی ہی ملاقات میں

۱۱ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۴۰۔ ۱۲ مبلغ الرجال، ورق ۲۲، الف

۱۳ تاریخ عالم آرائے عباسی، جلد ۲، ص ۲۲۵۔ ۱۴ مبلغ الرجال، ورق ۲۲، الف،

۱۵ ایضاً۔

۱۶ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۴۱

اُس نے بادشاہ کے سامنے "حرفائے نامہوار" کہے جو پسند خاطر ہوئے۔ اکبر نے ہزاری منصب دے کر اُسے اپنے مقربین کے زمرہ میں شامل کر لیا۔ یہیں سے اس کی دوستی ابو الفضل کے ساتھ شروع ہوئی اور اسی کے توسط سے ابو الفضل نے ایران کے نقطویوں کے ساتھ نامہ و پیام شروع کیا۔ خواجہ کلان "قطر ازہیں" کہ شریف آملی، محمود سپوزانی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مراتب چارگانہ کا، جو ابو الفضل کے اجتہاد کا نتیجہ تھے، پر چار کیا کرتا تھا۔ اس نے بھی بحر کو زہ کے طرز پر ترشحِ ظہور "نام کی ایک کتاب لکھی تھی جو "مہملات" پر مشتمل تھی۔ شریف آملی کے حواریوں نے اسے۔ مجددِ مائے عاشقِ مشہور کر رکھا تھا۔ اس لیے سرکاری حلقوں میں وہ بڑی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ اسکندر منشی کی روایت ہے کہ اکبر اسے اپنا پیر و مرشد مانتا تھا اور اس کی تعظیم و تکریم بالکل ایک پیر کی طرح کرتا تھا۔ بادشاہ اور وزیر کی دیکھا دیکھی ان کے مصاحب بھی اس کے ساتھ بڑی عقیدت سے پیش آتے تھے۔

بدایونی نے کیا خوب لکھا ہے کہ۔ "چوں ہندوستان وسیع است و میدانِ اباحت درانِ عرصہ فراخ و کسی را با کسی کاری نہ تاہر کس بہر طور یکہ باشد، باشد آئینہ شریف آملی خود کئی جگہ سے جان بچاتا ہوا اکبر کے ہوا کر دہ۔ میدانِ اباحت۔ میں آکر معزز و مکرم ہوا۔ جب ایران میں نقطویوں پر عرصہ حیات تنگ ہوا تو بہت سے نقطوی دہاں سے بھاگ کر ہندوستان چلے آئے۔ ان میں جو بڑے لکھے یا کسی فن میں ماہر تھے انہوں نے شریف آملی کے توسط سے اکبر کی ملازمت اختیار کر لی۔ یہیں دربار اکبری میں دو نقطوی شاعر

۱۵ مسبقہ، ترجمان، ورق ۲۲، ۱۵ ایضاً۔ ۱۵ منتخب التواریخ جلد ۲، ص ۲۴۷

۱۶ ایضاً ص ۲۴۶، ۱۵ "التاریخ عالم آرائے عباسی، جلد ۲، ص ۲۲۵۔

۱۷ منتخب التواریخ جلد ۲، ص ۲۴۶۔ ۱۲ نقطویان اسپجانیان، ص ۹۔ ۱۰

"از پیران دیہا گزنا گون و تہمت زدگان را نیز ہندو ہنوی شد۔ انک اندک ہندوستان جاگاہ دانشندان و ہنرمندان ایران و پناہ گاہ گزینگان این سالان گشت۔"

دوقعی نیشاپوری اور تشبہی کاشی بڑے معزز و مکرم نظر آتے ہیں۔ یہ بات بڑی غور طلب ہے کہ ابو الفضل کے ساتھ ان کے بڑے عمدہ مراسم تھے اور اس کے ہاں ان کی آمد و رفت بھی رہتی تھی۔^{۳۵}

دوقعی نیشاپوری کے متعلق بدایونی لکھتا ہے کہ یہ۔ "مغضوب الرب و ملعون خلق"۔ تنازع اور نظریہ ارتقا کا قائل تھا۔ ایک بار کشمیر جاتے ہوئے لشکر شاہی نے بھنجر کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ اتفاق سے دوقعی کسی کام سے مجھ سے ملنے آیا۔ میرے خمیہ کے باہر بڑے بڑے پتھر بکھرے پڑے تھے، جو منی اس کی نظر ان پر پڑی۔ "بحسرت گفت کہ آہ بیچارہ! منتظر اند کہ تا کی بقلب انسانی برآئند؟" اس سے نقطہ یوں کے عقائد پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ تشبہی کاشی بھی ابو الفضل کے توسط سے اکبر کے دربار میں بار بار ہوا تھا۔ اس نے ایک موقع پر اکبر کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھا جس میں اس نے اکبر کو مخاطب کر کے یہ کہا۔ "چرا یکدیگر مشرہ تقلید بان را بر بنی اندازید تا حق مرکز قرار یابو؟" بدایونی نے ابو الفضل کے گھر میں تشبہی کاشی کے ہاتھ میں محمود بیخانی کا ایک رسالہ دیکھا تھا جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا تھا۔ "یا للہ المحمود فی کل فعالہ استعین بنفسہ الذی لا الہ الا هو الحمد للہ الذی وجد نعمہ بوجود کلیاتہ و اظهر وجود الکلیات عن نفسه سہو بہم کلیا و هو یعلم نفسه و لا تعلم نفوسنا و لا هو و هو کون لا کائن الایہ و مکانہ لا یکون بغیرہ و هو ارحم الراحمین"۔^{۳۶}

بدایونی کی تحریروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں شاعر عوام کو دعوتِ الحاد دیا کرتے تھے اور تشبہی کاشی نے تو خود کو ابو الفضل سے مجتہد بھی تسلیم کر دیا تھا۔ ابو الفضل کے نقطہ یوں کے ساتھ ربط و ضبط رکھنے سے لوگوں کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ وہ بھی نقطوی ہے۔ ہندوستان کے باہر بھی اس کے الحاد کا چرچا تھا، چنانچہ

^{۳۳} منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۲۰۵۔ ۲۰۶ ایضاً ص ۲۰۹۔ ۲۱۰ ایضاً ص ۲۰۵۔

^{۳۴} ایضاً۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵ ایضاً ص ۲۰۴۔ ۲۰۵۔

مشہور ایرانی مورخ اسکندر منشی کی اس کے متعلق یہ رائے ہے۔ "شیخ ابو الفضل ولد شیخ مبارک کہ از اباب فضل و اعتقاد ولایت ہند در ملازمت پادشاہ عالیجاہ جلال الدین محمد اکبر پادشاہ تغیب و اعتبار تمام یافتہ بود این مذہب داشت و پادشاہ را بکلیات دایمہ و سبع المشرب ساختہ از جادہ شریعت منحرف ساختہ بود۔" ۱۰۰

اسکندر منشی لکھتا ہے کہ جب شاہ عباس نے نقویوں کا قتل عام کیا اور ان کے سرغنہ میر سید احمد کاشی کا گھر لٹوایا تو اس کے گھر سے ابو الفضل کا ایک خط نکلا۔ اس خط کے مضمون سے یہ معلوم ہوا کہ ابو الفضل بھی نقوی فرقہ کا پیرو تھا۔ ۱۰۱ سر سید احمد خاں نے بھی تفسیری کاشی کے سوانح حیات کے حاشیہ پر ابو الفضل کے متعلق لکھا ہے کہ۔ "از سر آغاز آگاہی شوریدگی دارد و بآئین محمودیان میزند" ۱۰۲ خواجہ کلان "بھی ابو الفضل کو محمودیہ خوانی کا پیرو بتاتے ہیں" ۱۰۳ آئندہ سطور میں ہم نقویوں کے عقائد بیان کریں گے اور ان کی روشنی میں یہ جائزہ لیں گے کہ ان مورخوں کا یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہے کہ ابو الفضل نقوی تھا۔

نقوی فرقہ کے پیرو۔ "عالم را موجود باعتبار میدانند و ترتیب ثواب و عقاب بر عمل و کردار اعتقاد نکنند" ۱۰۴ اسکندر منشی لکھتا ہے کہ۔ "آں طائفہ بحدیث حکماء عالم را قدیم شمرده اند و اصلاً اعتقاد بخرابا و قیامت ندارند و مکافات حسن و قبح اعمال را در عافیت و مذلت دنیا قرار داده بہشت و دوزخ ہماز اسمی شمارند" ۱۰۵ شاہنواز خاں ان کے متعلق لکھتا ہے کہ۔ "علم نقطہ الحاد و زندہ و اباحت و توسیع مشرب استہ مثل حکماء بقدم عالم گردند و انکار حشر و قیامت نمائند و مکافات حسن و قبح اعمال و جنبت نادر در عافیت و مذلت دنیا قرار دہند" ۱۰۶

وہ نظریہ ارتقاء کے قائل ہیں اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ جمادات و نباتات ترقی

۱۰۰ تاریخ عالم آرائے عباسی، جلد ۲، ص ۲۲۵۔ ۱۰۱ ایضاً ۱۰۲ آئین اکبری، جلد سوم، حاشیہ صفحہ ۳۱۵

۱۰۳ مطلع الرجال، ردق، ۲۱، الف ۳۲ ایضاً ردق ۲۵، الف ۳۳ تاریخ عالم آرائے عباسی جلد ۲، ص ۲۲۵

۱۰۴ آثار الامراء، جلد اول، مطبوعہ ۱۸۵۵ء، کلمتہ، ص ۶۱۹۔

کرتے کرتے انسان کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں۔^{۳۵} دینی پیشانی نے پتھروں کو دیکھ کر
یہی کہا تھا۔ کہ آہ ایس بیچارہ! منتظر اند کہ تاکے بقالب انسانی برآیند۔^{۳۶}

ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جو کچھ زمین میں ڈالو گے وہ اگ اے گا۔ اس کے اگنے میں
قدرت خدا کو کوئی دخل نہیں بلکہ یہ عمل تاثیر کو اک و عناصر کے تحت ہو گا۔^{۳۷}

خواجہ کلان رقمطراز ہیں کہ یہ لوگ قرآن پاک کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
تصنیف سمجھتے ہیں اور مسائل شریعت کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ یہ اہل الزائے نے
بنائے ہیں۔^{۳۸} اس فرقہ کے پیرو نماز کا مذاق اڑاتے ہیں اور جب کسی مسلمان کو نماز ادا
کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ خدا کو آسمان پر ماننا اور سر زمین پر رکھنا بھی بھلا
کوئی عقل کا کام ہے۔^{۳۹} اسی طرح جب یہ لوگ حجاج کو صفاد مرہ کے درمیان سہی کرتے
ہوئے دیکھتے ہیں تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ ان کا کیا گم ہو گیا ہے جس کی تلاش
میں یہ ادھر ادھر مارے مارے پھرتے ہیں۔^{۴۰} قربانی کے جانوروں کو دیکھ کر یہ مسلمانوں
سے کہتے ہیں کہ ان بے زبانوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے جو انھیں جان سے مارتے ہوئے۔^{۴۱}
رمضان کا نام ان لمحدوں نے۔ ماہ گر سنگی و تشنگی۔ رکھا ہوا ہے۔^{۴۲}

ان لمحدوں کا یہ کہنا ہے کہ جو قطرہ آب انسان کی خلقت کا سبب ہے بھلا اس کے
باہر نکلنے سے غسل کیونکر واجب ہوتا ہے؟ حالانکہ اسی راہ سے پیشاب، جو کہیں زیادہ
ناپاک ہے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا۔^{۴۳} اس فرقہ کے پیرو ماں بہن کی حرمت کے
بھی قائل نہیں ہیں۔^{۴۴} اسی طرح یہ گروہ نقلیات کا منکر اور عقلیات کا داعی ہے اور ہر اسلامی
شعار کا مذاق اڑانا ان کا بہترین شغل ہے۔^{۴۵}

نقطہ یوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اول ظہور سے محمود بیخوانی تک آٹھ ہزار سال کی مدت

^{۳۵} دبستان مذاہب، مطبوعہ ۱۸۸۱ء لکھنؤ، ص ۳۰۔ ^{۳۶} منتخب التواریخ، جلد ۳، ص ۳۸۹

^{۳۷} مبلغ الرجال، درق ۲۵ الف۔ ^{۳۸} ایضاً، درق ۲۵۔ ^{۳۹} ایضاً۔ ^{۴۰} ایضاً۔

^{۴۱} ایضاً۔ ^{۴۲} ایضاً۔ ^{۴۳} ایضاً۔ ^{۴۴} ایضاً۔ ^{۴۵} ایضاً۔

ہوتی ہے۔ یہ دور عربوں کی سیادت کا دور تھا۔ کیونکہ اس مدت میں پیغمبر صرف عربوں ہی میں پیدا ہوتے رہے ہیں۔ محمود پسپو خانی کے ظہور سے عربوں کی سیادت ختم ہو گئی لہذا آئندہ آٹھ ہزار سال تک پیغمبر عجیبوں ہی میں پیدا ہوا کریں گے۔

ان کا یہ عقیدہ ہے کہ جب عناصر میں قوت پیدا ہوتی ہے تو معدنی صورت بناتی خلعت پہنتی ہے۔ پھر کسوت حیوانی اس کے جسم پر چست ہوتی ہے۔ جب اس میں شان اور شوکت پیدا ہوتی ہے تو ان کا دل کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس طرح طور آدم تک اجزائے انسانی ترقی کی منزلیں طے کرتے رہے یہاں تک کہ مرتبہ محمدی آیا پھر بھی قدم کمال کی طرف بڑھتا رہا تو محمود کا درجہ آگیا۔ چنانچہ ”نبعتک مقاماً محموداً“ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

ان کا کلمہ — لا الہ الا المرکب المبین — ہے اور ”مرکب مبین“ سے یہ لوگ انسان مراد لیتے ہیں۔ اس فرقہ کے بانی نے ”لیس کمثلہ شئی“ کو حدن کر کے اس کی جگہ قرآن میں ”انا المرکب المبین“ لکھ دیا تھا۔

محسن خانی لکھتا ہے کہ نقطویوں کی ایک خاص دعا ہے جسے وہ سورج کی طرف منہ کر کے پڑھتے ہیں۔ اسی طرح وہ انسان کا دل کی پرستش کرتے اور اس کو حق کا مترادف جانتے ہیں۔ ان کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ جب دو نقطوی ملتے ہیں تو وہ سلام منوں کے بجائے اللہ اللہ کہتے ہیں۔ نقطویوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ مذہب اسلام منسوخ ہو چکا ہے۔ اس لیے محمد کا لایا ہوا دین قبول کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

۱۵۰ دبستان مذہب، ص ۳۱۔ ۱۵۱ ایضاً، ص ۳۰۔

۱۵۲ یہ عبارت ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کی ہے۔ میں نے خود ترجمہ کرنے کے بجائے یہ عبارت ان سے

مستعار لی ہے۔ ۱۵۳ تاریخی و ادبی مطالعے، ص ۲۰۔ ۱۵۴ دبستان مذہب، ص ۳۰۔

۱۵۵ ایضاً، ص ۳۰۔ ۱۵۶ ایضاً، ص ۳۱۔ ۱۵۷ ”دین محمد منسوخ شدہ، اکون دین، دین محمدت۔“

۱۵۸ الفتن: غالباً آیت قرآنی ”ان یبعثک ربک مقلاً محموداً“ کو اس طرح لکھا گیا ہے۔

ہمارے عہد میں بعض اہل علم کو اس بات کا احساس ہونے لگا ہے کہ دین الہی کی بنیاد میں نقطہ یوں کا بھی کافی حصہ ہے۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی اس بات کی زحمت گوارا نہیں فرمائی کہ وہ اکبر اور اس کے حواریوں کے عقائد کا موازنہ نقطہ یوں کے عقائد سے کرتے اور تالیخ پاک و ہند کے طلباء کے سامنے ایک نئی چیز پیش کرتے۔ ہم نے اپنے طور پر ان عقائد کے کا موازنہ کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اکبر اور اس کے حواریوں نے اکثر و بیشتر عقائد نقطہ یوں سے مستعار لیے تھے۔

۱۔ نقطوی تنازع کے قائل ہیں اور اس کے بغیر وہ جزا و سزا کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہم یہ بتا چکے ہیں کہ میر بر، دیوی، پرکو تھم اور بھاؤن نے اکبر کو اس بات کا یقین دلادیا تھا کہ تنازع کے بغیر عذاب و ثواب بے معنی ہے اور وہ تنازع پر یقین رکھنے لگا۔ ابو الفضل کا کہنا ہے کہ — میغر موزند آنکہ سادی کتب برگوید کہ بر خے عصیاں گرائی باتاں بصورت بوژند و خوک برآمدند، باور افتد^{۵۵} یعنی اکبر کہا کرتا تھا کہ جب میں یہ سنتا تھا کہ خدا نے فلاں فلاں قوم کو ان کے گناہوں کی پاداش میں بندر اور سور بنا دیا تھا تو یہ بات میری سمجھ میں نہ آتی تھی، لیکن جب سے میں تنازع کو ماننے لگا ہوں تب سے یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ ایسا ممکن ہے۔ اکبر ہندوؤں کی صحبت میں رہ کر تنازع کا قائل ہوا تھا۔ لیکن نقطہ یوں کی صحبت نے سونے پر ہماگ کا کام کیا۔ بدایونی لکھتا ہے کہ جب خان اعظم بنگالہ سے آکر اکبر کی خدمت میں باریاب ہوا تو اکبر نے اس سے کہا — ”ادلائ قطعی بر حقیقت تنازع یافتہ ایم، شیخ ابو الفضل خاطر نشان شما خواهد کرد^{۵۶}“ ہمارا یہ خیال ہے کہ اس نے — دلائل قطعی — شریف آملی، وقوعی نیشاپوری اور تشبہی کاشی کی صحبت میں رہ کر فراہم کیے تھے۔

۲۔ نقطوی حشر و نشر کے قائل نہیں ہیں۔ اکبر بھی حشر و نشر پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔

۵۵۔ خلاصہ جو مقالہ نگار کا مقالہ ”اکبر کا دین الہی اور اس کا پس منظر“ شائع شدہ انفرنٹل ڈی ایچ مشین۔

۵۶۔ آئین اکبری، جلد ۲، مطبوعہ ۱۳۸۶ء لکھنؤ، ص ۳۰۳۔ ۵۵۔ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۰۳۔

بدایونی کے الفاظ ہیں۔ ”درہر رکعے از ارکان دین درہر عقیدہ از عقائد اسلامیہ چہ رسول چہ فروع مثل نبوت و کلام و رویت و تکلیف و یحکون و حشر و نشر بہات گوناگون۔ متمسخر و استبزا آورده“ ۵۷

۳۔ نقطوی قرآن حکیم کو نبی اکرمؐ کی تصنیف بتاتے ہیں۔ جہانگیر کہا کرتا تھا کہ ابو الفضل نے میرے والد کے ذہن میں یہ بات بھادی تھی کہ قرآن حکیم حضور سرور کائناتؐ کی تصنیف ہو۔ ۵۸
۴۔ جب دو نقطوی ملتے تھے تو سلام منون کے بجائے وہ انشراثر کہتے تھے۔ جب اکبر کے دو چیلے ملتے تھے تو ایک انشراثر کہتا اور دوسرا جواب میں بل جلالہ کہتا تھا ۵۹

۵۔ نقطویوں کی ایک خاص دعا ہے جسے وہ سورج کی طرف منہ کر کے پڑھتے تھے۔ اکبر بھی سورج کی برسی تعظیم کرتا تھا اور اس کی طرف منہ کر کے ایک خاص دعا پڑھا کرتا تھا جس میں نہایت زبان میں سورج کے ۱۰۰ نام آتے تھے ۶۰

۶۔ نقطویوں کا یہ کہنا تھا کہ دین اسلام کی میعاد ختم ہو چکی ہے، اس لیے اب ایک نئے دین کی ضرورت ہے۔ اکبر بھی عقیدہ الفی (یعنی نبوت محمدیؐ) کی مدت ایک ہزار سال پر یقین کامل رکھتا تھا اور اس کا بھی یہی کہنا تھا کہ دین اسلام کی میعاد ختم ہو چکی ہے لہذا اب ایک نئے دین کی ضرورت ہے ۶۱

۷۔ نقطوی انسانِ کامل کی پرستش کرتے اور اسے حق کا مترادف سمجھتے ہیں۔ اکبر کا بھی قریب قریب یہی عقیدہ تھا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ جب ٹوڈرل کے ٹھاکر چوری ہوئے لہذا اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا تو اکبر نے اس سے کہا تھا کہ ٹھاکر دن کا غم نہ کرو۔ میں جو موجود ہوں میرے درختہ کے بھوجن کو لو ۶۲

۸۔ نقطوی غلبِ جنابت کے قائل نہیں ہیں۔ اکبر نے بھی غلبِ جنابت منسوخ کر دیا تھا اور

۵۷ ایضاً ص۔ ۲۰۰ ۵۸ آثار الامراء۔ جلد ۲۔ ص ۲۱۷ ۵۹ آئین اکبری، جلد اول ص ۱۶۲

۶۰ منتخب التواریخ۔ جلد ۲۔ ص ۲۲۶ ۶۱ ایضاً، ص ۲۰۱

۶۲ آثار الامراء۔ جلد ۲۔ ص ۱۲۵

بقول بدایونی فیضی تو جنابت کی حالت میں تفسیر "سواطع الالہام" کی تصنیف میں لگا رہتا تھا۔
۹۔ نقطوی مناسک حج کا تسخیر اڑاتے ہیں، اکبر نے بھی حجاج پر پابندی لگا دی تھی۔
بدایونی لکھتا ہے کہ اکبر سے حج پر جانے کی اجازت مانگنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

۱۰۔ نقطوی اباحت کے قائل ہیں۔ ابو الفضل نے بھی ایک بار بدایونی سے کہا تھا کہ۔
"میخواہم کہ روزے چند روزہ دے دو" وہ بدایونی نے فوراً جواب دیا۔ اگر تیر
نکاح از میان بر میدارید بد نیست۔" ہمارے خیال میں یہ اباحت کی طرف ہی اشارہ تھا۔
بدایونی کے علاوہ خواجہ کلان نے بھی شیخ مبارک اور ابو الفضل دونوں پر ملکہ اباحت
پر گامزن ہونے کا الزام لگایا ہے۔

۱۱۔ نقطوی عقلیات کے قائل ہیں اور نقلیات کے منکر۔ اکبر بھی اپنے حواریوں سے
یہ کہا کرتا تھا کہ اگر کسی مسئلہ کا تعلق عقل کے ساتھ ہو تو وہ مجھ سے دریافت کرو اور اگر وہ
شرعیات سے متعلق ہو تو ان ملاؤں سے پوچھو۔

۱۲۔ نقطویوں کا یہ خیال ہے کہ شریعت کے مسائل "اہل رائے" نے بنائے ہیں۔ اکبر
جس سے ناراض ہوتا اسے وہ "نقیبہ" کہہ کر پکارا کرتا تھا۔
فیضی جامع شہاب رحمہ اللہ میں لکھتا ہے کہ اکبر کا کہنا تھا۔ "ایں پیالہ را بجوری فقہار
می خوریم۔"

۱۳۔ نقطوی اسلام اور شعائر اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ابو الفضل اپنی تحریروں
میں جہاں کہیں بھی مسلمانوں کا ذکر کرتا ہے انھیں۔ پیروان احمدی کشن۔ کوتاہ ہیں۔

۱۴۔ منتخب التواریخ، جلد ۳، ص ۳۰۔ ۱۵۔ ایضاً، جلد ۲، ص ۲۲۹۔ نام بنی توکان برد مجروح
طلبیدن رخصت مجرم واجب القتل میشود۔ ۱۶۔ ایضاً، ص ۲۶۲۔ ۱۷۔ ایضاً۔ ۱۸۔ مبلغ الرجال
دوق ۳۳ الفہم ۳۳۔ ۱۹۔ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۰۰۔ ۲۰۔ ایضاً، ص ۲۲۹
۲۱۔ ایضاً، ص ۳۰۹۔ ۲۲۔ آئینہ اکبری، جلد ۲، ص ۱۴۵۔ ۲۳۔ ایضاً جلد ۳، ص ۲۹۴۔

گم گشتگانِ بیابانِ ضلالت ۲۷ سادہ لوحانِ تعلید پرست ۳۷ اور گرفتارِ زندانِ تعلید ۳۷ کے تحقیر آمیز کلمات سے یاد کرتا ہے۔ نیز اس نے عباداتِ اسلامی کے خلاف رسائل بھی لکھے تھے ۳۷

۱۴۔ فیضی کو تفسیر بے نقط لکھنے کا خیال بھی نقطویوں سے مل کر آیا تھا۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا چنداں دشوار نہیں کہ اکبر اور اس کے حواریوں کے نقطویوں کے ساتھ بڑے گھرے مراسم تھے اور دینِ الہی کی بنیاد میں نقطوی مذہب کو کافی دخل تھا۔

۲۷ مہاجرات، مطبوعہ نو کشتور، لکھنؤ، ص ۱۰۔ ۳۷ آئین اکبری، جلد ۲، ص ۲۹۳۔

۳۷ مہاجرات، ص ۳۵ ۳۷ منتخب التواریخ، جلد ۲، ص ۳۰۲۔

حیاتِ ذاکرِ حسین

(مولفہ خورشید مصطفیٰ رضوی)

صدر جمہوریہ ہند جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کی خدمتِ علم اور انیسار و قربانی سے بھرپور زندگی کی کہانی، جس پر پروفیسر رشید احمد صدیقی نے پیش لفظ تحریر فرمایا اور اس کتاب کو قابلِ رشک و تحسین قرار دیا ہے۔ یہ کتاب متعدد انگریزی اور دو کتابوں، ملکی اور غیر ملکی رسائل اور اخبارات کی چھان بین کے بعد قلم بند کی گئی ہے۔ مسلم دنیا کی علمی گٹھ کی تاریخ کے اہم ترین دور یعنی "ذاکر صاحب" کے زمانہ کے حالات و واقعات سے مستند ترین حوالوں اور خود ذاکر صاحب سے متعدد ملاقاتوں کی روشنی میں پہلی بار پردہ اٹھایا گیا ہے۔ کتاب بڑے طباعت بہتر سائز ۲۰×۳۰، عمدہ جلد — قیمت آٹھ روپے

مِلَنے کا پتہ: مکتبہ بُرہان، اُردو بازار، جامع مسجد دہلی

اسلامی تحقیق

اس کے معنی و مدعا اور دائرہ کار

(ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ)

— (۱) —

(ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب اہل علم کے حلقہ کی ایک عزیز شخصیت ہیں۔ ان سے اس وقت سے تعارف ہوا جب خانہ
۱۹۵۷ء میں علمی کتاب ”قرآن اور علم جدید“ تبصرہ کے لیے آئی۔ اس کے بعد اقبال اکیڈمی (کراچی) کے ڈاکٹر
اور اکیڈمی کے سربراہی بعد اقبال ریلوے کے مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے ان کے مضامین اس علمی مجلہ
میں دیکھنے کا موقع ملا۔ ہر عدد پر ذیل مضمون و مضمون کے دل کا پار جو ہے ہم معاصر مرزے نفاق لاہور کے صفحے سے سن کر
قابلِ توجہ اہمیت کی بنا پر نقل کر رہے ہیں)

افتتاحیہ الفاظ

اتواہم عالم ایک باہمی جنگ میں مصروف ہیں جو کبھی پر امن ہوتی ہے اور کبھی
تشدد آمیز لیکن ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ اس جنگ میں نظریات و تصورات کی قوت
ہی فیصلہ کن ثابت ہوگی۔ جو قوم اس جنگ میں فتح یاب ہو کر بالآخر دنیا کے کناروں تک
پھیل جائے گی اور ہمیشہ وہاں موجود رہے گی۔ وہ وہ نہیں ہوگی جس کے پاس جوہری
آلات زیادہ ہوں گے بلکہ وہ ہوگی جس کے نظریہ حیات کے تصورات سب سے زیادہ
معقول اور مدلل اور دلکش اور دلنشین ہوں گے۔ جو قوم نظریاتی محاذ پر اپنی حفاظت
نہیں کرتی وہ محض فوجی محاذ پر طاقتور بن کر اپنے آپ کو بچا نہیں سکتی۔ اور جو قوم نظریاتی

محاذ پر طاقتور بن جائے اسے کسی فوجی محاذ کی ضرورت نہیں رہتی۔ اپنی زندگی کے اس نازک دور میں جیسے ہم دوسری قوموں کے نظریات کی طرف سے اپنی تباہی کے لیے ایک خطرناک چیلنج کا سامنا کر رہے ہیں۔ ہم ایک نظریاتی قوم کی حیثیت سے صرف اسی صورت میں زندہ رہ سکتے ہیں جب ہم اسلام کی ایک نہایت ہی معقول اور مدلل سائنسی توجیہ پیش کریں۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ تمام معقول اور دلکش سائنسی تصورات کا سرچشمہ توحید کا عقیدہ ہے۔ جو اپنی صحیح اور پاکیزہ صورت میں فقط مسلمان قوم کے پاس ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو اسلام کی روح ہے اور انسان اور کائنات کے صحیح اور سائنسی نظریہ کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم تحقیق و تجسس کی تمام قوتوں کو بروئے کار لاکر اسلامی تعلیمات کو ایک ایسے سائنسی نظریہ کائنات کی شکل دیں جس سے انکار کی گنجائش موجود نہ رہے۔ ہمارے اسلامی تحقیق کے تمام اداروں کو اس اہم کام کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اسلامی تحقیق ہمارے لیے کوئی غیر ضروری تفریحی شغل نہیں جسے ہم اپنی فرسٹ یا سہولت کے مطابق اختیار کریں یا نہ کریں بلکہ ہماری زندگی اور موت کا سوال ہے اگر ہم اس کی طرف بروقت اور پوری توجہ نہ دے سکتے ہیں تو ہمیں یقینی موت کا منظر ہونا چاہیے اور پھر ہمارے بعد خدا کو کوئی قوم اور پیرا کرے گا جو اسلام کا یہ کام کرے گی۔

اسلامی تحقیق کے معنی

اسلام جیسا کہ اسے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس لائے ہیں، ان مقدس تعلیمات کا نام ہے جو قرآن اور حدیث میں موجود ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اسلامی تحقیق کی تعریف اس طرح سے کرنی چاہیے کہ اسلامی تحقیق وہ تحقیق ہے۔

جس کا موضوع ہماری ان مقدس کتابوں کے شملات ہوں۔ اور جس کا مقصد یہ ہو کہ ان شملات کو لوگوں کے لیے زیادہ قابل فہم بنایا جائے۔

اس تعریف کی روشنی میں ہم باسانی معلوم کر سکتے ہیں کہ اسلامی تحقیق میں کون سی چیزیں شامل ہیں اور کون سی شامل نہیں۔ مثلاً اس میں وہ سب تحریریں شامل ہوں گی جو مسلمان علماء و ان مفسرین کتابوں کے متعلق یا (ب) ان کتابوں کے متعلق جو ان مقدس کتابوں کے متعلق لکھی گئی ہوں

ماضی میں لکھ چکے ہیں یا آئندہ لکھیں گے۔ پھر چونکہ یہودی یا عیسائی مستشرقین نعمتِ ایمان سے بے نصیب ہونے کی وجہ سے ہماری مقدس کتابوں کو مقدس کتابوں کی حیثیت سے نہیں سمجھ سکتے اور ان سے توقع بھی نہیں کی جاسکتی کہ وہ ان کو مقدس کتابوں کے مقدس مشکلات کی حیثیت سے دوسروں کے اذان کے قریب لانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ یا اس کرنے کی نیت ہی رکھ سکتے ہیں۔ لہذا ظاہر ہے کہ اسلامی تحقیق سے وہ کام تحریرِ بیخلاف بھی جاسکتا ہے جو یہودی اور عیسائی مستشرقین ہماری کتابوں کے متعلق کر رہے ہیں۔ کتابوں کے متعلق جو ہماری مقدس کتابوں کے متعلق لکھی گئی ہیں، ماضی میں لکھ چکے ہیں یا آئندہ لکھیں گے۔

میکانکی اور اصلی اسلامی تحقیقات

اسلامی تحقیق کی دو قسمیں ہیں یا تو یہ میکانکی ہوتی ہے یا اصلی، مثلاً مقدس کتابوں یا مقدس کتابوں پر لکھی ہوئی کتابوں میں سے کسی کتاب کی کوئی لغات یا کوئی اشاریہ تیار کرنا یا اس کے مشکلات کا ترجمہ کرنا یا ان کو نئی ترتیب دینا یا ان کا اختصار لکھنا یا کسی ایسے تاریخی قسم کے یا کسی اور نوعیت کے مواد کا جو ان کے مضمون سے تعلق رکھتا ہو اس غرض سے جمع کرنا کہ اس کے حوالے آسانی سے میسر آجائیں، میکانکی اسلامی تحقیق ہے جبکہ مقدس کتابوں کے مضمون کی علمی تشریح یا تفسیر یا تفسیر کرنا، اصلی اسلامی تحقیق ہے۔ اصلی اسلامی تحقیق میکانکی اسلامی تحقیق سے بدرجہا زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق اسلام کے سنی یا اس کی روح سے ہوتا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو درحقیقت اسلامی تحقیق سے ایسی ہی تحقیق مراد ہے۔ اس قسم کی اسلامی تحقیق کے لیے تعلیماتِ اسلام کی گہری بصیرت کی ضرورت ہے اور اسلام کی ایسی بصیرت صرف اس عالم دین کا حصہ ہو سکتی ہے جو اسلام پر ایسا خالص اور پختہ ایمان رکھتا ہو کہ وہ خدا اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شدید محبت کی صورت اختیار کرے اور جو اسلام کے مذہبی اور اخلاقی ضبط اور نظم کو دلِ جان سے قبول کر چکا ہو اور اس پر متواتر عمل پیرا ہو۔ پھر یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتی جب تک کہ کوئی عالم دین مقدس کتابوں کے بار بار کے مطالعہ سے ان کی روح میں نہ گھس جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی اطاعت سے انسان اور کائنات کا وہی نظریہ پیدا نہ کر لے جو خدا نے آپ کی معرفت ہم تک پہنچایا ہے چونکہ اس قسم کی اسلامی تحقیق صرف خدا اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور اسلام کی شدید محبت کے سرچشمہ سے ہی پھوٹ سکتی ہے۔ لہذا وہ دوسرے میں بھی اسلام کی محبت پیدا کرتی ہے۔ اس قسم کی اسلامی تحقیق کی مثال شاہ ولی اللہؒ، غزالیؒ، ردیؒ، محی الدین ابن العربیؒ، ابن تیمیہؒ، حافظ ابن قیمؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ اور اقبالؒ ایسے حکماء دین کی کتابیں ہیں۔

اصلی اسلامی تحقیق کے وظائف

چونکہ اصلی اسلامی تحقیق ہمیشہ اسلام کی عقلی اور علمی بنیادوں کے خلاف زمانہ کے عقلی اور علمی حیلے کا جواب ہوتی ہے۔ لہذا وہ دو اہم وظائف ادا کرتی ہے۔ ایک یہ کہ وہ ان فلسفیانہ ادکار کا بالواسطہ یا بلاواسطہ ابطال کرتی ہے جو اس خاص زمانہ میں رواج پا کر مسلمان کے عقیدہ ایمان پر ایک مخالف اثر پیدا کر رہے ہوں۔ اور دوسرا یہ کہ وہ اسلام کی صداقت کو ثابت کرتی ہے۔ اور تمام صحیح تصورات کو جو اس زمانہ میں دستیاب ہو سکتے ہوں کام میں لا کر اسلامی ادکار و اعتقادات کی مدافعت کرتی ہے۔ یہ دو وظائف ادا کرنا اس کے لیے اس طرح سے ممکن ہوتا ہے کہ اسلام کا محقق اسلام کی شدید محبت اور اس کی صحیح تشریح اور تعبیر کرنے کی شدید خواہش کی وجہ سے ایک ایسا صحیح وجدان حاصل کر لیتا ہے اور اشیاء اور حقائق کے بارہ میں ایک ایسا صحیح نقطہ نظر پیدا کر لیتا ہے جسکی وجہ سے وہ صحیح ادکار کو غلط افکار سے آسانی میں گزرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

میکانکی اسلامی تحقیق کے وظائف

میکانکی اسلامی تحقیق کے لیے اسلام کی کسی بصیرت کی ضرورت نہیں ہوتی اور چون کہ یہ ضروری نہیں کہ وہ اسلام کی محبت کا نتیجہ ہو لہذا وہ اسلام کی محبت کو نہ منعکس کرتی ہے اور نہ اسے دوسروں میں پیدا کر سکتی ہے۔ میکانکی اسلامی تحقیق کی اہمیت فقط یہ ہے کہ وہ اسلام کے عام علم و عمل کے لیے اسلام کی مقدس کتابوں کا مطالعہ آسان کرتی ہے اور ان مقدس کتابوں کے مفہوم کو اصلی اسلامی تحقیق سے دل چسپی رکھنے والے عالم دین کی آسان دسترس میں لا کر اس کی تحقیقی ضرورتوں کی خدمت اور اعانت کرتی ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ اصلی اسلامی تحقیق سے شغف

رکھنے والا عالم دین ایک ایسا اہر تعمیرات ہے جو ایک خوبصورت عمارت کا نقشہ تیار کر کے اسے تعمیر کی ساری سوزنوں سے گزرتا ہے اور میکائی تحقیق پر کام کرنے والا بڑھا کھٹا آدمی جو کاش مزدور ہے جو تعمیر میں کام آنے والی اینٹوں کو ڈھوکرا اس اہر تعمیرات کے قریب لے آئے۔

مشرقی تحقیق

ہو سکتا ہے کہ بعض وقت اسلام کی مقدس کتابوں پر غاص میکائی تحقیق کا باعث یہ ہو کہ تحقیق کرنے والے کو اسلام سے محبت ہے لیکن اس کے کامیاب نتیجے کے لیے اسلام کی صداقت پر ایمان و یقین کی موجودگی ایک شرط کے طور پر قطعاً ضروری نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر میں یہودی اور عیسائی مستشرقین بھی اسے بڑی کامیابی کے ساتھ چلا رہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس دور میں اس کے اصلی موجد مغرب کے یہودی اور عیسائی مستشرقین ہی ہیں لیکن ایسی ہی حالت میں اسے اسلامی تحقیق کا نام دینا ہرگز درست نہیں کیونکہ اس حالت میں یہ ایک وسیع تر تحقیق کا حصہ ہے جسے مشرقی تحقیق کہنا چاہیے اور جسے مغرب میں علماء کے ایسے گردہ نے ایجاد کیا تھا جو اپنے آپ کو 'مستشرقین' کا نام دیتا تھا۔ کیونکہ وہ مشرقی ادب اور اسناد سے دل چسپی رکھتا تھا اور انہیں جاننا چاہتا تھا۔ مشرقی تحقیق ہر امر ایک میکائی عمل ہوتا ہے اور اس کا دائرہ کار یہ ہوتا ہے کہ ماضی میں عربی، فارسی، سنسکرت، چینی، انڈونیشیائی اور ترکی ایسی مشرقی زبانوں میں تاریخ، مذہب، فلسفہ، لغت، سائنس اور ادب وغیرہ کے موضوعات پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں، ان کا ترجمہ با حاشیہ، باختصار، با اشارہ تیار کیا جائے یا ان کی تشریح یا توسیع یا تنقید ہم پر بھجائی جائے۔

شروع میں اس تحقیق کے اغراض و مقاصد کلیتہً مشرقی یا تبلیغی تھے۔ اس کے بعد جب اردو بای طائفہ مشرق میں اپنی نوآبادیاں بنانے لگیں تو اس کے اغراض و مقاصد تبلیغی ہونے کے علاوہ انتظامی اور سیاسی بھی ہو گئے۔ مشرقی مطالعات سے اہل مغرب کا ایک مقصد بلاشبہ یہ ہے کہ وہ اپنے ذوق دریافت کو مطمئن کریں اور ایک ایسی تہذیب کے خفی آثار کو بے نقاب کر کے اپنی تفریح کا سامان بہم پہنچائیں جو ان کے خیال میں ہمیشہ کے لیے مٹ چکی ہے اور اپنی جگہ پر اس تہذیب کو چھوڑ گئی ہے جو اس سے کئی درجہ بلند تر اور برتر ہے اور جس کے وہ خود علمبردار

ہیں۔ ان کا قصد ویسا ہی ہے جیسا کہ میکسلا کی کھدائی سے ہمارا ہے کہ ہم اس کے ذریعے ماضی کے متعلق لوگوں کی خواہش کی تسخیر کے لیے یا ان کی تفریح کا ایک شغل پیدا کرنے کے لیے ایک ایسی پرانی تہذیب کے دفن کیے ہوئے نشانات کو بے حجاب کرتے ہیں جو ہمیشہ کے لیے مٹ چکی ہے۔ اب جبکہ مغرب کی تمام یونیورسٹیاں اپنے ہاں مشرقی مطالعات کی کرسیاں قائم کر کے مشرقی تحقیق کی سرپرستی کر رہی ہیں۔ مشرقی تحقیق مغرب اور مشرق دونوں میں ایک باعزت اور زوردار آفریں پیشہ بن گئی ہے۔ وقت کے گزرنے سے مستشرقین نے مشرقی تحقیق کا ایک خاص فن ایجاد کر لیا ہے جو ہمارے السنہ شرقیہ کے طالب مغرب کی یونیورسٹیوں میں ان سے سیکھتے ہیں۔ اب مشرق کی بہت سی یونیورسٹیوں میں بھی مشرقی علوم کی کرسیاں قائم ہو چکی ہیں اور یہ کہ کرسیاں بالعموم ان لوگوں نے سنبھال رکھی ہیں جن کو مغربی مستشرقین نے مشرقی تحقیق کے فن کی تربیت دی ہے۔ لیکن جہاں تک اسلامی تحقیق کا تعلق ہے۔ یہ فن اس کے میکسلا کی حصہ کے لیے کسی قدر سودمند ہو تو پھر نہ محض بے کار ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تعصب

عربی اور فارسی کی کتابوں پر جو بالعموم مسلمانوں نے لکھی ہیں مستشرقین کی تحقیق کا سبب نہ اسلام کی محبت ہے اور نہ مسلمان علماء اور فضلا کی قدر دانی۔ بلکہ صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے، ان مستشرقین کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بالعموم ایک شدید قسم کا تعصب موجود ہوتا ہے لہذا جب بھی وہ اپنے میکسلا کی کام سے ذرا ہٹ کر مسلمان کے معتقدات اور نظریات کی توجہ دینے لگتے ہیں۔ تو ان سے یہ توقع کرنا ہی جھٹ ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے متعلق کوئی نواختہ انداز قائم کر دیں گے۔ یہی سبب ہے کہ ان کی تحقیق کا ایک حصہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اعتراضات سے معمور ہے۔ لہذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ان کے کام کے اس حصہ کو نظر ثانی کے بعد انکی غیر مسفہانہ تنقید سے پاک کریں لیکن جس حد تک مستشرقین کے کام کی اس قسم کی نظر ثانی مسلمانوں کی ایسی تصنیفات کے متعلق ہوگی جو اسلام کے علاوہ ادب و موضوعات پر ہیں، ہم اسے میکسلا کی قسم کی اسلامی تحقیق بھی نہیں کہہ سکیں گے۔ بلکہ ہم اسے فقط ایسی مشرقی تحقیق کا نام دیں گے جو مسلمانوں کے ہاتھوں سے انجام پائی ہو۔ اصلی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایسی کتابوں پر جو اسلام کے علاوہ

اور موضوعات پر ہوں۔ مسلمانوں کی ساری تحقیق کو ہم مشرقی تحقیق ہی کا نام دے سکتے ہیں۔

ایک غلط نام

قسمتی سے اس دوسری قسم کی تحقیق کو بھی غلط طور پر اسلامی تحقیق کا نام دیا جاتا ہے اور وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ وہ مسلمانوں کی عربی و فارسی کتابوں پر تحقیق ہے لیکن درحقیقت عہد قدیم کے مسلمانوں نے اسلام کے علاوہ اور موضوعات پر جو کتابیں لکھی ہیں ان کو اسلامی کتابیں کہنے کا جو آزادانہ ہے جتنا اس بات کا جواز کہ ہم ایک مسلمان کے ساتھ کیے ہوئے میز کو اسلامی میز کہہ دیں اگر یہ کتابیں اسلامی کتابیں ہیں اور ان پر تحقیق اسلامی تحقیق ہے تو پھر اس زمانہ کے مسلمانوں نے اسلام کے علاوہ اور موضوعات پر جو کتابیں لکھی ہیں کیا وجہ ہے کہ ہم ان کو اسلامی کتابیں کہیں اور ان پر تحقیق کو اسلامی تحقیق کا نام دے دیں لیکن نہ ہم ان کتابوں کو اسلامی کتابیں کہتے ہیں اور نہ ان پر تحقیق کو اسلامی تحقیق کا نام دیتے ہیں تو پھر ہم کو اس بات پر اصرار کیوں ہے کہ گزشتہ مسلمانوں کی لکھی ہوئی اس قسم کی کتابوں کو اسلامی کہہ کر پکارتے ہیں۔

آسمانی یا خدائی علم کے برخلاف ذہنی علم غلط بھی ہو سکتا ہے اور صحیح بھی۔ خیر واضح بھی ہو سکتا ہے اور واضح بھی ہو سکتا ہے لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ یہودی یا عیسائی یا اسلامی ہو۔ علم ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے۔ وہ ایک ہی منبع سے صادر ہونے والا ایک ہی فرد ہے جو کبھی ایک فرد پر اور کبھی دوسرے فرد پر۔ کبھی ایک قوم پر اور کبھی دوسری قوم پر اپنی خوشی سے چمکتا ہے۔ ذہنی علم مذہبوں اور قوموں سے بالکل بے بہرہ ہے جو لوگ اس علم کی تحصیل یا تحقیق میں منہمک ہوتے ہیں مذہب یا قومیت سے قطع نظر کہ ایک دوسرے سے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔

مشرقی تحقیق کا ایک خاصہ

جو نئے مشرقی تحقیق نقطہ ایک سیکالوجی عمل ہوتا ہے اور اس کے پاس کوئی نئی چیز نہیں کسی کو دینے کے لیے نہیں ہوتی۔ اس کا ایک خاصہ یہ ہے کہ یہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بہت زور دیتی

ہے۔ مثلاً ایک مشرقی محقق اپنی پوری زندگی یہ ثابت کرنے پر صرت کمر لگا۔ کہ ایک مصنف یا اس کی کتابوں کا صحیح نام یہ ہے اور وہ نہیں۔ یا فلاں شخص جس مقام پر پیدا ہوا تھا۔ وہ فلاں گاؤں سے اتنے میل شمال کو تھا اور جنوب کو نہیں۔ یا جس تاریخ کو پیدا ہوا تھا وہ پانچ دن پہلے تھی اور شیخ نہیں۔ اگرچہ وہ شخص خود ایک عالم کے طور پر کوئی اہمیت نہ رکھتا ہو اور بالکل اس قابل ہو کہ فراموش کر دیا جائے لیکن وہ اس لیے اہم سمجھا جاتا ہے کہ کسی پرانی کتاب میں اس کا نام آگیا ہو۔

مسلمان مشرق کا اصلی کام

اگر مشرقی تحقیق کا مقصد یہ ہوتا کہ مشرق کے گزشتہ علماء اور فضلاء کے علمی کا ناموں کو اُجاگر کیا جائے اور اس میں شک نہیں کہ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ مشرقی علوم و فنون میں کہہ ارض کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ حصہ تھا اور اس کا تعلق درحاضر کی علمی ترقیوں کے ساتھ واضح کیا جائے تو پھر بھی یہ اسلامی تحقیق کا کام نہ ہوتا اگرچہ یہ عمومی طور پر علم کی بہت بڑی خدمت ہوتی۔ کیونکہ اس سے نوع انسانی کی علمی جدوجہد کے ماضی کو اس کے حال کے ساتھ جوڑ کر اس کے نفس کو آشکار کرنے میں مدد ملتی ہے۔ لیکن اس وقت مشرقی تحقیق کا کام مغرب میں ان خطوط پر ہونا چاہیے اور نہ مشرق میں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کام بہت مشکل ہے کیونکہ اس کے لیے نہ صرف عہدِ قدیم کی علمی دنیا سے بلکہ عصرِ حاضر کی علمی دنیا سے بھی پوری طرح باخبر ہونا ضروری ہے۔ لیکن یہ وہ اصلی کام ہے جو مشرقیوں کو بالخصوص مسلمان مشرقیوں کو انجام دینا چاہیے۔

آخر جہاں تک ہم مسلمانوں کا تعلق ہے۔ ہمارا مقصد علم کی جستجو ہونا چاہیے نہ کہ مشرقی علم کی جستجو علم نہ مشرقی ہو سکتا ہے نہ مغربی۔ کم از کم ہمارے بزرگوں نے علم کی کوئی ایسی تقسیم نہ کی تھی اور نوع انسانی کے جن بیش بہا علمی کارناموں کا سہرا آج ان کے سر باندھا جا رہا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے۔ اگر دہشتہ علمی ستاروں کا وہ طویل و عریض جگہ جو مسلمان علماء اور فضلاء پر مشتمل تھا اور اب غائب ہو چکا ہے۔ یکایک پھر زندہ ہو جائے وہ بلا توقف اس بات کی کوشش کریں گے کہ مغرب کے سارے علوم کو سیکھ کر ان کے ماہر بن جائیں۔ اگر مشرقی تحقیق سے مدد ملنی واقعہ علم کی جستجو ہے تو یہ بات اس مدعا سے زیادہ مناسب نہ لگتی ہے کہ ایسی تحقیق یا ایسے مطالعوں کے لیے

نقطہ مشرقی کا اور مسلمان علماء کے لیے لفظ مستشرقین کا استعمال ترک کر دیا جائے۔ ان الفاظ کا استعمال ہم نے درحقیقت اہل مغرب کی گورائے تقدیس میں شروع کیا تھا جو مستقل طور پر مغرب میں رہتے ہیں اور اپنا ایک مستقل مشرق رکھتے ہیں۔ ہم مشرق میں بھی رہتے ہیں اور مغرب میں بھی تمام زبانیں ہماری ہیں۔ دنیا بھر میں مشکل سے کوئی ایسی زبان ہوگی جو کم از کم چند مسلمانوں کی مادری زبان نہ ہو۔ تمام صحیح علم جو مشرق یا مغرب میں آج تک پھیلا ہوا ہے، ہمارا ہے کیونکہ ہمارے خدا کی کائنات کا علم ہے۔ یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ ہم ”مشرقی تحقیق“ کے نام کو ”علمِ قدیم و دوسطی کی تحقیق“ کے نام سے بدل دیں اور اس کے دائرہ کار کو وسعت دے کر اس میں ان کتابوں پر تحقیق کو بھی شامل کر لیں جو قدیم زمانہ میں نہ صرف عربی، فارسی، سنسکرت، چینی اور ترکی ایسی زبانوں میں لکھی گئی تھیں جن کو مشرقی زبانیں کہا جاتا ہے۔ بلکہ لاطینی اور یونانی ایسی قدیم ادبائی زبانوں میں بھی لکھی ہوئی موجود ہیں۔

میکانکی اسلامی تحقیق اور اصلی اسلامی تحقیق بعض اوقات ایک دوسرے کے اوپر منطبق ہو جاتی ہیں

بعض وقت اصلی اسلامی تحقیق اور میکانکی اسلامی تحقیق ایک دوسرے کے اوپر منطبق ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے اصلی تحقیق کی کسی پیداوار کے اندر مقدس کتابوں کے مشتملات کی ترتیب نو یا ترکیب جدید کی صورت میں میکانکی تحقیق کے کچھ عناصر شامل ہو جاتے ہیں یا میکانکی تحقیق پر ان مشتملات کی تشریح یا تفسیر کا بھی ایک رنگ چڑھ جاتا ہے۔ تاہم اصلی اسلامی تحقیق کی کسی پیداوار کی قدر و قیمت کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ اس میں اصلی اسلامی تحقیق کا عنصر زیادہ موجود ہے۔ اگر اس میں دوسری اور علم کے اعتبار سے بلند معیار رکھنے والی اصلی اسلامی تحقیق کا عنصر زیادہ ہوگا تو اس کی قدر و قیمت بھی زیادہ ہوگی یہی سبب ہوگا کہ اقبال، ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ، غزالی، رومی، ادریسی، ابن الدین، ابن عربی کی اسلامی تحقیق دوسرے سینکڑوں علماء و متقدمینِ تہذیب کی تحقیق سے بدرجہا زیادہ قیمتی سمجھی جاتی ہو۔ ان میں سے ہر عالمِ دین نے اپنے زمانہ میں اسلام کی وہ جدید علمی اور عقلی تشریح بہم پہنچائی ہے جس کی اس کے زمانے میں لوگوں کو ضرورت تھی۔ اقبال نے اسلام کی جو تشریح کی ہے اس کی شدید ضرورت کا زمانہ ابھی موجود ہے۔

(باقی)

نئی مطبوعات

کِتَابُ الزُّهْدِ وَالرَّقَائِقِ: تالیف شیخ الاسلام عبداللہ بن مبارک مروزی رحمۃ اللہ علیہ۔
تحقیق و تعلیق حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی دامت قیومہم۔
ناشر: مجلس احیاء المعارف، مالکاوڈن ضلع ناسک۔ ۸۱۹ صفحات
سفید اعلیٰ کاغذ، ٹائپ کی طباعت۔ قیمت غیر مجلد ۳ روپیہ۔

تعلق باللہ، خوف و خشیت، فکر آخرت، تزکیہ اخلاق اور احسان و اخلاص پیدا کرنے والے مضامین پر مشتمل خاص حدیثیں احادیث رقائق کہلاتی ہیں اور محدثین اپنی کتابوں میں ان کو اسی عنوان کے تحت درج کرتے ہیں۔ زُہد بھی انہیں احادیث کا ایک شعبہ ہے۔

بہت سے محدثین نے متقبل کتابوں اور رسالوں کی شکل میں بھی ایسی احادیث کو الگ جمع کیا ہے۔ زُہد تبصرہ کتاب دوسری صدی ہجری کے عظیم القدر امام حدیث حضرت عبداللہ بن مبارک (رحمۃ اللہ علیہ) کی اسی صنف میں ایک ضخیم تالیف ہے جو غیر مطبوع اور مختلف مخطوطوں میں منظر ثانی ہوئی۔ مسلمانان ہند بالخصوص علماء ہند کے لیے فخر کا مقام ہے کہ ایک جلیل القدر امام کی اس کتاب کو جو امام ابن تیمیہؒ کے الفاظ میں اپنی صنف کی تالیفات میں ”اجلئنا“ کا درجہ رکھتی ہے، ان مختلف مخطوطوں کی مدد سے مرتب کرنے کا شرف انہیں میں کی ایک شخصیت (مولانا حبیب الرحمن اعظمی) کے حصہ

میں آیا۔

مولانا اعظمی مدظلہ اس سے پہلے امام بخاری کے استاد امام حمیدی کی سند کے اوراق پارینہ کو اسی طرح ایڈٹ کر کے زندہ کر چکے ہیں۔ اور اہل نظر نے اس معاملہ میں ان کی خصوصی اہمیت کو بہت تحسین کی نظر سے دیکھا ہے۔ مولانا نے محترم نے اپنی زندگی اسلام کے ان تصنیفی کارناموں کو منظر عام پر لانے ہی کے لیے وقف کر رکھی ہے جن کے صرف نام کتابوں میں آتے ہیں مگر وہ خود کتابی شکل میں ہاتھ نہیں آتے۔ اسی سلسلہ کا ایک اہم کام "مصنف امام عبد الرزاق الصنعانی کی ترتیب ہے جس میں مولانا برسوں سے منہمک ہیں۔ یہی علمی ذوق و جستجو کے ذیل میں بوضوح کو زیر تبصرہ کتاب کے ایک عکسی نسخہ کا پتہ چلا جو ریاست قطر کے سابق حکمران شیخ علی بن عبد اللہ کے کتب خانہ میں موجود تھا، یہ عکسی نسخہ دلی الدین جارا ثر لاہوری استانیول کے مخطوطہ کا فوٹو گراں تھا۔ حکومت قطر نے اس عکسی نسخہ کی مزید ایک کاپی کرا کے ازراہ علم نوازی مولانا کو دیدہ کر دی۔ مزید تلاش میں مولانا نے اس کتاب کے دو مخطوطوں کا اور فوٹو گراں حاصل کیا، ایک اسکندریہ پبلک لائبریری سے، دوسرا کتب خانہ ظاہریہ دمشق سے۔ اور ان تینوں کے مقابلہ سے یہ نایاب کتاب مرتب کر کے پیش کی ہے۔

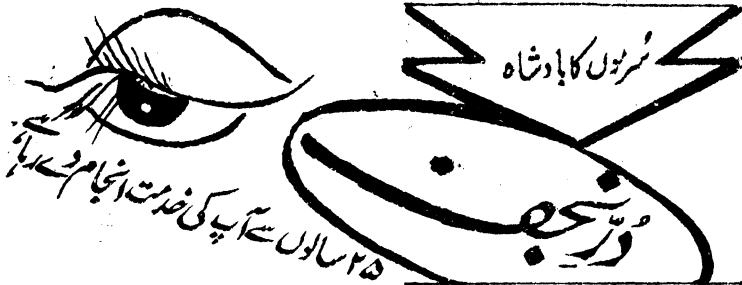
کتاب کے اصل صفحات ۶۹۹ ہیں۔ باقی ۱۲۳ صفحات میں ایک بیضی مقدمہ، کتاب کے مضامین کی فہرست اور مختلف قسم کے انڈیکس ہیں۔ تینوں نسخوں کے ایک ایک صفحہ کا فوٹو بھی نمونہ کے طور پر کتاب میں شامل ہے۔ اور ان نمونے کے صفحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس قدر دیدہ ریزی اور دماغ سوزی سے یہ کام انجام پایا ہوگا۔

مقدمہ ۴۳ صفحات پر مشتمل ہے جس میں اولاً مذہب کی اسلامی حقیقت اور اُس کے اقسام و درجات پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد زہد و رفاق کے موضوع پر متعلق کتب و رسائل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ پھر زیر نظر کتاب کے مختلف نسخوں کے حصول کی تفصیلات اور ان کا تعارف ہے۔ ہر نسخہ کی سند کے سلسلے میں راویوں کے تراجم دیے گئے ہیں۔ اسکے بعد بہت تفصیل سے حضرت عبداللہ بن مبارک کا تذکرہ ہے۔ (جس کا تفصیلی ترجمہ مولانا نسیم صاحب فریدی کے قلم سے الفرقان بابۃ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ میں شائع ہو چکا ہے)۔

کتاب کے مذکورہ تین نسخوں میں سے تیسرا نسخہ (ظاہریہ) دراصل پہلے نسخے ہی کا تکملہ یا اس کا گم شدہ حصہ ہے۔ اس لیے ان دونوں کو ملا کر اصل کتاب قرار دیا گیا ہے اور یہ گیارہ ابواب اور ۱۶۲ روایتوں پر مشتمل ہے۔ دوسرا نسخہ (المکندریہ) ایک دوسرے سلسلہ روایت سے مستقل نسخہ ہے۔ اور اس میں پہلے اور تیسرے نسخے کی مجموعی تعداد سے زیادہ ابواب اور زیادہ روایات ہیں۔ اس (دوسرے) نسخے کی جو روایتیں ایک سے گیارہ تک ابواب ہی کے ذیل کی تھیں ان میں سے اکثر کو مولانا نے اپنی تعلیقات میں لے لیا ہے۔ باقی کو زائد ابواب کے ساتھ اصل کتاب کے خاتمہ پر ۱۳۲ صفحات میں درج کیا ہے۔ اور ان صفحات میں مندرج روایتوں کی کل تعداد ۴۳۶ ہے۔ اس طرح کتاب الزہد والرفیق کی روایتوں کی مجموعی تعداد ۲۰۶۳ ہو جاتی ہے۔

کتاب کے حواشی میں محدثانہ تحقیقات و تعلیقات کے علاوہ شروع میں ایک ۲۰ صفحے کی فہرست اس تحقیق پر مشتمل ہے کہ کتاب کی کون کون سی روایات مرفوع ہیں، کونسی مرسل اور کون سی موقوف۔ تحقیقات و تعلیقات میں اگر کہیں کوئی تسامح یا کوتاہی لگئی ہے تو اس کی تلافی آخر میں ۱۶ صفحے کی استدراکی فہرست سے کی گئی ہے۔ اسی طرح طباعت کے بعد مولانا کو جو اغلاط نظر آئی ہیں ان کی بھی ضروری حد تک تصحیح کے لیے ۸-۹ صفحات بڑھائے گئے ہیں۔

افسوس ہے کہ تبصرہ کا باب بند ہونے کی بنا پر ہم اس گرانفت کتاب کا تعارف بڑی دیر میں کر سکے اس کی اشاعت کے اہتمام پر ادارہ احیاء المعارف مالیکانہ قابل مبارک باد ہے اور امید ہے کہ اہل علم میں اس علمی تحفہ کا کما حقہ استقبال کیا جائے گا۔



طلب قدیم کا ایک نادر شاہکار

- نگاہ گو کرنے اور ٹھکنے نہیں دیتا۔
- رات کو استعمال کیجئے تو دن بھر اپنی آنکھوں میں تروتازگی اور نکھار محسوس کریں گے۔
- اس کا استعمال آخر عمر تک بینائی کا تحفظ اور امراض کی مدافعت کرتا ہے۔

انتہائی خوبی یہ ہے کہ اپنے بیش بہا فوائد کے باوجود یہ آنکھوں میں لگتا اور کوکتا نہیں ہے بلکہ سکون دینے تک پہنچاتا ہے۔

محصول پکنگ	۶ ماشہ	ایک تولہ
۱۲ روپیہ	۱۲ روپیہ	۱۲ روپیہ

کوئی سی بھی تین شیشی ایک ساتھ منگنے پر محصول پکنگ معاف

استعمال کے بعد بھین بھماہ
حضرات نے تعریفی تحریریں
عنایت فرمائیں ان میں سے
چند نام:-

- مولانا حسین احمد مدنی
- مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند
- مولانا شبیر احمد عثمانی
- مفتی عتیق الرحمن صاحب
- دہودہ درگاہ صوفیہ اعلیٰ دیوبند
- مولانا ابوالکلیث صاحب
- امیر جماعت اسلامی ہند
- حکیم کنیا لال صاحب دیکھ سہاؤ
- ڈاکٹر ظفر یار خاں صاحب
- سابق مٹری سون

تاج حضرت شراطہ بخشی طلب کریں

شہ کاپتہ دار الفیض لہ جانی بڑے بڈنگ دیوبند (دیوبند)

پکوان کے
عصده تیلوں میں
آپ کی خاص پسند

پوسٹ میں براڈ
صاف کیا ہوا مونگ پھلی کا تیل
۲۰۱ اور ۱۵۱ کلو

عصده وناستی
۲۰۱ اور ۱۶۵ کلو

ستلوا، ریل کا تیل
۲۰۲ اور ۱۵۵ کلو

بلاڈ غالص ناریل کا تیل
۳۰۶ اور ۲۱ کلو

کوکو جار

صاف کیا ہوا ناریل کا تیل

۳۰۶ اور ۱۵۵ کلو

ای سلاڈ تیل

۳۰۶ اور ۱۵۵ کلو

عصده ملزہ بستی

افسانہ
مکمل

14/8

مکتوب

عشقِ ابرہہ بن جہل

تذکرہ مجدد الف ثانی

مجدد الف ثانی نمبر الفستان کا تازہ کتابی ایڈیشن

الفستان کے مجدد الف ثانی نہر میں پہلی بار حقیقت سامنے آئی تھی مگر امام زمانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کا وہ کون سا قیازی کا نام نہ ہو جسکی وجہ سے کچھ کسی ایک صدی کا نہیں بلکہ الف ثانی یعنی پورے دو سترہ لاکھ (۱۷۰۰۰۰) کا ہزار ہے۔ ان ایام میں الفستان کے اس نمبر کی اشاعت پر انیس برس گزر چکے ہیں۔ اس عرصہ میں فلسفہ اسلامی دنیا کے حالات میں بہت کچھ تبدیلیاں ہوئی ہیں ان تبدیلیوں کو اور انکے دینی تقاضوں کو دیکھ کر یہ یقین بڑھ جاتا ہے کہ واقعہ حضرت موصون پورے الفستان کے مجدد ہیں اور ہمارے اس دور کیلئے بھی انکے تجدیدی کام میں پوری رہنمائی موجود ہے۔

یہ حقیقت آپ پر اس کتاب کے مطالعے کے لئے لگی جس میں مجدد الف ثانی کے ذاتی حالات بھی ہیں اور انکے تجدیدی کام کی تفصیلات بھی انیز آپ کے تمام مشہور خلفاء کا تذکرہ بھی۔

صفحات ۲۵۰ ، سائز متوسط ، قیمت ۴/۰۰

کتابخانہ الفستان لاہور

پاکستان سے ۴/۰

ما هنام

فی کا پی، پیسے

۱۵. تسلیات

محصول لڑاک کا اضافہ

جلد ۳، بابت ماه جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ مطابق اگست ۱۹۶۹ء شماره (۵)

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحہ
۱	نگاہ اولیں	مولانا محمد منظور نعمانی	۲
۲	حضرت مولانا عبدالغفور صاحب نقشبندی ہماجر مدنیؒ کا وصال	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۱۴
۳	درس ستر آن	مولانا محمد منظور نعمانی	۱۷
۴	حضرت شیخ شہاب الدین بہروردیؒ وصایا اور نصائح کے آئینے میں	مولانا نسیم احمد فریدی امرہوی	۳۰
۵	دین میں حدیث و سنت کا مقام	مولانا تقی الدین ندوی مظاہری	۳۵
۶	اسلامی تحقیق	ڈاکٹر رفیع الدین صاحب ایلم بی ایچ ڈی ڈی ایچ	۴۲

اگر اس اثرہ میں ○ سُرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ کہ آپ کی عرب خریداری ختم ہو گئی ہو۔ براہ کرم آئندہ کے لیے چند ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ کر
و مطلب فرمائیں چند یا کوئی دوسری اطلاع دہر ستمبر تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بعینہ دی پنی ارسال ہوگا۔
پاکستان کے خریدار :- اپنا چندہ ادارہ اصلاح و تبلیغ اشرطین بلوچنگ لاہور کے بھیجیں اور صرف ایک سادہ
کارڈ کے ذریعہ ہم کو اطلاع دے دیں۔ داک خانہ کی رسید بھیجنے کی ضرورت نہیں۔

نمبر خرید لری :- براہ کرم خط و کتابت اور سی آر ڈی کو پی پر اپنا نمبر خرید لری ضرور لکھ دیا کیجئے۔
تاریخ اشاعت :- الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں رونما کر دیا جاتا ہے، اگر تو تاریخ ٹیک کی صاحب کو
نئے تو فیہ مطلع کریں اس کی اطلاع ۷۸ تاریخ ٹیک کی جانی چاہیئے اس کے بعد رسالہ بھیجئے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر افغان پچھری روڈ، لکھنؤ

(۱۷۱) محمد منظور خاں پرنسز و پبلشر، ایڈیٹر و پرنٹر پرائیویٹ لٹریچر پبلیشرز، ۱۱۰/۱۱۱، روڈ لکھنؤ، شائع کیا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

نگاہِ اوّل

محمد منظور نعمانی

دارالعلوم دیوبند کا سانحہ :-

۱۲ جولائی کو اتوار کا دن تھا، عصر و مغرب کے درمیان دارالعلوم دیوبند کے ہتھم حضرت مولانا محمد طیب صاحب کا ارجنٹ تار ملا — کہ

”اسٹراٹک اور غیر معمولی حالات پر غور کرنے کے لیے عالمہ کے جلسہ میں شرکت کے

لیے فوراً آئیے۔“

اس تار کا تقاضا تھا کہ میں پہلی ٹرین سے روانہ ہو جاؤں اور اگلے ہی دن عالمہ کے جلسہ میں (جس کا میں بھی ایک ممبر ہوں) شرکت کروں — چونکہ دارالعلوم میں اسٹراٹک یا کسی غیر معمولی بات کا کوئی علم نہیں تھا اس لیے میں ابھی سوچ ہی رہا تھا اور کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ ۲-۳ ہی گھنٹے کے بعد دوسرا تار ملا — کہ

”اسٹراٹک اور سنگین حالات پر غور کرنے کے لیے ۱۲ جولائی کو مجلس شوریٰ میں

شرکت کیجئے۔“

میں نے سمجھ لیا کہ کوئی بہت ہی سنگین اور غیر معمولی واقعہ ہو گیا ہے، اس کے لیے پہلے تو ہتھم صاحب نے دارالعلوم کی مجلس عالمہ بلائے کا فیصلہ کیا، بعد میں اس کو ناکافی سمجھ کر مجلس شوریٰ بلانا ضروری سمجھا جو دارالعلوم کے بارہ میں وہ بڑے بڑا فیصلہ کر سکتی ہے جس کو وہ دارالعلوم کی فلاح اور اس کے مقاصد کی حفاظت کے لیے ضروری سمجھے۔

اگرچہ اعلیٰ کی شدید علالت کی وجہ سے (جس کا ذکر دعا کی درخواست کے ضمن میں الفرقان کے

بچکے ہی شمارہ میں کیا جا چکا ہے) میرے لیے سفر اس وقت آسان نہیں تھا، لیکن یکے بعد دیگرے حملہ طبع و دوا رجنٹ تار لے اس سے یہ اذادہ ہوا کہ کوئی بہت ہی غیر معمولی صورت حال ہے اس لیے متوکلا علی اللہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔

۱۹ جولائی کی صبح روانہ ہو کر رات کو انجے دیوبند دارالعلوم کے ہمان خانہ میں پہنچا۔ دہلی پہنچ کر معلوم ہوا بلکہ دیکھا کہ اسٹرائکنی طلبہ نے تعلیمی مقاطعہ کے علاوہ پورے دارالعلوم پر قبضہ کر رکھا ہے، اُس کے تمام دروازے اندر سے بند کر لیے ہیں، حتیٰ کہ مسجد کا وہ دروازہ بھی جو ہمان خانہ کے سامنے باہر شریک کی جانب کھلتا ہے اندر سے بند ہے جس کی وجہ سے مسجد میں بھی نہیں جایا جاسکتا۔

۲۰ جولائی تک ۴ دن مسلسل مجلس شوریٰ کا اجلاس جاری رہا، حضرت مہتمم صاحب، نائب مہتمم صاحب، حضرات اساتذہ، دارالافتاء کے نگران حضرات اور بعض دیگر متعلقین دارالعلوم کے بیانات سنے اور تحریری رپورٹیں اور یادداشتیں پڑھیں جن میں اسٹرائک اور اس کے سلسلہ میں طلبہ کے افسوسناک بلکہ ناگفتہ بہ طرز عمل کا ذکر کیا گیا تھا اور جن سے اس تکلیف دہ واقعہ کے محرکات اور پس پردہ وجوہ و اسباب پر بھی روشنی پڑتی تھی۔ اسٹرائک کی قیادت کرنے والے طلبہ سے بھی بہت تفصیل سے بات کی اور اُن کی سنی، پہلے دن تریباؤد گھنٹے اُن کو دیئے۔

ان سب بیانات اور رپورٹوں سے جو صورت حال سامنے آئی اور جو تفصیلات معلوم ہوئیں اور جو کچھ خود اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ اس درجہ حیرت انگیز اور تکلیف دہ تھا کہ اپنی اس فوج پر برادری (دینی مدارس کے آج کل کے طلبہ) کی اسٹرائک جیسی حرکات ہی کی وجہ سے اُن سے سخت ہنگامی کے باوجود یہ عاجز تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ہمارے یہ سر پھرے عزیز اس حد تک بھی جاسکتے ہیں۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ۱۔ الحمد للہ دھر دین ہفتے سے اہلیہ کو افادہ ہے اور حالت قابلِ اطمینان حد تک بہتر ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے میری درخواست پر ان کے لیے معاونت کی۔

مجلس شوریٰ نے اس سلسلہ میں جو بیان شائع کیا ہے اس کے کچھ اعتبارات ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں، ناظرین انہی سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ پانی کس حد تک پہنچ چکا تھا۔
بیان میں کہا گیا ہے

”دارالعلوم میں پورے اعلیٰان و سکون کے ساتھ تعلیم جاری تھی۔ طلبہ کو بلکہ دارالعلوم سے متعلق کسی عنصر کو بھی کوئی خاص شکایت ان دنوں میں یہاں کے انتظامی یا تعلیمی ذمہ داروں سے نہیں تھی کہ اگرچہ لائی سسٹم کو جبکہ جمعہ کا دن تھا اور اتفاق سے دارالعلوم کے انتظامی انسٹر علیٰ حضرت مولانا محمد طیب، صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور تعلیمی انسٹر علیٰ حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند دونوں دیوبند سے باہر تھے، طلبہ کے ایک شورش پسند عنصر نے اچانک ایک ایچی مشین شروع کر دیا۔ اپنے کسی مطالبہ کو دارالعلوم کے کسی ذمہ دار کے سامنے پیش کیے بغیر دارالعلوم کے احاطہ میں جملہ بازی اور نعرہ بازی شروع کر دی اور اسٹرک کا فیصلہ کر لیا اور پہلا قدم یہ اٹھایا کہ تمام درسگاہوں کی کنبیاں جو دفتر تعلیمات میں یکجا رہتی تھیں، اچانک دفتر پر چھاپہ مار کر اپنے قبضہ میں لے لیں اور اعلان کر دیا کہ اب کسی استاد کو سبق پڑھانے کی اور کسی طالب علم کو پڑھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اور اسی پر عمل کیا گیا۔“

”دارالعلوم کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب انجمن میں اپنی جمود شکنی کی دہائی شب میں تشریف لے گئے اور انھوں نے اسٹرک کرانے والے طالب علموں کو بلایا، وہ لوگ اس وقت نہیں آئے، اگلے دن عصر بعد آئے، حضرت موصوف نے ان سے گفتگو فرمائی اور اسٹرک دیا۔ ایچی مشین بند کرنے کے لیے فرمایا لیکن وہ اس کے لیے تیار نہ ہوئے۔

دارالعلوم کے انتظامی انسٹر علیٰ حضرت مہتمم صاحب ۲۷ جولائی شبہ کی صبح کو سفر سے واپس ہوئے تو انھیں قدرتی طور پر حیرت ہوئی کہ یہ کسی اسٹرک اور کیا ایچی مشین ہے جو کسی مطالبہ کے پیش کیے بغیر اس عجیب و غریب انداز میں چلایا جا رہا ہے جس سے محسوس ہوتا ہے کہ بس تخریب اور فساد ہی اصل مقصد ہے۔ اس کے باوجود حضرت مہتمم صاحب نے

ایک تحریری پیغام اُن طلبہ کے تین محترم اور بزرگ استادوں کے ذریعہ ان کے پاس ایسے ذلت بھیا جب ان کا جملہ جاری تھا۔ اس پیغام کا حاصل یہ تھا کہ ہمیں ابھی تک یہی نہیں معلوم کہ آپ کا مطالبہ کیا ہے، اور آپ کیا چاہتے ہیں، جو مطالبہ ہو اس کو پیش کیجئے۔ ہم ہمدردی کے ساتھ غور کریں گے۔ جس وقت یہ بزرگ اساتذہ (جو ان طلبہ ہی کے نہیں بلکہ اُن کے بعض استادوں کے بھی استاد ہیں) جلسہ میں پہنچے تو ان طلبہ نے اپنے ان محترم استادوں کو اس کا بھی موقع نہیں دیا کہ وہ حضرت مہتمم صاحب کے اس پیغام کو مانگ پر خود پڑھ کر سنا دیں اور اس سلسلہ میں اپنی طرف سے بھی کوئی ناصحانہ بات کہنا چاہیں تو کہہ سکیں۔ انتہا یہ کہ ان حضرات کو مانگ تک پہنچنے کا موقع بھی نہیں دیا۔ اور حضرت مہتمم صاحب کا پیغام ایک حریت کی طرح اپنے ہاتھ میں لے کر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مانگ پر پڑھ کر سنایا اور اس کے ایک ایک جملہ پر نہایت تھوڑے انداز میں تنقید و تہدید کی اور ان اساتذہ کو "واپس جاؤ" کے نعروں کے ساتھ دھت کھا دیا۔ مہتمم صاحب کو جواب دیا کہ آپ سے ہمارا کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ آپ فوراً ہنگامی مجلس شوریٰ منگل تک (یعنی تین دن کے اندر اندر) بلائیے ہم اپنے مطالبات مجلس ہی کے سامنے رکھیں گے۔ آپ سے بس ہمارا یہی مطالبہ ہے۔"

اُسے مجلس شوریٰ کے بیان میں کہا گیا ہے۔

ان کے (اسٹرائیکی طلبہ کے) متمدنہ رویہ سے قطع نظر بجائے خود ان کا یہ مطالبہ کہ فوراً مجلس بلائی جائے ہرگز لائق تسلیم نہیں تھا۔ لیکن مہتمم صاحب نے اپنی فطری نرمی کے تحت ان کے اس مطالبہ کو مان لیا اور جلسہ شوریٰ کی تاریخ، ارعلائی مقرر کر کے اراکین مجلس شوریٰ کو اجنبی ٹیلی گرام ۳۱ جولائی ہی کو جبکہ اتوار کا دن تھا روانہ کر دیے۔ لیکن ان شورش پسند طلبہ نے اس پر بھی اسٹرائیک ختم نہیں کی، بلکہ اسی دن دوسرا حیرت انگیز قدم یہ اٹھایا کہ رات کو احاطہ دارالعلوم کے تمام دروازے حتیٰ کہ مسجد کے دروازے بھی اندر سے بند کر لیے اور ان میں تالے ڈال کر پھر سے بٹھا دیے اور پورے دارالعلوم پر بالکل اس طرح اپنا قبضہ کر لیا جس طرح فوجی انقلاب میں فوج دارالحکومت پر قبضہ کر لیتی ہے۔ اپنے اساتذہ تک

دارالعلوم کی حدود میں داخل ہونے کی ممانعت کر دی گئی۔ اگر کسی کو استثنائی اجازت دیا جاتی تو وہ ان کے پرے میں جاسکتا۔ تمام طلبہ کے لیے حکم جاری کر دیا گیا کہ کوئی طالب علم اپنے کسی استاد سے بات نہ کرے۔ اگر کسی نے اس کی خلاف ورزی کی تو اس کو سخت سزا دی جائے گی۔ مزید برآں طالب علموں کو پابند کیا گیا کہ وہ باہر نہ نکلیں اور جو بابائے وہ اجازت سے پاس لے کر جائے۔ اور یہ پاس بھی منٹوں کی تحدید کے ساتھ جاری کیے جاتے۔ پھر جن سعادتمند طلبہ نے استادوں سے رابطہ رکھا یا جن کے بارے میں اس کا شک و شبہ بھی ہو گیا ان کو قید کیا گیا۔ ایذا میں دی گئیں۔

ایک رات کو بعض اساتذہ کو پتہ چلا کہ فلاں جگہ کچھ طالب علموں کو قید کیا گیا ہے، رات کو ایک بجے کے بعد چند اساتذہ وہاں گئے۔ دارالعلوم کے احاطہ کے اندر داخل ہو کر ان بیچاروں کو نکال لانا ان کے لیے ممکن نہ ہوا، دو طالب علم ایک تنگ و تاریک کمرے میں قید کیے گئے تھے، اس کمرے کی ایک کھڑکی باہر کی جانب تھی جس میں لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں، یہ حضرات کسی طرح ان سلاخوں کو موڑ لینے میں کامیاب ہو گئے اور ان دو طالب علموں کو نکال لائے۔ ایک تیسرا طالب علم اس کے قریب کے ایک ایسے ہی کمرے میں قید تھا اس کو بھی نکالنے کی کوشش کی لیکن سلاخیں نہیں موڑی جاسکیں اس لیے اس کو نکالا نہیں جاسکا۔ وہ بیچارہ سخت پریشان تھا۔ ان اساتذہ نے ان کو کھڑکی کی سلاخوں سے لوٹ کے ذریعہ اس طرح پانی پلایا جس طرح سینجے میں پیاسے جانور کو باہر سے پانی ڈالا جاتا ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ نجیب حیرت انگیز اور بعض پہلوؤں سے ناقابل فہم صورت حال تھی۔

یہاں ایک بات اور قابل ذکر ہے، جن دو مقید طالب علموں کو کھڑکی کی لوہے کی سلاخیں منہ کر کے لگا لگائی تھیں وہ ضلع مظفرنگر کے دیہات کے تھے، رولہائی پاکر وہ بیچارے اپنے گھر وں کو چلے گئے اور وہاں جا کر انھوں نے وہ سب کچھ بیان کیا جو دارالعلوم میں ہو رہا تھا۔ اور جوان پڑھتا تھا، نہ تھا مگر وہاں کے عوام میں سخت برائی اور بیزاری پیدا ہوئی، مظفرنگر کے ایک عالم دین جو دارالعلوم ہی کے فاضل ہیں اور ذاتی طور پر دینی محافل سے

بھی صاحب وجاہت اور یادگار ہیں اور خود ایک مدرسہ کے مہتمم ہیں، اور دانشمندی نے بتایا کہ پورے علاقہ میں ان کا اثر ہے اور ہمیشہ دارالعلوم دیوبند کے لیے علمائے دیہات تک میں خود جا کر چندہ کرایا کرتے ہیں، انھوں نے خود منظر منظر سے آکر مجلس شوریٰ کے ارکان کے سامنے بیان کیا کہ دیہات کے لوگ میرے پاس آئے اور انھوں نے کہا کہ آپ دارالعلوم کے انہی طلبہ کے لیے ہمے غلہ اور چندہ دلوا کر دیتے ہیں۔

مجلس شوریٰ کے بیان میں آگے کہا گیا ہے۔

”مجلس شوریٰ کے ہمارے آنے والے اراکین، اور جلائی کی صبح سے پہلے پہنچ گئے۔ انھوں نے یہ حیرت انگیز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ تمام اساتذہ اور دارالعلوم کا انتظامی علم، دارالعلوم سے باہر اور بے دخل ہے، دارالعلوم کے دروازے اندر سے بند ہیں، اور شورش پسند طلبہ نے گویا فوجی طرز کی اپنی حکومت اندر قائم کر رکھی ہے، اور عام طلبہ سے کوئی بات کرنا اساتذہ اور ذمہ داران انتظام اور مجلس شوریٰ کے اراکین کے لیے بھی ممکن نہیں ہے۔ سخت پریشانی کی بات یہ تھی کہ دارالعلوم کا خوانہ اور لاکھوں کا کتب خانہ اور دوسری قیمتی املاک دارالعلوم کے احاطہ کے اندر تھیں۔“

مجلس شوریٰ نے، اور جلائی کو اپنا کام شروع کیا، صورت حال اور اس کے اسباب و علل ممکن حد تک سمجھنے کی کوشش کی۔ دارالعلوم کے تمام متعلقہ عناصر سے الگ الگ باتیں کیں اور تحقیق حال کے لیے تمام ممکنہ ذرائع استعمال کیے، ایجنٹین کی قیادت کرنے والے طلبہ سے بھی کئی کئی تفصیلی گفتگوئیں کیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ مجلس کے اراکین نے اپنے مقام سے بہت نیچے اتر کر ان لوگوں سے بات کی لیکن اس کے آثار بھی عموماً نہ ہو کہ یہ راہ راست پر آنے کے لیے آمادہ ہو سکتے ہیں۔“

ان طلبہ نے مجلس شوریٰ کے دوسرے دن (۸ جولائی) سہ پہر کو ایک تحریر اپنے مطالبات کے بارہ میں بھی پیش کی جن میں سے بعض اگرچہ کسی طرح بھی قابل قبول بلکہ قابل غور بھی نہیں تھے مگر بعض ایسے بھی تھے جن پر غور کیا جاسکتا تھا اور کئی یا جزئی طور پر ان کو منظور کیا جاسکتا تھا۔ لیکن مجلس شوریٰ ہر پہلو پر غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی کہ جو مطالبات اسٹراٹجک کے دباؤ اور ایسے اعلانِ مذ

جارجانہ مظاہروں کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں جو دینی تعلیم و تربیت کے لیے ستم قاتل اور اس بنیادی مقصد کے لیے تباہ کن ہیں جس کے لیے دارالعلوم قائم ہے، ان پر اس وقت قطعاً غور نہ کیا جائے، بلکہ پہلے دارالعلوم اور اس کی اطاک کو ان شوریدہ سردوں کے قبضہ سے نکالا جائے جن سے کوئی حرکت بھی غیر متوقع نہیں ہے۔ اور ایسا ردیہ اختیار کیا جائے جس سے ہمیشہ کے لیے سب پر واضح ہو جائے کہ اس قسم کے جارجانہ اور اسلامی تعلیم و احکام کے یکسر خلاف مظاہروں اور ان کے کرنے والوں کے لیے دارالعلوم میں کوئی گنجائش نہیں ہے، اور مجلس شوریٰ جو دارالعلوم کی امین اور متولی ہے اس قسم کے فتنوں سے دارالعلوم کی حفاظت کے لیے ہر وہ قدم اٹھائے گی جو اس مقصد کے لیے ضروری اور مناسب سمجھے گی۔

اس سلسلہ میں مختلف تجاویز ملنے آئیں آخر میں تمام اراکین اس پر متفق ہو گئے کہ موجودہ حالات میں یہ مقصد صرف اس طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ دارالعلوم کو فی الحال عارضی طور پر بند کر دینے کا اعلان کر دیا جائے اور اس کے بعد دارالعلوم کو طلبہ سے خالی کر لیا جائے اور نقض امن اور اطاک دارالعلوم کی بربادی کے خطرہ کے پیش نظر حکومت اور پولیس کا تعاون بھی حاصل کیا جائے۔ چنانچہ مجلس نے یہی فیصلہ کیا اور ذمہ داران حکومت کو بھی اس کے بارے میں لکھ دیا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ، ۱۷ جولائی کو اس ڈی، ایم دیوبند کا ۱۷ جولائی کا مجریہ ایک زینبی حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم کو لے چکا تھا جس کا حاصل یہ تھا کہ ہمیں علوم ہوا ہے کہ آپ کے دارالعلوم میں کوئی ایجنڈیشن جاری ہے اور سنگین واقعات کا خطرہ ہے اور آپ حکومتی انتظام سے مدد لینا نہیں چاہتے اس لیے آپ نوٹ کر لیں کہ اگر کوئی غیر معمولی اور پیچیدہ صورت حال پیدا ہوئی تو اس کی ذمہ داری آپ ہی پر ہوگی۔

مجلس شوریٰ نے اپنے غور و فکر کے وقت اس نوٹ کو بھی سامنے رکھا تھا۔ اس کے علاوہ ارکان مجلس کے سامنے تقریباً دس سال پہلے کا وہ دائرہ بھی تھا جب دارالعلوم میں اسی طرح کی ایک ایسی سیانہ کی ایک اسٹراٹیک کچھ شورش پسند طلبہ نے (رائی تھی، اس میں بھی انہماک افروزناک اور تکلیف دہ حرکتیں ان کی طرف سے سامنے آئی تھیں جو دارالعلوم اور اس سے نسبت رکھنے والی جماعت کے لیے باعث رسوائی تھیں (اگرچہ حالیہ اسٹراٹیک میں جو حرکتیں کی گئیں ان کے مقابل میں

وہ کمتر تھیں، اس وقت حضرت مولانا حفظ الرحمن رحمۃ اللہ علیہ حیات تھے اور مجلس کے مؤثر کن اور گویا رہنا تھے، مجلس نے پہلے صرف اُن چند طلبہ کے اخراج کا فیصلہ کیا جو اس کے نزدیک اس شورش کے اصل بانی اور سرغنہ تھے۔ لیکن جب اس فیصلہ کی تعمیل کی کوشش کی گئی تو ان سے کہا گیا کہ وہ دارالعلوم کی کتب میں واپس کر دیں اور دارالافتاء سے چلے جائیں تو وہ باقاعدہ جنگ پر آمادہ ہو گئے اور کتب خانہ کو آگ لگا دینے کی دھمکی مجلس کے علم میں آئی، جس کے بعد مجلس نے یہ ناکرہ سمجھا کہ دارالعلوم کو غیر معینہ عرصہ کے لیے بند کر دیا جائے اور ان شورش پسند طلبہ سے اس کو خالی کرنے اور کتب خانہ وغیرہ کی حفاظت کے لیے ذمہ داران حکومت سے بات کر کے ان کا تعاون حاصل کیا جائے۔

لیکن چونکہ یہ بہت ہی غیر معمولی قسم کا اقدام تھا اس لیے طے کیا گیا کہ اگر کان مجلس میں سے کوئی سہارا نپور جائے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہم سے (جو جماعت دیوبند کے سب سے بڑے دینی بزرگ تھے اور میں) صورت حال اور مجلس کی رائے عرض کر کے استعصاب کر لیا جائے۔ اگر مروج بھی اس کے اتفاق فرمائیں تو پھر وہیں اس بابے میں ضلع مجسٹریٹ سے بات کر لی جائے۔

حضرت شیخ الحدیث سے استعصاب کے لیے راقم سطور (محمد منظور نعمانی) کو نامزد کیا گیا اور ضلع مجسٹریٹ (کلکٹر) سے بات کرنے کے لیے مولانا محمد عثمان صاحب کو ساتھ کیا گیا۔ ہم دونوں دارالعلوم کی جیب گاڑی سے سہارن پور پہنچے، پہلے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورت حال تفصیل سے عرض کی اور بتایا کہ مجلس نے مجبور ہو کر اب یہ سوچا ہے لیکن حضرت سے استعصاب ضروری سمجھا ہے۔ حضرت شیخ نے اُبدیدہ ہو کر فرمایا کہ جب حالات یہاں تک پہنچ چکے ہیں تو اس کے سوا چارہ کار کیا ہے۔ بہر حال حضرت نے مجلس کی رائے سے اتفاق فرمایا۔ اس کے بعد ہم دونوں کو ضلع مجسٹریٹ سے ملنا تھا، اس کے لیے مولانا محمد عثمان صاحب مجھے لے کر پہلے اس وقت کے ایک بااثر کانگریسی لیڈر کے ہاں گئے جو ان کے دوست تھے (غالباً وہ ایم ایل اے بھی تھے اور جہاں تک یاد آتا ہے ان کا نام اسٹریبلورام تھا) مقصد یہ تھا کہ انھیں ساتھ لے کر کلکٹر سے ملیں وہ

لے اکثر ناظرین الفرقان کو معلوم ہو گا کہ حضرت شیخ الحدیث چند مہینے قیام کی نیت سے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے ہیں، تین مہینے ہو چکے ہیں امید ہو کہ انشاء اللہ شہبان تک وہی ہوگی، متع اللہ المسلمین بطول بقائہم۔

کچھ مسرور تھے اس لیے ہمیں ان کے ہاں دیر ہو گئی، اتنے میں وہیں حضرت شیخ الحدیث کا پیغام پہنچا کہ ابھی ابھی دیوبند سے مولانا حفظ الرحمن صاحب کا ہتھانے واسطے یہ پیغام آیا ہے کہ آپ لوگوں کے جانے کے بعد طلبہ کے ردیہ میں تبدیلی ہو گئی ہے اور ایسے حالات پیدا ہوئے ہیں کہ شاید اس آخری اقدام کی ضرورت نہ پڑے، اس لیے اگر ڈسک محٹرٹ سے گفتگو نہ کی ہو تو ابھی نہ کی جائے اور جلدی دیوبند والی کی کوشش کی جائے تاکہ تازہ صورت حالی پر مشورہ ہو سکے، چنانچہ ہم لوگ واپس آگئے اور دارالعلوم بند کرنے اور اس سلسلہ میں حکومت سے تہاؤں لینے کی جوابات مجبوراً سوچی گئی تھی، الحمد للہ اس وقت اس کی نوبت نہیں آئی۔

بہر حال حالیہ اضرک اور اس سلسلہ کے سنگین واقعات پر غور کرتے وقت مجلس کے سامنے دس سال پہلے کا یہ واقعہ بھی تھا، اور ان سب چیزوں کی روشنی میں سوچ سمجھ کر تین دن کے غور و فکر کے بعد مندرجہ بالا فیصلہ کیا گیا اور اس پر عمل درآمد بھی ہو گیا۔ اور ۱۹ جولائی کو مغرب سے پہلے دارالعلوم طلبہ سے خالی کر دیا گیا۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ اعلان لاؤڈ اسپیکر سے حضرت مہتمم صاحب کی طرف سے کر دیا گیا کہ جو طالب علم آئندہ سے اپنا ردیہ درست رکھنے کا فیصلہ کریں وہ ہمان خانہ میں آکر درمطابن انتظام سے یا اپنے استاد سے رابطہ قائم کریں ان کو تمام ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں گی، چنانچہ طلبہ کی بہت بڑی تعداد نے ایسا ہی کیا۔ ان سب کے لیے کھانے وغیرہ کا بھی انتظام کیا گیا اور جو اپنے وطن جانا چاہتے تھے ان کے لیے کنیشن فنام بھی جاری کیے گئے، جنھوں نے کرایہ کے لیے ردیہ طلب کیا ان کو دارالعلوم سے قرض ردیہ دیا گیا۔ یہ سب مجلس شوریٰ کے فیصلہ سے ہوا۔

۳۵ طلبہ کا احسراج :-

یوں تو بظاہر طلبہ کی بہت بڑی تعداد ان اضرکی طلبہ کے ساتھ تھی اور وہ طلبہ بہت کم تھے جو علانیہ طور پر اس سے الگ تھے اور جنھوں نے کھلے طور پر اپنی بے تعلقی کا اعلان کر دیا تھا۔ لیکن ارکان مجلس شوریٰ کو اپنی درایت اور اپنے تجربوں کی بنا پر یقین تھا کہ اس شورش اور ہنگامہ کے اصل بانی اور ذمہ دار تھوڑے ہی ہوں گے، بہت سے سادہ دل اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے ان کے جھوٹے پروپیگنڈوں سے متاثر ہو کر ان کا ساتھ دے رہے ہوں گے۔ بہت سے الگ ہوں گے مگر خاموش ہوں گے۔ اس طرح کی شورشوں میں عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کہ اصل بانی فساد ایک چھوٹی سی ٹولی ہوتی ہو۔

مگر وہ اپنی تنظیم اور جھوٹے پروپیگنڈے اور مضامین پھیلانے اور جاہلانیوں سے تھوڑے وقت کے لیے بہت سوں کو اپنے ساتھ لے لیتی ہے اور جو سلیم الطبع اور صلاح پسند اُن کے الگ ہوتے ہیں چونکہ وہ منظم نہیں ہوتے، ان کا کوئی پلیٹ فارم نہیں ہوتا اور ان میں سے ہر ایک شرفادے بچا جاتا ہے، اس لیے تعداد کے لحاظ سے اکثریت میں ہونے کے باوجود وہ ہمیشہ بے ہوش اور خاموش رہتے ہیں۔ فرقہ وارانہ فسادات میں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اُسے دن ہونے والے اس طبع کے تخریبی رنگوں میں عموماً یہی ہوتا ہے۔ (چنانچہ ۱۹ جولائی کو جب یہ ہنگامہ ختم ہوا اور عام طلبہ باہر آئے تو ان کے بیانات سے اس کی پوری پوری تصدیق ہوئی)

بہر حال مجلس شوریٰ کو یقین تھا کہ اس اسٹراٹجک اور جارحانہ شورش کے اصل بانی اور ذمہ دار چند ہی ہوں گے۔ طلبہ کی ایک بڑی تعداد کی تحریریں بھی حضرت مہتمم صاحب اور حضرات اساتذہ کے پاس مختلف ذریعوں سے ۱۹ جولائی تک اکٹھی تھیں کہ یہ جو کچھ ہورہا ہے ہم اس سے بڑی اور بیزاریں لیکن شرارت پسند طلبہ نے فضا ایسی بنادی ہے کہ ہم اس وقت ان کی مخالفت نہیں کر سکتے، بہت سوں نے جان کے خطرہ تک کی بات لکھی تھی۔ (یہ تحریریں سیکرٹوں کی تعداد میں دارالعلوم میں محفوظ ہیں)

الغرض مجلس شوریٰ نے ان سب حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے طے کیا کہ جن طالب علموں کے متعلق یہ تحقیق ہو جائے کہ وہ اس انجیٹیشن اور شورش کے اصل بانی اور ذمہ دار ہیں ان کو دارالعلوم خارج کر دیا جائے۔ اس کی تحقیق کے لیے جو ذرائع ہو سکتے تھے ان کو کام میں لا کر کئی سو اسٹراٹجی طلبہ میں سے صرف ۲۵ کو مجلس شوریٰ نے اصل بانی اور ذمہ دار سمجھا اور دارالعلوم سے ان کے اخراج کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلہ کے وقت مجلس کے سامنے مندرجہ ذیل حقائق بھی تھے۔

(الف) عام دینی مدارس اور خاص کر دارالعلوم دیوبند کی نوعیت یہ ہے کہ اس کا اصل موضوع و مقصد کوئی ڈگری دینا نہیں بلکہ طالبین کی دینی تعلیم و تربیت ہے، یہاں طالب علموں سے کوئی فیس نہیں لی جاتی بلکہ اُن کے کھانے پینے، رہنے سہنے اور پہننے کے کپڑوں اور جوتوں تک کا انتظام مدرسہ کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ بعض ضروری اخراجات کے لیے نقد وظیفہ اس کے علاوہ دیا جاتا ہو سیکرڈن روپے کی کتابیں ایک ایک طالب علم کو پڑھنے کے لیے فراہم کی جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ کسی حکومت کے خزانے سے نہیں صرف اُن دیندار مسلمانوں کے چندہ سے ہوتا ہے جو وہ اللہ کی رضا اور اجر پر

آخرت کی امید میں اپنی کمائی میں سے دیتے ہیں۔ وہ قدرتی طور پر یہ امید رکھتے ہیں کہ ان کا وہ پیہ ایسے طالب علموں کی تعلیم و تربیت اور ان کے کھانے پینے پر صرف ہوگا جو عالم دین اور حامل دین ہو کر نکلیں گے۔ وہ ہرگز اس کی اجازت نہیں دیں گے کہ ان کا پیہ ایسے لوگوں پر صرف ہو جو کاغذ نویس اور بلوں کے شورش پسند ہٹرنالی مزدوروں کی نقالی دارالعلوم میں کریں، چھاپہ مار کر تمام درگاہوں کی تالیفوں پر قبضہ کر لیں، جو طالب علم پڑھنا چاہیں ان کو حدیث و تفسیر وغیرہ کے اسباق پڑھنے سے بھی بجز روکس اور حدیث کا سبق پڑھنے والے طالب علموں کو گھسیٹ گھسیٹ کر اٹھائیں اور اپنے بزرگ استادوں کو سبق نہ پڑھانے دیں اور ان کے ساتھ گستاخانہ طریقوں سے پیش آئیں۔

مجلس شوریٰ شرعی اور دستور پر انھیں چند دہندگان کی وکیل ہے۔ اس کا فرض ہے کہ جن لوگوں کے متعلق اس کو تحقیق سے یہ معلوم ہو کہ انھوں نے اتنے بُرے کردار کا مظاہرہ کیا ہے اور ان کی حیثیت قائمانہ اور ذمہ دارانہ رہی ہے ان کو دارالعلوم میں لےنے کی اجازت نہ دے۔

(ب) اس شورش اور ہنگامہ کے صعب اول کے لیڈروں میں کئی ایک کے متعلق مجلس شوریٰ کے علم میں آیا کہ اس سے پہلے وہ بعض دوسرے دینی مدارس میں بھی ایسی مفندانہ حرکتیں کر چکے ہیں جن کی بنا پر وہاں سے ان کا اخراج ہوا تھا اور انھوں نے اس کو چھپا کر اور بعض نے اپنا نام بدل کر دارالعلوم میں داخلہ لیا۔ ان میں سے دو کے بارہ میں (جن میں ایک اس شورش کی ایکشن کمیٹی کے صدر صاحب بھی ہیں) بتایا گیا تھا کہ وہ مظاہر علوم سہارن پور کے مخربین میں سے ہیں۔ پھر مظاہر علوم کے بعض اساتذہ سے اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔ بہر حال مجلس شوریٰ نے ان طلبہ کے بارہ میں غور کرتے وقت ان کی اس خصوصیت کو بھی سامنے رکھا۔

(ج) قریب قریب تمام اساتذہ نے مجلس شوریٰ کو ایک تحریر مشترکہ طور پر پیش کی تھی جس میں اسٹرٹلک اور شورش کے سلسلہ میں طلبہ کی حرکات اور اساتذہ کے ساتھ گستاخانہ رویہ کا ذکر کرنے کے بعد کہا گیا تھا کہ دینی تعلیم و تربیت کے لیے اساتذہ اور طالب علموں میں جو تعلق ہونا چاہیے وہ ان طلبہ کے ساتھ اب باقی نہیں رہا ہے اس لیے ہم آئندہ ان کو پڑھانے سے معذور ہیں۔ بعض اساتذہ نے گفتگو میں صفائی سے کہہ دیا کہ اگر ان طلبہ کے پڑھانے کے لیے ہمیں مجبور کیا گیا تو ہم استغفار سے دیں گے۔ مجلس شوریٰ کے نزدیک اساتذہ کا یہ موقف بالکل صحیح اور دارالعلوم

اور نوبی تعلیم کی عظمت و وقار کے تقاضوں کے عین مطابق تھا۔

بہر حال مجلس شوریٰ نے ان تمام حقائق کو سامنے رکھ کر ان طالب علموں کا اخراج ضروری سمجھا جن کے متعلق اُسے تحقیق ہو کہ اس شورش اور ہنگامہ میں ان کا کردار قائدانہ رہا اور یہ اس کے اصل ذمہ دار ہیں۔ اگر مجلس یہ نہ کرتی تو اپنا فرض ادا کرنے سے قاصر رہتی

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس کا تعلق دارالعلوم کے طلبہ کی حالیہ شورش اور اسکے بارے میں مجلس شوریٰ کے فیصلوں اور اقدامات سے تھا۔ اتم سطر نے آج کی صحبت میں اس سوال سے بالکل تعرض نہیں کیا کہ دارالعلوم جیسی خالص دینی درس گاہوں میں جن کی دینی اور روحانی فضاؤں میں اس قسم کے ہنگاموں کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کیوں ایسے ہنگامے برپا ہونے لگے ہیں۔ میں اس موضوع پر افغانستان کے انہی صفحات میں کئی بار اب سے پہلے بہت تفصیل سے لکھ چکا ہوں اور پوری صراحت کے ساتھ ان درس گاہوں کی ان داخلی کمزوریوں کی نشاندہی کر چکا ہوں جن کی وجہ سے ان میں بھی اس قسم کے فتنوں کا اٹھنا ممکن ہو گیا ہے۔ اتم سطر کو اس میں ذرہ برابر شک نہیں ہے کہ جب تک اپنی ان کمزوریوں کی اصلاح نہیں کی جائے گی شیطان کو اس قسم کے تخریبی فتنے برپا کرنے کا موقع ملتا ہی رہے گا، اس لیے اس کا مستقل علاج خود اپنا احتساب اور اپنی کمزوریوں کا ازالہ ہے۔ واللہ الموفق۔

ہر اُمّتی کے لیے رَسُوْلُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا خَاصُّ لِخَاصُّ تَحْفَہ

وہ اذکار، وہ دُعائیں اور توبہ و استغفار کے وہ کلمات ہیں جو خود آپ کے معمولات میں تھے اور جو آپ نے صحابہ کرام کو خاص طور سے تلقین فرمائے، ان سب کو حدیث کی کتابوں سے چھانٹ کر مولانا الغامدی نے اپنی تازہ تالیف

مَعَارِفُ الْحَدِیْثِ جلد پنجم

میں جمع کر دیا ہے اور ہر حدیث کی اس طرح تشریح کی ہے کہ طلب و رُوح بے حد متاثر ہوتے ہیں، نواختنے والے مقدمہ میں اس کی امید کی ہے کہ ان شاء اللہ کتاب میرے لیے اور اللہ کے بہت سے بندوں کیلئے رحمت و مغفرت کا وسیلہ بنے گی۔ دیدہ زیب کتاب و طباعت، نفیس کاغذ، بڑا کتابی سائز، چار سو سے زیادہ صفحات۔

قیمت مجلد ریجن ۷/۵۰ — غیر مجلد ۶/۵۰

حضرت مولانا عبد الغفور نقشبندی ہماجر مدنیؒ

[حضرت مولانا عبد الغفور صاحب نقشبندیؒ نے گزشتہ مئی میں مدینہ منورہ ہی میں رسالہ فرمایا، اتفاق سے رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بھی ان دنوں مدینہ طیبہ ہی میں تھے، موصوت سے یہ نے درخاست کی تھی کہ حضرتؒ کی وفات پر ایک نوٹ الفرقان کے لیے لکھ دیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے مولانا نے درج ذیل مختصر مضمون سپرد قلم فرمادیا —————]

یہ حقیقت کسی تشریح کی محتاج نہیں کہ حجاز مقدس اور حبشین شریفین زاد ہما اللہ شرفاً و تعظیماً اسلام کا میدان و معاد، ہر مسلمان کا لمبا اور ماویٰ اور ہر دینی و دنیاوی نعمت کا مخزن ہے۔ یحییٰ الیہ شموات کل شیء، اس لیے کسی دور میں وہ یا کمال شخصیتوں، اہل قلوب اور اصحابِ دعوت و ارشاد سے خالی نہیں رہے۔

ایسا بھی بہت ہوا ہے کہ اہل قلوب اور مشائخ کبار نے زندگی کا بیشتر حصہ دیارِ عجم میں صرف کیا پھر اسی بلدا میں یا جو بارِ رسولؐ میں آکر پناہ لی اور اپنی زندگی کے آخری دن یہیں بسر کیے۔ دورِ قدیم میں شیخ تاج الدین سنہلیؒ، شاہ صبغت اللہ بھڑوچیؒ، سید آدم بنوریؒ، اور اس صدی کی ابتدا میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ، حضرت حاجی امداد اللہ ہماجو مکیؒ، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اور مولانا عبدالحی الہ آبادی شیخ الدلائل کا نام لیا جاسکتا ہے۔ اقبال مرحوم نے اپنے ان دو مشہور شعروں میں ان سب حضرات کی ترجمانی بڑی خوبی سے کی ہے:

دریں پیری رہ یثرب گرفتہ غزل خواں از سرور عاشقانہ
چو آں مرغے کہ در صحرا سرشام کشاید پر بہ فسکر آشیانہ

ایسی متعدد شخصیتوں کے نام بھی لیے جاسکتے ہیں جنہوں نے کسی اشارہ غیبی یا اتفاق قلبی سے حرمین شریفین ہی کو اپنی خدمت و دعوت کا مرکز بنایا اور انہوں نے وہاں بیٹھ کر عالم اسلام کے دور دراز گوشوں سے آنے والوں کی روحانی و باطنی اصلاح و رہنمائی کا دھن انجام دیا۔ اور اس طبع ان کا فیض دور دور پہنچا۔ انہی خوش قسمت اور عالی ہمت افراد میں حضرت مولانا عبد الغفور عباسی مجددی مدنی بھی تھے جنہوں نے گزشتہ بیس الاوّل کے

اول میں اس جہان فانی سے کوچ فرمایا اور بقیع کی خاک پاک کو اپنا آخری سکن بنالیا۔
 مولانا علاقہ سوات کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم صوبہ سرحد سے حاصل کر کے دہلی
 آئے۔ مدرسہ امینیہ میں تکمیل کی، پھر وہیں ساہسالی تدریس کے فرائض انجام دیے حضرت
 مفتی کفایت اللہ صاحب کے ممتاز شاگردوں میں تھے۔ ہمیشہ ان کا ذکر بڑے ادب و احترام
 کے ساتھ کرتے تھے۔ ان کے تلمذ پر مولانا کو فخر تھا۔ مولانا کو زمانہ طالب علمی ہی میں کمالات باطنی
 اور تزکیہ و تربیت کا ذوق تھا۔ اس سلسلے میں آپ طریقہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت
 فضل علی شاہ صاحب قریشی سے بیعت ہوئے اور ان سے کسب فیض کیا۔ اپنی فطری استعداد
 اور مناسبت خداداد سے بہت جلد ایسا امتیاز پیدا کر لیا کہ ان کی اجازت و خلافت سے
 مشرف ہوئے۔ پھر بعض اشارات و مبشرات کی بنا پر مدینہ طیبہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی
 اور وہیں آستانہ رسالت پناہی پر بڑھ کر خلق اللہ کی خدمت اور نفوس و قلوب کی اصلاح و
 تربیت میں مصروف ہو گئے۔ اس عالم گیر انقلاب کی بنا پر جو سارے عالم اسلام پر محیط ہو
 اور حجاز مقدس کے مخصوص حالات کی بنا پر خاص طور پر اصلاح باطن اور تعلق مع اللہ کی
 دعوت دینے والوں سے یہاں کی فضا روز بروز نا افس ہو تی جا رہی تھی۔
 خصوصیت کے ساتھ سلاسل و طسوق کے ساتھ نسبت رکھنے والوں کو بہت ہی شکلات اور
 بگمائیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور ان کو بہت بھونک بھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت تھی۔
 مولانا عبدالغفور صاحب نے اس شک و شبہ کی فضا میں اپنا کام شروع کیا اور بہت جلد
 ان کی ذات اور ان کی قیام گاہ طالبین اصلاح کامرکز بن گئی، اور رفتہ رفتہ یہ فیض ہندوستان
 و پاکستان کے حجاج و زائرین سے تجاوز کر کے مصر و شام و ترکی و ترکستان تک عام ہو گیا۔ لوگ
 حج کے زمانے میں اور اس کے بعد آپ کے حلقے میں شریک ہوتے تھے اور اجازت سے
 مشرف ہو کر ان ملکوں میں خلق خدا کی خدمت اور طریقے کی اشاعت میں مصروف ہیں۔
 آخری دور میں آپ اکثر پاکستان تشریف لے جاتے۔ آپ کی مقبولیت اور مدینہ طیبہ کی نسبت
 کی وجہ سے آپ کی ذات کی طرف رجوع عام شروع ہوا اور کثرت سے لوگ آپ کی ذات
 سے مستفید ہوئے۔

آخری اسفار میں تو یہ حال تھا کہ آپ کی مجلس میں شریک ہونے والوں کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہوتی تھی لاڈلہ اسپیکر کے بغیر آواز نہیں سنی جاسکتی تھی۔ معتقدین اور اراکین و مندوبوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ تھا۔ آپ اصلاح باطن کے ساتھ اصلاح ظاہر کی طرف شدت سے توجہ تھے غیر شرعی وضع کی اصلاح اور نصاریٰ و فرنگیوں کے شعار کے ازالے پر بہت زور دیتے تھے۔ راقم اس طور سے خود فرماتے تھے کہ نکٹائیاں اس کثرت سے آناری جاتیں کہ ٹوکرے بھر کر پھینکنے کی نوبت آتی۔ صدر انجوان اور تعلیم یافتہ حضرات نے اس غیر شرعی وضع اور فرنگیوں کی تقلید سے توبہ کی، ادارہ حیاں رکھیں اور نماز روزے کے پابند ہوئے۔

راقم اس طور اور رفیق محترم مولانا محمد منظور نعمانی (مدیر الفقان) پر شروع سے مولانا کی عزت اور نظر شفقت رہی۔ راقم اس طور کہ سب سے پہلی حاضری کے موقع پر ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ وہ دن اور آخری دن مولانا کی شفقت میں کبھی فرق نہیں آیا۔ جب کبھی مدینہ طیبہ کی حاضری کے موقع پر حاضری میں کچھ تاخیر ہو جاتی تو شکایت فرماتے اشتیاق ملاقات کا اظہار کرتے۔ غالباً یہ بھی شفقت فرماتے رہتے تھے۔

مولانا نعمانی کی تصنیف معارف الحدیث کے سلسلے سے مولانا کو بڑی سرت تھی کئی بار اس سے اپنے گھر متاثر کا اظہار کیا بعد فرمایا کہ میں اس کا بڑے اہتمام سے مطالعہ کرتا ہوں۔ تبلیغی جماعت کے افراد کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتے اور اس کام کو بہت سراہتے۔ تبلیغی جماعت کے اکا بر بھی مولانا سے رابطہ رکھتے تھے اور اہتمام سے حاضر ہوا کرتے تھے۔

اس مرتبہ اپریل کی آخری تاریخوں میں مدینہ طیبہ حاضری ہوئی تو حسب عادت مولانا کی خدمت میں حاضری دی۔ معلوم ہوا کہ وہ بھی چار روز پہلے پاکستان سے سخت علیل ہو کر تشریف لائے ہیں۔ حاضر ہوئے تو خود ہی فرمایا کہ سخت علیل ہوں کوئی غذا یاد اندر نہیں جا رہی ہے۔ صرف گلوکونڈ کے انجکشن سے طاقت قائم ہے۔ پاکستان کے ڈاکٹروں نے آپریشن تجویز کیا تھا لیکن عمر و نقاہت کے پیش نظر ان کو کامیابی میں تردد تھا۔ اس لیے مدینہ طیبہ حاضر ہو گیا کہ اگر موت مقدر ہے تو پھر یہیں کہیں نصیب ہو، اس کے بعد حضرت مولانا ذکر یا صاحب شیخ الحدیث کی معیت میں حاضری (باقی صفحہ پر ملاحظہ ہو)

دَرَسِ قُرْآن (مرکز والی مسجد، لکھنؤ)

۲۹ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ ۱۵ جون ۱۹۶۹ء

محشر میں سارے پیغمبروں سے اُن کی اُمّتوں کے بارہ میں خداوندی سوال

حضرت عیسیٰؑ سے سوال و جواب کی تفصیل
حمد و صلوٰۃ اعوذ باللہ اور بسم اللہ کے بعد

يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا
إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۚ إِذْ قَالَ اللَّهُ لِيَعْقُوبَ بْنَ مَرْيَمَ
اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَلَدَتِكَ إِذْ أَيَّدْنَاكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ
تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَإِذْ عَلَّمْنَاكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
وَالنُّورَ وَالْإِنْجِيلَ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي
فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي
وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَآئِيلَ عَنْكَ إِذْ
جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هَذَا إِلَّا أَسْحَرُ
مُبِينٌ ۚ وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي
قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۚ إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ

يٰعِيسَىٰ بَنَ مَرْيَمَ هَٰذَا سَيَتَّبِعُ رَبُّكَ اَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً
مِّنَ السَّمَاءِ ۗ قَالَ اَتَتَّعِزُّوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ
مِنْهَا وَنَطْمِئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَّقْتَنَا وَنَكُوْنُ عَلَيْهِا مِمَّنْ الشَّاهِدِيْنَ
قَالَ عِيسَىٰ بَنَ مَرْيَمَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُوْنُ
لَنَا عِيْدًا اَوْ لَدُنَا وَاٰخِرُنَا ۗ اٰيَةٌ مِّنْكَ وَاَرْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ
الرَّازِقِيْنَ ۝ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنْزِلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدَ مَعْثٰكُمُ
فَاِنِّيْ اُعَذِّبُْهُ عَذَابًا اَلًا اُعَذِّبُْهُ اَحَدًا اَمِيْنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝

المائدہ - ع ۱۵ - (آیات ۱۰۹-۱۱۵)

قیامت کے اس دن کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ سارے پیغمبروں کو جمع فرمائے گا پھر ان سے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا؟ (یعنی تمہاری دعوت اور تعلیم ہدایت کے بارے میں تمہاری امتوں کا طرز عمل کیا رہا؟) وہ عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں غیب کی باتوں کا پورا علم آپ ہی کا ہے۔

تصور کرو اس وقت کا جب اللہ تعالیٰ (اپنے پیغمبر مسیح علیہ السلام سے) فرمائے گا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ یاد کرو ان انعامات اور احسانات کو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ (مریم) پر کیے، جب میں نے روح القدس سے تمہیں تائید اور تقویت بخشی، تم لوگوں سے کلام کرتے تھے گواہ میں (شیر خواہی کے ایام میں) اور سن کہولت میں بھی (اُن سے پیغمبرانہ اور معجزانہ خطاب کرتے تھے) اور یاد کرو جب میں نے تم کو کتاب و حکمت اور خاص کر توراۃ و انجیل کا علم دیا، اور یاد کرو جب تم بنادیتے تھے مٹی کے گوندے سے پرزہ کی سی صورت میرے حکم سے، پھر تم اس میں بھونک اڑتے تھے تو (اُس میں حیات پیدا ہو جاتی تھی اور) وہ حقیقتہً پر زندہ بن جاتا تھا میرے حکم سے، اور تم مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتے تھے۔ میرے حکم سے، اور جب تم مردوں کو زندہ کر کے (قبروں سے نکال کے) کھڑا کرتے تھے میرے حکم سے۔ اور یاد کرو وہ واقعہ جب میں نے بنی اسرائیل کے شر کو رد کیا

تم سے جب تم آئے تھے ان کے پاس کھلی نشانیاں اور روشن معجزے لے کر تو ان میں سے کافروں نے کہا تھا کہ یہ تو بس صریح جادو ہے (اور پھر وہ تمہیں ختم کر دینے کے درپے ہو گئے)

اور اے عیسیٰ بن مریم! یاد کرو (وہ واقعہ بھی) کہ جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول (عیسیٰ بن مریم) پر، تو وہ بول اُٹھے کہ ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم مسلم ہیں۔

اور یاد کرو اُس واقعہ کو بھی جب حواریوں نے کہا تھا کہ اے مریم کے فرزند عیسیٰ! کیا تمہارا خدا اندر آیا کر سکتا ہے کہ ہمارے لیے آسمان سے مادہ (کھانے کا خوان) اتار دے تو عیسیٰ نے اُن سے کہا تھا کہ اگر تم مومن ہو تو خدا سے ڈرو (اور ایسی باتیں نہ کرو جو مومنین کے لیے زیبا نہیں) ان حواریوں نے کہا کہ (اس سے ہمارا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ آپ کی صداقت یا خدا کی قدرت کا امتحان لیں) ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ (اللہ کے نام سے ہوئے) اسی آسمانی خوان سے ہم کھائیں (اور اس پاک نورانی کھانے کی برکتیں ہمیں حاصل ہوں) اور ہمارے قلوب کو اطمینان کی دولت نصیب ہو اور ہم (اس ذاتی تجربہ اور شاہدہ سے) جان لیں کہ تم نے ہم سے سچ فرمایا تھا اور پھر ہم اس کی گواہی دینے والے بنیں۔ عیسیٰ بن مریم نے دعا کی "اے اللہ ہمارے پروردگار! تو ہم پر آسمان سے مادہ (کھانے کا خوان) نازل فرما جو ہمارے لیے ایک یادگار بن جائے ہمارے اگلوں اور پھلوں کے لیے اور تیری طرف سے ایک معجزہ اور نشانی ہو" اور تو ہمیں رزق عطا فرما، تو بہترین عطا فرمانے والا ہے۔ اللہ نے فرمایا میں یہ خوان تمہارے لیے اتار دوں گا، لیکن اس کے بعد جو کوئی تم میں سے کفر کرے گا تو اُس کو میں وہ سخت سزا دوں گا جو دنیا میں کسی کو بھی نہ دوں گا۔

سورہ مائدہ - آیات ۱۰۹ تا ۱۱۵

تفسیر و تشریح :-

یہ سورہ مائدہ کا خاتمہ یعنی اس کا بالکل آخری حصہ شروع ہوا۔ آپ حضرات کو یاد ہوگا کہ اس سورت کے اکثر مضمنا میں اہل کتاب خاص کر یہود و نصاریٰ سے متعلق تھے۔

اس آخری حصہ کا روئے سخن بھی خصوصیت سے اہل کتاب ہی کی طرف ہے اور ان میں سے بھی خاص طور سے تثلیث پرست عیسائی اس کے مخاطب ہیں اور ایک غیر معمولی انداز میں ان کی مشرکانہ گمراہیوں کے انجام سے انھیں مطلع کیا گیا ہے اور ایک طرح سے آخری طور پر ان پر حجت تمام کر دی گئی ہے۔ سب سے پہلے فرمایا گیا ہے۔

”يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ“

یعنی آئے والے اس ہولناک دن کا تصور کرو جب اللہ اپنے سامنے پیغمبروں کو میدانِ حشر میں جمع فرمائے گا جہاں اس دنیا کے سارے انسان جمع ہوں گے۔ اگلی پھلی ساری امتیں تو میں اور سب مذہب بھی گردہ اور فرقتے حاضر ہوں گے، تو سب کے سامنے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو جمع فرمائے گا اور ان سے پوچھے گا ”مَاذَا أُجِبْتُمْ“ (تمہیں کیا جواب دیا گیا) یعنی ہر نبی سے پوچھا جائے گا کہ تم جن کی ہدایت و اصلاح کے لیے بھیجے گئے تھے ان کا رویہ کیا رہا؟ انھوں نے کس حد تک تمہاری بات مانی اور تمہاری پیروی کی؟ تو یہ سب پیغمبر اللہ علام الغیوب کے علم محیط کے مقابلہ میں اپنے محدود اور صرف ظاہری علم کو کالعدم اور منفی قرار دیتے ہوئے اور ادب کے تقاضے سے عرض کریں گے ”لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ“ یعنی آپ علام الغیوب ہیں۔ کوئی بات آپ سے مخفی اور آپ کے علم سے باہر نہیں۔ ہماری دعوت و تعلیم کے بارے میں امتوں کا جو رویہ رہا اُس کا پورا اور صحیح علم آپ ہی کو ہے۔ ہمیں کچھ معلوم نہیں جو آپ کے حضور میں عرض کر سکیں۔

میدانِ حشر میں پیغمبروں سے اس بارہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پوچھا جائے گا اور وہ اس کا جو جواب دیں گے یہ اُس کا نہایت اجمالی بیان ہے۔ آگے صرف اس سوال و

جواب کو کسی قدر تفصیل سے ذکر فرمایا گیا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام سے ان کی اُمت کے بارے میں کیا پہلے گا اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی نبی کے بارے میں اس کی اُمت نے اتنا شکر کا نہ غلو نہیں کیا جتنا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں کیا، اور کسی نبی کی اُمت نے اپنے پیغمبر کی تعلیم کو اتنا مسخ نہیں کیا جتنا کہ عیسائی اُمت نے حضرت عیسیٰ کی تعلیم کو مسخ کیا ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ قیامت میں سب کے سامنے ان کا بیان تفصیل سے دلائے گا، اور قرآن مجید میں اس کو تفصیل سے اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ نبی آخر الزماں اور اللہ کی آخری کتاب کے ذریعہ عیسائی اُمت پر آخری حد تک حجت تمام ہو جائے اور انھیں معلوم ہو جائے کہ قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام ان کے مشرکانہ عقائد و اعمال سے کس طرح اپنی برکت ظاہر کریں گے، اور پھر جن کے دلوں میں آخرت کی فکر اور خدا کے خوف کی کوئی رتق باقی ہو وہ مشرکانہ عقائد سے توبہ کر کے اس توحید کو اختیار کریں جس کی عیسیٰ علیہ السلام نے حقیقتاً تعلیم دی تھی اور جس کی دعوت اللہ کے آخری نبی اور آخری کتاب کے ذریعہ دی جا رہی ہو۔ آگے ختم صورت تک تفصیل سے یہ بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ اس بارہ میں کیا فرمائے گا، کیا پوچھے گا اور وہ اس کے جواب میں کیا عرض کریں گے۔

آگے کی آیتوں میں بیان فرمایا گیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو اپنے وہ انعامات و احسانات یاد دلائے گا جو اس کی طرف سے ان پر اور ان کی والدہ مریم صدیقہ پر کیے گئے اور جن کی وجہ سے ان کو دنیا میں عظمت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ ان انعامات کے تذکرہ سے یہ حقیقت پوری طرح آشکارا ہو جائے گی کہ حضرت عیسیٰ میں جو بھی کمال تھا وہ خدا کا عطیہ تھا اور ان سے جو معجزات ظاہر ہوئے وہ ان کی اپنی ذاتی روحانی طاقت سے نہیں بلکہ خدا کی قدرت سے ظاہر ہوئے۔ یہاں تک کہ جو حواری ایمان لائے ان کے پیروکار اور ان کی دعوت کے علمبردار بن گئے ان کو بھی خدا ہی نے ایسا بنایا اور اس کی توفیق دی۔

ارشاد فرمایا گیا ہے۔

إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ
إِذْ أَيْدَتَكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ مِن كَلِمَةٍ النَّاسِ فِي الْمَهْدِ وَكَهْنًا۔

یعنی اُس وقت کا تصور کہ جب اللہ تعالیٰ میدانِ حشر میں اولین و آخرین کے ہونے
 مجمع کے سامنے اپنے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمائے گا۔ کہ اے مریم کے
 بیٹے عیسیٰ! میرے ان انعامات و احسانات کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کیے
 میں نے رُوح القدس سے تمہیں تائید دی جس کا پہلا ظہور یہ تھا کہ تم لوگوں سے گہوارہ میں
 یعنی شیر خوارگی کے زمانہ میں معجزانہ اور حکیمانہ باتیں کرتے تھے اور پھر ادھیڑ عمر میں جب
 ایک پیغمبر کی حیثیت سے تم لوگوں کو خطاب کرتے تھے تو وہ بھی رُوح القدس کی تائید کا ظہور تھا
 رُوح القدس کے ذریعہ عیسیٰ علیہ السلام کی تائید کا ذکر ان کی ایک امتیازی فضیلت
 اور ان پر اللہ تعالیٰ کے ایک خاص انعام کی حیثیت سے قرآن مجید میں بہت سے مقامات
 پر کیا گیا ہے۔ تیسرے پارہ "تِلْكَ الرُّسُلُ" کے کُل شروع میں خاص خاص پیغمبروں
 کی امتیازی فضیلتیں بیان فرماتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا۔ "وَأَيُّهَا
 بَرُّوحُ الْقُدُسِ"

اکثر مفسرین نے رُوح القدس سے حضرت جبریل امین کو مراد لیا ہے۔ اس بنا پر
 مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جبریل امین کی خصوصی تائید
 و رفاقت حاصل تھی۔ اور بعض حضرات نے رُوح القدس سے ایک خاص رُوحانی قوت
 لی ہے اس بنا پر مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص رُوحانی قوت
 حاصل تھی اور وہ ان پر اللہ تعالیٰ کا مخصوص انعام تھا۔ بہر حال میدانِ حشر میں اللہ
 تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو سب سے پہلے اپنا یہ احسان یاد دلائے گا کہ میرے ہی حکم سے
 تم کو رُوح القدس کی قوت اور تائید حاصل تھی۔ اور تم نے گہوارہ میں شیر خوارگی کے
 زمانہ میں جو معجزانہ باتیں کیں، اور اسی طرح اپنی نبوت کے زمانہ میں جو پیغمبرانہ باتیں لوگوں سے کیں وہ
 میرے اس انعام و احسان کا طفیل تھا کہ میں نے رُوح القدس کی تائید تم کو دی تھی تمہارا کوئی ذاتی
 کمال نہیں تھا۔ آگے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَإِذْ عَلَّمْنَاكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ۔

یعنی اے عیسیٰ بن مریم! میرے اس انعام و احسان کو بھی یاد کرو کہ تم کو میں نے

کتاب و حکمت کا علم عطا فرمایا اور خاص کر تورات و انجیل کا علم دیا۔۔۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سب سے بڑا علمی کمال یہی تھا کہ انھیں کتاب و حکمت اور بالخصوص اللہ کی مقدس کتابوں تورات و انجیل کا علم حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو یاد دلائے گا کہ یہ بھی میرا فضل و احسان تھا۔ تمھارا کوئی ذاتی کمال نہیں تھا۔۔۔ آگے ارشاد ہوا ہے۔

وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِأَذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِأَذْنِي۔

اور اس کو بھی یاد کرو کہ میں نے تمھارے ہاتھ پر بڑے بڑے مجرے ظاہر کرائے۔ تم مٹی کے گندے سے بالکل پرندہ کی سی صورت بنا دیتے تھے۔ یہ تمھارے ہاتھ سے میں ہی کرتا تھا۔ پھر تم اس پر بھونک اڑتے تھے تو اس میں حیات آجاتی تھی اور وہ حقیقتہً اڑنے والا پرندہ ہو جاتا تھا۔ یہ سب میرے ہی حکم سے اور میری ہی قدرت سے ہوتا تھا۔ تمھارا کوئی ہنر اور کمال نہیں تھا۔۔۔ آگے فرمایا گیا ہے۔

وَتُثْبِرِي الْأَكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ بِأَذْنِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِأَذْنِي۔

تم ہار زار اندھوں اور کورھیوں کو ہاتھ پھیر کے اچھا کر دیتے تھے۔ اور زمین میں دفن شدہ مردوں کو زندہ کر کے قبروں سے نکال کے کھڑا کر دیتے تھے۔ یہ سب میرے ہی حکم سے ہوتا تھا۔ تمھارا اپنا کوئی کمال نہیں تھا۔۔۔ آگے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنْكَ إِذْ جَعَلْتَهُم بِلَبَّتَيْ خَقَالٍ الْكَذِبِ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ

اور میرے اس انعام و احسان کو بھی یاد کرو جب تم بنی اسرائیل کے پاس یہ کھلے معجزے اور روشن نشانیاں لے کر آئے تو انھوں نے تمھیں جادوگر قرار دیا اور تمھارے قتل کرانے اور سولی پر چڑھوا دینے کی سازش کی اور اپنی جلد و جہد سے تمھاری گرفتاری اور اس کے بعد سولی پر لٹکوا دینے کا آخری حکم بھی حکومت و قوت سے حاصل کر لیا تو میں نے ہی اپنی قدرت سے تم کو بچا لیا۔ وہ تمھارا بال بھی بیکار نہ کر سکے۔ یہ میرا ہی فضل و احسان تھا کہ تمھارے دشمنوں کی ہماری اکیسہم ناکام ہو گئی۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہر سرِ عشرِ حضرت عیسیٰ کو اپنے یہاں انعامات و احسانات یاد دلانے گا۔ اور انھیں عیسیٰ ابن مریم کہہ کے مخاطب فرمائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان گمراہ عیسائیوں کی تردید ہوگی جنہوں نے ان معجزات کو حضرت عیسیٰ کی ذاتی روحانیت کا کرشمہ قرار دے کر ان کو خدا یا خدا کا بیٹا یا خدائی میں شریک بنایا اور نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے لائے ہوئے قرآن کی توثیق ہوگی جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا برگزیدہ بندہ اور اس کا رسول بتایا۔ اور ان کے معجزات کو خدا کی قدرت کا کرشمہ اور اس کا نسل قرار دیا۔ اور کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے یہ سارے معجزے باذن اللہ تھے۔ قرآن پاک میں جا بجا فرمایا گیا ہے کہ معجزے جو پیغمبروں کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتے ہیں وہ دراصل اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتے ہیں، پیغمبران کا صرف منظر ہوتے ہیں۔ عقائد اور کلام کی کتابوں میں معجزہ کی حقیقت یہی بتائی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح کرامت کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ وہ دراصل خدا کا فعل ہوتا ہے اور ولی اس کا صرف منظر ہوتا ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ معجزہ نبی کا اور کرامت ولی کا اپنا فعل ہوتا ہے اور ان کا ظہور نبی اور ولی کے اختیار میں ہوتا ہے تو وہ سخت گمراہ ہے اور ایک درجہ کے شرک میں گرفتار ہے، عیسائیوں کی گمراہیوں کی بنیاد یہی تھی کہ انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کو ان کا اپنا فعل اور ان کی روحانیت کا کرشمہ سمجھا۔ قرآن مجید نے ان کے معجزوں کی تصدیق کی لیکن بتایا کہ ان میں سے ہر معجزہ باذن اللہ تھا۔

آگے اسی سلسلہ کلام میں فرمایا گیا ہے۔

وَإِذْ أُوحِيَتْ إِلَى الْمُسَوِّدِينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوا آمَنَّا وَ
أَشْهَدُ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝

یعنی اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ سے اپنے انعامات کی یاد دہانی کے سلسلہ میں یہ بھی فرمائے گا کہ میرے اس فضل و احسان کو کبھی یاد کرو کہ میں نے حواریں کے دل میں یہ بات ڈالی اور انکی توفیق دی کہ وہ تم پر ایمان لائیں۔ چنانچہ میری ہی اس توفیق کے نتیجہ میں تم پر ایمان لائے اور

”وَقَدْ عَلِمْنَا أَنَّمَا إِتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّهُمْ لَا تَضُرُّهُمْ وَلَا تَنْفَعُهُمْ“ (خدا و غلام ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم نے اسلام یعنی تیری فرمانبرداری کے طریقہ کو اپنا مذہب و مسلک بنالیا،

عیسائیوں نے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو کیا اور ان کو خدا، خدا کا بیٹا اور خدا کا شریک ”ثَلَاثُ ثُلَاثَةٍ“ ٹھہرایا، اسی طرح انھوں نے حضرت عیسیٰ کے حواریوں کے بارے میں بھی سخت غلو اور افترا کیا اور اپنے مشرکانہ عقائد و خیالات کو انہی کی طرف منسوب کیا۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ قیامت میں عیسائیوں کی اس افترا پر داری کا پردہ بھی چاک کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ پر میرے عشر حضرت عیسیٰؑ سے فرمائے گا کہ حواری جو تم پر ایمان لائے تو یہ بھی تمہارا کارنامہ اور تمہارے کسی روحانی تصرف کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ میں نے ان کے دل میں ڈالا تھا کہ وہ ایمان لائیں چنانچہ وہ ایمان لائے اور انھوں نے خدا کو گواہ بنا کے کہا تھا کہ اے اللہ گواہ رہ کہ ہم تیرے مسلم بندے ہیں۔ (وَأَشْهَدُ بِأَنَّمَا مَسْلُمُون) اس میں یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ حواریوں کا دین اسلام تھا۔ وہی اسلام جس کی دعوت اللہ کے سامنے پیغمبروں نے دی۔ حضرت عیسیٰؑ بھی اسی کے داعی تھے۔ انھوں نے حواریوں کو اسی کی دعوت دی تھی۔ اور اللہ کی توفیق سے حواریوں نے اسے قبول کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا تھا ”وَأَشْهَدُ بِأَنَّمَا مَسْلُمُون“

یہاں ایک یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس آیت میں حواریوں کی طرف اللہ کے وحی کرنے کا جو ذکر ہے (وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ) تو اس سے وہ اصطلاحی وحی مراد نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبیوں کی طرف ہوتی ہے بلکہ یہاں یہ لفظ عام لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اللہ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی قرآن پاک میں حضرت موسیٰؑ کی والدہ کے بارے میں بھی یہ لفظ ان ہی معنوں میں کئی جگہ استعمال فرمایا گیا ہے۔ ”وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ“ (ہم نے موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ اپنے نومولود بچہ کو اس طرح دیا میں ڈال دے، بلکہ ایک جگہ قرآن مجید میں یہی لفظ شہد کی مکھی کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ ”وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَىٰ النَّعْلِ“ یعنی شہد کی مکھی جس طرح اور جس ہنرمندی سے پھولوں سے شہد چوستی ہے اور

پھر جس طرح چھتہ بنا کر اس میں شہد محفوظ کرتی ہے اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اس کی سمجھ شہد کی مکھی کو اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ (وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی الْمَخَلِّ) یہ حال حواریوں کی طرہ وحی کرنے کا اس آیت میں جو ذکر فرمایا گیا ہے اس کا مطلب اتنا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی ایمانی دعوت کو قبول کریں اور اسی نے ان کو اس کی توفیق دی۔

اس کے بعد وہ آیت ہے جس میں ذکر ہے کہ ان حواریوں نے حضرت عیسیٰؑ سے درخواست کیا کہ وہ اپنے رب سے "مائدہ" (یعنی عالم غیب کے کھانوں کا خوان) نازل کرنے کی تہا کر لیں۔ اس میں چند باتیں خاص طور سے قابلِ لحاظ ہیں۔ ایک یہ کہ ان حواریوں نے یہ درخواست پیش کرتے ہوئے حضرت مسیحؑ کو "یَا عِیْسٰی بَنَی مَرْیَمَ" ہی کے لفظوں سے مخاطب کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بزرگ حواری جو حضرت عیسیٰؑ کے براہِ راست شاگرد اور خلفاء اور عیسائی اُمت کے سابقین اور دین اور حضرت مسیحؑ کے بعد پہلے مرشد و معلم تھے۔ وہ ان کو ابنِ اللہ نہیں بلکہ ابنِ مریم ہی جانتے اور کہتے تھے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ان کا عقیدہ تھا کہ خود حضرت عیسیٰؑ میں یہ قدرت اور طاقت نہیں ہے کہ وہ آسمان سے "مائدہ" اتار سکیں۔ بلکہ ان کا مقام و منصب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جو ان کا رب ہے اس کی دُعا کریں۔ آیت کے الفاظ یہ ہیں:-

اِذْ قَالَ الْخَوَّارِیُّوْنَ یَا عِیْسٰی بَنَی مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُنَزِّلَ عَلَیْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ۔

(اور اس واقعہ کو بھی یاد کرو جب حواریوں نے کہا تھا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تمہارا رب یہ کر سکتا ہے کہ ہمارے واسطے آسمان سے کھانے کا خوان نازل کرے)

یہاں "یَسْتَطِیْعُ" کا لفظ جس کا میں نے ترجمہ کیا کہ کر سکتا ہے "قدت کے لحاظ سے نہیں استعمال کیا گیا ہے کیونکہ کسی ادنیٰ درجہ کے مومن کو بھی اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ آسمان سے "مائدہ" نازل فرمائے، ہاں کوئی بندہ بطور خود یہ نہیں جان سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا فیصلہ اس کے بارے میں کیا ہوگا۔ بہر حال اس آیت میں

”يَسْطِيعُ“ قدرت کے لحاظ سے نہیں، بلکہ حکمت اور مصلحت کے لحاظ سے استعمال فرمایا گیا ہے۔ اور اس کو بالکل اس طرح سمجھنا چاہیے جس طرح میں آپ میں سے کسی سے کہوں کہ کیا آپ میرے فلاں کام کے لیے اس وقت بازار جا سکتے ہیں۔ تو جس طرح اس کہنے سے میرا مطلب یہ ہو گا کہ کیا آپ اس وقت بازار جانا مناسب سمجھیں گے۔ اسی طرح اس آیت میں ”هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ“ کا مطلب یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ ہمارے لیے مادہ نازل کرنا بہتر سمجھے گا۔ حواریوں کی اس گزارش کا مقصد بھی تھا کہ اگر یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی مقررہ سنت کے خلاف نہ ہو۔ تو آپ اللہ تعالیٰ سے اس کی استدعا کیجئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کی اس درخواست کو ناپند کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح کی خارق عادت چیزوں کے لیے استدعا کرنا اور وہ بھی کھانے پینے کی چیزوں کے لیے مومنین صادقین کے لیے زیبا نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا۔
”اَتَقُوْا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ“ (اگر تم ایمان لاچکے ہو تو خدا سے ڈرو اور ایسی بات نہ کرو جس سے یہ شبہ ہو کہ تم میری مقبولیت یا خدا کی قدرت کا امتحان کرنا چاہتے ہو) حواریوں نے عرض کیا۔

”نُرِيْدُ اَنْ نَّأْكُلَ مِنْهَا وَنَطْمِئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَ وَكُنُوْا عَلَيْهِم مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ“

مطلب یہ ہے کہ ہمارا مقصد ہرگز نہیں کہ آپ کی مقبولیت کا یا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا امتحان کریں۔ ہم تو ایمان لاچکے۔ اس استدعا سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ عالم غیب کا وہ مقدس نورانی کھانا کھائیں جو اس دنیا کی آلائشوں سے بالکل ہی پاک صاف ہو اور ہمیں اس کے افادہ برکات نصیب ہوں اور اس معجزہ کے مشاہدہ سے ہمیں مزید اطمینان قلب نصیب ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور دعاؤں کی قبولیت کے بارے میں آپ جو کچھ فرمایا کرتے ہیں، ہم ایک دفعہ انہی آئینوں سے بھی اس کا نظور دیکھ لیں اور جب دین کی دعوت و منادی کے لیے لوگوں کے پاس جائیں تو ذاتی مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر ہم لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کے اس خارق عادت انعام اور معجزہ کی شہادت دے سکیں۔

اس آیت میں حواریوں نے جو یہ کہا کہ ہم نزولِ مائدہ کی استدعا اس واسطے کر رہے ہیں کہ میں مزید اطمینانِ قلب حاصل ہو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ مجھے میری آنکھوں سے دکھائے کہ تو کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا (رَبِّ اَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتٰی) اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اَوْ كَمْ تَوَكَّلُ" کیا اس پر ایمان و یقین نہیں ہے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا تھا: "بَلٰی وَ لٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي" (ایمان تو ہو لیکن اطمینانِ قلب کے لیے اس کا منظر آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں)۔ ایمان کے بعد اطمینانِ قلب کی حقیقت کو آپ اس مثال سے اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ ایک صالح اور متقی باپ اپنے محبوب اور صالح لکھتے بیٹے کو اپنے آخری وقت میں بتائے کہ دیکھو میں نے اور تمہاری ماں نے گھر میں فلاں جگہ تمہارے لیے ایک بڑی رقم و فن کو دی ہے۔ جب ضرورت ہو اسے نکال کے کام میں لے آنا۔ پھر یہ بات پیٹھ پر کرنا زرداری کے ساتھ ماں بھی بتائے تو ظاہر ہے کہ اسے ماں باپ کی اس اطلاع میں کوئی شک و شبہ نہیں ہوگا اور وہ اس کو یقین کے ساتھ صحیح سمجھے گا، لیکن اس کے بعد اگر وہ جگہ کھود کر اس دفن شدہ رقم کو اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لے تو یقیناً اسے مزید اطمینان حاصل ہوگا۔ تو حواریوں نے حضرت عیسیٰؑ سے جو یہ عرض کیا تھا کہ: "وَ تَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَ نَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتُنَا" تو اس کا مطلب یہی تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کی دعا سے ہمارے لیے آسمان سے مائدہ نازل فرمادے تو ایمان کے بعد ہمیں مزید اطمینانِ قلبی حاصل ہو جائے گا۔ حواریوں کے یہ عرض کرنے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا وَّلَا وَلَنَا وَاٰخِرُنَا وَاٰیةٌ مِّنكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ ۝

یعنی اے میرے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے "مائدہ" یعنی کھانے کا غوان نازل فرما جو ہمارے اولین و آخرین کے لیے سالانہ جشن و مسرت اور تیرا ایک یادگار انعام ہو اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو اور تو ہم کو اپنے اس خاص رزق سے نواز۔ تو خیر الرازقین ہے۔ آگے قرآن مجید میں ہے۔

قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدَ هُنَا فَاِنَّ أَعْدَىٰ بِي
عَدَايَا لَا أُعَدِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ

یعنی اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ کی استدعا کے جواب میں فرمایا کہ تمہاری استدعا کے مطابق
میں مائدہ نازل تو کروں گا لیکن اس کے بعد جو لوگ تم میں سے کفر کریں گے تو میں ان کو وہ
سخت ترین عذاب دوں گا جو دنیا میں کسی اور کو نہ دیا جاتا ہے گا۔

اللہ تعالیٰ کے اس پر حلال جواب سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ استدعا اللہ تعالیٰ کو پسند
نہیں تھی۔ اگے قرآن پاک میں اس کا کوئی ذکر بلکہ اشارہ بھی نہیں ہے کہ وہ مائدہ نازل
کیا گیا یا اللہ تعالیٰ کے اس جواب کے بعد حضرت عیسیٰؑ اور ان کے حواریوں نے اپنی درخواست
خود واپس لے لی۔ کسی صحیح حدیث سے بھی یہ بات معلوم نہیں ہوتی۔ اکثر مفسرین کا رجحان یہ ہے
کہ مائدہ نازل ہوا تھا۔ اور غیر مستند قسم کی روایتوں میں اس کی تفصیلات بھی ہیں۔ مابین
میں سے حضرت حسن بصری اور حجاج سے سند کے ساتھ نقل کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس
جواب کے بعد حضرت عیسیٰؑ نے اپنی استدعا واپس لے لی اس لیے مائدہ نازل ہونے کی نوبت
ہی نہیں آئی۔ مفسرین کثیر نے بھی اسی کو راجع سمجھا ہے اور اس کی تائید اس بات سے
بھی ہوتی ہے کہ انجیلوں میں اور مسیحی روایات میں اس مائدہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اگر آسمان
سے یہ مائدہ نازل ہوا ہوتا تو انجیلوں میں اور مسیحی روایات میں اس کا ذکر ضرور ہوتا بلکہ مبالغوں
کے ساتھ ہوتا۔ بہر حال مائدہ کے نزول یا عدم نزول کے بارے میں یقین اور وثوق کے
ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

یہاں تک یہ بیان ہوا ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے یہ اخلاص و
احسانات یاد دلائے گا۔ یہ سب دراصل اس پر حلال سوال کی تفسیر ہوگی جو اس دن برسرِ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام سے ان کے امتیاز کی گمراہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا اور اس کے
جواب میں حضرت عیسیٰؑ اپنے امتیاز کے مشرک نہ عقائد و اعمال سے اپنی بیزار ی ظاہر فرمائیں گے
اور کہیں گے کہ میں نے تو انھیں توحید ہی کی تعلیم دی تھی یہ اپنی گمراہی کے خود ہی ذمہ دار
ہیں۔ اگے کی آیتوں میں یہی بیان فرمایا گیا ہے اور اس کا انداز بڑا غیر معمولی ہے۔

دفتر کے دفتر بڑھ لے تب بھی وہ اس قسم کی اشیاء میں تیز نہیں کر سکتا جن کو ہم نے بیان کیا ہے۔
 — ہاں اگر کسی نے مکتبِ تقویٰ میں تعلیم پائی ہے تو وہ اس طرح کے باہر ایک فرق سمجھ
 لے گا۔ اس لیے کہ اکثر علوم ظاہرہ تقویٰ سے بالکل الگ چیزیں ہیں۔ اشرِ تعالیٰ
 ہی توفیق دینے والا اور مدد کرنے والا ہے۔

(۲) عزتِ خلوت، اصل ہے اور اختلاط (دلیل بول) فرع ہے۔ پس اصل کو اختیار کرو
 اور (بلا ضرورت) مخالفت نہ کرو۔ اور اگر مخالفت اختیار کرتے ہو تو برہان و دلیل
 کے ساتھ کرو۔ پھر مخالفت کی صورت میں یہ بات بھی واضح رہے کہ خاموشی اصل ہے اور لفظ و
 گویائی فرع ہے پس اصل کا التزام کرو اور بغیر برہان و دلیل کے گفتگو نہ کرو۔ اشرِ
 تائید کرنے والا ہے۔

(۳) فضلِ اشر اور انعاماتِ الہیہ کے نفائس سے پورا حصہ ملنے کے معنی یہ ہیں کہ
 ایک تو کتابِ اشر کے موافق عمل کرنے کی توفیق مل جائے۔ وہ کتابِ اشر جس کے
 سامنے اور پیچھے سے (غرض کسی جانب سے) باطل نہیں آسکتا اور جو لائقِ حمد و حکمت دے
 کی طرف سے آمادی ہوئی ہے۔ دوسرے اُن پسندیدہ آثار اور آثارِ کاتبِ
 نصیب ہو جائے جن کے ذریعے اُن حضرت صلے اشر علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر صحیح طور پر
 چلنا میسر ہو سکے۔ جب یہ اصل مضبوط و محکم ہو چکی تو طریقِ توہیم اور صراطِ مستقیم
 پر قدم آجائے گا۔ تقویٰ مستحق ہوگا، اعضاءِ مناسی (ممنوعات) سے بچیں گے اور امر
 کو بجالائیں گے۔

(۴) جب کسی بندے کا قلب لا اِلهَ اِلَّا اللہ کو (بکثرت) پڑھنے سے صاف
 ہو جاتا ہے تو کائنات کے تمام ذرات کا اُس کے قلب سے اس طرح اتصال ہو جاتا
 ہے جس طرح جسموں کا رنگوں سے۔

(۵) ”احوال“ مغز اور گری کی مانند ہیں۔ یہ احوال اُس قدرتِ مکہ محفوظ نہیں رہ
 سکتے۔ جب تک (نیکہ اعمال کے چھلکے اُن کی حفاظت نہ کریں۔
 (۶) ہر اُس قلب کے لیے جو حُبِ دُنیا میں مقید و مبتلا ہے۔ عالمِ غیب کے

سمندروں میں غوطہ لگانا ممنوع ہے۔
(۷) بندہ برابر بابِ طلب کو اپنی سعی و کوشش سے کھٹکھٹاتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ
ذوقِ اول والا بن جاتا ہے۔ اور جو ذوقِ طلب ہو گیا اُس کی دلدل گویا اندر سے نوبھوئی اب
وہ اس وقت ابلی ہو رہا ہے کہ ملکوتِ السماء والارض میں داخل ہو جائے (اور
اس کی سیر کرے)۔

(۸) وہ عقلاء جن کی عقلوں سے نورِ ہدایت قریب ہے۔ فانی پر مانی کو ترجیح دیتے
ہیں اور نفوسِ انسانیہ اپنی پیرائشی خصلت کے اعتبار سے فانیِ اشتیاء کی طرف
رغبت رکھتے ہیں مگر جس نفس کو اللہ تعالیٰ کو فیض دیدے۔ وہ نورِ روح کے سرایت کر جانے
کے سبب نفسِ عظیم سے جدا ہوتا ہے اور امرِ اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔
(۹) اللہ تعالیٰ نے اپنی لطیف حکمت سے اولادِ آدم کے اوضاع و اطوار مختلف
رکھے ہیں۔ ان میں بعض وہ ہیں جن کو یامِ عظیم تک ترقی نصیب ہوتی ہے اور بعض وہ ہیں
جو سچین کی پستی کی طرف جھکتے ہیں۔ جس کسی کا تقدیرِ ہدایت کی طرف کشش یقیناً ہے وہ اس
فانی دنیا کی تمام اشیاء کو سچ سمجھتا ہے اور اپنے نفس کو (فقط) دنیا کی چیزوں کی تحصیل
میں نہیں لکھتا۔ اس کی نسبت "عبادیتِ ملا" اعلیٰ کی جانب متوجہ ہوتی ہے وہ
تہذیبِ نفس اور تزکیہ نفس کا طریقہ اختیار کرتا ہے اور نفس کے جوہر کو غافل اور اخلاق
غیر محمودہ سے صاف کر کے فضائل اور اخلاقِ محمودہ سے آراستہ کرتا ہے۔ اُس کی
عبادت اُس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جاتی ہے۔ تلاوتِ کلامِ اللہ میں اُس کو راحت
محسوس ہوتی ہے۔ دوامِ ذکر میں اُس حاصل ہوتا ہے۔ قیامِ نیل اور صیامِ نہار میں
اُس کو لذت ملتی ہے۔

(۱۰) اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملازمت
و صحبتِ اقدس کی وجہ سے خلوت سے مستغنی تھے۔ ان کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں رہنا اور آپ کے ہمراہ جہاد کرنا خلوت سے افضل و بہتر تھا۔
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک مڑیدہ صحبتِ شیخ سے بغیر خلوت میں گئے ہوئے

اور بغیر جلد کشی کیے ہوئے، تو بہت حاصل کر لیتا ہے۔ اُس کے دل میں باطنِ شیخ سے وہ برکت پہنچتی ہیں جو خلوت سے بے نیاز کو دیتی ہے میں لیکن بعض مُریدوں کے لیے خلوت ہی مناسب ہے۔

(۱۱) مُرید کے لیے مناسب نہیں ہے کہ مخلوق کو متوجہ اور راضی کرنے کے لیے (بعض) اعمال پھوڑے یا (بعض) اعمال انجام دے۔ جب اچھے اعمال کرے اور نفس اس بات کی طرف متوجہ ہو کہ مخلوق کی نظریں ان اعمال پر پڑیں تو استغفار کرے مگر اچھے اعمال کو اس بنا پر بالکل نہ پھوڑے بالآخر عملِ حسن کی برکت سے دیا کاری ذائل ہو جائے گی۔

(۱۲) جب کسی بُرے کام کے ذائل کرنے پر قادر ہو تو چاہیے کہ اخلاص کے ساتھ اُس کو ذائل کرے۔ امر بالمعروف بھی ماسور بہ ہے مگر امر معروف، معروف اور معقول طریقے سے ہونا چاہیے۔ عاصیوں پر (ایک دم) ہتھیار اور ڈنڈے لے کر نہ چڑھ جائے بلکہ منکر کو از جانب شرع نائب بن کر حسبِ تقدیر اور حسبِ حیثیت ذائل کرے اور نیتِ خالص رکھے نیز یادِ سمعہ سے دور رہے۔

(۱۳) جو دنیا کا اور جاہ و مرتبہ کا حریص ہے وہ شیخ بننے کی بالکل صلاحیت نہیں رکھتا۔ شیخ کا اہلِ وہ ہے جو اپنی خواہش کا متبع نہ ہو۔

حضرت شیخ سہروردی قدس سرہ کی جانب سے حضرت شیخ بہاء الدین

ذکرِ یامقانیؒ کا اجازت نامہ :-

الحمد لله رب العالمين والصلاة على نبيِّه محمد وآله الطيبين۔

میں خوش ہوا اُن انعامات سے جو اشرقتا نے اُن شیخ العارف بہاء الدینؒ

لے شیخ الانام اعوام الحمد للہ بہاء الدینؒ ذکر کیا بن محمد بن علی القرشی الاسدی۔ کوٹ کردہ علاقہ

مکان میں پیدا ہوئے۔ بارہ سال کی عمر تھی کہ والد کا سایہ مرے اٹھ گیا۔ لاہوری بی مین طلب علم کے مسئلے

میں بخارہ کا سفر کیا اور وہاں کے اساتذہ سے اخذ علم کر کے حجاز کا سفر کیا۔ (باقی صفحہ ۳۴ پر)

دین میں حدیث و سنت کا مقام

مولانا تقی الدین ندوی مظاہری (استاذ حدیث و اہل العلوم

ملاح دارین، ترکیسر)

جو شخص اس اُمت کی تاریخ سے باخبر ہے اُس کو اس میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس اُمت میں یہ عقیدہ متواتر رہا ہے کہ حدیث نبوی، قرآن کا بیان اور اس کی شرح ہے، پس اگر قرآن کی تشریحی حیثیت تسلیم کی جاتی ہو تو اس کے بیان و شرح کی بھی تشریحی حیثیت ماننی پڑے گی۔ قرآن مجید میں نہایت صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (آل عمران ع ۱۰۰)

بے شک اللہ نے احسان کیا، ایمان والوں پر کہ بھیجا ان میں رسول انہیں میں سے جو پڑھتا ہے ان پر اس کی آیتیں اور ان کو سناتا ہے اور ان کو کتاب اللہ اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول کا منصب صرف قرآن کی آیات سنانا ہی نہیں تھا، بلکہ اس کے ساتھ کتاب و حکمت کی تعلیم بھی آپ کے فرائض رسالت میں داخل تھی۔

جمہور ائمہ لغت و علمائے قرآن کا متفقہ فیصلہ ہے، کہ حکمت سے مراد قرآن کے علاوہ شریعت کے وہ احکام اور دین کے وہ اسرار ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مطلع فرمایا تھا۔ امام شافعیؒ اپنی تصنیف ”الرسالہ“ میں لکھتے ہیں۔

سمعت من ارضی من اهل

میں نے قرآن کے اُن اہل علم سے جو میرے

العلم بالقرآن الحکمة سنة

زودیک قابلِ اعتماد ہیں یہ سنا کہ حکمت آنحضرت

رسول الله صلى الله عليه وسلم

صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا نام چڑ۔

قرآن کے محلات و مشکلات کی تفصیل اور علمی تشکیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال

اعمال اور آپ کے احوال کے جانے بغیر نہیں ہو سکتی، کیونکہ آپ مراد الہی کے مسیحین اور شاہساح ہیں۔ قرآن مجید ہی میں اعلان فرمایا گیا ہے۔

وَاَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ

اور نازل کی ہم نے تم پر یہ یادداشت

لِلنَّاسِ مَا نَزَّلَ إِلَيْهِمْ

تاکہ کھول کر بیان کر دو لوگوں سے اس کی

(سورہ النحل: ۶۷)

جو ان کی طرف اتارا گیا ہے۔

قرآن مجید میں وضو، غسل، نماز، روزہ، زکوٰۃ، جہاد، دعا، دود، ذکر الہی، اسی طرح نکاح و طلاق، بیع و شرا، اخلاق و معاشرت، سیاست ملت اور فضل قضایا وغیرہ غرض جملہ امور دین کے متعلق کلی اور اصولی احکام موجود ہیں۔ مگر ان احکام کی تشریح اور علمی تشکیل اور ان کے جزئیات کی تفصیل منجانب اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، اسی لیے آپ کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

قرآن کریم میں صاف فرمایا گیا ہے۔

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے

الله

بلاشبہ اللہ ہی کی اطاعت کی۔

(النساء: ۸۰)

آپ کی اطاعت اور آپ کے دینی احکام کی تابعداری جس طرح آپ کے دورِ سعید میں کی جاتی تھی اسی طرح آپ کے بعد بھی ضروری و لازمی ہے، قرآن و حدیث میں بکثرت اس کی تاکید کی گئی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلَّوْا

میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں

مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللَّهِ
وَسُنَّتِي بِهِ

جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے
رہو گے، اگرہے نہ ہو گے۔ کتاب اللہ اور

میری سنت۔

بہر حال یہ حقیقت آفکار ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ حدیث و سنت کا اتباع ضروری ہے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں درحقیقت کتاب اللہ کی شرح و بیان ہیں۔ بلکہ کتاب و سنت پر جن علماء کی نظر وسیع و عمیق ہے، انہیں بر ملا معلوم ہے کہ احادیث صحیحہ تمام تر قرآن پاک کے کلمی احکام کے تحت مندرج ہیں۔ امام شاطبی فرماتے ہیں۔

فكانت السنة بمنزلة التفسير
والشرح لمعانى احكام الكتاب

سنت کتاب اللہ کے احکام کے معانی
کے لیے تفسیر و شرح کا درجہ رکھتی ہے۔

امام شافعیؒ نے "الرسالہ" میں احادیث و سنن کی تین قسمیں بیان کی ہیں، ایک وہ جو بعینہ قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ دوسری وہ جن کی نوعیت یہ ہے کہ وہ قرآن کے محل احکام کی شرح کرتی ہیں۔ تیسری وہ جن کا ذکر قرآن پاک میں نہ تفصیلاً ہے اور نہ اجمالاً، اس کے متعلق امام شافعیؒ نے علماء کے چار نظریے پیش کیے ہیں، لیکن صحیح مسلک یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اقوال بھی صحیفہ ربانی سے مستنبط ہیں۔ لیکن قرآن پاک میں ان حدیثوں کے ماخذ کی تلاش وقت نظر کا کام ہے اور یہ صرف ان راہنمائی فی العلم کا حصہ ہے جو نبوت کی زبان اور صاحب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوب اور طرز ادا کے نعم کی خاص ہمارت رکھتے ہیں۔

قرآن اور حدیث میں فرق | اس موقع پر اس فرق کا لحاظ اور اس کی بنیادوں کو سمجھنا بھی ضروری ہے جو قرآن و حدیث کے درمیان عہد نبویؐ سے چلا آ رہا ہے۔

تاریخ شہادت دیتی ہے کہ عربوں کا حافظہ نہایت قوی تھا، وہ اپنے شجرہائے نسب، اہم تاریخی واقعات، جنگی کارنامے، بڑے بڑے خطبے، لمبے لمبے قصیدے اور نظمیں سب بانی یاد رکھتے تھے، قرآن مجید نازل ہوا تو عرب کی عام عادت کے مطابق خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے اس کو زبانی یاد رکھا، اور اس سلسلہ کو ہمیشہ کے لیے جاری فرمادیا، اسی لیے ارشاد ہے۔

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ
الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ ۚ

بلکہ یہ قرآن کھلی کھلی آیتیں ہیں ان
لوگوں کے سینے میں جن کو علم دیا گیا۔

”اہم چونکہ قرآن مجید تمام تر معجزہ ہے، اور اس کا لفظ لفظ وحی الہی ہے، جس میں کسی ایک لفظ کے بجائے دوسرے اُسی کے ہم معنی اور مترادف لفظ لانے کی بھی گنجائش نہیں ہے، اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع ہی سے اس کی کتابت کا بھی اہتمام فرمایا چنانچہ آپ کا معمول تھا کہ جس وقت کوئی آیت اُترتی آپ اُسی وقت لوگوں کو یاد کروادیتے اور کسی لکھنے والے کو بلا کر اس کو لکھوا بھی دیتے، مگر اصل وجہ اس کے حفاظت تلاوت پر سرگوزشتی، اور کتابت مزید برآں تھی۔ برخلاف اس کے عامیت معجزہ نہ تھی، اس کے الفاظ کی وہ اہمیت اور نوعیت نہ تھی جو قرآن پاک کے الفاظ کی تھی، حتیٰ کہ ”حدیث قولی“ بھی جو حق تعالیٰ کی وحی یا الامام یا ارادت ہے، اس کے الفاظ کی بھی نہایت ادا ایگی ضروری نہیں، اور قرآن پاک کی نوعیت یہ ہے کہ یہاں اصل الفاظ جو مُنزل من اللہ ہیں تلاوت میں انھیں کی ادائیگی ضروری ہے، کیونکہ یہ الفاظ حق تعالیٰ کی طرف سے رُوح القدس کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اقدس پر نازل ہوئے، اور آپ ہی کے ذریعہ اُمت تک پہنچے، ان میں نہ روایت بالمعنی کی اجازت ہے، نہ کسی قسم کے لفظی تغیر و تبدل کا اختیار، ہاں ترجمہ و تفسیر کی اجازت ہے، لیکن اس کو کلام الہی نہیں کہا جائے گا۔ اور اگرچہ یہ کہ قرآن بھی متن ہے، اور حدیثیں اس کی شرح و بیان، اس

اعتبار سے بھی ان دونوں کے درمیان فرق قائم کیا جائے گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں، علم کے مختلف طبقات ہیں، طبقہ اولیٰ میں کتاب اللہ، اور طبقہ ثانیہ میں سنت رسولؐ ہے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ایک مکتوب میں جسے قاضی شریح کے نام تحریر فرمایا ہے، لکھتے ہیں۔

”اقض بما فی کتاب اللہ فان لم یکن فی کتاب اللہ فبما فی سنة رسول اللہ فان لم یکن فی سنة رسول اللہ فبما قضی بہ العسالون“^۱

جو معاملہ تھا اسے سامنے آئے اس کے بارہ میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرو، اگر اس کا حکم کتاب اللہ میں نہ مل سکے تو سنت رسولؐ کے مطابق فیصلہ کرو، اور اگر سنت رسولؐ میں بھی حکم نہ ملے تو صحابہ کرامؓ کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کرو۔
بہر حال سنت رسولؐ کا مقام کتاب اللہ کے بعد ہے۔

احادیث متواترہ کی خصوصیت البتہ جو حدیثیں تواتر و تعامل و توارث کی راہ سے اُمت میں منتقل ہو کر آئی ہیں جنہیں اصطلاح میں خبر متواترہ کہا جاتا ہے، وہ بلحاظ ثبوت احکام کتاب اللہ کی طرح قطعی ہوں گی، کیونکہ جس راہ سے قرآن مجید انگوں سے پھلوں تک منتقل ہو کر چلا آرہا ہے، اس راہ سے جو علم بھی آئے اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں،

فخر الاسلام ہزدوی اس حصے کے بارہ میں جو تواتر کی راہ سے منتقل ہو کر چلا آرہا ہے، یہ الفاظ لکھتے ہیں،

حتى صار كالمعائن المسموع^۲ یقینی اور ناقابل شک شک ہونے میں ان کی

حالت ایسی ہے جیسے خود معائنہ کی ہوئی

یا راہ راست سی ہوئی کسی چیز کی ہو سکتی ہے۔

ان کا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید کے علاوہ بہت سی چیزیں اس راہ سے منتقل ہو کر

چلی کر رہی ہیں، فرماتے ہیں۔

مثل نقل القرآن والصلوات
الخمس واعداد الركعات
ومقادير الزكوة وما اشبه
ذلك لیه
جیسے قرآن کے منتقل ہونے کا حال ہو اور
یہی حال پانچ وقتوں کی نمازوں، ان
کی رکعتوں، زکوٰۃ کی مقررہ مقداروں اور
ان تمام چیزوں کا ہے، جو اس راہ سے منتقل
ہوتی چلی کر رہی ہیں۔

مولانا عبد العلی بحر العلوم نے تحریر فرمایا ہے،

بل المتواتر كالمشاهدة في
أفادۃ العلم (روائع المحرر ۱/۲۲)
متواتر یقین آفرینی میں مشاہدہ اور
مشاہدہ کی طرح ہے۔

البتہ جو حدیثیں صرف روایت و کتابت کی راہ سے اُمت میں
منتقل ہو کر آئی ہیں اور ان کو تواتر کا مقام حاصل نہیں ہوا ہے

جنہیں اصطلاح میں "اخبار احاد" کہا جاتا ہے، ان میں قطعیت کی وہ کیفیت نہیں پیدا
ہو سکی۔ پھر ان کے بھی مختلف درجات ہیں، جن میں باہم اعتماد کے لحاظ سے تفادیت ہے،
اسی اعتبار سے ان سے پیدا ہونے والے احکام و نتائج میں فرق مراتب قائم کیا گیا ہے۔
اصطلاح میں خبر واحد اس خبر کو کہتے ہیں جو متواتر نہ ہو، اگر تواتر کا عدد کسی طبقے
میں پورا نہ ہو تو اس کو خبر واحد کہا جائے گا، خواہ وہ کہتے ہی افراد سے روایت کی گئی ہو،
یہ بھی بلاشبہ قابل عمل اور مثبت احکام ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ
کرام نے اس کو قابل اعتماد سمجھا ہے اور ہر زمانے کے علماء و فقہاء نے اس پر عمل کو ضروری
قرار دیا ہے، امام شافعیؒ نے اپنی تصنیف "الرسالہ" میں بہت سی آیات و احادیث سے ثابت

۱۔ کشف الاسرار ص ۲۸۱ ۲۔ منکرین حدیث نے نادانی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ احادیث متواتر بہت محدود و
تلیل ہیں، حالانکہ تواتر کی چار قسمیں ہیں، دین کا بڑا حصہ قدرت و تواتر کی راہ سے منتقل ہوتا جیسا کہ امام ابو حنیفہ
کے لیے ملاحظہ ہو (نیل الغریدین از مولانا ابو شاہ کشمیری)

کیلئے، کہ اخبار احاد قابلِ اعتماد و واجبِ العمل ہیں۔ محدثین نے اخبار احاد کے متعلق جو یہ کہا ہے، کہ اس کے ساتھ قرائن نہ ہوں تو "ظن" کا فائدہ دیتی ہے۔ تو اس "ظن" سے ان کی مراد وہ اصطلاحی ظن ہے جو یقین سے نیچے مگر اس سے قریب ہوتا ہے اس سے عام بول چال والا وہ ظن سمجھ لینا جو بے اعتباری کے لیے بولا جاتا ہے۔ انتہائی جہالت ہے اور یہ ایسی ہی جاہلانہ غلطی ہے جیسے کہ کوئی قیاس کو محض اٹکل کے معنی میں لے کر قیاس منطقی کی جو استدلال کی منتقل شکل ہے، ہنسی اڑانے لگے، یہ تحریفِ منطق پر نہ ہوگا، بلکہ اپنی بے علمی پر ہوگا، اگر خبر واحد پر اعتماد نہ کیا جائے تو بہت سے دنیاوی معاملات بھی مشکل ہو کر رہ جائیں گے اسی لیے معتزکہ وغیرہ جو خبر واحد کی افادیتِ علم کے منکر ہیں، ان کے بارے میں شیخ الاسلام علامہ ہزروی فرماتے ہیں۔

من اسکر الخبر الواحد فانه رجل سغیہ لا یعرف نفسه ولا دینہ ولا دنیاہ ولا امہ ولا اباءہ
جس نے خبر واحد کا انکار کیا، وہ دراصل ایک بے عقل آدمی ہے جو اپنے آپ کو کبھی نہیں پہچانتا، نہ اپنے دین کو، نہ اپنی ماں کو، نہ اپنے باپ کو

اور چونکہ خبر متواتر اور اخبار احاد میں ثبوت کے لحاظ سے بھی اور ان سے پیدا ہونے والے احکام و نتائج کے اعتبار سے بھی فرق ہے، چرکی وضاحت اور پرکی جا چکی ہے، اس لیے دونوں کو ہم ملہ سمجھنا بھی جہالت ہے۔ شیخ الاسلام ہزروی فرماتے ہیں۔

ومن سواه بالکتاب و السنة المتواترة فقد اخطأ فی رفعہ عن منزلتہ و وضع الاعلیٰ عن منزلتہ
جس کسی نے خبر واحد کو کتاب اللہ اور سنت متواترہ کے ہم ملہ سمجھا اس نے بڑی غلطی کی کہ خبر واحد کو اس کے واقعی درجہ سے بہت اونچا اٹھا دیا اور کتاب اللہ اور سنت متواترہ کو اپنے مقام سے نیچے گرادیا۔

(حجاری)

اسلامی تحقیق

اس کے معنی و مدعا اور دائرہ کار
(از ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ایم اے پی ایچ ڈی لٹ)

(۲)

وحی اور عقل | سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس بات کی ضرورت ہی کیا ہے کہ عقلی اور علمی نقطہ نظر سے اسلام کی کوئی تشریح کی جائے اور بار بار کی جائے۔ کیا یہ بات صحیح نہیں کہ قرآن اور حدیث دونوں مل کر انسانی افراد کے اعتقاد و عمل کی راہ نمائی کرنے کے لیے پوری طرح کافی ہیں۔ کیا قرآن اور حدیث نے پہلے ہی ضروری حد تک اپنے مطالب کی وضاحت نہیں کر دی۔ کیا ہمیں اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم خدا کی وحی کے فرامین اور خدا کے رسول کے ارشادات میں ایک تخریج اپنی طرف سے سمجھ لیں اور ان میں اپنی انسانی سمجھ بوجھ اور انسانی عقل و فراست کی بنا پر بھی کچھ باتوں کا اضافہ کریں تاکہ وہ زیادہ قابل فہم اور زیادہ مفید بن جائیں۔ بالخصوص اس حقیقت کے پیش نظر کہ ہم کو ابھی طرح سے معلوم ہے کہ انسان کی ہدایت کے ایک ذریعہ کے طور پر انسانی عقل خدا کی وحی کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

یہ بات بالکل درست ہے کہ خدا کی وحی کے مقابلہ میں عقل انسانی کا ہرگز کوئی مقام نہیں کہ وہ انسان کو یہ بتا سکے کہ انسان اور کائنات کی حقیقت کیا ہے اور اس حقیقت کی روشنی میں انسانی فرد اور جماعت کو اپنی عملی زندگی کی تشکیل کس طرح سے کرنی چاہیے۔ اس کے باوجود خدا کی

وحی اور انسانی عقل کے درمیان ایک ایسا قدرتی رشتہ ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا اور جس کی بنا پر ذیل کے حقائق بالکل درست اور ہر قسم کے شکوک و شبہات سے بالاتر ہیں۔

۱۔ اول یہ کہ ہم خدا کی وحی کو اس وقت تک قبول نہیں کر سکتے جب تک کہ ہماری عقل اس وجدان یا یقین کی طرف راہ نہائی نہ کرے کہ وہ درحقیقت خدا کی وحی ہے اور حق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے انسان کو عقل سے کام لینے کی بار بار ہدایت کی ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم ہر مدعی نبوت کو نبی نہیں مانتے اور چھوٹے سچے نبی میں اپنی عقل کو کام میں لا کر فرق کہتے ہیں؟

دوسرے یہ کہ خدا کی وحی ایسے الفاظ پر مشتمل ہوتی ہے جو آخر کار ضبط تحریر میں آجاتے ہیں بعد ایک خامی وجود رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ کوئی پڑھنے والا یا سننے والا ان الفاظ پر ایمان لائے اور ان کے مطابق عمل کرے۔ یہ ضروری ہے کہ وہ اس کے ذہن کے اندر کسی مطلب یا معنی یا مدعا میں تبدیل ہوں۔ جب تک کہ وہ ایک خامی وحی حقیقت سے ایک داخلی احساس میں تبدیل کرنے والے اس عمل میں سہ نہیں کرتے اور یاد ہے کہ تبدیلی کا یہ عمل سراسر ذہنی اور انسانی ہے۔ خدائی یا آسمانی نہیں دوسرے فظوں میں جب تک کہ وہ ایک علمی اور عقلی توجہ کا لباس نہیں پہن لیتے۔ اس وقت تک نہ تو وہ ایمان پیدا کر سکتے ہیں نہ عمل۔ یہی سبب ہے کہ ایک ہی وحی کا اتباع کرنے والے لوگوں کے اعتقادات اور اعمال مختلف ہیں اور اسلام جو ایک ہی ہے مذہبی فرقوں اور مذہبی تحریکوں میں اس قدر بنا ہوا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم قرآن حکیم کے مطالب سمجھتے اور سمجھاتے اور سیکھتے اور سکھاتے ہیں۔ ہمارے اس فعل کا مطلب یہ ہے کہ ہم قرآن کے الفاظ کو اس علمی اور عقلی توجہ کا لباس پہنانا چاہتے ہیں جو ہمارے خیال کے مطابق ان کی اپنی صحیح توجہ ہے۔

سودھ یہ کہ خدا کی وحی ہمیں انسان اور کائنات کی حقیقت کے متعلق ایک صحیح نظریہ عطا فرماتی ہے اور فلسفہ کی صورت میں انسان کی عقل بھی انسان اور کائنات کا صحیح نظریہ ہم پر ہونے کی کوشش کرتی ہے عقل انسانی کا یہ دلیلیہ جو اس نے خود

بخود اپنے لیے تجویز کر لیا ہے۔ بیک وقت خدا کی دہی کا وظیفہ بھی ہے۔ لہذا عقل انسان خدا کی دہی کے بیانات کو قبول کر لینے کے بعد بھی ان کو زیرِ غور لانے کی طرف مائل ہوتی ہے۔ یہ چاہتی ہے کہ جن سوالات کا قطعی جواب خدا کی دہی پہلے ہی دے چکی ہے یہ ان سوالات کا کوئی ایسا جواب بھی ڈھونڈ نہ نکالے جو اس کے پسپے لیے بھی مکمل طور پر تسلی بخش ہو۔ مثلاً ایک سوال ہے کیا خدا فی الواقع موجود ہے۔ ایک آدمی اس سوال کے اُس جواب پر جو خدا کی دہی نے دیا ہے، مکمل یقین اور ایمان رکھ سکتا ہے لیکن اس کے باوجود ایک انسان کی حیثیت سے یعنی ایک دارائے عقل و فہم وجود کی حیثیت سے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس سوال کا وہ جواب بھی اپنے پاس موجود رکھے جو اُس کی عقل اُس کے لیے مہیا کرتی ہے۔ لیکن جب وہ ایسا کرے گا تو وہ مجبور ہوگا کہ وہ دونوں کے جوابات کے اندر مطابقت پیدا کرے اور اسے قائم رکھے۔ ورنہ وہ دونوں سے پوری طرح مطمئن نہ ہو سکے گا۔

علمی ترقی کے برائے دور میں اسلام کی علمی توجہ بہ کی ضرورت | نوع انسانی کا ذہنی

علم ہمیشہ ترقی کرتا رہتا ہے اور نئے حکیمانہ افکار کے اُس مجموعہ کے اندر جو کسی دور میں رونما ہوتا ہے حق و باطل کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے۔ لہذا ہر دور میں اس کی ضرورت ہوتی ہو کہ اصلی اسلامی تحقیق کی طرف رجوع کر کے حق کو باطل سے الگ کیا جائے اور غلط اور مخالف اسلام حکیمانہ تصورات کی تردید کی جائے اور صحیح اور موافق اسلام حکیمانہ تصورات کو کام میں لا کر اسلام کی تائید مزید اور حمایت اور مدافعت کی جائے۔ ہر دور میں اصلی اسلامی تحقیق کے ماہرین کے لیے یہ اہم کام موجود ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے نئے علمی افکار کے دائرہ کو گاہ سے الگ کریں، دائرہ کو کام میں لائیں اور گاہ کو چھینکیں کہ وہ اُن کو اکٹھا کر لے جائیں۔

اہم علمی ترقی کے کسی دور میں بھی اسلام دورِ حاضر میں اسلام کو حکیمانہ افکار کا چیلنج |

دارِ اہل خطر ناک چیلنج کبھی نہیں دیا گیا جیسا کہ اب دورِ حاضر کے حکیمانہ افکار نے دیا ہے۔ اس وقت فلسفی، ماہرِ تاریخ، ماہرِ اقتصادیات، ماہرِ معاشیات اور ماہرِ نفسیات سب لگ کر اسلام کی جڑوں پر حملہ کر رہے ہیں۔ میکائیلی ارتقا، تحلیل نفسی، حکمیاتی سوشلزم، تاریخی مادیت، منطقی اثباتیت

کہ داریت اور موجودیت کے نظریات بن کی مقبولیت اس زمانہ میں ہر روز بڑھتی جا رہی ہے اور جو نوع انسانی کے اعمال و افعال کو نہایت تیزی سے متاثر کر رہے ہیں۔ ہمارے مذہب کی بنیادوں کو غلط قرار دے رہے ہیں۔ اگر ہم ان نظریات کے علمی جھجک کا موثر جواب نہ دیں اور ان کی یقین افزا تردید نہ کریں تو ہم مسلمان کی حیثیت سے زندہ نہیں رہ سکتے۔ اور ان نظریات کا جواب دیتے ہوئے ہمیں اس بات کو بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر ہمارا جواب دہر حاضر کے علمی معیاروں پر پورا نہ اتر سکے، اور ایسے استدلال کے حقائق اور گناہ اور طریقے دینا جس میں چونی کے علماء اور حکماء کو مطمئن نہ کر سکے تو وہ ہرگز کوئی جواب نہ ہوگا۔ اس شرم کا جواب ہم نے ابھی تک پیدا نہیں کیا۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو مسلمانوں کی علمی قیادت اور رہبری کے علمی این جھولنے میں منہرلو کو سنبھال رکھا ہے اور جنہوں نے اسلام پر لکھ لکھ کر تفسیریں اسلامی کتابوں اور رسالوں کے ڈھیر لگا دیے ہیں۔ افسوس کہ علماء دین جو کل تک اسلام اور کفر کی جنگ میں ہر محاذ پر اسلام کی مافت کے لیے پیش پیش رہتے تھے آج سو گئے ہیں اور اسلام کو جو نیا خطر درپیش ہے، مسلمانوں کی آئندہ نسلیوں کو اس کے مقابلہ کے لیے تیار کرنے کی کوشش کرنا تو درکنار اس کا ذکر تک نہیں کرتے۔ گویا اس کی موجودگی سے ہی نا آشنا ہیں۔

نتیجہ یہ ہے کہ غیر مسلم مفکرین بھی جو ہمارے مخالف ہیں اس خطرہ سے ہماری غفلت اور اس کے مقابلے میں ہماری عافیت کو شہی اور سہل انگاری پر ہمیں طعنہ دے رہے ہیں۔ پروفیسر ڈیوڈ ڈی سٹھ اپنی کتاب *MODERN ISLAM IN INDIA* میں لکھتا ہے :-

”جہاں دس یا بیس سال پہلے بازاروں کے موڑوں پر مذہبی مناظرے ہوا کرتے تھے اور تعلیم یافتہ مسلمان انکار جدید کے متعلق کتابیں پڑھ پڑھ کر اپنا سر کھلاتے تھے۔ آج مسلمان نوجوان ان علمی خشکات سے بے خبر اور بے پردہ ہے جو زندگی کے صحیح راستہ کی حیثیت سے مذہب کو پیش آتی ہیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح سے آزاد خیال مسلمانوں نے ان اعتراضات کا قریباً مکمل جواب دیا جو عیسائیوں نے اسلام پر دار دیے تھے۔ آج تجدید پسند مسلمان اس جواب کو کافی سمجھتا ہے۔“

اور کوئی مسلمان ایسا پیدا نہیں ہوتا جو جواب دینا تو درکنار ان اعتراضات کا فقط ذکر ہی کرے جو اس زمانہ میں فلسفی، مورخ، ماہر لغیات اور ماہر اجتماعیات نے اسلام پر اٹھائے۔ مذہب پر وارد کر رکھے ہیں۔ جس طرح انیسویں صدی کے کٹر مسلمان جو عیسائیوں اور آزاد خیال مغربیوں کے اعتراضات کا جواب دینے سے انکار کرتے تھے اور سرسید احمد اور امیر علی کو ان کا جواب دینے کی وجہ سے برا سمجھتے تھے۔ معاشرتی قدامت پسندی کا سماں تھا۔ اسی طرح سے وہ مسلمان بھی چون جدید اعتراضات کا جواب دینے سے قطع نظر کرتے ہیں۔ ان جاغولوں کی ہی اعانت کر سکتے ہیں جو معاشرتی اعتبار سے قدامت پسند ہیں۔

مسلمانوں سے عصر جدید کے انسان کا مطالبہ

اسلام نے دور جدید کے انسانی کے ذہن میں بہت سے سوالات

پیدا کر دیے ہیں اور وہ مسلمانوں سے مطالبہ کر رہا ہے کہ وہ ان کا ایک ایسا جواب دیا کریں جو مدلل اور حکیمانہ ہو اور اس قابل ہو کہ ایک ذہین اور تعلیم یافتہ آدمی کو قائل کر سکے۔ ان میں سے بعض سوالات یہ ہیں:-

(۱) کیا یہ بات درست نہیں کہ حقیقت کائنات مادی ہے اور روح مادہ کی ایک مختصہ ہے جو اس وقت رونما ہوتی ہے جب مادہ اپنی ترقی اور ترکیب کی ایک خاص حالت پر پہنچ جاتا ہے۔

(۲) کیا یہ بات درست نہیں کہ مذہب محض معاشی حالات کی پیداوار ہے اور خود اپنی کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا۔

(۳) کیا انسان کی زندگی کا معاشی پہلو علی التامع کا محرک نہیں اور کیا مذہب اس علی التامع کی ایک عارضی حالت اور ضمنی یا اخلاقی پیداوار نہیں۔

(۴) کیا مذہب دینی ہوئی جبلت بنس یا رکی ہوئی حب نفوق یا انکی ہوئی غلبہ اور قوت کی خواہش کا غیر فطری اور بے عمل اظہار نہیں۔

(۵) کیا مذہب ایک خالص سوسائٹی کا مصنوعی دباؤ نہیں جو اپنی سلامتی کی خاطر فرد کو مجبور کرتی ہے کہ وہ کچھ غیر فطری پابندیوں اور رکاوٹوں کو جنہیں وہ مذہبی اور اخلاقی اصولوں کا

نام دیتی ہے اپنے آپ پر عائد کرے۔

(۶) کیا یہ درست نہیں کہ عمر کی اخلاق ایک نسبتی اصطلاح ہو جسکے معنی مختلف قوموں کے لیے اور مختلف حالات کے اندر مختلف ہوتے ہیں۔

(۷) کیا یہ ممکن ہے کہ خدا کسی انسان پر وحی نازل کرے یا کوئی انسان سچ نبی بن جائے۔

(۸) کیا نبوت (اگر وہ درحقیقت ممکن ہے) ایک ایسا عارضی واقعہ نہیں جو نوع انسانی کی ماقیامت ترقی کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

(۹) کیا انسان کی عقل اسے اپنا نیک و بد سمجھانے کے لیے کافی نہیں کہ کسی بیرونی راہ نہائی کی ضرورت ہو۔ جب انسان کو عقل دی گئی ہے تو اس نبوت کی خاص ضرورت کیا ہے۔

(۱۰) اگر نبوت کوئی ضروری چیز ہے تو یہ ختم کیوں ہو جاتی ہے اور ماقیامت انسان کی راہ نہائی کے لیے نئے نئے انبیاء کیوں آتے نہیں رہتے۔ وغیرہ

ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ان سوالات کا ایک ایسا جواب تلاش کریں جو نہ صرف اسلام کی بنیادی تعلیمات کے مطابق ہو بلکہ پوری طرح سے منطقی اور معقول اور حسیکیاتی

(SCIENTIFIC) ہو۔ کم از کم ان تمام جوابات سے زیادہ معقول اور قابل قبول موجود دیگر

مذہب یا نظریات کے ماننے والے ان ہی سوالات کے لیے پیش کر رہے ہوں۔ ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ اب امت مسلمہ کے ضمیر نے غیر واضح طور پر یہی سہی لیکن اس بات کو محسوس کر لیا ہو

کہ اگر ہم اس قسم کا جواب جو درحقیقت اسلام کی مکمل اور منظم حکمیاتی تشریح سے کم نہیں ہوگا

فی الغور صیانت کریں تو ایک نظریاتی جماعت کی حیثیت سے ہماری زندگی خطرہ میں ہے۔ یہی سبب

ہے کہ اس وقت قوم کے تعلیم یافتہ طبقہ میں اسلامی تحقیق کی ضرورت کا ایک عام احساس

پیدا ہو گیا ہے۔

موجودہ دور کی ایک خصوصیت | اس زمانہ میں انسان کے نظریات بدلتی اور

جہلتی ضروریات کی سطح سے بالاتر ہو کر علمی اور اخلاقی

سطح پر آگئے ہیں اور لہذا نظریات کی حیثیت سے ان کی موجودگی پوری طرح سے نمایاں ہو گئی

ہے۔ یہ زمانہ علمی نظریات کا زمانہ ہے۔ اس دور میں اسلام کے سوائے باقی تمام نظریات

کے قائلین اپنے اپنے نظریات کی علمی اور عقلی توجیہ اور مدافعت بہم پہنچانے میں مصروف ہیں۔ کیونکہ وہ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو ان کی ریاستی زندگی بلکہ ہر قسم کی زندگی خطرہ میں رہے گی۔ نظریہ جو دراصل انسان اور کائنات کی حقیقت کے متعلق ایک مشاہدہ یا وجدان یا ایمان کا نام ہے۔ تنہا وہ قوت ہے جو فرد اور جماعت اور ریاست کے تمام اعمال و افعال پر حکمراں ہے، اگر یہ ثابت کیا جاسکے کہ وہ نظریہ حیات جس پر کسی ریاست کی بنیاد رکھی گئی ہے علمی طور پر صحیح اور عقلی طور پر اعتراضات سے بالا ہے تو اس سے دواہم نتائج برآمد ہوں گے۔ ایک یہ کہ اس سے ریاست کے ساتھ فرد کی کشش یا محبت بڑھ جائے گی اور ریاست کا اندرونی اتحاد ترقی پائے گا اور اس کی استعداد و عمل میں اضافہ ہوگا اور اس کی قوت فروغ پا کر انتہا تک پہنچ جائے گی۔ اس کا دوسرا اہم نتیجہ یہ ہوگا کہ ریاست کی حدود کے باہر ریاست کے حامیوں اور مددگاروں کی تعداد روز بروز بڑھتی جائے گی۔ اور اس طرح سے اس کے سیاسی اثر و نفوذ کا حلقہ روز بروز وسیع ہوتا جائے گا۔ جس قدر کوئی نظریہ حیات زیادہ مقبول اور مدلل ہوگا، اور جس قدر زیادہ دلکش اور دل نشین ہوگا اسی قدر زیادہ امکان اس بات کا ہوگا کہ وہ ترقی پا کر زمین کے کماؤں تک پھیل جائے اور وہاں ہمیشہ کے لیے موجود رہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر نظریہ کے ماننے والے اس بات کی ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ وہ اس کی ایک بلند پایہ علمی اور عقلی تشریح پیدا کریں۔ اشتراکیت پہلے ہی ایک سائنسی نظریہ حیات ہونے کی مدعی ہے۔ ہٹلر کا نظریہ نیشنل سوشلزم اس کی کتاب "میری جدوجہد" میں ایک فلسفہ کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ یہ بھی اس کے اس نظریہ کی ایک تشکیل جدید تھی کہ ریاست ایک خدا ہے جو غیر محدود حقوق اور اختیارات رکھتی ہے اور اطاعت مطلقہ کی حق دار ہے۔ مولینی کا نظریہ فسطائیت بھی اٹالوی فلسفی کروچے کے فلسفیانہ نظام سے عقلی تائید اور توثیق حاصل کرتا تھا۔ امریکہ کے لوگ اب جمہوریت کو محض ایک طرز حکومت نہیں سمجھتے بلکہ ایک فلسفہ زندگی سمجھتے ہیں اور بعض امریکی مصنفین نے اسے ایک فلسفہ زندگی کے طور پر پیش کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ مہارت کے لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کی ریاست کا مذہبی کے فلسفہ زندگی پر مبنی ہے۔ ایک نظریہ حیات غلط ہو یا صحیح لیکن وہ لوگ جو اس سے محبت رکھتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ

اگر کوئی نظریہ حیات دنیا میں حق ہے یا حق ثابت کیا جاسکتا ہے تو یہی ہے جب وہ اس کی عقلی اور علمی توجیہ یا مدافعت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کا مقصد درحقیقت یہ ہوتا ہے کہ وہ اس نظام حکمت کو آشکار کریں جو عقلی لحاظ سے دنیا کے تمام فلسفوں میں یکتا اور یگانہ ہو۔ جو صرف ان کے نظریہ حیات کے اندر مخفی ہے اور دنیا بھر میں اور کہیں پایا نہیں جاتا۔ ہر نظریہ حیات کا ماننے والا اپنے نظریہ حیات کے متعلق ایسا ہی خیال رکھتا ہے۔ لیکن چونکہ حق صرف ایک ہوا ہے اس لیے ظاہر ہے کہ صرف ایک ہی فلسفہ ایسا ہو سکتا ہے جو درحقیقت صحیح اور مقبول ہو۔ دو یا دو سے زیادہ فلسفے ایسے نہیں ہو سکتے۔ اس کا مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ اپنی اپنی سائنسی توجیہ اور تشریح کرنے کے لیے نظریات کی دہریں صرف ایک نظریہ حیات کا میاب ہو گا اور وہی نظریہ حیات زندہ ہے گا اور پوری دنیا پر چھا جائے گا۔ اور باقی نظریات مٹ جائیں گے اور زندہ رہنے والے اس نظریہ حیات کے متعلق یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جائے گی کہ یہی انسان اور کائنات کا وہ آخری صحیح فلسفہ ہے جو عقل انسانی کی فصیح کے طلوع سے لے کر آج تک تمام فلسفیوں اور سائنس دانوں کا سہانا خواب اور ان کی جستجو کا گوہر مقصود بنا رہا ہے۔ یہ باور کرنے کے لیے ہر دلیل موجود ہے کہ صرف اسلام ہی ایک ایسا نظریہ حیات ہے جو اس قابل ہے کہ انسان اور کائنات کی ایک عقلی علمی اور سائنسی تشریح کی صورت اختیار کر سکے لیکن اب تک ہم نے کون سا کام کیا ہے جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ ہمارا یہ عقیدہ فی الحقیقت درست ہے۔ اس معاملہ میں ہماری غفلت کو اس حقیقت نے اور زیادہ سنگین اور خطرناک بنا دیا ہے کہ دوسرے نظریات کو ماننے والے لوگ اس وقت بھی دنیا کے ادب پر یہ ثابت کرنے کے لیے بہت سا کام کر چکے ہیں کہ صرف ان کے نظریات ہی مقبول اور مدلل ہیں اور دنیا کا تعلیم یافتہ طبقہ یعنی ذہن انسانی کا وہ حصہ جو درحقیقت کوئی اہمیت رکھتا ہے اور جس میں تعلیم یافتہ مسلمان بھی شامل ہیں ہر روز زیادہ سے زیادہ تعداد میں ان کے پیرونگ زمین و آسمان میں گرفتار ہوتا جا رہا ہے۔

ہم اپنے آپ کو غلط نظریات کا معتقد بننے سے کیونکر بچا سکتے ہیں | اس دور میں یہ حقیقت پایہ ثبوت

کو پہنچ چکی ہے کہ افکار اور تصورات قوموں کو مفتوح اور مغلوب کرنے والی ایک قوت کی حیثیت سے افواج اور اہل علم کی تمام قسموں سے زیادہ مؤثر ہیں۔ چھک وہ لاسکی پر بھی سفر کر سکتے ہیں۔ وہ افواج اور اہل علم سے بہت زیادہ سریع الحکمت ہیں اور پہاڑوں، دریاؤں، سمندروں اور صحراؤں کی جغرافیائی رکاوٹیں، بین الاقوامی سیاسی سرحدیں، سیغریڈ اور مسیحیہ ایسی فوجی مدافعتی قلعہ بندیاں ان کی لیٹار کو روک نہیں سکتیں۔ ہر ریاست ایک منظم نظریاتی جماعت ہوتی ہے جو اپنے پریس، پلیٹ فارم، ریڈیو، سینما اور ٹیلی ویژن کے ذریعے اپنی مطبوعات اور دوسرے ٹکڑوں میں قائم کیے ہوئے اطلاعیاتی مرکزوں اور کتب خانوں کی مدد سے اپنے نظریہ کی معقولیت اور دلکشی کو ثابت کرنے والے تصورات کی اشاعت کرتی رہتی ہے تاکہ دوسری قوموں کو ذہنی اور نفسیاتی طور پر مفتوح اور مغلوب کرے۔ وہ نظریاتی جماعت جو دوسری نظریاتی جماعتوں کو اپنے تصورات سے مفتوح اور مغلوب کرنے کی کوشش نہیں کرتی اس بات کا خطرہ مول لیتی ہے کہ زود یا بدیر دوسری نظریاتی جماعتیں اسے مفتوح اور مغلوب کر کے ہمیشہ کے لیے صفحہ ہستی سے مٹا دیں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ نظریات کی اس جنگ کے میدان وسط میں موجود ہونے کے باوجود ہم غمزدہ دراز سے نہ دوسروں کو اپنے تصورات سے متاثر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور نہ دوسروں کے تصورات کے بالمقابل اپنی مدافعت اور حفاظت کر رہے ہیں، بلکہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہم اس بات کے بہت قریب پہنچ گئے ہیں کہ ہم دوسری قوموں کے تصورات سے ذہنی طور پر مفتوح اور مغلوب ہو کر مسلمان قوم کی حیثیت سے نیست و نابود ہو جائیں۔ ظاہری طور پر ہم مسلمان ہیں لیکن ہم میں سے بیشتر ایسے ہیں جن کے دلوں میں اسلام کے بجائے دوسرے نظریات کی محبت ممکن ہے۔

جس نسبت سے ہم دوسرے تصورات اور نظریات کی طرقت مائل ہوتے جا رہے ہیں اسی قدر اسلام سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ بد اخلاقی، فزرب کاری، بے حیائی، رشوت تانی خود پرستی، جنبہ داری، خاندان پرستی، صوبہ پرستی، چربازاری، نفع اندوزی اور دوسری بُری خصلتیں جو ہمارے معاشرہ میں روز افزوں تر رہتی ہیں اور جن پر ہم میں سے بعض اچھے لوگ اخبار انہوس کرتے رہتے ہیں سب اس بات کی علامت ہیں کہ اسلام پر ہمارا ایمان

مضمحل ہوتا جا رہا ہے۔ اسلام پر ہمارے یقین و ایمان کے اعظا کی ایک اور علامت یہ ہے کہ اسلام کے متعلق ہمارے افہام پر آگندہ اور ہمارے خیالات پریشان ہیں اور ہم یہ جاننے سے قاصر ہیں کہ اسلام ہم سے کیا چاہتا ہے۔ کس قسم کی علمی زندگی کا مطالبہ کرتا ہے اور کیوں۔ غلط نظریات اور تصورات کی دھند اس طرح سے چھائی ہوئی ہے کہ ہمیں اپنا راستہ صاف طور پر نظر نہیں آتا۔ ان حالات میں کسی خود ساختہ رہبران قوم جو غیر اسلامی نظریات کے دام میں دوسروں سے کم گرفتار نہیں۔ اسلام کی نئی تشریح کرنے کے لیے سامنے آگئے ہیں۔ گویا وہ اپنی غیر معمولی خدا داد ذہانت اور قابلیت سے اسلام کو اس کی موجودہ مشکلات سے نجات دینے کی زحمت گوارا کر کے مسلمانوں پر احسان کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی کئی متضاد قسم کی توجہات وجود میں آگئی ہیں جن سے ہماری پر آگندہ خیالی اور بڑھ رہی ہے اور اس اسلام پر ہمارا ایمان اور کفر ہو رہا ہے۔ چار دسے جس پر تائید کی ناقابل انکار شہادتوں کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے عمل کیا تھا۔ اس صورت حال نے بعض مخلص مسلمانوں کو بڑا پریشان کر دیا ہے۔ اور وہ اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ اسلام سے بچنے والے مسلمانوں کو خدا اور رسول اور قرآن کا واسطہ دے کر اسلام کی طرف واپس لایا جائے۔ لیکن ان کوششوں کے باوجود یہ مسلمان اسلام سے روز بروز دور تر ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ کوششیں جو درحقیقت بے یقین مسلمانوں کی مشکلات سے بے خبری پر مبنی ہیں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ ہمیں اس بات کو واضح طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ وہ مسلمان جو اسلام پر اپنا یقین کھو بیٹھا ہے وہ ایسے افکار و تصورات غیر اسلامی نظریات سے عقل اور علم و دانش اور سائنس اور فلسفہ کے دلفریب ناموں کے ساتھ مستعار لیتا ہو۔ لہذا جب تک ہم اسلامی تحقیق کے ذریعہ سے ایسا علمی و عقلی ذخیرہ پیدا نہ کریں جو اس کے غیر مسلم استاد کو اسلام کے حق میں پوری طرح سے متاثر کر سکے۔ ناممکن ہے کہ ہم اس کو اسلام کی طرف واپس بلا سکیں۔

غیر مسلم کو اسلام کو معتقد بنانے کا طریقہ | لیکن ایک غیر مسلم کے سامنے اسلام پیش کرنے کا طریق اس سے بہت مختلف ہو جو ایک مسلمان فرد کے لیے کام میں لایا جا سکتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک معلم یا مبلغ کی

حیثیت سے ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم مخاطب کے معلوم سے آغاز کر کے اس کے نامعلوم کی طرف آئیں اور ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کا معلوم ایک غیر مسلم کے معلوم سے بہت مختلف ہے۔ مثلاً ایک مسلمان جانتا ہے کہ قرآن حکیم خدا کی نازل کی ہوئی سچی کتاب ہے۔ ایک غیر مسلم نہیں جانتا۔ وہ صرف قدرت کے ان حقائق اور قوانین کو ہی جانتا ہے جو وہ مظاہر قدرت کے مشاہد اور مطالعہ سے معلوم کر سکتا ہے اور ہم اس کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے فقط ان ہی حقائق اور قوانین کو بطور دلائل کے پیش کر سکتے ہیں۔ اسلام کی تبلیغ کا یہ طریق نیا نہیں بلکہ یہ طریق بعینہ وہی ہے جو خود قرآن حکیم نے اختیار کیا ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم مفکرین کو بار بار اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ وہ خدا پر ایمان لانے کے لیے مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کریں۔ جہاں ان کو خدا کی ہستی اور صفات کے واضح نشانات نظر آئیں گے اور ایسے حقائق کی بنا پر خدا کی نازل کی ہوئی کتاب ہونے کا دعویٰ ہے۔ جو قدرت کے مشاہدہ اور مطالعہ سے دریافت کیے جاسکتے ہیں۔ بلکہ قرآن حکیم اس بات کی پیش گوئی کرتا ہے کہ خدا مستقبل میں خارجی دنیا اور نفس انسانی سے تعلق رکھنے والے ایسے حقائق کو آشکار کرے گا جن کی روشنی میں مفکرین یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے کہ قرآن خدا کی سچی کتاب ہے۔ سُبْحَانَكَ رَبِّیْ اِنِّیْ اَخَافُکَ وَفِیْ اَنْفُسِهِمْ حَتِّیٰ یَنْبَغِیْنَ لَکُمْ اِنَّہُ الْخَقُّ۔۔۔ اب یہ بات مسلم کو سائنس اور سائنسی طریق تحقیق یعنی مظاہر قدرت کا علم اور اس کے اصول کے مطابق مسلمان تھے۔ ظہور اسلام کے بعد مسلمان سائنس دانوں کے ذریعہ سے مشاہدہ قدرت کی ضرورت کے بارے میں قرآن کی رہنمائی سے متفید ہو کر اب ایک عرصے سے مغرب کے لوگ مظاہر قدرت کا تفصیلی اور تحقیقی مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ ان لوگوں نے اب ایسے حقائق کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع کر لیا ہے جو مظاہر قدرت کے علم سے تعلق رکھتے ہیں اور ان حقائق کو انہوں نے کئی منظم علوم کی صورت میں مرتب کیا ہے جس کے مجموعہ کو سائنس کہا جاتا ہے۔ قدرت کے جو حقائق مادہ حیوان اور انسان سے تعلق رکھتے ہیں ان کو بالترتیب طبیعیات، حیاتیات اور نفسیات کا نام دیا گیا ہے۔

لے ہ ان لوگوں کو آفاق عالم میں اور خود ان کے نفوس میں اپنے دلائل اور نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان کے لیے یہ بات بالکل ہر مروجہ جائے گی کہ یہ بالکل حق ہے۔ (ترجمہ الفت لندن)

غیر مسلموں کی کوتاہی | مغرب کے غیر مسلموں نے بے شک مظاہر قدرت کے علم سے تعلق رکھنے والے بہت سے حقائق کو بڑی احتیاط اور محنت سے دریا کر کے مختلف علوم کی صورت میں مرتب کر لیا ہے، لیکن بد قسمتی سے وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ ان حقائق کا حقیقت کائنات کے ساتھ اور لہذا ایک دوسرے کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ وہ حقائق کسی عقلی اور علمی ربط کے بغیر ایک دوسرے سے الگ تھلک پڑے ہیں۔ یہی وجہ ہے اہل مغرب اور مظاہر قدرت کے علم کے متعلق ان کے نقطہ نظر سے متاثر ہونے والی قوموں کے نصب العینوں یا نظریات حیات یا نظام ہائے حکمت کے اندر اس قدر اختلاف موجود ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حقیقت کو بالعموم درست سمجھا جاتا ہے کہ مظاہر قدرت کے علم سے تعلق رکھنے والے حقائق جن کو عام فہم زبان میں سائنسی حقائق کہا جاتا ہے عقلی اور علمی نقطہ نظر سے حقیقت کائنات کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں۔ اور ہر نظام حکمت اس کوشش سے عبارت ہوتا ہے کہ حقیقت کائنات کے ساتھ ان کے اس تعلق کو جو نظام حکمت کے موجد کی سمجھ میں آتا ہے واضح کیا جائے اور استدلال کی قوت سے پایہ ثبوت کو پہنچایا جائے۔ دوسرے لفظوں میں ہر نظام حکمت اس کوشش سے صورت پذیر ہوتا ہے کہ سائنسی حقائق کو ان کے علمی اور عقلی ربط و ضبط کے ساتھ منظم کیا جائے۔ ایک نصب العین حقیقت کائنات اور اس کے اوصاف و خواص کا ایک تصور ہوتا ہے۔ ایک نظریہ حیات ایک مجموعہ تصورات ہوتا ہے جو کسی نصب العین سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ خواہ وہ عقلی اور علمی لحاظ سے منظم ہوں یا نہ ہوں لیکن ایک نظام حکمت یا فلسفہ ایسے تصورات کا ایک سلسلہ ہوتا ہے جو کسی نصب العین کے ماتحت عقلی اور علمی لحاظ سے مربوط اور منظم کیے گئے ہوں۔

فلسفی کا طریق کار | فلسفی کو سب سے پہلے حقیقت کائنات کے متعلق ایک وجدان یا ایقان یا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے جو اس کے معلوم حقائق پر اس کے خورد فکر کا نتیجہ ہوتا ہے اور اس کے خیال میں ان حقائق سے مطابقت رکھتا ہے، پھر وہ کوشش کرتا ہے کہ حقیقت کائنات کے اس وجدانی تصور کے ساتھ معلوم حقائق کے علمی اور عقلی تعلق یا ربط کی وضاحت کرے۔ اس کوشش کے ذریعہ سے وہ دراصل اپنے وجدانی تصورات

حقیقت کی عقلی توجیہ کرتا ہے اور یہی توجیہ ان کا فلسفہ کھلاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس کا
وحدانی تصور حقیقت غلط ہوگا تو اس تصور کی عقلی توجیہ بھی غلط ہوگی اور اس کے افکار و
تصورات کی عقلی ترتیب اور منطقی تنظیم کے اندر جا بجا ناہمواریاں اور نادرتیاں ابھرس
آئیں گی اور رخنے اور جھول پیدا ہو جائیں گے جن کو وہ یا تو نظر انداز کرے گا یا اپنے دلائل
کے پردے میں چھپانے کی کوشش کرے گا۔ اس قسم کے رخنوں اور جھولوں کا نظیر انسانی اور
اجتماعی علوم میں مثلاً نفسیات فرد و جماعت میں اور سیاسیات، اخلاقیات، اقتصادیات
تعلیمات، فن قانون اور تاریخ کے فلسفوں میں سب سے زیادہ نمایاں ہوتا ہے اور اس کی
وجہ یہ ہے کہ یہ علوم براہ راست فلسفی کے نظریہ حقیقت پر جس میں نظریہ انسانی بھی شامل ہو
بنی ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ (جیسا کہ حکماء مغرب خود تسلیم کرتے ہیں) مغرب میں نشو و نما
پانے والے انسانی اور اجتماعی علوم میں ایک شدید قسم کا منطقی اور عقلی انتشار پایا جاتا ہے
اور جب صورتِ حالی یہ ہو کہ ایک طرف سے انسان کی حقیقت و مدخلی توجیہ کا تقاضا کرتی ہو
اور دوسری طرف سے انسانی اعمال و افعال کے مغربی حکماء انسان کی میکائیکی اور مادی توجیہ
پر مصر ہوں تو پھر کیسے ممکن ہے کہ مغرب میں پر دان چڑھنے والے انسانی اور اجتماعی علوم میں
انتشار ہو نہ ہو۔ اس کے برعکس اگر فلسفی کا وحدانی تصور حقیقت درست ہوگا تو اس تصور کی
عقلی توجیہ کی کوشش کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام علمی حقائق انسانی کے ساتھ ایک دیکھن تنظیم اختیار
کر لیں گے اور ایک مکمل نظام حکمت کے اندر ایک ایسی مکمل منطقی ترتیب کے ساتھ آساتے
ہو جائیں گے جس میں کوئی رخنہ یا جھول موجود نہیں ہوگا۔ ————— (باقی)

BOMBAY ANDHRA TRANSPORT Co.

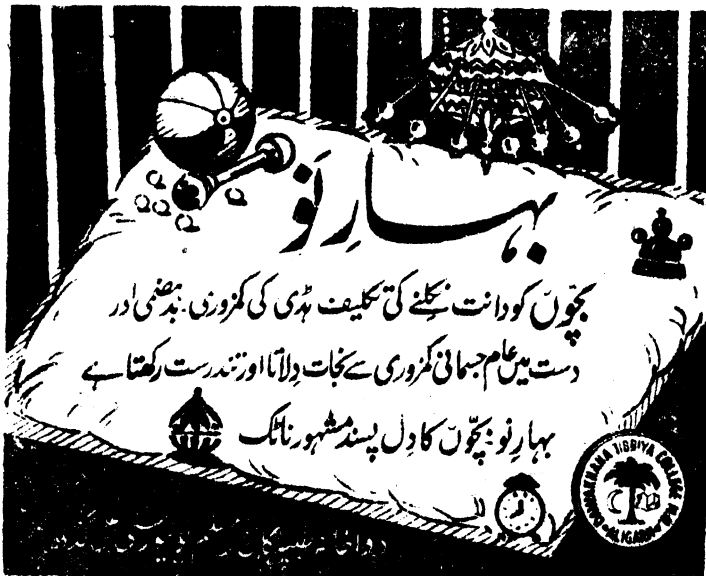
Transport Contractors

113. BHANDARI STREET (CHAKLA)

BOMBAY 3

ہوئی۔ حضرت شیخ سے بہت تعلق کا اظہار کرتے رہے اور بہت بلند کلمات فرمائے۔ حضرت شیخ پر بھی بڑا اثر تھا، چند ہی روز گزرے تھے کہ ایک دن اچانک فجر کی نماز کے لیے مسجد نبوی جاتے ہوئے راستے میں ایک دوست نے اطلاع دی کہ رات نصف شب کے قریب مولانا نے اس جہان فانی کو خیر باد کہا۔

بعد نماز فجر متصل نماز جنازہ ہوئی۔ ارادتمندوں اور اہل تعلق کو اطلاع دینے کا نہ وقت تھا اور نہ وہ ذریعہ جو عام طور پر استعمال کیے جاتے ہیں۔ لیکن مولانا کی مقبولیت تھی کہ جنازہ کی شایعت کرنے والوں کا غیر معمولی مجمع تھا۔ حضرت شیخ اپنی معذوری کے باوجود اخیر تک شریک رہے۔ سیدنا عثمان غنیؓ کی قبر مبارک سے کچھ فاصلے پر تدفین عمل میں آئی۔ مولانا کی وفات سے ایک ایسا غلا پیدا ہو گیا ہے جس کا پڑھنا آسان نہیں۔ اس طور پر جو سلسلہ ان کی ذات سے قائم تھا اس کا باقی رہنا موجودہ حالات کے پیش نظر بہت مشکوک نظر آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت مرحوم کے درجات زیادہ سے زیادہ بلند ہوں اور جو سلسلہ رشد و ہدایت ان کی ذات سے قائم تھا وہ بالکل بے ہے۔ ادارہ لغت سن حضرت مرحوم کے تمام متعلقین کے ساتھ اس غم میں شریک ہے اور وہ نخلصانہ تعزیت پیش کرتا ہے۔



پیٹ میں بھاری پن اور سینے میں جلن سے

جلد نام کے لیے

کینول

پچھلے پیتھ کے درد کشی اور کڑی اسباب، ملن آئی، مجھ کو گی
گئی اور کھا۔ نے کے بعد طبیعت کی مستی و فوجیں شکایتوں میں
نہایت مفید ہے۔



226

داکر بحر احصاف فی الی * جمیع مہدی * حضرت علی * بحر ضحانی

نہ جہا نے پہچانے منفرد اہل شہر کی بانوس

!

[illegible]

● ایک منظم، مخلص، متحد، فہم دار اور ملی نصابیات کے لئے

卷

آری انہما انہی کے لئے عہد و پیمان کرے گا
 دن الہی تم کو تحریروں کا بخیر و بد پیش کرے گا جس کا فائدہ و نقصان
 اور خیر و بد دونوں کے حق کو بیشمار بخیر و بد رکھتا ہے

برایک شاہد

اور اگرچہ کہ یہاں شاعر نے ہر ماہ



سید احمد علی

سالانہ پندرہ روپے

②

۱۱۔ اے صوفیوں! اگر دیکھو کہ خیرِ برائی کا تقاضا ہے یا غفلت کو، مسألوں کو سوچ کر دیکھو۔

ہفتہ وار
بارغ کوئے نواب بکھنو

ہفت وار
سیرت
۱۰۰ باغ گوشتے زان، مکھنہ

اسلام کا نظام عقائد میں کیا ہے؟

اسلام کی بنیاد کن چیزوں پر ہے؟ اور — ان کی حقیقت کیا ہے؟
 اسلامی زندگی کن امور سے عبارت ہے؟ اور — انکی صورت و حقیقت کیا ہے؟
 ان مجمل سوالات کا مفصل جواب

مولانا محمد منظور نعمانی و الفرقان کی زندگی

دین و ملت

ہیں لے گا

جس میں ضروری تفصیل کے ساتھ توحید، اخلاص اور مرامات، نواز، روزہ، حج، و زکوٰۃ اور ہنر و کمال، معاملات، دینی کی خدمت و نصرت، دولت و عبادت، حکومت اور احسان و خیر و نیکی کے فوائد، دینی و دنیوی مالی معاشی و شہادتی کی ساری چیزیں بیان کی ہیں۔ غلامیوں کا بڑا بچاں ہرگز اس شخصیت کے آجائی کا اور اولاد و خاندان و عشق و وجدان و ایمان و سکون کے لیے ضروری سمجھے گئے ہیں۔

تین قصے ہیں جو دروغ و جھوٹ کے لیے ایک اچھا نمونہ ہیں۔ ایک اچھا نمونہ ہے کہ جو کویں عداوت میں مجاہد گئے کہ وہ سراسر دھوکے میں رہ گئے کہ ان کی کادی میں لڑکر وہ اپنے وطن کو برباد کر گئے۔

کے لئے اس کی طرف سے ایک اور نیا منصوبہ بنایا گیا۔ اس کے تحت ایک نیا ادارہ بنایا گیا جس کا نام "اسلام آباد ایئرپورٹ اتھارٹی" رکھا گیا۔ اس ادارہ کے تحت ایئرپورٹ کی تعمیر و مرمت کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ اس کے علاوہ ایک نیا ادارہ "اسلام آباد ایئرپورٹ ڈیولپمنٹ اتھارٹی" بھی بنایا گیا جس کے تحت ایئرپورٹ کے ارد گرد کی زمینوں کی ترقی و ترقی کے منصوبے بنائے گئے۔

[illegible]

کتابخانه افغانستان کپڑی وود کاٹو

پشکوان کے
عسکرہ تیاروں میں
آپ کی حسا اور پسند۔

پوسٹ مین برائڈ
صاف کیا ہوا مونگ چلی کاتیل
۲۰۱۱ اور ۵۵۵۵ کیسٹ

عسکرہ ونا سچتی
۲۰۱۱ اور ۵۵۵۵ کیسٹ

ستلولا، پتل کاتیل
۲۰۱۱ اور ۵۵۵۵ کیسٹ

اگر برائڈ خالص نارسیل کاتیل
۲۰۱۱ اور ۵۵۵۵ کیسٹ

کو کو جبار

صاف کیا ہوا نارسیل کاتیل

۲۰۱۱ اور ۵۵۵۵ کیسٹ

امی سلاڈ تیل

۲۰۱۱ اور ۵۵۵۵ کیسٹ

احمد ریسرچ بسپی

۱۱۹۰
Osmania University Library
HYDERABAD 7. (A.P.)

الف و م و ن

جَزَائِرِ

عَلَمِ الْإِسْلَامِ

تذکرہ جلال الدین

تذکرہ جلال الدین نمبر اول

افتسن کے مجدد الف ثانی نمبر اولیٰ باریقیت سامنے آئی تھی کہ امام ربانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کا وہ کون سا تہاڑی کا نامہ جو چکی و سکر آٹھ گئی ایک صدی کا نہیں بلکہ الف ثانی یعنی پورے دو سکر نزلے (از مسند امت مسلمہ) کا تذکرہ ہے ان لیلے۔ افتسن کے اس نمبر کی اشاعت پر انیس برس گزر چکے ہیں جس لمحہ میں خلاصہ اسلامی دنیا کے حالات میں بہت کچھ تبدیلیاں ہوئی ہیں ان تبدیلیوں کو اور ان کے دینی تقاضوں کو دیکھ کر یقین بڑھ جاتا ہے کہ واقعہ حضرت موصون پھر بے الف ثانی کے مجدد ہیں اور ہمارے اس دور کیلئے بھی انکی تجدیدی کام میں پوری رہنمائی موجود ہے۔

حقیقت آپ پر اس وقت کے مطالعے کیلئے جس میں مجدد الف ثانی کے ذاتی حالات بھی ہیں اور ان کے تجدیدی کام کی تفصیلات بھی، نیز ان کے تمام مشہور خلفاء کا تذکرہ بھی۔

صفحات ۲۵۷ • جائز متوسط • قیمت ۴/۰۰

کتابخانہ افتسن لکھنؤ

سَآلَافُ جَدِّہ
غیر مالک سے
۱۵ شلنگ
ہوائی ڈاک کے لیے مزید
موصولہ ڈاک کا اضافہ

لکھنؤ
دفتر افستان
ماہنامہ
فی کاپی پیسے

سَآلَافُ جَدِّہ
ہندوستان سے ... ۴/۵۰
پاکستان سے ... ۴/۵۰
ششماہی
ہندوستان سے ... ۲/-
پاکستان سے ... ۲/-

جلد ۳ بابت ماہ جمادی الآخر ۱۳۸۹ھ مطابق ستمبر ۱۹۶۹ء شمارہ (۶)

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحہ
۱	نگاہِ اولیں	مولانا محمد منظور نعمانی	۲
۲	درس قرآن	" "	۹
۳	ارشادات حکیم الامتہ حضرت تھانویؒ	مولانا نسیم احمد فریدی امرہوی	۲۱
۴	یحییٰ بن آدم القرضاوی	حافظ محمد نعیم صاحب صدیقی اعظمی	۳۳
۵	دین میں حدیث و سنت کا مقام	مولانا تقی الدین ندوی مظاہری	۲۹
۶	اسلامی تحقیق	ڈاکٹر محمد رفیع الدین (ایم اے پی ایچ ڈی ک)	۴۸

اگر اس دائرہ میں ○ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہو کہ آپ کی دست خریداری ختم ہوگئی ہو۔ براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیں، یا خریداری کا ارادہ نہ ہونے
مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۸ ستمبر تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بعینہ دی، اپنی ارسال ہوگا۔
پاکستان کے خریدار :- اپنا چندہ ادارہ اصلاح و تبلیغ اشرافیین بلڈنگ لاہور کرسی میں اور صرف ایک ۱۱۱۱
کارڈ کے ذریعہ ہم کو اطلاع دے دیں،

نمبر خریداری :- براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے۔
تاریخ اشاعت :- الفرقان ہر انگریزی ہفتہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر تاریخ تک کسی صاحب لکھ
نے تو فوراً مطلع کریں۔ اس کی اطلاع ہر تاریخ تک آجائی جائیے اس کے بعد رسالہ بھیجے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر افستان، کچھری روڈ، لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر، ایڈیٹر و پریپرٹر نے تو یہ پوسٹ میں بھیجا کہ دفتر الفرقان، کچھری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نگاہِ اولیں

محمد منظور نعمانی

دارالعلوم دیوبند میں گزشتہ مہینے چوتھوں برس پر باہمی اور شرین طلبہ نے جس طرح پورے دارالعلوم پور قبضہ کر کے اس کے سارے نظام کو دس دن تک معطل رکھا اور اس سلسلہ میں جو فوٹو سٹاک اور پوری دارالعلومی برادری کے لیے جو رٹو اکٹھ حرکتیں اُن سے سرزد ہوئیں اور پھر جس طرح اُن کے مطالبہ پر اجنب تاروں کے ذریعہ مجلس شوریٰ کے جلسہ کے لیے اس کے ارکان کو طلب کیا گیا پھر اس نے جو فیصلے کیے اور اس کے نتیجہ میں جس طرح دارالعلوم کو کچھ دنوں کے لیے بند کر دینے کا اعلان کرنا پڑا اور پھر جس طرح دارالعلوم کا تخلیہ کرایا گیا۔ ان سب باتوں کا ذکر گزشتہ شمارہ کے انہی صفحات میں خاصی تفصیل سے کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد آپ حضرات کو اخبارات اور دوسرے ذرائع سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہو گا کہ ۲۰ دن بند رہنے کے بعد ۱۱ اگست کو دارالعلوم کھل گیا اور تعلیم شروع ہو گئی۔

ہم مسلمانوں کی شامت اعمال کے نتیجہ میں جو بد بختی ملت اسلامیہ پر عذاب الہی کے طور پر سلا ہے دس کا ایک ظہور یہ بھی ہے کہ ہر معاملہ میں خواہ وہ کیسا ہی ناقابل اختلاف ہو۔ گروہ بندی اور پارٹی فیلنگ کی بنیاد پر، اختلافات و افتراق اور معرکہ آرائی ہماری تقدیر بن گئی ہو۔ دارالعلوم کی حالیہ اسٹراٹجک میں شرین طلبہ نے جو انتہائی مذہب اور جبارانہ رویہ اختیار کیا تھا اور اپنے حدیث تفسیر کے اساتذہ کی شان میں گستاخیاں کر کے جس شرمناک تھعل اور نالائقی کا مظاہرہ کیا تھا اس کی بنا پر خیال تھا کہ مسلمانوں کے کسی عنصر کی حمایت بھی ان کو حاصل نہ ہو سکے گی۔ لیکن غلط بود انخپہ ما پنداشتیم

بڑے دھمکے ساتھ یہ دیکھا گیا اور دیکھا جا رہا ہے کہ ہم ہی میں کا ایک طبقہ ان کی حمایت و کالت کے لیے اس طرح کھڑا ہو گیا جو جسکی کوئی اچھی توجیہ کرنے سے کم از کم راقم بطور دل کی پوری غمازش کے باوجود عاجز رہا۔
 بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ دارالعلوم ایک نئی تعلیمی تربیتی درگاہ ہے، اس کا موضوع اصلاً قرآن و حدیث اور دوسرے علوم دین کی تعلیم اور اس کے ذریعہ ایسے لوگوں کو تیار کرنا ہے جو میراث نبوی (علیہ السلام) کے امین بن کر دین کی علمی ذمہ داریاں سنبھال سکیں۔ اور بار بار کے تجربے سے معلوم ہو چکا کہ ایسی کسی بھی دینی درگاہ میں اسٹرٹانگ کی تحریک اور کوشش کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حدیث، تفسیر، فقہ اور دوسرے علوم دین کے پڑھنے والوں کو پڑھنے سے روکا جائے۔ اور اسے تعلیمی نظام کو معطل کیا جائے۔
 — مزید برآں اُن طلبہ کو جنہیں وارث انبیاء اور اُمت کا راہنما بننا چاہیے۔ اساتذہ اور منتظمین کا حریف بنا کر اس طرح کھڑا کر دیا جائے جس طرح کارحناؤں اور ملوں کے مزدور ان کے مالکوں کے مقابلہ میں کھڑے ہو جاتے ہیں، اور پھر ان کی ذہنیت کو مسموم اور ریشہ کو برباد کر دیا جائے۔

اس کھلی حقیقت اور بار بار کے تجربے کے پیش نظر دارالعلوم کی مجلس شوریٰ اپنے بہت پہلے اصولی طور پر یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ دارالعلوم میں اسٹرٹانگ کا فقرہ اور اس کی کوشش قابلِ حسمراج جرم ہے۔ مجلس کے اس فیصلہ کے علم کے باوجود طالب علموں کے ایک شرپنہ طبقہ نے اگرچہ لائی سے دارالعلوم میں اسٹرٹانگ کر اٹھی اور اس سلسلہ میں وہ ناکردنی اور ناگفتہ بہ حرکتیں کیں جن کا ذکر الفتان کی گذشتہ اشاعت میں بھی کیا جا چکا ہے۔ اس عاجز راقم بطور کی پوری دیانت داری کے ساتھ رائے ہے کہ مجلس شوریٰ کے ارکان مجرم ہوتے اور دارالعلوم کے ساتھ خیانت کرتے اگر وہ ایسے شر پسندوں کے اخراج کا فیصلہ نہ کرتے۔ پھر یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اس اسٹرٹانگ کی تحریک میں جو خاص الخاص لیڈر اور سرغنہ تھے ان میں زیادہ تر وہ تھے جنہوں نے اس سے پہلے بعض دوسرے دینی مدارس میں بھی اسی قسم کی حرکتیں کی تھیں اور وہاں سے بھی وہ غایب کیے گئے تھے اور انہوں نے اپنی اس مجرمانہ حیثیت کو چھپانے کے لیے انہیں نے اپنے نام تبدیل کر کے دارالعلوم میں داخلہ لیا تھا۔

اب جو حضرات طلبہ کے اس غصہ کو مظلوم آدمی کے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس کے لیے تھائی کو صرف حلو پر توڑ رہے ہیں بلکہ ان میں سے بعض اُس سے بھی آگے بڑھ کر ایسی تاویل آدیل غلط بیانیوں اور افتراء و اذیان کر رہے ہیں جو صرف ایسے ہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں ذمہ داری اور خدا کا خوف نہ ہو۔ — خدا را کوئی بتائے کہ ان لوگوں کو کیسے دارالعلوم کا تخلص سمجھا جائے اور ان کی ناخدا نمرہ سائنہ کیا دروغ بیانیوں کی کیا تاویل کی جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلہ کے بعض ایسے بیانات اور مضامین اخبارات میں پڑھ کے جو تفسیر اور ناخدا ترمی کا قابلِ عبرت نمونہ تھے بہت دل دکھلا۔ صوبہ بہار کے ایک صاحب کا بیان (محققوں نے اپنے نام کے ساتھ قاسمی لکھ کر اپنے مولوی اور دارالعلوم دیوبند کا تعلیمی فتنہ ہونے کا یقین دلایا ہے) پٹنہ کے ایک اخبار میں شائع ہوا، پھر اسی کے حوالے سے کانپور کے ایک روزنامہ نے بھی اُس کو بڑے اتہام سے پورے مضامین سرخیوں کے ساتھ شائع کیا، ایک صاحب نے دیکھنے کے لیے راقم سطور کو بھی پہنچایا۔ مجھے یاد نہیں آتا کہ عمر بھر میں کبھی اس دیدہ ویدی اور ناخدا ترمی کے ساتھ غلط بیانی اور افتراء پر داندی کا ایسا نمونہ دیکھا ہو۔ — پھر غضب خدا کا اس بندہ خدا نے یہ بھی لکھا کہ اسٹرائک کے ایام میں اتفاق سے میں دیوبند میں تھا اور جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ میرا چشم دید ہے، پھر غضب بالائے غضب قرآنی آیت ”لَعَنَهُ اللَّهُ عَلَى الْكَذِبِینَ“ لکھ کر بیان شروع کیا۔ پھر جو کچھ بیان میں لکھا کاش اُس میں سے دس پانچ فیصدی ہی صحیح ہوتا، خدا کے بندہ نے اُدل سے آخر تک واقعات تصنیف کیے۔

ناظرین کی عبرت آموزی کے لیے نمونہ کے طور پر اس بیان کی صرف چند باتیں ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جن کا تعلق کھلے واقعات سے ہے اور جن کا غلط اور ضلالت واقع ہونا ہر شخص باسانی معلوم کر سکتا ہے۔

(۱) اسٹرائک کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بارہ طالب علموں کو خداج کر دیا گیا تھا، اُس

پر طلبہ نے یہ اسٹرائک کی تھی (لکھا)۔ واقعہ یہ ہے کہ اسٹرائک سے پہلے ۱۲ طالب علموں کے اخراج کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا یہ محض بیان دینے والے صاحب کی تصنیف ہے۔

(۲) مجلس شوریٰ کے جلسہ کے بارہ میں اس بیان میں لکھا گیا ہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا فخر الدین صاحب کی تشریف آوری میں کچھ تاخیر ہوئی، اس موقع سے ناجائز فائدہ اٹھا کر نفیِ حقیت اُجڑ صاحب نے جلسہ کی صدارت کے لیے مولانا مفتی صاحب کا نام پیش کر دیا اور اُن کو صدر

بنادیا (مخصوصاً) — حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ، اگر بولائی کو جس وقت مجلس شوریٰ کا اجلاس باقاعدہ شروع ہوا ہے حضرت مولانا سید محمد الدین احمد صاحب مظلہ تشریف فرما تھے اور کافی دیر پہلے تشریف لے آئے تھے اور اتفاق سے مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب اُس وقت وہاں موجود نہیں تھے وہ اجلاس شروع ہو جانے کے بعد تشریف لائے۔ اور مولانا سید منت اشرف صاحب کی صدارت کی تحریک خود حضرت مولانا سید محمد الدین نے پیش فرمائی تھی۔ (۳) اس بیان میں لکھا گیا ہے کہ طلبہ سے دارالعلوم کے تخلیہ کے لیے ڈیڑھ ہزار لٹری کے جو ان کے جو فلاں فلاں اکٹھے سے سب تھے، اور دارالعلوم کے خزانہ سے اُن پر فی کس دس روپے کے حساب سے خرچ کیا گیا (مخصوصاً) — (لاحول ولا قوۃ الا باللہ)

مجلس واقعہ یہ ہے تشریف طلبہ کی شوریہ سری اور جابرانہ روش کے پیش نظر جب مجلس شوریٰ نے صورت حال کی نزاکت کو محسوس کیا اور آخری چارہ کار کے طور پر دارالعلوم کو چند روز کے لیے بند کر دینے اور اُن اسٹراٹگی طلبہ سے جو اس پر پورا قبضہ کیے ہوئے تھے، تخلیہ کرانے کا فیصلہ کیا تو اسن وامن اور دارالعلوم کی اٹاک کے لیے سنگین خطرات کئے پیش نظر مقامی حکام اور پولیس کو اطلاع دینا اور اُن کا تعاون حاصل کرنا ضروری سمجھا وہ حضرات پولیس کی اتنی جمیعت کو ساتھ لے کر آگئے جس کو انھوں نے اُن حالات کے لیے کافی سمجھا یہ سب کی تین سو کے قریب پولیس میں تھے۔ ان میں ایک بھی لٹری کا آدمی نہیں تھا، اور دارالعلوم کا ایک پیسہ بھی ان پر صرف نہیں ہوا، ہر شخص جانتا ہے کہ ایسے خطرات کے مواقع پر تحفظ اسن اور تحفظ اٹاک کا انتظام کرنا خود حکومت کی ذمہ داری ہو، اس لیے کسی صرفہ کا محال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

بہر حال لٹری کے ڈیڑھ ہزار مسلح جوانوں کا افغانہ اور اُن پر فی کس دس روپے کی یومیہ دارالعلوم کے خزانہ سے صرف کیے جانا، دارالعلوم کے ذمہ داروں پر نہایت ظالمانہ اور غلیظ قسم کا بہتان ہو۔

وسیع علم الذین ظلموا ائی متقلب یتقلبون ۵

جی کہ عرض کیا گیا پورا بیان ایسی قسم کی ناخدا ترسانہ دروغ بافیوں اور افترا پردازیوں کا مجموعہ ہے۔ انتہا یہ ہے کہ اسٹراٹگی طلبہ کے جو آٹھ مطالبات اس بیان میں ذکر کیے گئے ہیں اُن میں بھی زیادہ ان "قاسمی" صاحب کے تصنیف کردہ ہیں اور ان مطالبات سے بالکل مختلف ہیں جو اُن طلبہ نے مجلس شوریٰ کے سامنے ۱۸ جولائی کو تحریری طور پر پیش کیے تھے اور بعد میں اپنے بیانیوں اور

پوسٹوں، اشتہاروں میں بھی وہ ان کو شائع کرتے رہے ہیں۔ راقم سطحوہ بالکل نہیں سمجھ سکا کہ مطالبات کے بارے میں یہ غلط بیانی آخر کس لیے کی گئی ہو۔

بہر حال یہ پورا بیان اخلاقی تسلسل اور ناخدا ترسی کا عبرتناک نمونہ ہے اور عرض کیا جا چکا کہ یہ ایک ایسے صاحب کے نام سے شائع ہوا ہے جنہوں نے اپنے نام کے ساتھ ”قاسمی“ لکھ کر اپنے کو دارالعلوم کا تعلیمیافتہ اور دیوبند کے دینی علمی حلقہ سے وابستہ ظاہر کیا ہے اور قوم کے سامنے اپنے کو دارالعلوم اور اس کی مجلس شوریٰ کے مصلح کی حیثیت سے پیش کیا۔

اسی سلسلہ میں ابھی دہلی کا چھپا ہوا ایک پمفلٹ ”واک سے آیا“ اس پر چند حضرات کے نام ہیں جنہوں نے اپنے کو ”برادران قاسمی“ اور ”ابنا قدیم دارالعلوم دیوبند“ لکھا ہے، اول سے آخر تک پڑھا۔ کاش یہ حضرات اپنی اجتماعیت اور نسبت کی عظمت کا لحاظ فرماتے ہوئے ایسا رویہ اختیار فرماتے کہ دارالعلوم کے ذمہ دار اور مجلس شوریٰ کے ارکان اختلافات حل کے باوجود ان کی تقدیر و مشورہ کو وقعت کی نگاہ سے دیکھ سکتے اور ان سے کچھ استفادہ کر سکتے۔ اس وقت اس پمفلٹ پر کوئی تبصرہ مقصود نہیں، اس کی صرف ایک بات کے سلسلہ میں کچھ عرض کر دینا ضروری ہے کیونکہ اس کا خاص تعلق مجھ ہی سے ہے اور اس کو غیر معمولی اہمیت کے ساتھ قطع کے بند کے طور پر اس میں پیش کیا گیا ہے۔ اس پمفلٹ کے صفحہ ۳ پر ”اہم ثبوت“ کا عنوان قائم کر کے لکھا گیا ہے۔

”ہمیں ناقابل تردید طور پر معلوم ہوا کہ مجلس شوریٰ کے نام سے جو بیان شائع ہوا ہے وہ صاحبزادہ محترم مولانا سالم صاحب کا مرتب کیا ہوا ہے۔“

اب سنیے کہ واقعہ کیا ہے۔ ۱۹ جولائی کو جب مجلس شوریٰ کے فیصلہ کے مطابق اسٹرائیگی طلب سے دارالعلوم کا تحلیہ ہو گیا، تو ارکان مجلس نے ضرورت محسوس کی کہ اس سلسلہ میں ایک بیان مجلس شوریٰ کی طرف سے جاری ہونا چاہیے۔ اس ناچیز نے عرض کیا کہ مولانا سید محمد میاں صاحب یا مولانا سید منتظر صاحب اس کو مرتب کریں، ان دونوں حضرات اور دوسرے صاحبان نے بھی اصرار فرمایا کہ یہ ناچیز ہی اس کو مرتب کرے۔ بالآخر یہ ذمہ داری مجھ پر ہی ڈال دی گئی۔

پھر جولائی کی صبح کو میں نے ارکان مجلس اور صنف مجلس سے اجازت لے کر تنہائی میں بیان لکھا۔

شروع کیا، جب اپنے نزدیک اس کو مکمل کر لیا تو دوسرے ارکان کو لا کر سنایا، ان حضرات نے بعض لفظی ترمیموں کا مشورہ دیا، ان ترمیموں کے بعد میں نے خود ہی اُس کی ترمیم کی اور اُس کو مجلس میں پڑھ کر سنایا، جو ارکان اُس وقت موجود تھے ان سب نے اُس پر دستخط کیے، یہ بیان کی وہ دستخطی کا پی حسب ضابطہ دارالعلوم میں محفوظ ہی پھر جب طباعت کے لیے اُس کی کتابت کرائی گئی تو خود اس عاجز نے اس کی کاپی اور پھر پردن کی بھی خود ہی تصحیح کی۔

افترض لکھے جانے سے لے کر چھپنے کی منزل تک مولانا محمد سالم صاحب سے اُس بیان کا کوئی مدا سلہ نہیں پڑا۔ مجھے یقین ہو کہ دوسرے حضرات کی طرح مولانا محمد سالم صاحب نے بھی اُس بیان کو چھپنے کے بعد یا نامپ کی نقلیں نکالنے کے بعد ہی دیکھا ہوگا۔ لیکن ہمارے چند محترم ”برادران قاسمی“ اور ”ابنا“ قدیم دارالعلوم دہلی پندرہ کا انکشاف ہو کہ

”ہمیں ناقابل تردید طور پر معلوم ہوا کہ مجلس شوریٰ کے نام سے جو بیان شائع ہوا ہودہ صاحبزادہ محترم محمد سالم صاحب کا مرتب کیا ہوا ہو۔“

ط ناطقہ سب جبریبیاں کہ اسے کیا کہیے

اب للہ کوئی بتائے کہ یہ گنہگار بھی اور مجلس شوریٰ دارالعلوم کے دوسرے ارکان جو اصل حقیقت سے ذاتی طور پر واقف ہیں اپنے ان ”برادران قاسمی“ کے بارے میں کیا رائے قائم کریں اور ان سے کیا رہنمائی حاصل کریں۔

یہ عاجز اب سے ۵۴ سال پہلے دارالعلوم میں ایک طالب علم کی حیثیت سے رہا، اُس کے بعد بھی اللہ کی توفیق اور اپنے اکابر و اساتذہ کی خصوصی عنایت و شفقت کے نتیجے میں مسلسل رابطہ

۱۔ مجلس کے ارکان میں سے دو حضرات مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب اور مولانا قاضی ذہب العابدین سجاد صاحب اس سے پہلے دہلی تشریف لے جا چکے تھے لیکن چونکہ دونوں حضرات پوری کارروائی میں شریک تھے اور جسز کارروائی پر ان کے دستخط تھے اس لیے ضابطہ کے مطابق بیان پر ان کے بھی دستخط ثبت کیے گئے۔

نصیب دہلوی پوری جو تھائی صدی سے اس کی مجلس شوریٰ کا رکن ہو اس لیے اس کی تادم رخ آندہ اس کے
 ریاہ و سپید سے اچھی طرح واقف ہو۔ فی الحقیقت دارالعلوم کا اصل مسئلہ یہ ہو کہ خدا کے فضل
 سے اس کی آمد فی اور اس کا خیر بہت بڑھ گیا ہو، اس کا بجٹ جو میری طالب علمی کے زمانہ میں ایک لاکھ کے
 لگ بھگ تھا اب ۱۲ لاکھ تک پہنچ چکا ہو، عمارتیں بہت بڑھ گئی ہیں، طلبہ کی تعداد اور اس طرح اساتذہ
 اور دیگر لازمین کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہو لیکن تعلیم اور سیرت سازی جو اصل مقصد ہو اس
 میں تشویشناک انحطاط ہو، طلبہ کی بے راہ روی اور اس کے فضلاء تک میں عبرتناک حد تک اخلاقی
 پستی۔ اس کے نتائج اور مظاہر ہیں (اور یقیناً اس میں کچھ داخلی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا بھی دخل ہو)
 دارالعلوم کے تمام ذمہ دار حضرات اور اس کی مجلس شوریٰ کے ارکان (جن میں یہ عاجز بھی شامل ہو) کا فرض
 ہو کہ وہ اسی مسئلہ کو حل کر کے اصل مرکز اور مصروف بنائیں۔ اور اپنے کو خدا کے سامنے جوابدہ سمجھ کر ہر وہ
 اقدام کریں جو صحت حال کی اصلاح کے لیے ضروری ہو۔ واللہ مکرری التوفیق۔

درسِ قرآن (مرکز والی مسجد)

۶ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ ۲۲ جون ۱۹۶۹ء

عیسائی اُمت کی گمراہیوں کے بارے میں

سہر محشر حضرت عیسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ کا پُر جلال سوال اور ان کا جواب

حمد و صلوات اعوذ باللہ اور بسم اللہ کے بعد

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ
اتَّخِذُونِي وَأُمِّي إِلَهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ
لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ وَإِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ
تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ وَإِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ
الْغُيُوبِ مَا قُلْتَ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ أَعْبُدُ اللَّهَ
رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا
تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ
إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَدْفَعُ الصَّادِقِينَ صُدُقَتَهُمْ
لَهُمْ جَنَّاتُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ مُخْلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وَرَضِيَ
اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ الْغُورُ الْعَظِيمُ اللَّهُ مَلِكُ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

المائدہ ص ۱۶ (آیات ۱۱ تا ۱۷)

اور اس وقت کا تصور کر دیجیے اللہ (اپنے پیغمبرؐ سے) پوچھے گا کہ اے مریم کے
فرزند عیسیٰ کیا تو نے (اپنی امت کے) ان لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری
ماں کو بھی معبود بنا لینا، تو وہ (جواب میں) عرض کریں گے تو پاک ہے، میرے لیے سزاوار
نہ تھا کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہ تھا، اگر میں نے کہا ہوتا تو تیرے علم
میں ہوتا، اچھے میرے دل کی باتوں کا بھی علم ہے اور مجھے تیرے رازوں کی بالکل خبر
نہیں، بیشک تو ہی علام الغیوب ہے۔ میں نے تو ان سے صرف وہی کہا تھا جس کا
تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ ہی کی عبادت اور پرستش کرو جو میرا تھا اور سب کا پروردگار
ہے، اور میں اُن کا انکار نہ تھا جب تک میں ان کے اندر رہا، پھر جب تو نے مجھے اُٹھایا
تو تو ہی ان کو دیکھنے والا تھا اور تو ہر چیز پر گواہ اور پوری طرح واقف حال ہے اگر تو
ان کو عذاب دینے کا فیصلہ کرے تو یہ تیرے بندے ہیں (اور تیرا فیصلہ برحق ہوگا) اور
اگر تو ان کی معافی اور درگزر کا فیصلہ کرے تو سب کچھ تیرے اختیار میں ہے اور تو حکیم
بھی ہے اس لیے تیرا فیصلہ حکیمانہ ہی ہوگا اور کوئی اسے چیلنج نہ کر سکے گا، اللہ تعالیٰ
فرمائے گا آج وہ دن ہے کہ راست باز بندوں کو ان کی راست بازی نفع پہنچائے
گی (اور وہ اس کا پھل پائیں گے) اُن کے لیے ہمیشی باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں
جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ اُن سے راضی اور وہ اللہ
سے راضی۔ یہ ہے عظیم کامیابی۔ آسمان وزمین اور جو کچھ اُن میں ہے سب کی بادشاہی
اور فرمانروائی اللہ ہی کے لیے ہے۔ اور ہر چیز اس کی قدرت کے تحت ہے۔

المائدہ آخری آیات ۱۱ تا ۱۷

تفسیر و تشریح :-

یہ سورہ مائدہ کی بالکل آخری آیتیں ہیں، انہی پر سورہ ختم ہے، اوپر کی آیتوں میں بتایا
تھا کہ قیامت کے دن سرخشر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے اپنے انعامات یا دلائل

کہ میں نے تم کو روح القدس کی تائید سے نوازا اور تمہارے ہر تھپہ پر فلاں فلاں غیر معمولی قسم کے معجزے ظاہر کیے اور حواریوں کو تم پر ایمان لانے کی توفیق دی اور ان کو تمہارا پیروکار اور تمہاری دعوت کا علمبردار بنادیا، یہ سب میرے حکم اور میری قدرت کے ہوا تمہارے کسی ذاتی کمال کو اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ پُر جلال سوال حضرت عیسیٰ سے کیا جائے گا جس کی تمہید کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں یاد دلائی تھیں۔ ان آیتوں میں اسی سوال اور اس کے جواب کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے۔

”وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيسِي بَنَ مَرْيَمَ ءَ أَنْتَ خَلَقْتَ لِلنَّاسِ الْخِزْيَانُ
وَإِنِّي إِلَهِينَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ط“

اُس وقت کا تصور کرو جب اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ سے برابر مشرپوچھے گا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں کو یہ تعلیم دی تھی اور بتایا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو بھی اللہ کے سوا معبود بنالینا اور ہماری بھی پرستش کرنا؟۔ حضرت عیسیٰ اپنے امتیوں کے شرکاء طرز عمل سے اپنی براءت اور نیزاری ظاہر کرتے ہوئے عرض کریں گے، اور خود خداوند علّام الغیوب کو گواہ بنا کر عرض کریں گے۔

”سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّ طَ إِنْ كُنْتُ
قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ط تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ
إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ط مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي
بِهِ إِنْ أَعْبُدُ وَاللَّهُ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا
مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ط
وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ط

یہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب ہے، وہ عرض کریں گے۔ خداوند اتیری عالی ذات ہر قسم کے شرک اور شرکیوں سے پاک ہے۔ میرے لیے قطعاً سزاواراوا ممکن نہیں تھا کہ ایسی بات اپنے منہ سے نکالوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں۔ خداوند اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو ضرور تیرے علم میں ہوتی تھی تو میرے دل کی باتوں اور ارادوں کی بھی خبر ہے۔

تو علام الغیوب ہے۔ تو جانتا ہے کہ میرے دل میں کبھی اس کا دوسرہ بھی نہیں آیا۔ اس کے برعکس میں نے لوگوں سے وہی کہا اور ان کو وہی بتایا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا اور وہ یہ کہ صرف اُس اللہ کی پرستش کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ اور خداوند میں جب تک اُن کے درمیان تھا ان کے حالات سے باخبر تھا اور ان کی نگرانی کرتا تھا، پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی ان کو دیکھنے والا اور ان کا نگراں تھا۔ مطلب یہ ہے کہ خداوند تو جانتا ہے کہ ان لوگوں نے جو مشرکانہ عقیدے میرے اور میری ماں کے باپے میں اختیار کیے وہ اُس زمانے میں کیے جب میں ان کے درمیان نہیں تھا اور تو نے مجھے ان کے پاس سے اٹھالیا تھا، یہ سب کچھ تیری نگاہ کے سامنے ہے اور تجھ سے کچھ بھی مخفی نہیں ہے۔

اس جوابی گزارش کے آخر میں حضرت عیسیٰ اُن عیسائیوں کے باپے میں جنہوں نے ان کو اور ان کی والدہ حضرت مریم کو معبود بنایا تھا یہ بھی عرض کریں گے۔
 اِنْ تَعَذَّبْهُمْ فَاتَّهُمْ عِبَادًا وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ
 اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

خداوند اگر تو ان کو عذاب دینے کا فیصلہ فرمائے اور جہنم میں ڈالے تو یہ تیرے بندے ہیں اور انہوں نے شرک کا جرم کیا ہے اس لیے ان کے حق میں عذاب کا تیرا فیصلہ بالکل برحق ہوگا۔ اور اگر تو ان کی معافی کا فیصلہ فرمائے تو چونکہ اقتدار اعلیٰ تیرا ہی ہے اور تو حکیم بھی ہے اس لیے تیرے اس فیصلہ کے سامنے بھی کوئی دم نہ مار سکے گا اور کوئی اس کو چیلنج نہ کر سکے گا۔

یہاں ایک نکتہ قابلِ غور ہے۔ سرسری نظر میں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ "اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ" کے بعد "اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ" کی جگہ "اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ" ہونا۔ لیکن اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں "اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ" ہی ٹھیک ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ اگر اللہ کے حضور میں یہ عرض کرتے کہ "اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ" تو اس میں سفارش کے معنی پیدا ہو جاتے اور مشرکین کے حق میں مغفرت کی سفارش کی گنجائش قطعاً نہیں ہے۔ اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام

سفاش کے شبہ سے بھی دامن بچاتے ہوئے عرض کریں گے "وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ"

یہ آیت بڑی عظیم القدر ہے۔ حدیث کی کتابوں میں یہ واقعہ مروی ہے کہ الیٰکافہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں یہی ایک آیت پڑھتے رہے۔ "إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ"۔ اس وقت آپ پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ یہاں تک کہ رکوہ اور سجدے میں بھی اس رات آپ یہی آیت پڑھتے رہے۔ "إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ"۔ یہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب ہوا۔ اگے ارشاد ہے۔

قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ. ذَلِكَ الْقَوْلُ الْعَظِيمُ۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج وہ دن ہے کہ ہمارے سچے بندوں کو جنہوں نے سچائی اور راست بازی کے ساتھ زندگی گزاری، جو کہا وہ کر دکھایا، تو ان صادقین کو ان کی سچائی اور راست بازی آج پورا نفع پہنچائے گی۔ وہ اس کا بھرپور صلہ پائیں گے۔ انھیں وہ بہشتی باغات عطا ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن کی وجہ سے وہ سدا شاہد اور پربہار رہیں گے "خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا" وہ ہمیشہ ہمیشہ ان بہشتی باغوں میں رہیں گے۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ اور سب سے بڑی دولت ان کو یہ حاصل ہوگی کہ ان کا مالک دہوئی اور ان کا محبوب حقیقی ان سے راضی خوش ہوگا کیونکہ انھوں نے بندگی کا حق ادا کر دیا۔ اور وہ اُس سے راضی و خوش ہوں گے کیونکہ وہ ان کو اس دن بھر پور نعمتوں سے نوازے گا اور ان کے دل کی ہر چاہمت پوری کرے گا۔ اگے فرمایا گیا ہے۔ "ذَلِكَ الْقَوْلُ الْعَظِيمُ" بندوں کے لیے عظیم ترین کامیابی ہے کہ ان کو جنت اور رضائے الٰہی نصیب ہو اور وہ اپنے مالک کی عنایات سے راضی اور خوش ہوں۔

اس آیت کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی سے نہیں ہے، بلکہ اس کی حیثیت

ایک عمومی اعلان اور منشورِ عام کی ہے اس میں اُن سب بندوں کے لیے بڑی رُوح پرور
بشاعت ہے جو اللہ کے ساتھ اپنے معاملہ میں سچے ہوں۔ ایسے ہی بندوں کے لیے دوسری
جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے "رَجَاءُ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا لَـهُ عَلَیْهِ" (یعنی وہ لوگ جنہوں نے
اس عہد کو پورا کیا اور سچ کر دکھایا جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا) قرآن پاک میں جا بجا
ایسے صداقت شعار اور وفادار بندوں کے لیے جنت اور رضاۃ الہی کی خوش خبری
سنائی گئی ہے۔ اور مادہ کی اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے
بندوں کے حق میں یہ اعلان فرمائے گا اُس وقت ان بندوں کو جو خوشی حاصل ہو گی وہ بجائے
خود بہت بڑی نعمت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔
اس کے بعد سورت کی بالکل آخری آیت ہے۔

"لَـهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَٱلْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ"

یعنی زمین و آسمان اور جو کچھ زمین و آسمان میں ہے یعنی ساری کائنات اُس
سب پر اللہ کی اور صرف اللہ کی حکومت اور فرمانبرداری ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت
رکھتا ہے اور جب اس کی یہ شان ہے تو بندوں کو اُسی کی عبادت اور اُسی کی فرمانبرداری
اطاعت کرنی چاہیے۔ اور اُسی کی رضا جوئی کو اپنا نصب العین بنانا چاہیے۔

سورہ مادہ کی جو آخری آیتیں آج تلاوت کی گئیں تھیں، اُن کے ترجمہ اور مطلب کے
سلسلہ میں جو کچھ عرض کرنا تھا وہ عرض کیا جا چکا۔ ان ہی آیتوں سے متعلق ایک بات اور
قابل ذکر ہے۔

سورہ آل عمران میں اور پھر سورہ نسا میں یہ واقعہ کسی قدر تفصیل سے بیان ہو چکا ہو
کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو اسرائیلی سلسلہ کے آخری پیغمبر تھے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں
منصب نبوت سے سرفراز فرمایا اور ان کے ہاتھ پر بڑے بڑے معجزے ظاہر فرمائے تو ان کی
قوم کے لوگوں نے یعنی یہودیوں نے پہلے تو ان کی تکذیب کی اور ان کو ہجو نامہ عی نبوت ٹھہرایا
اور جادوگر بتایا اور طرح طرح سے ان کو ستایا۔ اس کے بعد ان کے خلاف حکام کے کان بھرے

اور اس کی کوشش کی کہ حکومت ان کو گرفتار کر کے سولی پر چڑھائے۔۔۔ مردِ مجاہدین
میں بھی یہ واقعہ خاصی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے آگے انجیل کا بیان اور قرآن
کا بیان مختلف ہے۔ انجیل کا بیان ہے کہ یہودیوں کا یہ ناپاک منصوبہ کامیاب ہو گیا اور حضرت
عیسیٰ علیہ السلام پکڑ کے سولی پر چڑھا دیے گئے۔ خود یہودی بھی اسی کے مدعی ہیں۔ قرآن مجید
میں یہودیوں ہی کی زبان سے نقل کیا گیا ہے۔ "إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى بْنَ مَرْيَمَ"
(یعنی ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو قتل کر دیا اور اسے سولی دلا دی) لیکن قرآن پاک
کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے یہودیوں کے اس ناپاک منصوبہ کو خاک
میں ملا دیا اور عیسیٰ علیہ السلام جس طرح عجیب و غریب معجزانہ طریقہ سے بن باپ کے نفعِ ملکی
سے پیدا کیے گئے تھے اور جس طرح انتہائی غیر معمولی قسم کے بہت سے معجزات اللہ تعالیٰ نے ان کے
ہاتھوں پہ ظاہر کیے تھے ایسے ہی معجزانہ طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کو ٹھیک اُس وقت اُٹھالیا
جب یہودی اور حکومت کے سپاہی ان کو گرفتار کرنے کے لیے پہنچے اُن سپاہیوں نے ان
کی جگہ ایک دوسرے آدمی کو جو ان کی شکل و صورت کا تھا عیسیٰ مسیح سمجھ کر پکڑ لیا اور وہی
سولی پر چڑھا دیا گیا۔ اور یہ دراصل وہ جاسوس تھا جس نے عیسیٰ علیہ السلام سے غداری کی تھی اور
دشوت لے کر ان کے دشمنوں سے سازش کر لی تھی۔ اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "وَمَا
قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ"

بہر حال قرآن مجید کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بحفاظت اُٹھالیا اور
دشمنوں کے ناپاک ہاتھ ان کو چھو بھی نہ سکے۔

سورہ نسا میں جہاں اس واقعہ کا ذکر آیا تھا، آپ حضرات کو یاد ہو گا وہاں میں نے یہ
بھی بتلایا تھا کہ اس بارہ میں عیسیٰ علیہ السلام کے ایک حواری یربناس کی انجیل کا بیان بالکل
قرآن مجید کے بیان اور اُمتِ محمدیہ کے عقیدہ کے مطابق ہے۔

لے انجیل دراصل اُن چھوٹے چھوٹے رسالوں کا نام ہے جن میں عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور کچھ حالاتِ زندگی
اور کچھ معجزات و مواظبات جمع کیے گئے ہیں ان کو مختلف حواریوں اور ان کے شاگردوں نے (باقی اگلے صفحہ پر)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے اور ایک اہم پیشگوئی کے طور پر احادیث میں اطلاع دی گئی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب پھر اس دنیا میں آئے جائیں گے اور اُس وقت آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر نائب کے طور پر کام کریں گے۔ اس مضمون کی حدیثیں تو اتر کی حد کو پہنچی ہوئی ہیں۔ ہمارے استاد حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ نے اس سلسلہ کی حدیثوں کو حدیث کے پورے ذخیرہ سے نکال کر ایک مستقل رسالہ میں جمع کرایا تھا جو عربی زبان میں "التصریح بما تو اتر فی نزول المسیح" کے نام سے چھپ بھی چکا ہے۔ ان سب حدیثوں کے سامنے آجیلنے کے بعد قریب قیامت میں حضرت عیسیٰؑ کے نزول کا عقیدہ قریب قریب اتنا ہی یقینی اور ناقابل شک ہو جاتا ہے جس طرح خود قیامت کے آنے کا عقیدہ۔ اسی لیے امت میں ہمیشہ سے اس عقیدہ پر اجماع رہا ہے۔ لیکن ہمارے اس زمانہ میں جس طرح اور بہت سے مسئلہ اجماعی عقائد میں دشمنان اسلام متشقیں کی دسمیہ کاریوں سے تشکیک پیدا کی گئی ہے اور ادارہ مزاج قسم کے لوگ بطور افیش کے ایسی باتیں کرتے ہیں۔ اسی طرح نزول مسیح کے اس متواتر اجماعی عقیدہ کے بارے میں بھی دسا دس پیدا کیے گئے ہیں۔ اور مرزا غلام احمد قادیانی نے چونکہ اپنے سارے دعوؤں کی بنیاد اسی پر رکھی ہے، کہ میں ہی وہ "مسیح" ہوں جس کے آخری زمانے میں آنے کی خبر دی گئی ہے اور اسرائیلی مسیح (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) تو قریباً دو ہزار برس پہلے انتقال فرما کر زمین میں دفن بھی ہو چکے ہیں۔ اس لیے خود انھوں نے اور ان کے پیروکاروں نے قرآن مجید سے بھی عیسیٰ علیہ السلام کے انتقال فرما جانے کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے لیے انھوں نے قرآن مجید کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷)

جمع کیا تھا ان میں سے چار مردوں اور عیائیوں میں عام طور سے مقبول اور مروج ہیں۔ انجیل یوحنا، انجیل مرقس، انجیل متی، انجیل لوقا۔ لیکن اس کے علاوہ اور بھی اس طرح کے بہت سے مجموعے تھے جن میں سے بعض بالکل ناپید ہیں اور بعض کے نسخے موجود ہیں، اگرچہ وہ عیائیوں میں مروج نہیں۔ انھیں میں انجیل برنابا بھی ہو۔ اسکے ساتھ قرآن مجید کے بیانات سے کافی مطابقت دیتے ہیں، غالباً اسی لیے تثلیث پرست عیائیوں میں یہ مقبول نہیں ہو۔ (دلفانی)

جن آیتوں کو تحفہ مشق بنایا ہے ان میں سے ایک آیت یہ بھی ہے جو حضرت عیسیٰ کے جواب کے ضمن میں سورہ آمدہ کی ان آخری آیتوں میں ہے۔

وَكُنْتَ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا اَمَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ
اَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ

(یعنی عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کریں گے کہ میں جب تک ان لوگوں میں رہا ان کے حالات سے باخبر اور ان پر گواہ تھا، پھر جب تو نے مجھے لے لیا تو تو ہی ان کا دیکھنے والا تھا)

قادیانی صاحبان کہتے ہیں کہ ہر معمولی پڑھا لکھا بھی جانتا ہے کہ وفات کے معنی موت آجانے اور مرجانے کے ہیں۔ اس لیے ”فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي“ کا مطلب یہ ہوا کہ جب تو نے مجھے دفن کر دیا یعنی جب تیرے حکم سے مجھے موت آگئی.... اس سے ثابت ہوا کہ دوسرے پیغمبروں کی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی وفات پا چکے ہیں....

بظاہر قادیانیوں کی یہ بات ایسی سیدھی سی ہے کہ بہت سے سادہ دل اس سے دھوکا کھا سکتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت دھوکا اور فریب ہے، اسی لیے اس موقع پر میں نے یہ بحث چھیڑ کر اس بابے میں کچھ عرض کرنا ضروری سمجھا۔

اس سلسلہ کی علمی اور تحقیقی بحثیں نو کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ علماء نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے، ہمارے اتاذ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی اس موضوع پر ایک متعلّق تصنیف ہے ”عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام“ پھر اس کا گویا ایک تکملہ ہے اس کا نام ہے ”تحفۃ الاسلام“ یہ دونوں عربی زبان میں ہیں۔ اور یہ واقعہ ہے کہ جو کچھ ان میں لکھا گیا ہے وہ تحقیق کے لحاظ سے حرج آخر ہے۔ میں تو اس وقت آپ حضرات کے سامنے بالکل عام فہم قسم کی ایک دو باتیں کہنا کافی سمجھتا ہوں۔

پہلی بات یہ ہے کہ یہ کہنا کہ توفی کے معنی موت ہی کے ہیں، سراسر دھوکا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ توفی کے معنی میں وسعت ہے اور وہ موت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ انتقال اور وصال کا لفظ موت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے لیکن

یہ کہنا لفظ ہو گا کہ استعمال اور وصال کے معنی موت ہی کے ہیں۔

توفی کے اصل معنی ہیں بھی چیز کو پوری طرح لے لینا۔ چونکہ موت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رُوح کو لے لیا جاتا ہے اس لیے اس پر بھی توفی کا لفظ بولا جاتا ہے، اور نیند میں بھی چونکہ شعور و احساس اور بیداری وادی کیفیت انسان سے لے لی جاتی ہے اس لیے اس کو بھی توفی سے تشبیہ کر دیا جاتا ہے۔ قرآن پاک کی ایک آیت میں موت اور نیند دونوں کے لیے توفی کا لفظ ایک ساتھ استعمال ہوا ہے۔ فرمایا گیا ہے۔

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَاجِلِهَا ۖ

اللہ تعالیٰ لے لیتا ہے نفسوں کو ان کے مرنے کے وقت اور جو نہیں مرے ان کو لے لیتا ہے ان کا نیند کے اوقات میں۔

اور ایک دوسری آیت میں صحت نیند کے لیے بھی توفی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ۚ

وہ اللہ ہی ہے جو تمہیں (نیند) تھامے شعور کو قبضہ میں لے لیتا ہے رات میں (نیند) حالت میں (اور وہ جاننا ہے جو کچھ تمہیں

کرتے ہو دن میں۔

بہر حال یہ کہنا کہ توفی ہمیشہ موت ہی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یا خود کہنے والے کی جانتا ہے یا وہ جان بوجھ کر دھوکا دیتا ہے۔ حجت توفی کے اصل معنی جیسا کہ میں نے بتایا گئی چیز کو پوری طرح لے لینے کے ہیں۔ اس لیے عام طور سے جس طرح رُوح قبض کی جاتی ہیں اس کے لیے بھی توفی کا لفظ بولنا صحیح ہے اور نیند میں جس طرح شعور اور احساس لے لیا جاتا ہے اس کے لیے بھی توفی کے لفظ کا استعمال صحیح ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کو رُوح و جسم دونوں کے ساتھ اس دنیا سے اٹھا لے (جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہوا) تو اس کے لیے بھی

لے کلیات البقا میں ہے "التوفی الاماتۃ وقبض الروح وعلیہ استعمال العالمہ او الاستیفاء واخذ الحق وعلیہ استعمال البلغاء" نعمانی۔ لے زمر ۵ لے و مقام ۷۔

توفی کا استعمال بالکل صحیح ہوگا، بلکہ یہی توفی کی کامل ترین صورت ہوگی۔ اور سائنہ کی اس آیت میں "فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي" کے لفظ سے یہی آخری صورت مراد ہے۔ خود اسی آیت میں اس کا کھلا قرینہ یہ ہے کہ یہاں "فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي" کا لفظ "مَا دُمْتُ فِيْهِمْ" کے مقابلہ میں استعمال ہے۔ "مَا كُنْتُ حَيًّا" کے مقابلہ میں استعمال نہیں ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کریں گے کہ خداوندِ احب تک میں ان لوگوں کے درمیان تھا اس وقت تک تو میں ان کی دیکھ بھال کرتا اور ان کے حالات سے باخبر تھا۔ پھر جب تو نے مجھے ان میں سے لے لیا یعنی ان کے درمیان سے اٹھالیا تو پھر تو ہی ان کا دیکھنے والا تھا۔ اگر بالفرض یہاں توفی سے موت مراد ہوتی تو اس کے مقابلہ میں وہ لفظ ہوتا جو حیات اور زندگی کے معنی میں ہوتا، لیکن آیت میں اس کے مقابلہ میں "مَا دُمْتُ فِيْهِمْ" فرمایا گیا ہے۔ یہ اس بات کا کھلا قرینہ ہے کہ یہاں توفی سے موت مراد نہیں ہے بلکہ وہ صورت مراد ہے جو "مَا دُمْتُ فِيْهِمْ" کے مقابل کی چیز ہے۔ اس لیے یہاں "فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي" کا صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ "پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا"۔

اس کے علاوہ ایک اور عام فہم بات بتانا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جاہلاً موت کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور خود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاَنْتُمْ مَّيِّتُوْنَ" لیکن سارے قرآن میں کہیں ایک جگہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کی اطلاع موت کے لفظ سے نہیں دی گئی۔ حالانکہ جب اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ اُمّتِ محمدیہ بھی ان کی حیات اور رُفْعِ الی السما کے عقیدہ کو اختیار کر لے گی تو کسی دوسرے کی موت کی بات قرآن میں کہی گئی ہوتی یا نہ کہی گئی ہوتی، لیکن عیسیٰ علیہ السلام کی موت کی خبر موت ہی کے لفظ کے ساتھ ضرور سنائی گئی ہوتی، لیکن سارے قرآن میں ایک جگہ بھی عیسیٰ علیہ السلام پر موت واقع ہونے کا ذکر نہیں کیا گیا اور اس طرح موت کا لفظ ان کے لیے استعمال ہی نہیں ہوا۔ اگر کسی کے دل میں انصاف ہو تو یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر ابھی موت وارد ہی نہیں ہوئی، اسی لیے قرآن پاک میں کہیں ان کی موت کی اطلاع نہیں دی گئی، بلکہ "توفی" اور

”رضہ کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کی حقیقت وہی ہے جو جہور اُمت کا عقیدہ ہے اور وہی ان لفظوں کا صحیح مفہوم ہے۔“

یہ اصولی بات بھی میں آپ سے بار بار کہہ چکا ہوں کہ قرآن مجید کا مطلب وہی صحیح اور قابل قبول ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے برابر سمجھا جا رہا ہو، اگر آج کوئی شخص قرآن مجید کی کسی آیت کا وہ مطلب بیان کرے جو اُس کے بالکل خلاف ہو جو اب تک سمجھا جاتا رہا ہے اور جس پر گویا اُمت کا اجماع رہا ہے تو وہ قابل رد ہے اور اُس کے غلط باطل ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اجماع اُمت کے خلاف ہے۔ اگر یہ اصول نہ مانا جائے تو قرآن اور دین بازیچہ اطفال بن کے رہ جائے گا۔

سبحان ربك رب العزة عما يصفون ۵
والحمد لله رب العلمين ۵

کچھ تو خصوصیات ہیں جو اس قدر مقبول ہے —
شوق سے پڑھا جاتا ہے — بحفاظت رکھا جاتا ہے —
دلی سے شائع ہونے والا اقدیتوں کا توجہ جان
بیادگار حضرت مفتی اعظم محمد تقی عثمانی

ہفت روزہ جمعیت طائر دہلی

زیر پرستی حضرت مولانا مفتی محمد ضیاء الحق صاحب دہلی
سالانہ قیمت :- بارہ روپے — قیمت فی پرچہ :- ۲۵ پیسے
آپ مستقل خریدار بن کر اس کی سرپرستی فرمائیے
ہر شہر میں دیانتدار ایجنٹوں کی ضرورت ہے

دفتر جمعیت طائر ۶۱۶ میا محل دہلی

اُرشادِ احکیمِ الامۃ حضرت تھانویؒ

علماء و طلباء، اصحابِ دین اور اربابِ رسم کے لیے لمحہ فکریہ

(تخلیص — از مولانا نسیم احمد فریدی امر وہی)

حکیم الامتہ حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ نے جہاں بہت سے شعبوں کی اصلاح فرمائی وہاں تعلیم دین اور مدارس اسلامیہ کی طرف بھی آپ کی خاص توجہ تھی۔ آپ نے وقتاً فوقتاً اپنی مجالس میں مدرسین و طلباء اور اربابِ اتہام کے سلسلے میں جو کچھ فرمایا ہے اور اپنے اساتذہ اور اکابر کی ہونے والی بیانات فرمائی ہیں تعلیمی و فکری اخلاقی اور اصلاحی نقطہ نظر سے آپ کے یہ ارشادات بہت ہی مفید و اہم ہیں۔ آپ کی نگاہ و تفتیش کے سامنے وہ تمام اسباب و علل تھے جن کے باعث آج مدارس اسلامیہ کے نظامِ عمل میں کچھ نہ کچھ ابتری اُدنا ہو رہی ہے۔ اور ان مراکزِ علوم سے ایسی شخصیتیں بہت کم نکل رہی ہیں جو ملت اسلامیہ کی سرسبز و شادابی کے لیے اسی طرح جدوجہد کریں جس طرح ان مراکز کے فرزندِ انِ قدیم نے کی ہیں۔ پہلی فرصت میں اصحابِ اتہام اور اربابِ حل و عقد نیز تمام اہل علم حضرات کو اس طرف خاص توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ طلباء و اداء العلوم دیوبند کے حالیہ منہجے نے پورے ملک کے عربی مدارس کو چھٹکا دیا ہے۔ بجائے غصہ کرنے کے اس پُریشان نظریہ کا سبب معلوم کر کے کچھ علاج سوچنا چاہیے۔ اگر اپنے بزرگوں کے ارشادات کو سامنے رکھتے ہوئے ذمہ دار حضرات خود بھی غائر نظر سے واقعات و کوائف کا جائزہ لیں گے تو مستقبل کے لیے یہ دردِ مگاہیں پہلے کی طرح اسلام و ایمان کی حفاظت کے لیے انتہائی مفید ثابت ہوں گی اور ہندوستان کی ان

آیا تھا کہ گراب سمجھ میں آیا کہ شیطان کا ایک کید یہ بھی ہے کہ بڑی حسد کو بھڑا کر چھوٹی حسد میں لگا دیتا ہے۔ ذکر و شغل عبادت ہے مگر مزدوب۔ اس میں لگ کر ایک فریضہ (یعنی) علمِ قرآن ہو گیا کتنا بڑا دینی ضرر ہے اور دین کو ضرر پہنچانا یہ عین مقصود ہے شیطان کا۔ ہم نے تو ان حضرات کو دیکھا ہے اور اب تو نہ اساتذہ کا ادب نہ ہتھم صاحب کا ادب نہ پیر کا ادب نہ باب کا ادب۔ آزادی کا وہ زہر پلا اثر پھیلے کہ سب ہی کو سموم کر دیا اٹلا صا شاع اللہ۔ سُن سُن کر دل کو رنج ہوتا ہے کہ یا اللہ ایک دم سے کیسی کایا پلٹ ہو گئی۔ اس وقت اساتذہ خود طلباء سے دیتے ہیں نہ معلوم کس درجہ سے اور کیا اغراض ہیں جن کی وجہ سے طلباء کا اساتذہ پر غلبہ ہو گیا۔ ضرر دال میں کالا ہے..... اب چاہے انجن قائم کریں، کیشیاں قائم کریں۔ اسباق پڑھیں کون پوچھ سکتا ہے اور کون مواخذہ کر سکتا ہے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ پُرانے لوگوں میں دین کا، بزرگوں کے ادب کا پھر بہت اثر تھا۔ اُس وقت کے..... ان نئے سنوڑے ہوؤں سے اچھے تھے مولوی شبلی صاحب (نظامی) کا واقعہ ہے کہ کانپور میں اُن کا ٹیکر ہوا تھا۔ مولوی محمد فاروق صاحب (چڑیا کوٹی) جو اُن کے اُستاد تھے وہ اُس وقت کانپور کے ایک مدرسے میں مدرس تھے۔ اُس بیان میں ٹیکر تھے جب بیان ختم ہو چکا تو اُستاد کے پاس آکر بیٹھ گئے اُستاد نے محض سادگی سے پیر پھیلادے (اور کہا) کہ شبلی! پیر دکھ گئے ہیں ذرا دباؤ بکھو۔ بس دبانے لگے اور کوئی اثر ناگواری کا ظاہر نہیں ہوا یہ

لے اس ارشاد میں اور اُسے جو صحبت نیکان کی ضرورت کا ارشاد ہے۔ ان دونوں میں باہم کوئی تعارض نہیں ہے۔ زمانہ طالب علمی میں کسی بزرگ سے بیعت ہو کر باقاعدہ سلوک طے کرنے کو منع فرمایا گیا ہے نہ کہ صحبت بزرگ کو۔ اہل تقویٰ حضرات سے زمانہ طالب علمی ہی سے تعلق رہنا چاہیے۔ روزِ آٹھ آٹھ دس دس سال کی عمری مدارس کی تختیں چند روزہ غلط ماحول سے درہم برہم ہو جاتی ہیں۔ درسیات سے فارغ ہونے کے بعد اسکولوں اور کالجوں میں داخل ہونے والے بہت سے طلباء میں اس تبدیلی کا شاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

اثر تھا۔ چڑانے ہونے کا اور پہلے بزرگوں کی صحبت کا اب یہ باتیں کہاں؟ اگر علم صحیح اور عمل صحیح کی ضرورت ہو تو اُس کی ضرورت صرف ایک ہے وہ یہ کہ احیاء (زندہوں) میں سے کسی کو اپنا مینوع بنائے کیونکہ بدون احیاء سے تعلق رکھنے اور اُس کی صحبت کے نرا کتابی علم بھی کافی نہیں۔ اکثر اہل علم کو بھی ٹھوکریں کھاتے دیکھا ہے اور جب خود ہی حقیقت کو نہیں سمجھتے تو دوسروں کی کیا مہربانی کریں گے..... ایک موقع پر ارشاد فرمایا۔۔۔ کہ اب تو ایسے بھی لوگ علماء سے بدظن ہیں اب تو بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں معمر حسین کو اور عمر افسانہ کو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھتا ہوں۔ بڑا دلدادہ پیر صرف کرنے پر بھی یہ بات نصیب نہ ہوتی جو یہ لوگ مفت میں کہتے ہیں گو ان کی نیت ابھی نہ ہو مگر کچھ کو تو اپنے ملاقات سے آگاہی ہو جاتی ہے۔۔۔ اللہ کا شکر ہے کہ مخالف سے وہ کام لے رہے ہیں جو بعض اوقات اپنے نہیں کر سکتے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ۔۔۔ ہمارے حضرات میں یہ ایک خاص بات تھی کہ وہ جامع مراتب اہتمام تھے۔ نہ تنکیر تھے نہ نفع کے متواضع۔ سادگی کے ساتھ ان میں استقامت کی شان تھی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب (نانا توی) رحمۃ اللہ علیہ کسی دینی ضرورت سے ایک مرتبہ یا مسرت و آرام پر تشریف لے گئے۔ نواب صاحب (نواب کلب علی خان مرحوم) کو کسی ذریعے سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا تشریف لائے ہیں۔ نواب صاحب نے مولانا سے ملاقات کے لیے تشریف لانے کی فرمائش کی مگر مولانا تشریف نہیں لے گئے اور یہ عہد فرمایا کہ ہم دیہات کے رہنے والے ہیں اور ادب شاہی سے ناواقف۔ نہ معلوم ہم سے کیا گڑبڑ ہو جائے جو ادب شاہی کے خلاف ہو اس لیے مناسب نہیں۔ نواب صاحب نے جواب میں کہلا کر بھیجا آپ تشریف لائیں۔ آپ سے آداب کن چاہتا ہے ہم خود آپ کا ادب کریں گے، ملنے کا بہت اشتیاق ہے۔ مولانا نے پہلے تو انکار کیا کہ جواب دیا تھا جب اُس پر اصرار ہوا پھر غلطی سے جواب کہلا کر بھیجا کہ عجیب بات ہے کہ اشتیاق تو آپ کو اور آدمی میں غرضیکہ مولانا تشریف نہیں لے گئے۔ اور باوجود اس قطری آواز کی آمد استغفار کے آدمی میں دوسرا رنگ ظاہر ہوا۔ مجسٹریٹ کے بلانے پر ملنے سے انکار نہیں کیا اُس کا قصہ یہ ہے کہ رُک کی میں (پنڈت) دیانند نے حضرت سے مناظرے کا اعلان کیا۔ حضرت مولانا

کو اطلاع ہوئی۔ آپ اُس زمانے میں ضیقِ انفس سے سخت علیل تھے مگر باوجود اس کے رُڈ کی تشریف لے گئے اور بھی چند حضرات ہمراہی میں تھے۔ آپ نے سب سے فرمایا کہ کھانا سب بازار میں کھائیں کسی پر بار نہ ڈالیں وہاں کے مجسٹریٹ کو تشریف آوری کی خبر پہنچی سنتے ہی اُدل یہ کہا کہ ایسے ہی دوستیاں کھانے والے مولوی ہوں گے۔ لوگوں نے واقعہ بازار سے کھانا کھانے کا بیان کیا تب اُس کے دل میں قدر ہوئی اُس نے مولانا سے تشریف آوری کی درخواست کی۔ یہ مولانا کی عادت کے باطل تھا تھی۔ مولانا دُنیا کے بڑے لوگوں سے ملنے نہ تھے حتیٰ کہ نواب صاحب (رام پور) سے ملاقات نہیں کی مگر مجسٹریٹ سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے۔ یہاں مصلحت دین کو اپنی نظری عادت پر مقدم فرمایا اور وہ مصلحت کھانے سے معلوم ہو گئی۔ اُس نے رُڈ کی آنے کی وجہ دریافت کی مولانا نے فرمایا کہ (پنڈت) دیانند دعوتِ مناظرہ دیتے پھر نہ تھے۔ اُن سے مناظرے کے لیے آیا ہوں اور جب میں آگیا تو وہ اکھاڑتے ہیں مجسٹریٹ نے کہا ہم اُن کو بلائیں گے غرض کہ (پنڈت) دیانند کو بلایا اُدلیافت کیا کہ مناظرہ کیوں نہیں کرتے۔ (پنڈت) دیانند نے کہا کہ فساد کا خون ہے مجسٹریٹ نے کہا کہ فساد کا تو خون عت کر دے فساد کے ہم ذمہ دار ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ اگر مجمع میں فساد کا اندیشہ ہے تو اس وقت مجمع نہیں آپ ہی۔ (پنڈت) دیانند نے کہا اس وقت تو میں اس ارادے سے نہیں آیا۔ مولانا نے فرمایا کہ ارادہ تو فیضِ اختیار ہی ہے۔ اب ارادہ کر لو۔ مگر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے۔ یہ شان ہے ہمارے بزرگوں کی۔ نہ بیکر کا باوجود مصلحت کے مجسٹریٹ سے نہ ملیں اور نہ بدل کہ خواہ مخواہ نواب صاحب کی ملاقات کو سببِ عزت اور فخر کا سمجھیں۔ ان حضرات کی نظر میں مقصود اصلی دین ہی تھا دین کی وجہ سے تو مجسٹریٹ سے مل لیے اور دنیا کی وجہ سے بڑے بڑے نواب کو بھی ہنڈ نہ لگایا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں بڑے بڑے لوگ ٹوٹے اور غبارِ کھرب بوریوں پر اکڑ بیٹھتے تھے اور اُن میں جو دین کے لیے آتے اُن کی رعایت بھی ہوتی تھی۔

میں جب حیدر آباد دکن گیا تھا۔ ایک دوست نے مدعو کیا تھا۔ (اس وقت) دیوبند میں بعض اصحاب اہل علم سے میں نے مشورہ کیا تھا کہ کوئی ایسی تدبیر متلاشے کہ نواب صاحب (نواب عثمان علیخان مرحوم نظام دکن) سے ملاقات نہ ہو تاکہ کوئی تدبیر کا فی معلوم نہیں ہو جی۔ پھر

حیدر آباد پہنچ کر بعض اُمرائے اس کا اہتمام کرنا چاہا کہ نواب صاحب سے ملاقات ہو میں نے انکار کر دیا کہ اُن کو تو کچھ نفع نہیں (ہوگا) اس لیے کہ میں کھل کر ان کو خطاب نہیں کر سکتا اور دب کر خطاب کرنے سے اثر نہیں ہوتا اور عوام کو نصرت ہی نصرت ہے اُن کو (اُمرائے ملاقات کمنے کی وجہ سے علمائے بزرگمانی ہو جاتی ہے۔ غرض ان اُمرائے مل کر دین کا نقصان ہی ہوتا ہے ہاں اگر وہ تواضع اور خلوص کے ساتھ طالب ہوں تو پھر نفع بھی ہو سکتا ہے اور جب اُن کی طلب نہ ہو تو وہ سمجھتے ہیں کہ جو چیز ہمارے پاس ہے یہ اُس کے طالب ہیں تو پھر اگر وہ تحقیر کا بُراؤ کریں تو اُن کی شکایت نہیں۔ اس لیے کہ طالب دنیا کے ساتھ ایسا بُراؤ کیا ہی جاتا ہے۔

ہمارے بزرگوں کا بھلائی پر زور رہا ہے کہ بے غرضی کی وجہ سے بات صاف، معاملہ صاف، کوئی چھوٹا ہوا یا بڑا دین کی وجہ سے سب یکساں تعلق اور دنیا کی وجہ سے کسی کی حرمت نظر بھی اٹھا کر نہ دیکھتے تھے۔

ایک موقع پر فرمایا۔ میں تو جب کسی کو بناؤ سناؤ سے رہتا ہوا دیکھتا ہوں تو سمجھ جاتا ہوں کہ یہ شخص کمال سے کورا ہے۔ اس لیے فضول میں مبتلا ہے نیز صاحب کمال کو ظاہر کے سنواؤ نے کی ضرورت بھی نہیں کسی نے خوب کہا ہے۔

بناشد الہی باطن درپے آرائش ظاہر
بقاش احتیاجے نیت دیوارِ گلستانِ را

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اشارۃً ہماری طرف کے علماء میں بناوٹ نہیں اور طرف کے علماء اور مشائخ تو سلاطین کی طرح رہتے ہیں۔ یہاں پر بیحد سادگی ہے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ ایک مرتبہ حدیث کا درس فرما رہے تھے صحن میں۔ بارش آگئی تمام طلباء کتابیں لے کر مکان کی طرف کو بھاگے۔ حضرت مولانا سب کی جوتیاں جمع کر رہے تھے اور اٹھا کر چلنے کا ارادہ تھا جو لوگوں نے دیکھ لیا۔ سبحان اللہ ان حضرات میں نفس کا تو شائبہ نہیں تھا۔ نہایت سادگی اور بے نفسی تھی۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک لوبانہ نے دعوت کی۔ اتفاق سے کھانے کے وقت تک زور کی بارش ہوتی رہی وہ سمجھا کہ ایسے میں کیا تشریف لائیں گے اس لیے نہ (مولانا کے لیے) کھانا پکوا یا نہ وہ بلائے آیا۔ مولانا شام

لگیں گے۔

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ درس و تدریس متعارف، مقصود کا نقد ہیں اور اصل مقصود تبلیغ ہے۔ آج کل بڑی کوتاہی ہو رہی ہے کہ درس و تدریس کو اصل سمجھ لیا اور اس کوتاہی اور غلطی کی بدولت اکثر علما کو جو تبلیغ نہیں کرتے ایک بہت بڑی فضیلت سے محروم ہو گئی۔
حضرات انبیاء کا درس ہی تبلیغ تھا۔ بعد فراغ (د تحصیل علوم) تدریس علوم اور تبلیغ دونوں کے حقوق ادا کرنا چاہئیں۔

کی طرف متوجہ ہو کر دوسرے سے غفلت کرنا یہ عظیم کوتاہی ہے۔ علما کو اس طرف ضرور توجہ کرنا چاہیے کہ وہ اپنا وقت تبلیغ میں بھی صرف کیا کریں۔ ایک سہل اور بہتر صورت یہ (بھی) ہے کہ مدارس کی طرف سے کچھ مبلغ (مستقل طور پر) مقرر کر دیے جائیں۔ آج کل مدارس میں اس کی بڑی کمی ہے۔ پڑھانے میں جس قدر مشغولی ہے تبلیغ کی طرف مطلق توجہ نہیں ہے۔ جس قدر وقت اس (پڑھانے) میں صرف کرتے ہیں تبلیغ میں اس کا نصف حصہ بھی خرچ نہیں کرتے۔

ایک مجلس میں فرمایا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک طلبہ معلّم نے دعوت کی۔ فرمایا اس شرط سے قبول کرتا ہوں کہ جو کھا اٹھے میں تمہارا تقرب ہے اسی میں سے کھلاؤ بکھیرا نہ کرو۔

قاسم معلوم حضرت مولانا توی کے سفر و رُک کی تذکرہ اجمالی طور پر ایک مجلس میں ان الفاظ میں فرمایا۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا گڑ کی دیاتندہ سڑتی سے مناظرے کے لیے تشریف لے گئے اور بھی چند لوگ ہمراہ تھے۔ مولانا نے سب سے کہہ دیا کہ اپنے بھروسے پر چلنا دعوتوں کے بھروسے نہ چلنا سب کو کھانا بازار سے کھانا ہو گا۔ رُک کی پوچھ کر نہ خود کسی کی دعوت کھائی نہ دوسروں کو کھانے دی۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہاں پر (تھانہ بھون) کثرت سے لوگ آتے ہیں اور ہر شخص کی مختلف طبیعت (ہوتی ہے) مثلاً پچاس آئے اب میں پچاس کا کھیسے اتباع کر سکتا ہوں۔ ہاں وہ پچاس میرا اتباع کر سکتے ہیں اور میں تو اپنا اتباع بھی نہیں چاہتا۔ اصول صحیحہ کا اتباع چاہتا ہوں۔ ان اصول صحیحہ کا تم بھی اتباع کر دے میں بھی اتباع کر دو۔ نہ تم میرا اتباع کر دو۔

نہ میں تمہارا اتباع کروں۔

ایک سلسلہ گھنگو میں فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ بن تو دنیا سے رخصت ہو چکا مگر کچھ حافظہ باقی ہے اور وہ بھی نابیناؤں میں۔

ایک موقع پر فرمایا۔۔۔ دو چادر کتابیں اصل یا ترجمہ پڑھ کر تبخیر کا دعویٰ بھی ایک معمولی بات رہ گئی ہے اس پر ایک لطیفہ یاد آیا، میرے ایک دوست مولوی صاحب کہتے تھے کہ تبخیر کی دو قسمیں ہیں، ایک گدہ تبخیر ایک پھیلی تبخیر۔ گدہ تو سمندر کی سطح کے اوپر اور پتیرا ہے مگر اس کو اندر کا یعنی عین کا کچھ حال نہیں معلوم ہوتا اور پھیلی عین میں پہنچتی ہے۔ تو آج کل کے تبخیر گدہ و متبخر ہیں اور پتیرا پھرتے ہیں اس کے کچھ خبر نہیں۔

فرمایا کہ۔۔۔ ہمارے بزرگ حالاکہ جان کالات تھے مگر سادگی اس قدر تھی کہ ان کلمات کا نام تک نہ تھا اور آج کل نہ کوئی ہنر ہے نہ کوئی کمال مگر اقاب دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہی اپنے زمانے کے سب کچھ ہیں۔

فرمایا۔۔۔ حضرت اُستادی مولانا محمد حسن دیوبندؒ جو مجسم اخلاق تھے، انہیں ان کی یہ رائے ہو چکی تھی کہ ایسے فکر و دل کو تھا نہ بھون بھونچا چاہیے وہیں ان کے دماغ درست ہوں گے۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ۔۔۔ علماء و مشائخ کو چاہیے کہ وہ ایسا طوفان اختیار کریں کہ

جس سے اہل دین اور دین کی بے وقعتی لوگوں کی نظروں میں پیدا ہو۔۔۔۔۔ اہل مدارس (اپنے) مدارس کی وجہ سے (لوگوں کی) زیادہ چالوسی کرتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ اگر ان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کیا تو یہ چندہ نہ دیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ خیال ہی غلط ہے کہ چندہ نہ دیں گے۔ دیں گے ضرور دیکھو

اس لیے کہ یہ تو حق تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ اگر خلوس ہے پھر خلوس تو تمہاری جوتیوں سے لپٹتے بھریں گے اور اگر دے ہی دیا مگر تم کو اور دین کو بے وقعتی کی نظر سے دیکھا تو ایسے چندوں کو لے کر کدو گئے کیا؟ کیونکہ جو مقصد تمہارا اس کا کہ دین اور اہل دین کی قلوب میں عظمت ہو، تبلیغ کا اثر ہو جب وہ حاصل نہ ہوا تو مدارس کو لے کر کیا چالو گے؟۔۔۔۔۔ مجھ کو تو ہمیشہ اس کا خیال رہتا ہے کہ دین اور اہل دین کی بے عظمتی اور بے وقعتی نہ ہو اور یہ کہ ہمیشہ مصارع وینوی پر مصارع دینی مقدم رہیں۔

ایک سلاٹنگھوس فرمایا کہ ایک مرتبہ میں اور حافظ احمد صاحب (صاحبزادہ حضرت قاسم علی مولانا ناتوٹی) مغرب میں ہمراہ تھے۔ لاہور کے اسٹیشن پر ٹول میں کھانا کھانے کا اتفاق ہوا۔ ملازموں نے میز کو سجا لگا دی اُس سے تشبہ کا خیال ہوا۔ میں نے حافظ صاحب سے کہا کیا مشورہ ہے؟ انھوں نے کہا کہ تشبہ کے خلاف، صورت اختیار کر دو۔ کسی پر پیر لٹکا کر مت بیٹھو اور ہاتھ میں کھانا لیکر کھاؤ، میز پر رکھ کر مت کھاؤ۔ اسی طرح کیا اور بھی تنکبران کا مجمع تھا وہ دیکھ رہے تھے..... اگر آدمی کو خیال اور فکر ہو تو حق تعالیٰ راہ نکال ہی دیتے ہیں۔ یہ اُس وقت ہے جبکہ ننگ دھار کو بالائے طاقت رکھو اور لا یغنا فون لؤمۃ لاشیر (نہیں ڈرتے ہیں وہ اللہ کے معاملے میں کسی طاقت کو نہ دے کی طاقت سے) پر عمل پیرا ہو اور جب تک یہ بات نہ ہوگی ہرگز نہیں چک سکتا ضرور مبتلا ہوگا۔ ننگ دھار کے باب میں تو سلمان کی یہ شان ہونی چاہیے۔

ما بیچ نہ ادا یم غسبم بیچ نہ ادا یم
دستار نہ ادا یم غسبم بیچ نہ ادا یم

ادریہ سب کچھ انسان محبت کے ساتھ کر سکتا ہے۔ بددن محبت کے ان قصوں سے نجات اور چھٹکارا دشوار ہے جب محبت ہوتی ہے تو محبوب کے خلاف، محبت کوئی حرکت نہیں کر سکتا جس ضرورت اس کی ہے کہ خدا (اور خدا کے رسول) کے ساتھ محبت پیدا کی جائے اور اُس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ اہل محبت کی صحبت میں رہے اور اُن کی تعلیم کا اتباع کرے انشاء اللہ تعالیٰ چند روز میں کچھ سے کچھ ہو جائے گا۔ اور حقیقت تو یہی ہے کہ اُن سے صحیح تعلق اور محبت پیدا ہو جانے کے بعد پھر کوئی دوسرا ننگ، دل میں جم نہیں سکتا۔

ایک موقع پر فرمایا۔ میں نے فلاں مدرسے والوں کو مشورہ دیا تھا کہ ایک دم

سب کے سب مدرسہ چھوڑ دیں یعنی مدرسہ کا کام بھینٹ دیں جن کا جی چاہے کام کرے اگر اُس وقت مدرسہ دے اس مشورے پر عمل کر لیتے اور مدرسہ چھوڑ دیتے تو یہ سارے فتنے دب جاتے۔ ایک دم شود و شغب بند ہو جاتا اور یہی مخالف لوگ مدرسہ والوں کی خوشامد کرتے کہ تم سب کچھ ہو اور تم ہی مدرسہ اپنے انتظام میں رکھو..... جب انسان ضد اور ہٹ پر اُتر آتا ہے تو پھر حق ناحق کچھ نظر میں نہیں رہتا اور میں اسی واسطے ہمیشہ اپنے دوستوں

کو مشورہ دیا کرتا ہوں کہ تم کسی لکھن میں مت پڑو۔ جہاں لکھن دیکھو ایک دم اُس کام کو چھوڑ کر الگ ہو جاؤ۔ انسان ہے نفس ہے نفسانیت اُسی جاتی ہے۔ اصل مقصود تو دین کی خدمت ہے یہاں پر نہیں کہیں اور سہی یہ کام نہ سہی اور کوئی دین کا کام سہی۔ ایک کام کو کیوں مقصود سمجھا جائے؟ مقصود تو دین کے ہر کام سے رضائے حق اور قربِ حق ہے وہ جس سے بھی حاصل ہو ہو جائے۔ نہ سہی مدرسہ گھر پر بیٹھ کر ایک دو طالب علم ہی کو سبق پڑھایا۔ یہ بھی تو دہی کام ہے مدرسہ نہ سہی مدرسی (چھوٹا سا مدرسہ) ہی سہی۔ رہا کثرتِ درس سو نیت بہت سے اسباق پڑھانے کی رکھو لیجئے مدرسہ ہی کا ثواب نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔ کام کم اور ثواب زیادہ۔ نقصان کیا ہوا۔ خواہ مخواہ قصے جھگڑے کہتے پھرتے ہو اور اداۃِ قصوں اور جھگڑوں سے ایک بہت بڑی چیز برباد ہوتی ہے جس کی ہمیشہ اہل اللہ اور خاصانِ حق سلفِ صالحین نے حفاظت کی ہے۔ وہ نیکوئی ہے اگر یک سوئی اپنے پاس ہے تو پھر چلے ایک ”سوئی“ بھی نہ ہو..... اور اگر مدرسہ پھوٹنے کی بہت نہ ہو تو ایک اور تدبیر بھی ہے ذہیب ہے کہ اگر چھ کو بالکل مدرسہ پر اختیارات ہوتے تو میں یہ کہنا کہ سب کو ایک دم نکال کر باہر کرتا۔ مخالف اور موافق کی امتیں قید نہ ہوتی۔ اور ایک دم مدرسہ پر تالے ڈال دیتا اور کتنا چلو لیجئے۔ ہم مدرسہ کو بند کرتے ہیں جب جی میں آئے گا کھولیں گے پھر اگر داخل ہونا اور مترضین جو اپنے کو مصطلحین کہتے ہیں مدرسہ کی اصلاح کے لیے چلے تھے مگر طریق کا وہ اختیار کیا کہ مدرسہ بنیاد ہی سے اکھڑ جائے۔ میں مدرسہ والوں کو فرشتہ نہیں سمجھتا میں نے مولوی حبیب الرحمن صاحب سے صاف کہہ دیا تھا کہ میں آپ کو فرشتہ نہیں سمجھتا کہ آپ کسی غلطی کا امکان نہیں بعض چیزوں میں مجھ کو آپ سے اختلاف ہے اور وہ چیزیں قابلِ اصلاح ہیں۔ ان لوگوں نے جو اصلاح کے نام سے طریق کار اختیار کیا یہ بھی بُرا ہی۔ میں دوسرا طریقہ اختیار کرتا کہ کام کرنے والوں کو ادب سے محبت سے رائے دیتا کیونکہ مجھ کو مدرسہ کے ساتھ بھروسہ دی ہے۔ مدرسہ کی ذات سے خیر خواہی ہے اس لیے کہ میرے بزرگوں کی بنیاد دانی ہوئی ہے اس لیے جس کی ذات سے بھی مدرسہ کو نقصان پہونچے گا اُس سے ضرور قلب میں رنج ہوگا اور ضرور اس سے شکایت پیدا ہوگی۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل اُستادوں کا ادب اور احترام بالکل ہی جاتا رہا

— تو ویسی ہی عالم میں خیر دیو کہتے رہ گئی — عادیۃً لہذا یہ ہے کہ استاد خوشی اور راضی نہ ہو تو علم نہیں آسکتا اور استاد ہی کی کیا تخصیص ہے اب وہ تو زمانہ ہے کہ نواب کا ادب نہ پیر کا ادب ہے اور اگر ہے بھی تو رسمی ادب ہے۔ باقی حقیقی ادب کا نام و نشان نہیں اور یہ بھی یاد رکھو کہ تعظیم کا نام ادب نہیں۔ ادب نام ہے راحت دہانی کا۔ (باقی)

BOMBAY ANDHRA TRANSPORT Co.

Transport Contractors

113, BHANDARI STREET (CHAKLA)

BOMBAY 3.

آپ حج کیسے کریں ؟

حج کے موضوع پر اردو میں بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن یہ کتاب جو دور اصل کو لاٹا افغانی اور نولہا سید ابوالحسن علی ندوی کی مشترک تالیف ہے، اپنی اس خصوصیت میں اب بھی ممتاز اور منفرد ہے کہ بہت آسان اور دلنشین انداز میں حج کا طریقہ اور اسکے احکام و مسائل کو بھی بتاتی ہے اور ذوق و شوق اور جذبہ بعثت بکھپاتا کرتی ہے جو حج و زیارت کی جان ہے۔ اس کے چھ ہی بندوں نے اس کتاب کو لکھا ہے کہ اور اس کی رہنمائی میں حج کیا جائے ان کا بیان ہے کہ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ماہر اور مخلص علم لدن صاحبِ دل مرشدِ باگھی پیر کو کر سکیں اور عاشقانہ حج کر لیں۔ آخر میں شوق انگیز اور

وہاں دیکھیں بھی شالہ دیکھیں قیمت مجلد ص ۲۱
آسان حج ایہ آسان زبان میں آپ حج کیسے کریں یہ سب کچھ سمجھانے کے لیے حضرت مکہ کیسے تشریف لائے اور نہایت ہی سادہ و سلیس انداز میں لکھا ہے۔
قرآن و حدیث سے حاصل ہونے والے احکام ہر ایک کے لیے ایک روشنی صفت عالم دین اور دین کو لاٹا شاہ رضا الدین صاحب نے جو حضرت شاہ ولی اللہ کے شاگرد تھے ۱۳۱ھ میں سفر حج کیا تھا ان کا یہ مفید رسالہ میں پورا پورا اقبال و قبول ہے۔
قابل دید سفر نامہ حج فائدہ مند زبان میں مفصل سے ہر دور اور ہر لمحہ کی تفصیلات اور احکام و مسائل کا احاطہ کرتا ہے۔
اہل علم اور اربابِ ذوق کے لیے خاص تحفہ قیمت روپے

کتب خانۃ الفرقان، کچہری روڈ لاہور

یحییٰ ابن آدم القرشی

(از حافظ محمد نعیم صاحب دی صدیقی رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ)

نام و نسب یحییٰ نام اور ابو زکریا کینت تھے۔ والد کا نام آدم اور جد امجد کا سلیمان تھا ابو قریش سے نسبت دلا رکھنے کی وجہ سے قرشی کہلاتے ہیں۔ ان کے والد آدم خالد بن خالد بن حماد بن الولید بن عقبہ بن ابی معیط کے غلام تھے۔ آدم بن سلیمان ممتاز اتباعین اور ثقافت راویوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

ولادت یحییٰ بن آدم کے سنہ پیدائش کی تعیین مشکل ہے۔ اس سلسلہ میں مذکورہ نویس بھی خاموش ہیں۔ لیکن بعض آثار و قیاسات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ کم و بیش ۱۲۰۰ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔ سب سے پہلے انھوں نے جن شیوخ سے سماع حاصل کیا وہ معمر بن کرام (متوفی ۱۵۳ھ) اور فطر بن خلیفہ (متوفی ۱۵۵ھ) ہیں۔ اور خود بھی کا ۲۰۳ھ میں انتقال ہوا۔ اور اغلب ہے کہ انھوں نے اس زمانہ کے عام دستور کے مطابق کم از کم ۱۶ سال کی عمر میں مذکورہ علماء کے سامنے زانوئے لنگر نہ کیا ہوگا۔ اس طرح وفات کے وقت ان کی عمر ۶۵ سال قرار پاتی ہے۔ اس کی تائید یعقوب بن شیبہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ لہ یکن لہ سن متقدم۔

۱۔ طبقات بن سعد ج ۶ ص ۲۸۱ ۲۔ المعادین لابن قتیبة ص ۲۲۵

۳۔ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۷۵

علمی اعتبار سے وہ ممتاز اتباع و تابعین میں شمار ہوتے تھے، جماعت تابعین میں انھیں **فَضْل و کمال** صرف عیسیٰ بن طہان سے فیضِ صحبت کا موقع نصیب ہوا تھا جنھوں نے مشہور صحابی رسول حضرت انس بن مالک کے دیدار سے اپنی دیدِ شوق کو ٹھنڈا کیا تھا۔ لیکن ان کے علاوہ انھوں نے وقت کے شاہرہ شیوخ سے بھی اکتسابِ علم کیا تھا۔ اس کے بعد پھر خود بھی علمِ وحی کے بلند مقام پر فائز ہوئے۔ حدیثِ فقہ اور قرأت میں انھیں یدِ طولی حاصل تھا۔ ابنِ حماد حنبلی رقمطراز ہیں:-

وكان اماماً علامة من المصنفين حافظاً ثقة فقيهاً من المتقين
 وہ اہل تصنیف، علماء اور ائمہ میں ممتاز تھے اور صاحبِ اتقان، حفاظ، ثقات اور تقوا میں تھے۔

حافظ ذہبی انھیں الامام الحبر اور علامہ خیر جی احد الاعلام لکھتے ہیں۔ علی بن المدینی کا قول ہے۔

بیرحمہ اللہ یحییٰ بن آدم ای خدا کی قسم بن آدم پر رحمت فرمائے کہنا
 علمہ کان عندہ! زیادہ ان کے پاس علم تھا!

جس عہد میں یحییٰ بن آدم نے اپنی زندگی کا پہلا سانس لیا اس وقت تابعین کے ام **عمر** کی لائی ہوئی ہڈیاں ختم ہو رہی تھیں اور ان کی جگہ اتباع تابعین کی تازہ دم جماعت درس و افادہ کی مجلسیں گرم کر رہی تھیں۔

انھوں نے اپنی ۶۵ سالہ زندگی میں عہد عباسی کے پانچ انقلابات کا شاہدہ کیا۔ ابو جعفر منصور، ہمدی، ہادی، ہادی، امین اور مامون نے ان ہی کے سامنے کیے بعد دیگرے دادِ حکمرانی دی لیکن انھوں نے اپنے کو حکومت اور اس کے مناصب سے ہمیشہ دور رکھا۔ عمر بھر صرف درس و تدریس اور تصنیف و تالیف ان کا شغل رہا۔ عہد مامونی کا شہرہ آفاق فتنہ

”خلق قرآن“ ان کی دفات سے کئی سال بعد پیش آیا اور خدائے انہیں اس کی آزمائش میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھا۔

اس عہد میں عیسیٰ بن سلمان تابسی کے علاوہ کبار علماء کی ایک بڑی جماعت علم و ہوشاد کی بساط بچھائے موجود تھی۔ ان کے معاصرین میں امام شافعی، عبد الرحمن بن ہمدانی، ابن القام نقیہ مصر، امام ابو داؤد، طیبی، واقدی، ہشام بن محمد، الصائب الکلبی اور دہب بن جریر جیسے مایہ صدفرا تاذہ دنیائے علم و فضل میں چراغ افلاک کیے ہوئے تھے۔

یہی بن آدم کو قرأت قرآن میں بھی دسترس تھی، اس فن کی تحصیل انہوں نے **قرآن** اسماعیل بن عیاش اور حمزہ بن حبیب الزیاتی کے کی تھی جو اپنے زمانہ میں علم قرأت کے ماہرین تسلیم کیے جاتے تھے، بالخصوص نوثر اللہ کہ شہادہ تراویح میں ہوتا ہوا وہ بھی کے بنیادی اساتذہ میں تھے۔

ان کا حقیقی جولا نگاہ حدیث تھی۔ اس فن میں ان کا اتفاق مسلم تھا۔ انہی محققین **حدیث** اور علمائے ہرج و مرج نے حدیث میں بالاتفاق ان کی ثقاہت و عدالت کی شہادت دی ہے۔ اس فن میں ان کو منتخب روزگار شیوخ سے ملز حاصل تھا۔ وہ چونکہ وقت کی سیاست اور اعلیٰ مناصب سے کنارہ کش رہ کر تاحیات فانی العلم رہے۔ اس بنا پر ان کے شیوخ و اساتذہ کی فہرست بہت طویل ہے جن میں سے بیشتر آسمان علم کے نابزہ تارے تھے۔ اس کا اندازہ ذیل میں مندرج چند ہی ممتاز ناموں سے ہو سکتا ہے۔

فطربن خلیفہ، معربن کدام، اسرائیل بن یونس، سفیان ثوری، یونس بن ابی اسحاق، جریر بن حازم، عیسیٰ بن سلمان، حسن بن صالح، زہیر بن معادیہ، فضیل بن عروذ، دہب بن خالد، ابی بکر بن عیاش، جعفر بن زیاد الاحمر، حماد بن سلمہ، ابوالاحوص، عمار بن الذلق، محمد بن طلحہ، مفضل بن ہبل، مند بن علی العنزی، یزید بن ابراہیم التستری، یونس بن یزید، حمزہ بن حبیب الزیاتی، قطبہ بن عبد العزیز، الکلب بن عقیل، فضیل بن عیاض، دحمان بن ابرار،

اسی طرح ان سے سفید ہونے والے تشنگان علم کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے چونکہ عبدالمونی میں تعلیم و تعلم کا ایک عام ذوق اور ہر طرف چڑچاہ تھا۔ اس لیے ملک کا ہر قرینہ اور ہر منصبہ شیوخ و تلامذہ سے سمور تھا۔ چنانچہ جس طرح یحییٰ بن آدم نے کثیر التعداد علماء سے اپنی دنیا کے علم کو آباد کیا تھا۔ اسی طرح خود ان کی شیعہ علم کے گرد پردانوں کا ہجوم رہا کرتا تھا۔

نامور تلامذہ میں یحییٰ بن معین، عبید بن یعیش، احمد بن ابی رجا، الہدی، احمد بن عمر الکحی، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، حسن بن علی الخلال، ابو یوسف بن ابی شیبہ، عبد اللہ بن محمد السنذی، محمود بن غیلان، المروزی، ابوالکریم محمد بن العلاء سہرانی، عثمان بن ابی شیبہ، عبد بن عبد اللہ الصغار، عباس بن حسین القطری، محمد بن داؤد، اور یارون بن عبد الحکام لائق ذکر ہیں۔

اس عہد سعید تک تقلید شخصی کا رواج نہیں ہو سکا تھا، بلکہ حفاظ حدیث اور اسلمک | ائمہ رائے اپنے اجتہاد کے مطابق مسلک اختیار کرتے تھے، یعنی اپنی مذہب نگاہی سے وہ کتاب و سنت میں غور و فکر کرتے اور اسی کے مطابق عمل پیرا ہوتے۔ اسی بنا پر علمائے سلف میں اختلاف فکر و نظر کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں جس کی اساتذہ گرامی ایک ہی مسئلہ میں مختلف المائے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ یحییٰ بن آدم صاحب ابی حنفیہ امام محمد بن حنفیہ ثبانی سے روایت کرتے ہیں۔ لیکن یحییٰ کے استاد حسن بن صالح انھیں سخت ناپسند کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس عہد کے عام شیوخ کی طرح ابن آدم بھی مجتہد تھے۔

ان کی جامعیت، ثقاہت و عدالت اور علم و فضل کا اعتراف بکثرت اعتراف علماء | علماء اور ماہرین فن نے کیا ہے۔ ابن سعد رقمطراز ہیں کان ثقة امام ابو داؤد کا قول ہے "یحییٰ بن آدم واحد الناس علی فراتے ہیں۔

کان ثقة جامعاً للعلم عاقلاً وہ نقد اور جامع العلم صاحب فہم اور

۱۔ مقدمہ کتاب الخراج یحییٰ بن آدم ص ۱۱ خلاصہ تہذیب تہذیب الکمال ص ۱۱۱ ذکرہ الخلفاء

ص ۲۳ تہذیب الاسماء للنواری ج ۲ ص ۱۵۰ ۲۔ الطبقات الکبیر لابن سعد ج ۶ ص ۲۸۱

۳۔ شذرات الذہب ج ۲ ص ۸

حدیث میں ثبت رکھتے تھے۔

ثبتاً فی الحدیث

علی بن المدینی فرمایا کرتے تھے۔

یرحمہ اللہ یحییٰ بن آدم ای خدا بھی بن آدم پر رحمت نازل فرمائے۔ وہ
علم کان عندہ! کتنا علم رکھتے تھے!

ابو اسامہ کا قول ہے کہ میں نے جب بھی یحییٰ بن آدم کو دیکھا تو بے ساختہ مجھے امام شعبہ کی جاسادت یاد آگئی علاوہ ازیں ابن حبان، یحییٰ بن معین اور نسائی نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔

وہ مندرجہ نویس درس افادہ ہونے کے ساتھ صاحب لوح و قلم بھی تھے۔ تحقیق
تصنیفات نے ان کے اہل تصنیف ہونے کا ذکر نمایاں طور پر کیا ہے۔ امام نووی لکھتے ہیں۔

وہو من العلماء المصنفین۔ علامہ ذہبی و قحطانی کا صاحب التصانیف
ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ایک سے زائد متعدد کتابیں تصنیف کیں، ابن
ندیم نے ان کی تین کتابوں کے نام شمار کرائے ہیں۔

۱۔ کتاب الفرائض

۲۔ کتاب الخراج

۳۔ کتاب الزوال

لیکن ان میں سے کتاب الخراج کے علاوہ آج کسی کتاب کا بھی جو ذہنی، حتمی کہ صاقط
ذہبی اور صاحب المعجم جیسے باخبر محققین نے بھی صرف اسی ایک تصنیف کا ذکر کیا ہے۔

خراج کے موضوع پر گذشتہ زمانہ میں بکثرت کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، صاحب
کتاب الخراج خلیفہ اور ابن ندیم نے تفرق طور پر میں سے زائد کتابوں کی نشاندہی کی ہے

لیکن ان میں سے بیشتر آج ناپید ہیں۔ صرف امام ابو یوسف، یحییٰ بن آدم اور قدامہ بن جعفر کی
یہ شرف حاصل ہے کہ اس موضوع پر ان کی مصنفہ کتابیں حیات جادواں سے پہنچا رہیں۔

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۷۵ ۲۔ ایضاً ۳۔ تہذیب الاسماء واللغات ج ۲ ص ۱۵۰

۴۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۲۰ ۵۔ الفہرست لابن ندیم صاحب

بلاشبہ یہ نینوں ہی کتابیں اپنے اپنے طرز پر بے نظیر ہیں گو کہ کتاب الخراج الابیوسف بعض امثالہ کی بنا پر خصوصی اہمیت و عظمت کا حامل ہے تاہم ابن آدم کی کتاب الخراج بھی اپنے طرز پر منفرد اور اچھی اس کتاب میں انھوں نے ۳۷۲ عنوانات کے تحت خراج کے مختلف مسائل سے متعلق احادیث و آثار کو اپنی سند کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ مزید برآں ان آثار پر فقہانہ غور و فکر کے بعد استنباط مسائل و اجتہاد سے کام لیا ہے، یہ کتاب امام ابو یوسف کی کتاب الخراج سے مختصر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابن آدم کی کتاب صرف ایک علمی تصنیف ہے۔ اس لیے انھوں نے عشر ذکوۃ، ہزیرہ خراج، غنیمت دینے، اور زمین کے متعلق ہی مسائل بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے لیکن قاضی ابو یوسف نے اپنی کتاب ایک اسلامی فرارزاد کے حکم کی تعمیل میں اور ایک اعلیٰ منصب پر فائز ہو کر لکھی تھی اس لیے اس میں مذکورہ بالا احمد کے علاوہ بہت سے دوسرے مالی اور انتظامی امور کا بھی ذکر آ گیا ہے۔ اور اس میں خلیفہ المسلمین کے سامنے بعض علمی تجاویز اور قانونی مشورے بھی پیش کیے گئے ہیں۔ ان ہی وجوہ کی بنا پر قاضی ابو یوسف کی کتاب بہت ضخیم ہو گئی ہے۔

یہ کتاب سب سے پہلے جوینبول (W. Juynebol) کی تحقیق و تفسیر کے ساتھ لیڈن سے ۱۸۹۶ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد مطبعہ سلطیہ قاہرہ نے احمد محمد شاہ مرحوم کی تصحیح و تصحیح کے ساتھ ۱۹۲۹ء میں اسے شائع کیا۔ یہ ادیشن بعض بہت ہی مفید حواشی اور آخر میں متعدد نوٹس (اشارے) پر مشتمل ہے۔ اور اب یہی نسخہ عام ہے۔

ماون الرشید کے عہد حکومت میں ۱۵۵ھ رجب الاول ۳۲۰ء کو بمقام فہم المصلح رحلت دفات فرمائی تھی۔ ماون کے وزیر حسن بن سہل نے نماز جنازہ پڑھائی۔ تھ

دین میں حدیث و سنت کا مقام

مولانا تقی الدین ندوی مظاہری استاذ حدیث
فلاح دارین (ترکیب)

(۲)

کتابت حدیث | اس حدیث کی تشریحی حیثیت کا انکار کرنے والے ایک دلیل یہ لاتے ہیں کہ حدیث کرنے کی خود آپ نے ممانعت فرمائی تھی جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث ہے۔

لا تکتبوا عنی و من کتب	میرے اقوال لکھانہ کو ممانعت ہے
عنی غیر القرآن فلیحہ	قرآن کے سوا کچھ لکھا ہے وہ اسے
وحدثوا عنی و لا حرج	دے، ہاں مجھ سے حدیثیں بیان کرو،
و من کذب علی متعمدا	اس میں کچھ حرج نہیں، لیکن جس نے
فلیتبعہ أمقعدة من النار	تعلق قصداً جھوٹ بولا اسے پاب ہے کہ

اپنا ٹھکانا جہنم بنائے

اس روایت کے سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ امام بخاری وغیرہ متعدد ائمہ حدیث کو اس میں کلام ہے، ان کی تحقیق میں یہ حدیث مرفوع یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

صحیح مسلم باب التثبت فی الحدیث جلد اول

نہیں ہے، بلکہ دراصل یہ صحابی رسول ابو سعید خدریؓ کا قول تھا جس کو نیچے کے کسی راوی نے وہم اور سہو سے بطور حدیث مرفوع ابو سعید خدریؓ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر دیا اور آگے اس کی روایت اس طرح چل پڑی کہ لیکن اس کو حدیث مرفوع مان لینے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ اس میں کتابت کی ممانعت سے جو یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ آپؐ کا منشا مبادک اس سے یہ تھا کہ مسلمان اپنی دینی زندگی میں آپؐ کی حدیثوں سے مستفید نہ ہوں، بلکہ صرف کلام اللہ پر انحصار کریں، اس کی تردید خود اسی حدیث کے الفاظ میں موجود ہے کہ

وحد ثوا عنی ولا حرج
ومن کذب علی متعمدا
فلیتبوا مقعده من النار

ہاں میری حدیثیں مذہبانی بیان کر دو، اس میں
کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور جس نے قصداً
میری طرف بھوٹی بات کو منسوب کیا اس کا

ٹھکانا جہنم ہے۔

حدیث کے اس آخری جز سے صاف معلوم ہوا کہ صرف لکھنے کی ممانعت کی گئی تھی نہ بانی بیان کرنے کی امانت تھی اور اجازت ہی نہیں بلکہ ترغیب و تاکید بھی فرمائی گئی تھی سچے الوداع کے موقع پر مٹی کے میدان میں ایک لاکھ سے زائد آپؐ پر ایمان لانے والوں کا مجمع ہے، سب کا مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

نضر الله عبداً سمح
مقالتی فوعاها شمر آدھا
الی من لم یسمعها

شاہد کہے اللہ اپنے اس بندے کو جس
نے میری بات سنی، پھر اُسے یاد رکھا اور
جس نے نہیں سنا ہے، اس تک پہنچا دیا۔

اور یہ جزئی تاکید فرمائی جاتی ہے کہ الا فلیبلغ الشاهد الغائب یعنی ہر حاضر کا فرض ہے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اُسے غائب تک پہنچا دے۔
حقیقت یہ ہے کہ کتابت حدیث کی ممانعت دنیٰ اور عارضی تھی اور اہل میں دو مصلحتیں تھیں۔ ایک یہ کہ شرع شروع میں جب کہ لوگ قرآن کے اسلوب بیان سے اچھی

طرح آشنا نہیں ہوئے تھے۔ کتابت حدیث کی صورت میں اس امر کا اندیشہ تھا کہ دونوں کو خلط ملط نہ کر دیں۔ دوسرے یہ کہ دین کے ان دونوں سرچشموں (کتاب اور سنت) کے مرتبہ میں ان سے پیدا ہونے والے احکام و مطالبات میں جو قابل لحاظ فرق تھا، حضور اس طرح عمل سے اس کو امت کے ذہن نشین کرادینا چاہتے تھے۔

قرآن مجید جو دین کی تمام بنیادی تعلیمات پر مشتمل اور جملہ عقائد احکام کے متعلق کلی ہدایات کا حامل ہے، اس کا لفظ لفظ لوگوں نے زبانی یاد کیا، مزید احتیاط کے لیے معتبر کتابوں سے خود اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لکھوایا۔ ”حدیث شریف“ جو شرع اسلامی کی تمام اعتقادی و عملی تفصیلات پر حاوی ہے، اس کا تولی حصہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی قومی عادات اور رواج کے مطابق اسے اس سے بھی زیادہ اہتمام و احتیاط کے ساتھ اپنے حافظے میں محفوظ کیا، جس اہتمام سے وہ اپنے خطیبوں کے خطبے یا اشعاروں کے قصیدے اور حکماء کے مقولے یاد رکھا کرتے تھے، اور اس کے عملی حصہ پر فوراً عمل شروع کر دیا گیا اور تعال کے ذریعہ بھی محفوظ ہو گیا۔ عملی چیزیں لکھوانے کی بہ نسبت عملی طور پر کہہ دکھلانے اور اس کے مطابق لوگوں کو عمل کرانے سے زیادہ ذہن نشین ہوتی ہیں، اس لیے آپ نے ان کے بارے میں یہی طریقہ اختیار فرمایا، خصوصاً جن چیزوں کو آپ تعال اور تورات کی راہ سے امت میں منتقل کرنا چاہتے تھے ان کے بارے میں خصوصیت سے اس کا اہتمام فرمایا۔ مثلاً نماز کے بارے میں آپ نے ہدایت فرمائی۔

صلوا کما رآیتونی اصلی (صحیحین) جس طرح مجھے نماز پڑھنے دیکھو، اسی طرح تم بھی نماز پڑھو، اور حجۃ الوداع میں نبی جہاد کرتے ہوئے فرمایا:

لتأخذوا عني مناسككم فاني لا ادري لعلی لا اجمع بعد حجتي
بہ نہیں شاید میں اس حج کے بعد دوسرا حج نہ کر سکوں۔ (صحیح مسلم)

لیکن بعد کہ جب قرآن مجید کا کافی حصہ نازل ہو چکا، اور عام طور پر لوگ قرآن کے ذوق آشنا ہو گئے، اور اس بات کا اندیشہ جاتا رہا کہ ”کلام الہی“ کے ساتھ حدیث کے الفاظ

لی جائیں گے تو پھر کتابت حدیث کی اجازت دے دی گئی۔

(۱) جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں بیٹھتے، آپ کی باتیں سنتے اور بہت پسند کرتے، مگر یاد نہ رکھ پاتے، آخر انھوں نے اپنی یادداشت کی خرابی کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی کہ یا رسول اللہ میں آپ سے حدیث سنتا ہوں، مگر میں اسے یاد نہیں رکھ سکتا۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ "استعن بيمينك" اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو، اور اپنے دست مبارک سے لکھنے کا اشارہ فرمایا۔ "واومأ للفظ" ۱۱

(۲) حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ میں نے ایک دن باگاہ نبوی میں عرض کی "انا نسمع منك اشیاء فنكتبها يا رسول الله" ہم آپ کی زبانی بہت سی باتیں سنتے ہیں، اور اس کو لکھ لیتے ہیں، تو اس کی نسبت کیا حکم ہے؟ اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لکھتے رہو اس میں کوئی سرچ نہیں ہے۔

(۳) جہاک صاحب مشرک نے حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ سے اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ "قيد والعلم بالكتاب" علم کو قید کتابت میں لے آؤ گے۔

اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ کتابت حدیث کی اجازت دی تھی، بلکہ بہت سے مواقع پر آپ کا لکھوانا اور اُلا کر انا بھی ثابت ہے۔ مختلف قبائل و افراد کے نام خطوط و تحریری احکام اور صلح نامے و دعوت نامے وغیرہ جو آپ نے وقتاً فوقتاً لکھواتے ہیں، انکی تعداد دیکڑوں سے متجاوز ہے، اس پر علمائے منتقل کتابیں لکھی ہیں۔

ان تمام باتوں کے باوجود یہ مسلم ہے، کہ قرآن مجید کی طرح حدیث کی کتابت میں زیادہ اہتمام و عرصیت کا رنگ نہیں دیا گیا، بلکہ انفرادی و شخصی طور پر لکھنے کی اجازت تھی، اسی

کے مطابق بہت سے حضرات نے لکھا 'یہ سببہ عمومیت اور اہتمام کے ساتھ عہد صحابہ کے آخر دور اور ہجرت تابعین و تبع تابعین کے دور میں چلا۔

مولانا الورشاد کشمیری کا ارشاد | قرآن اور حدیث کے معاملہ میں جو فرق دور رسالت میں رکھا گیا، شاہ صاحب اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

۲۔ اِنَّ جَمْعَ الْحَدِيثِ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَانْ كَانَ احْسَنَ فِي بَادِي الْمَرَايِ الْاِلَانِ الْمَرْضَى عِنْدَ ذَلِكِ اِنْ لَا تَدُوْنِ الْاِحَادِيْثَ مِثْلَ تَدْوِيْنِ الْقُرْآنِ وَلَا يَحْفَظُ حَفْظَهُ ۝

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اگرچہ حدیثیں جمع ہو جاتیں تو گو نگاہ ہر یہ زیادہ اچھی بات نظر آتی ہے، لیکن درحقیقت مناسب ہو تھا کہ حدیثوں کی تدوین اس وقت قرآن کی طرح نہ ہو اور ان کی حفاظت کا قرآن جیسا بندوبست نہ کیا جائے اور جو اہتمام قرآن کے بارے میں کیا گیا اُس پایہ کا اہتمام حدیث کے بارے میں نہ کیا جائے

اس کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ عام حدیثوں سے پیدا ہونے والے نتائج کی جو ثانوی حیثیت ہے، اس کے متعلق یہ سمجھنا صحیح نہ ہوگا کہ کسی اتفاقی حادثہ کا نتیجہ ہے، بلکہ شروع ہی سے اس کا ارادہ کیا گیا تھا کہ

لَا تَنْتَهِي فِي الْحَقْمِ نَهَائِيَّتَهُ وَلَا تَبْلُغُ فِي الْاَهْتِمَامِ بِالْفَاطِمَاتِ مَبْلَغَهَا بَلْ يَتَقَى فِي مَرْتَبَةِ ثَانِيَةِ عِشَى فِيهَا الْاِجْتِهَادُ وَتَخْصُ الْعُلَمَاءُ وَغَوْرُ الْفُقَهَاءِ وَبِحَثِّ الْمُعَدِّثِيْنَ

حدیث کا یہ سربراہیہ قطعی اور قطعی ہونے میں قرآن کے برابر نہ ہو جائے اور نہ اس کے ساتھ وہ سرگرمی دکھائی جائے جو قرآن کی تدوین میں دکھائی گئی، بلکہ تصدّد ارادۃ حدیثوں کے ساتھ ایسا طرز عمل اختیار کیا گیا (کہ قرآن کے مقابلہ میں،

ان کا درجہ دوسرا ہو گیا۔ ایسا دوسرا درجہ جسکی
درجہ سے ان کے متعلق علماء کے اجتہاد اور تحقیق
و تدقیق کی، فقہاء کی فکر و نظر اور حدیث کی
تلاش جستجو کی ان میں گنجائش پیدا ہو گئی۔

اور یہ کس لیے کیا گیا، شاہ صاحب اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ،
لیتفسح علیہم امر الدین و تاکم مسلمانوں پر ان کا دین زیادہ کشادہ ہو،
یتوسع علیہم من کل جانب اور ہر طرح سے ہلکیں اس باب میں انکو سیر جائیں۔

جن حدیثوں کی ذاتہ اہل اہل و قیام و قیام کے

انفرادی و شخصی طور پر کتابت حدیث کا راز | راستے سے اشاعت کی گئی، ان کے بابے
میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب یہ حدیثیں قطعی ہیں، تو کم از کم انھیں کی کتابت کا عمومی طور پر انتظام
کیا گیا ہوتا، مگر جیسا کہ ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ ان کے الفاظ منزل من الشریعہ ہیں، بلکہ ان
کے معانی اور مطالب کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب انور
پر انشاء ہوا ہے، اگر ان کی کتابت میں بھی عمومی رنگ اختیار کیا جاتا تو مذہب کے ساتھ جو
ایک جذباتی اور فطری تعلق ہوتا ہے اس کی بنا پر اندیشہ تھا کہ قرآن مجید جس کے الفاظ بھی وحی
الہی ہیں، ان سے التباس و اشتباہ پیدا ہو جائے، اسی لیے ان کی کتابت میں بھی وہی طریق
اختیار کیا گیا جو اخبار احواد کے لیے کیا گیا تھا، البتہ ان کی نشر و اشاعت میں عمومی طریق
اختیار کیا گیا،

قاضی ابوبکر جصاص لکھتے ہیں،

اس قسم کی خبر کے متعلق جائز نہ ہو گا کہ اس
کی عمومی نقل و اشاعت ترک کر دی جائے
اور ایک سے ایک ہی اس کی روایت کے
کیونکہ ان کو گوں کو اسکی نقل کا حکم دیا گیا ہے۔

”غیر جائز علیہما ترک النقل
والاقتصار علی ما یقلد الواحد
بعد الواحد لانہما مامورون
بنقلہ۔“

چنانچہ کتابت کے بارے میں کل حدیثوں کے ساتھ یکجا طرزِ عمل کے باوجود اشاعت و تبلیغ کے سلسلہ میں ان میں فرقِ مراتب قائم کیا گیا، اور اس روید کی داغ بیل خلفاء راشدین کے عہدِ مبارک ہی سے پڑ گئی تھی جسٹرشاہ ولی اللہ فاروق اعظمؒ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں

باستفادہ اتمام معلوم شد کہ
فاروق اعظمؒ نظر دقیق در تفریق
میان احادیث کہ بہ تبلیغ شرائع
و تکمیل انصار و بشر تعلق دارد
و غیر انہاں مصروف می ساختند
تلاش و تحقیق سے یہ بات بہت صاف طور
پر معلوم ہوتی ہے کہ فاروق اعظمؒ نے برابر
اس بات پر گہری نظر رکھی کہ حدیث کے دونوں
حصوں میں امتیاز دے، یعنی وہ حصہ جس کا شرائع
کی تبلیغ اور انسانی افراد کی تکمیل سے تعلق تھا،
اس میں دوسرے حصے کی نسبت زیادہ اہم

اختیار کیا جائے۔

بہر حال جب فرقِ مراتب قائم ہو گیا، اور القباس اور اشتباہ کا اندیشہ جتنا رہا تو خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز (المعتزلیؒ) کے ذریعہ حق تعالیٰ نے حکومت کی طرف سے عمومی طور پر باقاعدہ تدوین حدیث کا کام لیا۔

ایک مخالطہ یہ بھی دیا جاتا ہے کہ چند جزئی واقعات کے سوا عہدِ نبویؐ کا تحریری سرمایہ کتابت حدیث کا وجود عہدِ نبویؐ میں بہت کم پایا جاتا ہے، اور بیان حدیث کا زیادہ تر اعتماد صرف زبانی یاد کرنے پر رہا ہے، اور یہ واقعہ بھی ہے کہ محدثین اپنے طویل تجربوں کی بنیاد پر اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ کتابت کی نسبت زبانی یاد رکھنے میں صحت کی توقع زیادہ ہے، فقہ رجال کے شہور امام علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں۔

حافظ متقن احب الی من
اصل غیر متقن
حدیثوں کو زبانی یاد کرنے والا جس نے اتفاقاً
دیں الامیزی سے یاد کیا ہو مجھے حدیث کے
ایسے نسخے سے زیادہ محبوب اور پسند ہو جس

کے لکھنے میں زیادہ اتقان سے کام نہ لیا گیا ہو
لیکن راویان حدیث نے عہد نبوی اور اس کے بعد کی صدیوں میں ان دونوں ہی ذرائع کو
اختیار کیا ہے، تاکہ ایک کے نقص کی تلافی دوسرے ذریعہ سے ہو سکے۔
عہد نبوی و دوسرا صحابہؓ کے نوشتوں کی تفصیلی معلومات کے لیے ملاحظہ ہو ڈاکٹر حمید اللہ
صاحب کا مقدمہ جو انھوں نے صحیفہ ہمام ابن منبہؓ پر لکھا ہے۔

سر دست مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ حدیث نبوی کی اشاعت جس طرح تو اتر علی و روایت
دونوں ذریعوں سے سسل ہوتی رہی ہے، اسی طرح آج ہمارے پاس جو حدیث کا سرمایہ منتقل
ہو چکا ہے، اس کا غالب ترین حصہ دو نبوت میں قلمبند ہو چکا تھا، حاکم صاحب
مستدرک جو نقد روایت میں متاثر قرار دیے گئے ہیں، وہ اپنی تلاش و جستجو کے مطابق بیان کرتے
ہیں کہ اعلیٰ درجے کی صحیح حدیثوں کی تعداد تقریباً دس ہزار ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

”والاحادیث التي في الدرجة الاولى لا تبلغ عشرة آلاف“ (اعلیٰ درجے
کی صحیح حدیثوں کی تعداد دس ہزار تک نہیں ہو رہی پاتی)

اور ہر طرح کی روایات جو حائز درجہ اول، سنن و معاجم اور نوادر و سائل میں موجود ہیں،
ان کی مجموعی تعداد پچاس ہزار سے بھی کم ہے (۲) ان تمام کتابوں سے چھان بین کر جو تعداد
حاکم نے اعلیٰ درجے کی حدیثوں کی پیش کی ہے، اس کے ساتھ ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ کے اس
بیان کو بھی سامنے رکھئے کہ عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کو مجھ سے زیادہ حدیثیں اس لیے یاد تھیں کہ
وہ لکھ لیتے تھے اور میں نہ لکھتا تھا، محدثین لکھتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیثوں کی تعداد
پانچ ہزار تین سو چوبیس ہزار ہے، اس کا کھلا ہوا نتیجہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کی
حدیثوں کی تعداد یقیناً پانچ ہزار تین سو چوبیس ہزار سے زائد ہونی چاہیے جو قید تحریر میں آچکی تھیں،
حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کے علاوہ دیگر صحابہؓ کرام کے نوشتے اور خود اس حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے سیکڑوں احکامات و ہدایات جو آپؐ نے اطا کرائے، ان سب کی مجموعی تعداد اگر

جوڑی جائے تو اس میں شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ دس ہزار سے زیادہ حدیثیں دور نبویؐ اور
عہد صحابہؓ میں کتابی شکل اختیار کر چکی تھیں البتہ ایک شبہ یہاں یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جہاں
حفاظ حدیث کی روایات کی تعداد ذکر کی جاتی ہو وہاں ان کی تعداد بہت زیادہ بتائی گئی ہے
مثلاً کہا جاتا ہے کہ امام احمد بن حنبل کو سات لاکھ سے زیادہ قابل اعتماد حدیثوں کا حصہ محفوظ تھا۔
حافظ ابو ذر عدویؓ کی حدیثوں کی تعداد سات لاکھ بتائی گئی ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں
کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں، امام مسلم کا دعویٰ ہے کہ میں نے اپنی جامع
صحیح کو تین لاکھ حدیثوں سے منتخب کیا ہے۔

حافظ ابن جوزی ان سب چیزوں کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ان المراد بهذا
العدد الطرق لا المتون یعنی ان اعداد سے مراد حدیثوں کے متون نہیں بلکہ طرق و اسانید
مراد ہیں، مثلاً ایک ہی حدیث کو کسی شخص نے ایک شیخ کے دس شاگردوں سے روایت کیا تو محدثین کی اصطلاح
میں اس کے دس طرق ہو گئے اور یہ دس روایتیں ہو گئیں جیسے "انما الاعمال بالنیات" کی حدیث
سات سو طرق سے روایت کی گئی ہے اس لیے اس ایک حدیث کی روایات کی تعداد سات
سو ہو جاتی ہے، یہی حال اکثر و بیشتر حدیثوں کا ہے صحیح بخاریؒ کی غیر کم روایات کی تعداد
دو ہزار چھ سو دو اور صحیح مسلم کی چار ہزار ہے، ان دونوں کتابوں کی اکثر روایات میں اشتراک بھی پوپل
محدث جوزقی نے ان دونوں کتابوں کی احادیث کا استخراج دوسری کتب حدیث سے کیا تو ان کی
اسانید اور روایات کی تعداد پچیس ہزار چار سو اسی ہو گئی۔

اسی کیساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ صحابہؓ کرام کے اقوال و فتاویٰ بلکہ تابعینؒ کی تابعینؒ کے فتاویٰ
کو لوگوں نے حدیث کے تحت درج کر دیا ہے اس لیے احادیث و روایات کی تعداد قدرتی طور پر لاکھوں تک
پہنچ جاتی ہے۔

یہ حال مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اعلیٰ درجے کی احادیث عہد نبویؐ میں قید تحریر میں چکی تھیں البتہ
انکی نوعیت انفرادی رہی عہد صحابہؓ اور تابعینؒ کے دور میں اس سلسلہ کو بہت ترقی ہوئی جس پر بہت کچھ لکھا
جاسکا ہو اس لیے یہ کہنا کہ اکھو کا چند واقعات کے سوا کتابت حدیث کا ذکر نہ کرے اور کہیں نہیں ملتا ضرر
ناواقفیت کی بنیاد پر ہے۔

اسلامی تحقیق

اس کے معنی، مدعا اور دائرہ کار

(از ڈاکٹر رفیع الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی لٹ)

— (۳) —

ہمارے اسلامی تحقیق کے اداروں کے سامنے کرنے کا کام یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ صرف حقیقت کائنات کا صحیح تصدیقی کسی صحیح فلسفہ کی بنیاد بن سکتا ہے اور ایک فلسفی کے لیے اس کا ہونا یہاں تک ضروری ہے کہ اسکے بغیر اس کا سارا کام ناقص اور لغو اور بیکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فلسفی حقیقت کائنات کا یہ صحیح تصور کہاں سے لائے اور کیسے حاصل کرے۔ خدا نے فلسفی کی اس شدید ضرورت کا سامان کا رخاؤ قدرت کے اندر بلا کسی قیمت اور ایک گراں قدر عطیہ کے طور پر خود بخود مرحمت فرمایا ہے اور وہ نبی کامل صاحب قرآن جناب محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تصور حقیقت ہے جسے آپ کا ہر مخلص پیرو آپ کی محبت و اطاعت کے ذریعہ سے اپنا بنا سکتا ہے۔ ہمارے تمام اسلامی تحقیق کے اداروں کے سامنے کرنے کا اہم کام یہ ہے کہ وہ دنیا کے سامنے یہ ثابت کریں کہ کائنات کے طبیعیاتی، حیاتیاتی اور نفسیاتی طبقوں سے تعلق رکھنے والے تمام سائنسی حقائق صرف اس وجدانی تصور حقیقت کے ساتھ پوری پوری مطابقت رکھتے ہیں جو قرآن حکیم پیدا کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ غلط نظام ہائے حکمت یا فلسفے جو غیر مسلم کو اسلام

کی طرف آنے سے روکتے رہتے ہیں اور مسلمان معتقد کے اعتقاد کو خاموشی سے سلب کرتے رہتے ہیں۔ شکستہ ہو جائیں گے۔ سائنسی حقائق کی حمایت و تائید ان سے ہٹ کر اسلام کے لیے مہیا ہو جائے گی۔ لہذا یہ فلسفے یقیناً افروز نہیں رہیں گے اور بے اثر اور بے کار ہو جائیں گے اور ان کے بجائے ایک نیا صاف ستھرا صحیح، معقول اور مدلل فلسفہ جو کلیتہً اسلام کا موجد ہو گا بلکہ جو اسلام ہی کی ایک حکیمانہ اور سائنسی تشریح اور تفسیر ہو گا وجود میں آئے گا۔ یہ ہے وہ طریق جس سے ہم دورِ حاضر کے علم کو قرآن کی روشنی میں اخلاط سے پاک کر سکتے ہیں اور دنیا کے سامنے قطعی طور پر یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ صرف قرآن ہی کا عطا کیا ہوا تصورِ حقیقت صحیح ہے۔ اور یہی ہے وہ طریق جس سے ہم غیر مسلم کو اس کی معلوم اور مسلم صدائقوں یعنی سائنسی حقیقتوں سے استدلال کر کے اس کے نامعلوم حقائق یعنی قرآنِ حکیم کی صداقت کے یقین کی طرف لاسکتے ہیں۔ اور شک کرنے والے مسلمان کو کفر و الحاد سے بچا سکتے ہیں۔ اور پھر یہی ہے وہ طریق جس سے ہم اسلام کی وہ حکیمانہ اور سائنسی توجیہ وجود میں لاسکتے ہیں جس کے وجود میں آنے پر اس زمانے میں ہماری زندگی کا دار و مدار ہے۔

جبکہ اسلام کی سائنسی توجیہ جو بیک وقت انسان اور کائنات کی سائنسی توجیہ بھی ہوگی، فی الواقع وجود میں آجائے گی تو وہی ہمارے لیے انسانی اور اجتماعی علوم کی تشکیلِ جدید کی صحیح اساس بھی ہوگی۔ وہ ہمیں اس قابل بنائے گی کہ ہم مغربی حکماء کی اس کوشش میں کہ نام نہاد انسانی اور اجتماعی علوم کو سچ سچ کے علوم بنایا جائے ان کی رہنمائی کر سکیں۔ اس رہنمائی کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ کوشش اب تک کامیاب نہیں ہو سکی۔ اصل بات یہ ہے کہ جب تک ہمارے تحقیقِ اطلاعی کے ادارے نفیاتِ فرد اور نفیاتِ جماعت اور ریاست، اخلاق، تعلیم، فن، اقتصادیات، قانون اور تاریخ کے طفول کو از سر نو اسلام کے تصورِ حقیقت کی بنا پر اور اسلام کی ایک ہی ممکن سائنسی توجیہ کے اجنا اور عناصر کے طور پر مدون اور مرتب نہ کر لیں۔ یہ گناہِ گروہ ممکن نہ ہو گا کہ ان کا کام ابتدائی مرحلوں سے کچھ بھی آگے بڑھ سکا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام اس نوعیت کا ہے کہ ایک درجن حکماء کو کوئی سالوں تک مصروف رکھ سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ہمارے

تحقیق اسلامی کے اداروں کو جو کام درپیش ہے وہ کتنا وسیع و عریض ہے

ایک حیاتیاتی ضرورت | سائنسی توجہ مہیا کرنا مسلمانوں کی ایک حیاتیاتی ضرورت

ہے جس کو وہ صرف اپنی زندگی کی قیمت ادا کر کے ہی نظر انداز کر سکتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حملہ یا جارحانہ اقدام بہترین مدافعت ہے۔ یہ حقیقت جس طرح اس جنگ کی صورت میں درست ہے جو ایک ریاست کو فوجی محاذ پر لڑانی پڑتی ہے اسی طرح سے اس جنگ کی صورت میں بھی درست ہو جو اس کو نظریاتی محاذ پر لڑانی ہوتی ہے۔ اگر ہم بروقت اور اس سے پہلے کہ پانی سرسے گزر جائے اسلام کی مدافعت کے لیے دوسرے نظریات کے خلاف علمی اور نظریاتی جہاد کا محاذ نہ کھول سکیں تو ممکن ہے کہ پھر اسلام کی مدافعت کا کوئی سوال ہی باقی نہ رہے اور ہم دیکھیں کہ جس نظریہ حیات کی مدافعت کے لیے ہم آخر کار باہر نکل رہے ہیں وہ وہ نہیں جس کی مدافعت کے لیے ہمیں کل تک باہر نکلنے کے لیے کہا جاتا تھا۔ لیکن جب تک ہم اس طریق پر جس کی نشاندہی اوپر کی گئی ہے اسلام کی حکیمانہ اور سائنسی توجہ پیدا نہ کریں۔ ہم اس دور میں علمی اور نظریاتی جہاد کا محاذ نہیں کھول سکتے۔ کام کی فوری ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر ہمیں اپنے بہترین اور سب سے زیادہ زوردار داغوں کو اس کام پر لگانا چاہیے تاکہ یہ جلد از جلد اپنی تکمیل کے مرحلے طے کر لے۔ ہمیں چاہیے کہ ہر بائی جو میسر آ سکتی ہے اس کام پر لگا دیں۔ اور جو لوگ اس کام میں لگ جائیں وہ جب تک کام ختم نہ ہو جائے پوری تاند ہی کے ساتھ اس حکم میں مصروف رہیں۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ ہمیں مشرقی تحقیق اور میکانیکی اسلامی تحقیق کے کاموں کو کلیتہً بند کر دینا چاہیے۔ لیکن ہمیں یقیناً مشرقی تحقیق کے کام کو، خواہ ہم آئندہ اس کو کسی نام کے ساتھ جاری رکھنا پسند کریں، یونیورسٹیوں تک محدود کر دینا چاہیے تاکہ اسلامی تحقیق کے غلط اور فریبکارانہ لقب کے ساتھ جو درحقیقت جیلہ ساز دیسائیت نواز مشرقی ذہنوں کی پیداوار ہے۔ وہ ہمارے اسلامی تحقیق کے اداروں میں دخل انداز نہ ہو سکے۔

باقی رہا میکانیکی اسلامی تحقیق کا کام سوائے کلیتہً
میکانیکی اسلامی تحقیق کا مقام | اصلی اسلامی تحقیق کے کام کی ضرورتوں کے تحت

رہنا چاہیے اور فقط ان فضلا اور حکماء کی درخواست پر ہی انجام دینا چاہیے جو اصلی اسلامی تحقیق کے کام میں لگے ہوئے ہوں تاکہ ان کی ضروریات کو جو ان کے کام کے دوران میں وقتاً فوقتاً پیدا ہوتی رہیں پورا کر سکے۔ البتہ ہم کو میکائلی اسلامی تحقیق کے کام کی طرف اس وقت بھی رجوع کرنا پڑے گا جب ہم اپنی مقدس کتابوں یعنی قرآن اور حدیث کا یا ان کتابوں کا جو ان مقدس کتابوں کی حکمیاتی یا سائنسی توجہ پر مشتمل ہوں گی اسلام کی عالمگیر اشاعت کے لیے دنیا کی دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنے لگیں گے۔ لیکن یہ بات ہماری انتہائی کوتاہ نظری اور ذوقِ تقابل سے تھی دینی کا ثبوت ہوگی کہ ہم ایسے موقع پر بلا ضرورت میکائلی اسلامی تحقیق پر اپنا سارا وقت صرف کرتے رہیں جب کہ مقدس کتابوں پر خود ہمارا یقین ہی ختم ہو رہا ہو۔ اس کی مثال ویسی ہے جیسے کہ کوئی شخص ایک دینی ہوئی کشتی کے آخری پھرنی ٹھون میں کشتی کو بچانے کے بجائے کشتی کی آنے والی تباہی سے بے پروا ہو کر اس کے مسافروں کی صحیح تعداد اور ان کے کپڑوں کی رنگت اور ساخت کی جزئیات اور تفصیلات کو ضبط تحریر میں لانے کے لیے بڑی کاوش کرتا رہے یہاں تک کہ کشتی ڈوب جائے۔ قرآن حکیم کا ایک نہایت ہی عمدہ اشارہ یہ میکائلی اسلامی تحقیق کا کوئی ایسا ہی اور نتیجہ اس مسلمان کے لیے کسی کام کا نہیں جو اسلام پر اپنا یقین کھو چکا ہو اگرچہ اسے وجود میں لانے کے لیے سالہا سال کی محنت شاقہ بروئے کار لائی گئی ہو۔

بعض وقت کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی فوری اور شدید
مسلمانوں کی فوری ضرورت ضرورت یہ ہے کہ اسلام کے جدید قانونی نظام کی تشکیل کی جائے لیکن جب تک ہم اسلام کو ٹھیک طرح سے اور پوری طرح سے نہ سمجھ لیں ہم اسلام کے جدید قانونی نظام کی تشکیل کیسے کر سکتے ہیں اس وقت ٹھیکہ اسلام ہی کی مختلف توجہات کی جاری ہیں۔ لہذا ہمیں پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کون سا اسلام ہے جس سے ہم نے ایک نیا قانونی نظام اخذ کرنا ہے جب اسلام کی حکمیاتی اور سائنسی توجہ جو صرف ایک ہی ہو سکتی ہے موجود ہو جائے گی تو پھر وہ نہ صرف غیر مسلموں کے تمام غلط نظریات اور فلسفوں کی مکمل اور ایمان پر دہریدہ کرے گی بلکہ اسلام کی ان غلط اور بے بنیاد توجہات کا بھی مکمل اور یقیناً فردزابطال کرے گی جو ان مسلمانوں نے پیش کی ہیں۔ ہم اسلام کے جدیدیت زدہ، کوتاہ اندیش مسلمان محنت جینوں کو مطمئن کرنے کے لیے

اسلام کو ایک نئی شکل دینا چاہتے ہیں لہذا اسلام کی حکمیاتی اور سائنسی توجیہ فقط ایک ہی بنیاد ہے جس پر ہم اسلام کے جدید قانونی نظام کی عمارت کھڑی کر سکتے ہیں۔ اور اصل بات یہ ہے کہ جب اسلام کی ایسی توجیہ فی الواقع وجود میں آئے گی تو ہم دیکھیں گے کہ احکام اسلامی کی علتوں اور حکمتوں کے کھل جانے کی وجہ سے اسلام کے جدید قانونی نظام کی تشکیل کے بہت سے مشکل مسائل خود بخود حل ہو گئے ہیں اور اس کا سارا کام نہایت آسان ہو گیا!

ایک بے وقت کی کوشش | یقین کر رہا ہے اسلام کے قانونی نظام کی تشکیل جدید

ایک بے وقت کی کوشش اور بہت بڑی غلطی ہو گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اسلام کے موجودہ قوانین بہتر نہیں بلکہ بدتر ہو جائیں گے، مجتہد کو جو چیز صحیح اجتہاد کے راستہ پر رہنا ہی کرتی ہے وہ علوم قدیمہ و جدیدہ کا علم ہی نہیں بلکہ خدا کی محبت اور معرفت کا نور ہے۔ انخطاط دین کے اس زمانہ میں یہ نور نایاب نہیں تو صعب الحصول ہے۔ اس سے پہلے کہ کسی مسلمان کے دل میں یہ نور پوری طرح سے روشن نہ ہو نہ صرف یہ ضروری ہے کہ وہ عرصہ دراز تک قرآن اور حدیث کے گہرے مطالعہ میں لگا رہے اور صحابہ دائرہ اور صلحا کی پاکیزہ اور مجاہدانہ زندگیوں سے اثر پذیر ہو۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو پوری طرح سے اسلام کے اخلاقی اور مذہبی ضبط کے ماتحت رکھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت اسلام کے معاشرتی قوانین کو بدلنے کی ضرورت ہے لیکن جب تک ہم اسلام کے اخلاقی اور مذہبی قوانین کی خلاف ورزی کر رہے ہیں اس وقت تک ہم اسلام کے معاشرتی قوانین کی بھی کوئی عزت نہیں کر سکتے اور اس وقت تک ہم ٹھیک طرح سے یہ بھی نہیں جان سکتے کہ ہمیں اسلام کے معاشرتی قوانین کو کس طرح سے بدلنا چاہیے اور آیا ان کو بدلنے کی ضرورت بھی ہے یا نہیں۔ ایسی حالت میں اسلام کے معاشرتی قوانین کم از کم اسلام کے ان اخلاقی اور مذہبی قوانین کی روشنی میں نہیں بدل سکتے جس کی خلاف ورزی ہم دن رات کرتے رہتے ہیں۔

سچا اجتہاد | سچا اجتہاد ہمیشہ اسلام کی گہری محبت کا نتیجہ ہوتا ہے اور اس محبت کی وجہ سے وہ اس شریعت کی ایک قدرتی اور بے ساختہ نشو و نما کی صورت اختیار کرتا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے ہمارے لیے چھوڑی ہے۔ اجتہاد کے لیے ہماری

موجودہ خواہش اسلام کی محبت کا نتیجہ نہیں، بلکہ اسلام کی پوشیدہ نفرت اور غیر اسلامی نظریات کی بھی ہوئی محبت اور تائید کا نتیجہ ہے۔ اس کا مقصد درحقیقت یہ ہے کہ اسلام کے احکام کو اس طرح سے بدل دیا جائے کہ وہ ہمارے ان خیالات اور تصورات کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائیں جو ہم نے غیر اسلامی نظریات سے متعارف لیے ہیں اور جن کو ہم دل ہی دل میں چاہتے اور نظر استحسان دیکھتے ہیں۔ یہ خواہش دراصل اس بات کی ایک کوشش ہے کہ اسلام کو اس "حکمت" اور دانائی سے بہرہ ور کیا جائے جو ہم نے دوسرے نظریات سے سیکھی ہے اور اس طرح سے اسلام کو ایک نئے "حقیقی حال" سے اور ایک نئی شان و شوکت سے جن کا نظارہ ہم ان نظریات کی قیادت میں کر چکے ہیں "مترن" کیا کیا جائے۔ یہ سچا اجتہاد نہیں، کیونکہ یہ وہ اجتہاد نہیں جو شریعت کی قدرتی اور بے ساختہ نشوونما کی صورت اختیار کرتا ہے۔ بلکہ یہ شریعت کی تحریف ہے جو ہم اپنے توہمات کے زیر اثر کرنا چاہتے ہیں یا ایک ایسی کوشش ہے جس سے ہم دوسرے نظریات کو جنہیں ہم پسند کرتے ہیں، جہاں تک ہمارا پسند ملتا ہے اسلام کا مقام دینا چاہتے ہیں۔ سچا اجتہاد اس وقت ممکن ہو گا جب ہم اسلام سے پھر ایسی ہی محبت کا احساس کرنے لگیں گے جیسی کہ پہلے ہمارے دلوں میں تھی اور ہم اس شریعت کو جس پر حضور اور صحابہ کا عمل تھا پھر اس محبت کی روشنی میں پوری طرح سے سمجھنے لگیں گے جب تک ہمیں اسلام کی محبت کا یہ مقام پھر حاصل نہیں ہو جاتا ہم اسلام کی اس بصیرت سے محروم رہیں گے جس کی مدد سے ہم یہ سمجھنے کے قابل ہو سکتے ہیں کہ آیا ہمارے معاشرہ میں جو تغیر واقع ہوا ہے وہ اس بات کا نقصانی ہے یا نہیں کہ ہم شریعت کی روشنی میں اس کی اصلاح کے لیے نئے قوانین وضع کریں۔ اگر حضرت عمرؓ کو یہ بصیرت حاصل تھی تو اس سے یہ کہاں ثابت ہو جاتا ہے کہ عام بے یقینی کے اس دور میں یہ بصیرت ہمیں بھی حاصل ہے۔

ہمارے معاشرہ کے موجودہ حالات درحقیقت کس چیز کے منقصی ہیں | جس چیز کو ہم معاشرہ کا ایک ناگزیر

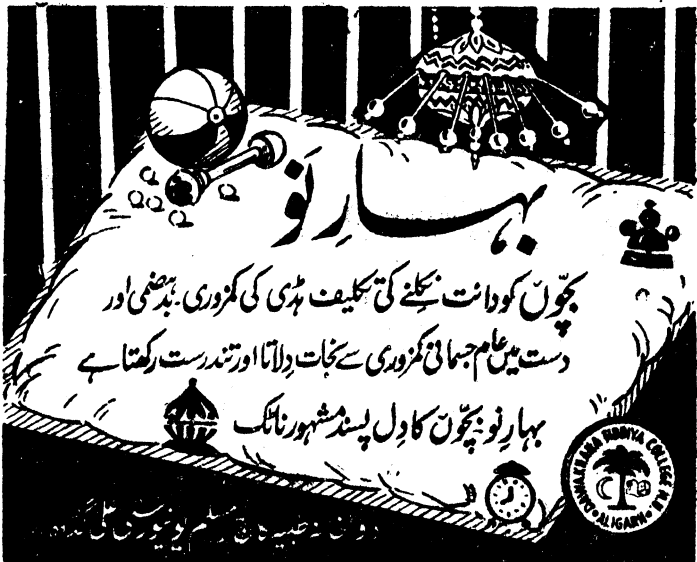
ارتقائی تغیر سمجھ رہے ہیں جو ہمارے خیال میں اجتہاد اور نئے قوانین کا تقاضا کرتا ہے وہ درحقیقت مغرب کی تقلید میں ہماری عام اخلاقی گراؤٹ غیر اسلامی نظریات سے ہماری محبت اور اسلام کے اخلاقی اور دینی منہا اور نظم ہماری نفرت اور بغاوت کے عوامل ہیں جو ایک دوسرے پر عمل اور رد عمل کر رہے ہیں۔

یہ تمام حالات اسلام پر ہمارے یقین کے انخطاط کی علاحات کے سوائے اور کچھ بھی نہیں۔ موجودہ صورت میں ہمارا اجتہاد جو باطل ہو گا ان افسوس ناک حالات کو بہتر نہیں بلکہ بدتر بنائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اجتہاد شریعت کے وقار کو اور اس کے ساتھ پورے اسلام کے وقار کو اور کم کرے گا جس سے ہمارے یقین اور مضبوطی ہو جائے گا اور ہم میں سے بعض لوگ جن کا ایمان پہلے ہی کمزور ہے ناحق اور نادرہ طور پر یہ سمجھنے لگیں گے کہ اسلام ایک وقتی نظریہ حیات ہے جو حالات کے ساتھ بدل جاتا ہے۔ لیکن اسلام کی ساری تاریخ بتا رہی ہے کہ ایسے اجتہاد کو سچے مسلمانوں نے کبھی قبول نہیں کیا اور اس کے باوجود سچا اسلام ہمیشہ زندہ اور باقی رہا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اقبال نے کہا ہے کہ یقین دایمان کے انخطاط کے اس دور میں متقدمین کے نقش قدم پر چلنا اس سے بدرجہا بہتر اور محفوظ تر ہے کہ ایسے لوگوں کا اجتہاد قبول کیا جائے جو ذرا ایمان سے محروم ہو چکے ہوں۔ ان حالات کا صحیح علاج یہ نہیں کہ ہم نئے قوانین وضع کریں جو ہمارے اعمال و افعال کو زیادہ سے زیادہ مصنوعی اور سطحی طور پر بدل سکتے ہیں۔ بلکہ ان کا صحیح علاج یہ ہے کہ ہم اسلام کے جدید نظام تعلیم کو نافذ کریں جس میں خدا کا نقشہ تمام طبیعیاتی حقیقتاتی اور نفسیاتی یا انسانی اور اجتماعی علوم کو منظم کرنے والا محوری اور مرکزی تصور ہو۔ صرف ایسا نظام تعلیم ہی فرد کو ذہنی طور پر پوری طرح سے بدل کر درست کر سکتا ہے۔ یہ نہ تو کوئی دینانداری ہو اور نہ انصاف کہ ہم پہلے خود ہی ایک ایسا تعلیمی اور ثقافتی ماحول پیدا کریں جس میں فرد کی ذہنی اور نفسیاتی تربیت صرف اس طرح سے ہو سکے کہ وہ اسلام کے نقطہ نظر سے سوچنے اور کام کرنے کے قابل نہ رہے۔ اور پھر یہ شکایت کریں کہ اس طرح کے اعمال و انکار درست نہیں۔ اور ایسے قوانین وضع کریں جو اس کے نادرست اعمال میں ایک بیرونی مصنوعی دباؤ کی صورت میں رکاوٹ پیدا کریں۔ قوانین صرف دہان کام کرنے کے لیے وضع کیے جاتے ہیں جہاں تعلیم ناکام ہو گئی ہو۔ ہمارے لیے اس بات کا کوئی جواز ہو جس کو ہم تعلیم کی اصلی دلوں کو بدلنے والی قوت کو آزمانے کے بغیر قوانین کی مصنوعی قوت سے کام لیں۔ جو ہمارے ظاہری اعمال کو بھی بدل نہیں سکتی۔ فقہ کا مقام ہے کہ ہم معاشرہ کو جدید اسلامی نظام تعلیم کے ذریعہ سے حقیقی معنوں میں اودنیادی طور پر بدلنے کے بجائے اسے مصنوعی اور سطحی طور پر بدلنے کے لیے موجودہ اسلامی قوانین کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ہمیں خوب معلوم ہے کہ جب قوانین پر عمل کرنے کی نیت موجود نہ ہو تو ان کی زد سے بچ کر نہایت آسانی کے ساتھ ان کی خلاف ورزیاں کی

یا سکتی ہیں۔

لیکن تہ جدید اسلامی نظام تعلیم جو نہ صرف اسلامی ہونا چاہیے بلکہ علمی اور عقلی لحاظ سے بھی محکم اور غیر متزلزل بنیادوں پر قائم ہونا چاہیے اس بات پر توفیق ہے کہ آیا ہم تعلیم کا کوئی معقول اور صحیح فلسفہ جو لازماً اسلامی ہوگا پیدا کر سکتے ہیں یا نہیں اور تعلیم کا ایسا فلسفہ انسان اور کائنات کی صحیح علمی اور عقلی توجیہ دوسرے لفظوں میں اسلام کی سائنسی اور حکمیاتی توجیہ کے ایک جزو کے طور پر ہی وجود میں آ سکتا ہے ورنہ وجود میں نہیں آ سکتا۔ اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ اسلام کی سائنسی حکمیاتی توجیہ ہے جو اسلامی نظام قوانین کی ایک ہی ممکن بنیاد بھی ہے غرض ہم جس نقطہ نظر سے بھی دیکھیں ہماری فوری ضرورت یہ نہیں کہ ہم اسلام کے قوانین کو بدل دیں۔ بلکہ یہ ہے کہ ہم اصلی اور صحیح قسم کی اسلامی تحقیق کے ذریعہ سے اسلام کی حکمیاتی اور سائنسی توجیہ پیدا کر کے اسلام پر اپنے ایمان کو تازہ کریں اور اسلام کی صحیح علمی اور عقلی واقعیت سے آپ اپنے کو مسلح کریں تاکہ محض عالم انسانی کا ایک جزو ہونے کی وجہ سے جس نظریاتی جنگ میں ہم مجبوراً شریک ہیں اس میں فتح پائیں۔ اور شکست کھا کر ٹٹنے سے محفوظ رہیں۔

(باقی)



مولانا نعمانی کی تالیفات

جن کے مطالعہ سے دینی حقائق پر یقین اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہو

معارف الحدیث جلد اول | ایانیت کفر | اسلام کیا ہے؟ (اردو) قیمت ۲/۵۰

نفاق، الباب آخرت، قبر، برزخ، قیامت، جہنم، صراط، اسلام کیا ہے؟ (ہندی ادیشن) ۲/۵۰ (انگریزی ادیشن) ۲/۵۰

دین و شریعت

قیمت ۲/۵۰

قرآن آپ کے کیا کہتا ہے؟

قیمت ۵/۰۰

کلمہ طیبہ کی حقیقت

قیمت ۵/۰۰

منزل کی حقیقت

قیمت ۱/۲۰

برکات رمضان

قیمت ۱/۰۰

آسان حج ۴/۵۰

ہر امتی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

خاص الخاص تحفہ

وہ اذکار، وہ دعائیں اور توبہ و استغفار اور صلوة و سلام کے وہ

کلمات جو خود آپ کے معمولات میں تھے اور جو آپ نے صحابہ کرام کو فہم

طور سے تلقین فرمائے، ان سب کو حدیث کی کتابوں سے بچاؤ نہ ہو

مولانا نعمانی نے اپنی تازہ تالیف

معارف الحدیث جلد پنجم

میں جمع کر دیا ہے اور ہر حدیث کی اس طرح تشریح کی ہے کہ قلب و روح بے حد

سازگار ہوتے ہیں، نوکٹ، نے اس کے مقدمہ میں ایسی امیدی کی کہ انشاء اللہ کتاب

میرے لیے اللہ کے بہت سے بندوں کیلئے رحمت و مغفرت کا وسیلہ بنے گی۔

دیہ زیب کتاب طباعت، انپیس کاغذ، بڑا کتابی سائز، چارویسے

زیادہ صفحات، قیمت جلد ریگڑی ۴/۵۰، غیر جلد ۵/۵۰

میزان، جنت، دوزخ، اور

تقدیر سے متعلق احادیث نبوی

کی تشریح اور شکوک و شبہات کا

اطمینان بخش جواب قیمت ۵/۰۰

جلد دوم | اصلاح اخلاق

اور ذکر نفس سے متعلق

احادیث اور دل میں خدا کا نور

اور آخرت کے ٹکڑے پیدا کرنے والے

حصوں کے موصوفات کی نہایت عمدہ

تشریح ہر صاحب بیان کی تشریح

روحانی غذا قیمت ۵/۵۰

جلد سوم | اہل نماز سے متعلق رائے نین کے زیادہ حاشیہ

کا تشریح شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے حکیمانہ اور مجددانہ طرز فکر کی مدھی سے

قیمت ۴/۵۰

جلد چہارم | ذکرہ مبوم، حج سے متعلق احادیث کی تشریح

اور احکام کے مقاصد اور حکمتوں کا بیان - قیمت ۵/۲۵

(جلد کی آہستہ ۱۱/۵۰)

آپ حج کیسے کریں۔ حجاج کے لیے بہترین رہنما ۲/۰۰

تذکرہ مجدد الف ثانی قیمت ۴/۰۰

مکتوبات خواجہ محمد معصوم نقشبندی ۲/۵۰

حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی

دینی دعوت قیمت ۳/۵۰

ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ۲/۵۰

کُتُبُ حَآئِةِ الْفُرَقَانِ، پچھری رُوڈ، لکھنؤ

پشکوان کے
عسدرہ تیلوں میں
آپ کی خاص پسند

پوسٹ مین برانڈ
صاف کیا ہوا مونگ پھلی کا تیل
۳۰۱ اور ۳۰۵ کلو

عسدرہ وناستی
۳۰۱ اور ۱۶۵ کلو

ستلوا، ستل کا تیل
۳۰۲ اور ۵۵ کلو

بلڈ خالص ناریل کا تیل
۳۰۶ اور ۳۱ کلو

کوکو جابر

صاف کیا ہوا ناریل کا تیل
۳۰۶ اور ۵۵ کلو

ای سلاڈ تیل

۳۰۶ اور ۵۵ کلو

عسدرہ میلز، بمبئی

افسان لکھنؤ

جبریل حسن
عتیق الرحمن بن بھائی

پچکوان کے
عسدرہ تیلوں میں
گپ کی خاص پسند۔

پسٹ میں برائے
صاف کیا جاتا ہوگا۔ پہلی کا تیل
۱۶۰۱ اور ۱۵۵۵ کلو

عسدرہ فنانسٹی
۱۶۰۰ اور ۱۶۵۵ کلو

سولولا، ریل کا تیل
۲۰۲ اور ۵۵۵ کلو

پاکستان عسدرہ ناریل کا تیل
۳۰۶ اور ۱۱۱ کلو

کوکو جہار

صاف کیا جاتا ہوگا ناریل کا تیل
۲۰۶ اور ۵۵۵ کلو

ای سلاؤ تیل

۲۰۶ اور ۵۵۵ کلو

اسسٹریٹس، بیسی

مَالَانْدَجَنَدُ
غیر مالک سے
۱۵ شلنگ
ہوائی ڈاک کے لیے مزید
مصور لٹرک کا اضافہ

لکھنؤ
افسان
ماہنامہ
فی کاپی..... ۷۰ پیسے

مَالَانْدَجَنَدُ
ہندوستان سے..... ۷/۵۰
پاکستان سے..... ۷/۵۰
ششماہی
ہندوستان سے..... ۲/۰
پاکستان سے..... ۲/-

جلد ۲۷ | ایت ماہ رجب المرجب ۱۳۸۹ھ مطابق اکتوبر ۱۹۶۹ء | شمارہ ۷

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحہ
۱	نگاہِ اولیں	عتیق الرحمن سنبلوی	۲
۲	معارفِ الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی	۵
۳	ارشاداتِ حکیم الامت حضرت تھانویؒ	مولانا نسیم احمد فریدی امر دہی	۱۷
۴	اسلامی تحقیق	ڈاکٹر رفیع الدین ایم ایس پی ایچ ڈی ڈی ایٹ	۲۹
۵	قرآن اور اس کی تعلیمات	V. GORDON CHILDE	۳۸
۶	درسِ تشران	مولانا محمد منظور نعمانی	۴۳

اگر اس دائرہ میں ○ مسخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہو کہ آپ کی مکتب خریداری ختم ہوگئی ہو۔ براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیں، یا خریداری کا ارادہ نہ ہوتے مطلع فرمائیں۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۸ اکتوبر تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ دی پی آر ارسال ہوگا۔
پاکستان کے خریدار :- اپنا چندہ ادارہ، اصلاح و تبلیغ، اسٹریٹین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور صرف ایک سادہ کارڈ کے ذریعہ ہم کو اطلاع دے دیں، ڈاک خانہ کی رسید بھیجنے کی ضرورت نہیں۔

ممبر خریداری :- براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا ممبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے۔
تاریخ اشاعت :- الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے مہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر تاریخ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں اس کی اطلاع ۲۸ تاریخ تک آجانی چاہیے۔ اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر افسان، کچھری روڈ، لکھنؤ

(بروزی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر، ایڈیٹر و پراپرٹیز منیجر میں چھپو اگر دفتر الفرقان کچھری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِکَاہِ اَوَّلِیْنَ

از عتیق الرحمن سنبھلی

دنیا میں کم سے کم ۴۵ کروڑ مسلمان بتائے جاتے ہیں۔ ۲۱ اگست ۱۹۴۷ء کو اسرائیل کے زیر قبضہ مسجد اقصیٰ میں آگ لگائے جانے کا واقعہ پیش آیا، تو اس کی خبروں کے ساتھ اخبارات نے بھی یہ تاثر دیا کہ اس سے پوری دنیا اسلام میں آگ لگ گئی ہو لیکن خدا جلنے پر کرور کرور دلوں کی کسی آگ تھی کہ صرف ۲۵ لاکھ یودیوں کی ریاست اسرائیل کا ایک بال بھی اس میں نہ مل سکا۔

جب قوموں میں مل اور اقدام کی قوت سرد ہو جاتی ہو تو شاید الفاظ کا بازار اسی نسبت سے گرم ہو جاتا ہو۔ اور یہ شاید ضمیر اور ذمہ داری کے ان تقاضوں کو دھوکہ دینے کی سب سے آسانی شکل ہو جو ایسے موقعوں پر پیدا ہوتے ہیں ورنہ ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ مسجد اقصیٰ جیسی مقدس عبادت گاہ نے نہیں ایک بے کس عورت نے اپنے اوپر ظلم و جبر کے خلاف آواز بلند کی تھی کہ دامت صلا! تو اس عباسی فرمانروا (مقتسم) نے کوئی تقریر نہیں بھڑائی، بلکہ وہ کیا جو اس فریاد کا تقاضہ تھا۔

ہم نے مسجد اقصیٰ میں آتش زنی کے اس اندوہناک واقعہ پر اردن اور بیت المقدس میں کیے جانے والے مظاہروں کی خبروں میں پڑھا کہ عرب غرے لگا رہے تھے۔ ناصر! ناصر! لیکن جناب ناصر نے ایک تقریر ارشاد فرمادی کہ اب اسرائیل سے ہماری جنگ صرف تحریر (آزادی) کی جنگ ہوگی بلکہ یہ تطہیر کی بھی جنگ ہوگی اور ہمارے سپاہی صرف عرب قوم ہی کے سپاہی نہیں بلکہ اللہ کے بھی سپاہی ہوں گے۔

یہ جنگ کب ہوگی؟ اللہ ہی جانے! البتہ یہ دیکھ لینے کی چیز ہو کہ اسلامی چوٹی کا نفرین جس میں حق پر ناصر صاحب کی منظوری ہی سے نہیں بلکہ ایک درجہ میں انہی تحریک سے ہوئی تھی، انہیں بھی وہ بذات خود شرکت نہیں فرما سکے جبکہ کہتے ہی غیر عرب ملکوں کے سربراہ دور دراز سے اس میں شرکت کے لیے پہنچے۔ کہا گیا ہو کہ ان کی طبیعت ناساز تھی۔ حالانکہ اسی ناسازی کے زیادہ سخت "دونوں میں انہوں نے اپنے خلاف ایک سازش کا

قلعہ فتح کرتے ہوئے ملک کے حکمہ جاسوسی کے سربراہ کا گرانبار عمدہ بھی خود بچانے میں کوئی دشواری نہیں محسوس کی۔

یہ ناصر صاحب کا معاملہ تھا عراق اور شام نے اس کا نفرین کا بالکل ہی باریکاٹ کیا حالانکہ شام تو مصر ہی کی طرح اسرائیل کا براہ راست متحارب بھی ہو اور جنگجوئی کی باتوں میں تو شاید کوئی عرب ملک ایسے کے کو نہیں پہنچتا۔ اور عراق اگرچہ براہ راست متحارب نہیں، مگر گھن گرج میں شام ہی کا ہم شرب ہو۔ اسرائیل کے لیے جاسوسی کے نام پر بچا نہیں بلکہ جیسا اباز عراق میں گرم ہو کسی دوسرے عرب ملک میں نہیں۔

تو یہ مسجد اقصیٰ کے مسئلہ پر اسلامی چوٹی کا نفرین تھی جس میں اسرائیل سے براہ راست ٹکراؤ رکھنے والے تین ملک (مصر، اردن، شام) ہیں سے شام تو سرے ہی سے غائب تھا۔ اور مصر بے چوٹی کے شریک ہوا تھا! یہ اس آگ کا منظر تھا جو عالم اسلام کے قلب جگر کو باری تھی۔ اسی کا نفرین کے یہ نتیجہ نکھنا تھا؛ چند فرسودہ قسم کی تجویزیں پاس کر دی گئیں۔ اور وہ نعرہ ہوا جس کے شور میں یہ کا نفرین منتقل ہونے چلی تھی، کا نفرین کی کسی تجویز پر اس کا سایہ بھی نہ پڑنے پایا۔

خدا کے بند واجب تم جہاد کے قابل نہیں ہو، تو کیوں اسے کئے دن کا نعرہ بنا کر رواتے ہو؟ جب تم اس کے قابل ہو اور واقعی ارادہ بھی ہو تو اپنے بل پر اٹھو اور جو ساتھ آسا ہو اسے لے کر خدا کا دی کی یہ رسم کھن تازہ کر دو۔ اور اس کا دم نہیں ہو تو اپنے ساتھ ساتھ اس مقدس لفظ کو روانہ کرو جس کی آبرو میں امت کے لاکھوں شہیدوں اور غازیوں کا خون صرف ہوا ہو! عربوں میں اگر واقعی جہاد کا جذبہ ہو تو انھیں اسرائیل سے فٹنے کے لیے کسی لمبی چوڑی اسلامی کا نفرین کی ضرورت نہیں۔ اس جذبہ کی سبب بھی نہیں (چند عرب ملکوں ہی کی آگ اسرائیل کو بھسم کرنے کے لیے کافی ہو۔ لیکن جب یہ آگ واقعی میں موجود نہیں ہو تو پوری دنیا کے اسلام کو جمع کر لینے والی کا نفرینیں بھی نشستند و گفتند و برخاستند اسے آگے نہیں جا سکیں۔ اور اسرائیل کی نظر میں ان کی پرکاشہ بھی وقعت نہیں ہو سکتی۔

ہم مسلمانان ہند ابھی مسجد اقصیٰ کو رونے سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ احمد آباد کے مسلمانوں پر بجلی لگی اور چشم دزدن میں ان کی بآبادیوں کو خاکسرتیا کر رکھ گئی، شاہنشاہ ہے ہماری حکومت کو کہ اس نے

میں انہی دنوں میں مسلمانان ہند کے نام پر اپنا ایک وفد بھی اس اسلامی کانفرنس میں بھیجنے کی ہمت کر ڈالی جو مسجد اقصیٰ کے عنوان پر رباط میں منعقد ہو رہی تھی، اس کا جو نتیجہ نکلنا تھا وہ نکلا، کاش اس میں ذرا بھی عقل ہوتی تو وہ سوچتی کہ یہ وقت کسی مسلم کانفرنس میں جا کر بیٹھے کا نہیں ہے مسلمانوں کے نام پر ایک ایسی کانفرنس میں نمائندگی حاصل کی جائے اور ایک پوری ریاست میں ان مسلمانوں پر آگ اور خون کی کم و بیش بارش ہو رہی ہو! — احمد آباد میں تو خیر مکمل محشر تان رہا ہی، بڑودہ، آئند، ہمانہ اور کتنے ہی دوسرے شہر اور قصبے اس آگ کی لپیٹ میں آئے۔ اور ریاستی حکومت اس ناقابل بیان بربریت کے مقابلہ میں ایسی جمہوریت یا لاپرواہی کی تصویر بنی رہی جس کے بعد اسے حکومت کہنا اس لفظ کی وہ توہین ہے جسے شاید ہندوستان ہی میں برداشت کیا جاسکتا ہو۔

ہمیں حیرت، ان گاندھی دادیوں کے ضمیر پر جنہیں بت رکھنے کی اگر سو بھی تو صرف امن و امان کیلئے جو بہر حال ہو ہی جائے گا، نہ کہ ایسی حکومت کے مستغنی ہونے کے لیے جو خاص راجدھانی میں گڑوں کے ہاتھوں ہزاروں بے گناہوں کا خون بہہ جانے اور بستیاں کی بستیاں اُجڑ جانے کو روکنے کی ذمہ داری کا احساس یا کم از کم اس کی اہلیت نہیں دکھاسکی۔

گجرات کے گورنر شریمن زرائن جو گاندھی جی کے خاص بھگت مانے جاتے ہیں انھوں نے، بہتر گو احمد آباد میں تقریباً امن بحال ہو۔ نہ کہ بعد ایک جلسہ میں فرمایا کہ ”حکومت فرقہ دارانہ عناصر کو کچلنے اور انھیں ختم کرنے کا مصمم ارادہ رکھتی ہے“۔ یہ اس حکومت کے لیے فرمایا جا رہا ہو جسے احمد آباد کی اس بربادی کے بعد جسے متفقہ طور پر آزادی کے بعد سب سے بڑی قتل و غارت گری کہا جا رہا ہے حکومت کہنا ہی ایک ذمہ دار گورنر کو زیب نہیں دیتا۔ لیکن کیا کیا جائے یہاں آزادی کے بعد یہی ہوتا آ رہا ہو مسلم اخبارات و رسائل ان واقعات پر آہ کرتے ہیں یا مسلمانوں کو اپنے مردانہ دفاع کا مشورہ دیتے ہیں تو ان کے مدیران کو صحافیوں اور اخبار نویسوں کی صف سے اٹھا کر مغلہ پر داڑیوں کے زمرہ میں عدالتوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے، ایک ایک آدمی پر پانچ پانچ چھ مقدمات لاد دیے جاتے ہیں، کہ اپنی بے گناہی ثابت کرے یا جیل کی ہوا کھائے، چاہے ان کی تحریر سے کسی ایک شخص کی تکسیر بھی نہ بچوٹی ہو۔ کیونکہ یہ سمجھتی کہ نسل کام کر دی وراثت داخلہ کر دیا ہو مشورہ ہو۔ لیکن اسی کو نسل نے حکام کے خلاف کارروائی کا جو مشورہ حکومت کو دیا تھا اور حکومت نے اس کو قبول کر کے کا اعلان بھی کیا تھا، اُن کی ذمہ داری

کتاب المعاشرة والمعاملات

مَعَارِفُ الْحَدِيثِ

(۱)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کا یہ امتیاز ہے کہ اس میں انسانی زندگی کے تمام ہی شعبوں کے متعلق واضح ہدایات دی گئی ہیں۔ اس سلسلہ معارف الحدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو احادیث اور آپ کے جو ارشادات الفتن کے صفحات پر (یا کتابی صورت میں) مرتب کر کے اب تک پیش کیے جا چکے ہیں اُن کا تعلق یا عقائد و ایمانیات سے تھا یا اخلاق و جذبات اور قلب و روح کی کیفیات سے یا طہارت اور نماز روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ عبادات اور اذکار و دعوات سے! اب اُن احادیث کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے جو جن کا تعلق معاشرتی حقوق و آداب اور معاشی معاملات سے ہے، اور جن سے معلوم ہوگا کہ ہم اپنے اپنا جنس اور عزیزوں قریبوں، چھوٹوں اور بڑوں، انہوں اور پرائیوں کے ساتھ جن سے زندگی میں ہمارا واسطہ پڑتا ہے کس طرح پیش آئیں، کیسا برتاؤ کریں اور کس کے کس پر کیا حقوق ہیں۔ اور لین دین، خرید و فروخت، قرض و امانت، تجارت و زراعت، مزدوری و دستکاری، کلو خانہ داری و کرایہ داری، اور اسی طرح دوسرے معاشی مشغلوں کے بارے میں اللہ و رسول کے کیا احکام ہیں اور اُن کی کون سی شکلیں جائز اور کون ناجائز ہیں۔

معاشرت و معاملات کی خصوصی اہمیت :-

یہ دونوں باب (معاشرت و معاملات) اس لحاظ سے شریعت کے نہایت اہم اہم ہیں کہ ان میں ہدایت ربانی اور خواہشات نفسانی اور احکام شریعت اور دنیوی مصلحت و منفعت کی کشمکش عبادات وغیرہ دوسرے تمام ابواب سے زیادہ ہوتی ہے اس لیے اللہ کی بندگی و فرمانبرداری اور اس کے رسول اور اس کی شریعت کی تابعداری کا جیسا امتحان ان میدانوں میں ہوتا ہے دوسرے کسی میدان میں نہیں ہوتا۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے بنی آدم کو فرشتوں پر نوعی فضیلت حاصل ہوئی ورنہ ظاہر ہے کہ ایمان و یقین اور ہمہ وقتی ذکر و عبادت اور رُوح کی لطافت و طہارت میں انسان فرشتوں کی برابری بھی نہیں کر سکتا۔

معاشرت سے متعلق احکام و ہدایات :-

اس تنبیہ کے بعد ہم پہلے معاشرت کے سلسلے کی حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ نکاح و طلاق اور عدت و نفقہ وغیرہ سے متعلق احادیث بھی اس ضمن میں درج ہوں گی۔ معاشرتی احکام و ہدایات کا سلسلہ بچہ کی پیدائش ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ ایسے ہم انہی حدیثوں سے اس سلسلہ کا آغاز کر رہے ہیں جن میں پیدائش ہی کے سلسلے میں ہدایات دی گئی ہیں۔

نومولود بچہ کے کان میں اذان :-

عَنْ أَبِي نَافِعٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَدْنَ فِي أُذُنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ حِينَ وُلِدَتْهُ فَاطِمَةُ بِالصَّلَاةِ

رواہ الترمذی و ابوداؤد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آواز کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ

سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (اپنے نواسے) حسن بن علی کے کان میں نماز والی اذان پڑھتے ہوئے دیکھا جب (آپ کی صاحبزادی) فاطمہ کے ہاں ان کی ولادت ہوئی۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) حضرت ابو رافع کی اس حدیث میں حضرت حسن کے کان میں صرف اذان پڑھنے کا ذکر ہے، لیکن ایک دوسری حدیث سے جو کنز العمال میں سنن ابی یعلیٰ موصلی کی تخریج سے حضرت حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) سے روایت کی گئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے زیدؑ کے دامن کے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت پڑھنے کی تعلیم و ترغیب دی اور اس برکت اور تاثیر کا بھی ذکر فرمایا کہ اس کی وجہ سے بچہ ام الصبیان کے ضرر سے محفوظ رہے گا (جو شیطانی اثرات سے بھی ہوتا ہے)۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نوزاد بچہ کا پہلا حق گھردلوں پر یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کے کانوں کو اور کانوں کے ذریعہ اس کے دل و دماغ کو اللہ کے نام اور اس کی توحید اور ایمان و نماز کی دعوت و پکار سے آشنا کریں۔ اس کا بہتر سے بہتر طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ اس کے کانوں میں اذان و اقامت پڑھی جائے۔ اذان و اقامت میں دین حق کی بنیادی تعلیم اور دعوت نہایت مؤثر طریقہ سے دی گئی ہے، نیز ان دونوں کی یہ تاثیر اور خاصیت بہت سی احادیث میں بیان کی گئی ہے کہ اس سے شیطان بھاگتا ہے اس لیے شیطانی اثرات سے بچہ کی حفاظت کی بھی یہ ایک تدبیر ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدائش کے وقت نوزاد مسلمان بچہ کے کان میں اذان و اقامت پڑھنے کی تعلیم دی اور جب عمر پوری کرنے کے بعد اس کو موت آجائے تو غسل دے کر اور کھنکھار اُس پر نماز جنازہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ اس طرح یہ بتلادیا اور بتلادیا کہ مومن کی زندگی اذان اور نماز کے درمیان کی زندگی ہے اور وہ بس اس طرح گزرنی چاہیے، جس طرح اذان کے بعد نماز کے انتظار اور اُس کی تیاری میں گزرتی ہے۔ — نیز یہ کہ مسلمان بچے کا پہلا حق یہ ہے کہ پیدائش کے ساتھ ہی اس کے کان میں اذان دی جائے اور آخری حق یہ ہے کہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔

تَحْنِیْکُ اُوْر دُعَاۃُ بَرکَتُ :-

رَسُولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی معرفت اور صحبت کے نتیجہ میں صحابہ کرام کو آپ کے ساتھ عقیدت کا جو تعلق تھا اُس کا ایک ظہور یہ بھی تھا کہ نو مولود بچے آپ کی خدمت میں لائے جاتے تھے تاکہ آپ ان کے لیے خیر و برکت کی دعا فرما دیں اور کھجور یا ایسی ہی کوئی چیز چبا کر بچہ کے مالوے پر مل دیں اور اپنا لعابِ دہن اس کے منہ میں ڈال دیں جو خیر و برکت کا باعث ہو۔ اس عمل کو تحنیک کہتے ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتِي بِالْصَّبْيَانِ فَيُبْرِكُ عَلَيْهِمْ وَيُحْنِكُهُمْ — رواه مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ لوگ اپنے بچوں کو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے پاس لایا کرتے تھے تو آپ اُن کے لیے خیر و برکت کی دعا فرماتے تھے اور تحنیک فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم)

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّهَا حَمَلَتْ بِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ قَالَتْ فَوَلَدَتْ بِقُبَاءٍ ثُمَّ آتَيْتُ بِهِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعْتُهُ فِي حَجْرَةٍ ثُمَّ دَعَا بِمَرْثَةٍ فَمَضَعَهَا ثُمَّ تَقَلَّى فِيهِ ثُمَّ حَنَكَهُ ثُمَّ دَعَا لَهُ وَبَرَكَ عَلَيْهِ وَكَانَ أَوَّلَ مَوْلُودٍ وَلِدَ فِي الْإِسْلَامِ — رواه البخاری و مسلم

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ حبشہ سے پہلے مکہ میں حل سے تھیں، جب ہجرت کر کے مدینہ آئیں تو قباء میں اُن کے ولادت ہوئی اور عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے، کہتی ہیں کہ میں بچہ کو لے کر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور میں نے اس کو آپ کی گود میں رکھ دیا۔ آپ نے کھجورہ منگوایا اور اس کو چبایا پھر اپنا لعابِ دہن اُس کے

منہ میں ڈالا اور پھر اُس کے تالوے پر ملا، پھر اُس کے لیے دُعا کی اور برکت سے
نوازا، اور یہ اسلام میں پہلا بچہ تھا جو ہجرت کے بعد ایک ہاجر کے گھر پیدا ہوا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) صحیح بخاری کی اس حدیث کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ عبداللہ
بن زبیر کے پیدا ہونے سے مسلمانوں کو خواہر اس لیے بہت زیادہ خوشی ہوئی
تھی کہ یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ یہودیوں نے مسلمانوں پر ایسا جادو کر دیا ہے کہ ان کے بچے
پیدا ہی نہ ہوں گے۔ عبداللہ بن زبیر کی پیدائش نے اس کو غلط ثابت کر دیا اور مسلمانوں
کے جو دشمن یہ جادو والی بات مشہور کر رہے تھے وہ ذلیل ہوئے۔

کتبِ حدیث میں ”تحفیک“ کے بہت سے واقعات مروی ہیں۔ ان سے معلوم ہوا
کہ جب کسی گھرانے میں بچہ پیدا ہوتا ہے تو چاہیے کہ اللہ کے کسی مقبول اور صالح بندہ کے پاس اس کو
لے جائیں، اس کے لیے نیرو برکت کی دُعا بھی کرائیں اور تحفیک بھی کرائیں۔ یہ ان سنتوں میں سے ہے
جن کا رواج بہت ہی کم رہ گیا ہے۔

عقیدہ :-

دنیا کی قریب قریب سب ہی قوموں اور ملتوں میں یہ بات مشترک ہے کہ بچہ پیدا ہونے
کو ایک نعمت اور خوشی کی بات سمجھا جاتا ہے اور کسی تقریب کے ذریعہ اس خوشی کا اظہار بھی
کیا جاتا ہے، یہ انسانی فطرت کا تقاضہ بھی ہے اور اس میں ایک بڑی مصلحت یہ ہے کہ اس
سے نہایت لطیف اور خوبصورت طریقہ پر یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ باپ اس بچہ کو اپنا ہی
بچہ سمجھتا ہے اور اس بارہ میں اس کو اپنی بیوی پر کوئی شک و شبہ نہیں ہے، اس سے بہت سے
فتنوں کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ عربوں میں اس کے لیے جاہلیت میں بھی حقیقہ کا
رداج تھا، دستور یہ تھا کہ پیدائش کے چند روز بعد نو مولود بچے کے سر کے وہ بال جو وہ ماں کے
پیٹ سے لے کے پیدا ہوا ہے صاف کر دیے جاتے اور اس دن خوشی میں کسی جانور
کی قربانی کی جاتی جو ملت ابراہیمی کی نشانیوں میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اصولی طور پر اس کو باقی رکھتے ہوئے بلکہ اس کی ترغیب دیتے ہوئے اس کے بارہ میں سنا
ہدایات دیں اور خود عقیقہ کر کے علمی نمونہ بھی پیش فرمایا۔

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا وَلِدَ لِأَحَدٍ نَاعِلًا
ذَبَحَ شاةً وَلَطَخَ رَأْسَهُ بِدَمِهَا فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ كُنَّا نَذْبَحُ
شاةً يَوْمَ السَّابِعِ وَنُحَاقُ رَأْسَهُ وَنُلَطِّخُهُ بِزَعْفَرَانٍ.

رواہ ابو داؤد

حضرت بريدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہم لوگوں کا یہ
دستور تھا کہ جب کسی کے لڑکا پیدا ہوتا تو وہ بکری ذبح کرتا اور اس کے خون سے
بچہ کے سر کو رنگ دیتا، پھر جب اسلام آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم
ہدایت کے مطابق ہمارا طریقہ یہ ہو گیا کہ ہم ساتویں دن عقیقہ کی بکری کی قربانی
کرتے ہیں اور بچہ کا سر صحت کر کے اس کے سر پر زعفران لگا دیتے ہیں۔

(سنن ابی داؤد)

(اور اسی حدیث کی تفسیر میں یہ اضافہ ہے کہ ساتویں دن عقیقہ کے
ساتھ ہم بچہ کا نام بھی رکھتے ہیں)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا عَقَّوْا عَنِ
الصَّبِيِّ خَضَبُوا قُطْنَةً بِدَمِ الْعَقِيقَةِ فَإِذَا أَحْلَقُوا رَأْسَ
الصَّبِيِّ وَضَعُوهَُا عَلَى رَأْسِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ اجْعَلُوا مَكَانَ الدَّمِ خُلُوقًا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں
لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب وہ بچہ کا عقیقہ کرتے تو روٹی کے ایک پھوٹے میں
عقیقہ کے جانور کا خون بھر لیتے، پھر جب بچہ کا سر منڈا دیتے تو وہ خون بھرا
پھوپھا اس کے سر پر رکھ دیتے اور اس کے سر کو عقیقہ کے خون سے رنگین کر دیتے،
(یہ ایک جاہلانہ رسم تھی) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچہ کے سر پر

خون نہیں بلکہ اس کی جگہ خلوق لگایا کرو۔ (صحیح بن حبان)

(تشریح) خلوق ایک مرکب خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے تیار کی جاتی ہے۔ حضرت بریدہ اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ان

حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عقیقہ کا رواج عربوں میں زمانہ جاہلیت میں بھی تھا۔ چونکہ اس میں بہت سی مصلحتیں تھیں جن کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے اور یہ نیا دوی طور پر شریعت اسلامی کے مزاج کے مطابق تھا اور غالباً مناسک حج کی طرح ملت ابراہیمی کے بقایا میں سے تھا اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اصل کو باقی رکھا اور جاہلانہ رسوم کی اصلاح فرمائی۔

اسی طرح یہی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ کا رواج یہود میں بھی تھا لیکن وہ صرف لڑکوں کی طرف سے عقیقہ کی قربانی کرتے تھے لڑکیوں کی طرف سے نہیں کرتے تھے، جس کی وجہ غالباً لڑکیوں کی ناقدری تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی اصلاح فرمائی اور حکم دیا کہ لڑکوں کی طرح لڑکیوں کی طرف سے بھی عقیقہ کیا جائے۔ البتہ دونوں صنفوں میں جو قدرتی اور فطری فرق ہے (جس کا لحاظ میراث اور قانون شہادت وغیرہ میں بھی کیا گیا ہے) اس کی بنا پر آپ نے فرمایا کہ لڑکی کے عقیقہ میں ایک بکری اور لڑکے کے عقیقہ میں اگر استطاعت اور وسعت ہو، تو دو بکریوں کی قربانی کی جائے۔

عَنْ أُمِّ كُرَيْزٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ
عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ وَلَا يَصْرُكُمْ ذَكَرَانَا كُنْتَ أَوْ
أُنَاثَا

رواہ الترمذی والنسائی

اُم کرز رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ عقیقہ کے بارہ میں فرما رہے تھے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں کی جائیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ عقیقہ کے جانور نہ

لَهُ اِنْ يَهُودُ تَقَعُ عَنِ الْغُلَامِ وَلَا تَقَعُ عَنِ الْجَارِيَةِ فَعَقُوا عَنِ الْغُلَامِ شَاتَيْنِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةً۔
رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن ابی ہریرۃ مرزعا۔ کنز العمال ج ۲۶

بیان کیے میں، اس عاجز کے نزدیک دل کو زیادہ لگنے والی بات یہ ہے کہ بچہ اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے اور صاحب استطاعت کے لیے عقیقہ کی قربانی اس کا شکر ادا کر دیا اور گویا اس کا فدیہ ہے، جب تک یہ شکر یہ پیش نہ کیا جائے اور فدیہ ادا نہ کر دیا جائے وہ بار باری ہے گا اور گویا بچہ اس کے عوض رہن رہے گا۔

پیدائش ہی کے دن عقیقہ کرنے کا حکم غالباً اس لیے نہیں دیا گیا کہ اس وقت گھر والوں کو زچہ کی دیکھ بھال کی فکر ہوتی ہے، علاوہ ازیں اسی دن بچہ کا سر صاف کر لینے میں طبی اصول پر ضرر کا بھی خطرہ ہے، ایک ہفتہ کی مدت ایسی ہے کہ اس میں زچہ بھی عموماً ٹھیک ہو جاتی ہو اور بچہ بھی سات دن تک اس دنیا کی ہوا کھا کے ایسا ہو جاتا ہے کہ اس کا سر صاف کر لینے میں ضرر کا خطرہ نہیں رہتا۔ واللہ اعلم۔

اس حدیث سے اور بعض دوسری احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ کے ساتھ ساتویں دن بچہ کا نام بھی رکھا جائے۔ لیکن بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بچوں کا نام پیدائش کے دن ہی رکھ دیا تھا، اس لیے ساتویں دن سے پہلے نام رکھ دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے، ہاں اگر پہلے نام نہ رکھا گیا ہو تو ساتویں دن عقیقہ کے ساتھ نام بھی رکھ دیا جائے، جن حدیثوں میں ساتویں دن عقیقہ کے ساتھ نام رکھنے کا ذکر ہے ان کا مطلب یہی سمجھنا چاہیے۔

عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ الضَّبِّيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةً فَأَهْرِيقُوا عَنْهُ دَمًا وَامْطُؤْا عَنْهُ الْأَذَى

رواہ البخاری

حضرت سلمان بن عامر الضبئی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بچہ کے ساتھ عقیقہ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اس کو بچہ عطا فرمائے وہ عقیقہ کرے) لہذا بچہ کی طرف سے قربانی کرو اور اس کا سر صاف کر دو۔

(صحیح بخاری)

(تشریح) عقیقہ میں جیسا کہ ان حدیثوں سے ظاہر ہے وہی کام ہوتا ہے۔ ایک بچہ کا

سرمنڈا دینا اور دوسرا اُس کی طرف سے شکرا نہ اور فدیہ کے طور پر جانور قربان کر دینا ان دونوں عملوں میں ایک خاص ربط اور مناسبت ہے اور یہ قلتِ ابراہیمی کے شمار میں سے ہیں حج میں بھی ان دونوں کا اسی طرح جوڑ ہے اور حاجی قربانی کرنے کے بعد سرِ صاف کرتا ہے۔ اس لحاظ سے عقیقہ عملی طور پر اس کا بھی اعلان ہے کہ ہمارا رابطہ اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے اور یہ بچہ بھی قلتِ ابراہیمی ہی کا ایک فرد ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَّ
عَيْنَ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشًا كَبْشًا ————— رواه ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسوں، حسن اور حسین کا عقیقہ کیا اور ایک ایک میں ڈھانچہ کیا۔
(سنن ابی داؤد)

(تشریح) حضرت حسن اور حضرت حسین کے عقیقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ایک میں ڈھانچے کی قربانی غالباً اس لیے کی کہ اُس وقت اتنی ہی وسعت تھی، اور اس طرح ان لوگوں کے لیے جن کو زیادہ وسعت حاصل نہ ہو ایک نظیر بھی قائم ہوگئی۔ اس حدیث کی بعض روایات میں بجائے ایک ایک میں ڈھانچے کے دو دو میں ڈھانچے کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن محدثین کے نزدیک سنن ابی داؤد کی یہی روایت قابلِ ترجیح ہے جن میں ایک ایک میں ڈھانچے کا ذکر کیا گیا ہے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ عَقَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَيْنَ الْحَسَنِ بِشَاةٍ وَقَالَ يَا فَاطِمَةُ اِحْلِقِي رَأْسَهُ وَتَصَدَّقِي بِزَيْتَةِ شَعْرِهِ فِضَّةً فَوَرثَاهُ فَكَانَ وَرَثَتُهُ دِرْهَمًا وَوَبَعْضُ
دِرْهَمٍ ————— رواه الترمذی

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن کے عقیقہ میں ایک بکری کی قربانی کی اور آپ نے اپنی صاحبزادی سیدہ، فاطمہ سے فرمایا کہ اس کا سر صاف کر دو اور بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ

کردو (ہم نے وزن کیا) تو وہ ایک درہم برابر یا اس سے بھی کچھ کم تھے۔ (جامع ترمذی)
 اس حدیث میں عقیقہ کے سلسلہ میں قربانی کے علاوہ بچہ کے بالوں کے وزن بھر
 (تشریح) چاندی صدقہ کرنے کا بھی ذکر ہے، یہ بھی مستحب ہے۔

اس حدیث کے بیان کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف جزا دہ حسن کے
 بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کرنے کا حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو حکم دیا تھا بعض
 حضرات نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ حضرت حسن کی پیدائش کے دنوں میں ان کے ماں باپ
 (حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) کے ہاں اتنی وسعت نہیں تھی کہ وہ عقیقہ کی قربانی
 کر سکتے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کی قربانی تو اپنی طرف سے کر دی، لیکن
 حضرت فاطمہ سے فرمادیا کہ بچہ کے بالوں کے وزن بھر چاندی وہ صدقہ کر دیں تاکہ ان کی طرف
 سے بھی کچھ شکرانہ صدقہ کی شکل میں اللہ کے حضور میں گزر جائے۔

تسمیہ (نام رکھنا) :-

بچہ کا اچھا نام رکھنا بھی ایک حق ہے، احادیث نبوی میں اس بارہ میں بھی واضح
 ہدایات وارد ہوئی ہیں۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْوَلَدِ
 عَلَى الْوَالِدِ أَنْ يُحَسِّنَ اسْمَهُ وَيُحَسِّنَ آدَبَهُ.

رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم نے فرمایا باپ پر بچہ کا یہ بھی حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو حسن آداب
 سے آراستہ کرے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ أَوَّلُ مَا يُعْمَلُ لِلرَّجُلِ وَلَدَهُ اسْمُهُ فَلْيُحَسِّنْ اسْمَهُ.

رواہ البیہقی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اپنے بچہ کو سب سے پہلا تحفہ نام کا دیتا ہو اس لیے چاہیے کہ اس کا نام اچھا رکھے۔ (ابن ماجہ)
عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَدْعُونَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ بِأَسْمَائِكُمْ وَأَسْمَاءِ آبَائِكُمْ فَاحْسِنُوا أَسْمَاءَكُمْ — رواه احمد و ابو داود
حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن تم اپنے اور اپنے آباء کے ناموں کے ساتھ پکارے جاؤ گے (یعنی پکارا جائے گا فلاں بن فلاں) لہذا تم اچھے نام رکھا کرو۔ (مسند احمد بن حنبل و ابی داؤد)

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَبَّ أَسْمَاءَكُمْ إِلَى اللَّهِ عَبْدُ اللَّهِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ — رواه مسلم
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ناموں میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں۔ (رواہ مسلم)

(تشریح) عبداللہ اور عبدالرحمن کے زیادہ پسندیدہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے، اس میں بندہ کی عبدیت کا اعلان ہے اور یہ چیز اللہ کو پسند ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے نام بھی پسندیدہ ناموں میں سے ہیں، وہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نسبت کو ظاہر کرتے ہیں، چنانچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے کا نام ابراہیم رکھا تھا، اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں آپ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے ”سَمُّوا بِأَسْمَاءِ الْأَنْبِيَاءِ“ (یعنی پیغمبروں کے ناموں پر نام رکھو)۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بچوں کے نام ایسے بھی رکھے جو معنوی لحاظ سے اچھے ہیں اگرچہ پیغمبروں کے معرود ناموں میں سے بھی نہیں ہیں مثلاً اپنے نواسیوں کا نام حسن اور حسین رکھا اور ایک انصاری صحابی کے بچہ کا نام منذر رکھا۔
الغرض اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تفریق اور آپ کے ارشادات سے ہی رہنمائی ملتی ہے کہ باپ کی ذمہ داری ہے کہ بچہ کا اچھا نام رکھے یا اپنے کسی بزرگ سے رکھوائے۔

ارشادِ حکیم الامت حضرت تھانوی

علماء و طلباء، اصحابِ دس اور اربابِ اس کے لیے لمحہ فکر یہ

قسط (۲)

تلخیص — از مولانا نسیم احمد فریدی امر دہی

فرمایا۔۔۔ فلاں مولانا میرے ابتدائی کتاؤں کے استاد تھے، ایک دفعہ (انھوں نے) مجھ کو زیادہ مارا اس پر خاندان اور قصبہ (تھانہ بھون) میں بہت کچھ قصہ ہوا۔ مگر (میرے) انقیاد اور (میری اطاعت) کا یہ اثر ہوا کہ بعد فراغِ درسیات ایک روز مولانا نے مجھ سے بایں عنوانِ معافی چاہی کہ ہم تم ایک مدت تک ساتھ رہے ہیں ایسی حالت میں کچھ حقوق (کی ادائیگی) میں کوتاہی بھی ہو جاتی ہے مجھ سے بھی ہو گئی ہو تو معاف کر دو۔ میں نے عرض کیا کہ میں سمجھ گیا جس چیز کی آپ معافی چاہتے ہیں۔۔۔ مگر کیا وہ معافی (طلب کرنے) کی چیز ہے وہ تو ایک دولت تھی اور رحمت تھی اس کی بدولت تو آج دو حروفِ نصیب ہو گئے۔ (انھوں نے) فرمایا کہ اس سے تسلی نہیں ہوئی، میں نے عرض کیا کہ حضرت حکم فرماتے ہیں اس وجہ سے عرض کرتا ہوں کہ معافی ہے۔۔۔ اَلْأَمْرُ فَوْقَ الْأَدَبِ۔۔۔ مولانا کی یہ حالت تھی انکار اور سادگی کی۔۔۔ یہ ہے شانِ عبدیت کی۔۔۔ پہلے استادوں کا شاگردوں کے ساتھ یہ معاملہ تھا اب شاگردوں کا بھی استادوں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں، پھر کہاں علم اور کہاں برکت..... بڑی دولت امتی کے واسطے یہ ہے کہ قلب میں دین کی محبت ہو،

عظمت ہو چاہے علی میں (کچھ) کوتاہی ہو۔ مہدیہ دولت مجھ کو مولانا کی صحبت کی برکت سے نصیب ہوئی
اس لیے کہ بچپن میں شروع تعلیم انھیں سے ہوئی۔ شروع ہی میں اس کی ضرورت ہو کہ استاد بھی
(دین کے معاملے میں) صاحبِ محبت ہوں تاکہ شاگردوں کے جذبات و خیالات پر ان کا اثر ہو
اور شروع ہی سے صحیح تربیت اور اصلاح ہو۔ پھر فرمایا کہ دین کی محبت اور اپنے بزرگوں کی
محبت کے علاوہ اور میرے پاس کوئی ہی کیا۔ فرمایا کہ۔ میں علماء سے چاہتا ہوں کہ یہ ایسا طرز
اختیار کریں جس سے عوام کے قلوب میں دین اور اہل دین کی بے وقتی نہ ہو۔ یہ علماء کو نظرِ حقیر
سے نہ دیکھیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہو کہ تکبر نہ ہو..... اور یہ اعتدال پیدا ہو سکتا
ہے کسی کمال کی صحبت سے اُس کی جوتیاں سیدھی کرنے سے بلکہ اور ترقی کر کے کہتا ہوں کہ چوپال
کھانے سے اور یہ بھی بتلائے دیتا ہوں کہ وہ جوتیاں مارے گا نہیں۔ مگر تم کو اس کے لیے طریقہ ہو کہ
اُن کا چاہے تب اصلاح ہو سکتی ہو۔ فرمایا۔ الحمد للہ بات اپنے بزرگوں میں دیکھی کہ
سب کچھ تھے اور کچھ بھی نہ تھے۔ دیکھنے والا سمجھ ہی نہ سکتا تھا کہ یہ صاحبِ کمال ہیں۔ ظاہر میں
کوئی امتیازی شان نہ رکھتے تھے نہ لباس میں نہ اُتار میں۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ تقویٰ اور ہدایت بڑی چیز ہے مگر آج کل قریب قریب ہر طبقہ میں اس کی کمی ہے۔ بالخصوص علماء اور مشائخ میں اس کی کمی ہونا نہایت ہی مذموم ہے اس لیے کہ یہ مشیوہ اور تقویٰ اکٹھے جاتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے تو عیسے علماء کو یہ دولت نصیب ہو جاتی ہے۔ مدرسہ دیوبند میں خواجہ صاحب (خواجہ عزیز الرحمن مجذوب) کا قیام ہوا۔ شب کا وقت ہوا، ششم صاحب نے مہمان خانے میں خادم مدرسہ کو روشنی کرنے کے لیے حکم فرمایا۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ اگر لائین اور تیل آپ کا بھی ہے تب تو کوئی حرج نہیں اور اگر مدرسہ کے ہے تو میں خود انتظام کر لوں گا۔ امیر شاہ خاں صاحب بھی اُس وقت مدرسہ میں ٹھہرے ہوئے تھے، مگر میرا نام لے کر کہا کہ یہ تو اُس کے ملنے والوں میں (معلوم ہوتا ہے کہ جو ایک مرتبہ مولانا دُعا میاں، اصغر حسین صاحب (محدث دیوبند) جو پورہ میں بہ حیثیت مدرسہ سقیم تھے۔ (دعا میاں) ایک نووارد عالمِ مسیح کے چراغ میں مطالعہ کرنے بیٹھے اور حریمِ حق چراغ کی گئی کا معمول تھا اس وقت چراغ خود کی کر دیا اور اسکی روشنی میں پھر کتاب کا مطالعہ نہیں کیا بلکہ اپنا چراغ روشن کر لیا۔ مولانا اصغر حسین صاحب نے کہا یہ شخص

تکلیف شخص کا (میراثم لے کر کہا، دیکھنے والا معلوم ہوتا ہے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا۔ صرف لواحق اور تہجد پڑھ لینا گردن جھکا کر بیٹھ جانا۔ بڑے بڑے دالوں کی تسبیح اٹھ میں لے لینا۔ تختوں سے اٹھ چا پا جا رہے گھٹنوں سے نیچا کر تاہین لینا اور پسینے سے ہاتھ دھو کر بٹھا لینا بس یہ علامات یہ گئیں ولایت اور بزرگی کی۔ باطن کی کچھ خبر نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ اسی کو مولانا رحمہ اللہ یا اور کوئی حکیم فرماتے ہیں

از بدردن چون گوید کاتبہ پر حُسل

دانمرد دل تہہ خدائے عزوجل

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بڑے بڑے کام اور بڑی بڑی جگہوں میں ہو رہے ہیں میں نے تو چھوٹے چھوٹے کام لے لیے ہیں۔ یہی ہو جایا کریں تو غنیمت ہو۔ اور یہ وہ کام ہیں جن کو کوئی اور نہیں کر رہا۔ میں نے یہاں درس و تدریس کو بڑھایا انہیں اس لیے کہ مدرسہ دیوبند اور مدرسہ سہماں پور موجود ہیں اور وہاں یہ کام (درس و تدریس) بہت بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے۔ اسی لیے میں نے یہاں کا (خانقاہ کا) نصاب محدود کر دیا ہے۔ وہ چھاپ بھی دیا گیا ہے۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل حب دنیا.... مشائخ اور علماء تک میں پائی جاتی ہو۔

اور یہ چیز بھلا اثر اپنے بزرگوں میں نہ تھی۔ کہ معظمہ میں ایک ترک شیعہ تھے خلیل پاشا۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ میں نے سب جگہ کے علماء کو دیکھا مگر جیسے ہندوستان کے علماء ہیں ایسے اور کہیں کے علماء نہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے ان میں کیا بات دیکھی؟ انھوں نے ایک عجیب بات کہی کہ ہندوستان کے علماء میں حب دنیا نہیں دیکھی اور یہ بات الحمد للہ ہے بھی کہ ان کے اکثر میں حب دنیا نہیں۔ اثر کا شکر ہے۔ پھر میں نے یہ بھی پوچھا خلیل پاشا سے۔ کہ آپ ہندوستان کے کن علماء سے ملے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب اور حضرت مولانا گفتگوئی سے۔ میں نے دل میں کہا کہ یہی وجہ ہو کہ ہندوستان کے علماء کے معتقد ہوئے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اپنے بزرگوں کو دیکھ لے کہ سب کچھ تھے مگر اپنے کو مٹا ہوئے فنا کیے ہوئے تھے۔ اس ہی لیے آج کل کے اکثر علماء اور مشائخ نظروں میں نہیں آتے

نہ پند آتے ہیں۔ اُن حضرات میں ایک عجیب شان تھی جو بیان میں بھی نہیں آتی اور کسی کے دریافت کرنے پر بھی تباہی نہیں جاسکتی بس اتنا ہی کہا جاسکتا ہے۔

فدِ حق ظاہر بود اندر دلی نیک میں باشی اگر اہل دلی
مرد محتانی کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہو پیش ذی شعور
دہاں نہ خاص لباس تھا نہ خدم نہ حشم..... نہ چوغہ نہ ٹپکانہ اُگلان نہ پاندان نہ
خاصدان لیکن صورت دیکھ کر بے ساختہ کننا پڑتا تھا۔

دلفریبانِ نباتی ہمہ زیور بستند دلبرِ راست کہ باحسنِ خدا داد آمد
فرمایا کہ۔ ایک بار حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ کبھی تکبیر
بشکلِ تواضع ہوتا ہے۔ اسی طرح کبھی ریا (کاری) بشکلِ اخلاص ہوتی ہے۔ سوانِ چیزوں میں فرق
کرنے پہچاننے کے لیے شیخِ کامل کی ضرورت ہو اور ان سب میں زیادہ بار یک اور نازک چیز اخلاص
ہے۔ بزرگوں نے تصریح کی ہے کہ بعض اوقات اس کا پتہ ہی نہیں چلتا کہ کہیں اخلاص میں کمی تو
نہیں ہو گئی۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بصیرت فی العلم کے لیے کسی بزرگ کی صحبت کی ضرورت ہو
یعنی پہلے (کسی بزرگ کی) صحبت ہو اُس کے بعد علوم حاصل کرے تو بیجا نافع ہے۔ اس کی ایسی
مثال ہے جیسے معدہ اگر اپنی اصلی حالت پر نہ ہو تو وہ لطیف سے لطیف غذا اور دوسری چیزوں کو
باہر پھینک دیتا ہو اس لیے ضرورت ہو کہ پہلے طبیب سے معدے کی اصلاح کر لے تب غذا
کھائے تو نافع ہے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی ہر
مجلس میں شاگردوں کا ایسا افادہ فرماتے تھے کہ جیسے شیخ اپنے مُریدوں کا افادہ کیا کرتا ہو۔
اکثر باتیں اُسی وقت کی دل میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ مولانا کی عجیب شان تھی۔ بڑا جامع علم
تھا

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا۔ اکثر مُلاؤں کے ذلیل سمجھنے کی وجہ نہ پوچھو یہ خود
بھی ذلیل ہوئے۔ انھوں نے دنیا داروں کی چا پوسی اور خوشامد میں بھی حد ہی کر دی۔

ان لوگوں سے اپنی اغراض کو وابستہ سمجھ کر یہ طرزِ تلقین کا اختیار کیا اس لیے ذیل ہوئے اب تو ذیل سے
ذیل آدمی بھی ان کو ذیل سمجھتے ہیں۔ یہ تمام تر خرابی حُبِ دنیا کی ہے۔
فرمایا۔ دیکھیے یہ حُبِ جاہ ہی کے نوکر شے ہیں کہ مخلوق اکثنوں اور کمبر لوں کے لیے
ہزاروں لاکھوں روپیہ صرف کرتی ہے۔ زکوٰۃ کا ایک پیسہ دیتے ہوئے دم نکلتا ہے نیز علاوہ
روپے کے وقت بھی صرف کرتے ہیں راتوں اور دنوں کا آرام اور چین جاتا رہتا ہے۔ درہم و ذیل
دخوار ہوتے پھرتے ہیں۔ سو یہ مرض واقعی بڑا ہی سخت مرض ہے۔ ایک مرتبہ مسیح
پاس نصیب کی سرسبزی (چیریمینی) کے متعلق کلکٹر کا خط آیا جس کی وجہ یہ تھی کہ اُس زمانے میں اس
(سرسبزی) کے لیے ہندو مسلمانوں میں اختلاف تھا۔ ایک ہندو ڈپٹی کلکٹر نے کلکٹر کو یہ رائے دی کہ اس
کو (یعنی مجھ کو یہ عمدہ) بخوبی کر دو کسی کو اختلاف ہوگا۔ اُس (کلکٹر) نے فریقین (ہندو مسلم) کی رضا (مندی)
ہے کہ (مجھے) خط بھیج دیا میں نے لکھ دیا۔ میں آپ کی عنایت کا شکر گزار ہوں لیکن میرا فائدہ ماننا ہی
فضا میں ہوا ہے ایسی چیزوں سے مناسبت نہیں اس لیے معذرت ہوں۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ علم بھی خدا داد عطا ہے ادا اس علم سے مراد حقیقی (علم) ہو۔
انتر قتلے جس کو بھی یہ حقیقی علم عطا فرمادیں بڑی دولت ہے بڑی نعمت ہے۔۔۔۔۔

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ علم ظاہر کیا کچھ نعمت ہے۔ یہ بھی بڑی نعمت
ہے، ظاہر ہے کہ تمام احکام شرعیہ اسی پر موقوف ہیں اور یہ آج کل کے علوم معاش جن کو علوم کہا
جاتا ہے یہ تو صنعتیں میں علوم نہیں نہ ان کو علوم کہنا جائز ہے۔۔۔۔۔ ایک صاحب نے عرض

کیا کہ زائد قریب میں ہندوستان میں جیسے علماء گزرے ہیں خیال یہ ہے کہ مالک اسلام میں بھی (اُس وقت)
ایسے علماء گزرے ہوں فرمایا کہ تم تو پہلا ذکر کر رہے ہو میں اب کا واقعہ بیان کرتا ہوں۔ ایک مولوی
صاحب برودانی ج کو گئے تھے (اُن کی) بعض علماء نجد سے ملاقات ہوئی تو کسی حدیث کا ذکر آیا بخیری
عالم نے پوچھا کہ یہ حدیث بخاری میں کتنی جگہ آئی ہے تو ان برودانی مولوی صاحب نے فوراً کہا کہ
سات جگہ آئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اُن کو پہلے سے کیا معلوم تھا کہ کس حدیث کا ذکر آئے گا۔ تاکہ
احتمال ہو کہ پہلے سے تلاش کر لکھا ہو گا اس سے معلوم ہوا کہ یہ بخاری کے حافظ تھے۔ نجدی عالم
کو حیرت ہو گئی کہ ہندوستان میں ایسے ایسے علماء موجود ہیں۔ ایک سلسلے میں ان ہی برودانی مولوی

صاحب کا ذکر فرمایا کہ انھوں نے مجھ کو ایک خط میں لکھا تھا کہ مجھ کو سب سے زیادہ محمدؐ سے محبت ہے پھر فقہاء سے پھر صوفیاء سے۔ اس کے بعد حج کو گئے وہاں اپنی بچہ کی سختی کو دیکھ کر مجھ کو لکھا..... میں نے لکھا کہ اُن میں جس چیز کی کمی سے سختی ہے یہ وہی ہے جس کو آپ نے تیسرے درجے میں رکھا ہے یعنی صوفیت۔ اور میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ اپنا اپنا مذاق ہے۔ میرا مذاق (ذوق) بالکل اس کے برعکس ہے۔ مجھ کو سب سے زیادہ محبت اہل صوفیاء سے ہے۔ دوسرے درجے میں فقہاء سے تیسرے درجے میں محدثین سے.....

فرمایا کہ بھوپال میں میرا دغظ ہوا تھا اس میں وہاں کے کالج کا پرنسپل جو ہندو مرتد تھا اور دلا سے بڑی بڑی دگریاں حاصل کر چکا تھا۔ شریک ہوا۔ دغظ کو سن کر اُس پرنسپل نے، اپنی کدائے ظہر کی کرالیکٹیو بیان کے وقت کوئی نوٹ اٹھ میں نہ تھا سب بیان اور تھا جیسے کوئی کتاب سامنے رکھی ہو۔ دوسرے تمام مضمون مربوط تھا اور کوئی دعویٰ یا دعویٰ حاصل پر دلیل نہ قائم کی ہو۔ پھر اتنے گھٹنے ٹیک بیان کرنا میں نے ولایت میں ٹپے ٹپے فلاسوف اور لیکچراروں کی تقریریں سُنیں۔ بڑے بڑے ارکانِ سلطنت کو بیان کرتے دیکھا کہ گزٹ سب کے ہاتھ میں دیکھے ان کو دیکھ کر بیان کرتے تھے یہ بات میں نے کسی میں نہیں دیکھی۔ میں نے سُن کر کہا کہ یہ سب امثر کا فضل ہے اور اپنے بزرگوں کی دُعا کی برکت ہے۔ ہم کیا اور ہمارا وجود ابد ہستی کیا..... اور میں کو محض ایک ناقص الاستعداد طالب علم ہوں۔ اگر یہ کسی عالم کو دیکھے تو معلوم ہو۔ پھر اپنے بزرگوں کے برکات کے متعلق فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ علیہ نے ہم چند طلباء سے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ تم لوگ جہاں عباد گئے انشاء اللہ تم ہی تم ہو گے۔ یہ ان خالی ہے۔ وہ میرا طالب علمی کا زمانہ تھا۔ تو یہ سب کچھ ان ہی بزرگوں کی دُعا کی برکت ہے۔ ایک جگہ میں آرام کرنے کے لیے گیا تھا۔ لوگوں نے دغظ کی درخواست کی میں نے کس کا عذر کیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ بے چارہ دغظ کہنا کیا جانے اس کے جو دغظ چھپے ہیں، خواجہ صاحب (خواجہ عزیز الحسن مجذوب) لکھ کر دے دیتے ہیں اور یہ بھی پوچھا دیتے ہیں۔ مگر دوسرے خاص دوستوں کے اصرار سے بیان ہوا اور یہ بات دغظ کے بعد مجھ کو معلوم ہوئی۔ اگر پہلے معلوم ہو جاتی تو دغظ ہی نہ کہتا تاکہ لوگ اپنے اسی خیال میں رہیں..... ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ فنِ تصوف محض تحقیقات سے نہ

آج تک کسی نے حاصل کیا اور نہ یہ قاعدہ ہے۔ یہ آتا ہے کام کرنے سے۔ محض زبانی جمع خرچ و بطور
 کھٹکھٹانے سے نہیں آیا کرتا یہ بات یاد رکھنے کی ہے۔ ہاں اصول و قواعد کے حاصل کرنے کے بعد
 پھر تحقیقات اور سننا سنانا ماموریت میں معین ہو جاتا ہے۔ اس لیے میں اپنے دوستوں کو ہمیشہ
 مشورہ دیا کرتا ہوں کہ کام میں لگو کام کرو۔ سب ضروری معلومات حاصل ہو جائیں گی۔ ہر کام کا ایک
 طریقہ ہے۔ قاعدہ ہے۔ اصول ہیں۔ شرائط ہیں۔ آخر دوسرے علوم بھی تو طریقے ہی سے حاصل
 کیے جاتے ہیں۔

ایک صاحب یورپ کی تحقیقات اور ترقی اور اس میں (تحقیقات میں) تغیر و تبدل کا ذکر
 کر رہے تھے اس پر فرمایا کہ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ فیصلہ کن چیز صرف وحی ہے ورنہ اور
 چیزیں تو اس رنگ کی ہیں کہ آج کچھ کل کچھ۔ ظلمات ہی ظلمات ہیں جن میں حقیقت مستور رہی
 ہے۔ دیکھئے اتنا زمانہ گزر گیا وحی میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جو فیض زیادہ ہوا وہ
 حضرت کی شفقت کی وجہ سے ہوا۔ حضرت کی ذات کچھ عجیب و غریب تھی۔ وہ بات
 کسی میں بھی نہ دیکھی جو حضرت میں تھی۔ ایسی اور پریشانی تو وہاں تھی ہی نہیں۔ ہر پریشانی کی وہاں تسلی
 ہی تھی اور ہر بُرے سے بُرے شخص کے ساتھ حسن ظن رکھتے تھے جس کی وجہ عفویت تو واضح تھی۔
 مشکل سے کسی کے ساتھ حضرت کو بذلتی ہوتی تھی حتیٰ الامکان سب کے افعال میں توجہ و تامل
 ہی فرمایا کرتے تھے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اپنے بزرگوں کو دیکھا کیسی کیسی ہستیاں تھیں اس قدر بے نفسی
 اللہ اکبر۔ اپنے کو بالکل مٹائے ہوئے اور فنا کیے ہوئے تھے کسی فعل اور کسی قول سے یہ نہ مسلم
 ہوتا تھا کہ یہ کچھ ہیں یا کچھ جانتے ہیں۔ ان حضرات کو اب آنکھیں ڈھونڈتی ہیں وہ حضرات سب کچھ
 تھے اور اپنے کو کچھ نہ سمجھتے تھے اور آج کل یہ حالت ہے کہ کچھ نہیں اور اپنے کو سب کچھ سمجھتے ہوئے ہیں
 اور اس کے شمنی ہیں کہ دوسرے بھی ہم کو کچھ سمجھیں۔

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ جو آج کل ہمارے اساتذہ
 نے ایک طرز اختیار کیا ہے کہ طلباء کی مرضی پر اسباق رکھے جاتے ہیں یہ بالکل غلط طرز ہے اس طرز

میں بہت سی خرابیاں ہیں۔ اس آئندہ کو چاہیے کہ طالب علم کی استعداد اور قوت کو دیکھ کر کتاب انتخاب کریں تاکہ آئندہ کے لیے محنت کا آمد ہو۔ دوسرے طلبہ کے داغ اور اخلاق خراب ہوتے ہیں۔ وہ ایسے بڑا دوسے آئندہ کو اپنا محکوم سمجھتے ہیں۔ ایسی ہی باتوں کی بدولت ہمارے میں خرابیاں پیدا ہو گئیں۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض سیاحوں کی زبانی معلوم ہوا کہ اسلام کی جوشان ہندوستان میں ہے وہ ممالک اسلامیہ میں بھی نہیں اور اپنے بزرگوں سے ایسا ہی سنا۔ جنھوں نے دوسرے ممالک دیکھے ہیں۔ شاید یہ وجہ ہو کہ وہاں پر تو مسلمان بے فکر ہیں کہ حکومت، اسلامی ہے وہ ہر بات کی ذمہ دار ہے اس لیے وہاں کے علماء بھی بے فکر اور عوام مسلمان بھی بے فکر اور ہندوستان میں حکومت، اسلامی تو ہے نہیں عوام ہوں یا علماء سب دین کی ذمہ داری اپنے اپنے سمجھتے ہیں وَاَشْرَعُ لَعَلَّہُ۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نے کبھی کوئی کام بدوں اپنے بزرگوں کی اجازت کے نہیں کیا حتیٰ کہ نوکری چھوڑی وہ بھی اپنے بزرگوں کے ارشاد سے۔ یہی میں اپنے دوستوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ جو کام کرنا ہو ہمیشہ اپنے بزرگوں سے اُس میں پوچھ لیا کر۔ یہ بڑی برکت کا سبب ہوتا ہے یہ جو آج کل خود راہی پیدا ہو گئی ہے اس کی بدولت لوگ زیادہ تباہ اور برباد ہیں۔ اس نے تو بڑوں بڑوں کو خراب اور برباد کر دیا اس سے سخت اجتناب کی ضرورت ہے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل یہ مرض بھی عام ہو گیا ہے کہ لوگ باتیں زیادہ بناتے ہیں۔ زبانی جمع خرچ چلے جتنا کہ او اور جب کام کرنے کا وقت آتا ہے یا کرنا پڑتا ہے اُس وقت بغلیں بھانکتے نظر آتے ہیں اور جو لوگ کام کرنے والے ہیں اُن پر اعتراضات کی بھرمار دیتی ہے کہ یہ کیسی چیز یہ نہ کیا وہ کدیا تو ان لوگوں کے نام کی شرم بھی نہ رہی۔ خود تو کچھ نہ کرنا نہ دھرنا اور دل پر اعتراض یہی وجہ ہے کہ لوگ دین کی خدمت نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی ارادہ کرتا بھی ہے تو یہ آفت ہے۔ میں تو اس موقع پر یہ شعر پڑھا کرتا ہوں خوب ہی کہا ہے.....

سودا تمامِ عشق میں شیریں سے کوہکن
بازی اگر چہ پانہ سکا سہر تو کھو سکا

کس نہ سے اپنے آپ کو کتا ہے عشق باز

اے روسیہا تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

فرمایا۔ اہل علم کو استغناء کی سخت ضرورت ہے۔ خصوصاً اُمراء کے دروازوں سے تو اُن کو بالکل اجتناب چاہیے۔ اس میں دین، علم، دین، اہل دین سب کی ذلت ہے۔ جسکی ہے

جھکو تو اس سے بڑی نفرت ہے اور میں جب کوئی واقعہ اہل علم کا اُمراء کے ساتھ ملحق۔
دیا پوسی کا مُنتا ہوں، سخت افسوس ہوتا ہے۔ میں (اُمراء سے) تعلق کو منع نہیں کرتا البتہ
یہ (ملحق) اہل علم کی شان سے بہت ہی بعید ہے۔ مگر کس طرح (یہ بات) دل میں ڈالوں۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہندوستان میں بدعت کا قلع قمع حضرت سید صاحب (سید
احمد شہید) اور مولانا (محمد اسماعیل) شہید کی بدولت زیادہ ہوا۔ مولانا تو شمشیر برہنہ تھے اور حضرت سید
صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بھی بڑی برکت والی تھی جہاں جہاں کو تشریف لے گئے وہاں اب
تک برکات موجود ہیں۔ تھانہ بھون بھی تشریف لائے ہیں۔ باقی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ
علیہ کی ایک منتقل اور ممتاز شان تھی۔ آپ کی بڑی حکیمانہ باتیں ہوتی تھیں۔ ہر بزرگ کا رنگ جدا ہوتا
ہے۔ جیسے بارغ میں ہر قسم کے پھول ہوتے ہیں۔ رنگ جدا۔ خوشبو جدا۔ پتی جدا ایسے ہی یہ حضرات
ہوتے ہیں۔ خود حضرات انبیاء علیہم السلام جن قدر ہوئے ہیں۔ سب مختلف الاحوال ہوئے ہیں۔ ایسے
ہی اُن کے غلام بھی مختلف الاحوال ہوتے ہیں۔ مگر باوجود احوال کے اختلاف کے ایک چیز ان سب
میں مشترک ہے۔ وہ طلبِ رضا حق ہے یہ سب کے اندر ہوتی ہے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ چھوٹے تو یہ سمجھیں کہ ہم چھوٹے ہیں اور بڑے سمجھیں کہ یہ چھوٹے
نہیں کیسے لطف کی بات ہے۔ اگر سب ایسا کریں تو بہت سی راحت رہے اب جو بے لطفی اور بے
مزگی ہے اُس کا سبب یہ ہے کہ چھوٹے تو اپنے کو چھوٹا نہیں سمجھتے اور بڑے اُن کو چھوٹا سمجھتے ہیں۔
... پھر لطف کہاں بے لطفی ہی ہوگی۔

فرمایا کہ۔ آج کل اعتدال بہت کم ہے۔ افراط و تفریط بہت زیادہ ہے۔ اگر خیال نہیں ہوتا
تو بڑی بڑی مصیبتوں اور بدعتوں کا نہیں ہوتا۔ اور خیال ہوتا ہے تو مباح تک پر ہاتھ صاف کرنے
کو اور اُس کو محصیت میں داخل کرنے کو طیار ہیں۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دُعا گزشتہ میں اکثر اہل علم کی پانچ دس روپے ماہوار تنخواہ ہوتی تھی علاوہ امدادی کے پہلے کچھ تھی مگر اب تو کٹانہ شان، اہل علم کی — مولانا رحمت اللہ صاحب (دکیر لڑی) مہاجر کی طرح کے مدرسہ کہ منظر (مدرسہ صولیہ) میں سلطان عبدالحمید خاں نے کچھ مقرر کرنا چاہا، منظرہ نہیں کیا اور لوگوں کے پوچھنے پر فرمایا — نہ بھائی پھر کام نہ ہوگا اب تو کارگزاری دکھلانے پر چندہ ملتا ہے اس لیے سب کوشش سے کام کرتے ہیں — پھر وہاں سے آتا مستقل طور پر — چاہے کام ہوتا یا نہ ہوتا۔ اب تو مدرسہ میں سرمایہ نہیں لیکن کام ہے اور جب یہ سب کچھ ہوتا مگر کام نہ ہوتا بے فکری ہو جاتی۔ اب ہی دیکھ لیجیے اس وقت جو علماء ریاستوں سے وظائف پارہے ہیں وہ بے فکر پڑے ہوئے ہیں..... پھر کام کہاں؟

میں تو کہا کرتا ہوں کہ جس قوم کے مذہبی راہبر ایسے ہوں گے (یعنی مالدار بن جائیں گے) تو وہ قوم گمراہ ہو جائے گی اس لیے کہ اُن کو ضرورت قوم سے واسطہ رکھنے کی رہے گی نہیں اور جب واسطہ نہ رہا تو گمراہ ہونا قریب ہے ہی.... امارت میں خاصہ ہے تبعید مساکین کا (مساکین سے دُور کمرے کا) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میرے دل میں اللہ کا شکر ہے کہ باوجود بہت لوگوں کے ستانے اور بدنام کرنے کے نہ کسی کی طرف سے کینہ ہے نہ کپٹ نہ بغض نہ عداوت — یہ تو غیر متوقعین کے ساتھ معاملہ ہوا غیر متوقعین کے ساتھ یہ معاملہ ہو کہ میں نے یہاں کے رہنے والوں تک کہ اپنے معاملات میں ایسا دخل (اور موقع) گھسی نہیں دیا کہ (انہوں نے) جس سے چاہا (مجھے) راضی کر دیا اور جس سے چاہا ناراض کر دیا۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات بڑی ہی کریم ذات تھی۔ ایک مرتبہ تھانہ بھون کا ایک مجمع جگ لگ گیا۔ جب حضرت کی خدمت میں بار آیا ہوئے حضرت سب سے بغلیں ہو کر بیٹھے اور فرمایا ”اپنے باپ دادا کے نام بتلاتے رہو میں نوجوانوں میں سے کسی کو نہیں پہچانتا۔“ ایک تھانہ بھون کے رہنے والے کہتے تھے کہ میں جب کہ منظر حاضر ہوا — حضرت کے پاس مجمع زیادہ تھا میں خاموش ایک گوشہ میں بیٹھ گیا کہ جب حضرت فارغ ہوں گے اُس وقت لوں گا۔ حضرت نے خود فرمایا کہ ”اس مجلس میں سے لوئے وطن اور ہی ہے۔“ تب انہوں نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ حضرت میں تھانہ

نہوں کا نہ ہونا ہوں۔ فرمایا کہ میں غیروں کی طرح دور جا بیٹھے۔ یہاں کا دیکھنے سے لگایا۔ پیادہ کیا۔ کیا ٹھکانا تھا حضرتؑ کی شفقت کا۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ جو شہود ہے کہ جائے بزرگاں بجائے بزرگان۔ اس سے برکت مراد ہے۔ ایسی جگہ میں برکت ضرور ہوتی ہے۔ مولانا شیخ محمد صاحب (محدث تھانوی) رحمہ اللہ علیہ کی روایت مجھ کو پہونچی ہے۔ ایک صاحب بیان کرتے تھے کہ مولانا شیخ محمد صاحبؒ نے فرمایا کہ جب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہؒ کو تشریف لے گئے تو میں نے اُس جگہ بیٹھ کر ذکر کیا جس جگہ حضرتؒ ذکر کیا کرتے تھے تو انوارِ معلوم ہوئے۔ اب آنکھیں اُن بزرگوں کو دھونڈتی ہیں اُن ہی بزرگوں کو دیکھا۔ اب طبیعت بھی دل بھی مکان بھی اُن ہی چیزوں کے خوگر ہو گئے۔ اُس کے خلاف پودِ وحشت ہوتی ہے اب طبیعت کو کیسے بدل دیا جائے غیر اختیار ہی ہے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل ایسی طبیعت کے بھی لوگ موجود ہیں جن کو امامت کا شوق ہو لیکن اہل امامت کے نہیں۔ لمبے لمبے ڈکوع اور (لمبے) خطب (خطبے) پڑھنا باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ ہمارے حضرات بہت ہی مختصر خطبہ پڑھتے تھے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اکثر حضرت شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ وہ بہت ہی مختصر اور جامع ہے مگر اُس میں سے بھی ایک حصہ حذف کر دیتے تھے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ ہم اپنی وضع پر نہیں رہے۔ ہم اپنے بزرگانِ سلف کی سوانح میں دیکھتے ہیں کہ اُن کا برتاؤ دیکھ دیکھ کر لوگ مسلمان ہوتے تھے۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل یہ مرضِ عوام اور خواص سب میں نظر آتا ہے کہ دوسروں کی تو اصلاح کی فکر ہے اپنی فکر نہیں۔.... اگر ہر شخص اپنی اصلاح کی فکر میں لگ جائے تو بہت جلد اصلاح ہو جائے۔

پیٹ میں بھاری پن اور سینے میں جلن سے
جلد آرام کے لیے

پچنول

لیجیے



پچنول پیٹ کے درد کھٹی ڈکاریں، اچھارا، جلن، ہلکی، بھوک کی
کمی اور کھانے کے بعد طبیعت کی سستی وغیرہ جیسی شکایتوں میں
نہایت مفید ہے۔

درد

MTA-MOF-3444-7

تین سو سے زائد صفحات کا یہ دلکش
دکھپ اور افادیت لبرز نمبر وسط ستمبر میں
آ رہا ہے۔ یہ اپنے مواد اور علمی و تحقیقی سبب
کی بنا پر اتنا دلچسپ ہو گا کہ اسے آپ جملہ
کرا کے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیں گے۔

ماہنامہ تجلی دیوبند
خاص نمبر ۶۹ء

اس نمبر کو اگر آپ مفت حاصل کرنا چاہیں تو تجلی کا سالانہ چندہ بھیجیں
جو اس روپے ہے۔ نمبر کو بخاطرات جمل کرنے کے لئے مزید ایک دوپہر سبزی
خرچ بھی شامل کر دیں تو نور علی نور۔
اور اگر صرف یہی نمبر خریدنا چاہیں تو ڈاک خرچ سمیت پانچ روپے ارسال
فرمائیں یا اپنے فہر کے نیوز سیر ایجنٹ سے چار روپے ۲۵ پیسے میں خرید لیں

کمل پتہ: منیجر تجلی۔ دفتر تجلی۔ دیوبند

اسلامی تحقیق

اس کے معنی، مدعا اور دائرہ کار

(ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے پی ایچ ڈی، ڈی لٹ)

— (۴) —

میکانکی تحقیق کی ایک نئی قسم | جو لوگ اسلام کی محبت سے بے نصیب ہو کر دل ہی دل میں غیر اسلامی نظریات کی طرف مائل ہو چکے ہیں ان کی اس خواہش نے کہ اسلامی قوانین کو بدل دینا چاہیے، پاکستان میں ایک نئی قسم کی میکانکی تحقیق کو جنم دیا ہے جسے بہت سے مسلمان غلطی سے اسلامی تحقیق سمجھتے ہیں۔ پہلے اس بات کی خواہش کرنا کہ اسلامی قوانین کو غیر اسلامی نظریات کی سمت میں بدل دیا جائے اور پھر اس خواہش کی تکمیل کے لیے موافق حالات پیدا کرنے کی غرض سے ایسی صحافتی قسم کی کتابیں تیار کرنا جن میں ہمارے علماء و متقدمین و متاخرین کے موجودہ علمی خیر و کوہکے قرآن و حدیث کے ترجموں کو بھی ایک نئی ترتیب، نئی زبان اور نئے مفہوم کا ایسا جامہ پہنایا گیا ہو جو اس خواہش سے مطابقت رکھتا ہو، ایک ایسا عمل ہے جسے ہم ایک خاص مقصد سے انجام دی ہوئی میکانکی قسم کی کتاب سازی تو کہہ سکتے ہیں لیکن اسلامی تحقیق کا نام نہیں دے سکتے۔ اس کا مقصد یہ نہیں کہ اصلی اور حقیقی اسلام کی علمی، عقلی اور حکمیاتی بنیاد کو دریافت کیا جائے اور واضح کیا جائے۔ بلکہ یہ ہے کہ اس اسلام کو بدل دیا جائے اور جس

حد تک بھی ممکن ہو غیر اسلامی نظریات اور اُن کے تصورات سے قریب تر لایا جائے تاکہ ان نظریات کے چاہنے والوں کو اسلام سے مطمئن کیا جاسکے لیکن اس قسم کی میکا کی تحقیق کا شوق رکھنے والے اس بات کو فراموش کر جاتے ہیں کہ وہ جن نظریات سے توافقی کی آواز دے رکھتے ہیں وہ خود مایہ دار ہیں اور اپنا کوئی مستقل نہیں رکھتے اور صرف ایک ہی نظریہ حیات یہ صلاحیت رکھتا ہو کہ وہ ماقیامت زندہ اور قائم ہو اور وہ ہی اسلام ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں پھوڑا تھا اور جس پر صحابہؓ نے عمل کیا تھا۔ اس قسم کی میکا کی تحقیق کے مقصد اور طریق کار سے اکثر کا رہے کہ اُسے انجام دینے کے لیے کسی بڑی علمی قابلیت کی ضرورت نہیں۔ چونکہ غیر اسلامی نظریات کے تصورات کی طرف جھکاؤ اور اسلام کے بجائے اُن کی حمایت خود کرنا اور دوسروں کو اُن کی حمایت پر آمادہ کرنا ایک لاشعوری عمل ہوتا ہو جو لوگ اس عمل کا شکار بنتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی ذہانت سے اسلام کی ایک نہایت ہی حیات آمیز اچھوتی اور دلکش تشریح دریافت کر لی ہو اور وہ اُسے پیش کر کے اسلام کو بچانے اور ہر دلعزیز بنانے کی ایک نہایت ہی بے نظیر خدمت انجام لائے ہیں جو درحاضر کے تقاضوں کے مطابق ہو۔

علمائے متقدمین کی اسلامی تحقیق ہمارے زمانہ کے چیلنج کا جواب نہیں بن سکتی

بعض مسلمانوں کا خیال یہ ہو کہ اسلام کی سائنسی اور حکمیاتی تشریح جس کی ہمیں اس زمانے میں ضرورت ہو، شاہ ولی اللہ، امام غزالی اور دوسرے مقتدر ائمہ دین کی اسلامی تحقیق کے امداد پہلے سے ہی موجود ہے اور اب ہمیں اسلام کی مزید کسی علمی تشریح کی ضرورت نہیں لیکن یہ خیال درست نہیں ان بڑے بڑے ائمہ اور فضلاء کی اسلامی تحقیق خواہ اُن کے اپنے زمانہ کے علمی چیلنج کے جواب کے طور پر کسی ہی گراں قدر اور کارآمد کیوں نہ ثابت ہوئی ہو تاہم وہ جس صورت میں اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے ہماری اس کوشش میں کہ ہم اسلام کی طرف سے اس زمانہ کے علمی چیلنج کا کافی اور شافی جواب ہمیا کریں۔ ہماری ذرا بھی مدد نہیں کر سکتی۔ اس زمانہ کے حکیمانہ تصورات اور نظریات جو اسلام سے نکلے ہیں اور جن کی تردید پیش کرنا ہمارا فرض ہو مثلاً ماہ کسرم، وادد نزم، فراد نزم، ایدر نزم، میکہ و دگوزم، بی ہویہ نزم، لاجیکل پازہ نوزم، شبنگ نزم، انہ نزم وغیرہ جو عصر حاضر کی مخصوص علمی فضا کی پیداوار ہیں، اپنی نوعیت اور اپنے طرز استدلال کے لحاظ سے بالکل مختلف ہیں اور ہمارے بڑے

بڑے متقدمین علماء اور فضلاء ان سے قطعی طور پر نا آشنا تھے۔ لہذا یہ خیال کرنا کہ وہ اپنی کتابوں میں انہی تردید ہیا کر چکے ہیں حدودِ درجہ کی سادگی جو چونکہ ہم ہی ان سے واقف ہوئے ہیں لہذا اسلام کی ممانعت کرنے اور اُس کے علمی اور عقلی نظام کو بلند رکھنے کے لیے اُن کی تردید ہم پہنچانا ہمارا ہی کام ہی ہر دور کا علمی چیلنج مختلف ہوتا ہوا اور اس کا جواب ان ہی مسلمانوں کو دینا ہوتا ہوا جو اس دور میں زندگی بسر کرنے کی وجہ سے اس چیلنج کا سامنا کر رہے ہوں۔

اس بات کے علاوہ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہوا اسلامی تحقیق کے فاضل کا کام نہ صرف یہ ہوتا ہوا کہ وہ اپنے زمانہ کے غلط فلسفیانہ تصورات کی تردید کرے اور اُن کو غلط ثابت کرے بلکہ یہ یہ بھی ہوتا ہوا کہ وہ اپنے زمانہ کے صحیح فلسفیانہ تصورات کی مدد سے جو صحیح ہونے کی وجہ سے لازماً اس کی تائید کریں گے، اسلام کو عقلی اور علمی لحاظ سے زیادہ دلکش، زیادہ مضبوط اور زیادہ یقین پرور بنائے۔ جس طرح سے اس دور کے غلط فلسفیانہ تصورات صرف اُن ہی مخصوص ہیں اسی طرح سے وہ صحیح فلسفیانہ تصورات بھی جو اس زمانہ میں آشکار ہوئے ہیں اس کا طغرائے امتیاز ہیں۔ یہ ثانی الذکر تصورات اول الذکر تصورات میں اس طرح دبے ہوئے ہوتے ہیں جس طرح کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں جو اہر اتد جب تک ہم نے کوڑے کرکٹ کو برباد نہ کریں ہم نے جو اہر اتد تک نہیں پہنچ سکتے۔ غرض ہمیں اس زمانہ میں اصلی اسلامی تحقیق کے کام کو نہ صرف اس لیے انجام دینا پڑے گا کہ ہم نے غلطی کوڑے کرکٹ کو برباد کرنا چاہتے ہیں بلکہ اس لیے بھی کہ ہم نے غلطی جو اہر اتد جو اس میں پڑنے ہیں، اپنے قبضہ میں لینا چاہتے ہیں۔

غلط فلسفیانہ تصورات کی اُن تردیدوں کے نقائص جو اب تک پیش کی گئی ہیں

پھر شاید یہ کہا جائے کہ اس زمانہ میں بھی کئی علماء اسلام عصرِ حاضر کے غلط فلسفیانہ نظریات کی تردیدیں ہیا کرنے کی کوشش کر چکے ہیں لیکن ان تمام تردیدوں کا مشترک نقص یہ ہے کہ وہ ان نظریات کے ایسے مطالعہ پر مبنی نہیں جو مخالفت کے جذبہ سے الگ ہو کر منصفانہ اور ہمدردانہ طور پر کیا گیا ہو لہذا وہ اُن کی صحیح اور مکمل واقفیت پر قائم نہیں۔ اس کے علاوہ وہ بہت سے سوالات پیدا کرتی ہیں جن کا جواب نہیں دیتیں اور حقیقت انسان کو کائنات کے بہت سے مسئلہ اور درد

حقائق کو اپنے پیش کیے ہوئے ترانی نظریہ کائنات کے ساتھ متعلق نہیں کرتیں اور ایک بچہ کی ہوتی صورت میں بدستور غیر اسلامی نظریات کے ساتھ متعلق رہتے دیتی ہیں۔ لہذا وہ تشنہ اور ناکمل اور ناتمام رہ جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ اُن علمی اور عقلی معیار و درجہ حاضر کے مسئلہ علمی اور عقلی معیار کے مطابق نہیں اور وہ فلسفیانہ استدلال اور حکیمانہ تشریح اور تفسیر کے رائج الوقت طریق اور تکنیک کی پیروی نہیں کرتیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ ان نظریات کے غیر مسلم ماننے والوں اور مسلمان بہرہ وران کو قابل نہیں کر سکتیں اور لہذا بالکل بے اثر اور بے کلام ہیں۔ ان کا مقصد زیادہ تر یہ ہے کہ ان مسلمانوں کو خوش کیا جائے جو زمانہ کے علمی چیلنج سے بے خبر ہونے کی وجہ سے صحیح قسم کی اسلامی تحقیق کو کام میں نہ لائے۔ اس چیلنج کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اور حکمتِ اسلام کے اُس علم سے مطمئن ہیں جو اس وقت تک میسٹر ہو اور غیر مسلموں کے سامنے پوری طرح سے پایہ نبوت تک پہنچانے کے بغیر اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلام اُسی اور مستقبل کے تمام فلسفوں سے زیادہ منقول اور بدل ہو لیکن اس بات پر جو کہ اسلام کے ایسے مکمل نظامِ حکمت کے بغیر جو کائنات کے تمام معلوم اور دستِ حقائق کو تسلیم کرتا اور واضح کرتا ہو کوئی چیز بھی ان حکیمانہ تصورات کا مکمل مستقل اور یقین پرور جواب نہیں بن سکتی جو اس وقت ہمارے دین کی بنیادوں کیساتھ گرتے ہوئے ہیں۔

اسلامی تحقیق کے فن کی تعلیم اور تربیت ضروری ہے

شاید یہ سبھی کہا جائے کہ شاہ ولی اللہ اور امام غزالی ایسے ائمہ دین جنہوں نے اسلام پر قیمتی تحقیقی اور تخلیقی کام کیا ہو اور شخصیتیں تھیں جن میں اس قسم کے کام کی غیر معمولی خداداد صلاحیتیں تھیں اور ہمارے لیے یہ نمونہ ہو گا کہ ہم اسلام پر اعلیٰ معیار کا اصلی تحقیقی کام جس کی ہمیں اس وقت ضرورت ہو ایسے عالموں کی خدمات کے ذریعہ سے حاصل کر سکیں جو ہمارے بہترین دماغ ہونے کے باوجود قدرت کی عطا کی ہوئی تخلیقی قابلیتوں سے بہرہ ور نہیں، اس اعراض کے جواب میں میرا نوڈ بانہ اتنا اس یہ ہو کہ ہر قوم میں ایسے افراد کوئی تعداد میں ہوتے ہیں جن کو قدرت نے ہر قسم کی صلاحیتوں سے بہرہ ور کیا ہوتا ہے لیکن اُن کی صلاحیتیں بالعموم مختفی رہتی ہیں خواہ قوم کو اُن کی صلاحیتوں کی کسی ہی شہید ضرورت کیوں نہ ہو۔ لیکن جب تک کوئی صلاحیتوں کا مالک اتفاقی ایسے حالات میں نہ پائے جو اُن کے مکمل اظہار اور نشو و نما کے لیے

خاص طور پر سازگار ہوں اس وقت تک وہ آشکار نہیں ہویں، سینکڑوں شاہِ دلی اثر اور غزالی ایسے ہوں گے جو سازگار حالات نہ پانے کی وجہ سے شاہِ دلی اثر اور غزالی نہیں بن سکے۔ اگر ہم بہت سے ذہین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اسلام دوست نوجوانوں کو ایسے حالات مہیا کریں، جو اسلامی تحقیق کی قابلیتوں کی نشوونما کے لیے موافق ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ ان میں سے چند نہایت عمدگی اور کامیابی کیساتھ اسلامی تحقیق کا وہ کام انجام نہ دے سکیں جس کے بغیر ہماری بقا خطرہ میں ہو۔

اسلامی تحقیق کے فاضل کی ضروری علمی قابلیتیں | چوں کہ اسلامی تحقیق کا مقصد یہ ہے کہ دہرہ حاضر کے غلط

فلسفیانہ نظریات اور تصورات نے اسلام کو جو جھجک دکھا ہو اس کا تسلی بخش جواب مہیا کیا جائے۔ لہذا جدید فلسفیانہ تصورات کا علم اور فہم اور جدید فلسفیانہ طرز استدلال کی واقفیت اور مہارت اسلامی تحقیق کے فاضل کی ضروری قابلیتیں شمار ہوں گی۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سائنسی علوم مثلاً طبیعیات، حیاتیات اور نفسیات سے ایک عام واقفیت رکھتا ہو۔ بالخصوص ان علوم کی ان ترقیوں سے جو اس بیسویں صدی میں رونما ہوئی ہیں یہاں تک آشنا ہو کہ ان کے فلسفیانہ مضمرات اور نتائج کو سمجھ سکے کہ کام میں لاسکے۔ سائنس کی واقفیت سے اُسے ایک اور فائدہ یہ حاصل ہوگا کہ وہ سائنسی طریق تحقیق اور طریق بیان کو سمجھنے کی وجہ سے اپنی طرز تحریر کو معقولیت اور جبرنگی کے سانچوں میں ڈھال سکے گا۔ یہ کہنا ضروری نہیں کہ اُسے کم از کم تحریری عربی زبان کی درجہ اول کی واقفیت حاصل ہونا چاہیے کیونکہ یہ اس کی بنیادی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر وہ قرآن اور حدیث اور فقہ کی کتابوں کے مطالب اور مضامین تک براہِ راست دسترس نہیں پاسکتا۔ ایک اور خصوصیت جو اُس کے لیے ضروری ہو وہ یہ ہے کہ وہ اسلام سے محبت رکھتا ہو اور اُس کی عالم کی ہوئی اخلاقی اور دینی پابندیوں کو بطیب خاطر قبول کرتا ہو۔

وہ شخص جو ایک فلسفی کی تمہیت، مہارت اور بصیرت سے بے بہرہ ہو اور آج تک کے تمام فلسفیانہ تصورات اور سائنس کے تازہ انکشافات کے فلسفیانہ مضمرات کی پوری واقفیت نہ رکھتا ہو خواہ اُسے قرآن اور حدیث اور فقہ اور علمائے متقدمین کی تمام کتابیں اذہر ہوں وہ اصلی اسلامی تحقیق کے کام کو مطلقاً انجام نہیں دے سکتا۔

ظاہر ہے کہ ایسی قابلیتوں کے افراد پوری تعداد میں اور آسانی سے نہیں آسکتے۔ لہٰذا ضروری ہے ہمارے ملک کا کوئی اسلامی تحقیق کا ادارہ کسی ایک فاضل کی راہ نمائی میں جو دوسروں سے زیادہ ان قابلیتوں کا مالک ہو، ہر سال چند نو ذیل تعلیم یافتہ افراد میں خاص تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے ان قابلیتوں کو پیدا کرے تاکہ اسلامی تحقیق کا کام خاطر خواہ طریق سے جاری رہ سکے۔ ان افراد کو معقول تنخواہیں دی جائیں اور تعلیم و تربیت سے فارغ ہونے کے بعد ماہر تحقیق اسلامی کی مقبّر سہیل دیہا جی۔

اسلامی تحقیق کے راہ نامہ فاضل کو چاہیے

تحقیق اسلامی کی تعلیم و تربیت کے ضروری نقاط | کہ ہر فاضل پر جو اس کے ذریعہ تربیت ہو، وہ ان تربیت میں اچھی طرح سے واضح کر دے کہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ:-

(۱) قرآن حکیم کی روح سے پوری طرح واقفیت پیدا کرے۔ اگر وہ قرآن کی روح سے واقف نہیں ہوگا تو اس کے لیے ناممکن ہوگا کہ وہ غلط فلسفیانہ تصورات کو صحیح فلسفیانہ تصورات سے میز کر سکے۔ اس کے سادے تحقیقی اور تحقیقی کام کی اہمیت کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ آیا وہ غلط تصورات کو صحیح تصورات سے تمیز کر سکتا ہو یا نہیں۔ لہٰذا اُسے اپنے وقت کا بہت سا حصہ قرآن اور حدیث اور شریعت رسولی (صلی اللہ علیہ وسلم) و صحابہ اور ائمہ کے صلیح و صوفیاء کی سوانح حیات کے مطالعہ میں صرف کرنا ہوگا۔

(۲) ان فلسفیانہ نظریات اور تصورات سے پوری پوری واقفیت پیدا کرے جو اسلامی نظریہ انسان و کائنات سے مغایرت رکھتے ہیں اور جن کو اُسے غلط اور بے بنیاد ثابت کرنا ہو۔

اس غرض کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان نظریات اور تصورات کے اصلی ماخذ کا براہ راست اور سہوارانہ مطالعہ کرے۔ جب تک ہم کسی کامیاب اور بڑے فلسفی کے اذکار کا مطالعہ سہوارانہ نقطہ نگاہ سے نہ کریں ہم اس کو ٹھیک طرح سے نہیں سمجھ سکتے اور جب تک ہم اُسے ٹھیک طرح سے نہ سمجھیں ہم اس کی غلطیوں کو آشکارہ نہیں کر سکتے۔

(۳) دور حاضر کے فلسفیانہ نظریات اور جدید سائنسی انکشافات کے فلسفیانہ مضمرات اور نتائج سے مکمل واقفیت پیدا کرے۔

(۴) اپنی تحقیق کے نتائج کو ضبط تحریر میں لاتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھے کہ دنیا بھر میں چوٹی کے غیر مسلم علماء اور حکما اُس کے مخاطب ہیں کیونکہ صرف اسی صورت میں وہ ذریعہ تحقیق علمی

مسائل پر ایسے خالصہ سائنسی اور غیر جانبدارانہ نقطہ نظر سے بحث کر سکے گا جو غیر مسلم اور مسلمان دونوں کے لیے یقین افروز ہو۔

(۵) اس بات کی کوشش کرے کہ جس غلط تصور کو وہ غلط ثابت کر رہا ہے اس کی جگہ صحیح تصور کو رکھے۔ اور یہ صحیح تصور جس قدر سوالات پیدا کر رہا ہو ان سب کا تسلی بخش جواب دے۔ فلسفیانہ مسائل میں ایک منفی نقطہ نظر یقین پیدا نہیں کر سکتا۔ لیکن جب کسی صحیح تصور کے پیدا کیے ہوئے تمام سوالات کا جواب دیا جائے تو ایک مکمل فلسفہ کائنات وجود میں آجاتا ہے۔ اور بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ وہ غلط تصور جس کی جگہ یہ صحیح تصور لے رہا ہو کسی اور غلط فلسفہ کائنات کا جزو ہو۔ اس کا مطلب یہ ہو کہ جب تک وہ انسان اور کائنات کا ایک مکمل صحیح فلسفہ پیدا نہ کرے وہ کسی غلط فلسفیانہ تصور کو غلط ثابت نہیں کر سکتا۔

مثال کے طور پر جب تک کہ وہ ایک ایسا اسلامی فلسفہ تاریخ پیدا نہ کرے جو عقلی اور علمی لحاظ سے مکمل طور پر قابل قبول ہو وہ بے خدا اشتراکیت کی فلسفہ تاریخ کا ابطال نہیں کر سکے گا۔ پھر اس کا یہ اسلامی فلسفہ تاریخ بہت سے سوالات پیدا کرے گا جو اس کو فلسفہ کے اور مسائل میں کھینچ لائیں گے اور اگر وہ ان سوالات کا بھی جواب دے گا جیسا کہ اسے ضرور دینا چاہیے تو پھر اس کا فلسفہ تاریخ محض ایک فلسفہ تاریخ نہیں رہے گا بلکہ کائنات کا ایک مکمل فلسفہ بن جائے گا۔ اسی طرح سے جب تک کہ وہ عمل اتفاق کے سبب کا کوئی ایسا فلسفہ ہیئانہ کرے جو قرآن کے نظریہ انسان و کائنات کے ساتھ مطابقت بھی رکھتا ہو اور علمی اور عقلی نقطہ نظر سے مکمل طور پر تسلی بخش بھی ہو اس وقت تک کہ وہ ان کے بے خدا میکائیلی نظریہ کائنات کی کامیاب تردید نہیں کر سکے گا۔ پھر اس کے قرآنی نظریہ تاریخ کی طرح اس کا قرآنی نظریہ اتفاق بھی بہت سے سوالات پیدا کرے گا جن کا جواب ایک مکمل فلسفہ کائنات کی صورت اختیار کرے گا۔

(۶) جب وہ کسی غلط نظریہ کو غلط ثابت کرتے ہوئے بعض تصورات کو درست قرار دیکر ان کی مدد سے تو کسی دوسرے نظریہ کو غلط ثابت کرتے ہوئے ان کو غلط قرار دے۔ اسی طرح سے جب وہ کسی صحیح قرآنی تصور کو درست ثابت کرتے ہوئے بعض تصورات کو غلط قرار دے تو کبھی دوسرے صحیح قرآنی تصور کو درست ثابت کرتے ہوئے ان کو صحیح قرار دے اور پھر جب وہ کسی غلط تصور

کو غلط ثابت کرتے ہوئے بعض تصورات کو غلط قرار دے لے تو کسی اور تصور کو غلط ثابت کرتے ہوئے اُن کو درست قرار نہ دے۔ اس کے برعکس اس کے لیے ضروری ہو کہ ہر تصور کے بارے میں ایک ہی توقف پر قائم رہے۔ اس کا مطلب یہ ہو کہ کسی تصور کے درست یا نادرست ہونے کے بارے میں وہ ایک ایسا توقف اختیار کرے جس سے وہ ہر حالت میں وابستہ رہ سکتا ہو۔ دوسرے نکتوں میں یہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لے کہ مختلف غلط نظریات اور تصورات کو غلط ثابت کرنے کی جو کوشش وہ کرے گا وہ اسی صورت میں بے خطا اور کامیاب ہوگی جب وہ اُن سب کے تردید کے لیے صرف ایک ہی نظریہ کائنات کو جو ظاہر ہو کہ صحیح اور قرآنی نظریہ کائنات ہی ہوگا کام میں لائے گا۔ اس صورت میں اس کے اسلامی نظریہ تاریخ کو مکمل کرنے والا فلسفہ کائنات اور اس کے نظریہ اتقاف کو مکمل کرنے والا فلسفہ کائنات جن کا ذکر اوپر الگ الگ کیا ہو دونوں ایک دوسرے سے ذرا بھر بھی مختلف نہیں ہوں گے بلکہ دونوں ایک ہی ہوں گے۔

صحیح فلسفہ کائنات صرف ایک ہے اور وہ اسلام کا فلسفہ کائنات ہے

اسلام کے ضمن میں جب فلسفہ کا ذکر آتا ہو تو بعض مسلمان یہ کہا کرتے ہیں کہ اسلام کا فلسفہ سے کوئی تعلق نہیں یہ خیال بہت بڑی غلطی ہو۔ حکمت اور فلسفہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ قرآن مجید حکمت کی کتاب ہو اور حکیم خدا کے اسمائے حسنہ میں سے ہو فلسفی صداقت کی تلاش کرتا ہو کیونکہ صداقت کے اندر ہی یہ صلاحیت ہو کہ وہ علمی اور عقلی لحاظ سے درست ہو اور درست ثابت کی جاسکے۔ فلسفی صداقت کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہو اور اُسے صداقت نہیں ملتی لیکن خدا تو بات ہی وہ کہتا ہو جو اُسے سزا صداقت اور حق ہوتی ہے (حوقولہ الحق) لہذا اگر خدا کی بات حکمت نہیں تو اور کس بات کی حکمت ہو پھر فلسفی کائنات کے بھید کو تلاش کرتا ہو اور اُسے نہیں ملتا یہی سبب ہو کہ وہ اپنے فکر اور استدلال میں غلطیاں کرتا ہو لیکن خدا وہ ہو جو کائنات کے بھید کو جانتا ہو۔ وہ دوسرے فلسفیوں کی طرح سر کائنات سے نا آشنا نہیں کہ اس کی بات سچی اور بے خطا حکمت نہ ہو اسی بنا پر وہ دعویٰ کرتا ہو کہ اس کی بات سچی ہو۔ (قُلْ أَنزَلَهُ إِلَهُنَّاسُ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَوَاتِ وَأَدْرَأْسُ) قرآن حکیم محل حکمت کائنات ہو اور اس کی تفصیل اور تشریح بھی جو اقیامت ہوئی ہوگی

حکمت کائنات پر بھی تشریح اور تفسیر کتاب یا سکتے ہو جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سکھایا
 (يَعْلَمُهُمُ الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ) اور جسے خدا کے وہ بندے بھی جنہیں خیر کثیر عطا ہو گئی تاقیامت
 سکھاتے رہیں گے (وَمِنْ يُوتِ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُفِي خَيْرًا كَثِيرًا) اور جسے تبلیغ دین کے لیے کام میں لانے کا حکم
 دیا گیا ہو رَاٰ عِزِّي سَبِيلَ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں
 صرف ایک فلسفہ صحیح ہو اور باقی سب فلسفے غلط ہیں اور صحیح فلسفہ وہ ہو جو قرآن حکیم پر مبنی ہو اور
 جو خدا کے عقیدہ سے آغاز کرے اور خدا کے عقیدہ پر ختم ہو۔ لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسلام کا
 فلسفہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر اسلام ایک فلسفہ نہیں تو دور حاضر کے غلط فلسفوں کا جواب نہیں
 دے سکتا اور سلمان ان غلط فلسفوں سے اپنی حفاظت نہیں کر سکتے اور اس کو ساتھ لے کر اسلام
 کی تبلیغ اور اشاعت نہیں کر سکتے اور باطل فلسفہ کے پرستار دل کو مشرف بہ اسلام نہیں بنا سکتے۔
 لیکن قرآن تو نازل ہی اس لیے ہوا کہ لوگ جن باتوں میں اختلاف کرتے ہیں ان کا فیصلہ کرے۔
 جب ہم ایک معمولی آدمی سے اس بات کی توقع رکھتے ہیں جو علم اور عقل کے معیاروں پر درست بنی ہو
 ہو تو کیا خدا جو بات کہتا ہو اُس سے یہ توقع نہیں کر سکتے۔ اگر خدا کی بات اُن علمی اور عقلی معیاروں
 کے مطابق ہو جو انسان کے دل میں رکھے گئے ہیں تو پھر ان معیاروں کے مطابق خدا کی بات کھول
 کہ بیان کرنا اسلام کا فلسفہ ہو جو اس زمانے کے باطل نظریات کا جواب ہو اور ہمارے ایمان کا
 محافظ اور ہمارے ظن و شک کا علاج ہو

حکمت دنیا فراید ظن و شک

حکمت دینی برد فوق فلک

(دردی)

آپ حج کیسے کریں؟ | حج کے موضوع پر اردو میں بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ لیکن یہ کتاب (وجودِ صل
 مولانا نعمانی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی مشترک تالیف ہے) اپنی اس خصوصیت
 میں اب بھی ممتاز و منفرد ہو کر یہ بہت آسان اور دلنشین انداز میں حج کا طریقہ احکام کے احکام و مسائل کی تہائی ہو اور فوق
 و شوق اور جذبہ عشق بھی پیدا کرے جو حج و زیارت کی جال ہے۔
 اللہ کے جی بندوں نے اس کتاب کو لے کر اور اس کی
 رہنمائی میں حج کیا جو ان کا بیان ہو کہ اہل ایسا سلام تھا کہ ایک ماہر اور عظیم معلم اور صاحبِ دل مرشد اعلیٰ نے حج کو سنوں اور
 عاشقانہ حج کرارہا ہو۔ آخر میں شوق انگیز اور وجد آور نقلیں بھی شامل ہیں۔۔۔۔۔ قیمت مجلد۔۔۔۔۔ ۲/-
 آسان زبان میں آپ حج کیسے کریں؟ کا خلاصہ ہو۔ کم قیمت یافتہ حضرات کے لیے بہترین مسلم درہنہ۔ سبھی کو
 آسان حج قیمت۔۔۔۔۔ ۲/- کتب خانہ الفرقان، پکھری روڈ، لکھنؤ

قرآن کی تعلیمات

ایک انگریز کی نظر میں

حال ہی میں ایک کتاب ”تاریخ کے حوادث“ *What Happened in History* انگلستان سے شائع ہوئی ہے جس میں ان اقوام کے مذہبی خیالات، رسوم، علم الاضنام، اخراجات، اداہم پرستی اور ایک ان دیکھی ہستی کے تصورات پر بحث کی گئی ہے جو زمانہ تاریخ اور اس سے پہلے گزر چکے ہیں اور جن کے حالات کا سرسراہ کتبوں، قدیم ادواروں اور برتنوں اور قبروں اور دوسری چیزوں سے معلوم ہوتا ہے۔

مصنف نے اپنے دائرہ تحقیق کو مصر اور مشرق وسطیٰ تک محدود رکھا ہے لیکن اس میں مشرق کے تقریباً تمام مذاہب اور ممالک کا ذکر آگیا ہے اور ضمناً ان تھائی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جن کا ماخذ تاریخ ہے۔

مذاہب اور عقائد کے تذکرہ میں جہاں یہودیت اور عیسائیت پر اشارات کیے گئے ہیں وہاں اس کتاب میں اسلام اور اس کی تحریکات کا بھی ذکر آگیا ہے۔

آغاز میں مصنف نے ضرورت سمجھی ہے کہ لوگوں سے اسلام کا تعارف کرائے اور اس ”عجیب و غریب مگر پرتاثر“ مذہب کی تعلیم کو بے نقاب کرے، چنانچہ مضمون کے تعارفی حصہ میں اپنے خیالات کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے۔

”بہت سے لوگ اسلام کو مذہب *Religion* کی حیثیت سے جانتے ہیں لیکن بہت کم لوگ ہیں جنہوں نے ”تحریک“ کے نقطہ نظر سے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ مختصر سے مختصر الفاظ

میں اس مفہوم کو اس طرح ادا کیا جاسکتا ہے کہ اسلام دنیا کے تمام مذاہب میں زوالا ہے وہ ایک تاریخ بھی ہے اور ایک زبردست تحریک بھی، وہ سیاست بھی ہے اور اجتماعیت بھی، وہ نفسیات کی پہلی کتاب بھی ہے اور روحانیت کی آخری کتاب بھی، وہ دین اور دنیا کا ایسا مرکب ہے جو دیرِ تحقیق دنیا کے تمام مذاہب سے بے نیاز کر دیتا ہے قرآن کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات ماننی پڑے گی کہ اس کا ”مصنف“ خود کوئی ہولنے زمانہ ہی کا نہیں بلکہ بہت سے زمانوں کا ایک زبردست معلم ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن کا مصنف ایک برہانی اور عقلی دماغ کا انسان ہے وہ اپنے ہر مضمون میں اس بات کی بڑی احتیاط کرتا ہے کہ کوئی دعویٰ بلا دلیل نہ ہو، وہ بار بار عقل کے اعتماد پر زور دیتا ہے عقل سے کام نہ لینے والوں کو حیوان ٹھہراتا ہے اور عقل ہی کو حقائق کی کسوٹی ٹھہراتا ہے۔ وہ کشش کرتا ہے کہ دہم پرستیوں سے دور رہے اور خرافات کا کوئی شاہد اپنے خیالات میں نہ آنے دے۔ اس کا اندازہ فکر اس حکیم سے ملتا ہے جو صرف کائنات پر غور کرتا ہے قرآن کی یہ خوبی پہلے تو انسان کو حیرت میں ڈالتی ہے، پھر اسے اپنی طرف کھینچتی ہے اور آخر میں اپنا گردیدہ بنا لیتی ہے۔“

اے گئے چل کر مصنف لکھتا ہے:-

”یورپین کو یہ بات سمجھنے میں بہت زیادہ تکلف سے کام لینا پڑا ہے کہ عرب کے وحشی انسانوں نے بغداد اور قرطبہ (اسپین) میں علوم و فنون کی بنیاد کس طرح ڈالی ہے؟ وہ عربوں کے علمی ذوق کو دیکھ کر حیران رہ گئے، لیکن یہ بات نہ سمجھ سکے کہ ان کے اس ذوق کے محرکات کیا تھے کسی نے کوئی وجہ بیان کی کسی نے اسے اتفاق کے سر منہ دیا، حالانکہ یونانی علوم کی طرف رغبت بھی وہی قوم کر سکتی ہے جسے پہلے سے عقلی علوم کا چمکہ ہو، لیکن اگر یہ یورپ قرآن سے بھی واقف ہوتے تو انھیں اس قدر دور از کار بائیں بنانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ وہ یہ صاف ہے کہ قرآن عقل کا زبردست پوتہ ہے، اب بات بالکل صاف ہے کہ جس قوم کا مذہب عقلی اور برہانی ہو وہ سائنس اور علوم کی مخالفت نہیں ہوگی بلکہ مذہبی حیثیت سے سائنس کی سرپرستی کرنا اس کا فرض ہوگا۔ اگر قرآن عقل کی افادیت کا قائل نہ ہوتا تو مسلمان بھی علوم کی سرپرستی قبول نہ کرتے اور اسپین کی راہ سے سائنس کی شمع یورپ میں کبھی روشن نہ ہوتی۔“

اس کے بعد کتاب کے مصنف (V. Gordon Child) نے اسلام کی بعض خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے وہ لکھتا ہے۔

”ہماری مہذب دنیا میں آرٹ (Art) (فنون لطیفہ) کو اہمیت حاصل ہے وہ ہمارے کیرکٹر کا جزو بن چکا ہے۔ مگر دنیا کو یہ سُن کر حیرت ہوگی کہ قرآن میں آرٹ کے لیے کوئی جگہ نہیں جن لوگوں نے جاہلیات میں زندگی گزار دی ہے، اور جنہیں اسے ترقی دینے پر غرہ ہے وہ یقیناً اسلام سے مایوس ہوں گے کہ اس میں ان کے ذوق کی یہ چیز نہیں، لیکن داد دینی پڑتی ہے قرآن کے مصنف کو اس نے سیرت کی ان تمام بُرائیوں کو چیلنج کیا جو آرٹ کے نام سے ہماری سوسائٹی کو گمراہ کر رہی ہیں اور اسکی قدر اس وقت معلوم ہوگی جب ایک طویل زمانہ کے بعد آرٹ کی بُرائیاں زندگی کی سطح پر آجائیں گی اور ہماری نئی نسلوں کو گھن لگا دیں گی۔

ہمارا آرٹ کیا ہے؟ ہر ذہن کی بے راہ روی اخلاق کی کچی ذوق کی شوریہ گی، جنسی انار کی عیش و عشرت کی بے لگائی اور بُرائیوں کو پھیلنے کی ایک ترکیب! قرآن نے بُت پرستی کی تردید اور مذمت کر کے آرٹ کی ادھی عمارت کو سمار کر دیا کیونکہ اگر کابھت بُرا حصہ قدیم زمانہ کے بتوں اور تصویروں کی ایک شرمناک یادگار ہے اور ان جنسی تعلقات کی یاد دہانی جن پر جاہلیات کا خول چڑھا ہے قرآن حسن ازدی کا آئینہ تو ہے غش کاوی کا معلم نہیں ہے۔ آج کل فنون لطیفہ کی بُری قدر ہے لیکن دقت آئے گا کہ آرٹ کی بُرائیاں ظاہر ہوں گی اور اس کی بیش مینی ایک حقیقت بن کر سامنے آئے گی۔“

مصنف نے اسلامی ارکان پر جس انداز میں تبصرہ کیا ہے وہ بھی قابل ملاحظہ ہے۔۔۔

”قرآن نے جن فرائض پر روشنی ڈالی ہے انہیں پڑھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ اس کے مصنف نے دین اور دنیا کو سمونے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ نماز پانچ وقت پڑھی جاتی ہے جو زندگی کی ایک دوامی حرکت ہے، ایک آن دیکھی رستی سے تعلق پیدا کرنا اور اس کے ذریعہ دنیا کے ساتھ اس کے مناسب حال سلوک کرنا، نماز کا سب سے بُرا مقصد ہے اور خیال میں نہیں آسکتا کہ اس سے بہتر کبھی عبادت کا کوئی طریقہ اور ہو سکتا ہے۔ جب ایک شخص مسجد میں نماز کرے لیے حاضر ہوتا ہے تو وہ صرف خدا ہی کا تصور نہیں کرتا بلکہ خدا کی ساری مخلوق سے

اپنے رشتہ کی تجدید کرتا ہے۔ حج کے آئینہ میں بھی دین اور دنیا کا عکس پڑتا ہو اور اس فزعیہ میں وہ سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے جو ایک جامع تصور کی غایت ہے۔ گو آپرٹیو سوسائٹیاں زمانہ حال کی پیداوار ہیں۔ مجالس امداد باہمی کی تحریک بالکل جدید ہے۔ لیکن قرآن کے ”مصنف“ نے زکوٰۃ کی مقدار کم کر کے وہ تمام اغراض حاصل کر لیے جو آج کل کی سوسائٹیوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ میں اخلاص اور ایثار ہے، غنچواری اور ہمدردی ہے۔ لیکن امداد باہمی کی تحریکات اس روح سے خالی ہیں۔ قرآن نے زکوٰۃ کو تجارت سے بالاتر رکھا ہے، وہ ایک ایسی صداقت ہے جس کا مفہوم زمانہ حال کی کسی تحریک میں نہیں پایا جاتا۔

اسلامی ردزہ کے متعلق صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ اس میں انسانی کمزوریوں کی پوری رعایت رکھی گئی ہے اور بہارِ خیال ہے کہ ردزہ کی دوسری شکلیں اس شکل کے مقابلہ میں سچ ہیں۔

قرآن کی سیاست پر مصنف نے پورے دو صفحات پر بحث کی ہے۔ آخر میں لکھا ہے۔

”قرآن کو دوسری مذہبی کتب پر یہ تفوق حاصل ہے کہ اس میں سیاست اور اصولِ حکمرانی پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ قرآن نے سیاست میں ذرا بھی کمزوری نہیں دکھائی۔ سیاست کے ہر جزو میں وہی زور اور تاثر ہے جو اس کا فطری تقاضا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قرآن نے اخلاق، اخوتِ خدا، خدمتِ خلق اور تصورِ آخرت سے سیاست کو بیگانہ نہیں دکھا اور یہی وہ چیز ہے جس سے موجودہ عہد کی سیاست محروم ہے اور اس محرومی نے دو بڑی جنگوں کا تماشہ دکھایا ہے۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ یورپ کے معاہدے، یورپ کی دفاعی تدابیر، یورپ کا سیاسی اتحاد اور بین الاقوامی پارلیمنٹ یا حکومت کی تجویز اور دوسری تمام تدابیر ناکام اور بے سود رہیں گی، اگر اس کی بنیادوں میں خدا کے تصور اور اخلاقی قدر و دل کو جگہ نہ دی گئی۔ جہاں عالمی امن کے لیے بہت سے نسخے آزمائے گئے ہیں وہاں مذہب کا یہ نسخہ بھی آزمائے دیکھ لینا چاہیے۔ اگر اس کے لیے کوئی تیار ہو تو میں مشورہ دوں گا کہ وہ اس سلسلہ میں قرآن کو ہرگز نظر انداز نہ کرے کیونکہ اس کی رہنمائی اس کتاب بہتر اور کوئی کتاب انجام نہیں دے سکتی۔“

مصنف کا یہ فیصلہ بھی سننے کے قابل ہے کہ:-

”افسوس کہ اسلام کی مثالی اسٹیٹ کے قیام کے لیے اب تک کسی نے کوشش نہیں کی، مصر، ترکی، ایران، افغانستان وغیرہ مسلم حکومتوں کو اس اسٹیٹ سے کوئی تعلق نہیں جن کا نمونہ تیرہ صدی پہلے عمر بن الخطابؓ نے قائم کیا تھا، قرآنی اسٹیٹ اور مسلم اسٹیٹ میں فرق نہ کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم بہت سی غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جہاں تک کہ سیاسی طاقت کا سوال ہے وہ خود یورپ کے لیے تباہ کن ثابت ہوئی ہے۔ ایسی طاقت سے وہ کمزوری اچھی جو ہیردیشیا اور ناگاساکی کی بربادی پر ماتم سرا ہوا وہ جو طاقت پر دکانو بھائے“ (ماخوذ)

BOMBAY ANDHRA TRANSPORT Co.

Transport Contractors

113, BHANDARI STREET (CHAKLA)

BOMBAY 3

پھول کی طرح تروتازہ

اگر جلدی امراض یا فساد خون کی
مشکایت ہو تو چہرہ پر مژدہ نظر آتا ہے

خون صفا



پھیپھڑے، جینسی غارش اور دماغ سے نجات دے
کرم اور چہرے کو پھول کی طرح تروتازہ رکھتا ہے

دواخانہ طبیکالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

دُرُسِ قُرْآنِ — مرکزِ دالی مسجد

۶ ستمبر ۱۹۶۹ء (یکشنبہ)

- دین کو لہو و لعب بنانے والے.....
- مشرکین کا کیش و مذہبِ اوبہ خداوندی ہدایت
- آخرت صفاتِ الہی کا لازمی تقاضا ہو

حمد و صلوة ، اعوذ اور بسم اللہ کے بعد

وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لِبَآءًا وَلَهُمْ أَعْرَاجُ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَذَكَرِ رَبِّهِمْ اَنْ يُبْسَلَ لِنَفْسٍ يَمَّا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا
مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ ؕ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلُّ عَدْلٍ لَا يُؤْخَذُ
مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ
جَحِيْمٍ وَعَذَابٌ اَلِيْمٌ يَّمَّا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ؕ

قُلْ اَنْتُمْ عٰوِدُْنَ دُوْنَ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُزِّلْ عَلٰى
اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيَاطِیْنُ فِى
الْاَرْضِ حٰمِرًا مَّلَہٗ اَصْحَابُ يَدْعُوْنَہٗ اِلٰى الْمُہْدِی بَغْوَ
قُلْ اِنَّ هُدٰی اللّٰهُ هُوَ الْمُہْدِی ؕ وَاْمُرْنَا لِیُسَلِّمَ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَ اَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوْهُ وَاَقُوْہٗ ؕ وَهُوَ الَّذِی اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ ؕ
وَہُوَ الَّذِی خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَیَوْمَ یَقُوْلُ
کُنْ فَیَکُوْنُ ؕ قَوْلُہُ الْحَقُّ ؕ وَلَہٗ الْمُلْکُ یَوْمَ یُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ عَلِیْمٌ

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ

الانعام رکوع ۹۔ آیات ۷۰ تا ۷۳

اور اُن لوگوں کو چھوڑ دو (اُن کی فکر میں نہ گھلو) جنہوں نے اپنے دین کو لہو و لعب بنا رکھا ہے اور دُنیوی زندگی نے اُن کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے، اور اس قرآن کے ذریعہ نصیحت کرو کہ آدمی اپنے کرتوتوں میں ایسا گرفتار نہ ہو جائے کہ اللہ کے آگے نہ اس کا کوئی مددگار و حمایتی ہو اور نہ سفارشی اور اگر وہ دنیا بھر کا معادضہ بھی ہے تو اس سے نہ قبول کیا جائے۔ یہی لوگ ہیں جو اپنے کرتوتوں کی پاداش میں گرفتار ہوئے، ان کے واسطے کھولنا ہوا پانی پینے کے لیے ہو گا اور (اس کے علاوہ طرح طرح کا) دردناک عذاب ہو گا۔

(ان شرکوں سے) کہہ دیا کہ ہم (بھی تمہاری طرح) اللہ کے سوا ایسی (بے حقیقت) چیزوں کو (اپنی حاجتوں کے لیے) پکارنے لگیں (اور اپنے مقاصد کے لیے ان سے دُعا مانگنے لگیں) جو نہ ہمیں نفع پہنچا سکتی ہیں نہ نقصان، اور (دین حق تک پہنچ کر اُٹے پاؤں) شرک گھر کی طرف) پھر جائیں اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں ہدایت بخشی ہے، اُس (دُبت) آدمی کی طرح ہے شیاطین نے کسی جھگ بیابان میں لے جا کر بھٹکتا پھیر دیا ہو (اور اس کے عقل و دھواں کھوٹے کئے ہوں) اس کے کچھ ساتھی بھی ہوں جو اس کو سیدھے راستہ کی طرف بلاتے ہوں (اور پکار پکار کے کہتے ہوں) کہ ہمارے پاس آ جا۔
 — (ان سے) کہہ دو کہ اللہ کا بتلایا ہوا راستہ ہی راہ حق ہے (جس پر چل کر نجات اور کامیابی حاصل ہو سکتی ہے) اور (اُس کی طرف سے) ہمیں حکم ہوا ہے کہ ہم اللہ رب العلیین کی پوری فرمانبرداری کریں، اور (ہم کو حکم ہوا ہے) کہ نازلہ قائم کر دو اور اُس کے ڈرتے رہو اور وہی ہے جس کے حضور تم سب اکٹھے کیے جاؤ گے۔

اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو بالحق (یعنی حجت) اور فضول نہیں بلکہ ایک بڑے مقصد کے لیے) اور جس دن وہ کھے گا کہ (حشر) ہو جاؤ وہ برپا ہو جائے گا، اُس کا فرمان اُٹل ہے اور اسی کی حکومت اور سنہ نازلہ

ہوگی جس دن کہ (حشر کے لیے) صورتوں کا جائے گا، وہ غیب و شہادۃ (یعنی غائبہ)
حاضر اور پوشیدہ (ظاہر) سب کا جاننے والا ہے اور وہ بڑی حکمت والا اور ہر
چیز سے پوری طرح باخبر ہے۔

سورۃ الانعام۔ آیات ۷۰ تا ۷۲

(تفسیر و تشریح)

میں پہلے ذکر کر چکا ہوں اور آج پھر یاد دلادینا مناسب سمجھتا ہوں کہ یہ سورہ ”الانعام“ مکی ہے
یعنی یہ اُس زمانہ میں نازل ہوئی تھی جب اُس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منظر ہی میں مقیم تھے اور
ابھی آپ نے مدینہ طیبہ کو ہجرت نہیں فرمائی تھی، اس کے مضامین اور پیغام کا دُفعہ زیادہ تر مکہ کے
کفار اور مشرکین کی طرف ہے۔ ان کا یہ حال میں ذکر کر چکا ہوں کہ یہ خدا کے تو قائل تھے لیکن
کچھ ہستیوں کے بارہ میں اُن کا عقیدہ تھا کہ یہ اُس کی مقرب ہیں اور اُس نے اُن کو کچھ اختیارات
دے رکھے ہیں۔ اور یہ ہمارے بہت سے کام بنا سکتے ہیں اور خدا کے ہاں ہماری سفارش بھی کر
سکتے ہیں۔ اس لیے وہ اُن کی بھی عبادت کرتے تھے، اُن سے بھی دُعائیں کرتے اور مرادیں مانگتے
تھے، یہی اُن کا شرک تھا۔ دوسری بڑی گمراہی اُن کی یہ تھی کہ وہ آخرت کے اور دہاں کی
جزا سزا کے قائل نہیں تھے۔ اسی سورۃ میں ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴

لوگوں کی طرح ان مشرکین محکمہ میں بھی مختلف طبیعتوں اور مزاجوں کے لوگ تھے کچھ لوگ ان میں ایسے خبیثیت طینت اور فاسد المزاج تھے کہ انھیں دنیوی عیش و لذت اور فحش دل لگی کے سوا کسی چیز سے کوئی دل چسپی اور کسی بات کی کوئی فکر نہیں تھی۔ جب ان کے سامنے خدا اور آخرت کا ذکر کیا جاتا اور ان کو دین کی دعوت دی جاتی تو وہ اس کا مذاق اڑاتے اور تمسخر کرتے اور اس کو بھی تفریح اور دل لگی کا سامان بنا لیتے۔ یہ وہ لوگ تھے جو بالکل حیوانیت کی سطح پر گر گئے تھے اُن میں قبول حق کی استعداد باطل باقی نہیں رہی تھی۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ آپ ان کی فکر میں بھی گھلے جاتے تھے آپ کی دلی آرزو تھی کہ یہ بھی کفر و شرک کی گندگی سے نکل آئیں اور اللہ کی ہدایت کو قبول کر لیں، پھر آپ دیکھتے تھے کہ ان پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا تو آپ کو قدرتی طور پر رنج اور دکھ ہوتا تھا۔ اسی طبقہ کے بارہ میں فرمایا گیا ہے۔

وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لِبَاطِلٍ كُفْرًا كَمَا اتَّخَذُوا آلِهَتَهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا
مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو بالکل چھوڑ دو اُن کی فکر میں اپنا خون ہرگز خشک نہ کر دو جن کا حال یہ ہے کہ انھوں نے اپنے کو سجدگی اور حق بنی کی صلاحیت سے بیکسر محروم کر لیا ہے وہ دین کے ساتھ بھی تمسخر کرتے ہیں ریاویں کہیں کہیں اہل دعب اور سنی مذاہب ان کو انھوں نے اپنا دین بنا لیا ہے اور دنیوی زندگی اور یہاں کی دل چسپیوں میں وہ ایسے مست و مگن ہیں کہ اس کے سوا انھیں کسی بات کا ہوش نہیں (وَعَزَّوْتَهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا)۔۔۔ بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ایسے لوگوں کی زیادہ فکر نہ کرنا اُن کو بس دین کی اور توحید کی دعوت پہنچا دو اور انجام سے باخبر کر دو۔۔۔ چنانچہ آگے ارشاد ہے

وَذَكَرَ لَهُ أَنْ يَنْبَغَ لِنَفْسٍ لِّمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ
وَلَا شَفِيعٌ وَإِنْ تَعْدِلْ كُلُّ عَدْلٍ لَا يُؤْخَذُ بِهَا وَلَئِنَّ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِهَآ
كَسِبُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ لِّمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ
اور اس قرآن کے ذریعہ اُن کو نصیحت کر دو کہ وہ اُس آنے والے وقت سے ڈریں اور اُس کی فکر کریں جب مجرم اور بدکار آدمی اپنی بد اعمالیوں کی پاداش میں اس طرح گرفتار ہوگا کہ کوئی اُس کا حمایتی اور سفارشی نہ ہوگا اور اگر بالفرض وہ اپنے ذریعہ میں سب کچھ دے کر بھی رہائی چاہے

کا وہ بھی اُس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ سورہ معارج میں فرمایا گیا ہے: **يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْكَ**
مِنْ عَذَابٍ يَوْمَئِذٍ نَبِيِّهِ ۚ وَصَاحِبَتِهِ ۚ وَآخِيهِ ۚ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ۚ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ
جَمِيعًا شَرَّ بِئْسَ جِزَاءُ ۚ کَلَّا یعنی قیامت کے دن جُڑوں کا یہ حال ہوگا کہ وہ دل سے
چاہیں گے کہ اُس دن کے عذاب سے اپنے کو بچانے کے لیے اپنی پیادی اولاد اور اپنی چھیتی بوی کو
اور اپنے عزیز بھائیوں کو اور رہنے کے گھر کو اور دنیا میں جو کوئی ان کا ہے ان سب کو فدیہ میں
دے کر اپنی جان عذاب سے بچھڑالیں۔ لیکن ایسا ہرگز نہ ہوگا اور فدیہ میں یہ سب بھی قبول نہیں
کیا جائے گا۔۔۔ یہاں اس سب ہی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا گیا ہے: **وَأَنْ تَعْبُدَ عَلَى**
عَذَابٍ لَا تُؤْخِذُ خُذْ مِنْهَا یعنی اگر وہ سب کچھ بھی فدیہ میں دے گا تو قبول نہ ہوگا۔ الغرض وہ کسی طرح
بھی خلاصی نہ پاسکے گا۔ اگے فرمایا گیا ہے: **أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُسِفُوا بِمَا كَانُوا عَمِلُوا**۔
مطلب یہ ہے کہ یہی لوگ جو آخرت سے غافل ہو کر دنیا کی لذتوں اور یہاں کے کھیں تماشوں میں مگھو
گئے ہیں اور جنھوں نے دین کو بھی لہو و لعب بنالیا ہے اور دین کی دعوت کا بھی مذاق اڑاتے
ہیں، اُن کا انجام یہی ہے کہ یہ اپنے کز تو توں کے سبب پکڑے جائیں گے اور دوزخ کے قید خانہ
میں ڈالے جائیں گے جہاں اُن کے پینے کے لیے کھوتا ہوا پانی ہوگا اور طرح طرح کے دردناک
عذاب ہوں گے جن کا یہاں صحیح طور پر تصویر بھی نہیں کیا جاسکتا، اور یہ اُن کے ساتھ کوئی بھی
زیادتی نہ ہوگی بلکہ اُن کے کفر کی داغی سزا ہوگی (لَهُمْ شَرَابٌ مُّتَجَنِّمٌ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بَمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ)
بعض مفسرین نے **اَلْخُذْ وَادِّبْهُمْ لَعَنُوا وَلَعِبًا** کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا جو
کہ یہ مشرک دین اور خدا پرستی کے نام سے جو اعمال کرتے تھے اُن کو بھی انھوں نے لہو و لعب اور
نفرت و دل گئی کا سامان بنالیا تھا، قرآن پاک ہی میں فرمایا گیا ہے: **وَمَا كَانَ صَلَواتُهُمْ عِنْدَ الْاٰنْبِيَا۟لِ**
مُكَلَّافًا وَتَضَيَّرُ عَيْنِي اِنْ كُنَّا نَزَّادُ عِبَادَتِ بَيْتِ الشَّرِّ كَيْسَ بَسْ یہی تھی کہ سیٹیاں بجلتے اور
تالیاں پیٹتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ دین کو لہو و لعب بنانے کے معاملہ میں وہ اس حد تک
گئے تھے کہ خاص بیت الشَّرِّ کے پاس عبادت اور نماز کے نام سے وہ جو کچھ کرتے تھے وہ بھی تھا
کہ وہ منہ سے سیٹیاں بجاتے اور ہاتھوں سے تالیاں پیٹتے تھے بس یہی ان کی عبادت اور نماز تھی،
اسی طرح ج کو انھوں نے ایک میلاد و خرافات کا مجموعہ بنا رکھا تھا۔ اُن کا یہ حال سن کر

آج ہمیں اور آپ کو تعجب ہوتا ہے کہ ان کی عقلیں کیسی ماری گئی تھیں کہ انہوں نے لہو و لعب اور کھیل تماشے اور گانے بجانے کو دین بنالیا تھا اور اُس کو عبادت اور قرب الہی کا وسیلہ سمجھتے تھے لیکن وہ بے جا رہے تو زمانہ جاہلیت کے کافر و مشرک تھے اس سے زیادہ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ مسلمان کھلانے والے بعض طبقوں کی گمراہی بھی آج اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ انہوں نے بھی بالکل زمانہ جاہلیت کے ان مشرکوں کی طرح دین کو لہو و لعب اور خرافات کا مجموعہ بنالیا ہے۔ آخر یہ تعزیریہ داری اور علموں کے جلوس اور اجیر شریف اور کلیر شریف وغیرہ میں بزرگان دین کے مزاروں پر عرسوں کے نام سے جو میلے لگتے ہیں جن میں گانا بجانا اور ہر طرح کی خرافات ہوتی ہیں یہ سب دین کو لہو و لعب بنانا نہیں تو کیا ہے بلاشبہ یہ سب وہی ہے جس کو قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے لَا تَجِدُوا دِينَهُمْ لَهُمْ اَوْ لَعِبًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

پھر یہ بھی واقعہ اور شاہدہ و تجربہ ہے کہ جن لوگوں کی گمراہی اور بزدلی اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ خرافات اور لہو و لعب کو دین بنالیتے ہیں ان کے قلوب میں ایسا زنجیر پیدا ہو جاتا ہے کہ حق اور ہدایت ربانی کا قبول کرنا ان کے لیے بہت ہی مشکل ہو جاتا ہے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آیتوں میں حکم دیا گیا ہے کہ آپ ایسے لوگوں کے زیادہ شیخے نہ پڑیں اور ان کی فکر میں اپنا خون خشک نہ کریں بس قرآن کے ذریعہ ان کو نصیحت کریں کہ وہ انجام کے بارہ میں سوچیں اور آخرت کے عذاب سے ڈریں جس سے خدا کے مجرموں کو کوئی بھی نہ بچا سکے گا پھر وہاں سب سے پہلے ان کو کھوتا ہوا پانی ملے گا اور اس کے علاوہ انواع و اقسام کے بڑے دردناک عذاب ہوں گے۔ (لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ اَلِيمٌ وَّيُكَاذِبُونَ) اللّٰهُمَّ احْفَظْنَا! اللّٰهُمَّ احْفَظْنَا!!

اس کے بعد کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ہدایت فرمائی گئی ہے جو ان فظیلوں سے شروع ہوتی ہے "قُلْ اَنْذَرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ وَلَا يَضُرُّكُمْ اَوْ تَعْبَاۤءُ بَعْدَ اِذْ هَدٰنَا اللّٰهُ" اس کا مطلب سمجھنے کے لیے اس صورتِ حال اور پس منظر کو سامنے رکھنا چاہیے جس سے ان آیتوں کا تعلق ہے۔ صورت یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے متاثر ہو کر حبشہ کے ایک ملک کے اُن

لوگوں نے جن میں عقل کی خاص صلاحیت تھی تو حید کو اور دین حق کو اختیار کر لیا تھا اور یہاں سے اور بت پرستی سے اپنا راستہ لے لیا تھا اور دوسروں کو بھی براہ راست اس کی دعوت دی جا رہی تھی۔ مشرکین کی طرف سے اس کی سخت مخالفت اور مزاحمت کی جا رہی تھی اور ایمان لانے والوں میں سے کچھ پرہیز چلتا تھا ان کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ اپنے پرانے طریقہ کی طرف لوٹ جائیں اور پھر بت پرستی کا طریقہ اختیار کر لیں۔ اس کے بارہ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت فرمائی گئی

قُلْ اِنَّكُمْ مَعَكُمْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ وَلَا يَضُرُّكُمْ عَلٰى اَنْعَابِنَا بَعْدَ مَا نُنَبِّئُكُمْ
اللّٰهُ كَالَّذِيْ هُوَ مُخَوِّضُ السَّيْلِ فِي الْاَرْضِ حَيْثُ كَانَ لَهٗ اَصْحَابٌ يَّذْعَبُوْنَهٗ اِلَى الْهَدٰى اَنْتَبٰ

مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبر آپ ان لوگوں سے کہیے کہ ذرا کچھ تو عقل سے سوچو کیا ہمارے لیے کسی کے لیے بھی یہ ٹھیک ہوگا کہ خدا کی طرف سے ہدایت پا جانے کے بعد اور گنہ گاری اور اپنی سزا سے نکل کر پاکیزہ فضا اور روشنی میں آجانے کے بعد اُنے پاؤں پھر اُسی گمراہی اور تاریکی اور گنہ گاری کی طرف لوٹ جائیں اور ان فرضی معبودوں اور دیوتاؤں کی پرستش اور اپنے مقاصد کے لیے ان سے دُعائیں کرنے لگیں جن کے بارہ میں یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ ان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ ہم کو نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ اگر ہم ایسا کریں تو ہماری مثال اُس بڑبصب شخص کی سی ہوگی جس کو شیاطین اور معبودوں نے بہکا کر کسی جنگل یا باج میں بٹھکتا چھوڑ دیا ہو اور اس کی عقل اور اُس کے حواس گم ہوں اور اس کے کچھ ساتھی اُسے پکارتے ہوں کہ یہاں ہمارے پاس راستہ ہے آجا، لیکن وہ غنچوٹا لکھو اس پر رونے کی وجہ سے کچھ نہ سنا ہو اور جنگل میں بٹھکتا پھرے۔ ظاہر ہے کہ اُس کا انجام ہلاکت کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

یہ نظر ہو تو مشرکین کی دعوتِ شرک کا جواب اور اپنے اس موقع کی وضاحت اور معذرت ہے کہ ہم دین حق کو قبول کرنے کے بعد شرک اور بت پرستی کی طرف کیوں نہیں لوٹ سکے، لیکن فی الحقیقت یہ تو حید اور دین حق کی طرف نہایت لطیف اور نودعوت بھی ہے، اس میں مشرکین کو اُشاہد دیا گیا ہے کہ تم اپنے حال پر خود کہہ دو تمہاری مثال بالکل اُس شخص کی سی ہے جس کو شیاطین نے غنچوٹا لکھو اس کے کسی جنگل یا باج میں بٹھکتا چھوڑ دیا ہو، اُس کے

مخلص ساتھی دل سوزی سے اُسے بلاتے چوں لیکن وہ اُن کی پکار بھی نہ سُن سکتا ہوا جھگی میں
بٹکتا پھرے۔ اس لیے تم ہماری فکر کرنے کے بجائے اپنی فکر کرو۔ آگے ارشاد فرمایا گیا
قُلْ إِنَّ هَدَىٰ اللَّهُ هَوَالَهُدًى وَأَمْرًا نُّبَلِّغُكَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ وَإِنْ أَقِيمُوا
الصَّلَاةَ وَآتَوْهُ وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝

اے پیغمبر ان سے کہو کہ اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہی صحیح ہا جسے ہے اور ہم نے اسی راستہ
کو پکڑ لیا ہے۔ اور اُس کی بنیادی ہدایت اور تعلیم ہمارے لیے یہ ہے کہ ہم اپنے کو رب العالمین
کے سپرد کریں اور اس کی پوری پوری فرمانبرداری کریں (وَأَمْرًا نُّبَلِّغُكَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ)
اور ہمیں اُس کا حکم ہے کہ اپنی ردھوں کو پاکیزہ بنانے کے لیے اور اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے
لیے پورے اہتمام سے نماز ادا کرو اور اللہ سے ڈرو اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود کی پوری پابندی
کرو اور تم سب مرنے کے بعد اسی کے حضور میں اکٹھے کیے جاؤ گے اور اُسی کے سامنے تمہاری
پیشی ہوگی (وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝)

اس آیت کے مختصر الفاظ میں دین کی پوری بنیادی تعلیم کو سمیٹ کر پیش کر دیا گیا ہے
اور گویا محن طہین سے لطیف انداز میں کہا جا رہا ہے کہ یہ ہے وہ دین جو ہم نے قبول کیا ہے
کیا انسانوں کے لیے اس سے بہتر بھی زندگی کا کوئی دستور ہو سکتا ہے اور کیا اس سے بڑھ کر
بہتر کوئی ظلم ہوگا کہ آدمی اس کو چھوڑ کر بت پرستی کا طریقہ اور جاہلیت کا راستہ اختیار کرے محالان کہ
اُس کو اور سب کو خدا کے سامنے ضرور پیش ہونا ہے (وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ)

یہاں سلسلہ کلام میں حشر کا اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں سب کی پیشی کا ذکر آ گیا تو آگے
کی آیت میں اور کھول کے بیان کیا گیا کہ حشر اور آخرت میں جزا سزا کا ہونا ضروری ہے اور
اللہ تعالیٰ کی صفات عدل و حکمت اور علم محیط کا تقاضا ہے اور قیامت اور حشر کا ہر ایک کرنا اُس
کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں ہے اس کی شان یہ ہے کہ اُس کے صرف ارادہ اور مشیت کے اشارہ
سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَيَوْمَ يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ وَ
لَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ عَمَالُ الْعِظِيمِ وَالشَّهَادَةُ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْمُخِيرُ

یعنی اس اللہ نے زمین و آسمان اور اس ساری کائنات کو عبث اور بے مقصد نہیں بلکہ ایک بڑے مقصد اور بڑی غایت کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں عالم آخرت کا لہو دہو)۔ ”الحق“ کا یہی مطلب ہے۔ شاید آپ حضرات کو یاد ہو کہ سورہ آل عمران کے آخری رکوع کی آیت ”وَبَنَّا مَا خَلَقْنَا هَذَا بَابًا مِّنْ آيَاتِنَا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ“ کی تشریح کرتے ہوئے میں نے کہا تھا کہ اگر اس دنیا کے بعد وہ آخرت نہ ہو جس کی خبر انبیاء علیہم السلام نے اور اللہ کی کتابوں نے دی ہے تو اس دنیا کا پیدا کرنا بالکل عبث اور بے معنی اور اسی طرح کھیل ہو گا جس طرح بھوٹے بچے کھیل کھیل میں مٹی کا گھر بنانا ہے اس اور تھوڑی دیر کے بعد خود ہی اس کو بھان کے برابر کر دیتے ہیں، اور کسی درخت کی ٹوٹی شاخیں باؤں میں گاڑ گاڑ کے بھوٹ بوٹ کا باغیچہ لگاتے ہیں اور کچھ دیر بعد اسے خود ہی اجاڑ دیتے ہیں۔ تو اگر یہ مان لیا جائے کہ زندگی بس یہی دنیوی زندگی ہے اور ہر انسان کی موت پر اس کا اسی طرح خاتمہ ہو جاتا ہے جس طرح زمین کے کپڑے مکوڑے مرنے کے بعد ختم ہو جاتے ہیں تو اس دنیا کی پیدائش اور اس کائنات کی تخلیق کی کوئی حکیمانہ وجہ نہیں کی جاسکتی بلکہ میرا حال تو یہ ہے کہ اگر آخرت نہ ہو تو مجھے خود اپنی پیدائش پر اعتراض ہو گا اور میں احتجاج کروں گا کہ مجھے کیوں اس جنجال میں مبتلا کیا گیا۔

اور پھر چونکہ اس دنیا میں یہ بھی دیکھا جا رہا ہے کہ بہت سے بڑے بڑے ظالموں اور اپنے وقت کے فرعونوں کو یہاں کوئی سزا ان کے ظلموں اور بدکرداریوں کی نہیں مل رہی ہے، بلکہ نہ راہد نیکو کاروں سے بہت اچھے حال میں زندگی گزار رہے ہیں، ہر طرح کی بد معاشیاں کر رہے ہیں اور خوب عیش اور کمزور کے ساتھ دھمکتے پھر رہے ہیں اور اس کے برعکس اللہ کے بہت سے نیکو کار اور پاکباز زندے انتہائی تنگیوں اور تکلیفوں کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں اور ان کی نیکو کاری اور پاکبازی کا کوئی صلہ ان کو یہاں نہیں مل رہا ہے تو اگر اس سب کے باوجود آخرت کو اور ہاں کی سزا سزا کو نہ مانا جائے تو معاذ اللہ خدا پر یہ بھی الزام آئے گا کہ اس نے اس دنیا کو ”اندھیر گڑھی“ بنایا ہے، اور اس میں اتنا بھی عدل و انصاف نہیں ہے جتنا دنیا کے معمولی حاکموں کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے، یا معاذ اللہ اس کو اس کی خبر ہی نہیں ہے کہ اس کی بنائی ہوئی دنیا میں کیا اندھیر ہو رہا ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی صفت عدل اور صفت علم کا بھی تقاضا ہے کہ

اس دنیا کے بعد آخرت کا عالم برپا ہو جس میں اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کا پورا پورا ظہور ہو اور ہر ظالم اور مجرم کو اس کے ظلم اور جرم کی اور ہر نیکو کار کو اس کی نیکو کاری کی وہ سزا اور جزا ملے جو اللہ تعالیٰ کے ثانیان شان ہو۔

قرآن مجید میں ”آخرت“ کی اس دلیل کو مختلف الفاظ و عبارات میں پیش کیا گیا ہے انھیں سہ سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو اور اس زمین و آسمان کو باطنی پیدا کیا جو یعنی ٹھیک آئین حکمت کے مطابق اور با مقصد و با معنی بنایا ہے اور اُس کی ایک بڑی غایت ہے یعنی اُس عالم آخرت کا ظہور جو کبھی فنا نہیں ہوگا اور وہاں بندوں کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ ہوگا اور اُن پر اُس کریم رب کے وہ اغاثات ہوں گے جن کا اس عالم میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، بہر حال جیسا کہ میں نے عرض کیا باطنی کا مطلب یہی ہے کہ اللہ نے اس دنیا کو حجت نہیں پیدا کیا بلکہ اُس کی ایک بڑی غایت ہے اور وہ آخرت کا بھیا ہونا ہے اور دنیوی زندگی کا یہ مرحلہ اُس کیلئے اسی طرح تمہید ہے جس طرح ماں کے پیٹ میں بچہ کی چند مہینے کی زندگی کا مرحلہ اُس کے لیے دنیوی زندگی کی تمہید ہوتی ہے۔

آگے فرمایا گیا ہے کہ آخرت کا پرپاکہ کرنے والے اللہ کے لیے ذرا ابھی مکمل تھیں جو ارشاد ہے کہ **وَيَوْمَ يَقُولُ مَنَّكَ فَيَكُونُ** یعنی وہ جس دن اور جس دم حکم دے گا کہ حشر برپا ہو جائے اور آخرت قائم ہو جائے اسی دم سب ہو جائے گا اور اس کے لیے اُس کو کچھ بھی کرنا نہیں پڑے گا۔ آگے ارشاد ہے **”قَوْلَهُ الْحَقُّ يَمِيتُ اُسَ الْكَافِرَانِ اَلْاَلِ** ہے جو فرمادیتا ہے اسی طرح ہو جاتا ہے **”وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ اَلصُّورُ**“ اور صرف اُس کی حکومت اور فرمانروائی ہوگی جس دن کہ صور بھونکا جائے گا **”مَعَالِیْمُ الْغُیْبِ وَ اَلْاَنْتِمَادَةُ وَ هُوَ الْحَقُّ بِكُمْ الْخَبِيرُ**“ وہ عالم غیب اور عالم شہادت دونوں کا پورا علم رکھتا ہے یعنی جو حقائق اور کائنات کے جو راز بندوں کی نظروں سے غائب اور اُن کی دریافت کی حدود سے باہر ہیں وہ ان کو بھی پوری طرح جانتا ہے اور جو کچھ بندوں کے سامنے اور ان کی دریافت کی حد میں ہے وہ بھی سب اُس کے علم میں ہے اور اس سب کے ساتھ وہ ”الحکیم“ ہے اس کا ہر کام اور ہر فیصلہ اور ہر بات حکمت کے تقاضوں کے مطابق ہے

ادودہ الخجیریؒ بھی ہے یعنی ہر چیز سے ادھر انسان کے ہر عمل سے اور اُس کے ماضی، حال اور مستقبل سے پوری طرح باخبر ہے۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اس حقیقت سے کسی لمحہ بھی غافل نہ ہو کہ اُس کا مالک جس کے سامنے آخرت میں اس کی پیشی ہونے والی ہے وہ اس کے ہر عمل اور ہر بات اور ہر راز سے باخبر ہے (عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْمُتَّبِعُ)۔

نگاہ اولیں (صفحہ ۴ کا بقیہ)

کی پچاسوں مثالوں میں اب تک ایک جگہ بھی کوئی ایسی کارروائی دیکھنے میں نہیں آ سکی جو پھر بھلا کسی ریاست کے وزیر اعلیٰ اور وزیر داخلہ کو تو چھوٹے دالا کون ہے؟ چاہے ان کے راج میں کسی اقلیت پر کچھ ہی کیوں نہ گزر جائے۔

پچھلے مہینے (اگست میں) صدارتی انتخاب کی جنگ کو مسلمانوں نے عام طور پر ترقی پسندی روشن خیالی اور رحمت پسندی و تنگ نظری کی جنگ سمجھتے ہوئے وزیر اعظم انڈرا گاندھی کے پسندیدہ امیدوار مسٹر دی دی گری کی کامیابی سے بڑی امیدیں وابستہ کی تھیں کہ اس سے ملک کا ایک نیا دور شروع ہو گا۔ اس نئے دور کے لیے آزمائش کی گھڑی بہت ہی جلد آئی ہے۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ مسٹر گاندھی اس آزمائش میں کس حد تک مسلمانوں کی توقعات پر پوری اترتی ہیں۔ اور آیا واقعی کوئی ایسا جرأت مندانہ اقدام وہ اس فرقہ دارانہ مسئلہ میں بھی کر سکتی ہیں جیسی جرأت نہائی کی داد وہ بینکوں کو قومیانے اور بے دھرمک مسٹر مراد جی ڈیائی کو وزارت مالیات سے الگ کر دینے پر حاصل کر رہی ہیں؟

درس قرآن

گھر بیٹھے قرآن سمجھئے اور سمجھائیے
مناسبت سادہ انداز میں قرآن کی تعلیم کو پیش کرنے
والا ایک قابل قدر سلسلہ، اسکے ذریعہ ہر گھر میں درس
قرآن جاری کیا جاسکتا ہے۔ ہر صفحہ پر ایک سبق، ہر سطر
الگ الگ جملہ۔ قیمت ممکن سٹ جملہ - ۶۰/-

تفسیر ماحیدی

(از مولانا عبد الماجد دریابادی)

فہم قرآن

از مولانا سعید احمد اکبر آبادی
قرآن مجید کے آسان ہونے کے کیا معنی ہیں۔ قرآن کو
صحیح طور پر سمجھنا کی علوم اور کن شرائط پر موقوف ہے۔

بائبل سے قرآن تک

حضرت مولانا رحمت اللہ کریمانیؒ کی شہرہ آفاق کتاب
"انوار الحق" کا اردو ترجمہ اور تشریح و تحقیق، بیسائیت
کے رد میں منظر کتاب ہے۔ قیمت جملہ - ۱۰/-

بخاری شریف

کامل (اردو)

تین جلدوں میں، اعلیٰ کاغذ

جملہ، قیمت - ۴۵/-

کتاب لہذا الرقائق

(عربی)، امت کے عین لہذا

امام عبداللہ بن المبارک

کی تالیف، عربی - ۳۲/-

حجۃ اللہ الباقیہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ

کی اس کتاب کا موضوع

اگرچہ اسرار شریعت کا بیان

ہو، لیکن اس کے مطالعہ سے

ہر امتی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

خاص الخاص تحفہ

وہ اذکار و دعائیں اور توبہ و استغفار اور صلاۃ و سلام کے وہ

کلمات جو آپ کے مکتوبات میں تھے اور جو آپ نے صحابہ کرام کو خاص

طور سے تلقین فرمائے، ان سے متعلق حدیثوں کو حدیث کی کتابوں سے

چھانٹ کر مولانا نعمانی نے اپنی تازہ تالیف

معارف الحارث جلد پنجم

میں جمع کر دیا ہے اور ہر حدیث کی اس طرح تشریح کی ہے کہ طبع و روح

بیک وقت متاثر ہوتے ہیں۔ مولانا نے اسکے مقدمہ میں اسکی ایک ہر کتاب

کا وسیلہ بنی گئی۔ دیدہ زیب کتابت و طباعت، نفیس کاغذ

بڑا کتابی سائز، چار سو سے زیادہ صفحات، قیمت جملہ

ریگن ۷۵/۴، غیر جملہ ۶۰/۵

احادیث نبوی کی روح کو سمجھنے کا ایک دروازہ کھل

جاتا ہے۔ شرح قیمت کل دو جلد - ۳۴/-

عجالاتہ نافعہ شرح فوائد جامعہ

یہ کتاب فنی حدیث پر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ

کی بے نظیر تصنیف ہے۔ اس کی شرح نے اس کی افادیت

میں بے حد اضافہ کر دیا ہے۔ قیمت - ۱۵/-

خاص طور پر اہل علم کے لیے بڑے کام آنے والی ہے۔

قیمت ممکن - ۳۳/-

الفوائد الکبیر (اردو)

(از شاہ ولی اللہ صاحبؒ)

فنی تفسیر کے اصول و مبادی پر حضرت شاہ صاحبؒ کا

بے نظیر رسالہ جس سے قرآن فنی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

قیمت - ۱/-

کتب خانہ الفتیان، کچھری روڈ، لکھنؤ

متفرق دینی علمی اور تاریخی کتابیں

اسلامیت اور غیریت کی کشمکش (از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)	اپنے موضوع پر منفرد اور قابل دید کتاب قیمت ۵/۰۵
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اجماعیہ اور تاریخی	مہندستانی مسلمان (از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قیمت ۵/۰۵)
طوفان سے ساحل تک (اسٹریٹس و مسلم محمد اسد کی حرکت)	کتاب رد و رد لکھنؤ فیضی ترجمہ قیمت ۵/۰۵
علم جدید کا چیلنج (از جناب وحید الدین خاں صاحب قیمت ۵/۰۵)	مقالات سیرت و دیگر کتب کا نصف قدرتی ایم ایس ایچ ڈی
تذکرہ حضرت مولانا افضل رحمان گنج مراد آبادی	از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قیمت ۲/۵۰
قادیانیت	۲/۰۰
سیرت مولانا محمد علی مونگیری (از سید محمد الحسن ندوی قیمت ۶/۰۰)	نامہ تاریخ و دعوت و عزیمت (از مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب)
تین جلدوں میں کامل اول جلد ۶/۰۰ دوم غیر جلد ۵/۰۰ سوم جلد ۶/۰۰	تجدید یوں کامل (از مولانا عبد الباقی صاحب ندوی قیمت ۵/۰۰)
تجدید تعلیم و تبلیغ	۳/۰۰
تجدید معاشیات	۵/۰۰
تجدید تہذیب و سلوک	۵/۰۰
تبلیغی نصاب	جلد چہمی بیسٹہ ۴/۵۰
فضائل صدقات	۴/۵۰
فضائل حج (عکس)	قیمت ۳/۵۰
حیات الصحابہ (از دینی جلدوں میں قیمت مکمل سیٹ ۲۴/۰۰)	شامل ترمذی از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قیمت ۶/۰۰
سوانح حضرت مولانا محمد یوسف صاحب (از مولانا محمد ثانی حسنی ۱/۰۰)	
تذکرہ الرشید حضرت مولانا گنگوہی کی سوانح حیات	از مولانا عاشق الہی میرٹھی قیمت ۶/۰۰
تذکرہ شاہ ولی امیر (از مولانا گیلانی مرحوم قیمت ۵/۰۰)	سوانح قاسمی " " " قیمت مکمل ۱۵/۰۰
اسلام (آغاز و اتمام) (از مولانا عاشق الہی میرٹھی ۶/۰۰)	الفاروق علامہ شبلی نعمانی مرحوم کا شاہکار قیمت ۶/۰۰
پیغمبر عالم (از مولانا عبد الصمد رحمانی صاحب قیمت ۶/۰۵)	اشاعت اسلام (از مولانا حبیب الرحمن عثمانی قیمت ۶/۰۰)
ظلمہ کا چاند (از مولانا عبد الصمد رحمانی قیمت ۲/۰۵)	شہید کربلا (از قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی ۲/۰۵)
غلام کے چہرے علماء (از مفتی نظام انصاری شہابی قیمت ۱/۰۵)	امیٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء " " قیمت ۱/۰۵
علماء حق اور انہی داستانیں " " " ۱/۵۰	سوانح مولانا محمد احسن نالوتوی (از محمد ایوب قادری)
ایم اے " " " قیمت ۲/۰۰	حسن معاشرت (از دالوا مجاہد مولانا علی میاں مظہر ۶/۰۰)
قصص الانبیاء (از اساتذہ المتذنبین مکمل ۲ حصے) قیمت ۶/۰۰	تبلیغ دین امام غزالی کی اربعین کا اردو میں ترجمہ ۳/۰۰
گلاباگ (ترمجمہ و مجموعہ الفت) (از ائمہ جمہور محمد صدیقی مرحوم)	قیمت " " " " " ۵/۰۰
مکاتیب امام غزالی " " " " " قیمت ۲/۰۵	براعت کیا ہے (مرتبہ مولانا عامر عثمانی " " " " " ۲/۰۰)
رد برعت - پروفیسر محمد فرمان " " " " " ۱/۲۵	کیا ہم مسلمان ہیں (از شمس زید صاحب جلد اول ۷/۲۵ دوم ۶/۰۰)

لکھنؤ کتب خانہ الفتان کچہری روڈ لکھنؤ

ندوة المصنفین دہلی کی مطبوعات

دار المصنفین عظیم گڑھی کی مطبوعات

سیرت النبی از جلد اول تا ششم قیمت کامل ۱۰/-	لغات القرآن مکمل ۳۳/-
خلفاء راشدين قیمت ۴/-	تدوین قرآن ۱/۵۰
ہماجرین - اول ۲۰/- .. دوم ۴/-	دہنائے قرآن ۱/-
سیر الانصار - اول ۳/- .. دوم ۵/-	قرآن اور تفسیر سیرت ۶/-
سیر الصحابہ ششم ۳/- .. ہفتم ۳/۵۰	اسلام کا اقتصادی نظام ۶/-
اسوہ صحابہ - اول ۶/- .. دوم ۶/-	اسلام کا نظام عفت و عصمت ۵/-
سیر الصحابیات ۳/- تا بعین ۱/۵۰	اسلام کا زرعی نظام ۵/-
اہل کتاب صحابہ و تابعین ۳/-	اسلام کا نظام مساجد ۵/-
تاریخ اسلام - (دکن چار جلدوں میں) ۳/۶۰	اسلام کا نظام حکومت ۶/-
تاریخ صفیہ کامل (دو جلدوں میں) ۱۸/-	اسلام میں غلامی کی حقیقت ۵/-
تاریخ دولت عثمانیہ ۱۹/-	غلامان اسلام ۶/-
اسلام کا سیاسی نظام ۶/-	تاریخ ادبیات ایران ۶/-
ہماری بادشاہی ۴/-	تاریخ گجرات ۶/-
تاریخ اندلس ۶/۵۰	تاریخ علم فقہ ۶/-
گجرات کی تمدنی تاریخ ۴/-	لائبہ ہی دود کا تاریخی پس منظر ۴/-
انفرالی ۴/-	سیرۃ النعمان ۳/-
الامون ۵/-	عروج و زوال کا الہی نظام ۳/-
سیرت عمر بن عبد العزیز ۵/-	مسلمانوں کا عروج و زوال ۴/-
سیرت حضرت عائشہ ۴/-	مسلمانوں کا قلم ملکوت ۴/-
تذکرۃ المحدثین ۶/-	مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت بعد ادلی ۶/-
حیات شعلی ۶/-	نیل سے خزاں تک ۳/-
محمد علی کی ڈائری ۱۹/-	التعلم والعلماء ۵/-
صاحبہ المشوئی ۱۰/۵۰	اخلاق اور فلسفہ اخلاق ۱۰/-

لئے کاپیہ مکتب خانہ افستان کھڑی بود لکھنؤ

قرآن آپ کی کیا کہتا ہے؟

مآلِکین۔ مولانا محمد منظور حسین

بلاشبہ قرآن مجید کی دعوت و تسلیم پوری انسانیت کے لئے آبِ حیات ہے۔ لیکن ہماری دنیا اس سے نا آشنا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو "کلامِ آسمانی" ماننے والی اُمت کی غالب اکثریت بھی اس سے بیگانہ ہے

یہ کتاب

اسی صورت حال کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔

- یہ قرآنی دعوت اور اس کی اہم تعلیمات کا ایک جامع خلاصہ ہے۔
- جس میں ۳۰ عنوان کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت مؤثر اور روح پرور شرحات کیساتھ جمع کیا گیا ہے۔
- خاص طور پر قرآن کی دعوت کو جدید کالیان اس کتاب کا شاہکار ہے۔
- بالکل ایک نئے طرز کی کتاب ہے، جو قرآن کی دعوت سے روشناسی کے ساتھ ساتھ قرآن کے اعجازِ بیان کا بھی لذت شناس کرتی ہے۔

نہایت اعلیٰ کتابت و طباعت، عمدہ کاغذ، ۲۰۰ صفحات، جلد بچہ گرد، پش، قیمت ۵-۰۰

کتابخانہ افسانہ لکھنؤ

Regd. No. L-353

Monthly 'ALFURQAN' Lucknow.

VOL 37 NO. 7

OCTOBER 1969

ROLEX

OMEGA

WEST END

CITIZEN

SARGENT

FAVRE-LEUBA

ROAMER

روکس

اومگا

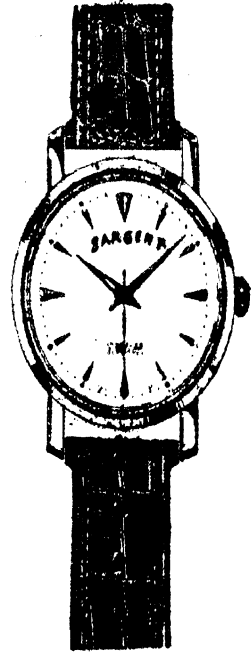
ویسٹ اینڈ

سیٹیزن

سارجنٹ

فافر لوبا

رومر



ملکہ المکرمہ و مدینۃ المنورۃ میں

محکمہ وزارت کے لئے جب خدا
آپ کو لائے اور گھڑی کی ضرورت

میں سے ہوتا پاک محل کے

میں بھی شوروم میں شریف لاکرہ

قسم کی گھڑیاں نئے ڈیزائنوں

میں ہار ہانپت خرید فرمائیں۔ اپنے آئیو الیہ دوست احباب کو پتہ نوٹ کروادیں

پاک محل **الغزویہ مکات المکرمہ**

افسانہ گوشت

کمال
۱۳۶/۱۱

مکتوب

عشق الہیہ میں

پشکوان کے حصہ تیلوں میں آپ کی خاص پسند۔

پوسٹ میں براڈ
صاف کیا ہوا مونگ پھلی کا تیل
۲۰۲۱ء ۱۵ روپے کلو

حصہ وناسپتی
۲۰۲۰ء ۱۶ روپے کلو

ستلولا، ستل کا تیل
۲۰۱۲ء ۵ روپے کلو

بلاڈ غالص نلاویل کا تیل
۲۰۱۲ء ۱۱ روپے کلو

کو کو جبار

صاف کیا ہوا ناریل کا تیل
۲۰۱۵ء ۵ روپے کلو

امی سلاڈ تیل
۲۰۱۲ء ۵ روپے کلو

اسد ملز، بمبئی



پاکستان سے ۴۱

ما هُنا مَعِي

فی کا پی پیسے

محصول ذراک کا اضافہ

جلد ۳، باب ۱۰، شعبان ۱۳۸۹ھ مطابق نومبر ۱۹۶۹ء شمارہ (۸)

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحہ
۱	نگاہِ اولیں	محمد منظور نعمانی	۲
۲	معارف الحدیث	" "	۵
۳	استدراک ببلہ درسن قرآن	" "	۱۵
۴	ارشادِ حکیم اللہ حضرت تھانویؒ	مولانا نسیم احمد فریدی امر دہی	۲۵
۵	اسلامی ریاست میں عورتوں کے حقوق و فرائض	مولانا امین احسن اصلاحی	۴۱

اگر اس اثر میں ○ سرخ نشان ہو تو

اس کا مطلب ہو کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہو براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیں، یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع نہ فرمائیے تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ وی پی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار :- اپنا چندہ ادارہ اصلاح و تبلیغ انٹرپرائز بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور صرن ایک ماہہ کا رٹہ کے ذریعہ ہم کو اطلاع دے دیں، ڈاکخانہ کی رسید بھیجنے کی ضرورت نہیں۔

نمبر خبر داری :- براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کوئی پر اپنا نمبر خبر داری ضرور لکھ دیا کیجئے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہرگز بڑی حسینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہو اگر ہر تاریخ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں۔ اسکی اطلاع ہر تاریخ تک جاری چاہیے ایک بعد از اربعین کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر افغان، کچہری روڈ، کھنہ

(عزیزی) محمد رفیع عثمانی پرتو پبلشر، ایڈیٹر دیوبند پرائمری تنزیہ پریس میں محمد اکرم رفیع افغان کچھری دیوبند، کھنڈے شدہ لکھا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نگاہِ اولین

از محمد منظور نعمانی

ہم اور آپ اگر صرت نام کے نہیں بلکہ واقعہ مسلمان ہیں تو اس قرآنی حقیقت پر تو یقیناً ہمارا ایمان ہوگا کہ اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اور کسی شخص یا کسی قوم پر جو اچھے بُرے حالات آتے ہیں وہ سب اللہ کے فیصلہ اور اللہ کے حکم سے آتے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی شخص یا کسی قوم کو اچھے حال میں رکھنا اور عزت دینا چاہے اور پھر کوئی دوسرا اُس کو بد حال اور بے عزت کر سکے یا وہ کسی کو نعمت و عزت دینا نہ چاہے اور کوئی دوسرا اُس کو نعمت و عزت نہ کر سکے۔ سورہ یونس میں ہے:

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ
وَإِنْ يَرِدْكَ بَخِيرٌ فَلَا
رَادَّ لِفَضْلِهِ (یونس ع ۱۱)

اور اگر اللہ تم کو کسی دکھ اور مصیبت میں مبتلا کرے تو کوئی اُسکو ہٹا سکنے والا نہیں اور اگر وہ تمہاری بہتری کا ارادہ کرے تو کوئی اُسکے فضل و کرم کو روک سکنے والا نہیں۔

اور سورہ فاتحہ میں ہے:

مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ
فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكُ فَلَا
مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ
الْحَكِيمُ (فاطر ع ۱)

اللہ جس رحمت کا دروازہ لوگوں کے لیے کھولے تو پھر کوئی اُسکو روکنے والا نہیں اور جس نعمت کو روک لے تو پھر کوئی اُسکو بھیجنے والا نہیں، اور وہ بڑے زوردار حکمت والا ہے۔

الغرض اس دنیا میں افراد و اقوام پر جو اچھے بُرے حالات آتے ہیں وہ سب اللہ ہی کے فیصلہ اور اسی کے حکم سے آتے ہیں اور جو کچھ ہوتا ہے اُسی کے ایک اشارہ کن سے ہوتا ہے۔ سورہ یسین کی آخری آیت ہے:

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ

اس کا معاملہ تو بس یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز

لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۚ فَسُبْحَانَ
الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ
شَيْءٍ ۚ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝
(سورہ السین ۵)

کو کرنا چاہتا ہو تو اسکو کتاب ہو کہ ہو جا، پس وہ
ہو جاتی ہو پس پاک ہو وہ ذات جسکے قبضہ میں
ہر چیز کی بادشاہی اور فرمانروائی ہو اور تم سب
(مرنے کے بعد) اسی کی طرف لوٹو گے۔

اسی لیے قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کے توسط سے ہم کو بھی یہ حکم
دیا گیا ہے کہ

قُلْ اَللّٰهُمَّ مَا لَكَ الْمُلْكُ ثَوْنِي
الْمُلْكُ مِنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكُ
مِنْ تَشَاءُ وَتُعْزِزُ مَنْ تَشَاءُ وَ
تُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ
اِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝
(آل عمران ۲۷)

کہو اے اللہ ملک و بادشاہت کے حقیقی
مالک! تو جسے چاہے ملک دے اور جس سے
چاہے ملک لے، جسے چاہے عزت دے
اور جس کو چاہے ذلت دے تیرے ہی قبضہ
میں ہو ہر بھلائی، تو بینک ہر چیز پروری
قدرت رکھتا ہے۔

جب ان قرآنی آیات پر ہمارا ایمان ہے اور ہم واقعہً یقین رکھتے ہیں کہ اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہو
وہ اللہ ہی کے حکم سے ہوتا ہو اور کسی کو حکومت و سلطنت دینا اور کسی سے چھین لینا اور کسی کو عزت دے کر
بلند کر دینا اور کسی کو ذلت کے گڑھے میں گرادینا، یہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے، تو ہمیں وجہ
چاہیے کہ اس وقت جن مصائب و مشکلات میں ہم مسلمان گھرے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے کیوں ہم کو
ان میں مبتلا کیا ہے اور صدیوں سے یہ ذلت و سستی ہم پر کیوں سلا کر دی گئی ہے اور اقوام عالم میں کیوں
ہمارا بدلہ اتنا کمزور ہے؟ — اللہ تعالیٰ خواہوا تو کسی قوم پر ظلم نہیں کرتا، اس کی مقدس کتاب قرآن
مجید نے ہمیں صاف صاف بتلایا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّ
لَكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ کو کوئی ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ خود
ہی اپنے اور پر ظلم کرتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُعْتَبَرًا

یہ سب اس سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نہیں ہونے

نِعْمَةٌ اَنْعَمَ عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی يُغَيِّرَ دِلْمًا بِاَنْفُسِهِمْ۔ (انفال ۶۷)

والا کسی نعمت کا جو بخشی ہو اُس نے کسی قوم کو جب تک نہ بدلے وہ اپنے ذاتی اعمال۔

ہر بھی یقین کرنا چاہیے کہ ہم جن حالات و اوقات میں مبتلا ہیں اور جو ذلت و پستی ہم پر مسلط ہو اور نہ صرف ہم مسلمانانِ ہند بلکہ زمین کے کسی خطہ میں جہاں کہیں بھی مسلمان قومیں دیگر اقوام کے زیرِ اقتدار ہیں یا مسلمانوں کی حکومتیں دوسری حکومتوں کے مقابلہ میں جو عاجز و کمزور ہیں تو یہ صورت حال اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے وجہ اور بلا تصور نہیں ہو، اور ملنی بڑا یہ صرف ظاہری و مادی اسباب کی کمی بیشی اور تاریخ کی ایک خاص رفتار کا نتیجہ بھی نہیں ہو۔ بلکہ اس میں سب سے بڑا دخل اللہ تعالیٰ کے قانونِ جزا و اعمال کا ہو، اور مادی اسباب کی کمی بیشی اور تاریخ کی جس رفتار کو ہم اس کا اصلی سبب سمجھ رہے ہیں دراصل وہ خود اللہ کے ہی قانون کا نتیجہ ہے۔

اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کیجئے

احمد آباد میں وہ غریب پرہیزی مزدور کبھی خاص طور سے فساد و تباہ کاری کا نشانہ بنے ہیں جو ملک کے مختلف علاقوں کے جاگیرداروں میں کام کرتے ہیں اور وہیں کوڑوں میں رہتے تھے۔ ان کے بعض لڑے پڑے قافلوں میں نے حال ہی میں ملاقات کی۔ یہ سخت تباہی و بربادی کا شکار ہو کر ان میں سے بہت سے اپنے صہوں پر زخم لے کر اس حالت میں اپنے وطن میں آئے ہیں کہ بدن پر پوٹے کپڑے بھی نہیں ہیں اور ہاتھ پاؤں پیسے سے بالکل خالی ہیں۔ جن خاندانوں اور گھرانوں سے ان کا تعلق ہو ان کی بھی گزیر سرائیں کی کمائی پر تھی۔ وہ اپنی محنت سے اپنا بھی گزارا کرتے تھے اور گھروں پر بوڑھے ابا اور بال بچوں کو بھی کچھ بھیجتے تھے جس سے کسی طرح ان کی زندگی کے دن کٹ رہے تھے۔ ان کے گھروں پر اتنا بھی نہیں ہے کہ ہفتہ دو ہفتہ تک گزارا ہو سکے۔

جی مقامات پر فدا و زہ افراد آ رہے ہیں وہاں کے لوگوں کے لیے ان مصیبت زدہ بھائیوں کی

خدمت و اعانت کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ

خود براہِ راست اُن سے رابطہ پیدا کر کے ان کی ضروریات کی فکر بردار نہ اور شریفانہ طریقہ سے کی جائے۔

ہر شخص سوچے کہ خدا کر دہ یہ وقت ہم پر کبھی آ سکتا ہے !

محمد منظور نعمانی

کتابُ العَاشِرَةِ وَالْمَعَامِلَاتِ

مَعَارِفُ الْحَدِيثِ
(مُسَلَّس)

اولاد کے بارہ میں باپ کی ذمہ داریاں

حسنِ ادب اور دینی تربیت :-

اللہ کے سارے پیغمبروں نے اور ان سب کے آخر میں اُن کے خاتمِ مینا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے، اس چند روزہ دُنیوی زندگی کے بارہ میں یہی بتایا ہے کہ یہ دراصل آنے والی اس اُخروی زندگی کی تمہید اور اُس کی تیاری کے لیے ہے جو اصلی اور حقیقی زندگی ہو اور جو کبھی ختم نہ ہوگی۔ اس نقطہ نظر کا قدرتی اور لازمی تقاضا ہے کہ دُنیا کے سارے رُسلوں سے زیادہ آخرت کو بنانے اور وہاں فوز و فلاح حاصل کرنے کی فکر کی جائے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر صاحبِ اولاد پر اس کی اولاد کا یہ حق بتایا ہے کہ وہ بالکل شروع ہی سے اس کی دینی تعلیم و تربیت کی فکر کرے، اگر وہ اس میں کوتاہی کرے گا تو قصور وار ہوگا۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیے!

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَفْتَحُوا عَلَيَّ صُبْحًا مِنْكُمْ اَوَّلَ كَلِمَةٍ بِاِلَهِ اِلَّا اللَّهُ، وَلَقِّنُوهُمْ
عِنْدَ الْمَوْتِ لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ ————— (رد المحتار، بیہقی فی شعب الایام)

اپنے بچوں کی زبان سے سب سے پہلے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہلاؤ، اور موت کے وقت ان کو اسی کلمہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی تلقین کرو۔ (شعب الایمان بیہقی)

(تشریح) انسانی ذہن کی صلاحیتوں کے بارے میں جدید تجربات اور تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے اور اب گریا تسلیم کر لی گئی ہے کہ پیدائش کے وقت ہی بچہ کے ذہن میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ جو آوازیں وہ کان سے سنے اور آنکھوں سے جو کچھ دیکھے اُس سے اثر لے، اور وہ اثر لیتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدائش کے بعد ہی بچہ کے کان میں (خاص کان میں)، اذان و اقامت پڑھنے کی جو ہدایت فرمائی ہے، (جیسا کہ حضرت ابو رافع اور حضرت حنین بن علی کی مندرجہ بالا روایات سے معلوم ہو چکا ہے) اس سے بھی یہ صحت اشارہ ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی اس حدیث میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ بچہ کی زبان جب بولنے کے لیے کھلنے لگے تو سب سے پہلے اس کو کلمہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی تلقین کی جائے، اور اسی سے زبانی تعلیم و تلقین کا افتتاح ہو۔ آگے یہ بھی ہدایت فرمائی گئی کہ جب آدمی کا وقت آخر آئے تو اس وقت بھی اس کو اسی کلمہ کی تلقین کی جائے۔ بڑا خوش نصیب ہے اللہ کا وہ بندہ جس کی زبان سے دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلے یہی کلمہ نکلے اور دُنیا سے جاتے وقت یہی اس کا آخری کلمہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَحِلُّ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ تَحِلِّ أَفْضَلِ مِنْ آدَبِ حَسَنٍ۔

رواہ الترمذی

حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی باپ نے اپنی اولاد کو کوئی عطیہ اور تحفہ حسنِ ادب اور اچھی سیرت سے بہتر نہیں دیا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) یعنی باپ کی طرف سے اولاد کے لیے سب سے اعلیٰ اور بیش بہا تحفہ یہی ہے کہ اُن کی ایسی تربیت کرے کہ وہ شائستگی اور اچھے اخلاق و سیرت کے حامل ہوں۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْلَادُكُمْ وَ
أَحْسِنُوا آدَابَهُمْ

رواہ ابن ماجہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ اپنی اولاد کا اکرام کرو اور (اچھی تربیت کے ذریعہ) ان کو حسنِ ادب سے
آراستہ کرو۔ (مسند ابن ماجہ)

(تشریح) اولاد کا اکرام یہ ہے کہ اُن کو اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور اُس کی امانت سمجھ کر اُن کی قدر
(تشریح) اور اُن کا لحاظ کیا جائے، حسب استطاعت ان کی ضروریاتِ حیات کا بندوبست
کیا جائے، اُن کو بوجھ اور مصیبت نہ سمجھا جائے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ
وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعٍ وَاصْرِبُواهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ سِنِينَ
وَقَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ

رواہ ابوداؤد ورواہ فی شرح

السنن عن سيرة ابن عبد

حضرت عبد اللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کی تاکید کرو
اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز میں کوتاہی کرنے پر ان کو منہ زور دو اور ان کے
بستر بھی الگ الگ کرو۔ (مسند ابی داؤد)

(تشریح) عام طور سے بچے سات سال کی عمر میں سمجھ دار اور باشعور ہو جاتے ہیں، اس
وقت سے ان کو خدا پرستی کے راستہ پر ڈالنا چاہیے اور اس کے لیے اُن سے
نماز کی پابندی کرانی چاہیے، دس سال کی عمر میں ان کا شعور کافی ترقی کر جاتا ہے اور بلوغ
کا زمانہ قریب آ جاتا ہے، اُس وقت نماز کے بارہ میں ان پر سختی کرنی چاہیے۔ اور اگر وہ
کوتاہی کریں تو مناسب طور پر ان کو سرزنش بھی کرنی چاہیے۔ نیز اس عمر کو پونچھ جانے پر
ان کو الگ الگ سلانا چاہیے۔ ایک ساتھ اور ایک بستر پر نہ سلانا چاہیے۔ (دس سال سے

پہلے اس کی گنجائش ہے)

حدیث کا مدعا یہ ہے کہ ماں باپ پر یہ سب اولاد کے حقوق ہیں، لڑکوں کے بھی اور لڑکیوں کے بھی، اور قیامت کے دن ان سب کے بارہ میں باز پرس ہوگی۔

خاصکر لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت :-

آج تک بھی بہت سے علاقوں اور طبقوں میں لڑکی کو ایک بوجھ اور مصیبت سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کے پیدا ہونے پر گھر میں بجائے خوشی کے افسردگی اور غمی کی فضا چھاتی ہے۔ یہ حالت آج ہے لیکن اسلام سے پہلے عربوں میں تو بیچاری لڑکی کو باعثِ ننگ و عار تصور کیا جاتا تھا اور اس کا یہ حق بھی نہیں سمجھا جاتا تھا کہ اس کو زندہ ہی رہنے دیا جائے، بہت سے فسی القلب خود اپنے ہاتھوں سے اپنی بچی کا گلا گھونٹ کر اس کا خاتمہ کر دیتے تھے یا اس کو زندہ زمین میں دفن کر دیتے تھے۔ ان کا یہ حال قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

وَاِذَا الْبُشَيْرَ اٰخَذْتُمْ بِالْاُنثٰى	جب ان میں سے کسی کو لڑکی پیدا
ظَلَّ وَجْهٌ مُّسْوَدًّا وَهُوَ	ہونے کی خبر سنائی جاتی ہے تو وہ دل
كَظِيْمٌ ۙ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ	موس کے رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا
مِنْ سُوْرٍ مَّا يَتَخَبَّـرُ بِهَا اَيُّمٌ كَتٰ	پھرتا ہے ان کو منہ نہیں دکھانا چاہتا،
عَلٰى هٰؤُلَاءِ اَم يَذَّكَّرُ ۚ	اس برائی کی وجہ سے جس کی اسے خبر ملی ہو۔
اَلْقُرْاٰبُ ۚ	سوچتا ہے کیا اس نو مولود بچی کو ذلت
(الغزل ع)	کے ساتھ باقی رکھے یا اس کو کہیں لے

جہاں کے مٹی میں دبا دے۔

یہ تھا لڑکیوں کے بارہ میں اُن عربوں کا ظالمانہ رویہ جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ اس فضا اور اس پس منظر کو پیش نظر رکھ کے اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل ارشادات پڑھیے!

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

مَنْ وَلِدَتْ لَهُ ابْنَةً فَلَمْ يُؤْذِهَا وَلَمْ يُهِنِّهَا وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَكُلَا عَلَيْهَا
يَعْنِي الذُّكُورَ — أَدْخَلَهُ اللَّهُ بِهَا الْجَنَّةَ —

رواہ احمد و ابی حاتم فی الترمذی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے ہاں لڑکی پیدا ہو، پھر وہ نہ تو اسے کوئی ایذا پہنچائے اور نہ اس کی توہین اور ناقدری کرے اور نہ محبت اور برتاؤ میں لڑکوں کو اس پر ترجیح دے (یعنی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرے جیسا کہ لڑکوں کے ساتھ کرتا ہو) تو اللہ تعالیٰ لڑکی کے ساتھ اس حسن سلوک کے صلہ میں اس کو جنت عطا فرمائے گا۔
(مسند احمد، متدرک حاکم)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَنْ ابْتُلِيَ مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ
بِسْتَرٍّ مِنَ النَّارِ — رواہ البخاری و مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بندہ یا بندہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیٹیوں کی ذمہ داری ڈالی گئی اور اس نے اس ذمہ داری کو ادا کیا، اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ بیٹیاں اس کے لیے دوزخ سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اسی روایت میں وہ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے جس کے (تشریح)

اور وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک نہایت غریب عورت کچھ مانگنے کے لیے آئی، اس کے ساتھ اس کی دو بچیاں بھی تھیں، اتفاق سے ان کے پاس اس وقت صرف ایک کھجور تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمائی کہ میں نے وہی کھجور اس بچاری کو دے دی۔ اس نے اسی ایک کھجور کے دو ٹکڑے کر کے دونوں بچیوں میں تقسیم کر دیا۔

اور خود اس میں سے کچھ بھی نہیں لیا اور چلی گئی، کچھ دیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو میں نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا، اُس پر آپ نے فرمایا کہ جس بندہ یا بندہ پر بیٹیوں کی ذمہ داری پڑے اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو یہ بیٹیاں آگشت میں اُس کی نجات کا سامان بنیں گی۔ ”مطلب یہ ہے کہ یہ آدمی اگر بالفرض اپنے کچھ گناہوں کی وجہ سے سزا اور عذاب کے قابل ہو گا تو ان کیوں کے ساتھ حسن سلوک کے صلہ میں اس کی مغفرت فرمادی جائے گی اور وہ دوزخ سے بچا دیا جائے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ایک دوسری روایت میں جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ایک بیماری مسکین عورت اپنی دو بچیوں کو گود میں لیے ان کے پاس آئی اور اس نے سوال کیا تو حضرت عائشہؓ نے اُس کو تین کھجوریں دیں، اُس نے ایک ایک دونوں بچیوں کو دے دی اور ایک خود کھانے کے لیے منہ میں دابنے لگی۔ بچیوں نے اس تیسری کھجور کو کھجی مانگا تو اس نے خود نہیں کھائی بلکہ وہ بھی اُدھی اُدھی کر کے دونوں بچیوں کو دے دی۔ حضرت عائشہؓ اُس کے اس طرز عمل سے بہت متاثر ہوئیں اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے اسی عمل کی وجہ سے اس کے لیے جنت کا اور در درخ سے رہائی کا فیصلہ فرمادیا۔

ہو سکتا ہے کہ حضرت صدیقہؓ کے ساتھ یہ دونوں واقعے الگ الگ پیش آئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ واقعہ ایک ہی ہو اور رادیوں کے بیان میں اختلاف ہو گیا ہو۔

ہو سکتا ہے کہ حضرت صدیقہ خاتون کے ساتھ یہ دونوں واقعے الگ الگ پیش آئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ واقعہ ایک ہی ہو اور رادیوں کے بیان میں اختلاف ہو گیا ہو۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ
عَالَ جَارَيْتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَنَا وَهُوَ هَكَذَا
وَنَحْنُ أَصَابِعُهُ ————— رواه مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ دو لڑائیوں کا بار اٹھائے اور اس کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ سب لہجہ کو پہنچ جائیں تو وہ اور میں قیامت کے دن اس طرح ساتھ ہوں گے۔
 — راوی حضرت انس کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو بالکل ملا کر

دکھایا (یعنی یہ کہ جس طرح یہ انگلیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں اسی طرح میں اور وہ شخص بالکل ساتھ ہوں گے۔)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ أَوْ ثَلَاثَ أَخَوَاتٍ أَوْ اثْنَتَيْنِ أَوْ بَنَتَيْنِ
فَأَذَبَهُنَّ وَأَخْسَنَ إِلَيْهِنَّ وَزَوَّجَهُنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ۔

رواہ ابوداؤد و الترمذی

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس بندہ نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں یا دو بیٹیوں یا بہنوں کا بار اٹھایا اور ان کی اچھی تربیت کی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور بھران کا نکاح بھی کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس بندہ کے لیے جنت کا فیصلہ ہے۔

ترجمہ (ابن داؤد، جامع ترمذی)

(تشریح) صرف حق ہی نہیں بتلایا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر داخلہ جنت اور عذاب دوزخ سے نجات کا آپسے اعلان فرمایا اور یہ انتہائی خوشخبری سنا کہ اگر لڑکیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے اہل ایمان قیامت میں اس طرح میرے قریب اور بالکل میرے ساتھ ہوں گے جس طرح ایک ہاتھ کی باہم ملی ہوئی انگلیاں ساتھ ہوتی ہیں۔

داد و دہش میں مساوات برابری بھی اولاد کا حق ہے :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کے بارے میں یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ خاص کر داد و دہش میں سب کے ساتھ انصاف اور برابری کا برتاؤ کیا جائے۔ یہ نہ ہو کہ کسی کو زیادہ نوازنا جائے اور کسی کو محروم رکھا جائے یا کم دیا جائے۔ یہ چیز بذاتِ خود بھی مطلوب ہے اور اس عدل و انصاف کا بھی تقاضا ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ اس کے علاوہ اس میں یہ بھی حکمت و مصلحت ہے کہ اگر اولاد میں سے کسی کو زیادہ نوازنا جائے اور کسی کو کم، تو ان میں

باہم شخارہ اور تباغض پیدا ہوگا جو دین اور تقویٰ کے لیے تباہ کن اور ہزاروں فتنوں کی جڑ ہے نیز اولاد میں جس کے ساتھ نا انصافی ہوگی اس کے دل میں باپ کی طرف سے میل آئے گا اور شکایت و کدورت پیدا ہوگی، اور ظاہر ہے کہ اس کا انجام کتنا خراب ہوگا۔ ان سب وجوہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں سخت تاکیدیں فرمائی ہیں اور اس رویہ کو ایک طح کا ظلم قرار دیا ہے۔ اس باب میں مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھیے!

عَنْ الثُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ أَنَّ أَبَا هَاشِمٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي نَحَلْتُ ابْنِي هَذَا غُلَامًا فَقَالَ أَكُلْ وَلَدَكَ نَحَلْتُ مِثْلَهُ؛ قَالَ لَا قَالَ فَأَرْجِعْهُ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ قَالَ أَيْدِيكَ أَنْ يَكُونُوا إِلَيْكَ فِي الْمَبْرِسَاءِ قَالَ بَلَى قَالَ فَلَا إِذَا وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ قَالَ أَعْطَانِي أَبِي عَطِيَّةً فَقَالَتْ عَمْرُو بِنْتُ رَوَاحَةَ لَا أَرْضِي حَتَّى تُشْهَدَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي أَعْطَيْتُ ابْنِي مِنْ عَمْرُو بِنْتُ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً فَأَمَرْتَنِي أَنْ أُشْهَدَ لَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَعْطَيْتَ سَأَلْتُ وَلَدَكَ مِثْلَ هَذَا؛ قَالَ لَا قَالَ فَأَتَقَرَّ اللَّهُ وَأَعْمَلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ قَالَ فَرَجَعَ قَوْلُ عَطِيَّةَ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ قَالَ لَا أُشْهَدُ عَنْ جَوْرِ — رواه البخاري ومسلم

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے والد مجھے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (بعض روایات میں ہے کہ گود میں لے کر حاضر ہوئے) اور عرض کیا کہ میں نے اس بیٹے کو ایک غلام بہہ کر دیا ہے (بعض روایات میں بجائے غلام کے باغ بہہ کرنے کا ذکر ہے، بہر حال) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کیا تم نے اپنے سب بچوں کو اتنا ہی اتنا دیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ نہیں (اور دن کو تو نہیں دیا صرف اسی لڑکے کو نعمان کو دیا ہو) آپ نے فرمایا پھر یہ تو ٹھیک نہیں اور فرمایا کہ اس کو واپس لے لو — اور ایک

ردایت میں ہے کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری سب اولاد یکساں طور پر تمہاری فرمانبرداری اور خدمت گزار بنے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں حضرت یہ تو ضرور چاہتا ہوں، تو آپ نے فرمایا پھر ایسا نہ کرو کہ ایک کو دو اور دوسروں کو محروم رکھو۔ اور نعمان بن بشیرؓ ہی کی ایک دوسری روایت میں بھی واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ میرے والد نے (میری والدہ کے اصرار پر) میرے لیے کچھ مہبہ کیا تو میری والدہ عمرہ بنت رواحہ نے کہا کہ میں جب خوش اور مطمئن ہوں گی جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مہبہ کا گواہ بنا دو گے۔ چنانچہ میرے والد نعمان حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری بیوی عمرہ بنت رواحہ سے میرا جو بچہ (نعمان) ہے میں نے اس کے لیے کچھ مہبہ کیا ہے تو اس کی ماں نے مجھ سے تاکید کی ہے کہ میں حضورؐ کو اس کا گواہ بنا دوں (اور اس طرح حضورؐ کی منظوری بھی حاصل کر کے مہبہ کو بچا کر دوں) آپ نے اُن سے پوچھا کہ کیا تم نے اپنے اور سب بچوں کے لیے بھی اتنا ہی مہبہ کیا ہے انہوں نے عرض کیا کہ نہیں (اور وہ اس کے لیے تو نہیں کیا) آپ نے ارشاد فرمایا فاتقوا اللہ واعدوا بین اولادکم۔ یعنی خدا سے ڈرو اور اپنی اولاد کے ساتھ مسادات اور براہری کا سلوک کرو، حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ کے اس فرمان پر والد صاحب نے رجوع کر لیا اور مہبہ واپس لے لیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ میں بے انصافی کے معاملہ کا گواہ نہیں بن سکتا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اس حدیث سے فقہاء کی ایک جماعت نے یہ سمجھا ہے کہ ماں باپ کے انتقال (تشریح) کے بعد میراث میں اگرچہ لڑکیوں کا حصہ لڑکوں سے نصف ہے، لیکن زندگی میں ان کا حصہ بھائیوں کے برابر ہے، لہذا ماں باپ کی طرف سے جو کچھ اور جتنا کچھ لڑکوں کو دیا جائے وہی اور اتنا ہی لڑکیوں کو دیا جائے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَوَدَّ بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ فِي الْعَطِيَّةِ فَلَوْ كُنْتُ مُفَضَّلًا أَحَدًا

لَفَضَّلْتُ النِّسَاءَ _____ رواہ سعید بن منصور فی سننہ والطبرانی فی الکبیر
داد و دہش میں اپنی سب اولاد کے ساتھ مساوات اور برابری کا معائنہ کر دے۔ اگر
میں اس معاملہ میں کسی کو ترجیح دیتا تو عورتوں (یعنی لڑکیوں) کو ترجیح دیتا۔ (یعنی اگر
مساوات اور برابری ضروری نہ ہوتی تو میں حکم دیتا کہ لڑکیوں کو لڑکوں سے زیادہ
دیا جائے۔) (معنی سعید بن منصور، معجم کبیر للطبرانی)

(تشریح) جو یعنی بے انصافی قرار دیا گیا ہے کہ اولاد میں سے کسی کے ساتھ داد و دہش میں
ترجیحی سلوک کیا جائے، بعض فقہار نے اس کو حرام تک کہا ہے۔ لیکن اکثر فقہار نے اور ائمہ اربعہ
سے امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے بعض دوسرے دلائل و قرآن کی بنا پر
اس کو حرام تو نہیں، لیکن مکروہ اور سخت ناپسندیدہ قرار دیا ہے، مگر واضح رہے کہ یہ حکم اسی
صورت میں ہے جبکہ ترجیحی سلوک ہلکا کسی ایسی وجہ کے ہو جو شرعاً معتبر ہو، لیکن اگر کوئی ایسی
وجہ موجود ہو تو پھر اس وجہ کے بقدر ترجیحی سلوک درست ہوگا۔ مثلاً اولاد میں سے کسی کی صحت
مستقل طور پر خراب ہے اور وہ دوسرے بھائیوں کی طرح معاشی جدوجہد نہیں کر سکتا تو اس
کے ساتھ خصوصی سلوک عدل و انصاف کے خلاف نہ ہوگا، بلکہ ایک درجہ میں ضروری اور
باعثِ اجر ہوگا۔ اسی طرح اگر اولاد میں سے کسی نے اپنے کو دین و ملت کی خدمت میں اس
طرح لگا دیا ہے کہ معاشی جدوجہد میں زیادہ حصہ نہیں لے سکتا تو اس کے ساتھ بھی مناسب
حد تک خصوصی سلوک جائز بلکہ باعثِ اجر ہوگا، علیٰ ہذا اگر کسی ایک بھائی کے ساتھ خصوصی اور
ترجیحی سلوک پر دوسرے بھائی رضا مند ہوں تب بھی یہ جائز ہوگا۔

آسان حج

کم تعلیم یافتہ حجاج کے لیے آپ حج کیسے کریں
و خلاصہ تھائی زبان میں۔
پہلی سائز ۲۰/۵۰

آپ حج کیسے کریں؟

حجاج کے لیے کتب خانہ القرآن کی مشہور مقبول کتاب
جو کیفیت آفرینی اور رہنمائی دونوں کی حامل ہے۔
قیمت ۲/۵۰

کتب خانہ الفتن، پچھری روڈ، لکھنؤ

استدراکِ سلسلہ دس قرآن

”وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا عَمَلُوا بِهِ وَلَكِنْ شِبْهَ لَهُمْ“

دس قرآن کے سلسلہ کی جو قسط سورہ مائدہ کے آخری رکوع سے متعلق افستارن کے گزشتہ سے پوسٹ شدہ (بابت جہادی الاخریٰ) میں شائع ہوئی تھی، اُس میں اسی رکوع کے لفظ ”فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي“ کی تقریب سے نکتہ نبات و موات مسیح کا بھی تذکرہ آگیا تھا اور اس کی تہذیب میں سرسری طور پر یہودیوں کی ان کو مشنوں کا بھی ذکر آگیا تھا جو حضرت مسیحؑ کو منہائے موت دلوانے اور رسولی پر چڑھوانے کے لیے انھوں نے کی تھیں، جن کا ذکر انجیلوں میں بھی کیا گیا ہے اور جن کے بارہ میں قرآن پاک کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مشنوں کو ناکام کر دیا، اور مسیح علیہ السلام ذبح ہوئے، نہ صلیب پر چڑھائے گئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُٹھالیے گئے۔ اس کو ملاحظہ فرما کے جناب مولانا عبدالمابد صاحب دریا بادی (مدبرِ صدق) نے (جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے اس دور میں قرآن مجید کی بڑی خدمت لی ہے) ایک کرم نامہ کے ذریعہ توجہ دلائی کہ حضرت مسیحؑ کا یہ واقعہ زمانہ تاریخ کا ہے اور ان کے اس عقیدہ پر جس کا ذکر انجیلوں میں کیا گیا ہے مستقل کتابیں لکھی جا چکی ہیں، ان سے بہت سی ایسی تفصیلات معلوم ہو جاتی ہیں جن سے واقعہ کی نوعیت سمجھنے اور متعلقہ قرآنی آیات پر غور کرنے میں مدد ملتی ہے اور نئی راہیں کھلتی ہیں۔ پھر مولانا نے میری گزارش پر کچھ تفصیلی اشارات بھی قلمبند فرما کر بھیج دیئے۔ اس کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ مولانا نے اپنی تفسیر کی دوسری جلد میں (جو اس وقت لکھنؤ ہی میں چھپ رہی ہے) سورہ ناز کی آیت ”وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ

وَمَا تَشْكُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شَرِبْنَا كَهْمُكَ“ کے ذیل میں اس موضوع پر مفصل کلام کیا ہو۔ مولانا کے برادر زادہ جناب حکیم عبدالغنی صاحب کی عنایت سے انکے دیکھنے کا بھی مجھے موقع مل گیا۔ میں نے زیادہ مشاہد اور مفید سمجھا کہ اسی کو بچہ ناظرین الفرقان کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔ لیکن اس سے پہلے حضرت مسیحؑ کے اس واقعہ سے متعلق کچھ تاریخی حقائق و واقعات کو مرتب طور پر پیش کر دینا مناسب ہو گا یہ گویا بحث کے تمہیدی سوچرات ہیں جو مولانا ہی کے محمولہ بالا کتب سے ماخوذ ہیں بلکہ زیادہ تر مولانا ہی کے الفاظ میں ہیں۔

(۱) حضرت مسیحؑ فلسطین میں قوم اسرائیل میں پیدا ہوئے، یہ قوم محکوم اور رعایا تھی، حاکم اعلیٰ رومی شہنشاہ تھا، اسی کا گورنر صوبہ فلسطین کا حاکم تھا، جس طرح انگریزی دور حکومت میں خود اپنے ملک میں ہندوستانی محکوم اور رعایا تھے اور حاکم انگلستان تھے۔

(۲) حاکم اور محکوم قوموں میں مذاکرہ ہر طرح کی تھی۔ دینی، نسلی، لسانی، ثقافتی، معاشرتی وغیرہ۔ نہ یہ ان کی بولی سمجھتے تھے نہ وہ ان کی۔ وضع و لباس وغیرہ سب مختلف رہی انگریزوں اور عام ہندوستانیوں کا ساحلی تھا۔

(۳) رومیوں کو ہر اسرائیلی کیساں نظر آتا تھا اور اسی طرح اسرائیلیوں کو ہر رومی، جیسے گوروں کو ہر کالا اور کالوں کو ہر گورا، ایک ہی سا نظر آتا ہے۔

(۴) یہودی کی اپنی مذہبی عدالتیں قائم تھیں، مجرم ان کے سامنے پیش ہوتے تھے لیکن فوجداری قانون تمام تر حکومت کے ہاتھ میں تھا۔ پولیس، جیل، سولی گھر وغیرہ سب حکومت کے تھے۔ یہودی مذہبی عدالت کسی مجرم کے لیے اگر سزا کا فیصلہ کرتی تو اس کی توثیق اور عملدرآمد کے لیے ملکی حکومت کی عدالت میں اس کو پیش کیا جاتا اور سزا کا نفاذ وہیں سے ہوتا۔

(۵) رومی حکومت میں، جس کے ماتحت شام و فلسطین تھے، سزائے موت سولی ہی

کے ذریعہ دی جاتی تھی، جس طرح ہمارے ملک میں پھانسی کے ذریعہ دی جاتی ہے۔

(۶) عدالت سے سولی گھر کا فاصلہ ڈھائی تین میل کا تھا، سولی کی شکل ریل کے سٹکل سے مشابہ انگریزی حسر (A) کی ہوتی تھی، سولی کا لمبا والا ستون (B) سولی گھر ہی میں گڑا رہتا تھا، لیکن عمن والی لکھائی (C) عدالت ہی میں رکھی رہتی تھی، اور دستور یہ تھا کہ

خونی مجرم (جس کے لیے سزائے موت کا حکم ہوتا) وہ سولی کی عرض دالی لکڑی خود اپنے پر لاد کر عدالت سے سولی گھر تک لے جاتا تھا اور دیکھنے والوں کے لیے یہ اس بات کی علامت ہوتی تھی کہ اس آدمی کے لیے سزائے موت کا حکم ہو چکا ہے اور یہ سولی دیے جانے کے لیے سولی گھر لے جایا جا رہا ہے۔
(۷) حضرت مسیحؑ جوان ہونے کے باوجود دبلے پتلے اور کمزور تھے۔

(۸) انجیلی روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ کمال حاصل تھا کہ اپنی شکلِ نبوت بدل لیتے تھے، اور آپ نے بار بار یہ کمال دکھایا، خواہ اس کو معجزہ و کرامت کہا جائے یا کمالِ فن۔

(۹) آپ کا مقدمہ ملکی عدالت میں مجہد کے دن پیش ہوا (انگریزی میں گڈ فرائیڈے اسی کو کہتے ہیں) یہودیوں کا یوم السبت اسی شام سے شروع ہو جاتا تھا، اور اسی وقت سے سائے یہودی کا روبرو بند ہو جاتے تھے۔

(۱۰) قتل کے لغوی معنی ہلاک کر دینے کے ہیں، خواہ کسی طریقہ سے ہو، امّہ لغت اور اکابرِ مفسرین نے اس کی تصریح کی ہے، قرآن مجید میں یہ لفظ اسی عام معنی میں استعمال ہوا ہے (قتل کو دھارواہ آکر کے استعمال سے مخصوص کرنا فقہی اصطلاح اور اردو کا محاورہ ہے)

اسی طرح تَلَب کے معنی صرف سولی پر چڑھا دینے کے ہیں، سولی کے ذریعہ ہلاک کر دینا اُس کے اصل مفہوم میں داخل نہیں، امّہ لغت نے اس کی بھی تصریح کی ہے۔

ان تہمدی مقدمات کو ذہن میں رکھ کر اب تفسیرِ ماجدی کی وہ بحث پڑھیے جو مولانا دریا بادی نے سورہ نساء کی آیت ۱۵۷ (وَقَوْلُهُمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ الْاٰیَةُ) کے ذیل میں سپردِ قلم فرمائی ہے۔

اقتباس از تفسیرِ ماجدی (جدید) جلد دوم

”تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سزائے موت اگرچہ یودی عدالت سے ملی، اور وہی ملکی عدالت نفاذِ سزا پر قادر تھی، لیکن آپ کو سزا دلوانے میں اور آپ کے لیے سزائے موت سنوانے میں ہاتھ تمام تر یہودی کا کام کر رہا تھا۔ اسی لیے

قرآن مجید نے بھی حنا میچ کی دقیق حقیقتوں کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیتا، بالکل صحیح طور پر آپ کے قتل یا اقدام قتل کی ذمہ داری یہودی ہی پر رکھی۔ انجیلیں اتنے جزو و موافق لکھتی (بلکہ ایک حد تک متفق اللفظ بھی) ہیں کہ رومی عدالت کا حاکم بیلاطیس آپ کو سزا دینا ہرگز نہیں چاہتا تھا، بلکہ اس سے برابر بچ رہا تھا۔ یہودی تھے، جنہوں نے استغاثہ چھوڑا، گڑھا اور گواہیاں جھوٹی فراہم کیں، اور بلوہ و فساد کی دھمکی دے دے کہ عدالت کو سزائے موت سنانے پر مجبور کر دیا۔ انجیل متی کا ایک مختصر سا بیان ملاحظہ ہو:۔۔۔۔۔ جب بیلاطیس نے دیکھا کہ کچھ نہیں بن پڑتا، بلکہ اٹکا بلوہ ہوا جاتا ہے، تو پانی لے لے کر لوگوں کے دربار دینے لگا دھوئے اور کہا میں راست باز کے خون سے بری ہوں۔ تم جانو۔ سب لوگوں نے کہا کہ اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر۔ اس پر اس نے بڑا باکوان کی خاطر چھوڑ دیا اور یسوع کو کوڑے لگا کر حوالہ کیا تاکہ صلیب دی جائے۔“ (۲۶: ۲۳: ۲۴)

اسی کی تائید دوسری انجیلیں بھی کرتی ہیں، بلکہ لوقا میں تو اتنی تصریح اور زائد ہے کہ حاکم نے ملزم کو سزائے موت سے بچانے کی تین تین بار کوشش کی، لیکن یہود نے ہر دفعہ ان کی بات کو رد کر دیا (۲۲: ۲۳) یہ بیانات تو مسیحوں کے تھے۔ خود یہود کی لکھی ہوئی جو قدیم ترین تاریخ عہد مسیح و ماقبل و مابعد کی دنیائے معلوم میں موجود ہے۔ یعنی جوزفوس کی اور جس کا ترجمہ انگریزی میں - *Antiquities of the Jews* کے نام سے شائع ہو چکا ہے اس میں اس واقعہ کو فقرے کے ساتھ اپنی ہی جانب منسوب کیا ہے (اور اس سے قرآن مجید کے اس بیان کی پوری پوری توثیق ہوتی ہے) ”وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ الْاَذِيہُ۔۔۔ الفتان

انجیلوں میں جو پیشین گوئیاں حضرت مسیحؑ کی زبان سے اپنے ہلاک ہونے کی بابت منقول ہیں، ان میں بھی ساری ذمہ داری سردار ابن یہود کے سر ملتی ہے اور وہیوں یا حاکموں کا ذکر نہیں آتا۔۔۔ (”اس وقت سے یسوع اپنے شاگردوں پر ظاہر کرنے لگا کہ مجھے ضرور ہے کہ یروشلم کو جاؤں اور بزرگوں، سردار کاہنوں اور نقیبوں کی طرف سے

بہت دکھ اٹھاؤں اور قتل کیا جاؤں۔" (متی ۱۶: ۲۱) "پھر وہ انہیں تعلیم دینے لگا کہ ضرور ہے کہ ابن آدم بہت دکھ اٹھائے اور بزرگ اور سردار کا بہن اور نقیبہ سے رو کر دیں اور وہ قتل کیا جائے۔" (مرقس ۸: ۳۱) "ضرور ہے کہ ابن آدم بہت دکھ اٹھائے اور بزرگ اور سردار کا بہن اور نقیبہ سے رو کر دیں اور وہ قتل کر دیا جائے۔" (لوقا ۹: ۲۲)

وَمَا أَصْلَبُوهُ وَمَا صَلَّبُوهُ

حالانکہ زندہ آپ کا کام تمام کر سکے اور نہ آپ کو سولی ہی پر چڑھا پائے۔
یعنی حضرت عیسیٰؑ کا کام تمام کر دینا تو الگ رہا یہود تو واقعہً اتنا بھی نہ کر سکے کہ آپ کو سولی پر چڑھا ہی دیتے، رومی حکومت میں جس کے ماتحت شام و فلسطین تھے، سزائے موت کا طریقہ سولی ہی کے ذریعہ تھا۔
وَمَا صَلَّبُوهُ۔ صَلَّبُوْا کے اصل معنی محض سولی پر لٹکانے یا چڑھانے کے ہیں۔
چڑھا کر جان لے لینے کے نہیں۔

هُوَ تَعْلِيْقُ الْإِنْسَانِ لِلْقَتْلِ (دراغب)

اُردو میں یہ مفہوم تعلیق "سولی دینے" سے نہیں "سولی چڑھانے" ہی سے ادا ہوتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہؒ نے اپنے فارسی ترجمہ اور شاہ عبد القادرؒ اور علامہ تھانویؒ نے اپنے اُردو ترجمہ میں اسی مفہوم کو ادا کیا ہے۔

وَلَكِنْ شَبَّهَ لَهُمْ

بلکہ ان پر شبہ ڈال دیا گیا۔

یاد رہے کہ میں ڈال دیے گئے یا حقیقت ان پر شبہ ہو گئی؟ یہ شبہ میں کون پرکھے یا حقیقت کن پر شبہ و التباس ہو گئی؟ ظاہر ہے کہ مراد وہی یہود یا عدائے مسیح ہیں جن کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے۔

کانہ قبیل وقع علیہم الشبہ (مدارک)، المتبس علیہم الامر (میفادای)

یاوں کہا جائے کہ شبہ انہیں مقبول سے متعلق ہوا، اور وہ دھوکے میں اس کی شخصیت

کے بارہ میں پڑ گئے۔

شِبْہَ لَہُم المقتول والمصلوب۔ (جلالین)

بہر حال اس پر ہمارے سارے مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہود کو دھوکا ہوا اور وہ حضرت مسیح لکے دھوکے میں کسی اور کو سولی پر چڑھا گئے۔ لیکن یہ شخص کون تھا اور دھوکے کی صورت کیا ہوئی، اس کا تصریحی جواب نہ قرآن میں ہے نہ کسی حدیث صحیح میں۔ اب سوا اسکے چارہ نہیں رہتا کہ تاریخ کی روشنی میں واقعہ کے جزئیات کو ایک ایک کر کے لایا جائے اس وقت کے پس منظر کو سامنے لے آیا جائے اور جو صورت واقعہ نسبتاً زیادہ قرین قیاس اور مطابق مقصداً حال معلوم ہو اُسی کو ترجیحی طور پر اختیار کیا جائے۔

پہلی بات اس سلسلہ میں یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ یرושلم کے لوگوں سے ملے پہلے کم تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ عوام تو عوام خواہیں بھی آپ کو پوری طرح پہچانتے نہ تھے، چنانچہ جب آپ کی گرفتاری کا وقت آیا تو اس کے لیے اکابر یہود اور متدبسا ہیوں کا ایک پورا گروہ مل کر بھی اس ضرورت کے لیے کافی نہ ہوا بلکہ آپ کی شناخت کے لیے آپ ہی کی مختصر سی پارٹی کے ایک منافق و غدار کو ساتھ لینا پڑا۔ یہ ایک خالص تاریخی حقیقت ہے۔ لیکن امام رازی اس راز سے بھی واقف ہیہ فرماتے ہیں۔ والناس ما کانوا یعرفون المسیح الا بالاسم ربانہ کان قلیل الخاطۃ للناس (کبیر)

مسیٰ اور مرس دونوں انجیلوں میں ہے کہ گرفتاری کرنے والی پارٹی میں سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں کی طرف سے ایک بڑی بھیڑ تھواریں اور لٹھیاں لیے ہوئے رہا ہیوں کی مثال تھی۔ اس پر بھی گرفتاری اور شناخت کے لیے اچھیں یہوداہ منافق کا سہارا دھونڈنا پڑا۔ اور انجیل یوحنا میں ہے کہ جب یہ یٹن اور پیادے وہاں پہونچے تو یسوع نے ان سے پھر پوچھا کہ تم کسے دھونڈتے ہو؟ وہ بولے یسوع ناصری کو یسوع نے جواب دیا میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں ہی ہوں“ (۱۸-۲-۸)

”حضرت مسیحؑ کا تعظیمی شخصیت تو بہت بعد کی پیداوار ہے۔ معاصر مخالفین و

معاند یہ کہ نظر میں تو آپ کی حیثیت صرف یسوع ناصری نامی ایک بدنام اور غیر معزز

مجرم کی تھی۔ وہ سامنے موجود تھا، اور نظر بھی کوئی پہچان نہیں رہا تھا۔ حالانکہ سب آئے تھے اسی کی تلاش میں۔

دوسری بات اس سلسلہ میں یہ خیال رکھنے کی ہے کہ حضرت کو بہ الفاظ یہود یسوع نامی کو تبدیلِ ہیئت پر خاص قدرت تھی۔ انجیلوں میں حضرت کی اسی قدرت کو بہ طور معجزہ کے بیان کیا گیا ہے۔ ”چھ دن کے بعد یسوع نے پطرس اور یعقوب اور اُس کے بھائی یوحنا کو ہزار لایا۔ انھیں ایک اونچے پہاڑ پر الگ لے گیا اور ان کے سامنے اس کی صورت بدل گئی۔ اور اس کا چہرہ سورج کی مانند چمکا۔“ (متی، ۱۷-۱۸) ”جب وہ دعا مانگ رہا تھا تو ایسا ہوا کہ اس کے چہرہ کی صورت بدل گئی، اور اس کی پوشاک سفید براق ہو گئی۔“ (لوقا، ۲۹) نیز مرقس ۲۹ — یہ معجزہ تھا یا نہ تھا، یہ ایک الگ بحث ہے۔ بہر حال تبدیلِ ہیئت پر آپ کو فرض قدرت حاصل تھی۔

تیسرے اس تاریخی حقیقت کا استحضار ذہن میں کر لیا جائے کہ ملک (شام و فلسطین) کی عام آبادی اس وقت اسرائیلیوں (یہود) ہی کی تھی۔ اور اسی برادری کے ایک فرد آپ بھی تھے۔ لیکن ملک پر حکومت رومیوں کی تھی، اور اعلیٰ عہدہ دار اور پولیس اور فوج رومیوں پر مشتمل تھی۔ اور یہ رومی نہ صرف مشرک یعنی دین و عقیدہ میں اسرائیلیوں سے مختلف تھے، بلکہ صورت، فعل، وضع و لباس، نسل و زبان، معیشت و معاشرت وغیرہ میں بھی ان سے ایسے ہی الگ تھے، جیسے کل تک ہندوستان کے حاکم انگریز ہندوستان سے نمایاں طور پر مختلف و متمایز تھے۔ اور جس طرح ہندوستانیوں کو سب گورے یکساں اور گوروں کو سب کالے یکساں معلوم ہوتے تھے، اسی طرح بدیہی حکمران رومیوں کی نظر میں سارے یہود یا اسرائیلی بھی ایک ہی تھے۔

چوتھی کڑی اس سلسلے کی یہ ملے کہ جس مقام پر رومی عدالت تھی، وہاں سے سرکاری سولی گھرناسلے پر تھا اور سولی یا صلیب جس کی شکل انگریزی چھاپہ کے بڑے حرف (ٹی) کے مشابہ یا گنگل سے ملتی جلتی ہوتی تھی، وہ سولی گھر میں پوری گودی ہوئی نہیں ہوتی تھی، صرف اس کا سیدھا اور کھڑا ستون زمین میں گڑا ہوا ہوتا تھا۔

باتی جو لکھنؤی اس کے اوپر لکھنؤی آڑی پڑتی تھی، اُس کے لیے قاعدہ یہ تھا کہ وہ مجرم کو عدالت سے اپنے اوپر لاد کر سولی گھر تک لانی پڑتی تھی۔
یہاں تک جو کچھ عرض ہوا اس پر ایک نظر دوبارہ کر کے امور ذیل کو بھی نظر کے سامنے لے آئیے۔

(۱) حکم جیب سنایا گیا ہے مجھ کا دن تھا اور دن آخر ہو رہا تھا اور یہود کو جلدی تھی کہ ہر طرح فراغت، پاکر شاموں شام گھر واپس آجائیں۔ مجھ کی شام ہی سے ان کا یوم السبت شروع ہو جاتا تھا، اور یوم السبت کے حدود کے اندر مجرم کی سزا دہی وغیرہ بھی ممنوع تھی۔ اور پھر یہود کا اہم تہوار یعنی عید فصح بھی شروع ہو رہی تھی۔ غرض یہود کو اس کی بہت عجلت تھی کہ کسی طرح ان کا یہ مجرم جلد سے جلد سولی پاکر شام سے قبل ہی دفن ہو جائے۔
(۲) لاغر ذاتوں ان مجرم (یعنی خود حضرت مسیح) کے لیے نلکن نہ تھا کہ اتنی وزنی لکڑی لاد کر اتنا فاصلہ یہود کی خاطر خواہ تیزی سے طے کر سکیں، خصوصاً جبکہ یہودی بچے اور شریعت کے لوگ خود ہی قدم قدم پر انھیں چھیڑتے جاتے اور ان کا راستہ کھوٹا کرتے جاتے۔

اب اس ساری صورت حال کو اس تفصیل کے ساتھ پیش نظر رکھ کر غیر فرمائیے کہ وہی پرہیزی جو مجرم، بلکہ مجرموں کو (آپ کے ساتھ سولی کے لیے دو مجرم اور بھی تھے) حراست میں لیے پرے رکھتے، اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ وہ رعایا میں سے نہیں، بلکہ حاکم قوم کے افراد تھے۔ ایسے موقعہ پر کیا کرتے؟۔۔۔ خود تو اپنے اوپر وہ سولی والی لکڑی کا بوجھ لا دینے سے رہے۔ انھوں نے وہی کیا جو ان کی جگہ پر کوئی بھی ایسا حکمران قوم کا فرد نہ کرتا۔ انھوں نے مجمع ہی میں سے کسی بدتمیز یہودی کو بچہ لیا، اور صلیب کی لکڑی اس پر لاد دی۔۔۔ انگریز گارڈ ایسے موقعہ پر، یعنی کسی ہندوستانی مجرم کو حراست میں لیے جاتا ہوتا تو کیا کرتا؟ خصوصاً جب ہندوستانی تاشا بھوں کی طرف سے چھیڑ چھاؤ بھی اس مجرم کے ساتھ جاری رہتی۔ یہی کرنا کہ بھیر میں سے کسی ہندوستانی ہی کو بچہ لینا اور جب صلیب اُس پر لاد دیتا۔ یہ محض قیاس و قرینہ نہیں، انجیلوں

میں اتنے جز کی تصریح موجود ہے۔

”انھیں شمعون نامی ایک کرینی آدمی ملا۔ اسے بیکار پکڑا کہ اس کی صلیب اٹھائے۔“
(متی ۲۷: ۲۷) ”شمعون نامی ایک کرینی آدمی اسکندر اور روس کا باپ دیہات سے آتے ہوئے ادھر سے گزرا۔ انھوں نے اسے بیکار میں پکڑا کہ اس کی صلیب اٹھائے۔“
(مرقس ۱۵: ۲۱) ”اور جب اُس کو لیے جاتے تھے تو انھوں نے شمعون نامی ایک کرینی کو جو دیہات سے آتا تھا پکڑ کے صلیب اُسی پر رکھ دی کہ یسوع کے پیچھے پیچھے چلے۔“
(لوقا ۲۴: ۲۶)

جب یہ مجمع (جو یقیناً کوئی باقاعدہ و منظم مجمع نہیں تھا، بلکہ عوام کی ایک بھڑکتا) اس افراتفری کے ساتھ ایک دوسرے کو دلیا پلٹا، مجرم سے بھڑکھاڑ کرنا، اس سے تسخیر کرنا ہوا سولی گھر کے بھانگ پر پہونچا تو رومی پولیس گارڈ جو ساتھ تھا اُس کی ڈیوٹی ختم ہو گئی، اب یہاں سے جیل کے سنتریوں کا عمل دخل شروع ہوتا ہے۔ وہ کیا جانیں کہ یسوع نامری کس شخصیت کا نام ہے، وہ اپنے حسب دستور مجرم اسی کو سمجھے جس کے اوپر صلیب لدی ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ پھر اس حقیقت کو مستحضر کر لیں کہ جیل کے رومی سپاہیوں کی نظر میں سب یہودی اجنبی ہی تھے۔ اور اس لیے باہم دگر ہم شکل اور یکساں۔ انھیں ایک اسرائیلی (یسوع نامری) اور دوسرے اسرائیلی (شمعون کرینی) کے درمیان اشتباہ نہایت آسان تھا۔ انھیں دونوں کے درمیان کوئی نمایاں فرق ہی نہیں نظر آسکتا تھا۔ شمعون نے یقیناً واوایلا مچایا ہوگا۔ لیکن ادھر مجمع کا شور و ہنگامہ اُدھر جیل کے سپاہیوں کی اسرائیلیوں کی زبان سے ادا کیفیت اور بھر سولی پر لٹکا دینے کی جلدی۔ اسی افراتفری کے عالم میں اسی شمعون کو پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا گیا، اور وہ جینٹا چلا تا۔ حضرت مسیحؑ قدرتا اُس ہڑنگ میں دشمنوں کے ہاتھ سے رمل ہو گئے، اور دشمن دھوکے میں پڑے ہوئے ٹانگ ٹوٹے مارتے رہے۔

ہمارے اکابر نے اس شخص کا نام جس کو حضرت عیسیٰؑ کے دھوکے میں سولی پر

چڑھا دیا گیا۔ حضرت ابن عباس کے حوالے سے یوں لکھا ہے۔ اور یہی عقیدہ بعض مسیحیوں کی جانب بھی منسوب کیا ہے (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۹۳ مطبوعہ مصر)

ولکن شبه لہم یہ عقیدہ نو ایجاد نہیں، خود مسیحیوں ہی کا ایک قدیم ترین فرقہ باسلیدیہ کے نام سے گوارا ہے (بانی فرقہ کا سال وفات سن ۳۷۵ء) وہ اسی عقیدہ کا قائل تھا، اور کلمہ کھلا کہتا تھا کہ مصلوب حضرت مسیح نہیں ہوئے بلکہ شمعون کرستی ہوا ہے۔ قرآن مجید نے اسی عقیدہ کی تصویب کی طرف اشارہ کر دیا ہے لیکن پولوس (متوفی ۷۵ء) کے اثر سے جو مسیحیت چلی اور پھیلی اس کی تو بنیاد ہی عقیدہ کفارہ پر ہے۔ یعنی اس عقیدہ پر کہ ابن اللہ نے یا خود خدا نے مجسم ہو کر اور صلیب پر جانثی کی تکلیف اٹھا کر اور اپنی جان دے کر سب کی طرف سے خلافت کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا۔ اس لیے یہ رداجی مسیحیت تو بغیر مصلوبیت مسیح کو ماننے اور نرسن کیے ایک قدم بھی آگے نہیں چلی سکتی۔ اس لیے لامحالہ اسی پولوسی اور کلیسائی مسیحیت نے کل قدیم صحیح العقیدہ مسیحی فرقوں کو بھٹی اور مبتدع قرار دے کر کلیسا سے خارج کر دیا اور خود ہی کہنے لگے جو دشمنان عیسیٰ یعنی یہود پہلے ہی سے کہہ رہے تھے یعنی یہی کہ عیسیٰ صلیب پر وفات پا گئے، اگلا ظاہر ہو کہ اس شتر اک عقیدہ میں نہیں دونوں کی بالکل الگ الگ ہیں۔ یہود وفات عیسیٰ کو موقعہ تحیر و اہانت میں بیان کرتے ہیں اور مسیحی سینہ اسی واقعہ سے آپ کی عظمت پر دلیل لاتے ہیں۔ لیکن نفس عقیدہ بہر حال دونوں میں مشترک ہو اور تائید و تعلق کا مقام ہو کہ آج بیسویں صدی عیسوی میں بعض گمراہ فرقے بھی اسی گمراہی کی طرف واپس جا رہے ہیں۔ اور فرقہ یہ کہ کہ وفات مسیح کے اس غلاب تحقیق عقیدہ کو روشن خیالی کا منہ اور تحقیق کا پروانہ سمجھ رہے ہیں؟

(نوٹ) تفسیر ماجدی کے منقولہ بالا اقتباس کا تعلق صرف مآخذ مذکورہ علیہ وسلم والکن شبہ لہم کی تفسیر و تشریح سے ہے حضرت مسیح کے رفع الی السماء کے مسئلہ پر کلام مولانا نے اسی آیت کے آخری لفظ "لکن رفعہ اللہ الیہ" کے ذیل میں کیا جو "اور ملل طور سے" "رفع الی السماء" اور "رفع جہانی" ہی کے نقطہ نظر کو راجع اور ظاہر قرآن کا متقصد قرار دیا ہے جو جمہور امت کا نقطہ نظر ہوتا ہے۔ (غنائی)

اِرشاداتِ حکیمِ الامت حضرت تھانوی

علماء و طلباء، اصحابِ درس و صحابِ اسِ کملیۃِ فکریہ

(۳)

تلخیص — از مولانا نسیم احمد فریدی امرتوہی

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دوسرے علماء کا خیال ہے کہ دیوبندیوں کو معقول نہیں آتی، مگر دیکھا جاتا ہے کہ دوسروں کو فن نہیں آتا گو کتابیں آتی ہوں اور فن دیوبندیوں کا حصہ ہے۔ پانی پت میں ایک معقولی ملے تھے کہنے لگے کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ آپ کو معقول سے مناسبت ہے (میں نے) کہا کہ انکو بشر ہماری تمام جماعت کو معقول سے مناسبت ہے، میں کیا چیز ہوں۔ کہنے لگے کہ یہ آپ کہیں مگر میں نے تو آپ ہی کے متعلق سنا ہے۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جوابات ہمارے حضرات میں بھی وہ کسی میں بھی نہ دیکھی، اپنے کو مٹائے ہوئے، فنا کیے ہوئے تھے، اور جامع ہونے کی وجہ سے اس (شر) کے مصداق تھے۔

بر کفہ جامِ شریعت بر کفہ سندانِ عشق

بر ہوسنا کے نڈاند جام و سندانِ باغتن

حضرت مولانا مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ باوجود شغلِ علم اور ساری عمر پڑھنے پڑھانے کے گو علوم تو حاصل نہیں ہوئے مگر اپنے جہل کا

علم ضرور ہو گیا کہ ہم کو کچھ نہیں آتا۔

ایک صاحب نے ایک دوسرے نو عمر صاحب کے متعلق حضرت دالاسے مشہور لیا اور عرض کیا کہ پہلے یہ انگریزی پڑھتے تھے اب علم دین کی طرف ان کا رجحان ہے اور اسکولوں وغیرہ میں رہنے سے اندیشہ بھی ہے کہ کہیں لمبا دور دہری نہ ہو جائیں، فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ ایسے نہیں کہ ان کے جذبات پر کوئی غلبہ کر سکے۔ اگر اسکول کی تعلیم ہی کی حالت میں دینی تعلیم کا کچھ شغل رکھیں تو کیا حرج ہے؟ اس کے بعد دریافت فرمایا کہ انگریزی پڑھنے کا کیا اب بھی خیال ہے؟ (انہوں نے) عرض کیا کہ بالکل نہیں، دریافت فرمایا کہ تو بھر جو مصاحف انگریزی پڑھنے کے ساتھ خیال میں تھے مثلاً نوکری عزت۔ تعلیم دینی میں اُن کے عدم حصول پر کیا جواب دل میں پیدا ہوا؟ عرض کیا کہ انگریزی پڑھنے سے دنیا میں تو عسرت وغیرہ سب ہو جائے گی، مگر آخرت کا تو کوئی بھی کام نہ ہوگا۔ فرمایا جزاکم اللہ تعالیٰ اگر تمہارے دل میں یہ خیال راسخ ہے تو مبارک ہو۔ اور اللہ کے بھروسے پر علم دین کی تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہو جاؤ میں دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم کو جلد سے جلد اپنے مقصد نیک میں کامیابی نصیب فرمائے۔ جب وہ چلے گئے تو حاضرین سے فرمایا کہ (میں نے) یہ... گفتگو ان سے اس لیے کی کہ اگر خود ترغیب دی جاتی تو ان کے جواب سے اتنا مطمئن نہ ہوتا جتنا اب ہوا بلکہ اس وقت یہ نخرے کرتے تو بھی ہم کو برداشت کرنا پڑتے، اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ تم نے ہی تو (سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا تھا اور تعلیم دین حاصل کرنے کو) کہا تھا۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں یہ بات اہل علم کے لیے بیان کرتا ہوں کہ مختلف شیعہ کا حکم ایک دم سائل کو نہیں بتلانا چاہیے کہ اگر یوں ہے تو یہ حکم ہے اور یوں ہے تو یہ حکم ہے۔ تحقیقات کے ساتھ جواب نہیں دینا چاہیے۔ بعض اوقات سائل کو اس میں غلط ہو جاتا ہے، بلکہ اول واقعہ کی تحقیق کر لینا چاہیے جب ایک شق کی تعیین ہو جائے اس کا حکم بتادیا جائے۔ پہلے مجھ کو مشہ تھا کہ علماء و عظماء میں احکام کیوں نہیں بیان کرتے صرف ترغیب و ترہیب پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور جو علماء محض واعظ ہیں صرف ان پر یہ شبہ نہیں تھا بلکہ حقیقت میں جو علماء ہیں اُن کے متعلق یہ شبہ تھا اور اپنے بزرگوں پر بھی

یہی شبہ تھا۔ لیکن خود تجربے سے معلوم ہوا کہ وعظ میں مسائل بیان کرنا ٹھیک نہیں۔ بالخصوص اس زمانے میں جبکہ بد فہمی کا بازار گرم ہے۔ ترغیب دینا ہی مناسب ہے، ترغیب ہی دینا چاہیے۔ یہ تجربہ مجھ کو لکھنؤ کے ایک وعظ سے ہوا۔ میں نے چند سلسلے رپوا (سود کے متعلق ایک دم سے بیان کر دیئے۔ سامعین میں بعض مسائل میں اہتلام ہو گیا، میرے پاس مکرر تحقیق کے لیے آئے۔ معلوم ہوا کہ قلتِ فہم یا سوء حفظ (کی وجہ) سے کسی مقدمے کا مقدمہ دوسرے کی تالی سے جوڑ دیا اور بالعکس (بھی کیا)، اس لیے گڑبڑ ہو گئی۔

ایک طالب علم، نیک صالح، دیوبند سے ملنے آئے تھے، واپسی میں کوششی ندی کو عبور کرنے میں غرق ہو گئے، اس غرقابی سے فوت ہو جانے پر فرمایا کہ بیچاروں کی لاش ہلک نہیں ملی۔ نہ معلوم کیا حشر ہوا؟ اور حشر کچھ ہی ہوا ہو مگر اجو تو کہیں گیا ہی نہیں، کیونکہ جس قدر بے کسی اور بے بسی ہوتی ہے درجات (اسی قدر) بلند ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ ان طالب علم کے متعلق سنا ہے کہ ان کی یہ حالت تھی کہ اللہ کا نام لے کر جو چاہو کام لے لو، ایک مولوی، مدرسہ کے بیان کرتے تھے کہ ان کے گھر سے خرچ آتا اور طلبہ اللہ کا واسطہ دے دے کہ (ان کا) سب مدد پر منٹھائی کھانے میں صرف کر دیتے کبھی عذر نہ کرتے۔ اب بھی اللہ کے عاشق موجود ہیں کہ ان کو دیکھا تک نہیں اور پھر ابا عشق! اور تعجب ہی کیا ہے؟ مقناطیس لوہے کو پہچانتا نہیں، مگر اس کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے۔ وہ ذات ہی ایسی ہے کہ کسی میں ذرا قابلیت ہو تو وہ بالا منظر اور ادا مہر کھینچتا ہے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں تمام مدارس دینیہ کو رائے دیتا ہوں کہ ہر مدرسے کی طرف سے کچھ مبلغ بھی ہونے چاہئیں، یہ سنت نبویہ ہے اور پڑھنا پڑھانا مقدمہ ہے اسی مقصد کا۔ اصل مقصد تبلیغ ہی ہے۔ اور ایک بات اور تجربے کی بنا پر کہتا ہوں کہ مبلغین سے چندے کا تعلق نہ ہونا چاہیے، صرف احکام بیان کرنا، ترغیب (دینا) اور فضائل بیان کرنا ان کا کام ہو۔ اس سے لوگوں کو بہت نفع پہنچتا ہے، مگر اہل مدارس اس طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ عرصہ ہوا..... میں نے مدرسہ دیوبند والوں کو اس کا مشورہ دیا تھا کہ ملک کے تمام اطراف میں باقاعدہ مبلغین کی جماعت جاتی رہنا چاہیے۔ جن کا

کام صرف تبلیغ ہو اور ہر شہر میں اس کی آبادی کی نسبت سے مبلغ کو مقیم رہنا، یا اس کی آمد و رفت رہنا چاہیے۔

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ..... یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سب ایک ہی کام میں لگ جائیں۔۔۔۔۔ اب حکومت ہی کی جماعتوں کو دیکھ لیا جائے پولیس اپنی خدمت پر ہے، فوج اپنی خدمت پر، دفتری لوگ اپنے کام پر، غرض ہر جماعت اپنے اپنے کام میں مشغول ہے۔ اگر سب سرحد ہی پر پہنچ جائیں تو اندرون ملک کا کیا انتظام ہو، اور اگر سرحد کے لوگ دفاتروں میں آکر گھس جائیں تو بیرون ملک کا کیا انتظام ہو۔ سب گڈ مڈ ہو جائے کوئی کام بھی نہ ہو سکے۔ ایسے ہی ایک شخص مکان بنانا چاہتا ہے اور وہ یہ چاہے کہ سب کام کرنے والے ایک ہی کام پر لگ جائیں تو کیسے مکان تیار ہو سکتا ہے، مثلاً معمار ہے، مزدور ہے، لودہار ہے، بڑھئی ہے تو اگر سب کے سب لکڑی ہی چیرنے لگیں تو اور کام کون کرے گا۔ علیٰ ہذا اسی طرح سب کو سمجھ لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ ایک کا کام دوسرا اطمینان کے ساتھ کر بھی نہیں سکتا۔ معمار لودہار کا کام آسانی کے ساتھ کس طرح کر سکتا ہے۔ بڑھئی کا کام مزدور کیسے کر سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایک ہی کام پر اگر سب جمع ہو جائیں تب بھی کام نہیں ہو سکتا اور ایک کا کام دوسرا نہیں کر سکتا۔ جو حجر دوں کے اندر ہیں اُن کو حجر دوں میں رہنے دو اُن سے دعا کا کام لو، جو مدارس میں ہیں اُن کو پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہنے دو، تاکہ آئندہ کے لیے مسئلے مسائل بتانے والی جماعت تیار ہو۔ جو استفتاء کا کام کر رہے ہیں اُن سے وہی کام لو، اور جو جماعت تبلیغ کرنے والی ہے اس کو تبلیغ کرنے دو۔ کام کو کام کے طریقے سے کرو، یہ گڈ مڈ کیسی؟ اس طرح سے تو کوئی کام بھی نہ ہو گا۔

فرمایا کہ ایک مولوی صاحب نے لکھا تھا کہ مجھ کو ادلی تو محدثین سے محبت ہے پھر فقہار سے اور (پھر، صوفیاء سے۔ میں نے لکھا کہ میری محبت کی ترتیب اس کے برعکس ہے۔۔۔۔۔ باقی اپنی اپنی رائے ہے لیکن ہر حال میں ضرورت جامع کی ہے (یعنی ایسے شخص کی ضرورت ہو جو محدث بھی ہو، فقیہ بھی ہو، صوفی بھی ہو) حضرت شاہ ولی اللہ (محدث دہلوی، رحمۃ اللہ علیہ) نے لکھا ہے کہ اس شخص کی صحبت اختیار کرو جو صوفی بھی ہو، فقیہ بھی ہو، محدث بھی ہو، وہ ہی

شخص صحبت کے قابل ہے۔ واقعی ٹھیک فرمایا۔ گو خود حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پر محدثیت کا رنگ غالب ہے مگر محقق ہونے کی شان سے یہ تحقیق فرمائی اور یہ ضروری بات ہے کہ اگر حدیث نہ جانتا ہو گا تو بدعت کی طرف مائل ہو جائے گا۔

— فرمایا۔ ائمہؒ اس چودھویں صدی میں طریق کی حقیقت واضح ہوئی اور یہ سب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کی برکت ہے۔ یہ بزرگ اپنے زمانے کے اور اس فن کے مجدد تھے، مجتہد تھے، محقق تھے، امام تھے۔ دیکھنے میں تو بظاہر تھانہ بھون کے ایک (سادہ لباس) شیخ زادے معلوم ہوتے تھے، علم درسی بھی بظاہر نہ تھا لیکن یہ حالت تھی۔

بینی اندر خود علوم انبیا
بے کتاب و بے معید و اوتا

اُن کے فیضِ روحانی و باطنی سے تمام عالم منور ہو گیا، ورنہ چار طرف سے زندہ اور اتحادِ پنجریٹ اور درپریت نے گھیر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے پرفتن اور پُر آشوب زمانے میں ایسے شخص کو پیدا فرما کر اپنی مخلوق پر بڑا ہی فضل فرمایا اور رحمت فرمائی۔ میرے پاس جو کچھ بھی ہے حضرتؒ ہی کی دعاؤں کا ثمرہ ہے اور ان ہی کی دعاؤں کی برکت ہے۔ ورنہ میرے اندر کوئی چیز بھی نہیں نہ علم ہے نہ فضل نہ کمال۔ اس بیان کے وقت حضرت حکیم الامتہؒ کے اندر ایک جوش کی کیفیت تھی اور آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔ اہل مجلس پر بیدار اثر تھا اور قریب قریب سب پر گریہ طاری تھا۔

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ۔ علمائے اپنے علم کی قدر چھوڑ دی اور اسی وجہ سے کتابیں سمجھ کر پڑھنا چھوڑ دیں ورنہ ان ہی کتابوں میں سب کچھ ہے۔ اگر ان کتابوں سے کام لیں تو آج کل کے بڑے بڑے تعلیم یافتہ، ڈگری یافتہ، دلایت کے سند یافتہ ان کے سامنے گرہیں۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں اُمراء سے تعلق کو منع نہیں کرتا تعلق (چالوپی) کو منع کرتا ہوں۔ علماء کو خصوصیت کے ساتھ اس سے اجتناب کی ضرورت ہے اور یہ اس وجہ سے کہ دین اور اہل دین کی تعمیر نہ ہو۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی (فرنگی علیؒ) نہایت ہی محنت و حسن سیرت، اور حسن اخلاق کے جامع تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ نواب زادے میں، ان کے فصوص سے معلوم ہوا کہ شب کی عبادت میں روتے تھے۔ دن کو امیر رات کو فقیر۔ کثرت کار کی وجہ سے..... صریح کامرض ہو گیا تھا۔ تھوڑی سی عمر میں بڑا کام کیا، یہ سب تائیدِ نبوی ہوتی ہے ورنہ انسان کا وجود ہی کیا ہے۔

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا.... میری ایک بہت پرانی رائے ہے۔ اور اب تو رائے دینے سے بھی طبیعت افسردہ ہو گئی اس لیے کہ کوئی عمل نہیں کرتا۔ وہ رائے یہ ہے کہ تعزیرات ہند کے قوانین اور ڈاک خانہ اور ریلوے کے قواعد بھی مدارس اسلامیہ میں پڑھانے چاہئیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ مدارس اسلامیہ کی طرف سے بالخصوص بڑے مدارس جیسے دیوبند، سہارن پور کی طرف سے ہر جگہ مبلغ رہیں، تمام ملک کے ہر حصہ میں منتقل طور پر ان کا قیام ہو۔ باضابطہ نظام ہو اور دیگر ممالک میں بھی مبلغ تیار کر کے بھیجے جائیں۔ یہ بھی پرانی (بہت پہلے سے) رائے ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ مدارس اسلامیہ کے تحت صنعت و حرفت کا شعبہ ضرور ہونا چاہیے تاکہ فرائض کے بعد کسی کے محتاج نہ ہوں۔ یہ ضرب المثل ہے کہ یہ لکھ پڑھ کر اور کچھ نہیں کر سکے سوائے چندہ مانگنے کے۔ اور بھی مفید رائیں ہیں، مگر جب کوئی ایک بات پر عمل کر لے تو اور بھی شہودہ دیا جائے ورنہ بیکار ہے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مولویوں کے غریب رہنے سے بھی دل دکھتا ہے۔ مگر خیر اسی میں ہے کہ مولوی غریب ہی رہیں جو امیر مولوی ہیں۔۔۔ وہ دین کا ذرا سا بھی کام نہیں کرتے خالی پڑے رہتے ہیں کچھ بھی نہیں کرتے اس لیے ان کا غریب رہنا ہی مصلحت ہے۔ ایک خط بہ خط لکھا ہوا آیا اس کے سلسلے میں فرمایا کہ ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خط نہایت پاکیزہ تھا، امیر پنجہ کش (دہلوی) کے (غوشہ خطی میں) شاگرد تھے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا تمام عالم بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ جس بڑے بڑے متبحر سے چاہو پوچھ کر دیکھو کہ تمہارے علوم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیسے ہیں؟ ہر شخص دل سے یہی کہے گا کہ بیچ ہیں۔ یہاں سے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہر (مومن) شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کے مقابلے میں اپنے کو جاہل کہے گا۔ اور دوسری قومیں (غیر مسلم) تو امتی مسلمانوں کے سامنے بھی جاہل ہیں۔ ایک واقعہ سن لے کہ پادری فنڈر اور مولانا نور الحسن صاحب کاذھلوی اگرچہ میں اتفاقاً ایک اسکول میں جمع ہو گئے۔ پادری فنڈر نے ایک طالب علم سے کہا کہ وہ کتاب لاؤ جو قرآن سے بھی زیادہ فصیح اور بلغ ہے۔ مولانا نے دریافت کیا کہ وہ کون سی کتاب ہے جو قرآن سے زیادہ فصیح اور بلغ ہے؟ کہنے لگا کہ مقامات حریری۔ یہ ہیں ان (پادریوں) کے علوم۔ مولانا نے کہا اور میں کہتا ہوں کہ قرآن سے زیادہ فصیح اور بلغ کوئی کتاب نہیں۔ اب رہا اس کا فیصلہ اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے یہ معلوم کر لیا جائے کہ عربیت میں میں زیادہ ماہر ہوں یا آپ، اور اس مہارت کے معلوم کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ ایک مضمون میں بھی عربی میں لکھوں اور آپ بھی۔ اور یہ ظاہر نہ کیا جائے کہ کس کا کاتب مسلمان ہے اور کس کا عیسائی اور دونوں تحریریں بیروت اور اسکندریہ بھیج دی جائیں، اگر وہاں آپ کا مضمون فصیح مانا جائے تو جس کتاب کو آپ فصیح اور بلغ کہہ دیں وہ تسلیم۔ اور اگر میرے مضمون کو زیادہ فصیح اور بلغ مانا جائے تو پھر جس کتاب کو کہہ دوں آپ تسلیم کر لیں، پھر فرمایا کہ اس پادری کا علمی کمال تو اس سے ظاہر ہے کہ مقامات حریری کو قرآن سے زیادہ فصیح اور بلغ بتایا۔.....

ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ نجدیوں میں اگر کچھ کمی ہے تو اس کی ہے کہ محض نجدی ہیں و جدی نہیں۔..... اہل نجد اگر مجھ سے مشورہ لیتے تو میں منکرات کے ازالہ کی پُر امن تدبیر ان کو بتلاتا۔ مصلح کو کسی قدر حکیم ہونے کی بھی ضرورت ہے۔ منکر کا ازالہ اگر کیا جائے تو اس کی بھی مختلف صورتیں ہیں۔.....

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ فتنہ تربیت بھی نازک فتنہ ہے، مشائخ نے عجیب عجیب طرح پر

۱۰ نجدی و جدی ہم قافیہ لفظ مشنوی کے اس شعر سے اخذ ہیں ۱۰

بازگو از نجد و از یاران نجد تادرو دیوار را آری بوجد

اصلاح کی ہے۔ ایک بزرگ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ حضرت کوئی کتاب ہے کہ اسٹڈی کر لیجوں؟ میں نے کہا کہ وہ کتاب ہے جو میں نے لکھی ہے، اس میں کیا ہونا چاہیے؟ سائل حامی شخص تھا۔ فرمایا کہ میں اگر کسی زمیندار سے مالگزار کی کامطالبہ کیا جائے اور اس کو تحصیل میں بلایا جائے، مگر مالگزاری کی مقدار کو معلوم نہ ہو، ایک شخص کہے کہ اسٹڈی روپے مالگزاری کے لیے جائیں گے، دوسرے کہ بارہ لیے جائیں گے۔ تیسرا کہ کچھ کے لیے جائیں گے۔ اب بتاؤ کہ اس کو کتنے روپے لے کر تحصیل میں جانا چاہیے۔ اُس نے کہا کہ عقل کی بات تو یہ ہے کہ میں روپے لے کر جائے تاکہ جتنے روپے کی مانگ ہو دے کر چلا آئے کوئی گڑبڑ نہ ہو۔ اگر اسٹڈی لے گیا اور مانگ ہوئی بارہ کی، یا بارہ لے گیا اور مانگ ہوئی بیس کی تو پریشانی ہوگی۔ (بزرگ نے) فرمایا کہ میں تم میں ہی پڑھوں، جتنے کا مطالبہ ہو پیش کر دینا۔ بس وہ شخص سمجھ گیا۔ دیکھئے اُس کے فہم کے مطابق کیسے سہل عنوان سے سمجھا دیا۔ ایک عالم کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ فلاں حافظ صاحب نے یہ دریافت کیا ہے کہ حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ میں جنگ ہوئی، کون حق پر تھا؟ عالم نے دریافت فرمایا کہ وہ حافظ صاحب کیا کام کرتے ہیں، عرض کیا کہ جوتے بیچتے ہیں، پوچھا تم کیا کام کرتے ہو، عرض کیا کہ پڑے رنگا کرتا ہوں۔ فرمایا کہ تم ہمارے پڑے رنگو اور حافظ صاحب سے کہو جوتے بیچیں۔ علیؑ جانیں معاویہؓ جانیں (رضی اللہ عنہما) قیامت میں حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہؓ رضی اللہ عنہ کا مقدمہ فیصلے کے لیے تھا؟ پاس نہ آئے گا اور اگر آیا تو میں خدا کے تعالیٰ سے عرض کر کے تمہارے اجلاس سے اٹھوا دوں گا۔ یہ ہے طریق اصلاح کا۔ لوگ عیبت اور فضول میں مبتلا ہیں۔

عمریں گزر گئیں اور ختم ہو گئیں مقصود اور غیر مقصود ہی کا پتہ نہ چلا۔

فرمایا کہ ایک شخص نے (مجھے) لکھا کہ فلاں مسئلے میں کیا حکمت ہے؟ میں نے لکھا۔ حکمت کا سوال کرنے میں کیا حکمت ہے؟ تم تو خدا کے تعالیٰ کے افعال کی حکمتیں ہم سے پوچھتے ہو، ہم خود تمہارے ہی فعل کی حکمت تم سے پوچھتے ہیں۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض لوگ صوفیہ پراعتراض کرتے ہیں کہ یہ امر بالمعروف نہیں کہتے بیشک یہ (حضرات) قولاً تو (امر بالمعروف) زیادہ نہیں کرتے مگر عملاً (امر بالمعروف) کرتے ہیں..... ان کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (زیادہ تر) عملاً ہوتا ہے قولاً کم ہوتا ہے۔ یہ لوگ حکیم

ہوتے ہیں، نبض کو پہچانتے ہیں۔ ہر شخص کی استعداد کے مناسب معاملہ کرتے ہیں۔ فرمایا کہ بڑی چیز عمل ہے اور علم اس کا مقدمہ ہے۔ تو علم پر ناز کچھ بھی نہ کرنا چاہیے..... حضرت جنید بغدادی کو کسی نے خواب میں دیکھا۔ دریافت کیا کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا کہ تمام معارف اور علوم اور تحقیقات کام نہ آئے صرف تہجد کی مختصر فطیل کام آئیں۔ دیکھے عمل ہی کام آیا، گو یہ علوم بھی غیر مفید نہیں۔.... کام کی چیز اور مقصود کام میں لگا رہنا ہے، جو کر لے گا وہ کارآمد ہے اور باقی زبانی جمع خرچ۔ محض تحقیقات، بلا عمل کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص دار الضرب (کمال) میں نوکر ہو اور تمام دن روپیہ اور نوٹ نہاتا اور چھاپتا ہو، مگر شام کو تلاشی لے کر باہر نکال دیا جاتا ہے۔ جو تنخواہ ہے بس وہ کارآمد ہے اور سب بے کار۔ ایسے ہی یہاں سمجھ لو کہ دینی تحقیقات اور زبانی جمع خرچ میں (مسا کیا ہے؟

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ کا فضل ہے۔ اپنے بزرگوں کی دُعا کی برکت سے مجھے دُنیا پر دین کو ترجیح دینے کی توفیق نصیب فرمادی گئی ہے۔ میں دونوں نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہوں۔ ترجیح دین کا بھی اور اس کا بھی کہ بقدر ضرورت بلکہ ضرورت سے زیادہ سامانِ زندگی نصیب فرمایا جو کہ بڑی نعمت اور رحمت ہے، اسی کو فرماتے ہیں۔۔۔۔۔

چوں ترانائے دُرخانے بود ہر بُنِ سوئے تو سلطانے بود
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے (جس کا مفہوم یہ ہے) جس کسی کے پاس ایک دن کا گھر میں کھانے کو ہو اور وہ تندرست ہو اور کسی دشمن کا خوف نہ ہو تو گویا اس کو ساری دُنیا مل گئی۔ اس حسی رزق کا معاملہ بڑا نازک ہے جس کو جس قدر حق تعالیٰ عطا فرمائیں اُس کی قدر کرنا چاہیے۔ ہرگز ہرگز کفرانِ نعمت نہ کرنا چاہیے۔ اُس کے (حسی رزق کے) فقدان یا نقصان پر صبر کرنا ہر شخص کام نہیں۔ ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ باقی خواص کا دوسرا معاملہ ہے۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے حضرات تک چڑھے نہ تھے، ہنستے بولتے رہتے تھے، مگر دل میں ایک آگ لگی ہوئی رہتی تھی۔ بس یہ حالت تھی۔۔۔

تو اے افسردہ دل زاہد کیے در بزمِ رنداں شو

کہ بینی خندہ بر لبہا دُشمنش پارہ در دہا

(نواب مصطفیٰ خاں شیفۃ موم)

میں نے اس کی ایک مثال تجویز کی ہے۔ جیسے تو اہانتا ہے۔ مگر کوئی ہاتھ لگا کر تو دیکھے....
بتہ چل جائے گا کہ (اس کے) حلقہ میں کیا بھرا ہے۔

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ اہل بدعت اکثر بد فہم ہوتے ہیں۔ جو غلط بدعت کے علوم اور حقائق سے کوئے ہوتے ہیں ویسے ہی لغویات ہانکتے رہتے ہیں جبکہ سمر نہ پیر ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہماری جماعت ہے جو بعض جماعتوں کو حسد ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے یہاں تو رات دن معتقد بنانے کی کوشش ہے اس لیے کہ جاہ پسند ہیں اور ہلکے حضرات..... اس کی اُلٹی کوشش کرتے ہیں کہ کوئی معتقد نہ رہے یا معتقد نہ ہو اور پھر بھی لوگ پلٹتے ہیں، بس اس پر حسد ہے کہ کیا بات ہے کہ انھیں کے معتقد بڑھتے رہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ سے تعلق بڑھاؤ اور ان خرافات کو چھوڑ دو۔ دیکھو پھر بھٹکائے بھی معتقد بڑھ جائیں گے۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ علما اہل سنت پر خشیت غالب تھی ذرا بھی مشبہ ہوا تھا وہ فتویٰ نہیں دیتے تھے۔ آج کل خشیت کی کمی ہے۔ کمی کیا قریب قریب مفقود ہے جیسا چاہو فتویٰ دلاؤ۔ اللہ ماشاء اللہ۔

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آج کل کا مناظرہ ہے ہی ادبیات چیز اس میں احتیاط ہو ہی نہیں سکتی، اگر بڑھ ہی ہو جاتی ہے۔ اسی لیے مجھ کو اس سے سخت نفرت ہے۔ وقت کا خراب ہونا، حتیٰ بات کو نہ ماننا۔ غرض آج کل کے مناظرے کا حاصل یہ ہے کہ ہسٹی نہ ہو، شبکی نہ ہو، اڑنگ بڑنگ، اصول، بے اصول ہانکنے چلے جاؤ۔ زیادہ بولنا، چپ نہ رہنا بس یہ کمال ہے (آج کل کے) مناظرے کا۔

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آج کل لوگوں کا مذاق خراب اور برباد ہو گیا۔ کسی مفید کام کی طرف تو متوجہ ہیں نہیں ویسے ہی شور و غل.... کرتے پھرتے ہیں نہایت بھڑی طبیعتیں ہیں۔ میں نے ایک کتاب لکھی ہے حیوۃ المسلمین۔ اس میں سب کچھ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے مضامین جمع کر دیے ہیں اگر اس پر کاربند ہوں اور ان مضامین کی اشاعت کریں اور ان پر عمل کریں تو چند روز میں ان شاء اللہ قلعے، کایا پلٹ ہو جائے، اس میں جو مضامین ہیں میں نے بہت سوچ سمجھ کر لکھے ہیں اور عام فہم کرنے کے لیے سہل

بھی کر دیے ہیں۔ ان پر عمل کرنے سے مسلمانوں کی دُنیا اور دین دونوں کی فلاح و بہبود ہے۔
 اگر وہ غنیمت صرف ان ہی مضامین کو جو حیوۃ المسلمین میں جمع کر دیے ہیں۔..... سنا دیا کریں
 تو بہت ہی مناسب اور مفید ہو اور ان پر سوچنے کا بھی بار نہ پڑے۔ یہ لکھے لکھائے مضامین
 ہیں اور ان میں سب ضروریات، دُنیا اور دین کی موجود ہیں، مگر مسلمانوں میں حس نہیں۔
 بے ہوش ہو رہے ہیں۔ میں نے بہت چاہا کہ مسلمانوں کا کوئی مرکز ہو جس میں یہ اپنی ضرورت
 کا مشورہ کر لیا کریں مگر نہ ہو سکا، یہی افسوس ہے، یہ سب اس کا اثر ہے کہ غلوں میں اور غلوں
 نہ ہونے کی وجہ دین (کے معاملے میں) کمزوری (اور کوتاہی) ہے۔ ہر شخص اپنے اغراض میں
 مبتلا ہے۔ اور یہ کمزوری مسلمانوں کی بڑی زبردست ہے کہ ان کی قوت اجتماع کا کوئی مرکز
 نہیں۔ اور عَادَةُ اللہ جاری ہے کہ لکھ کر کام ہوتا ہے۔ دیکھئے: ”هُوَ الَّذِي آتٰكَ
 بَصُرًا وَبِالْمَوْتِ مَنِيْنًا“ میں۔۔۔۔۔ دُعا لَمَوْتِ مَنِيْن۔ بھی پڑھایا گیا۔ ورنہ مومنین کے
 بڑھانے کی کیا ضرورت تھی؟ اس میں حق تعالیٰ نے یہ بتلادیا کہ اتنی بڑی ہستی (رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم) کی نصرت میں بھی سُنّتہ اللہ ہی ہے کہ لکھ کر کام کیا جائے۔
 ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ پہلے ایسی شرائط کہاں تھیں۔ (یعنی بدعتی
 بھی اللہ اللہ کرنے والے، ذاکر، شاعر، نیک نیت ہوتے تھے۔ اللہ کے نام لینے کی برکت سے
 (ان کے) قلب میں رقت، انعام، عاجزی، فنا، تواضع ہوتی تھی۔ علماء اہل حق سے محبت کا
 بڑا ذکر کرتے تھے۔ ان کے قلوب میں علماء کی وقعت، عظمت، ادب و احترام ہوتا تھا۔ کبھی
 ان کے سامنے قیل و قال نہ کرتے تھے، اور اب تو نہ ذکر ہے نہ شغل، نہ تواضع نہ ادب، غرض
 تہذیب نہیں۔..... کہا تو تک میں اتنا ہے اور پھر صوفی و درویش بنے ہوئے ہیں۔ جو اہل ادب
 ہوتے تھے اہل حق بھی حدود کے اندر ان کی رعایت کرتے تھے۔۔۔۔۔ تھانہ بھون کی جامع
 مسجد میں میرا بیان ہوا کرتا تھا ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ اس مجمع میں ایک ڈھولک باز بڑی
 آیا کرتا ہے ذرا اس کی خبر لیجئے۔ میں نے کہا میں خبر لیا نہیں کرتا خبر دیا کرتا ہوں اور میں نے

کبھی اُس کے اس مسلک سے تصریحاً تعریف نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود بخود اس کی اصلاح ہو گئی۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ تبلیغ کا کام بھی ایک حکیمانہ کام ہے۔۔۔۔۔ اس میں بڑے فہم اور درجی عقل کی ضرورت ہے کہ کس محل میں اور کس عنوان سے کہنا چاہیے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دُعا بڑی چیز ہے تمام عبادات کا مغز ہے اور سب سے زیادہ آج کل اسی سے غفلت ہے، اور دُعا ایسی چیز ہے کہ دُنیا کے کاموں کے واسطے بھی دُعا مانگنا عبادت ہے بشرطیکہ وہ کام شرعاً جائز ہوں۔ یہ غلطی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ دین ہی کے کاموں کے واسطے اور آخرت ہی کی فلاح اور بہبود کے لیے دُعا عبادت ہے بعض لوگ بجائے درخواست دُعا کے لکھتے ہیں کہ فلاں کام کے لیے کوئی مجرب عمل اور کوئی مجرب وظیفہ بتلا دیجئے، میں لکھ دیتا ہوں کہ اس قیصر کے ساتھ مجھ کو عمل معلوم نہیں اور دُعا سے بڑھ کر کوئی وظیفہ اور عمل نہیں۔ فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک اُستاذِ اَلاتِ اَوَ بزرگ کا قول نقل فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر کسی کو دین کا بنانا ہو تو درویش کے سپرد کر دو اور دُنیا کا بنانا ہو تو طبیب کے سپرد کر دو۔ اور اگر دونوں سے کھونا ہو تو شاعر کے سپرد کر دو۔

ایک سلسلہ گفتگو میں ایک فقہی مسئلے پر ایک مولوی صاحب کو آگاہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ میں سب سے زیادہ مشکل چیز فقہ کو سمجھتا ہوں اور لوگوں کو اکثر اسی پر دلیریاں مانتا ہوں۔ بہت سوچ سمجھ کر مسئلہ بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ فقہاء نے تو کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ فقہاء ہی کی اس قدر نظر ہے۔ احکام پر بھی، علل احکام پر بھی۔ سچ تو یہ ہے کہ خدا کی طرف سے ان حضرات کو الہام ہوتا تھا جس سے ایسی دین کی خدمت کی ہے۔ حق تعالیٰ ان کو جس نے خیر عطا فرمائیں۔۔۔

فرمایا کہ نا صحیح حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ دُنیا کی طرف التفات مت کرو اور میں کہتا ہوں کہ خوب التفات کرو، کیونکہ جب دُنیا کی حقیقت کو خوب سوچو گے اور اس کے ساتھ آخرت کو بھی، تو موانع کے بعد دین ہی کو دُنیا پر ترجیح دو گے، بلکہ میں اس میں اور توسع کرتا ہوں کہ موانع کے لیے بھی نہ سوچو بلکہ محض اس کی حقیقت ہی سے واقف ہونے کے لیے اس میں غور اور فکر کرو اور خوب توجہ کرو تا کہ اس مُردار کی حقیقت واضح ہو جائے اور

پھر کمال درجے کی اس سے نفستہ ہو۔

فرمایا کہ آجکل یہ بھی ایک مرض عام ہو گیا ہے کہ اگر کسی گروہ، کسی طبقے کی اصلاح کر دیا
اصلاح کا طریقہ بتاؤ تو اس (طریقے) پر تو نظر کرتے نہیں بس ایک بات لے کر بیٹھ جاتے ہیں کہ
فلاں مفید بات سے منع کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ اہل بدعت ہیں انھوں نے ہزاروں لاکھوں
پرعتیں ایجاد کر رکھی ہیں۔ کوئی اصلاح کرے تو اس کو بدنام کرتے ہیں مثلاً اگر ان کو ایصالِ ثواب
کا صحیح طریقہ بتاؤ تو کہتے ہیں کہ ایصالِ ثواب سے منع کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر..... کہا جائے
کہ پہلے علم دین پڑھ کر بعد میں انگریزی پڑھو تو کہتے ہیں کہ انگریزی کو منع کرتے ہیں۔ اسی طرح
اہل مدارس کی حالت ہے اگر ان کو شرعی اصول کے مانتے تحصیلِ چندہ کا طریقہ بتاؤ تو کہتے ہیں کہ
تحصیلِ چندہ کو منع کرتے ہیں۔ غرض کہ ہر طبقہ اس مرض میں مبتلا ہے۔

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بُرا بھلا اور اگوار بات، کہنے والوں نے
کس کو چھوڑ دیا؟ اللہ کو چھوڑ دیا، اللہ کے رسول کو چھوڑ دیا، صحابہ کرام کو چھوڑ دیا، ائمہ
مجتہدین کو چھوڑ دیا، بعد کے علماء اور بزرگانِ دین تو کس شمار میں ہیں۔ مگر کسی کے بُرا بھلا
کہنے سے بُرا کیوں مانے۔ اس سے بگڑنا کیا ہے؟ معاملہ تو اللہ کے ہاتھ ہے۔ مخلوق سے لینا
ہی کیا ہے، اگر کسی کو اس کی فکر ہے تو یہ ابھی خامھی مخلوق پرستی ہے۔ پھر خدا پرستی کہاں؟ اور
یہ فکر خود ایک مستقل اور بہت بڑا عذاب ہے کہ فلاں بُرا نہ کہے، فلاں بھلا نہ کہے کون بیجا ہوا ان
خرافات کا مُرتب کیا کرے۔ ایسے موقع کے متعلق ذوق نے خوب کہا ہے ۵

تو بھلا ہے تو بُرا ہر نہیں سکتا اسے ذوق

ہے بُرا وہ ہی کہ جو تجھ کو بُرا جاننا ہے

اور اگر تو ہی بُرا ہے تو وہ سچ کہتا ہے

پھر بُرا کہنے سے کیوں اس کے بُرا مانتا ہے

ایک موقع پر فرمایا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ عجیب جامع تھے۔ عاشق بھی
بے بدل اور عارت بھی بے بدل۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کے تذکرے میں ایک خاص کیفیت بتلا ہے۔ فرمایا کہ مقبول کی بھی شان ہوتی ہے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ اصلاح کا باب بڑا ہی نازک ہے بدون ہمارے فن کے مشکل ہے۔ کہ کسی کی اصلاح کر سکے۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض لوگوں کو آجکل یہ مرض ہے کہ وہ بیٹھے ہوئے ادھر ادھر کی بات کرتے ہیں یا دل ہی دل میں فضول سوچے گاٹھا کرتے ہیں، حتیٰ کہ بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہو کر بھی ان وساوس میں آلودہ رہتے ہیں۔ ایک شخص نے مجھے خود بیان کیا کہ میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھا ہوا دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ معلوم نہیں عند اللہ حضرت حاجی رحمۃ اللہ علیہ کامرتبہ زیادہ ہے یا حضرت حافظ صاحب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا۔ حضرت اس خطرے اور دوسوے پر (مہتاب اللہ) مطلع اور آگاہ ہو گئے فرمایا میں تم کو اس سے کیا بحث؟ بادل کا ہر ٹکڑا سیراب کرنے کے لیے کافی ہے۔ پھر تم کو اس کی کیا فکر کہ ان میں کون سا ٹکڑا بڑا ہے کون سا چھوٹا۔

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آیتوں کی باہم ترتیب بذریعہ وحی کے ہے اس میں کسی اجتہاد کا دخل نہیں۔ اس وجہ سے اس کا بھی قائل ہونا پڑے گا کہ آیات میں مناسبت ضرور ہے ورنہ ترتیب نزول کو نہ بدلا جاتا۔ اب رہا یہ کہ وہ مناسبت کیسے ہو۔ اس کا بتلانا ہمارے ذمے نہیں۔ مگر اجمالاً یہ ضرور کہا جائے گا کہ قرآن شریف کی آیتوں میں تناسب اور تناسب ضرور ہے۔ اب یہ شبہ کہ وہ ربط سمجھ میں نہیں آتا تو سمجھ میں نہ آتا تو تسلیم اس بات کو نہیں کہ اس میں ربط نہ ہو۔ دوسری بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ جس ربط کو آجکل ربط سمجھا جاتا ہے کہ مسلسل متعارف تصنیفات کا سارا رنگ ہو یہ قرآن میں نہیں، اس لیے کہ کریم اور رحیم خداوند جل جلالہ کا کلام ہے جو شفقت ہے پُر ہے اور شفقت والے مخاطبات میں تصنیفات کا سارا ربط نہیں ہوتا۔ مثلاً باپ نے ایک بیٹے کو ایک مجلس میں کسی نصیحتیں کیں تو ان میں ایک گو نہ مناسبت ہے مگر تصنیفات کا سارا رنگ نہیں ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ خود حالات ہونا اور ان مخاطبات کے ہیں۔ اُن میں بھی تو دیا جوڑ نہیں ہوتا تو پھر باپ کی نصیحت میں متعارف ربط کیسے ہو؟ جب حالات میں خاص ارتباط نہ ہو تو نصائح میں کیسے ہوگا؟ بلکہ ارتباط کا نہ ہونا ہی خوبی ہے اور دلیل شفقت ہے۔ اس لیے کہ مثلاً باپ نے پانچ نصیحتیں کیں اور اتفاق چار میں تو ربط تھا اور پانچویں میں نہ تھا تو جو شخص ارتباط متعارف کا اہتمام کرے گا وہ اہل

پانچویں نصیحت کو ضرور موقوف رکھے گا (اور روک لے گا) جو کہ شفقت اور محبت کے منافی ہے اس لیے ایسا اہتمام (ارتباط کا) نقص ہے اور منافی محبت ہے۔ اگر کوئی باپ سے پوچھے کہ تمہاری اس پانچویں نصیحت میں ربط کیا تھا؟ وہ کہے گا ربط کیا ہوتا جو ضرورت دیکھی ظاہر کر دیا۔ غرض قرآن مجید میں تصنیفات کا سازنگ نہیں اور یہی بڑی شفقت ہے حق تعالیٰ کی۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں کمرات ہیں۔ یہ تکرار بھی اسی انتہائی شفقت پر مبنی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے لَقَدْ صَدَقْنَا فِي هَذِهِ الْقُرْآنِ لَبِيدًا كَرَمًا۔ (ہم نے مختلف انداز میں بار بار قرآن میں بیان کیا تاکہ وہ سوجھیں) اور کہیں کہیں مکررات کا جو عنوان مختلف ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے، کیونکہ مخاطب کے حالات بعض اوقات مختلف بھی ہوتے ہیں مثلاً باپ نے دیکھا بیٹے کو کہ بڑی صحبت میں بیٹھا ہے تو ایک وقت کچھ نصیحت کرتا ہے اور کسی طرز سے اور ایک وقت کچھ نصیحت کرتا ہے اور کسی ڈھنگ سے۔

ایک اور نظیر لیجئے کہ منادی کرنے والا جو منادی کرتا ہے سو جو ضرورتیں پیش آتی رہتی ہیں ان کو ظاہر کرتا ہے (بظاہر) ان میں کوئی خاص جوڑ نہیں ہوتا، اور یہ خاص جوڑ نہ ہونا اس کی دلیل ہے کہ اس اعلان میں یہ کسی بڑے آزاد، مختار کامل حاکم کا امور ہے۔ اس حاکم نے اس منادی کرنے والے کو جو اعلان بتلادیا ہے یہ منادی کرنے والا اسی طرح اعلان کر رہا ہے اگر وہ خود اپنی رائے سے اعلان کرتا تو اتنا عقیدہ نہ ہوتا کہ اس میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا، خواہ اس میں (متعارف) ربط جو یا نہ ہو بعینہ اعلان کر رہا ہے۔

ایک بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ قرآن مجید میں متعارف مناظرے کا رنگ بھی نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑے حاکم کا کلام ہے کیونکہ حاکم کو ایسے مناظرے کی ضرورت نہیں۔ دیکھئے شیطان نے شرارت و نافرمانی کی دلیل کے ساتھ۔ (چنانچہ اُس نے کہا) خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَ مِنْ طِينٍ (مے اللہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا) اس کا جواب حق تعالیٰ حکیمانہ بھی دے سکتے تھے کہ ان مقدمات کا ابطال فرماتے مگر ایسا نہیں کیا کیونکہ اس میں مناظرے کا رنگ تھا۔ بلکہ حاکمانہ جواب دیا۔ اُخْرِجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ۔ تو یہاں سے نکل جا اس لیے کہ تو راندہ درگاہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ

قرآن مجید جو ہے یہ ایک شفیق اور بڑے حاکم کا کلام ہے کسی مصنف اور ناقص القدرہ کا کلام نہیں۔ یہ لاکھوں روپے کا نسخہ میں نے تیار دیا ہے۔ ایک اور بات بھی یاد آئی جس سے یہ قرآن مجید (یقینی طور پر) خدا کا ہی کلام معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر ہم کسی پر غصہ کر رہے ہوں اور اس حالت میں کوئی عزیز و قریب آجائے تو اس وقت اُس سے بھی یک گونہ برہمی کے ساتھ ہمارا کلام ہوگا۔ اور حق تعالیٰ انہماں کفار کا ذکر قرآن میں فرماتے ہیں اُس کے منقل ہی مبین و مطیعین کا ذکر ہوتا ہے جس میں وہ پہلا رنگ ذرا نہیں آتا۔ یہ خدا تعالیٰ ہی کو قدرت ہے۔ یہ اُن ہی کا کام ہے کیونکہ وہ افعال سے مشغول ہیں۔ اس تقریر کے اکثر اجزاء اذوقتی و نظری ہیں اس لیے طالبینِ حق اس کے مخاطب ہیں معاذین نہیں۔

BOMBAY ANDHRA TRANSPORT Co.
Transport Contractors
 113 BHANDARI STREET (CHAKLA)
 BOMBAY 3

ایک نیا سنگ بنیاد رکھیے!

ماء اللحم خاص

قبل از وقت بوڑھوں اور غمیر صحت مند
 نوجوانوں کے لئے بہترین تحفہ ہے تازہ پھلوں
 قیمتی دواؤں اور بہترین غذاؤں سے جدید
 طریقہ پر تیار کیا جاتا ہے

دوا خانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ




اسلامی ریاست میں عورتوں کے حقوق و فرائض

مولانا امین احسن اصلاحی

اسلامی ریاست میں جس طرح مردوں کو حقوق حاصل ہیں اسی طرح عورتوں کو بھی حقوق حاصل ہیں اور جس طرح مردوں پر فرائض عاید ہوتے ہیں اسی طرح عورتوں پر بھی کچھ فرائض عاید ہوتے ہیں۔ برحیثیت شہری کے ایک مسلم اور ایک مسلمہ میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن دونوں کے حقوق و فرائض کی نوعیت میں کچھ اختلافات ہیں۔ یہ اختلافات جن حقیقتوں پر مبنی ہیں ان کو سمجھ لینا ضروری ہے۔

اسلام سادات مرد و زن کے اس مغربی نظریہ
مغربی نظریہ مساوات اور اسلام | کو تسلیم نہیں کرتا جو عورت اور مرد کی صلاحیتوں میں سرسے کوئی فرق ہی نہیں کرتا اور دونوں کو زندگی کے ہر شعبہ میں بالکل یکساں استعمال کرنا چاہتا ہے۔ اسلام جس مفہوم میں عورت و مرد کی مساوات کا داعی ہے وہ یہ ہے کہ جس نفس واحد سے اللہ تعالیٰ نے مرد کو پیدا کیا ہے اسی نفس واحد سے عورت کو بھی پیدا کیا ہے۔ جس طرح مرد اس نظام کائنات کا ایک ضروری عنصر ہے اور قدرت نے ایک خاص مقصد سے اس کو تخلیق کیا ہے اسی طرح عورت بھی اس کائنات کی مشین کا ایک ضروری پُرزہ ہے اور قدرت نے اس کی تخلیق سے بھی ایک ضروری غرض وابستہ کی ہے جس طرح مرد قدر و احترام کا مستحق ہے اسی طرح عورت بھی قدر و احترام کی حقدار ہے جس طرح مرد کچھ خاص قابلیتیں اور قوتیں لے کر آیا ہے اسی طرح عورت بھی کچھ مخصوص قوتیں اور قابلیتیں لے کر پیدا ہوئی ہے۔ جس طرح مرد اپنے کچھ خاص ہنر یا

دعوا طفت اور کچھ فطری مقتضیات و مطالبات رکھتا ہے۔ اسی طرح عورت بھی اپنے کچھ خاص رجحانات و میلانات اور کچھ فطری مطالبات اور مقتضیات رکھتی ہے۔ اس لیے عورت اور مرد کو اپنے اپنے فطری رجحانات و میلانات کے مطابق سورج اور چاند کی طرح اپنے اپنے دائرہ عمل میں قدرت کے منشا کی تکمیل میں سرگرم رہنا چاہیے۔ معاشرے کے اندر دونوں پر ان کی فطری صلاحیتوں کے لحاظ سے ذمہ دالیاں ہونی چاہئیں اور ان کی ذمہ دالیوں کے اعتبار سے ان کو حقوق ملنے چاہئیں۔

معاشرے میں عورت و مرد کی سادات کا اعلان قرآن مجید ان واضح الفاظ میں کرتا ہے:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي
خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا
زَوْجَكُمْ وَبَشَّرَ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَ
نِسَاءً (۱۔ نساء) اور بہت سادی عورتیں۔

اس آیت نے عورت کی کتری اور سخاوت سے متعلق ان تمام تصورات کا خاتمہ کر دیا جو قدیم مذاہب اور تہذیبوں میں پائے جاتے تھے۔ اسلام نے یہ اعلان کیا کہ جس نفس واحدہ سے مرد و عورت میں آئی ہے اسی سے عورت بھی وجود میں آئی ہے اور جس طرح انسانی معاشرہ کا ایک اہم رکن مرد ہے۔ اسی طرح معاشرے کی دوسری اہم رکن عورت ہے۔ معاشرے کا وجود اس کا بقا اور اس کا تسلسل ان دونوں میں سے کسی ایک ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ اس پہلو سے دونوں سادی حیثیت رکھتے ہیں۔ البتہ جہاں تک عورت و مرد کی خصوصیات اور صلاحیتوں کا تعلق ہے، قرآن نے بتایا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ صلاحیتیں لے کر آئے ہیں لیکن اس فرق کی وجہ سے ان میں سے کسی کے لیے کبھی نہ اپنی ان خصوصیات پر غرور ہونا یا ان کے سبب سے اپنے کو حقیر سمجھنا ذیبا ہے اور نہ ایک دوسرے کی خصوصیات پر رشک کرنا جائز ہے فرمایا:-

وَلَا تَمْنُوا فَوْضًا ۖ فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ

اور اللہ نے عورت و مرد میں سے ایک کو دوسرے

عَلَى بَعْضِ الرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا
اَكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا
اَكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا۔
پر جو فضیلت دی ہے اس کے لیے مردان نہ کہ مرد
حصہ پائیں گے اس میں جو وہ کمائی کریں گے۔ اور
عورتیں حصہ پائیں گی اس میں سے جو وہ کمائی کریں
گی۔ اللہ سے اس کی بخشش میں حصہ مانگو۔ اللہ بڑے
جبر کو جانے والا ہے۔ (۳۲ - نساء)

اس آیت سے ایک طرف تو یہ بات صاف ہو گئی کہ قدرت کی طرف سے جو خصوصیات عورت
درد کو عطا ہوئی ہیں ان میں فضیلت کا پہلو کسی ایک ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس فضیلت
میں دونوں برابر کے حصہ دار ہیں۔ دوسری طرف یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ عورت و مرد دونوں کی
سعادت و کامیابی اس بات میں ہے کہ ایک دوسرے کی خصوصیات پر شک کرنے کے بجائے ہر
ایک اپنے اپنے حصہ کی نعمتوں کے لیے شک نہ کرے اور ان کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے۔

ان تحقیقات کی ایک بہت بڑی شہادت اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ایک واقعہ
سے بھی ملتی ہے۔ اسما بنت یزید انصاریہ ایک مشہور دیندار اور عقیل منہ صحابیہ اور مشہور صحابی حضرت
معاذ بن جبلؓ کی پھوپھی زاد بہن ہیں۔ ان کے متعلق روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ تجھے عورتوں کی ایک جماعت نے اپنا نام نہ بنا کر بھیجا ہے
جو سب کی سب وہی کہتی ہیں جو میں عرض کرنے آئی ہوں اور وہی رائے کہتی ہوں جو میں گزارش
کر رہی ہوں عرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے رسول بنا کر
بھیجا ہے۔ چنانچہ ہم آپ پر ایمان لائیں اور ہم نے آپ کی پیروی کی۔ لیکن ہم عورتوں کا حال یہ
ہے کہ ہم پردوں کے اندر رہنے والی اور گھروں کے اندر بیٹھنے والی ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ مرد ہم سے
اپنی خواہش نفس پوری کر لیں۔ اور ہم ان کے بچے لادنے لادے پھریں۔ مرد جمعہ و جماعت جنازہ
و جہاد ہر چیز کی حاضری میں ہم سے سبقت لے گئے۔ وہ جب جہاد میں جاتے ہیں تو ہم ان کے
گھر بار کی حفاظت کرتی ہیں۔ اور ان کے بچوں کو سنبھالتی ہیں تو کیا اجر میں بھی ان کے ساتھ
ہم کو حصہ ملے گا؟ اُس حضرت سلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ فصیح و بلیغ تقریر سننے کے بعد صحابہؓ کی
طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم نے ان سے زیادہ بھی کسی عورت کی عمدہ تقریر سنی ہے جس نے

اپنے دین کی بابت سوال کیا ہے؟ تمام صحابہؓ نے قسم کھا کے اقرار کیا کہ نہیں یا رسول اللہ! اس کے بعد اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماءؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے اسماء میری مدد کر اور جن عورتوں نے تم کو اپنا ناماندہ بنا کر بھیجا ہے ان کو میرا یہ جواب پہنچا دو کہ تمہارا اچھی طرح خانہ داری کرنا، اپنے شوہروں کو خوش رکھنا اور ان کے ساتھ سازگاری کرنا مردوں کے ان سارے کاموں کے برابر جو تم نے بیان کیے ہیں حضرت اسماءؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن کر خوش خوش اللہ کا شکر ادا کرتی ہوئی واپس چلی گئیں۔

معاشرتی نظام میں مرد و عورت پر ترجیح حاصل ہے | جہاں تک معاشرتی و اجتماعی دائرہ میں مرد و زن کی کل

مسادات کا تعلق ہے قرآن اس کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ عورت بھی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ حقوق کھیتی ہے اور اس کے حقوق بھی اسی طرح قطعی اور واجب الادا ہیں جس طرح مرد کے حقوق قطعی اور واجب الادا ہیں لیکن معاشرتی نظام میں وہ مرد کو عورت پر ایک درجہ ترجیح دیتا ہے اور اس ترجیح کو نظام معاشرت میں تو اذن قائم رکھنے کے لیے ضروری قرار دیتا ہے کیوں کہ خاندان کی کفالت کا اصل بوجھ مرد اٹھاتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اس ذمہ داری کی زیادتی کی نسبت سے اس کا حق بھی زیادہ ہو۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيَّهِنَّ
بِالْمَعْرُوفِ وَالْبِرِّ جَالٍ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةً
اور عورتوں پر جس طرح ذمہ داریاں ہیں اسی طرح وہ تو
کے مطابق ان کے حقوق بھی ہیں البتہ مردوں کے
لیے ان کے اوپر ایک درجہ ترجیح کا ہے۔ (۲۲۸-بقرہ)

اس ترجیح کی نوعیت اور اس کے درجہ کو دوسرے مقام میں یوں واضح کیا ہے کہ چون کہ خاندان کی کفالت کا بوجھ اٹھانے کی قابلیت اللہ تعالیٰ نے مرد ہی میں رکھی ہے اور اس بنا پر بیوی بچوں کے نفقہ کا قانونی ذمہ دار مرد ہی ہے عورت نہیں ہے۔ اس لیے مرد ہی اس بات کا سرکار ہے کہ اس کو عورت کا توأم اور سردار بنایا جائے فرمایا

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ
بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى
بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ
فَالَّذِينَ نَفَقُوا قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ
لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ۔

(۲۴- نساء)

اور مردوں کو عورتوں پر قوام بنایا گیا ہے اس سبب سے کہ

اللہ نے ایک کو دوسرے پر بعض اعتبارات سے ترجیح

دی ہے اور نفقہ کی ذمہ داری مردوں پر ڈالی ہو۔

پس نیک بیبیوں کو سزاوار ہے کہ فرمانبرداری

کرنے والی اور رازدوں کی حفاظت کرنے والی بنیں

بوجہ اس کے کہ اللہ نے اس چیز کی حفاظت کی ہے۔

اجتماعی ذمہ داریاں اور عورت

سے الگ رکھا ہے۔ اگر ناگزیر حالات میں کوئی بوجھ اس پر ڈالا بھی ہے تو اس کے فطری ضعف کا

اعتبار کر کے اس کو سزا جبر بھی نہیں کیا ہے۔

وَأَمَّا شَهَادَةُ الشَّاهِدِينَ فَبِمَا كَلَّمَ

فِي أَنْ كُنْتُمْ تَكُونُونَ تَارَةً لِّجَلِيلٍ فَرَجَلٌ وَأَمَّا نِسَاءُ

جَمْعَتٍ تَرْضَوْنَ مِنَ الشَّهَادَةِ أَنْ يُضِلَّ

إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى

(۲۸۲- بقرہ)

اور گواہ بناؤ اپنے مردوں میں سے دو، اگر دو

مرد موجود نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں، جنہی

کو تم گواہوں میں پسند کرو، تاکہ اگر ایک بھول جائے

تو دوسری یاد دلا سکے۔

اسلام معاشرت و تمدن کی اجتماعی سرگرمیوں کے گھیلوں سے عورت کو الگ رکھنا چاہتا ہے۔

اس لیے کہ اس میں ان کی شرکت خود ان کاموں کے لیے بھی مفید رساں ہے اور ان اہم مقاصد کے

لیے بھی نقصان دہ ہے جو پوری خوش السلوبی کے ساتھ صرف عورتوں ہی کے ہاتھوں انجام پاسکتے

ہیں۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

اسلامی شریعت کی رو سے عورت نماز میں مردوں کی امام نہیں ہو سکتی اور اگر کسی مرد کی اقتدا

میں وہ نماز ادا کرے تو اس کے لیے بھی بعض شرطیں ہیں جن کا اہتمام ضروری ہے۔ اس حکم کی

وجہ عورت کی کمتری یا مرد کی فضیلت نہیں ہے، بلکہ یہ سترتا سر اسلام کے اخلاقی اصولوں پر مبنی ہو۔

عورت کی فطری و جنسی خصوصیات اور مرد کے جنسی میلانات کی وجہ سے عورت کی امامت میں یہ

کھلا ہوا اندیشہ ہے کہ نماز کا وہ اخلاقی و روحانی مقصد ہی فوت ہو جائے جس کے لیے نماز فرض کی گئی ہے۔ اس وجہ سے اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی۔

اسلامی قوانین کی رو سے عورت مجسٹریٹ اور جج وغیرہ بھی نہیں بن سکتی۔ بعض فقہار نے اگر اس کی اجازت دی بھی ہے تو بہت سے مستثنیات اور شرائط کے ساتھ۔ اس کی بنیاد بھی عورت کی حقارت پر نہیں ہے، بلکہ اُن مناصب کی ذمہ داریوں اور فرائض کے لحاظ پر ہے جو فطرت نے خاص طور پر عورتوں سے وابستہ کیے ہیں۔ عورت کی امارت کے متعلق خود حدیث میں یہ تصریح ہے:

عن ابی بکرۃ قال لما بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اہل فارس ملکوا علیہم بنت کسریٰ قال لن یفلح قوم ولّوا امرہم امراء۔
ابو بکرہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا کہ ایرانیوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنایا تو آپ نے فرمایا کہ وہ قوم کامیاب نہیں ہو سکتی جس نے اپنی زمام کار ایک عورت کے حوالے کر دی۔

یہی روایت بخاری میں ایک اور پہلو کی وضاحت کے ساتھ آئی ہے:-

عن ابی بکرۃ قال لقد نفعنی اللہ بحکمۃ سمعتها من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام الجمل بعد ما کدت ان الحق باصحاب الجمل فاقتل معہم قال لما بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اہل فارس قد ملکوا علیہم بنت کسریٰ قال لن یفلح قوم ولّوا امرہم امراء۔

ابو بکرہ سے روایت ہے کہ ایک بات جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی اس نے مجھے جنگ جمل کے زمانہ میں فائدہ پہنچایا جبکہ قریب تھا کہ میں اصحاب جمل کے ساتھ شریک جنگ ہو جاؤں۔ وہ بات یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر معلوم ہوئی کہ فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنے تخت پر بٹھایا تو آپ نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی فائز المرام نہیں ہو سکتی جو اپنی حکومت ایک عورت کے سپرد کر دے۔

(بخاری، کتاب النبی الی کسریٰ)

۱۔ نبیل الاوطار ج ۲ ص ۲۲۵ جگہ جمل میں فرقہ کی پہلی قیادت و حقیقت حضرت عائشہؓ کی رہی تھیں۔ ابو بکرہؓ کا اشارہ اسی بات کی طرف ہے۔

فوج میں عورتوں کی شرکت کی نوعیت | فوج میں عورتوں کی شرکت کی بعض مثالیں اگرچہ احادیث و تارخ کی

کتا بوں میں ملتی ہیں کہ کبھی کبھی بعض عورتیں اپنے شوہروں یا دوسرے عزیزوں کی معیت میں اسلامی فوج کے ساتھ نکلی ہیں۔ لیکن اس نکلنے کی وجہ ہرگز یہ نہیں تھی کہ مدافعت یا جہاد میں حصہ لینا عورتوں پر بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح مردوں پر فرض ہے۔ اسلام میں فریضہ جہاد اصلاً وادلاً مردوں کے لئے مخصوص ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو براہ راست جہاد میں حصہ لینے کی نہ کبھی دعوت دی نہ کبھی ان کی شرکت پر ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ عرب کے دستور کے مطابق اگر کچھ خواتین اپنے شوہروں اور عزیزوں کے ہمراہ کبھی نکل پڑیں تو ان کو مرغیوں کی نیار داری، زنجیوں کی مرہم پٹی، کھانا پکانے اور اس قسم کی خدمات میں حصہ لینے کا موقع دیا گیا اور ابلی غنیمت میں بھی بطور حصہ کے نہیں بلکہ بطور عطیہ کے ان کو کچھ دے دیا گیا۔ لیکن نہ تو عورتیں اپنے عزیزوں کے بغیر کبھی ان غزوات میں نکلیں نہ ان کو کبھی جنگ میں حصہ لینے کی دعوت دی گئی، نہ براہ راست جنگ میں حصہ لینے کا ان کو موقع دیا گیا، نہ مال غنیمت میں ان کو بحیثیت حصہ دار کے شریک کیا گیا اور نہ جنگوں میں ان کی شرکت کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ چند صحیح احادیث ملاحظہ ہوں :-

عن عائشة انھا قالت یا رسول اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: الجہاد افضل العمل الا للجباهد جہاد کو سب سے زیادہ افضل نیکی سمجھتی ہیں تو کیا ہم قال لاکم افضل الجہاد حج مبرور۔ جہاد نہ کریں۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تمہارے لیے سب سے افضل جہاد حج مقبول ہے۔ (بخاری)

بخاری میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ جہاد کنت الحج (تمہارا جہاد حج ہے)

اُمّ وردہ بنت نوفل کے متعلق روایت ہے کہ انھوں نے بدر میں شرکت کی اجازت مانگی تو آپ نے ان کو اجازت نہ دی۔ وہ قرآن کی حالت تھیں۔ انھوں نے اس بات کی اجازت مانگی کہ ان کو نماز اور تعلیم قرآن کے لیے اپنے گھر میں عورتوں کو جمع کرنے کی اجازت دی جائے۔ آپ نے ان کو اس کی اجازت دے دی۔ چنانچہ حملہ کی عورتیں ان کے ہاں جمع ہوئیں اور وہ ان کی امامت کرتی تھیں۔

پردہ کے احکام نازل ہو جانے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے حوصلہ شریک جہاد کے خلاف نارنگی کا اظہار بھی کر دیا تھا تاکہ یہ لے بڑھنے نہ پائے۔ چنانچہ غزوہ خیبر کے متعلق یہ روایت ملتی ہے۔

عن حشر بن زیاد عن جد قتيبة ام
ابيه انها خرجت مع النبي صلى الله
عليه وسلم غزوة خيبر سادس ست
لنوبة فبلغ رسول الله صلى الله عليه
وسلم فبعث اليها فحننا فرائينا فيه
الغضب فقال مع من خرجت و
باذن من خرجت فقلنا يا رسول
الله خرجنا نغزل الشعر ونعين في
سبيل الله ومعنا داء للجرحي
ونناول السهام ونسقى السويق
قال فمن فأنصرفن حتى إذا فتم
الله عليه خيبر اسهم لنا كما
اسهم للرجال فقلت لها يا جدة
وما كان ذلك قالت تمرا۔
(احمد والبوداد)

حشر بن زیاد اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ
وہ غزوہ خیبر کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ نکلیں۔ پانچ عورتوں کے ساتھ بھیڑی وہ
بھی تھیں کہتی ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کو ہمارے نکلنے کی اطلاع ہوئی تو آپ نے
ہمیں بلوایا، ہم حاضر ہوئیں تو ہم نے کچھ غنیمت
پایا۔ آپ نے پوچھا تم کس کے ساتھ آؤ گے جہاد
کے لیے؟ ہم نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اُدن
کاتنی ہیں، کچھ اللہ کا کام کرتی ہیں۔ ہمارے ساتھ
زخمیوں کے لیے سرمہ بھی، کچھ سامان بھی ہے، ہم تیر
پر بڑا دیں گی، سو گھول کر ملا دیں گی۔ آپ نے فرمایا
چلو واپس جہاد۔ پھر جب اللہ نے خیبر فتح کر دیا تو
آپ نے ہم کو مردوں کی طرح حصہ دیا۔ حشر
کہتے ہیں، میں نے پوچھا دادی کیا چیز ملی تو
فرمایا کھجور

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کی نوعیت اس بات میں کسی عورت کے حصہ لینے
کی اگر کوئی قابل ذکر مثال ملتی ہے تو وہ صرف اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ملتی ہے۔

یہ حصہ سے مراد یہاں مردوں کی طرح مال غنیمت میں حصہ نہیں ہے بلکہ خود ان کے بیان سے واضح ہے کہ
کچھ کھجوریں وغیرہ ان کو دی گئیں۔

انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے خون کا مطالعہ کیا اور اس کے نتیجہ میں حضرت علیؓ سے وہ جنگ ہوئی جسے جنگ جمل کہتے ہیں۔ اس جنگ میں حق پر کون تھا اور کس سے اجتہاد کی غلطی صادر ہوئی اس امر سے اس موقع پر بحث نہیں ہے۔ ہم صرف اس سوال پر غور کرنا چاہتے ہیں کہ ایک عورت کی حیثیت سے اس معاملہ میں پڑنا اُم المؤمنین کے لیے صحیح تھا یا نہیں؟ اس کے متعلق متعدد صحابہ اور صحابیات کی رائیں رجال و نساء کی کتابوں میں موجود ہیں لیکن چونکہ وہ کسی ایک فہم فری کی جانب داری پر محمول کی جا سکتی ہیں اس لیے ہم ان کو یہاں نقل نہیں کریں گے۔ البتہ حضرت عمرؓ کے معاذ نے حضرت عائشہؓ بن عمرؓ کی رائے پیش کرتے ہیں جو دو پہلوؤں سے اہمیت رکھتی ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ ایک ایسے شخص کی رائے ہے جو اس بارے میں بھگڑے میں غیر جانبدار ہے اور دوسرا یہ کہ ان کے علم و تقویٰ کبھی کسی نے حوت رکھنے کی جرات نہیں کی۔ روایت ہے کہ انہوں نے صاف صاف کہا، کہ حضرت عائشہؓ کے لیے اس معاملے میں پڑنے سے زیادہ بہتر یہ تھا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھیں۔

ان بیت عائشۃ خیر لها
من ہو وجہا لہ
حضرت عائشہ کا گھر ان کے لیے ان کے ہونے سے
بہتر تھا۔

حضرت علیؓ اس معاملہ میں فریق کی حیثیت رکھتے ہیں اس وجہ سے ممکن ہے بعض لوگ ان کی رائے کو زیادہ وزن نہ دے سکیں لیکن نازک سے نازک حالات کے اندر انہوں نے جس طرح اپنے سخت سے سخت مخالفوں کے مقابل میں اپنے آپ کو جذبات کی رو میں بننے سے بچایا ہے اور جس طرح قول و فعل دونوں میں حق و انصاف کو ملحوظ رکھا ہے۔ یہاں تک کہ خود جنگ جمل کے فتنہ میں انتہائی مشکل حالات کے اندر جس طرح اُم المؤمنینؓ کے مرتبہ کا انہوں نے ملحوظ رکھا ہے اُس کی بنا پر وہ حق رکھتے ہیں کہ اس معاملہ میں اُن کی رائے کو ایک فریق کی رائے قرار دے کر نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ دوسرے تمام معاملات میں ان کی راویوں کو جو دینی و شرعی وقعت دی جاتی ہے اسی احترام کے ساتھ اس معاملہ میں بھی اُن کی رائے پر غور کیا جائے اور دیکھا جائے کہ وہ کس پہلو سے حضرت عائشہؓ کے اس اقدام کی مخالفت کرتے ہیں۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ کو اس بارے میں جو خط لکھا اُس کے الفاظ یہ ہیں:-

لہ الامانۃ والیسانۃ لابن قتیبہ ص ۵۰

امابعد فانك خرجت مغضبة لله
ولرسوله تطلبين امر اكان عنك
موضوعا ما بال النساء والحرب و
الاصلاح بين الناس تطلبين
بدم عثمان ولعمري لمن عرضك
للبلاء وعلماك على المعصية
اعظم اليك ذنبا من قتلة
عثمان وما غضبت حقاً اغضبت
وما هجعت حتى هي هجعت فافق الله
وارجعي الى بيتك۔
(الامامة والياسة لابن قتيبة ص ۶۴)

آپ اللہ اور رسول کی رحمت میں ایک ایسے مطالبہ
کو لے کر اٹھ پڑی ہیں جس کی ذمہ داری سے آپ
اللہ اور رسول کی جانب سے سکندرشہ نہیں۔ عورتوں
کو جنگ اور مردوں کے معاملات میں پڑنے سے
کیا تعلق؟ آپ عثمان کے خون کا مطالبہ لے کر
اٹھی ہیں حالانکہ اللہ کو اہم ہے کہ جن لوگوں نے
آپ کو اس آزمائش میں مبتلا کیا اور اس غلطی پر
آمادہ کیا انھوں نے عثمان کے قاتلوں سے بڑی
برائی آپ کے ساتھ کی۔ آپ دوسروں کے
ابھارنے سے غصہ میں آگئی ہیں اور دوسروں کی
انگشت سے آپ میں اشتعال پیدا ہو گیا ہے اللہ
سے خون کیجئے اور گھر کو لوٹ جائیے۔

ملاحظہ فرمائیے، اس خط میں حضرت علیؑ نفس معاملہ کے حق یا باطل ہونے پر کوئی بحث نہیں
کرتے اور ام المؤمنین سے یہ نہیں کہتے کہ آپ باکل غلط معاملہ کے لیے اٹھ پڑی ہیں اور اس کے
غلط ہونے کے دلائل یہ اور یہ ہیں جیسا کہ انھوں نے اپنے دوسرے مخالفوں کو لکھا۔ بلکہ ام المؤمنین
پر ان کو جو اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے ایک ایسے معاملے میں براہ راست اور عملی
بداعت کی ہے جس کی ذمہ داریوں سے ایک عہدت ہونے کی حیثیت سے، اللہ اور اس کے
رسول نے ان کو بری کیا تھا۔ لیکن محض دوسروں کی انگشت سے وہ ایک غیر متعلق معاملہ
میں پڑ گئی ہیں اور ایک بڑے فتنے کی ذمہ داریوں میں اپنے آپ کو الجھا لیا ہے جس سے
بغیر کسی مسئولیت کے وہ اپنے تئیں علیحدہ رکھ سکتی تھیں۔

ام المؤمنین نے حضرت علیؑ کے اس خط کا جو جواب دیا وہ محض اس قدر تھا "اب
گلہ شکوہ کا وقت نہیں رہا" اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے حضرت علیؑ کے اعتراض
کی قوت محسوس کی اور اس سے متاثر بھی ہوئیں لیکن حالات قابو سے باہر ہو چکے تھے اور

ان کے لیے اٹھائے ہوئے قدم کو واپس لینا ناممکن ہو چکا تھا۔ ورنہ یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اس موقع پر اس مختصر جواب پر قناعت کر جاتیں اور حضرت علیؑ کے اس دعوے کو چیلنج نہ کرتیں کہ اس طرح کے معاملات عورتوں سے تعلق نہیں رکھتے۔ عورتوں کے حقوق کے لیے زندگی بھر وہ جس طرح لڑائی رہی ہیں اس کو دیکھتے ہوئے یہ بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کی رائے کو غلط سمجھنے کے باوجود وہ اس کی تردید نہ کریں۔ ان کے تاثر کی شہادت ان کے بعد کی زندگی میں بھی ملتی ہے کیونکہ جنگ جمل کے بعد سیاسی فتنوں کا ایک لانتنا ہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد سے ائمہ المؤمنین نے اپنی راری اصلاحی سرگرمیاں عورتوں تک محدود رکھیں۔ نہ صرف یہ کہ کسی عام سیاسی ہنگامہ میں کسی نوعیت سے حصہ نہیں لیا۔ بلکہ مختلف دلائل و قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ جنگ جمل کی غلطی پر ان کو مدت العمر بچھتا دار مل۔

عورت کے مزاج اور ریاست کے مزاج میں فرق ہے | ریاست کے اختتام میں عورت

کی براہ راست شرکت سے ریاست کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس اجال کی تفصیل یہ ہے کہ عورت کی فطرت اور ریاست کے مزاج میں فطری طور پر نامناسبیت ہے۔ عورت کے مزاج میں فعل سے زیادہ انفعال، کسر سے زیادہ انکسار اور تاثر سے زیادہ تاثر کا غلبہ ہے۔ وہ زود حس بھی واقع ہوئی ہے اور شدید تاثر بھی، اس وجہ سے واقعات و حالات سے وہ جلد اثر پذیر بھی ہو جاتی ہے۔ اور اس کا اثر تیز اور شدید بھی ہوتا ہے۔ اس کی یہ فطرت اس کے فطری دائرہ کے اندر جہاں معاملہ صرف اپنوں سے ہے اس کے فرائض کے لحاظ سے نہایت موزوں اور ضروری بھی، اس کے سبب سے متعلق افراد یعنی شوہر اور اولاد کے لیے سراپا ایشاد و محبت بنی ہوئی رہتی ہے۔ ان کی ہر ضرورت اور ہر تکلیف کا وقت سے پہلے احساس کر لیتی ہے اور جب احساس کر لیتی ہے تو اس کے ازالہ کے لیے اس کے اندر ایسی بے چینی اور بے قراری پیدا ہو جاتی ہے کہ جب تک اسے دور نہ کر لے اس کو چین نہیں پڑتا اگرچہ اس کے لیے اسے سب کچھ قربان کر دینا پڑے۔

لیکن ریاست کے اندر اس کا یہ مزاج نہ تو خود اس کے مناسب حال پڑتا ہے، نہ ریاست کے اول تو حکومت کا مزاج انفعال سے زیادہ فعل، انکسار سے زیادہ کسر اور تاثر سے زیادہ

تاثر کا تقاضا ہے۔ اس کی خصوصیات مردانہ ہیں۔ وہ اپنا ایک متعین ارادہ رکھتی ہے اور اس ارادہ کو ایک قاعلاً نہ عزم اور آمرانہ زور و قوت کے ساتھ نافذ کرنا چاہتی ہے۔ ثانیاً اس کے معاملات نہایت پھیلے ہوئے، اپنوں اور بیگانوں ہر ایک سے تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں اس لیے اس کے انصرام میں دہی رویہ زیادہ قرین معلومت و ریاست ہوتا ہے جس میں جذباتی پس سے زیادہ سکون مزاج اور سرعت و جلد بازی سے زیادہ عزیمت غالب ہو۔ چنانچہ عورت ہی کے کچھ خصوصیات نہیں ہے وہ مرد بھی ریاست کے لیے ناموزوں ہوتے ہیں جو جذباتی اور ضرورت سے زیادہ حساس ہوتے ہیں۔ وہ اگر حکومت کے کاموں میں دخل ہو جاتے ہیں تو اپنی صحت بھی کھو بیٹھتے ہیں اور بااوقات سلطنت کو بھی خطرہ میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

افعالی عناصر (PASSIVE ELEMENTS) کی زیادتی یوں تو کسی ریاست کے مزاج کے بھی مناسب حال نہیں ہے لیکن ایک اسلامی ریاست تو کسی طرح بھی اس کا تحمل نہیں کر سکتی، موجودہ زمانہ کی جمہوری حکومتیں جو عوام کی نمائندہ ہوتی ہیں اور جن کا کام اپنے آپ کو عوام کی پسند کے رنگ میں رنگنا ہے وہ تو ممکن ہے ایک حد تک اس کو برداشت کر لے جائیں، لیکن اسلامی حکومت جس کا اصلی مقصد عوام کے رنگ میں اپنے کو رنگنے کے بجائے لوگوں اور اپنے آپ کو خدا کے رنگ میں رنگنا اور اس کی مرضی پر چلنا ہے اور صرف کسی ایک دائرہ کے اندر ہی نہیں بلکہ خدا کی پوری زمین پر اس کے دین کو قائم کرنے کی کوشش کرنا ہے وہ مشکل ہی سے اس کو برداشت کر سکتی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی روایت ہے کہ جب آپ کو معلوم ہوا کہ اہل ایران نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنالیا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا: *لن یفلح قوم ولوا امرهم امراء* (وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوگی جنہوں نے اپنی باگ ایک عورت کے ہاتھ میں دے دی ہے)

فلسفہ ریاست کا مشہور عالم بلنچلی (BLUNTCHLI) بھی اسی خیال کی تائید کرتا ہے وہ اپنی کتاب (THE THEORY OF THE STATE) میں لکھتا ہے:-

”جس عورتوں نے ریاست میں شہرت پائی ہے انہوں نے عموماً ریاست کو اور اپنے دوستوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ ان کی ہونیاوی اور ذکاوت نے ایک مادیات کی شکل اختیار کر لی جو اور جب ایک مرتبہ نفرت، انقام اور طمع کے جذبات عورت کے سینہ میں بھر کر اٹھتے ہیں تو وہ جنگ کی آگ کی طرح

بھیل گئے ہیں۔ یہ بات صرف بادشاہوں کے گوشاؤں ہی تک صحیح نہیں ہے بلکہ بہت سی بیویوں اور ماؤں کے متعلق بھی صحیح ہے جو تاریخ میں مشہور ہوئی ہیں۔ دوم کی تاریخ، انقلاب فرانس کی سرگزشت اور سلمان فرانس کے درباروں کے حالات کے اسی بات کی تائید ہوتی ہو۔ (ص ۱۹۲)

پچھلی جنگ کے موقع پر فرانس کے لیڈروں نے بھی اس امر کا اقرار کیا کہ ان کی شکست میں سب سے زیادہ ان عورتوں کا ہاتھ ہے جو ریاست میں ذلیل تھیں۔ اسلامی تاریخ کی شہادت اس بارہ میں جو کچھ ہے اس کو ہم اور نقل کر آئے ہیں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

ان نیا دکھاباغت کو پیش نظر رکھ کر اب آئیے عورت کے حقوق و فرائض پر غور کیجئے:-

عورت کے حقوق | جہاں تک حقوق کا تعلق ہے اسلامی ریاست عورتوں اور مردوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتی۔

_____ اسلامی ریاست ہر عورت کی جان و مال اور ناموس کی حفاظت کا ذمہ لے گی۔

_____ عورت اپنی ملک ذاتی (PRIVATE PROPERTY) رکھ سکے گی اور ریاست اس کے اس حق کی محافظ ہوگی۔

_____ شریعت نے عورت کو جو حقوق دے رکھے ہیں ریاست اس بات کی ذمہ دار ہوگی کہ ان حقوق سے بہرہ مند ہونے کے لیے عورت کو پوری آزادی حاصل رہے۔ رسم و رواج کے قسم کی چیزیں اس کی آزادی اور اس کے حقوق پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔

_____ عورتوں کو تحریر و تقریر کی پوری آزادی حاصل ہوگی۔ وہ اپنی انجمنیں بنا سکیں گی، اپنے اخبار اور رسالے نکال سکیں گی، حکومت پر تنقید کر سکیں گی، اپنے اسلامی حقوق کا مطالبہ کر سکیں گی۔ ہر قسم کے عام ملکی مسائل پر آواز ادا نہ اٹھا رہائے کر سکیں گی۔

_____ عورت کی شخصی آزادی بالکل محفوظ ہوگی شریعت کی مقررہ پابندیوں کے سوا اور کوئی پابندی اس پر عائد نہیں کی جائے گی۔

_____ اسلام کے حدود کے اندر ملک و مذہب اور رائے و خیال کی جو آزادی مردوں کو حاصل ہوگی وہ عورتوں کو بھی حاصل ہوگی۔

_____ عورتوں کو قانونی مساوات حاصل ہوگی یعنی غربت و امارت اور شرافت و خواریت کی بنا پر

قانون ایک عورت اور دوسری عورت میں کوئی فرق نہیں کرے گا۔

_____ نسل و نسب، غربت و امارت اور پیشہ و غیرہ کی بنا پر اسلامی ریاست میں کسی کو شریف اور کسی کو کمین نہیں قرار دیا جائے گا۔

_____ اسلامی بیت المال میں جس طرح مردوں کے حقوق ہوں گے اسی طرح عورتوں کے بھی حقوق ہوں گے۔

_____ ہر حاجت مند عورت کی جملہ ضروریات کی کفالت ریاست کے ذمہ ہوگی۔

_____ جس طرح مردوں کی تعلیم کا ریاست بندوبست کرے گی اسی طرح عورتوں کی تعلیم کی بھی وہ ذمہ دار ہوگی۔

_____ بے لاگ اور بے معاوضہ انصاف حاصل کرنے کا انتظام جس طرح مردوں کے لیے ہوگا اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ہوگا۔

_____ اگر کوئی عورت قرض چھوڑ کر مرے گی اور کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑے گی جس سے وہ قرض ادا کیا جاسکے، تو ریاست اس کے قرضہ کی ادائیگی کی ذمہ دار ہوگی۔

_____ کسی عورت کو اطاعت الہی کے خلاف کسی بات کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

_____ ہر عورت کو ریاست کے بڑے بڑے حاکم سے درخواست و فریاد کرنے اور اس پر اعتراض و تہمت چینی کرنے کا پورا حق ہوگا۔

ان حقوق کے معاوضہ میں عورتوں پر ریاست سے متعلق مندرجہ
عورت کی ذمہ داریاں ذیل ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

سمع و طاعت | جس طرح مردوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ معرفت میں اولو الامر کی پے

خلوص قلب کے ساتھ اطاعت کریں۔ اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ معرفت کی حد تک

اولو الامر کے احکام کی اطاعت کریں۔ اولو الامر کے احکام سے انحراف صرف اسی شکل میں جائز ہو

جب ان کا حکم شریعت کے حکم کے خلاف ہو۔

خیر خواہی و ہمدردی | جس طرح مردوں پر ریاست کی ہمدردی و خیر خواہی فرض ہے،

اسی طرح عورتوں پر بھی فرض ہے۔ اس ہمدردی کا تقاضہ یہ ہے کہ جو بات ریاست کے مفاد کے

خلاف ہو اس سے احتراز کرے۔ جو بات ریاست کے لیے نافع ہو اس کو جتنی لائق انجام دینے کی کوشش

کو بے محض ذاتی اغراض و فوائد کے لیے ریاست کے ساتھ دھبہ نہ رکھے جو تجویز مفید ذہن میں رکھے
اُس سے کارکنوں کو برابر آگاہ کرتی ہے اس کی قدر کی جائے یا نہ کی جائے جو بات ریاست کے غلطانہ
تھا دہوتی دیکھے اُس کو ہاتھ سے روک سکے تو روک دے، اگر ہاتھ سے نہ روک سکے تو زبان سے روکنے کی کوشش
کے۔ اگر اس کی قابلیت نہ دیکھتی ہو تو دل سے اس کو بُرا جانے اپنی عقیدہ و اعتقاد میں بھی پوری طرح
مخلص ہو اور اگر ریاست کی کوئی خدمت اس کے سپرد کی جائے تو پوری راست بازی و دیانت کے
ساتھ اسے خدا کی عبادت سمجھ کر انجام دے۔

تعاون | عورتوں کیلئے ان کے حالات کے لحاظ سے کارکنان ریاست کے ساتھ تعاون کی مختلف شکلیں
ہوں گی :- (۱) ریاست کی مجلس شوریٰ میں عورتوں کی خود اپنی منتخب کردہ نمائندہ عورتیں ہوں گی
جو عورتوں سے متعلق قوانین و اصلاحات کے بارے میں عورتوں کے نقطہ نظر سے حکومت کو آگاہ کرتی رہیں گی
اور حکومت عورتوں سے متعلق مسائل میں ان کی رائے معلوم کرنے کے بعد ہی کوئی قدم اٹھائے گی اور ہمارے
بہت زیادہ انصاریہ کا واقعہ ہم نقل کر آئے ہیں کہ وہ کس طرح عورتوں کی نمائندہ کی حیثیت سے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپسے سوالات کیے اور پھر آنحضرت صلعم نے کس طرح ان کو
اپنا نمائندہ بنا کر عورتوں کے پاس بھیجا اور انھوں نے عورتوں کو آنحضرت صلعم کے جوابات سے آگاہ کیا
اسی طرح شہزاد اسماعیل بن ابی حاتمہ کے متعلق روایت ہے کہ :-

کان عمر یقعد مہافی المراءئہ بیرضاھا حضرت عمرؓ ان کو مشورہ میں مقدم رکھتے تھے ان کی بیویوں
یفضلھا و ربما و لاھا شیئا من کو پہنچاتے تھے ان کو ترجیح دیتے تھے اور بعض اوقات بازار
امر السوق ۱۰ کے بعض معاملہ کا انتظام بھی ان کے سپرد کرتے تھے۔

(ب) وہ رائے شعبے جو خاص عورتوں سے متعلق ہوں گے مثلاً زنانہ کالج اور اسکول "زنانہ ہسپتال"
زنانہ پولیس، زنانہ فوجی تربیت کے مراکز وغیرہ۔ یہ کلیتہً عورتوں کی نگرانی اور ان کے اہتمام میں ہوں گے۔
اسلامی نصب العین کے مطابق ان چیزوں کو چلانے کی انھیں خود مختاری ہوگی۔

(ج) حکومت مذکورہ شعبوں کے سوا دوسرے شعبوں میں بھی عورتوں کی خدمات سے منائدہ
اٹھائے گی بشرطیکہ وہ پردہ کے حدود کے احترام کے ساتھ انجام دی جاسکتی ہوں جو عورتیں اپنی

ذہانت و قابلیت کی بنا پر کسی مخصوص علم و فن میں مہارت اور کسی شعبہ زندگی کے معاملات میں بصیرت بہم پہنچائیں گی ان کو کام کرنے کا بھی موقع دیا جائے گا اور ان کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے میں بھی کوئی چیز مانع نہ ہوگی۔

خوجی خدمات — خوجی خدمات میں براہ راست حصہ لینے اور فوج میں علیٰ شرکت کرنے کی ذمہ داری چھوٹوں پر اسلام میں نہیں ہے.... لیکن ان کا اسلحہ کے استعمال، ہوائی حملہ کی صورت میں بچاؤ، ابتدائی طبی امداد، اور اس قسم کے دوسرے کاموں سے واقف رہنا ضروری ہے، اس لیے حکومت اس کا انتظام کرے گی کہ عورتیں اسلامی حدود کے اندر رہتے ہوئے ان چیزوں کی ضروری تربیت حاصل کریں۔ تاکہ اگر کوئی ناگہانی صورت پیش آجائے تو عورتیں بھی ملک و ملت کی ممانعت اور جہاد کے اجر و ثواب میں شریک ہو سکیں۔

کھانسی اور گلے کی خراش کے لیے مزیدار اور موثر ٹکلیاں

سعالین



سعالین کھانسی اور گلے کی خراش کو تیزی سے دور کرتی ہے۔ نزلہ و کام کی شدت میں فوری سکون دیتی ہے۔ یہ کھانسی میں سب سے لیے یکساں مفید ہے۔

ہمدرد

سعالین کھانسی کی ٹکلیاں



قرآن آپ کی کیا کہتا ہے؟

— ترجمہ مولانا محمد رفیع رحمانی —

بلاشبہ قرآن مجید کی دعوت و تبلیغ ہماری انسانیت کے لئے آبِ حیات ہے۔
لیکن ہماری دنیا اس سے نا آشنا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو "کلامِ آسمانی" ماننے والی
قوت کی غالب اُکھٹ برقی اس سے بیکار ہے۔

(یہ کتاب)

اسی صورت حال کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔

- یہ قرآنی دعوت اور اس کی اہم تعلیمات کا ایک جامع خلاصہ ہے۔
- جس میں ۲۰ عنوان کے تحت مختلف قرآنی آیات کو نہایت مختصر اور روح پرور شرحیں پیش کی گئی ہیں۔
- خاص طور پر قرآن کی دعوت کو صحیح طور پر سمجھانے اور اس کتاب کا ناٹھکا ہے۔
- بالکل ایک نئے طرز کی کتاب ہے جو قرآن کی دعوت سے روشناسی کے ساتھ ساتھ قرآن کے اعجازِ بیان کا بھی لذت شناس کر دیتی ہے۔
- یہ کتاب اعلیٰ کثرتِ دیانت و عزم کا خزانہ ہے۔ مولانا محمد رفیع رحمانی، صاحبِ کلام

کُتُب خانۃِ اِفْتِنان دکن ہنؤ

Price Rs. 5/-



افسانہ

مکتوب

عشقِ البرصِ حسنِ بھائی

پشکوان کے حصہ تیلوں میں کپ کی خاص پسند

پوسٹ میں برائے
صفحہ نمبر ۱۰۱ اور ۱۰۲ کیلئے

حصہ وناسپتی
۳۰۲ اور ۱۹۶ کیلئے

ستلولا، تیل کا تیل
۳۰۲ اور ۱۰۵ کیلئے

بلاغہ عا لیس ناریل کا تیل
۳۰۲ اور ۱۰۱ کیلئے

کو کو جبار

صاف کیا جاتا ناریل کا تیل
۳۰۲ اور ۱۰۵ کیلئے

امی سلاڈ تیل

۳۰۲ اور ۱۰۵ کیلئے

اسمہ ریلز، بستی

سَآلَہٗ چَندَہ
غیر ملک سے
ہ شنگ
ہوئی ڈاک کے لیے مزید
موصولہ ڈاک کا اضافہ

لکھنؤ
الفتران
ماہنامہ
فی کاپی۔۔۔۔۔ ۴۰ پیسے

سَآلَہٗ چَندَہ
ہندستان سے ۴/۵
پاکستان سے ۴/۵
ششماہی
ہندستان سے ۴/-
پاکستان سے ۴/-

جلد (۳۷) | بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ مطابق دسمبر ۱۹۶۹ء | شمارہ (۹)

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحہ
۱	نگاہِ اولیں	مولانا محمد منظور لغمانی	۲
۲	درسِ مستر آں	" "	۷
۳	ارشاداتِ حکیم الامتہ حضرت تھانویؒ	مولانا نسیم احمد فریدی امر دہی	۲۰
۴	الانسان فی العصر آں	مولانا سعید احمد اکبر آبادی	۳۲
۵	حرمین پاک کی حاضری	مولانا محمد منظور لغمانی	۴۵

اگر اس دائرہ میں ○ مسخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہو کہ آپ کی مکتوب خریداری ختم ہو گئی ہو، براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیں، یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع، مکتوب خریداری، اشتہات، آراء و افکار، نصیحتیں، دعائیہ، اپنی ارسال ہو گا۔ پاکستان کے خبریہ ادارہ :- اپنا چندہ ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلیا، بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور صورت ایک سادہ کارڈ کے ذریعہ ہم کو اطلاع دے دیں۔

نمبر خبریہ ادارہ :- براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کو پتہ اپنا منبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے۔
مناویج اشاعت :- الفتران ہر انگریزی مہینہ کے پہلے نمبر میں روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر مناسبت کی کسی صاحب کو دے دے تو فوراً مطلع کریں۔ اس کی اطلاع ۲۸ مناسبت تک آجانی چاہیے، اس کے بعد رسالہ بھیجے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفتران، پتھر ری روڈ، لکھنؤ

(نوٹ) محمد منظور لغمانی پرنٹر، ایڈیٹر، پراپرٹیز، سنو پریس میں چھپو اگر دفتر الفتران پتھر ری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نگاہِ اولیں

محمد منظور نعمانی

یہ دنیا بلاشبہ عالمِ اسباب ہے اور یہاں افراد اور قوموں پر اچھے یا برے جو حالات آتے ہیں۔ عموماً اُن کے کچھ ظاہری اسباب ہوتے ہیں لیکن اللہ کی تقدس کتاب قرآن مجید نے اور اُس کے صادق مصدق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے کہ ہمیں محسوس ہونے والے اور ہماری آنکھوں سے نظر آنے والے اس ظاہری سلسلہ اسباب کے علاوہ اسباب کا ایک غیبی اور مخفی سلسلہ بھی ہے جو ہمارے حواس اور ہماری عقلِ ذہن سے بالاتر ہے اور جس کا زیادہ تر تعلق انسانوں کے اچھے اور برے اعمال سے ہوتا ہے۔ مثلاً بارش کا جو ظاہری سلسلہ اسباب ہے اس کو تو ہم سب جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں، ہم کو معلوم ہے کہ سمندر سے بخارات اٹھنے ہیں جو بادلوں کے ٹکڑوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، پھر وہ باہم جڑتے چلے جاتے ہیں، ہو ایں اُن کو ادھر ادھر لیے پھرتی ہیں، پھر انھیں سے بارش ہوتی ہے۔ یہ بارش کے ظاہری اسباب کا وہ سلسلہ ہے جسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں۔ لیکن قرآن پاک میں بتلایا گیا ہے کہ اگر کوئی قوم گناہوں سے سچی توبہ اور استغفار کر کے نیکو کاری اور پرہیزگاری کی زندگی اختیار کر لے تو اس کے اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اُس کے علاوہ پر بارشیں نازل کرتا ہے اور اس کی کھیتوں کو سیراب کیا جاتا ہے۔

سورہ نوح میں ہے کہ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا تھا

اَسْتَغْفِرُكَ رَبُّكَمَّ اِنَّهٗ كَانَ عَفُوًّا
يُرْسِلُ السَّمَاءَ عَلٰیكُمْ
مِدْرَارًا (سورہ نوح ع ۱)

لوگوں اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی مانگو وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر پھر پور بارشیں نازل کرے گا۔

اور سورہ ہود میں ہے کہ ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا

يَقَوْمِ اسْتَغْفِرُكُمْ ثُمَّ تَوْبُوا
إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا
وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَى قُوَّتِكُمْ
اس میری قوم والو! اپنے پروردگار سے تم اپنے گناہوں
کی معافی چاہو اور صبرِ دل سے اس کی طرف متوجہ
ہو جاؤ وہ تم پر کھیلے بارشیں نازل کرے گا اور
تمہاری قوت و طاقت میں اضافہ کر دے گا۔
(سورہ ہود ع ۵)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ کسی قوم کا گناہوں سے سچی توبہ کے بعد اپنی توبہ کی کاروباری زندگی اختیار کر لینا
بھی یا اس کا ایک سبب ہے اور دوسری آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس طرح کی توبہ کی وجہ سے قوم کی قوت
و طاقت میں بھی اضافہ ہوتا ہے، حالانکہ ظاہری اسباب میں تو کسی قوم کی لطافت و قوت کا دار و مدار اس کی قوت
و قوت و اسلحہ وغیرہ خالص مادی دسائیں ہی پر سمجھا جاتا ہے۔

علیٰ ہذا کسی قوم کی خوش حالی اور دیرینہ کی پیداوار سے اسکے مال مال ہونے کی ظاہری تدابیر اور طبیعتاً
تو وہ ہیں جنہیں ہم سب جانتے ہیں، یعنی زراعت کو ترقی دینا، زیادہ پیداوار کے لیے نئے نئے وہب و ترقی یافتہ طریقے
استعمال کرنا جو یورپ دام نیچہ میں استعمال ہوتے ہیں، صنعت کو ترقی دینا، تجارت کو بڑھانا وغیرہ وغیرہ
بہر حال کسی قوم کی خوش حالی کے لیے یہی عام ظاہری تدابیر ہیں جن کو سب جانتے ہیں لیکن
قرآن مجید نے بتایا ہے کہ ایمان و تقویٰ دلی زندگی اختیار کر لینا بھی اس کا ایک ذریعہ اور سبب ہے۔
ارشاد ہے۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا
لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ
وَالْأَرْضِ (الاعراف ع ۱۲)
اور اگر ان قوموں والوں نے ایمان اور تقویٰ
کی راہ اختیار کی ہوتی تو ہم ان پر آسمان و
زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

اور جس طرح قرآن مجید میں ان آیات میں کسی قوم کی نیکو کاری اور پرہیز گارانہ زندگی کو خوشحالی و ترقی
اور عزت و شوکت کا سبب بتلایا گیا ہے، اسی طرح فقر و فجور اور معصیت و خدا فراموشی کی زندگی کو بے حالی
اور ذلت و دہشتی اور آلام و مصائب کا سبب فرمایا گیا ہے۔ سورہ طہ میں ارشاد ہوا ہے۔

وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ
لَّهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ
اور جو لوگ بے پردائی اور بے شرمی بنیں گے
میری نصیحت سے تو ان کے واسطے اس دنیا

یَوْمَ الْقِيَمَةِ آتَمُّ ۝
(طہ ۷)

میں آگے اور بے پستی والی زندگی ہے اور قیامت
کے دن ہم اُن کو اٹھائیں گے اُنہما۔

اغرض قرآن مجید کی بہت سی آیات نے ہمیں اس حقیقت پر مطلع فرمایا ہے کہ قوموں کے اچھے بے حالات
اور اُن کے وجود و زوال کا سبب اُن کے نیک و بد اعمال و اخلاق بھی ہوتے ہیں۔

ہمارے اس زمانہ میں صرف ہم ہندوستانی مسلمان ہی نہیں بلکہ سارے عالم کے مسلمان جن ناسازگار
حالات سے درچار ہیں اور دنیا کی نیز ان میں جو عقیدے و ذہن ہیں، اُس کا بنیادی سبب قرآن مجید کی ان آیات
کی روشنی میں ان کی زندگی کا وہ بگاڑ و فساد ہے جو کم و بیش کے کچھ فرق کے ساتھ پورے عالم اسلامی میں دہائی طرح
پھیل چکا ہے۔ اس کے علاوہ جن تدبیری کوتاہیوں اور سیاسی غلطیوں اور غفلتوں کو ہم ظاہری نقطہ نظر سے اس
صورت حال کا سبب سمجھتے ہیں، دراصل وہ سب بھی زندگی کے فساد و بگاڑ اور پھر اس کے نتیجہ میں خدا کی نظر عتاب
اور اس کی مدد سے خودی کے ثمرات ہیں، اُس لیے ان حالات اور مصائب و آفات سے نجات پانے کی پہلی شرط یہ
ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی کے تعلق کو درست کیا جائے اور زندگی کو غیر ایمانی افکار و خیالات اور خلاف
شریعت اعمال و اخلاق کی اُن گندگیوں سے پاک کیا جائے جو قوموں اور امتوں کو اللہ کی رحمت اور نصرت
سے محروم کر کے اس کے تہر و غضب کا شہتی بنا دیتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور جلیل القدر صحابی حضرت ابوالمردیاء رضی اللہ عنہ کی روایت
سے بحوالہ ”حلیہ البونعم“ مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث قدسی نقل کی گئی ہے کہ

حَتَّىٰ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَىٰ	اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں ہی اللہ ہوں۔
يَقُولُ أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا	ساری کائنات کا مالک و معبود ہوں، میرے
أَنَا مَالِكُ الْمُلُوكِ وَمَلِكُ الْمُلُوكِ	سوا کوئی معبود اور میرا کوئی شریک نہیں، میں
قُلُوبِ الْمُلُوكِ فِي يَدِي	حاکموں کا حاکم اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں
وَأَنَّ الْعِبَادَ إِذَا اطَاعُونِي	دنیا بھر کے حاکموں اور فرمانرواؤں کے قلوب
حَوَّلْتُ قُلُوبَ مُلُوكِهِمْ إِلَيْهِمْ	میرے ہاتھ میں ہیں اور میرا یہ دستور ہے کہ
بِالرَّحْمَةِ وَالرَّافِعَةِ وَأَنَّ الْعِبَادَ	جب میرے فرمانبردار میری دلی زندگی

فرمانگے!

ڈاکٹر صاحب سے واقفیت غائبانہ۔ جی تھی جس کا سلسلہ اُن کی کتاب ”قرآن اور علم جدید سے شروع ہوا۔ یہ کتاب ۲۵ء میں ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور نے شائع کی تھی اور الفرقان میں تبصرہ کے لیے آئی تھی کتاب کے بعض بنیادی انکسار سے اتفاق نہیں کیا جاسکا مگر بحیثیت ایک مصنف اور مفکر کے اس نے ڈاکٹر صاحب کا جو نقشہ داغ پر قائم کیا وہ آج تک اپنی جگہ منفرد ہے۔ اس کتاب کے بعد ڈاکٹر صاحب مرحوم کے بہت سے مقالات اقبال اکیڈمی کر اچی کے سہ ای جگہ ”اقبال ریویو“ میں نظر سے گزرے جن سے اُن کی تربیت کا نقشہ اور زیادہ گہرا ہوا چند سال پہلے تک موصوفت ہی اس اکیڈمی کے دائرہ کٹر اور اس جگہ کے اڈیٹر تھے یہاں سے سبکدوشی کے بعد لاہور میں قیام فرماتے۔ ادھر ہم تن ایک نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم وضع کرنے میں لگے ہوئے تھے جو جدید و قدیم کا جامع ہو۔ اُن کے انکسار کا کچھ اندازہ ناظرین الفرقان کو اُن مضامین سے ہوا جو اسی سال الفرقان کے متعدد شماروں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اُن کے مضامین سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ علمی سطح پر اسلام کو دنیا کے تمام نظامِ مائے فکر پر غالب کر دینے کی تڑپ سے بے قرار تھے اور اس کے لیے اسلام سے بھرپور شعوری عقیدت کے ساتھ جس جدید علمی اور فکری لیاقت کی ضرورت ہو اُس کے لحاظ سے ایک گویا یکتا کئے جانے کے مستحق تھے۔

اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت اور بے پایاں رحمت و کرم سے نوازے۔ اور اُن کا نعم البدل پاکستان اور عالمِ اسلام کو عنایت فرمائے۔ (رع. س)

**بیت
معدن**

افسوس کا یہ شمار بہت زیادہ تاخیر سے شائع ہوا ہے جس کا سبب دی مرتب کی خرابی صحت جو بعض دنوں میں بالکل کام کے قابل نہیں رہتی رہتی ادھر جو لائی سے یہ صورت حال ہو جس کے باوجود رسالہ دالہ بدر کی زحمت کشی سے کسی نہ کسی طرح ذوقِ پُرکھار باوجود کتبہ میں کونکر م رابطہ علمِ اسلامی کے اجلاس میں شرکت کی غرض سے کم منطوق تشریف لے گئے اور پھر انہوں نے ممبروں و ایسے ہوئی جس کی بنا پر دسمبر کے شمارہ کا کام دسمبر میں ہی شروع ہو سکا۔ ناظرین کو اس بے اعلان تاخیر سے جو انتظار کی زحمت ہوئی ہوگی امید ہو کہ اس معذوری کے پیش نظر معاف فرمائیں گے۔ اب آئندہ شمارہ انشرا اللہ فردی میں شائع ہوگا۔ اور اگر ہو سکا تو یہ جنوری و فروری (دو دنوں ماہ) کی ضخامت کا شمارہ ہوگا تاکہ اشاعتِ وقت پر آجائے۔

درسِ قرآن - مرکزِ والی مسجد

۲۲ ستمبر ۱۹۶۹ء (یکشنبہ)

● شرک کے خلاف حضرت ابراہیم کا جہاد و توحید کا اعلان

● ملکوتِ السموات والارض کا مشاہدہ اور حکیمانہ بحث

● سب سے بڑی بات یافتہ شرک کا پال اور توحید کے داعی تھے

حمد و صلوٰۃ، اعوذ اور بسم اللہ کے بعد

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا إِلَهَ ۚ إِنَّي
أَرَأَيْتَ قَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۵﴾ وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ
مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ﴿۶﴾
فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى الْكُتُبَ ۚ قَالَ هَذَا رَبِّي ۚ فَلَمَّا أَفَلَ
قَالَ لَا أُحِبُّ الْإِفْلَاقَ ﴿۷﴾ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِعًا قَالَ هَذَا
رَبِّي ۚ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَيْسَ لَمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ
الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ﴿۸﴾ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِعَةً قَالَ هَذَا
رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ ۚ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يُقَوْمُ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ﴿۹﴾ إِنِّي
وَجْهَتُ وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا
مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۰﴾ وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ أَتُحَاجُّونَنِي فِي اللَّهِ وَقَدْ

هَدَيْنَهُ وَلَا آخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَنْ يُشَاءَ رَبِّي شَيْئًا وَسِعَ
 رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿۸۱﴾ وَكَيْفَ آخَافُ مَا أَشْرَكْتُكُمْ
 وَلَا خَافُونَ أَنْتُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا
 فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۲﴾ الَّذِينَ آمَنُوا
 وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ
 وَبَلَّغْ جَبَّتْنَا أَنْتِهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ مَنْ رَفَعَ دَرَجَتٍ مِنْ شَيْءٍ
 إِنْ رَبُّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۸۳﴾ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا
 وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ إِبْرَاهِيمَ وَاسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ
 وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْحَسَنِينَ ﴿۸۴﴾ وَكَرَرْنَا
 وَنُوحًا وَاسْمَاعِيلَ وَالْيَاسَ وَكُلٌّ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۸۵﴾ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ
 وَيُوسُفَ وَلُوطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّهِمْ
 وَآخَرَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۸۷﴾ ذَلِكَ
 هَدَى اللَّهُ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ
 عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۸۸﴾ أُولَئِكَ الَّذِينَ أَنْتَنَاهُمْ الْكِتَابَ
 وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَلْنَاهَا قَوْمًا
 لَيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ﴿۸۹﴾ أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدْهُمْ
 اقْتَدِهِ وَقُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ
 لِلْعَالَمِينَ ﴿۹۰﴾

اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آذر سے کہا تھا کہ تم بتوں کو معبود مانتے ہو؟ اور ان کی
 پرستش کرتے ہو؟ میں تو تمہیں اور تمہاری ساری قوم کو گمراہی میں دیکھ رہا ہوں۔ اسی
 طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں میں اور زمین میں خدا کی فرمانروائی اور اس کے عبادت کا
 مشاہدہ کراتے تھے تاکہ وہ کامل الیقین ہو جائے۔ پھر جب رات اپنی تاریکی کے ساتھ اس پر
 چھا گئی تو اس نے ایک درخشاں ستارہ دیکھا (اسی قوم کے مشرکانہ عقیدہ کا بطلان ثابت کرنے

کے لیے اُس نے گواہی دی کہ اُن میں کہا کہ یہ ستارہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ ڈوب گیا تو اُس نے کہا کہ میں ڈوب جانے والوں کو نہیں چاہتا اور اُن کو بادر خدا نہیں مان سکتا پھر جب چاند کو چمکا اور چاندنی بھیرتا، دیکھا تو اسی طرح کہا یہ ہے میرا رب، پھر جب وہ بھی ڈوب گیا تو اُس نے کہا کہ اگر میرے رب نے نہ ہنسی نہ فرمائی ہوتی تو میں گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا پھر جب سورج کو چمک دیکھ کے ساتھ بھٹکا دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے یہ تو بہت ہی بڑا ہے، پھر جب وہ بھی ڈوب گیا تو اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے، اُس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگوں میں اُن سب بھڑوں سے بری اور بڑا ہوں مجھ کو تم (خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ میں نے تو اپنا رخ سب سے یکسو کر کے اُس پاک ذات کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں کو افاد میں کو پیدا کیا اور میں اُن میں سے نہیں ہوں جو کسی بھی چیز کو اُس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

اور اُس کی قوم اُس سے بھگڑنے لگی، تو اُس نے کہا کیا تم اللہ وحدہ لا شریک کے بارے میں بھتہ جنت اور بحث کرتے ہو، دراصل ایک اسی نے مجھے ہدایت سے نوازا ہے، اور میں نہیں ڈرتا تمہارے اُن (مضوعی معبودوں) سے جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہو (وہ میرا کچھ نہیں کاڑھ سکتے) مگر یہ کہ میرا رب ہی کوئی تکلیف پہنچانی چاہے (تو بے شک وہ پہنچ کے رہے گا) میرا رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے، تو کیا تم دھیان نہیں کرتے اور میں اُن (دہی اور فرضی معبودوں) سے کیسے ڈروں جن کو تم نے خدا کا شریک ٹھہرایا ہے حالانکہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اسی چیزوں کا شریک کا شریک بنادیا ہے جن کے بارے میں اُس نے تم پر کوئی عین نہیں (تاری) ذرا سوچو تو ہم دونوں فریقوں میں سے کون ماموں اور مطمئن رہے گا زیادہ سچی ہے، اگر تم کچھ جانتے ہو! حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہیں کیا ان ہی کے لیے ایمان اور اطمینان ہے اور دکھا راہ یاب ہیں۔

یہ چارویہ حجت ہے جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر قائم کرنے کے لیے عطا کی تھی، ہم جس کے چاہتے ہیں، مرتبہ بلند کرتے ہیں بے شک تمہارا رب بڑی حکمت والا، بڑے علم والا ہے۔ اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب بخشے، ہر ایک کو ہم نے ہدایت سے نوازا، اور نوح کو بھی ہم نے ہدایت سے نوازا، اس سے پہلے، اور اُس کی نسل میں سے داؤد، یسماں، ایوب،

۱۔ سن ۱۱۰۰ ہجری میں دہلی کے کچھ آدمی اسی طرح نیک کرداروں کو صلہ دیتے رہے اور ان کے بچے اور چھٹی دہائی میں
ایساں کو بھی لادہم نے ہدایت سے نوازا، یہ سب نیک کاروں میں سے تھے اور اسماعیل اور الحسن اور انیس
اور لوگوں کو بھی لادہم نے ہدایت بخشی (اور ان میں سے ہر ایک کو ہم نے تمام دنیا جہاں دالوں پر برتری عطا
کی بعد ان کے آپاؤ اور اجداد اور ان کی اولاد اور ان کے بھائی بندوں میں سے بھی ہم نے ہدایت یا
بنائے اور ان کو برگزیدہ کیا، اور ان کو ہم نے صراطِ مستقیم کی ہدایت بخشی — یہ اکثر کی ہدایت
ہے۔ وہ اُس سے سرفراز فرماتا ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اور اگر یہ لوگ بھی توحید
کی راہ چھوڑ کے شرک کرتے تو ان کے سارے اعمال اکارت ہو جاتے — یہ سب وہ بندے
ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکمت (شرعیات) اور پیغمبری عطا کی پس اگر یہ (مشرکین مکہ) ان تعلیمات
اور ہدایات کو نہ مانیں تو کچھ پردانیں، ہم نے ان کے ماننے کے لیے کچھ دوسرے لوگ مقرر کر دیے
ہیں جو ان کا انکار نہیں کریں گے (بلکہ قدوہ کے ساتھ قبول کریں گے اور سینہ سے لگائیں گے) یہ سب
وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اپنی ہدایت سے نوازا ہے تو تم بھی ان ہی دلی ہدایت کی پیروی کرو
— کہہ دو میں تم سے اس رہنمائی پر کوئی صلہ اور معاوضہ نہیں مانگتا، یہ تو تمام دنیا جہاں دالوں

کے لیے ہیں نصیحت اور یاد دہانی ہے۔ الانعام آیات ۴ تا ۹۱

یہ بات بار بار بیان کی جا چکی ہے کہ یہ سورہ "الانعام" منگی ہے اور اس کے اولین
(تفسیر و تشریح) مخاطب مکہ کے مشرکین ہیں اور وہ شرک اور دعوتِ توحید اس کا خاص مرکز کی مضمون

ہے۔ شروع سورہ سے اب تک مختلف طوور طریقوں سے توحید کی دعوت اور شرک کی تردید کی جاتی رہی ہے لہذا اس
سلسلہ میں مختلف قسم کے دلائل و براہین پیش کیے جاتے رہے ہیں۔ اس وقت جو آیتیں تلاوت کی گئی ہیں
اور جو آج زیرِ درس ہیں، ان میں شرک سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلانِ بیزاری اور اس دعوتِ
توحید کا ذکر ہے جو انھوں نے بالکل شروع میں اپنے باپ اور اپنی قوم کو دی تھی اور اس سلسلہ میں انھوں نے
اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے جو ایک نہایت خوش طریقہ استدلال اس دعوتِ تلقین کے لیے اختیار کیا تھا وہ بھی
ان آیتوں میں پوری تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی ہے کہ بنی اسرائیل یہود و نصاریٰ
مصلحان کو اپنا دینی نورث اور امام مانتے تھے اور بنی اسماعیل مکہ بھی گویا ان ہی کا کلمہ پڑھتے تھے اس

یہ قرآن پاک میں جا بجا یہود و نصاریٰ کے مقابلہ میں بھی حضرت ابراہیم کے ضعیفی مسلک کا ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ اُس یہودیت یا نصرانیت کے داعی نہیں تھے جس کو یہود و نصاریٰ نے اپنا دین د مذہب بتایا ہے بلکہ وہ اسی خداوندی دین (اسلام) کے داعی اور علمبردار تھے جس کو ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جنس کر رہے ہیں اور سارے نبیوں کا وہی دین رہا ہے۔ اور نبی اکرام صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی قرآن پاک میں جا بجا حضرت ابراہیم کی دعوت و حید اور اُن کے ضعیفی مسلک کا ذکر فرمایا گیا ہے اور اُن پر حجت قائم کی گئی ہے سوا انعام کی ان آیتوں میں مشرکین کو کے سامنے حضرت ابراہیم کی دعوت و حید کو پیش کیا گیا ہے اور ایک اُن کو کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے اپنی کو اکب پرست قوم پر شرک کا بطلان واضح کرنے کے لیے کیسا عجیب و غریب اور کمقدر و شوہر طرز استدلال اختیار کیا تھا۔ ارشاد ہوا ہے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ أَذْرَأَ اتَّخِذُوا آلِهَةً إِنِّي أَرَأَيْتُ قَوْمًا
فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

اور یاد کرو اس واقعہ کو جب ابراہیم نے اپنے باپ آذر سے کہا تھا کہ کیا تم پتھر کے بتوں کو معبود مانتے ہو اور اُن کی پرستش کرتے ہو؟ میری نگاہ میں تو یہ تمہاری اور پوری قوم کی صریح گمراہی ہے کہ اپنے ہاتھ کے تراشے ہوئے بتوں کو معبود بنا کر اُن کی پرستش کی جا رہی ہے۔ اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام کی یہ بات اختصار اور اجمال کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔ اسی کو سورہ مریم میں اس طرح فرمایا گیا ہے

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ
مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يَبْصُرُ وَلَا يُغْنِي
عَنكَ شَيْئًا يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ
جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ
فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا
سَوِيًّا ۝

اور اس واقعہ کو یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ سے کہا تھا اے میرے باپ آپ ایسی چیزوں کی کیوں عبادت اور پرستش کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کو کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔ اے میرے باپ مجھے خدا کی سیرت سے علم حاصل ہوا ہے جو آپ کو نہیں ملا ہے اس لیے آپ میری پیروی کریں، میں آپ کو سید راستہ کی رہنمائی کروں گا۔

بعض مفسرین نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ آذر ابراہیم علیہ السلام کے باپ نہیں بلکہ چچا تھے اور حضرت ابراہیم نے یہ بات اپنے الچچا سے ہی کہی تھی اور قرآن پاک میں اس سلسلہ کی آیتوں میں جہاں جہاں ”اب“ کا لفظ آیا ہے ہر جگہ وہ چچا ہی کے لیے مجازاً استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید سے یا کسی صحیح حدیث سے اس کا کوئی اشارہ نہیں ملتا، اس کے برعکس قرآن پاک میں اور احادیث صحیحہ میں ہر جگہ اس سلسلہ میں ”اب“ کا لفظ ہی استعمال ہوا ہے جس کے اصلی اور حقیقی معنی والد ہی کے ہیں اس لیے راجح یہی ہو کہ آذر ابراہیم علیہ السلام کے والد ہی کا نام ہے اور حضرت ابراہیم نے یہ بات اپنے والد ہی سے کہی تھی۔ اور کسی نبی کے لیے ہرگز یہ عیب کی بات نہیں ہے کہ اس کے باپ کا فریا مشرک رہے ہوں یہ تو انشر کی شان ہے۔

سورہ انعام کی اس آیت میں ”اَتَّخِذُ آصْنَتًا مَّا الْهَنَاءَ“ کے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد آذر تئوں کو معبود مان کر اُن کی پرستش کرتے تھے اور اگلی آیتوں سے معلوم ہوگا کہ اُن کی قوم بتوں کے سوا چاند سورج اور بعض ستاروں کی پرستش بھی کرتی تھی اس لیے سمجھنا چاہیے کہ اُن میں دونوں طرح کے شرک مردج تھے۔

آگے ابراہیم علیہ السلام پر انشر تعالیٰ کے ایک خاص انخاص انعام کا ذکر فرمایا گیا ہے اور وہ یہ کہ انشر تعالیٰ اُن کو ”مَلَکُوتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“ کا مشاہدہ کراتا تھا، یعنی ہماری اس دنیا میں اور عالم ستارات میں انشر تعالیٰ کی فرمانروائی اور اس کی قدرت و شہیت کی کار فرمائی جس طرح ہو رہی ہو اور خالق کا حکم مخلوقات پر جس طرح چل رہا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر انشر تعالیٰ اس کو منکشف فرماتا تھا۔ یہ اُن پر انشر تعالیٰ کا خاص انخاص انعام تھا اور اُس کی درجہ اُن کو انشر تعالیٰ کی دلو بیت اور اس طرح کے دوسرے حق تعالیٰ کے بارہ میں حق یقین کا مقام حاصل تھا۔ اگلی آیت میں اسی کو ذکر فرمایا گیا جو ارشاد ہے:

وَكَذَٰلِكَ نُبْرِئُ اِبْرٰهٖمَ مَلَكُوتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنُ مِنَ الْمُؤَقِّنِيْنَ
مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے ابراہیم کو توحید کی نعمت عطا فرمائی اور اسکی دعوت و تبلیغ کی توفیق دی۔ اسی طرح ہم ان کو ”مَلَکُوتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“ کا مشاہدہ کراتے تھے اور کائنات پر انشر تعالیٰ کی فرمانروائی کے اسرار اور جلوے ان کو دکھاتے تھے۔

اس کے آگے کی آیتوں میں ابراہیم علیہ السلام ہی کا ایک عجیب و غریب واقعہ ذکر کیا گیا ہے اُن

کی قوم چاند سورج اور ستاروں کو اپنا رب مانتی اور ان کی پرستش کرتی تھی، ایک دفعہ جب رات کا اندھیرا چھا گیا اور آسمان پر ایک چمکدار ستارہ ظاہر ہوا تو حضرت ابراہیم نے یہ ظاہر اپنے ہی کو مخاطب کر کے، لیکن بنی الحقیقت اپنے گھردلوں اور قوم کے لوگوں کو سنانے کے لیے گویا اُن کا خاکہ ادا کرتے ہوئے کہا: ”هَذَا رَبِّي“ یہ چمکدار ستارہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ قانون قدرت کے مطابق اپنے وقت پر ڈوب گیا تو حضرت ابراہیم نے پکار کر کہا: ”لَا أُحِبُّ إِلَّا حَبِيبِي“ میں ڈوبنے والی کسی چیز کو محبوب و معبود نہیں بنا سکتا، اس لیے ڈوب جانے والے اس ستارہ کو اپنا رب نہیں مان سکتا۔ اسی طرح جب ایک رات کو چاند اپنی پوری روشنی کے ساتھ نمودار ہوا تو حضرت ابراہیم نے پھر اُن لوگوں کو سنائے اور گویا اُن ہی کے خیالات کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا: ”هَذَا رَبِّي“ اچھا تو یہ حسین اور روشن چاند میرا رب ہے، پھر جب وہ بھی اپنے وقت پر ڈوبا تو پکار کے کہا: ”لَا أُحِبُّ إِلَّا حَبِيبِي“ لَا كُؤُنْتُ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ یہ نہیں یہ ڈوب جانے والا چاند بھی رب اور معبود نہیں ہو سکتا۔ میرے اشرنے بچے یہ حقیقت سمجھا کے کہ ڈوبنے اور فنا ہو جانے والی کوئی چیز کبھی پروردگار اور معبود نہیں ہو سکتی، تبھی اس گمراہی سے بچایا، اگر میرا خدا رہنمائی نہ فرماتا تو میں بھی ایک گمراہ آدمی ہو کے رہ جاتا۔ پھر جب رات ختم ہو کر صبح ہوئی اور سورج اپنی پوری چمک دمک کے ساتھ نکلا، جو اُن کی قوم کا معبود اکبر تھا، تو ابراہیم علیہ السلام نے پھر لوگوں کو سنائے کہا: ”هَذَا رَبِّي هَذَا الْكَبِيرُ“ اچھا تو یہ سورج میرا رب ہے۔ یہ تو سب سے بڑا ہے، اس کی عظمت کا کیا ٹھکانا، پھر جب شام ہوئی اور وہ بھی ڈوب گیا اور ظاہر ہو گیا کہ بیچارے ستارے اور چاند کی طرح یہ بھی کسی کے حکم سے نکلتا اور ڈوبتا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پکار کے اور قوم کے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔

”يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ
إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي
فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ
الْمُشْرِكِينَ“

اے میری قوم کے لوگوں میں تمہارے ان
سب معبودوں سے براہت اور بیزاری کا
اعلان کرتا ہوں، جن کو تم خدا کے ساتھ
شریک کرتے ہو، میں نے ہر طرف سے یکسو
ہو کر اپنا رخ اُس اللہ وحدہ لا شریک کی طرف
نوٹ لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو

پیدا کیا ہے اور میں اہل شرک میں سے نہیں ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم جس قسم کے شرک میں مبتلا تھی، اُس کے کھوکھلے پن کو ظاہر کرنے کے لیے یہ بہترین طریقہ تھا جو ابراہیم علیہ السلام نے استعمال کیا۔ اور اگر قوم میں تفکر ہوتا اور صلاحیت ہوتی تو وہ سب شرک کا راستہ چھوڑ کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کو حید کو قبول کر لیتے لیکن اُن کی وہ تھیں مسخ ہو چکی تھیں، بجائے قبول کرنے کے انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حجت بازی شروع کر دی اور اُن کو اپنے معبودوں سے ڈرانے لگے کہ تم نے اُن کا انکار کیا ہے اور اُن کی توہین کی ہے، اب تم پر یہ آفت آئے گی اور تمہیں یہ ہو جائے گا۔ وہ ہو جائے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے

وَحَاجَّهٖ قَوْمُهُ قَالَ اَتَمْنَحُوْنِي فِيْ اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰٓا نَ وَلَا اَخَافُ اَنْ مَّاسُؤِرُکُمْ
بِهٖ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْءًا وَّسِعَ رَبِّیْ کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًاۗۙ اَفَلَا تَتَذٰکُرُوْنَ
وَكَيْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَکْتُکُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنْتُمْۤ اَشْرَکْتُمْ بِاللّٰهِ
مَا لَمْ یُنَزَّلْ بِهٖ عَلَیْکُمْ سُلْطٰنًاۚ فَاِنَّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاٰمَنِ
اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَۙ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اٰیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ
اُولٰٓئِکَ لَهُمُ الْاٰمَنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَۙ

مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے لوگ اُن سے حجت بازی کرنے لگے اور بھگڑنے لگے حضرت ابراہیم نے اُن سے فرمایا کہ تم مجھ سے اللہ کی توحید اور اس کی صفات و افعال کے بارہ میں بھگڑتے ہو، تو اسی نے مجھ پر ہر ایت بخشی ہے، اور گواہی دیتی ہے کہ تم انھوں سے دکھا دی ہو اور تم جو مجھے اپنے ان فرضی اور دہی معبودوں اور دیوتاؤں سے ڈراتے ہو تو میں لوگوں میں ان سے بالکل نہیں ڈرتا یہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے، ہاں میرا پروردگار جس کی ساری کائنات پر حکومت اور فرمانروائی ہے، وہ جو چاہے گا وہ ہوگا، اس کے علم میں سب کچھ ہے۔ وہ میرے حال سے بھی باخبر ہے اور تمہارے حال سے بھی۔ اس لیے مجھے امید ہے کہ وہ مجھے اپنی حفاظت میں اور اپنی رحمت کے سایہ میں رکھے گا۔

اُس کے ہے ”وَكَيْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَکْتُکُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنْتُمْۤ اَشْرَکْتُمْ بِاللّٰهِ
مَا لَمْ یُنَزَّلْ بِهٖ عَلَیْکُمْ سُلْطٰنًا“ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے اُن لوگوں
سے جو ان کو اپنے دیوتاؤں کی مخالفت اور انکار کی وجہ سے ڈراتے تھے، مزید فرمایا کہ میں تمہارے

ان دوتاؤں سے جو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور جن کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے، کیوں ڈروں، جبکہ تمہارا حال یہ ہے کہ تم اس گناہ عظیم سے اور اُس کے بُرے انجام سے نہیں ڈرو، کہ اللہ پاک کے ساتھ تم ایسی چیزوں کو شریک کر رہے ہو، جن کی شرکت کی انہوں نے تم پر کوئی دلیل اور سند نہیں دلائی، مطلب یہ ہے کہ تم تو اتنا بڑا جرم کرنے کے باوجود خداوند تمہارے قہر و غضب سے نہیں ڈرتے، اور کچھ ان جھوٹے معبودوں اور بے حقیقت دوتاؤں سے ڈرتے ہو، سوچو کہ ہم دونوں فریقوں میں سے کس کے لیے بے خوفی اور اطمینان کا رویہ زیادہ سزاوار ہے، پھر خود ہی اس سوال کے جواب میں فرمایا: — اَلَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولَٰئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُونَ ہ یعنی بے خوفی اور امان کے مستحق وہ ہیں جو خدا پر ایمان لائے اور اپنے ایمان کو انہوں نے شرک کی آلودگی سے بالکل ہی محفوظ رکھا۔ اُن کے لیے خدا کی امان ہے اور وہ ہمراہِ یاب ہیں۔

اُگے ارشاد ہے — وَتِلْكَ جُبَّتُنَا اَتَيْنَاهَا لِبَرَاهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهِ مُنْزِعًا دَرَجَاتٍ مِّنْ شَآءِ طَرَانٌ رَبَّنَا حَكِيمٌ عَلِيمٌ ہ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے مقابلہ میں (جو چاند سورج اور ستاروں کو معبود مانتی تھی اور ان کی پرستش کرتی تھی) جو جنت قائم کی اور جس طرح اُن پر ثابت کیا کہ یہ سیلاب جو روزِ جحکے چڑھتے اور ڈوبتے ہیں، خدا انہیں ہوسکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بہانہ دستِ کمال جو اُن کی قوم کی ذہنیت اور مزاج کے لحاظ سے موثر ترین استدلال تھا، یہ اُن کو ہم نے عطا فرمایا تھا اور ہم نے اس طرف ان کی رہنمائی کی تھی، لہٰذا یہ اپنے بندے ابراہیم پر ہمارا خاص انعام تھا، اُس کے ذریعہ ہم نے ان کو رفعت بخشی اور اُن کا مرتبہ بلند کیا، ہم جس کے مرتبہ بلند کرنا چاہتے ہیں، بلند کرتے ہیں، لیکن ہمارے تمام فیصلے علم اور حکمت کی بنیاد پر ہوتے ہیں، یوں ہی اندھا دھند کسی کو ہم بلند یا پست نہیں کر دیتے، اِن رَبَّنَا حَكِيمٌ عَلِيمٌ ہ تمہارا رب جو ساری کائنات کا رب ہے وہ بڑا حکیم بڑا دانا ہے — اُگے بیان فرمایا گیا ہے کہ ہم نے ابراہیم پر یہ توازن بھی بھیجی کہ اُن کو اسحاق جیسے بیٹے اور یعقوب جیسے پوتے بخشے اور اُن کو بھی ہم نے ہدایت کی نعمت سے نوازا اور پھر ان کی نسل میں بھی مسلسل پیغمبر آتے رہے ہیں جن سے دنیا میں ہدایت کا سلسلہ جاری رہا۔ ارشاد ہے

حَوَّيْتُمْ لِهٰٓذَا السَّحَابِ وَلِعَقُوبَ وَاٰوَحَا هٰذَا يٰۤاٰمِنٌ قَبْلُ ۝

یہاں حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کے بعد حضرت نوح کا بھی ذکر کیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ

جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی نسل میں ہدایت اور نبوت کا سلسلہ جاری رہا اسی طرح ان سے اوپر ان کے جدِ اعلیٰ نوح کو بھی ہم نے ہدایت سے نوازا تھا اور ان کا دین اور مسلک بھی وہی تھا جو ابراہیم کا تھا اور وہ بھی تو حید ہی کے داعی اور علمبردار تھے۔

اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں اسحاق و یعقوب علیہم السلام والی شاخ ہی میں بعد میں آنے والے مشہور پیغمبروں کا نام بنام ذکر فرمایا گیا ہے کہ ان سب کو ہدایت کی نعمت سے نوازا گیا تھا اور ان سب کا دین و مسلک بھی وہی تھا جو ابراہیم علیہ السلام کا تھا اور یہ سب تو حید ہی کے داعی تھے جس کی دعوت قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں — اور شاہ ہے۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ وَكَذَلِكَ
نَجِّنِي الْمُحْسِنِينَ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيُوسُفَ
وَلُوطًا وَكَذَلِكَ فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ
وَإِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ذَلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي
بِمَعْنَى لِّشَاءٍ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحِطَّ عَلَيْهِمْ مَا كَانُوا يَعْلَمُونَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
اتَّخَذْنَا الْكِتَابَ فَاَلْهَمُوا وَالتَّوْحِيدَ ۚ فَإِنْ تَكْفُرُوا بَعْدَ مَا هَدَيْنَاكُمْ
سَبِيلًا فَلَكُمْ أَلْسُنُ مَغْشَاةٍ لِّمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
يَسْتَكْفِرُونَ ۚ وَلِلَّهِ الْفَتْحُ وَالْقُدْرَةُ ۚ وَلِلَّهِ الْغَلَبُ وَالنُّصْرَةُ ۚ
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَعُدَّ لَهُمْ أَجْرَهُمْ ۚ وَكُلُّ شَيْءٍ
عَلَيْهِ آخِرٌ ۚ إِنَّهُ يُخَوِّفُ الْوَارِثِينَ

اوپر فرمایا گیا تھا کہ ہم نے ابراہیم کو ملکوت السموات والارض کا شاہدہ کر لیا جس کے بعد انھیں حق البقین کی وہ دولت حاصل ہو گئی جو اصحابِ شاہدہ ہی کو حاصل ہوتی ہے پھر انھوں نے ہماری رحمت سے اپنی مشرک قوم پر وہ حجت قائم کی جس کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے اور یہ سب اپنے بننے والے ابراہیم پر کلمے انعامات تھے اور ہم نے ان کو اسحاق و یعقوب عطا فرمائے اور ان کو بھی ہدایت کی نعمت سے نوازا، اور ان کے اوپر کے سلسلہ میں ان کے نورثِ اعلیٰ نوح کو بھی ہدایت اور نبوت کی نعمت سے نوازا تھا آگے ان آیتوں میں بتلایا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں اسحاق و یعقوب کے بعد بھی یہ تسلسل قائم رہا۔ ان کی ذریت میں سے داؤد، سلیمان، الیہ، یوسف اور موسیٰ و ہارون کو بھی ہدایت کی نعمت سے نوازا گیا۔ ان کے علاوہ زکریا، یحییٰ اور عیسیٰ و الیاس کو بھی یہ نعمت عطا فرمائی گئی نیز

اسماعیل اور ایصہ اور یونس اور لوط ان سب کو بھی ابراہیم کی اس وراثت سے حصہ ملا۔ اور صرف انھیں نہیں بلکہ ان کے آباد اجداد اور ان کی قرابت اور ان کے بھائی بندوں میں سے بھی بہت سوں کو ہدایت کی نعمت اور برگزیدگی عطا فرمائی گئی۔ اُسکے فرمایا گیا ہے۔ "ذالک ہدی اللہ فیمن یشاء" یہ سب جس ہدایت کے حامل تھے اور جس کی دعوت دیتے تھے، جس کی اصل و اساس توحید تھی، وہ خدا کی ہدایت تھی اور اگر بالفرض اکثر کے یہ تقبیل بنے بھی تو ان کی زندگی اعمال صالحہ والی زندگی تھی، مشرک کے مرتکب ہو جاتے تو ان کے سارے اعمال صالحہ ادا کرت ہو جاتے۔ کیونکہ مشرک وہ آگ ہو جو سارے اعمال صالحہ کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔

شرک کی سنگینی اور گندگی ظاہر کرنے کے لیے قرآن پاک میں جو کچھ کہ لگایا ہے، اس میں یہ بات سب سے زیادہ سخت ہے کہ اگر بالفرض اللہ کے کسی نبی سے بھی شرک سرزد ہو جائے تو اللہ اس کو بھی نظر انداز نہیں فرمائے گا۔ اور اس کے سارے پاکیزہ اعمال سوخت ہو کر رہ جائیں گے۔ — العیاذ باللہ

یہ بات دراصل مشرکین کو اور خاص کر مکہ کے مشرکوں کو منائی جاراہی ہے جو شرک کی گندگی میں پوشا ہونے کے باوجود حضرت ابراہیم سے اپنا رشتہ جوڑتے تھے اور ان کی نسبت پر فخر کرتے تھے اور خانہ کعبہ کی نسبت اپنے کو خدا کا برگزیدہ سمجھتے تھے۔ پہلے تو ان کو یہ بتایا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کا مسلک اور طریقہ کیا تھا اور شرک کے خلاف انھوں نے کس طرح جنگ کی، پھر یہ بتایا گیا کہ ان سے پہلے ان کے مورث اعلیٰ نوح کا اور ان کے بعد ان کے اخلاص اسحاق و یعقوب اور پھر ان کی نسل میں تسلسل کے ساتھ آنے والے سب نبیوں کا مسلک اور طریقہ بھی وہی تھا، یہ سب توحید کے حامل اور داعی اور معلم تھے اور اللہ کے بندوں کو شرک کی گندگی سے نکالنا ان کا مشن تھا۔

آگے ان سب نبیوں کے بارہ میں جن کا اوپر ذکر ہوا، فرمایا گیا ہے۔ "أُولَٰئِكَ الَّذِينَ تَنَادَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوءَةَ فَإِنَّ يَتَّبِعُهَا هَؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ"۔ یعنی ہم نے ان سب کو کتاب پر ہدایت دی اور حکمت و شریعت دی، اور منصب نبوت سے سرفراز فرمایا، اور یہی چیزیں اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہیں، پس اگر یہ مشرکین کہ ان عظیم نعمتوں کی قدر نہ کریں اور کفر و انکار سہاگے و دیہ پر جمے رہیں تو کوئی پرواہ کی بات نہیں ہم نے اور لوگ اس کے لیے مقرر کر رکھے ہیں وہ ان نعمتوں کو قبول کریں گے اور سینے سے لگائیں گے

یہ اُس زمانہ کی آئینیں ہیں جب کہ میں گنتی کے چند ہی لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کیا تھا، جن میں زیادہ تر ضعیف اور غربا تھے، ان کے علاوہ مکہ کی عام فضا کفر و انکار اور شدید مخالفت کے شور و خضب سے گونج رہی تھی اور کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس دین کو کبھی استحکام اور قبولِ علم بھی حاصل ہو سکے گا، اسی حالت میں اس میں یہ پیشین گوئی کی گئی کہ بہت سے لوگوں کو اس کی توفیق ملے گی، اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد اس پیشین گوئی کا ظہور ہو گیا۔

آگے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِمْ هُمْ أَقْنَدُ ۖ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ
أَجْرًا ۖ إِن هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝

مطلب یہ ہے کہ جن انبیاء علیہم السلام کا اوپر ذکر کیا گیا یہ سب اللہ کی طرف سے ہدایت یاب تھے ان کی تعلیم اور ہدایت خدا ہی کی تعلیم اور ہدایت تھی، لہذا اے رسول تم اسی ہدایت کی پیروی کرو جو جو ان انبیاء سابقین کو خدا کی طرف سے ملی تھی اور جس طرح خدا کے یہ نبی توحید کی اور خدا کی ہر مانبری کی تبلیغ کرتے تھے تم بھی اس طرح کرو اور اپنے مخاطبین سے کہو کہ میں تم سے اس تعلیم و تبلیغ کا کوئی سعادہ نہیں مانگتا یہ تو ساری دنیا کے لوگوں کے لیے نصیحت اور یاد دہانی ہے، میں تم سے کچھ دیتا نہیں بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ تم اللہ کی اس نعمت پر ایمان کو مجھ سے لے لو اور نہ صرف تم کہ دالے اور میرے کنبے قبیلے دالے بلکہ ساری دنیا دالے اور ساری قوموں کے لوگ لے لیں۔

ان آیتوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی، کتنی بڑی نعمت ہے یہ نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اصلاً اور براہ راست انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوتی ہے، پھر جو منہ ان کی دعوت پر اس ہدایت کو قبول کریں وہ گویا ان کے دستِ خوان کے شریک ہو جاتے ہیں۔ ہم آپ نے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا مبارک دور نہیں پایا بلکہ قریباً ۱۳-۱۴ سو سال بعد کا زمانہ پایا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا کتنا عظیم انعام و احسان ہے کہ ایمان لا کر آپ کا دین قبول کیے آپ کے دستِ خوان کے شریک بن گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ اس نعمت کی قدر و قیمت کو کچھ سمجھیں اور اس کا شکر ادا کرنے کی کوشش اور فکر کریں۔ اس کا شکر یہی ہے کہ اپنی زندگی کو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کا پورا پورا پابند بنائیں جو جس درجہ میں آپ کا اور آپ کی ہدایات و تعلیمات کا اتباع کرے گا وہ اسی درجہ میں آپ سے قریب اور آپ کی لائی ہوئی نعمت میں شریک ہوگا۔ بس اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

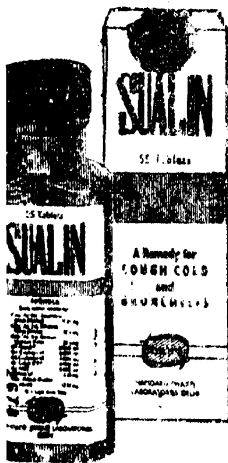
BOMBAY ANDHRATRANSPORT Co.

Transport Contractors

113, BHANDARI STREET (CHAKLA)
BOMBAY 3.

کھانسی اور گلے کی خراش کے لیے
مزیدار اور مؤثر دوائیاں

سعالین



سعالین کھانسی اور گلے کی خراش کو تیزی سے دور کرتی ہے۔ نزلہ زکام کی شدت میں فوری سکون دیتی ہے۔ یہ کھانسی میں سب کے لیے بکساں مفید ہے۔

بھار د

سعالین کھانسی کی دوائیاں

اِرشاداتِ حکیمِ الامۃ حضرت تھانویؒ

علماء و طلباء اصحابِ درس و آراء میں اس کے لیے لمحہ فکریہ

— (۴) —

تَلَانِيْنَ ص — اَرْمُوْا زَنَا نَسِيْمًا اَحْمَدَ فَرِيْدِيْ اَمْرُوْجِيْ

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل خوش خطی تو فنا ہی ہو گئی، اکثر بہت مجتہد سے خطوط آتے ہیں ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خط نسخ و نستعلیق دونوں قسم کا نہایت پاکیزہ تھا۔۔۔۔۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا (بھی) نہایت خوش نما خط تھا۔ ان حضرات کی تو ہر بات ہی دلکش تھی۔

فرمایا — ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ (اللہ کی) عطا ہے اور عطا پر انسان کو ناز نہ کرنا چاہیے جب چاہیں کمال باہر کریں پھر ناز کیسا؟ ہاں شک کر دو۔ اور اہل اللہ کو چونکہ نعمت کی حقیقت زیادہ معلوم ہے اس لیے ان کو نعمت پر شک زیادہ ہوتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ جس قدر تعلق نعمت سے ہے اُس سے زیادہ منعم سے تعلق ہوتا ہے، اُن کی زیادہ نظر منعم پر ہوتی ہے، نیز وہ ہر نعمت کو اپنے استحقاق سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ اسی لیے وہ موجود پر راضی رہتے ہیں، مغفود پر نظر نہیں کرتے۔ چنانچہ ایک شخص نے شکایت کی ایک بزرگ سے — (کہ) مجھے افلاس زیادہ ہے (بزرگ نے) فرمایا کہ میاں اگر دل میں اطمینان ہو، بدن میں کوئی مرض نہ ہو، ایک دن کا کھانے کو نہ ہو، اس سے زیادہ اور کیا چاہیے؟ اسی لیے اہل اللہ کی یہ شان ہے کہ اگر دل گیا تو شکر نہ ملا تو اُس کو بھی نعمت سمجھ کر صبر۔ اور عبدیت

کی وجہ سے وہ حاجت کی ہر چیز مانگتے ہیں لیکن اگر کوئی چیز نہ ملے تو اُس پر بھی راضی رہتے ہیں کہ یہ بھی ہمارے لیے نعمت ہے۔ ان حضرات کو اگر کسی نعمت کی طلب ہوتی ہے تو وہ بھی اس واسطے کہ جمعیتِ قلب میسر ہو۔ قلب کو پریشانی نہ ہو تاکہ اطمینان کے ساتھ کام میں لگیں۔ ان حضرات کے یہاں جمعیتِ قلب کا بڑا اتہام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سال بھر کا سالانہ اذواجِ مطہرات کو عطا فرمادیتے تھے۔ گو حضور کی جمعیتِ قلب اس پر موقوف نہ تھی، مگر حضور نے اپنے مذاقِ مبارک کے خلاف، صرف ہماری رعایت فرمائی اور ایسا (علحدہ آمد) فرما کر اس فعل کو جائز سے آگے بڑھا کر سنت بنا دیا تاکہ آپ کی اُمت کو دنیا میں بھی دین کا ثواب ملے۔ کیونکہ اتباعِ سنت تو دین ہی ہے۔ کیا انتہا ہے اس شفقت کی کہ ہم ممالکوں کی رعایت سے سال بھر کا خود ان نظام فرمایا جس سے مقصود یہ تھا کہ اُمت کو ایسا کرنے سے جمعیتِ قلب حاصل ہو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل میں یہی شفقت ہے، کیا یہ شفقت نہیں کہ آپ ساری ساری رات کھڑے ہو کر اُمت کی سفارش فرما رہے ہیں حتیٰ کہ قدم مبارک پر دُرم بھی آگیا۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب شان تھی عبدیت کا اس قدر غلبہ تھا کہ آپ کی ہر بات سے شانِ فنا پکٹی تھی۔ چنانچہ باوجود ناہم ہونے کے گھر کی حاجت کے لیے یہ دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ کوئی ایسا ٹھکانہ دے جسے جس میں بیٹھے جاؤں اور کوئی یوں نہ کہے کہ یہاں سے اٹھو، سو حق تعالیٰ نے ایسا ہی سامان فرمادیا۔

فرمایا۔ کہ نعمت کی تحقیر کا کسی کو کیا حق ہے۔ نعمت وہ چیز ہے کہ ہمارے یہ سارے لمبے چوڑے دعوے کمالات کے اور سارا مظنہ جب ہی تک ہے جب تک انھوں نے اپنی نعمت سے نوازا رکھا ہے ورنہ ایمان کا سنبھلنا بھی مشکل تھا۔

فرمایا کہ یہ سب جو کچھ دیکھتے ہو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دُعاؤں کی برکت ہے ورنہ یہاں کیا رکھا ہے۔

فرمایا۔ کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں ایک شاگرد نے اُستاد کی بے ادبی کی تھی اُس نے خود استرا کیا کہ تمام علم سلب ہو گیا۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ انسان کو چاہیے کہ کام میں لگے اور بے نتیجہ فکروں میں نہ پڑے۔

..... میرا مطلب یہ ہے کہ آگے چلنے کی فکر کرے، بنے بیٹھ خیالات میں وقت صرف نہ کرے، اعمال میں وقت صرف کرے۔ انسان مکروب اور اختیارِ اعمال کا مکلف ہے، پناہ خیر ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ وَكَفَىٰ ظَنًّا مَن يَتَذَكَّرَ أَنَّهُ مُصِيبٌ مِّنَ الْمُصِيبِينَ ۖ وَتُؤْتَىٰ بِرَحْمَةٍ مِّنَ الرَّحْمَنِ الْعَظِيمِ** (مردوں کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے، اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں)۔

ایک بزرگ نے کہا ہے پوچھا کہ آج کل کیا کر رہے ہو۔ کہا کہ توکل کی مشق کر رہا ہوں بزرگ نے فرمایا کیا میں ساری عمر پیٹ ہی کے دھندے میں رہو گے؟ یعنی توکل کی مشق کا مقصد یہی توہو کہ پیٹ سے بے فکری ہو جائے۔ اصل چیز میں کب لگو گے؟ بس توکل اختیار کر دو مشق ہو یا نہ ہو..... اسی طرح یہ خیالات بھی مضر ہیں کہ میں کامل ہوا یا نہیں؟ میں کچھ ہوا یا نہیں؟ غرض بنے بیٹھ خیالات اس راہ میں راہزن ہیں۔ کام کرنے والوں کی شان ہی جدا ہوتی ہے، وہ ایسی چیزوں کو کب دیکھتے ہیں؟۔

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جس قدر انصاف و محبت بڑھتی ہے اسی قدر تکلف جاتا رہتا ہے اور یہ بے تکلفی اور دل کا دلنا شرطِ اعظم ہے نفع باطن کے لیے۔ مگر اکثر لوگوں کو ان باتوں کی خبر ہی نہیں۔

ایک شخص نے فرمایا کہ جبکہ غیر مسلم اقوام میں سب نے اسلام کے اصول لے لیے ہیں رحمتِ اُتھارے میں اور مسلمانوں نے چھوڑ دیئے پریشان ہیں تکلف اٹھا رہے ہیں۔ مدراس میں ایک انگریز مسلمان جوانا زکے لیے مسجد میں آیا دیکھا کہ نالی میں صفائی نہ تھی، اُس نے اس پر غلام بھجوا کر ذرا صفائی رکھنا چاہیے تو جاہل لوگوں نے کہا کہ بڑا صفائی صفائی گاتا ہے معلوم ہوتا ہے ابھی تو عیسائی ہے۔ گویا مسلمان وہ ہے جس میں صفائی نہ ہو میلا کچلا رہے۔ **لَا تَحْزَنْ وَلَا تَقْوَۃَ اِلَّا بِاللّٰهِ** لوگوں کو جس نہیں رہی۔ دیکھئے حدیث میں ہے **تَطَهَّرُوا اَفَیْسَ تَكُمُ**۔ یعنی گھر سے باہر جانا سے میدان ہے اُس کو صاف رکھو۔ سو ظاہر ہے کہ جب مکان سے باہر کی صفائی کا مقصد انتہام ہے تو خود گھر کی صفائی کس قدر مطلوب ہوگی، پھر کپڑے کی اُس سے زیادہ اور جسم کی اُس سے زیادہ اور رُوح کی صفائی تو کس قدر مطلوب ہوگی؟ میں جب حیدر آباد دکن گیا تھا

... وہاں بعض احباب نے مشہور چیزوں کی سیر کرائی اسی سلسلے میں دارالترتیب بھی دیکھنے گیا وہاں ایک انگریز دکھلانے والا تھا جب سب کچھ دیکھ کر وہی کے لیے دروازے پر گئے تو میں نے اس انگریز سے کہا کہ آپ کے اخلاق سے بڑا ہی خوش ہوا، آپ کے اخلاق تو ایسے ہیں کہ جیسے مسلمانوں کے ہوتے ہیں اس پر وہ انگریز خوش ہوا کہ ایک مذہبی شخص نے اس کی تعریف کی۔ میرے ساتھ ایک بڑے آفیسر مسلمان بھی تھے انھوں نے مجھ سے آگے چل کر کہا کہ آپ نے..... عجیب و غریب طرز سے تعریف کی، بڑھا بھی دیا اور گھٹا بھی دیا۔ وہ تو اس پر خوش ہوا کہ ایک مذہبی شخص اپنے مذہبی لوگوں کے ساتھ مجھ کو تشبیہ دیتا ہے، اور گھٹایوں دیا کہ اخلاق میں مسلمانوں کو کامل اور اس کو ناقص قرار دیا۔ میں نے جواب دیا کہ میں نے حقیقت کو بیان کیا کہ اپنے اخلاق پر ناز نہ کرنا یہ سب تم نے اسلام سے اور مسلمانوں سے لیا ہے۔ یہ تمہارے ہر کی چیز نہیں بلکہ مسلمانوں کے گھر کی چیز ہے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بعض آثارِ طبعہ فطری ہوتے ہیں وہ زائل نہیں ہوتے گو کمی تو ہو جاتی ہے مگر رہتے ضرور ہیں۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ اتنا زمانہ درایا قبول کرتے ہو گیا اگر اب تک طبیعت میں جھجک ہے اور اجنبی سے تو بالکل ہی طبیعت قبول نہیں کرتی ہی شرماتا ہے۔ بے تکلفی کی جگہ بھی جھجک تو ہوتی ہے مگر کم۔ مولوی صدیق گنگوہی اپنا واقعہ بیان کرتے تھے کہ جب مدرسہ دیوبند میں داخل ہوئے تو ایک مکان میں کھانا مقرر ہوا جب کھانا لانے کے لیے گئے تو وہاں پہنچ کر اب چپ کھڑے ہیں زبان نہیں اٹھتی۔ اتفاق سے صاحب خانہ آگئے انھوں نے بڑے احترام سے بٹھایا اور کھانا خود لا کر دیا، مگر رفتہ رفتہ اس خجالت کا کم ہونا شروع ہوا۔ ان چیزوں میں عادت کو بھی بڑا دخل ہوتا ہے مگر جو چیز فطری ہوتی ہے وہ کچھ نہ کچھ رہتی ہے اور فطرت کے ساتھ اگر عادت بھی منظم ہو جائے (ل جائے) تو اگر وہ امر محمود ہے تو نور علی نور ہو جاتا ہے اور اگر امر مذہوم ہے تو کر لیا اور نیم چڑھا ہو جاتا ہے..... مجھ پر عجیب خدا تعالیٰ کی یہ رحمت ہوئی کہ باپ بھی ایسے ملے کہ انھوں نے شیخ کی طرح تربیت کی اور شیخ تو پھر شیخ ہی تھے..... والد صاحب کا معمول تھا کہ دعوت میں ہم کو نہ لے جاتے تھے الا ناداً۔ حالانکہ اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ بچوں کو ہمراہ لے جاتے ہیں۔ والد صاحب فرماتے تھے کہ یہ ٹھیک نہیں اس سے بچوں کی عادت ہو جائے گی

پھر انتظار ہونے لگے گا۔ ایسے عاقل تھے ان کی باتیں ایسی تھیں جیسے شیوخ کی ہوتی ہیں۔ انٹر کالاجک لاکھ شکریہ کہ باپ بھی ایسے استاد بھی ایسے ہکا شیخ بھی ایسے ہی تھے۔ یہ ان کا بڑا فضل اور بڑی رحمت ہے۔

فرمایا۔ یہاں ہماری برادری میں ایک صاحب تھے جن کا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خدادادی کا تعلق تھا اس بنا پر مجھ سے بھی محبت کرنے تھے، ان کے یہاں کوئی بھل دیا کوئی اچھا کھانا پکا میرے لیے بھیج دیتے تھے اور میاں سے بھی جاتا رہتا تھا، مگر کم دیش کا فتادت تھا۔ اتفاق سے ایک فرائض کا مسئلہ انھوں نے مجھ سے پوچھا میں نے بتلا دیا وہ ان کے خلاف تھا اور اس میں ان کے فریق مخالف کا نفع تھا۔ اس پر کہا کہ ہم اتنے زمانہ سے خدمت کرتے ہیں مگر جب ہمارے کام کا وقت آیا تو ہماری کچھ رعایت نہ کی دیکھئے کتنی رنج و دہ بات ہے۔ اس وجہ سے بعض ہدیہ میں شریہ ہو جاتا ہے کہ میں اس کا بھی ہی انجام نہ ہو۔ اور ہدیہ دے کر کسی رعایت کی توقع تو نہایت منکر و نسیج ہے۔ مجھ کو تو یہ بھی پسند نہیں کہ ہدیہ دے کر دعا کے لیے کہا جائے۔ اس لیے کہ ہدیہ تو محض طیب قلب سے اور طیب قلب کے لیے (یعنی خوشدلی سے اور دوسرے کے قلب کو خوش کرنے کے لیے) ہوتا ہے۔ اس میں اور اغراض کی یا دوسرے مصلحت کی آمیزش کیسی؟ اسکا لیے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر شریہ ہو جائے کہ یہ شخص ہم کو غریب سمجھ کر ہدیہ دے رہا ہے تو ہدیہ لینے کو جی نہیں چاہتا، ہم غریب ہی سہی مگر اس کو کیا حق ہے کہ وہ غریب سمجھ کرے۔ تو مولانا نے دفع حاجت کی مصلحت کی آمیزش کو پسند نہیں فرمایا، اور (مولانا کا) ایک یہ بھی معمول تھا کہ سفر میں ہدیہ لینا پسند نہ فرماتے تھے۔ بعض اوقات پہلے سے آوازی نہیں ہوتی مگر دیکھ کر خیال ہو جاتا تو طیب قلب سے نہ ہوا۔ حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ.... کو رخصت کے وقت کوئی ہدیہ پیش کرتا تو قبول نہ فرماتے اور جو شخص آتے ہی دیتا لے لیتے تھے۔ جانے کے وقت دینے کے متعلق فرماتے کہ کیا مجھے روٹی کی دوکان والا سمجھا ہے کہ حساب لگا کر دیتا ہے کہ آٹھ آنے کا کھایا ہوگا لاؤ روپیہ دے دو۔ دیکھئے یہاں بھی ہدیہ کے ساتھ اداے جو جس کی مصلحت شامل ہو گئی (اسی وجہ سے حضرت گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہدیہ کو نہ لیتے تھے)۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ زیادہ مقدار میں ہدیہ نہ لیتے تھے کم مقدار میں لیتے تھے اور ہدیہ لینے کے وقت بے حد شراتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میری اتنی بڑی

حیثیت نہیں۔ اپنے کوچ در پیچ سمجھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی زیادہ سے زیادہ ایک روپیہ دے دو۔ اس میں بھی یہ ماننا ہے کہ بعض اوقات زیادہ مقدار میں بھیر دینے والے کو طبیب قلب نہیں ہوتا قلیل مقدار سے شرابا کر (خواہ مخواہ) زیادہ دیتا ہے۔ ان کی (حضرت مولانا گنگوہیؒ کی) ہر بات میں ایک مجربانہ شان معلوم ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت (مولانا گنگوہیؒ) نے مجھ سے فرمایا کہ میاں تم بہت دنوں سے ہم نے تمہیں کبھی کھانا نہیں کھلایا آج تمہاری دعوت ہو دیکھو اس سے سادگی کی کیسی عجیب و غریب شان مترشح ہوتی ہے جو مجربانہ انذار کی بڑی فرد ہے۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اہل اللہ اور خاصان حق کی صحبت میں، ان کی دُعا میں اُن کی نصیحت میں نور اور برکت ہوتی ہے۔ دہلی میں جو حکیم نامینا ہیں اُن کی تباہی مشہور ہے اس کا قصہ یہ ہے کہ انھوں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا تھا کہ حضرت میں نامینا ہوں بجز نبض کے اور علامات کا شاہدہ نہیں کر سکتا، نبض شناسی کی دُعا کر دیجئے، آپ نے نبض کے لیے دُعا فرمادی جس میں ان کا کمال مُشاہدہ ہے تو یہ اُس دُعا کی برکت ہے

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اعتراف کرنا کیا مشکل ہے؟ زبان ہی تو بلانا پڑتی ہے۔ تحقیق کا درجہ مشکل ہے اسی لیے محقق پر سیکڑوں اعتراف ہوتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اُس کی نظر تمام جواب پر ہوتی ہے اور غیر محقق کی نظر صرف ایک بات پر ہوتی ہے سو مختلف جواب کو جمع کرنا ظاہر ہے کہ کس قدر مشکل ہے۔

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مسلمانوں کی فلاح اور بہبودی اسی میں ہے کہ ہر جگہ جمعیتیں (ادعائے) انجمنیں قائم ہو جائیں تاکہ ایک دوسرے کی خبر گیری کر سکیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ جیسے دُنیا کے کاروبار کے لیے بچاؤ کرتے ہیں۔ ایسے ہی دین کے لیے اور اپنے بھائیوں کی حفاظت کے لیے بھی بچائیں قائم کریں مگر مشکل تو یہ ہے کہ دنیا کی باتوں کو تو ضروری سمجھتے ہیں اور ان مقاصد کو ضروری نہیں سمجھتے حالانکہ بے حد ضروری ہیں۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ بعض لوگ طعن دیتے ہیں فرمایا کہ تم طعن سے بچنا چاہتے ہو یا گناہ سے؟ طعن تو نبیوں کو بھی دیتے ہیں۔ اللہ کو دیتے ہیں صحابہ کرام ادا ائمہ مجتہدین کو دیتے ہیں تم بے چارے تو کیا ہو عرض کیا کہ مولویوں کی حافظوں کی کوئی وقعت نہیں کرتے، فرمایا کہ تو

اس سے ضرور کیا ہے؟ عرض کیا کہ حضرت دنیا کی عزت کی بھی تو ضرورت ہے۔ فرمایا کہ اس کا علاج یہاں پاس نہیں۔ طیب، صحت کی تدبیر کرتا ہے، یہ نہیں کہ کشی گئی کا بھی دوا ہے کہ ایسا علاج کرس گا کہ تو کسی سے مار نہ کھائے گا۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صاحب نے اپنے مدرسے کے لیے مجھ سے کسی مالدار سے سفارش چاہی تھی۔ میں نے بجائے ترغیب اُن کو یہ لکھ دیا کہ یہ شخص بڑے متدین ہیں، اگر کوئی مدرسے میں کچھ دے گا تو یہ مدرسے میں پہنچا دیں گے۔ باقی (مبالغے کیساتھ) ترغیب دینا یہ تو آج کل مانگنا ہے۔ مجھ کو اس سے بھی غیرت آتی ہے۔

ایک صاحب نے مجھ کو عربی میں خط لکھا۔ میں نے دریافت کیا کہ عربی میں خط کیوں لکھا جبکہ اردو میں لکھ سکتے تھے۔ جواب میں لکھتے ہیں کہ جنتیوں کی زبان عربی ہی ہوگی اس لیے برکت کے لیے عربی میں لکھا۔ میں نے لکھا کہ قسم کھا کر لکھو کہ اگر تم کبھی یہاں پر آئے، تو کیا عربی میں گفتگو کر دے؟ اس لیے کہ جیسے عربی تحریریں برکت ہے ایسے ہی عربی تقریریں بھی برکت ہے۔ سمجھتے ہیں کہ ہم نے ایسا جواب دیا کہ اس پر کوئی اعتراض ہی نہیں ہو سکتا۔ تفاخر، بڑائی، اظہارِ علم و قابلیت کے سوا اور کچھ نہیں باہر آتا اور انکار ہی..... رہی ہی نہیں۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ لوگ (نقطہ) اعمال کو دیکھتے ہیں مگر دیکھنے کی چیز ہے (آدمی کا قلب) اس کے دل میں انشاء اور رسول کی محبت کس قدر ہے؟

بدی ہیں۔ گاؤں کے رہنے والے لوگ ہیں مگر اُن کے دل میں انشاء اور رسول کی عظمت اور محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اور زیادہ ضرورت اسی کی ہے کہ دل میں دین کی وقعت ہو، عظمت ہو۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو اس کو پسند کرتا ہوں کہ ہر شخص کام میں لگے چاہے وہ کام دین کا ہو یا دنیا کا۔ جو شخص مشغول ہوتا ہے وہ بہت سی خرافات سے بچا رہتا ہے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ پہلے تو صرف آدمیوں کے نام رکھے جاتے تھے، اب بھرت مکانوں کے بھی نام رکھے جانے لگے۔... فلاں منزل، فلاں منزل ایک قصبے میں ایک چھوٹی سی کوٹھری کا (نام، مدرسہ دارالغیض رکھا گیا تھا۔ مدرسہ دہلی میں اس قدر بڑا مدرسہ ہے اور بزرگوں کے وقت میں اس کا کچھ بھی نام نہیں تھا۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ محسن کشی کا خاص مرض آج کل عام ہو گیا ہے۔ بڑا ہی نازک زمانہ ہے۔ یہ سب بددینی کی بدولت ہو رہا ہے۔... ایک مولوی صاحب کے

سوال کے جواب میں فرمایا کہ حدیث شریف میں یہ قصہ آیا ہے کہ دو شخصوں میں مقدمہ ہوا، ایک ہار گیا اور ایک جیت گیا تو ہارنے والے نے کہا حَسْبِيَ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ جس کے معنی باعتبارِ محادوں کے یہ ہیں کہ اللہ کی ہی نیت تھی دو ہی کافی اور بہترین کارساز ہے (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر) نہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کم ہمتی کو پسند نہیں کرتے۔ اول کوشش کر دیجیہ بالکل عاجز ہو جاؤ تب کہو حَسْبِيَ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمادیا کہ تدبیر اور رضا بقدرِ پس منافات نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں سُنْدُ تقدیر کی حکمت بیان فرمائی ہے کہ — لَكَيْلَاتُ اسْوَأَ عَلَى مَافَاتُكُمْ اس میں بھی یہ بتلادیا کہ تقدیر کا مسئلہ اس لیے تعلیم کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو (کو شش کے بعد) ان کی پر حسرت نہ ہو اور حسرت میں بہت نہ گئے تو یہ مسئلہ بہت بڑھانے کو رکھا یا گیا تھا نہ کہ گھٹانے کو — اب لوگ اُلٹا سمجھ گئے کہ کچھ نہ کرو ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جاؤ — یہ سب کئی علم کی وجہ سے گڑ بڑ ہو رہی ہے — ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ سب میں سہل یہ نام مبارک ہے یعنی اللہ حتیٰ کہ اگر کوئی بہت ہی چھوٹے بچے کو بھی سکھا دے اللہ اللہ تو بسہولت سیکھ سکتا ہے — مسمیٰ تو اتنی بڑی شاہکار کہ وہاں تک سائی مشکل اور نام آنا سہل کہ بچے بھی اس نام کے لینے پر قادر ہیں — کیا برکت والا نام ہے اور کیسا پایا مُسَبِّحَاتُ اللہ

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل بعض علما کا بالخصوص مفتیوں کا یہ طرز نہایت بُرا ہے کہ مسائل کے تابع بن جاتے ہیں خواہ اُس کا سوال فضول ہے یا اُس کے فہم سے بالاتر ہو۔ جو اب ضروری سمجھتے ہیں۔ اس لیے میں مفتیوں سے کہتا ہوں کہ ان سب اُمور کو سوچ سمجھ کر جواب دیا کریں یہ نہیں کہ بالکل مسائل کے تابع بن جائیں بلکہ مسائل کو بھی اس کی غلطی پر تنبیہ کر دیا کریں —

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ لوگ بڑے ہی چالاک ہیں، ہوشیاری اور سید انگریز سے سوالات کرتے ہیں۔ بڑی بڑی تمہیدیں اور بندشیں لگاتے ہیں لیکن میرے جوابوں کو بھرا دہا کہ بڑا نہیں بنا سکتے ورنہ آج کل تو شیخ ہو گیا ہے کہ مولویوں کو سخت مشق بنا دیکھا ہے گویا کہ جھگڑوں میں یہ اُن کے آکر کا رہیں۔ میں کچھ اللہ ان کی نہیں خوب پہچانتا ہوں یہی وجہ ہے کہ مجھ سے خوش نہیں میرے جوابات پر بھلاتے ہیں، بڑا بھلا کہتے ہیں — دوسروں کو اپنا تابع بنا کر اپنے اغراض اور کام نکالا

چاہتے ہیں۔۔۔ یہاں سے کوئی بات ہاتھ نہیں لگتی۔ اس لیے غماہیں۔۔۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جو عمل خلوص اور محبت سے خالی ہو گا۔ وہ بے نفع کا بادام ہے۔ بے رس کا آم ہے۔۔۔ اس کے (یعنی خلوص و محبت کے) پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور جب تک نہ ہو اس وقت تک اس نقالی کو بھی بے کار نہیں سمجھنا چاہیے اس لیے کہ صورت کبھی کبھی سیرت تک پہنچا دیتی ہے۔۔۔ تعمیر انظار ہر باطن کی ضرورت ہے۔ اگر اجتماعاً مائتہ مائتہ نہ ہو تعادل کے بعد دیگرے ہی سہی۔ ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر عملی ریاست بھی ہو تو اس کو نہیں بھڑا چاہیے، کرتا رہے اس لیے کہ ریاست سے عادت ہو جاتی ہے اور عادت سے عبادت۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ایک شخص حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا، بیعت کی درخواست کی حضرت نے انکار فرمایا، اس نے بے حد اصرار کیا، دو یا تین سال تک حضرت انکار کرتے رہے بعد میں معلوم ہوا کہ خفیہ پولیس کا افسر تھا۔۔۔

یہ حضرت گنگوہی کی فرست تھی اور فرست صادقہ کشف سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔۔۔ حضرت گنگوہی کی فرست کا ایک واقعہ اور یاد آئے۔۔۔ دو شخص آدھی رات کے قریب آپ کی خدمت میں آئے کہ یہ روپیہ ہے اس کو مجاہدین سرحد کے پاس پہنچا دیجئے۔ حضرت نے فرمایا کہ نکالو ان یہودوں کو۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دو افسرانگیز تھے۔ امتحان کرنے کے آئے تھے کہ ان کا کچھ تعلق ان مجاہدین سے ہے یا نہیں؟۔۔۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ محض زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلتا۔ کام کرنے سے کام چلتا ہے ایک بزرگ نے بہت اچھی بات لکھی ہے۔ بڑے کام کی بات ہے کہ اسے عزیز و تم (نقطہ) بزرگوں کے مطلقاً کے یاد کرنے کا اہتمام نہ کرو بلکہ اس کی کوشش کرو کہ تم ایسے ہو جاؤ کہ تمہاری زبان سے بھی وہی کلمے لگے جو ان کی زبان سے نکلا۔۔۔ اس کی ایک مثال ہے کہ ایک قلعہ ہے اس میں رسد جمع کرنا ہے تو پانی کا ایک بہت بڑا حوض تیار کر لیا اور اس کو میر دینی پانی سے بھر دیا۔ مگر اس سے اچھا یہ ہے کہ ایک چھوٹا سا کنواں اندر رکھ دو۔ گو پانی تھوڑا ہو گا مگر آتا رہیگا، برابر خرچ کرتے ہو، نکالتے ہو کئی نہ ہو گی۔ اسی طرح اپنے اندر کنواں رکھ دو۔۔۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ جو مشہور ہے کہ ایک روپیہ ایک عقل، دو روپیہ دو عقل تجربے کے خلاف اور بالکل غلط ہے تجربہ تو یہ ہے کہ روپیہ (زیادہ) ہونے سے عقل کو اور زوال ہو جاتا ہے اور یہ

خود اہل اموال کی اقرار دی دگری ہے وہ اس کے متوہین اور عام طور سے زبان بند ہے مگر تین دوپے میں ایک بوتل کانشہ ہوتا ہے تو اگر کسی کے پاس ہزار روپے ہوں تو دس بوتلوں کانشہ ہوا اور جب ایک چلو شراب میں آدمی اٹو بن جاتا ہے تو دس بوتلوں میں عقل کہاں۔ اس لیے وہ مقولہ تجربے کی بنا پر محض غلط ہے عقل سے پیسے کا کیا تعلق؟ ہاں بجائے عقل کے اگر یوں کہا جائے کہ (زیادہ) پیسہ پاس ہونے سے اکل (کھانا) بڑھتا ہے تو بالکل مناسب ہے۔ آج کل عقل کہاں؟ اکل ہے، عاقل کہاں؟ اکل (کھانے) دلے ہیں کہ ہر دقت پیٹ کی فکر ہے، اس کا نام رکھنا ہے کہ عاقل ہیں۔

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اصل 'رعب' وہ ہے جو عظمت سے ہوا اور محض غصہ سے جو رعب ہوتا ہے وہ رعب نہیں وحشت ہے۔ اس صورت میں یہ خیال ہوتا ہے کہ کہیں یہ نقصان نہ پہنچا دے اور اور عظمت کے ساتھ جو رعب ہوتا ہے اس میں ایک محبوبانہ شان ہوتی ہے۔ دلکشی ہوتی ہے حتیٰ کہ اس کے غصے کی بھی یہ کیفیت ہوتی ہے۔

تم کو آتا ہے پیار پر غصہ ہم کو غصے پہ پیار آتا ہے
حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خداداد ہیبت کی یہ حالت تھی کہ اگر خود کلام میں ابتدا فرماتے تو دوسروں کی ہمت کلام کرنے کی ہوجاتی تھی ورنہ بڑے بڑے پیسے ہوا پس ہو جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمت نہیں ہوتی کلام کرنے کی۔ یہ خداداد بات ہوتی ہے۔ سب خدا کی طرف سے ہے۔ اور اصل تو یہ ہے کہ رعب اور ہیبت میں کیا رکھا ہے۔ بندہ بن کر رہنا چاہیے خواہ رعب ہو یا نہ ہو۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل بڑی دوستی اس کو سمجھا جاتا ہے کہ آپس میں کوئی ناگوار اور بے لطفی کی بات کبھی نہیں آئے۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب اور حافظ محمد احمد صاحب کی دوستی ضرب المثل تھی۔ اس پر حضرت مولانا گنگوہی نے ایک بار ان صاحبوں سے استفسار فرمایا کہ میان تم دونوں میں کبھی رنجش کبھی ہوتی ہے؟ عرض کیا کہ ہوتی ہے فرمایا تو ان شاء اللہ تمہاری دوستی باقی رہے گی۔ دیکھئے یہ حضرات کیسے مضبوط تھے ہیں۔ جو چیز دوسروں کے یہاں نقص ہے، اُن کے یہاں کمال بود و برد کے یہاں کمال ہے، وہ اُن کے یہاں نقص۔ بات یہ ہے کہ یہ حضرات، حقیقت شناس ہوتے ہیں، عارف ہوتے ہیں۔ کیسی عجیب، معنی خیز اور پاکیزہ بات فرمائی۔ بظاہر تو معمولی سی بات ہے لیکن حقیقت میں بڑی بات ہے کہ جب تک شکایت رہے دوستی باقی ہے کیونکہ شکایت اُسی وقت ہوتی ہے

جب قلعن کا باتنی رکھنا مقصود ہوتا ہے اور قطع قلعن کے بعد شکایت کہے گا سمجھتے ہیں اسی واسطے کسی نے کہا ہے۔ **وَبَقِيَ الْمَوْتُ مَا بَقِيَ الْعِتَابُ** (جب تک غصہ و شکایت باقی ہے، محبت بھی باقی ہے) **ذوق کا شعر ہے۔**

بے شکایت نہیں اسے ذوق محبت کے مزے بے محبت نہیں اسے ذوق شکایت کے مزے
ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جن لوگوں پر ڈانٹ ڈپٹ اور روک ٹوک زیادہ کرتا ہوں یہ واقعہ ہے کہ اُن کے تعلق یہ جی چاہتا ہے کہ یہ مجھ سے اچھے ہو جائیں گو عام لوگ اس کو عدم مناسبت اور بے تعلقی کی دلیل سمجھتے ہیں۔ دیکھیے جس لڑکے کو استاد ڈانٹا ڈپٹا..... رہتا ہے سمجھ لو کہ اس کی طرف خاص توجہ ہے، شفقت ہے۔ اُس کو کسی قابل بنانا چاہتا ہے یا باپ اپنی اولاد کو مارتا ہے تو کیا یہ بے تعلقی ہے؟ کوئی عاقل یہ کہہ سکتا ہے ہرگز نہیں بلکہ ہر عاقل اور سمجھدار شخص ہی کہے گا کہ اُس کو بنا رہا ہے سزاوار رہا ہے۔ ایک مولوی صاحب یہاں چند بے وقیم تھے اور تھے بہت خوش وضع اور پر مٹھف، کبھی اصلاح کے لیے اُن کی روک ٹوک، ڈانٹ ڈپٹ کرتا تو قرآن سے معلوم ہوتا کہ اُن کو دیر امر ناگوار ہوتا ہے میں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھ ہی کو کون غرض ہے میں نے اپنے طرز کو بدل دیا اور اُن پر ظاہر بھی کر دیا۔ بہت خوش ہوئے کہ میری تعظیم و تکریم ہونے لگی۔ حالانکہ یہ درج کی بات تھی مگر سمجھدار اور فہیم شخص ہی کے لیے یہ سب کچھ ہے۔ بد فہم..... کے لیے کچھ بھی نہیں۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا۔ سلطنت اور حکومت تو عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے کسی پر ظلم نہیں کیا۔ عدل و انصاف کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ مظلوم کی ہمیشہ دادرسی کی کسی جگہ کی نسبت معلوم ہوتا کہ ظلم جگہ کسی قابو یا نہ شخص نے.... کسی پر ظلم کیا ہے تو خود تنہا غیر شناسا ہدیت میں پہنچتے اور تحقیق کرتے..... اور اس کا تدارک کرتے..... خدا اور عجب تھا۔ ہدیت تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سلطنت اور حکومت کرنا تو دینداروں ہی کا کام ہے۔ بے دینوں کا کام نہیں۔ پھر اگر کہیں بد دین سلط ہوں تو میں یہ کہا کرتا ہوں کہ ان بد دینوں میں خوبی نہیں جس کی وجہ سے ان کو سلطنت دی گئی بلکہ ہماری براہی اور ہمارے نقص کی وجہ سے سزا کے طور پر ہم پر ان کو سلط کیا گیا ہے۔ پھر فرمایا کہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ متبع شریعت اور متبع سنت تھے۔ اس لیے وہ صرد سے تبارہ نہیں کر سکتے تھے اُن کو (خواہ مخواہ) بدنام کیا گیا ہے۔ میں اُن کے مزار پر گیا ہوں حیدر آباد دکن سے واپسی پر اتفاق ہو گیا۔ مزار پر چڑھا

الوار معلوم ہوتے تھے اور یہ اتباعِ سنت کی برکت ہے۔

فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا وعظ جامع مسجد دیوبند میں ہوا۔ ایک مضمون کے سلسلے میں حضرت نے ایک مرتبہ کہا اشتر تمام جمع ایک دم نیم عمل کی طرح لوٹنے لگا۔ قاضی محمد اسماعیل صاحب شنگورہی بھی موجود تھے وہ جوش میں آکر کہنے لگے ہاں مولوی جی کبھی کبھی یوں (کبھی تصرفِ توجہ) کر دیا کر دے یہی میں چاہتا تھا۔ اشارہ تھا ایک قصے کی طرف قاضی صاحب نے حضرت مولانا کو ایک بار مشورہ دیا تھا کہ توجہ بھی دیا کیجیے حضرت نے فرمایا میں کیا جانوں (توجہ دینا)۔ عجیب و غریب زمانہ تھا جب یہ سب حضرات جمع تھے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اپنے بزرگوں کو آنکھیں ڈھونڈتی ہیں۔ ۱۲۹۶ھ کے آخر سے ۱۲۹۷ھ (اور ۱۳۱۲ھ تک) قلیل عرصے میں بہت سے بزرگ اٹھ گئے۔ مولانا احمد علی صاحب (محدث سہارنپوری)، مولانا محمد قاسم صاحب (ناٹوٹی)، مولانا عبدالحی صاحب (فرنگی بھٹی) (وغیرہم)۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ (آج کل) اکثر علماء و دانشمندان نے خود ایسا طرز اختیار کر رکھا ہے جس کی وجہ لوگوں کو ان کو نظرِ تحقیر سے دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ بزرگوں نے ہمیشہ ایسے طرز سے جو اشتر اجتناب رکھا۔ فرمایا حضرت مولانا گنگوہی بہت ہی چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھتے تھے۔ وَالسَّمَاءُ ذَاتِ الْبُرُوجِ، وَالتِّينِ۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ قرآن شریف بہت اچھا پڑھتے تھے اور بالکل سادہ پڑھتے تھے۔ باوجود اس کے کہ حضرت کے دانت نہ رہے تھے مگر حمد و ثناء اصلی صفات کے ساتھ صحیح مخارج سے ادا ہوتے تھے اور نہایت خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے تھے۔ یہ نہیں کہ ایک آواز ہو بلکہ لکڑی اور پتھر کی آواز سے ادا اس کے ساتھ وہ خوش آوازی بھی ہوتی تھی جس کی تعریف سلف سے منقول ہے کہ تم جب اس کو پڑھتے سنو تو یہ معلوم ہو کہ خدا سے ڈر رہا ہے۔

عہ مولانا قاضی علی رضا مرحوم ساکن کوٹلی ضلع بریلی (جو کہ حضرت مولانا گنگوہی سے بیعت تھے اور خانقاہ گنگوہی میں متعدد بار حاضر ہوئے ہیں) مجھ سے بیان فرماتے تھے کہ حضرت مولانا گنگوہی اگرچہ حافظ قرآن تھے مگر پادہ علم قراءتوں میں سے ہی ہر جہ سے نماز میں پڑھتے تھے۔ فجر میں بھی، مغرب میں بھی، عشاء میں بھی۔

الْإِنْسَانُ فِي الْقُرْآنِ

(از مولانا سعید احمد اکبر آبادی)

اس عالم آب و گل میں انسان کی حیثیت بڑی عجیب و غریب ہے۔ ایک طرف قدرت نے اس میں وہ قوتیں اور صلاحیتیں رکھی ہیں جن سے کام لے کر وہ مخلوقات الارضی پر حکمرانی کرتا ہے۔ اجرام علویہ سے اپنی خدمت اور نفع رسانی کا کام لیتا ہے۔ ہوا میں اڑتا اور فضا میں پھرتا ہے۔ اب تک اس کا ممکن زمین تھی لیکن اب عالم بالا میں شہم فشیخی کی جدوجہد بھی کر رہا ہے۔ اس کے برعکس وہ دوسری جانب دکھوں، بیماریوں الارضی و سماوی آفات و دلیات کے نرغے میں گھرا ہوا ہے۔ جہاں قدم قدم پر اپنی طاقت و قوت، دولت و ثروت، علم و ہنر اور قوت ایجاد و اختراع کے یاد جو اسے اپنی کمزوری سے کسی اور بیچ میرزی کا احساس ہوتا ہے اور بڑی حسرت کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے:-

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی

ہیو لی برق خرمں کا ہے خون گرم دہقاں کا

پھر انسان کی فطرت میں ایک جذبہ نیایش و پرستش اور عاطفہ محبت و عشق بھی ہے۔ وہ اس جہاں میں حسن و جمال، رنگ و بو، دب و دشت و عظمت دیکھتا ہے تو طبعی طور پر وہ ان صفات کے مظاہر کی طرف اہل اور متوجہ ہو کر ان سے ہم آہنگی یا وابستگی پیدا کرنا چاہتا ہے لیکن جلد یا بدیر اسے محسوس ہوتا ہے کہ اُس نے جن چیزوں سے دل لگایا اور جن کو اپنے لیے سرمایہ راحت و تسکین یا ذریعہ نجات و سلامتی سمجھا تھا۔ وہ بھی اس کی ہی طرح ناقص حادث، ناپائیدار و تغیر پذیر تھیں۔ یہ صورت حال انسان کے لیے سخت اضطراب و کشمکش کا باعث ہوتی ہے اور جب وہ اس سے نکھٹنا چاہتا ہے تو قدرتی طور پر سب سے پہلا سوال اس کے ذہن

میں یہ پیدا ہوئے کہ میں کون ہوں؟ اور میری غرض تکلیف کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ سب سے اہم مقدمہ اور بنیادی سوال یہ ہے اور جب تک انسان کو اس کا صحیح جواب نہیں مل جاتا تاہم اس مذہبیت میں اس کی کوئی جید چیز اس کی فکری نگاہ و درد اور اس کی علمی سعی و کوشش ان میں سے کوئی چیز بھی اس کو اطمینان و سکون اور بخیر و خوشی نہیں دے سکتی۔ اب تمام مذاہب اور فلسفوں کا مطالعہ کر جائیے تو آپ دیکھیں گے کہ ان دو بنیادی سوالات کا جتنا واضح اور مکمل جواب قرآن نے دیا ہے کسی نے نہیں دیا ہے۔۔۔ تخلیق آدم کا اور انجیل میں بھی ہے لیکن میں اس قدر۔

”خداوند خدا نے زمین پر اپنی نہ برسایا تھا۔ اور آدم نہ تھا کہ زمین کی کھیتی کرے اور زمین سے

بخاؤ اٹھاتا تھا کہ تمام روئے زمین کو سیراب کرتا تھا اور خداوند خدا نے زمین کی خاک سے آدم کو بنایا

اور اس کے ہاتھوں میں زندگی کا دم بھونکا۔ آدم جی جی جانا پیدا ہوا۔“ (پیراٹش ۱۲-۵-۷)

لیکن قرآن کو دیکھئے وہ انسان کون ہے؟ وہ کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ اس کی ماہیت کیا ہے؟ اس میں کون سے اعلیٰ صفات اور کمالات ہیں؟ اور تقاضے اور کمزوریاں بھی کس قسم کی ہیں؟ اور وہ کس طرح ان تقاضے اور کمزوریوں کو دور کر کے اپنی شخصیت کی تکمیل اور اس کے ذریعہ اپنے لیے بقائے دوام کا مروتسا لان کر سکتا ہے؟ ان میں سے ہر سوال کا واضح جواب دیتا ہے:

ان سوالات میں جو ترتیب ہے اب ہم اسی کے مطابق ہر سوال کا جواب قرآن سے معلوم کرنے کی کوشش کریں گے۔

انسان کون ہے؟ اس سوال کا جواب سورہ بقرہ کے شروع کی یہ آیت ہے:

قُرْآنُ قَالَ رَبَّنَا لِلْمَلَائِكَةِ

اور اس وقت جبکہ تیرے پروردگار نے زمین

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً

سے کہ میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں۔

اس آیت میں خلیفہ کا لفظ مطلق ہے یعنی کسی کی طرف مضاف نہیں ہے اس بنا پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس کا نائب؟ عام طور پر مشہور یہی ہے کہ اس سے مراد خلیفۃ اللہ ہے چنانچہ صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اور تابعین میں حضرت مجاہدؓ سے مروی ہے لیکن اس قول کو نقل کرنے کے ساتھ ہی علامہ ابن جوزی نے اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حسن بصریؓ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ: اِنَّهُ خَلَفَ مِنْ سُلْطٰنِ فِي الْاَرْضِ قبلہ :- یعنی انسان اس مخلوق کا قائم مقام ہے جو اس کی پیدائش سے قبل زمین

پر آباد تھی علاوہ ازیں ابن خلدون نے مقدمہ فصل ۲۶ میں یہاں یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو بکر کو جب خلیفہ الشریعہ کے پکارا گیا تو آپ نے فرمایا: میں الشریعہ کا خلیفہ نہیں بلکہ رسول الشریعہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں تو ساتھ ہی حضرت ابو بکر کے قول کی توجیہ یہ بھی کی ہے کہ استخلاف تو غائب کے حق میں ہوتا ہے نہ کہ حاضر اور موجود کے حق میں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن خلدون کی رائے میں بھی انسان خلیفہ الشریعہ نہیں ہے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید میں کہیں کسی جگہ خلیفہ کے لفظ کی اضافت، الشریعہ کی طرف نہیں ہے اور غالباً کوئی صحیح حدیث بھی ایسی نہیں ہے جس میں انسان کو خلیفہ الشریعہ فرمایا گیا ہو۔ پھر یہ بھی صحیح ہے کہ قرآن مجید میں خلیفہ کا لفظ اپنی جمع کے ساتھ متعدد مواقع پر استعمال ہوا ہے اور ان سب جگہ ایک قوم کے دوسری قوم کے جانشین ہونے پر مستعمل ہوا ہے، چنانچہ سورہ الانعام میں ہے:

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ
الْأَرْضِ وَرَفَعَ لَكُمْ بَعْضَكُمْ
بَعْضًا دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوَكُمْ فِيهَا
آتَاكُمْ۔

اور وہ خدا ہے جس نے تم کو ایک دوسرے کا
جانشین بنایا ہے اور تم میں سے بعض کا مرتبہ
بعض سے اونچا کیا ہے تاکہ اس نے تم کو کچھ
دے دے اسی میں وہ تم کو آزمائے۔

اس مضمون کو سورہ النمل میں ربانی احسانات و انعامات کا ذکر کرتے ہوئے اس طرح فرمایا گیا ہے
وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ: اور وہ خدا تم کو زمین پر لوگوں کا نائب کرتا ہے۔
سورہ الاعراف میں بعض ان توہیوں کا نام بھی لے لیا گیا ہے جن کی جانشینی ان کے بعد آنے والے
لوگوں کا حاصل ہوئی چنانچہ ارشاد ہوا:

وَإِذْ كَرِهَ اللَّهُ الْمُشْرِكِينَ فَجَعَلْنَا
الْأَرْضَ مَنَاسِكَ لَكَ وَمَنَاسِكَ
لِأُولَئِكَ لِيَعْلَمَ مَا تَعْبُدُ۔

اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ اللہ تعالیٰ نے
تم کو قوم نوح کے بعد ایک دوسرے کا جانشین بنایا۔
ان سے ذرا آگے چل کر فرمایا:

وَإِذْ كَرِهَ اللَّهُ الْمُشْرِكِينَ فَجَعَلْنَا
الْأَرْضَ مَنَاسِكَ لَكَ وَمَنَاسِكَ
لِأُولَئِكَ لِيَعْلَمَ مَا تَعْبُدُ۔

اور یاد کرو جب کہ خدا نے عباد کے بعد تم کو
ان کا جانشین بنایا اور اسی نے تم کو زمین پر ٹھکانا دیا۔

ان آیات سے بظاہر یہی استفاد ہوتا ہے کہ آیت زیر بحث میں بھی خلیفہ سے مراد اس مخلوق کا جانشین
ہوتا ہے جو تخلیق آدم سے قبل زمین پر موجود تھی لیکن سورہ البقرہ اور سورہ الاعراف میں خصوصاً اور دوسری

سور آں میں عموماً مخلوق آدم کو قصہ بیان کیا گیا ہے اگر اس کو بتا تھا بیش نظر دکھائی جائے اور اس کے اسلوب بیان اور اس کے کلام پر غور کیا جائے تو اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ فقط خلیفہ سے خلیفہ انٹرمدیوٹ ہو چکی اس سے اس مخلوق کا جانشین جو آدم سے پہلے زمین پر موجود تھی ہرگز مراد نہیں ہے اس میں کلام نہیں کہ کلام مجید میں خلافت اور خلفاء کے الفاظ سابقہ قوموں کے جانشینوں کے معنی میں آئے ہیں جیسا کہ ہم نے ابھی دیکھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس معنی میں خلافت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بڑی نعمت قرار دیا ہے اور اس پر بندوں سے شکر گزاری اطاعت خداوندی اور عدم فساد فی الارض کا مطالبہ بھی کیا ہے لیکن مخلوق آدم کے قصہ میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کی شان ہی عجیب اور بالکل نرالی ہے یہاں ہوتا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے اپنی مشیت کا اظہار کرتا ہو کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں اب تک فرشتوں نے ارضی مخلوق کو جیسا ظالم مسفاک اور بے رحم پایا تھا سمجھے کہ اب زمین پر جو ایک نئی مخلوق آدم کی پیدا ہونے والی ہے وہ بھی ایسی ہی ظالم اور مسفاک ہوگی اور خدا جس کو خلیفہ بنائے اسے ان کے خیال میں لازمی طور پر سب سے گراں و تقدس آب ہونا چاہیے اس بنا پر خدا سے اس کی مشیت کا علم ہوتے ہی ان کے دل میں ایک کھٹک پیدا ہوئی اور وہ اپنے تعجب کا اظہار شکل استہقام کہ یہ بیٹے کے اے خدا کیا تو اس مخلوق کو خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد انگیزی اور خونریزی کرے گی حالانکہ ہم تو تیری حمد میں زمزمہ سنجی کرتے اور تیری تقدس میں بھی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی ان دذلوں میں سے کسی ایک بات کی تہذیب کی اور تغلیط بلکہ صرف یہ فرمایا انی اعلم ما لا تعلمون ہ تم جن چیزوں کو نہیں جانتے میں جانتا ہوں اس کا مطلب یہ ہوا کہ فرشتوں نے جو کچھ کہا وہ غلط نہیں تھا بلکہ یہ سمجھنا غلط تھا کہ خلافت کے استحقاق کا دار و مدار صرف تسبیح و تقدس پر ہے اس بنا پر جو چیز درحقیقت وجہ استحقاق خلافت تھی اب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اس سے آگاہ کرنے کا ارادہ کیا تو پہلے ہونے والے خلیفہ یعنی آدم کو تمام حقائق اشیاء کا علم عطا فرمایا اور پھر عالم کائنات سے پردہ اٹھا کہ فرشتوں سے اس کی حقیقت دریافت کی تاکہ ان کے استحقاق خلافت کے دعوے کا جھوٹ سچ ہونا ظاہر ہو جائے فرشتوں کو ان حقائق اشیاء کا علم کہاں تھا؟ خود اپنی عاجزی و ددانہ گی کا اعتراف کر لیا اس کے بعد آدم کو علم حقائق عطا ہو ہی چکا تھا اب اس سے پوچھا گیا تو اس نے تمام حقائق بیان کر دیے اور اس طرح خدا نے فرشتوں کو بتایا کہ خلافت کا دار و اصل کیا راز ہے اور اس کی کیا اساس ہے؟ یہ تو تھی استحقاق خلافت اور اس کی اہلیت و صلاحیت کی بات اب خدا نے یہ بتانا چاہا کہ جو مخلوق پر دائرہ خلافت سے سرفراز کی گئی ہے اس کا مرتبہ و مقام کیا ہے؟ اس بنا پر فرشتوں کو حکم ہوا کہ وہ

خلیفہ کو ذرا نہ عقیدت پیش کریں۔ انھوں نے یہ چوں و چرا ان تمیل کی یہ سلاطین اہلس سے بھی تھا۔ لیکن وہ اگر کچھ
تو تحصیل حکم سے سرتابی کر بیٹھا۔ اس کی یاد آس میں ذرا غصہ و گناہ قرار پایا اور ہمیں سے ایمان و کفر کی سرکھائی کے دو
کا کاخ ہوا۔

اس کے بعد وہ مرحلہ آتا ہے جب کہ آدم سے مغزش ہو جاتی ہے اور اس سے ان کی پروردہ دی جاتی ہے
قرآن میں اس مغزش کو اس طرح بیان کیا گیا ہے **فَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ** یعنی آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی
اور وہ راہ سے بے راہ ہو گیا۔ اس کی ان کو یہ سرتابی کہ جنت سے نکلنا پڑا سوال یہ ہے کہ جب آدم کو جنت میں
کا خلافت دینا تھا تو بہر حال انھیں زمین میں آنا تھا تو پھر اس کے کیا معنی ہیں کہ ایک نافرمانی کی یاد آس میں ہمیں
جنت سے زمین میں آنا پڑا؟ اصل یہ ہے کہ آدم کی نافرمانی کا واقعہ کوئی الگ اور منفرد واقعہ نہیں ہے بلکہ آس
سے مر بوط اور استحقاق خلافت کا ہی تتمہ ہے۔ انشر تعالیٰ کو بتانا تھا کہ خلافت وہی مخلوق انجام دے سکتی
ہے جس میں خیر و شر نیکی و بدی اور طاعت و معصیت دونوں کی صلاحیت ہو۔ جو نرم بھی ہو سکتا ہو اور گرم بھی جو
سیدھے راستے پر چل سکتا ہو اور ہبک بھی ہو اور یہ نوع آدم میں ہی پایا جاتا ہے نہ کہ زرخشوں میں جو
اپنی فطرت کے اعتبار سے از کتاب معصیت کر ہی نہیں سکتے جس طرح دلیری وہی معتبر ہے۔۔۔ جس میں قہاری
بھی ہو۔ اسی طرح وہی طاعت و تقیہ ہے جو معصیت کو شمی کے صلاحیت کے ساتھ ہو پھر آدم کے لیے جس کو
خلیفہ بنایا گیا تھا۔ کسب خیر و شر کی یہ صلاحیت اس لیے بھی ضروری تھی کہ اہلس کی نافرمانی اور راہ و گناہ ہونیکے
بعد اس کے چیلنج (اغویہ) بیہما جمعین نے زمین پر نذر اعیر و شر اور آدیش طاعت و معصیت کا ایک مستقل
نہنگہ برپا کر دیا تھا۔ اور اس سے وہی مخلوق عہدہ برآ ہو سکتی تھی جس میں قوت شہوی بھی ہو اور قوت غضبی بھی اور
ان قوتوں میں انفرط و تفریط بھی ہو سکتی ہو اور اعتدال بھی۔ انفرط و تفریط سے ردائل اخلاق پیدا ہوتے ہوں اور اعتدال
سے فضائل اخلاق اظہار ہے یہ صفات آدم میں ہی پائے جاتے تھے۔ اس بنا پر جنت میں آدم کی مغزش و حقیقت
اس بات کا ایک ادبوت تھا کہ خلافت کا استحقاق صرف آدم کو ہے، زرخشوں کو نہیں اور اسی حقیقت کو قسم کرنے
کی غرض سے قرآن میں تخلیق آدم کے قصہ کے ساتھ اس واقعہ کو بھی بیان کیا گیا ہے اور یہ سب اجزا ایک ہی مسئلہ
کی مختلف کڑیاں ہیں۔

بہر حال تخلیق آدم کا واقعہ جس اہتمام سے بیان کیا گیا ہے اور اس میں انشر تعالیٰ اور زرخشوں کا مکمل
انشر تعالیٰ کا آدم کو تمام حقائق انیا کا علم عطا فرمادینا اور پھر زرخشوں کا ان حقائق کے بیان کر دینے سے عاجز

وہ جانا آدم کا اس میں کامیاب ہونا اس کے بعد آدم کا سجدہ نہ کرنا اور ابلیس کا سر تابی کرنا آدم کو آخر میں آدم کا ہو اہل الارض یہ سب چیزیں مجموعی طور پر اسی بات کا ناقابل تردید ثبوت ہیں کہ وَاذْ قُلْ رَبِّكَ لَوْلَا رِزْقُكَ لَإِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً سے مراد زمین کی پیشرو مخلوق کا جانشین ہونا نہیں ہے۔ اور جب یہ معنی مراد نہیں ہیں، تو پھر کیا مراد ہیں، اس کا جواب بجز اس کے کچھ اور نہیں ہو سکتا کہ اس سے مراد اللہ کا نائب ہونا ہو۔ نائب جیسا کہ ان خلدون نے کہا ہے۔ صرف غائب کا نہیں ہوتا بلکہ حاضر کا بھی ہوتا ہے اور خدا کے نائب بننے کے معنی یہ ہیں کہ آدم کو خدا کی طرف سے کچھ فرائض سونپے گئے ہیں اور ان فرائض کا ادا کرنا ہی اس کی تخلیق کا مقصد اور غرض و غایت ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنے فلسفہ خودی کے سلسلہ میں جگہ جگہ اس حقیقت کو بیان کیا ہے۔ ایک جگہ کہتے ہیں:

”مرا رہا ہے جہاں را تو یساری تو یمنی“

اُردو میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

خدا نے تم پر نازل کا دست قدرت تو زباں تو ہے
یقین پیدا کر لے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

اس میں شک نہیں کہ ترکان میں کہیں خلیفہ اللہ نہ ہو نہیں ہے۔ لیکن بعض مقامات پر ایسے اشارات ضرور ہیں جن سے انسان کی نیابت الہی پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً سورہ النور میں اللہ تعالیٰ نے مال کو اپنی طرف منسوب کیا ہے:

وَأَتَوْهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي
أَتَاكُمْ (رکوع ۴)

اور تم ان (غلاموں) کو اللہ کے مال میں سے
دوہو اس نے تم کو دیا ہے۔

اور سورہ الحمد میں فرمایا گیا
آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْفُقُوْا جَمًا
جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيْهِ۔
(رکوع ۱)

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس
مال میں سے خرچ کرو جس میں خدا نے تم کو نائب
بنایا ہے۔

دونوں آیتوں کو ایک ساتھ پڑھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ مال دراصل اللہ کا ہی تھا۔ لیکن اس نے انسانوں کو اس میں نائب بنادیا ہے۔ علاوہ ازیں ترکان مجید میں اِنَّ اللہَ مَعَنَا اللہ ہمارے ساتھ ہو بید اللہ

فوق الیدیم: اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہوا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے یہ ارشاد ماریت باذ
ومیت ولكن الله رمى " اور آپ نے کنکریاں نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں یہ اور اسی طرح کی
بعض اور آیات مثلاً ونحن اقرب اليكم من جبل الوردین: اور ہم شہ رگ گردن سے بھی زیادہ تم سے قریب
ہیں " قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يُحببكم الله: آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ سے محبت کرتے
ہو تو میری پیروی کرو پھر اللہ تم سے محبت کرے گا۔ " فاذا كروني اذكركم: تم مجھ کو یاد کرو میں تم
کو یاد کروں گا۔ یہ سب بطور اقتضاء النفس انسان کے خلیفہ اللہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔
بحیثیت خلیفہ انسان کے فرائض | اس خلیفہ کے فرائض و واجبات کیا ہیں؟ قرآن کی مدد سے وہ
ہیں:

۱۔ بندہ اپنے رہنا اور بندوں کی طرح زندگی بسر کرنا۔

۲۔ کاربہاں اور تعمیر گیتی کے کاموں کا انجام دینا۔

نمبر ایک کا مطلب یہ ہے کہ اسے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں احکام خداوندی کے ماتحت
اسی طرح رہنا ہے جس طرح غلام آقا اور محکوم حاکم کے احکام کے ماتحت رہتا ہے اور نمبر ۲ سے مراد یہ
کہ خدا نے اسے و علم آدم الائمةاء کھا کے ارشاد کے مطابق جو علم کائنات عطا فرمایا ہے۔ اس سے کام لے کر
زندگی میں حسن ترتیب و تنظیم اور زیاباش و آرائش پیدا کرنی چاہیے۔ اب قرآن مجید کا مطالعہ کیجئے تو نظر آئے گا
کہ میں بھی دو چیزیں ہیں جن کے متعلق احکام و تعلیمات سے قرآن بھرا ہوا ہے۔ حضرت داؤد کو جب خلیفہ بنایا
گیا تو ارشاد ہوا:

يَا داود انا جعلناك خَلِيفَةً فِي
الارضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ
وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ
سَبِيلِ اللَّهِ۔
اسے داؤد ہم نے تجھ کو زمین پر خلیفہ بنایا ہے اس
لیے تو لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ
فیصلہ کر اور خواہشات کی پیروی نہ کر و نہ یہ
پیروی اللہ کے راستہ سے منحرف نہ کرے گی۔

اسی آیت میں خلیفہ بصیرت و احد اور غیر اضافت کے ہے اور پھر حضرت داؤد پر بغیر ہونے کے باعث اللہ
کی طرف سے تسلیم و تنفیذ احکام الہیہ کے لیے مامور بھی تھے۔ اس بنا پر یہاں خلیفہ سے مراد یقیناً خلیفہ اللہ ہے
لیکن یہاں خلیفہ سے مراد خلیفہ اللہ نہیں ہے۔ یہاں بھی خلیفہ کے فرائض وہی بتائے گئے ہیں

جو خلیفہ اشتر کے ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ترکان کی اصطلاح اور اس کی نہ باتیں میں یہ سمجھتا ہے کہ وہ ہے کہ یہ شخص یا یہ قوم اشتر کی خلیفہ ہے یا اپنے سے پیش رو شخص یا قوم کی خلیفہ ہے۔ بہر حال نفس خلافت کا مقتضایہ ہے کہ خلیفہ اطاعت خداوندی کرے۔ زمین میں اس دامنِ قائم کرے۔ فتنہ فساد کا خاتمہ کرے اور زندگی کو سنوارنے بنانے اور اسے بحال و ترقی کی منزل تک پہنچانے کا کام انجام دے۔ چنانچہ آیات ذیل ملاحظہ فرمائیے:

واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم
نوح و زادکم فی الارض بسطۃ
فاذکروا آلاء اللہ لعلکم تفلحون ہ
(الاعراف)

اور خدا کا وہ احسان یاد کرو جب کہ اس نے تم کو قوم نوح کے بعد ان کا جانشین بنایا اور تم کو زمین پر اس طرح بکھیرا کہ تم میرا ان میں تو نص تو ش کا پھیلاؤ بھی تم کو اور زمین سے زیادہ دیا تو اشتر کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

پھر چند آیات کے بعد یہ فرمایا گیا:

واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد
عاد و ثمود و اتخذون من
سہولھا قصورا و یختون الجبال سورا
فاذکروا آلاء اللہ ولا تعصوا فی الارض
مفسدین۔

اور خدا کا وہ احسان یاد کرو جب کہ اس نے تم کو قوم عاد کے بعد ان کا جانشین بنایا اور تم کو زمین پر اس طرح بکھیرا کہ تم میرا ان میں تو نص تو ش کا پھیلاؤ بھی تم کو اور زمین سے زیادہ دیا تو اشتر کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

(الاعراف)

پھیلاتے مت پھرو۔

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ آدم کسی شخص واحد کا نام ہو جیسا کہ جمہور علماء اور مفسرین کا خیال ہے اور ترکان سے بھی یہ ظاہر اس کی ہی تائید ہوتی ہے یا اس سے مراد نوع انسان ہو جیسا کہ بعض حضرات کی رائے ہے۔ بہر حال خلافت آدم سے مراد خلافت نوعی ہے نہ کہ فردی اور شخصی کیونکہ تخلیق آدم کے وقت اعلیٰٰ میں ہنگامہ برپا ہوا وہ اس وقت ہرگز نہیں ہو سکتا تھا جب کہ معاملہ صرف کسی ایک شخص کا ہوتا اور وہ ان عالم آب و آگ میں آنے کے بعد حیات مستعار کے چند برس گزارنے کے بعد یہاں داپس چلا جاتا۔ اس بنا پر اگرچہ ذکر شخص واحد کا ہے لیکن اس کی تخلیق کے سلسلہ میں جو کچھ بیان کیا گیا اس کا تعلق اسی نوع سے ہے جس کی نمائندگی یہ شخص کر رہا تھا۔ چنانچہ ایک اور آیت میں اس خلافت کو امانت کہا گیا اور اس کی نسبت انسان کی طرف کی گئی۔ ارشاد ہوتا ہے:

خود کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی شے سے انتفاع اور استعمال اس وقت تک نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ اس چیز کے خواص اس کی اصل ماہیت اور حقیقت کا علم نہ ہو۔ اور صرف علم کافی نہیں۔ بلکہ اس چیز کو اس کی دسترس میں ہونا چاہیے اور اس میں تصرف کرنے کی طاقت و قوت اور صلاحیت و استعداد بھی ہونی ضروری ہے۔ اس کا نام ایجاد و اختراع اور ترتیب و تنظیم ہے۔ اس موقع پر یہ یاد دلانا غالباً بے محل نہ ہوگا کہ یہ اور اسی نوع کی دوسری آیات ہیں جن کی اسپرٹ سے سرشار ہو کر مسلمانوں نے درود عروج و اقبال میں کائنات ارضی و سماوی سے متعلق علوم و فنون کے چمن کھلائے اور ان کو اس درجہ برتری دی کہ محققین اور پکے بقول مسلمانوں کے ہی علوم و فنون.... موجودہ مغربی ثقافت (WESTERN CULTURE) کی بنیاد یا ان کا سنگ میں قرار پائے۔

اور جب انقلاب و درگاہ کا شکار ہو کر استاد بہت پیچھے رہ گیا اور شاگرد نے علوم و فنون میں قیادت کی زمام سنبھال لی تو اقبال نے ترجمان حقیقت بن کر پوچھا:

آتی ہے دم صبح صدا عرش بریں سے کھویا گیا کس طرح ترا جو ہر ادراک
کس طرح ہوا کند ترا شتر تحقیق ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک
یہ تو خیر ایک جملہ متعزض تھا جو بے ساختہ زبان قلم سے ٹپک پڑا۔ اور اس لیے کہ دلی
دل میں اک درد اٹھا آنکھ میں آنسو بھر آئے

بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانے کیا یاد آیا

بہر حال اب جبکہ انسان کو خلافت الہی کے فرائض انجام دینے کی منزل میں قدم رکھنا تھا تو جس طرح بادشاہ کسی کو اپنا نائب مقرر کرتا ہے تو راستہ کے تمام شیب و فراز۔ اس کی دقتیں اور دشواریاں اور ان سے عمدہ برآ ہونے کے طریقے سب کچھ سمجھا دیتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ضروری تھا کہ انسان کو یہ بنادیا جائے کہ اس کے راستے میں کیا کیا خطرے اور اندیشے ہیں۔ اس میں کون کون سی گھائیاں اور دلدلیاں ہیں۔ کیا کیا شیب و فراز ہیں اور ان سب سے دامن بچاتے ہوئے اسے کس طرح سفر کرنا ہے۔ ساتھ ہی خود اس میں کیا کیا کمزوریاں اور گمراہ ہو جانے کی صلاحیتیں ہیں اور درہ اپنی اصل ساخت و پرداخت میں کیا ہے۔ یہ سب کچھ بھی اسے بتادینا ضروری تھا تاکہ وہ نہ گھٹن اور تکبر میں مبتلا ہو اور نہ احساس کمتری کا شکار بنے۔ چنانچہ قرآن نے دنیاوی کے اس پہلو کو بھی نقشہ نہیں چھوڑا۔ اس نے پہلے انسان کی ساخت کو بیان کیا اور بتایا:

- (۱) خلق الانسان من صلصال كالغدار
(مرعون)
(۲) انا خلقنم من طين لازب
(الشفقت)
(۳) ولقد خلقنا الانسان من صلصال
من حيا مسلون (حجر)
گارے سے بنایا۔
ہم نے انسان کو گھار کی مٹی سے بنایا۔
ہم نے انسان کو چمکتی مٹی سے بنایا۔
ہم نے انسان کو کھنکھاتے سنے ہوئے
اور بے شبہ ہم نے انسان کو چنی ہوئی مٹی

من طين (مومنون) سے بنایا۔

یہ سب کچھ اس لیے فرمایا گیا کہ گھنڈہ سب سے بری بلا ہے۔ شیطان بھی اسی سے ارا گیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان بھی منزل حیات کے کسی مرحلے میں اسی میں مبتلا ہو کہ اپنا سب کچھ کیا کر آیا غارت کر دے چٹاں چھ اور ارشاد ہوا: فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ۔ پس انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ ایک اور آیت میں ارشاد ہوا: اَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نَظْفَةٍ فَاذْهَوْا حُصَيْنًا مَبِينٌ لِّكُلِّ اِنْسَانٍ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو نقطہ سے پیدا کیا ہے۔ یہ اور اسی طرح کی اور باری آیات تو انسان کے مادہ تخلیق اور اس کی خلقت کی اصلیت سے متعلق ہیں۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اس کی نفسانی قوتوں کا کیا حال ہے؟ اس سلسلے میں ارشاد ہوا: فَالْاَهِمُّهَا فَجُورُهَا وَتَقْوَاهُ فَنَفْسُ اِنْسَانٍ مِّنْ مَّصِیۡتٍ كُوشًۭی اَوۡرَہٗ بِرَہٗ گارۃِی و دوزوں کی صلا ددیت کر دی ہے۔ زندگی کے نشیب و فراز کی محبت کہا گیا: وَهَدٰیۡنَاۤ اِلَیۡہِۡمُ الْبَحۡرَیۡنِ بِہِمۡ لَے انسان کو دونوں ملتے دکھائیے ہیں۔ اب انسان کو یہ بھی بتانے کی ضرورت تھی کہ طبیعت بشری میں کیا کیا کمزوریاں ہیں جن سے ہوشیار اور باخبر رہنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں ارشاد ہوا خلق الانسان ضعیفاً انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے اور اس کی یہ کمزوری مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ کبھی جلد بازی کی صورت میں خلق الانسان من عجل۔ کبھی تھروٹی کی صورت

۱۔ اس موقع پر یہ یاد رکھنا بھی مفید ہوگا کہ علمائے حیاتیات کے نزدیک انسان کا مادہ حیات جن عناصر سے مرکب ہے یعنی کاربن، ہائیڈروجن، آکسیجن، نائٹروجن، سلفر، فاسفورس، کلورین، پوٹاشیم، سوڈیم، کالشیئم، آئرن وغیرہ وہ سب اور ان کے علاوہ کچھ اور بھی اجزاء مختلف کیمیائی مرکبات کی شکل میں مٹی کے اندر موجود ہیں۔ اور جیسا کہ بحر اضمحنام علی صاحبہمؑ میں قابل قدر کتاب ”قرآن مجید اور تخلیق انسانی“ میں لکھا ہے۔ چونکہ مادہ حیات (PROTOPLASM) کے کیمیائی اجزاء کے علاوہ اور بہت سی کیمیائی اشیاء بھی مٹی میں پائی جاتی ہیں اس بنا پر سلاسلہ مطین یعنی مٹی سے چنی ہوئی چیزیں فرمایا گیا۔

میں ان انسان خلقِ ہلوعاً۔ اذامتہ الشَّرْجِزوعاً وَ اذامتہ الخیرِ منوعاً ۝
انسان بڑا تھوڑا پیدا کیا گیا ہے جب اس کو شر پہنچا ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اس کو خیر پہنچتا ہے آدھ۔
... منع کرنے لگتا ہے۔ مال و دولت کا بڑا رسیا ہے۔ دائۃُ حب الخیر لشدید۔ اسے نیتِ نیت
کے رکھتا ہے اور اسے اپنی بھائی و دام کا ذریعہ جانتا ہے۔ الذی جمع مالاً و عددہ بحسب
ابن مالہ اخلدہ : دولت و شہرت کی بہتات پر اکثر فزوں دکھاتا اور خدا سے غافل ہو جاتا ہے اَلْعَلَمُ
التکاشر: لیکن ان خلقی اور طبعی کمزوریوں کے باعث انسان کو ایسے بدلے اور غمگین نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ اس کی
فطرتِ فطرۃ اللہ الّتی فطر الناس علیہا : خدائے اس کو بہترین سانچہ میں پیدا
کیا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم : اور خدائے اس کو بڑا مکرم بنایا ہے۔
ولقد کرمنا بنی آدم اور کچھ خدا اپنے بندوں کو دیکھنے والا اور ان پر رحم کرنے والا بھی ہے واللہ
رؤوف بالعباد اور واللہ بصیرٌ بالعباد۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان کی فطرت میں خیر :
صلاح اور تھوڑی ہے اور اس میں شر، بدی اور معصیت کوئی عوارض اور خارجی اسباب و عوامل سے پیدا ہوتی
ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں صان ارشاد بھی ہے: کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام
فالباہ یشودانہ اویہضرانہ اویمجسانہ۔

اب تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کو ذہن میں محفوظ رکھ کر اب اس پر غور کرنا چاہیے کہ خلافت آدم چونکہ ایک شخصی اور انفرادی خلافت نہیں ہے بلکہ نوعی ہے اور نوع کا خارج میں کوئی مستقل وجود نہیں نہیں ہوتا بلکہ افراد کے ضمن میں اس کا تحقق ہوتا ہے اور افراد سب ایک سے نہیں ہو سکتے اس بنا پر جس طرح محض کسی شریف اور اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھنے کی احساس پر کوئی شخص شریف اور اعلیٰ مرتبت نہیں ہوتا۔ اسی طرح محض بنی نوع انسان کا ایک فرد ہونے کے باعث کوئی فرد بشر خلافت کے اعزاز کا مستحق نہیں ہو سکتا اور اس کا استحقاق صرف ان لوگوں کا ہوگا جو خلافت الہی کے فرائض و واجبات اور اس کے شرائط و لوازم کو پورا کر رہے ہیں۔ قرآن کی اصطلاح میں ان فرائض و واجبات خلافت کا نام ایمان اور عمل صالح ہیں چنانچہ قرآن نے انفرادی نوع انسان میں یہ تفریق اور تقسیم بار بار بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر دی ہے مثلاً قرآن اگلا والعصران الانسان لحنی خیر الا الذین امنوا و عملوا الصالحات و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر و روه و التین میں ارشاد ہوا: ولقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔

ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۔
 سورہ معارج میں جہاں انسان کے تھڑے پن کا بیان ہے۔ وہاں اس کمزوری کے ذکر کے بعد استثنائی
 شکل میں ایمان اور عملِ صالح کے صفات اور اس کے اقسام کا ذکر شروع کر دیا گیا ہے۔ اس سے یہ صاف
 ظاہر ہے کہ خلافتِ الہی کے اعزاز اور شرف و مجد انسانی کی قبائے زریں صرف انھیں افرادِ بنی نوع انسان
 کے قد و قامت پر راست آسکتی ہے جو ایمان اور عملِ صالح کے زیور سے آراستہ ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو
 نوع انسان کی اصل روایات کے حامل ہیں اور اسی لیے اس نوع کا تقار اور بھرم انھیں کے دم قدم سے
 قائم ہے محض ہستی کی رونق اور چین زارِ عالم کی بہاریں ہیں۔ بہر حال انسان دو ہیں۔ ایک برتر ہے کلی اور دوسرا
 برتر ہے جزئی۔ پہلا انسان وہ ہے جس کی نسبت غالب نے خدا سے شکوہ کیا ہے:

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ بھی پسند گستاخی فرشتہ بہادی جناب میں
 اور یہ دوسرا انسان وہ ہے جس کے تعلق غالب نے ہی کہا ہے:
 بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
 اور یہی وہ دوسرا قسم کا انسان ہے جو اقبال کا مردِ مومن ہے اور جس کو اس نے آواز دیکر
 کہا تھا:

فریادِ افرنگ دلاؤ دیزی افرنگ فریادِ شیرینی دپردہ زلی افرنگ
 عالم ہمہ دیدار از جینگیزی افرنگ سہارم باز تعمیر جہاں خیز
 از خوابِ گراں خوابِ گراں خوابِ گراں خیزند

(برہانِ دہلی)

حرمین پاک کی حاضری

محمد منظور نعمانی

رابطہ عالم اسلامی کا اجلاس جو گزشتہ چند سالوں سے مکہ معظمہ میں رجب میں ہوتا تھا۔ اس سال دو شعبان میں ہوا۔ یہ عاجز راقم مہر اور رفیق محترم مولانا علی میاں اس میں شرکت کے لیے ۱۴ اکتوبر کو (جبکہ حجاز مقدس میں شعبان کی تیسری تاریخ تھی) مکہ مکرمہ پہنچے اور عمرہ ادا کرنے کے بعد اجلاس میں شریک ہو گئے۔ حسب معمول اجلاس دو ہفتے جاری رہا۔ ۱۴ شعبان (۲۵ اکتوبر) کو اجلاس ختم ہوا۔ اگلے دن ہم لوگ مدینہ طیبہ چلے گئے۔ وہاں بھی قریباً دو ہفتے قیام نصیب رہا۔ محمد منا حضرت مولانا محمد زکریا (شیخ الحدیث) دامت برکاتہم کا قیام بھی ان دنوں وہیں تھا۔ حضرت محمد دج آخر اپریل میں تشریف لے گئے تھے انارزہ یہ تھا کہ رمضان مبارک سے پہلے واپسی ہو جائے گی لیکن بعد میں رمضان مبارک وہیں گزارنا طے فرمایا۔ شروع میں چند روز مکہ مکرمہ قیام رہا تھا۔ اس کے بعد سے مدینہ طیبہ ہی مستقر رہا۔ انفرض جب ہم لوگ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو حضرت وہیں مقیم تھے اور یہ بھی ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک مستقل نعمت تھی۔

حضرت شیخ کا قیام مسجد نور میں تھا جو مدینہ طیبہ کی آبادی سے باہر جنت البقیع کی جانب اس سے قریباً ۲۔۲ فرلانگ کے فاصلہ پر ایک نو تعمیر مسجد ہے جس کے آس پاس چند مکانات بھی ہیں۔ یہ مسجد مدینہ طیبہ میں تبلیغی کام کرنے والوں کا گویا مرکز ہے۔ اور انھوں نے خود ہی حال ہی میں بنائی ہے۔ بہر حال حضرت شیخ اور ان کے رفقا کا قیام ہی مسجد سے ملحق ایک مکان میں تھا لیکن پانچوں دن کی نماز مسجد نبوی میں ادا فرماتے تھے بلکہ دن کے اوقات کا بڑا حصہ بعد عشاء تک مسجد شریف ہی میں گزارتا تھا مسجد نور اے مکان میں صرف رات کے اس حصہ میں قیام رہتا تھا جس میں مسجد شریف کے دروازے بند رہتے ہیں اس کے علاوہ فجر کے بعد ذکر کا حلقہ بھی نہیں ہوتا تھا اس کے بعد ضروریات سے فارغ ہو کر اور چاشت کے فوافل پڑھ کر مدسہ شرعیہ تشریف لے آتے اور وہاں بیٹھ کر

ضروری خطوط لکھواتے، اس کے بعد عثمانک کے لیے مسجد فریض میں تشریف لے آتے اور اس پورے وقت میں اپنے اثنال معمولات میں مشغول رہتے۔

ہم لوگ روزانہ دو وقت خدمت میں حاضر ہوتے۔ ایک صبح نماز فجر کے بعد جو ذکر کے حلقہ کا وقت تھا۔ دوسرے عشاء کے بعد دسترخوان پر اس طرح رات کو روزانہ ہم حضرت شیخ ہی کے ہمراہ ہوتے تھے۔ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں بس یہی وقت یعنی عشاء کی نماز سے داپسی کے بعد دسترخوان پر ہمانوں اور دوستوں سے حضرت شیخ کے ملاقات اور بات کرنے کا وقت تھا، دن میں اکثر تو روزہ ہوتا اور روزہ نہ ہونے کی صورت میں بھی دن میں کھانے کا معمول بالکل نہیں تھا۔

حضرت شیخ الحدیث نے اپنے بارے میں طے فرما دیا تھا کہ رمضان مبارک کا پہلا عشرہ مکہ معظمہ میں گزارا جائے گا۔ اس کے بعد مدینہ طیبہ آجائیں گے اور اخیر عشرہ کا اعتکاف مسجد نبوی ہی میں کریں گے۔ ہم لوگ بھی رمضان مبارک کا پہلا عشرہ مکہ معظمہ ہی میں گزارنا چاہتے تھے۔ ۲۸ شعبان کو طے ہو گیا کہ انشاء اللہ ۲۹ شعبان کو مکہ معظمہ کے لیے روانہ ہوگی۔

۲۹ شعبان کو اتوار کا دن تھا چاشت کے وقت مدینہ طیبہ ہی میں عمرہ کا احرام باندھا۔ رکتیں احرام مسجد نبوی میں ادا کیں اور روضہ اقدس پر خصوصی سلام عرض کر کے حضرت شیخ اور حضرت کے ساتھ ہم لوگ بھی مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ روانگی کے وقت حضرت شیخ کا جو حال دیکھا وہ ہم لوگوں کے لیے بڑا سبق آموز تھا۔

بدر کی منزل مدینہ طیبہ سے قریباً ۵۰ کیلو میٹر پر ہے۔ سڑک سے ۳۰۲ کی فری لاگ پر وہ مقام ہے جہاں بدر کا مہر کہ پیش آیا تھا اور جہاں شہداء بدر مدفون ہیں۔ اس سے کچھ پہلے راستہ ہی میں وہ مقام ہے جہاں غزوہ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ”عرش“ بنایا گیا تھا یعنی سایہ دار جگہ بنادی گئی تھی صفوں کو ترتیب دینے اور ضرورت کے مطابق دینے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی عرش میں نماز اور دعائیں مصدور ہو گئے تھے۔ اور اسی دعائیں اللہ ہی جانتا ہے کہ کیسی اضطراری کیفیت کے ساتھ آپ نے بالکل غیر معمولی قسم کا یہ کلمہ نازل اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا تھا ”اللھم ان تھلث ہذا العصابۃ لن تعبد فی الارض بعد“ (یعنی اے اللہ اگر تیرے بندوں کی یہ مختصر سی جماعت تیری مشیت اور تیرے حکم سے یہاں ہلاک ہو گئی تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت نہ ہو سکے گی) اور پھر آسمان سے فرشتے اترے

تھے اور وہ ہوا تھا جو معلوم ہے۔ اب اس جگہ پر مسجد بنی ہوئی ہے اُس کا نام ہی ”مسجد عربش“ ہے۔ پہلے بھی وہاں ایک درد فحہ حاضری نعیم ہوئی ہے۔ اس دفعہ ہمارے موٹریں سرک پر منزل کے تھوہ خانہ کے بجائے مسجد عربش ہی پر جا کر گئیں، حضرت شیخ تو مسجد میں داخل ہو کے داخل میں مشغول ہو گئے، ہم لوگ بھی وہیں رہے، بعض رنھا، جن کا پہلا موقع تھا شہد بزرگی زیارت کو چلے گئے۔ اُن کے دایسے آجانے کے بعد کہ معظم کی طرف روانگی ہوئی۔ اگلی منزل مستورہ تھی وہاں ایسے وقت پہنچے کہ مسجد میں نظر کی جماعت تیار تھی، اتر کے جماعت سے نماز ادا کی اس کے بعد وہیں مسجد میں کھانا کھایا، حضرت شیخ کا معمول دن میں کھانے کا نہیں تھا، لیکن اُس دن ہماری رعایت سے ہمارے ساتھ ہی تبادل فرمایا، بلکہ ہم سب نے حضرت ہی کے دسترخوان پر حضرت کا ہی کھانا کھایا یہاں کی تلی پھلیاں شہور ہیں، حضرت نے ہم لوگوں کے لیے ایک بہت بڑی تلی ہوئی پھلی منگوائی، عمر بھر میں کبھی اتنی اعلیٰ قسم کی پھلی کھانا یا نہیں۔ (بعد میں ایک ذریعہ سے معلوم ہوا کہ یہ ایک پھلی دس ڈیال میں خریدی گئی تھی، مستورہ سے روانہ ہو کر قریباً ڈھائی گھنٹے میں کہ معظم ایسے وقت پہنچے کہ حرم شریف میں عصر کی نماز ہو چکی تھی، ہم لوگوں نے درمہ وصولیہ اتر کے عصر کی نماز پڑھی۔ اب ہم سب کو عمرہ کا طواف اور اس کے بعد سعی کرنی تھی۔ حضرت شیخ الحدیث اپنی معذوری کی وجہ سے چونکہ طواف عربیہ (ہاتھ گاڑی) ہی پھر کر سکتے تھے اور اس کی اجازت رات کے سہ بجے سے پہلے (ہمارے یہاں کے) بجے سے پہلے نہیں ہوتی، اس لیے حضرت کو تو اُس وقت تک کا انتظار کرنا تھا، ہم لوگوں نے مغرب کی نماز حرم شریف میں ادا کر کے عمرہ کا طواف کیا اور سعی کے لیے سعی چلے گئے، سعی کے آخری پھیرے میں منشا کی اذان ہو گئی، سعی سے فارغ ہو کر ہم نے وہیں عشاء پڑھی، اس کے بعد عمرہ کے اختتامی عمل حلق یا قصر کے لیے مردہ کے قریب ہی ایک جان پہچان والے حلاق کی دوکان پر چلے گئے۔

مسجد حرام میں جب ہم مغرب کے بعد طواف سے فارغ ہوئے اور سعی کے لیے جانے لگے تو مجھے خیال آیا کہ حلاق کو دینے کے لیے ایک ڈیال بھی اپنے پاس نہیں ہے، اور اندازہ تھا کہ ہمارے مولانا اعلیٰ میاں کے پاس بھی کچھ نہ ہوگا۔ اسی وقت اشر قلعے نے قادی محمد سلیمان صاحب کو بھیج دیا، میں نے ان سے کہا کچھ ڈیال جیب میں ہوں تو دیجئے، اُن کے پاس آٹھ ڈیال تھیں، وہ انھوں نے عنایت فرمائی، لیکن جب سعی سے فارغ ہو کے ہم لوگ حلاق کی دوکان پر پہنچے تو اس نے بتایا کہ ابھی ابھی مولانا عبد اللہ عباس آئے تھے، وہ آپ حضرات کے ساتھ ہیں دس ڈیال مجھے دے گئے ہیں۔

مولانا عبد اللہ عباس عشاء کی نماز میں ہمارے ساتھ ہی تھے ہم لوگ تو نماز سے فارغ ہو کر حلاق کی دوکان

چلے گئے تھے اور مولانا موصون کو میں نے لکھنؤ ایک تار دیے کے لیے تار گھر بھیجا تھا۔ ابھی تک چاند کی کوئی اطلاع نہیں تھی مولانا عبدالمنٹر عباس تار دے کر حلاق کی دکان ہی پر آ گئے۔ انھوں نے بتایا کہ مجھے تار گھر پر معلوم ہو گیا ہے کہ چاند کی اطلاع ریاض سے آگئی ہے۔ غفر قریب سرکاری طور پر اعلان ہونے والا ہے۔ چند ہی منٹ کے بعد ریڈیو سے سرکاری اعلان ہو گیا۔ ۱۰ رمضان مبارک کے استقبال میں وہاں کے معمول کے مطابق حکومت کی جانب سے توپیں دغنے لگیں۔ ہم نے قیام گاہ پہونچ کے جلدی جلدی احرام کی چادریں اتاریں اور کپڑے پہنے۔ اسی درمیان کسی نے بتایا کہ حرم شریف میں تہذیب کی نماز شروع ہو گئی۔ ہم فوراً حرم شریف آ گئے لیکن ہمارے پہنچے تک ۴ رکعتیں ہو چکی تھیں، دس رکعتیں ایک امام صاحب نے پڑھائیں، دس دوسرے امام صاحب نے۔ دونوں نے صرف اڑھا اڑھا پارہ پڑھا، یعنی میں رکعت میں مشترک طور پر صرف ایک پارہ معلوم ہوا کہ یہی یہاں کا معمول ہے۔ دتر کی تین رکعتیں پڑھیں لیکن دو مسلمانوں کے ساتھ، جو حنابلہ اور شافعیہ وغیرہ کا طریقہ ہے۔ میری رکعت میں رکوع کے بعد بڑے درد اور وحشت کے ساتھ باہر طویل قنوت پڑھی جو بہت سی ماٹور عاؤں پر شست تھی۔

یہ رمضان مبارک کی پہلی رات تھی اور عشاء کی نماز کے کافی دیر کے بعد چاند کا اعلان ہوا تھا۔ عام طور پر لوگوں کا اندازہ تھا کہ تہذیب کی نماز کے بعد شروع کی جائے گی۔ لوگوں نے ہم سے بھی کہا تھا کہ گھنٹے بون گھنٹے کے بعد تہذیب شروع ہوگی، مگر اعلان کے بعد فوراً ہی شروع ہو گئی۔ اس لیے سچ کے دن بہت سے لوگ نہیں شریک ہو سکے اور حرم شریف میں حیرا جمع اور جو نظر رمضان مبارک کی راتوں میں تہذیب میں ہوتا ہے۔ وہ پورے طور پر دوسری رات سے دیکھا جاسکا۔

اشرقتا نے اپنے اس گنگا رنڈہ کو بارہ حرمین پاک کی حاضری اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائی ہے۔ لیکن اس سے پہلے رمضان مبارک میں حاضری کی سعادت کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ حق یہ ہے کہ رمضان مبارک کی راتوں میں خاص کر تہذیب کے وقت مسجد الحرام میں جو حسن و جمال اور جو نورانی سماں ہوتا ہے اس کو کسی طرح بھی الفاظ میں ادا نہیں کیا جاسکتا جس بھی کہا جاسکتا ہے کہ انتر تعالیٰ دیکھنا نصیب فرمائے۔

معلوم ہوا کہ ملک کے دوسرے شہروں اور علاقوں سے اور قریبی عرب ممالک سے بھی لوگ بہت بڑی تعداد میں صرف رمضان مبارک گزارنے کے لیے مکہ مکرمہ آتے ہیں، بہت سے ملکوں سے حجاج کی بھی اچھی خاصی تعداد رمضان مبارک سے پہلے پہونچ جاتی ہے۔ خود ہمارے ہاں سے بھی حاجیوں کا ایک بھری جہاز اکثر شعبان میں پہونچ چکا تھا، اور خود اہل مکہ جس ذوق شوق سے رمضان مبارک میں تہذیب کی نماز میں آتے ہیں، معلوم ہوا کہ دوسری نمازوں میں اس طرح کبھی نہیں آتے۔ اس لیے تہذیب میں حرم شریف قریب قریب کوسم

حج کی طرح بھر انظر آتا تھا، پھر اس وقت موسم بھی حسن اتفاق سے نہایت خوشگوار تھا۔ اور محسوس ہوتا تھا کہ فضا میں غیر معمولی قسم کی کچھ روح پرور لہریں جاڑی ساری ہیں

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا کہ تراویح کی ۲۰ رکعت میں صرف ایک پارہ پڑھا جاتا تھا، اس لیے ضعیفوں اور کمزوروں کے لیے بھی جھکے کا کوئی سوال نہیں تھا، اور غالباً اسی واسطے تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد بیٹھے اور سستانے کا دہاں دہ معمول نہیں دیکھا جو ہمارے ہاں ہر دو رکعت پر سلام پھیر کے فوراً ہی کھڑے ہو جانے کا دستور ہے۔ حرم شریف کے جو دو امام صائبان تراویح دس دس رکعت پڑھواتے تھے، دونوں حضرات کی قرأت نہایت سادہ ہونے کے باوجود بڑی دلکش ہوتی تھی۔ پورے حرم شریف میں لاؤڈ اسپیکر کا آتنا اچھا انتظام ہو کہ صحن میں یا دالانوں میں یا نئے حرم کے کسی بھی حصہ میں آدمی کھڑا ہو جائے بالکل اس طرح سنتا ہے جس طرح امام کے قریب کھڑے ہونے والے سنتے ہیں۔

حرم شریف کی نمازیں امت کے تمام ہی فرقوں اور طبقوں کے نمونے نظر آجاتے ہیں، بعض ایسی باتیں دیکھنے میں آجاتی ہیں جن کے دیکھنے کی آنکھیں بالکل عادی نہیں ہیں۔ اس دفعہ بعض حضرات کو دیکھا کہ تراویح کے لیے امام کے تکبیر تحریرہ کہنے کے ساتھ انھوں نے بھی نیت کر لی، جب امام صاحب نے قرأت شروع کی تو انھوں نے قرآن شریف اپنی جیب سے نکالا اور بڑے اطمینان سے انھوں نے نماز ہی کے اندر دلق گردانی کر کے دہرا کر سنایا جو آج امام صاحب پڑھ رہے تھے اور امام کی قرأت کے ساتھ ساتھ دیکھتے رہے اور پوری تراویح میں ان کا یہی معمول رہا۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض مساجد میں تراویح کی نماز ہی اس طرح ہوتی ہے کہ امام صاحب قرآن شریف جیب میں رکھتے ہیں اور سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد جیب سے نکال کے اُس میں دیکھ کے پڑھتے ہیں۔ — اور وہ اطمینان سے بتایا کہ حجاز مقدس میں بلکہ اکثر بلاد عربیہ میں زیادہ تر مسجودوں میں تراویح میں قرآن پاک کی بس آخری تھوٹی تھوٹی سورتیں ہی پڑھی جاتی ہیں۔ ایسی سجدیں شاذ و نادر ہیں جن میں تراویح میں پائے ہاں کی طرح قرآن مجید سنایا جاتا ہو۔ اور یہ صورت حال اس وجہ سے ہے کہ دہاں عرصہ سے حفظ قرآن کا رواج بہت کم ہو چکا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون

پاکستان علامہ سندھ کے ایک بالوفیق مسلمان ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دولت کے ساتھ دین کے درد کی نعمت بھی بخشی ہے، انھوں نے اس صورت حال کو دیکھ کر کہ قرآن پاک جہاں نازل ہوا تھا دہاں حفظ

قرآن کا رواج اس طرح ختم ہو رہا ہے، کئی سال پہلے سے وہاں حفظ قرآن کی ایک خاص علمی تحریک چلا رکھی ہے جس کا عنوان ”تحفہ قرآن“ ہے، اس تحریک کے ذریعہ انھوں نے حرمین شریفین سے شروع کر کے اب قریب قریب پوری مملکت میں حفظ قرآن کے نظام کا ایک جال بکھادیا ہے، طریقہ کا یہ ہے کہ سرکاری اسکولوں میں تعلیم پانے والے بچوں میں وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنی اسکولی تعلیم کو جلدی رکھتے ہوئے وہ ایک گھنٹہ حفظ قرآن کے لیے بھی دیں۔ جو بچے اس کے لیے تیار ہوجاتے ہیں وہ ان کو معقول وظیفہ دیتے ہیں اور اپنی طرف سے حافظ قادی استاد مقرر کرتے ہیں اور اس کی خواہ کی خود ہی ذمہ داری لیتے ہیں۔ اس تحریک کو سعودی حکومت کی بھی پوری معاونت بلکہ کتنا چاہیے کہ سرپرستی حاصل ہے، نیز حجاز مقدس کے کچھ اہل غیر بھی اشتراک عمل اور تعاون کر رہے ہیں، اس کا لاکھوں کا بھگ ہے۔۔۔ اب اس تحریک اور کوشش کا یہ نتیجہ اور کچھ بھی سامنے آگیا ہے کہ سرکاری اسکولوں میں تعلیم پانے والے سیکڑوں لڑکے حافظ ہو گئے ہیں، معلوم ہوا تھا کہ ان میں سے سو سے زیادہ لڑکے اس سال مختلف مقامات پر مسجدوں میں تراویح میں قرآن پاک سنارہے ہیں۔۔۔ ان میں سے دس لڑکے حرم شریف میں بھی تراویح ختم ہوجانے کے بعد مختلف سمتوں اور گوشوں میں واپس قرآن مجید سنارہے تھے، ان کے پیچھے سننے والوں کی ابھی خاصی تعداد ہو جاتی تھی، خود راقم سطور نے انہیں سے کئی ایک کا سنا، جن کا سنا بہت ہی اچھا پڑھتا ہوا پایا۔

اشتر کی شان ہے کہ اس کی توفیق اور مدد سے اس کے ایک بندہ کی محنت نے حجاز مقدس کے اندر حفظ قرآن کے مستقبل کو جو بالکل تاریک نظر آ رہا تھا، ایسا روشن کر دیا ہے۔ یہ صاحب یوسف سیٹھی کے نام سے محدث ہیں ایک نو مسلم خاندان کے فرد ہیں، غالباً ان کے والد ہی نے (جو ایک بنیہ تھے) اسلام قبول کیا تھا اور وصیت کی تھی کہ اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس کے لیے سب کچھ قربان کر دیا جائے۔ کس قدر بر محل ہے اگر کہا جائے۔

باسم اللہ گئے کعبہ کو صنم خانہ سے

رمضان مبارک کی چودھویں رات، مکہ معظمہ میں ہمارے قیام کی آخری رات تھی، اس رات کو ہم لوگ شیخ صاحب قزاز کے ہاں کھانے پر مدعو تھے۔ یہ بہت سی حیثیتوں سے مکہ معظمہ کے خواص معززین میں بلند مقام ہیں۔ رابطہ کے نائب امین عام بھی ہیں، بڑی قابل ذکر سعادت یہ ہے کہ حرم شریف کی جدید تعمیر کا سارا کام ان ہی کی نگرانی میں ہوا ہے اور ہو رہا ہے، حکومت نے اس کی کوالی سمجھ کر یہ عظیم ذمہ داری ان کے سپرد کی تھی، گویا یہ اس شعبہ کے مدیر (ڈائریکٹر) ہیں۔ اسم باسعی شیخ صاحب ہیں، تحریک تحفہ قرآن کے بھی مخصوص

تین معادن ہیں۔ انھوں نے کھانے پر ہمارے ساتھ یوسف سیٹی صاحب اور اُن کے رفیق کارڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب کو بھی مدعو کیا تھا، اس موقع پر تحریک کی رفتار ترقی پر تفصیل سے گفتگو کا موقع ملا، اسی صحبت میں یہ معلوم ہوا کہ اب لڑکوں کے علاوہ لڑکیوں میں بھی حفظ قرآن کی یہی کوشش اُسی پنج پر شروع کر دی گئی ہے، اس کے لیے سو حافظ قرآن خواتین کی حضرات حاصل کی جا چکی ہیں اور وہ لڑکیوں کو قرآن پاک حفظ کرا رہی ہیں۔ یہ معلوم کر کے بڑی عورت ہوئی اور دل پر چوٹ لگی کہ تلاش اور کوشش کے باوجود ایک بھی حافظ قرآن حجازی خاتون اس کام کے سلسلہ میں حاصل نہیں ہو سکیں، جو تو خواتین اب تک دستیاب ہوئی ہیں اُن میں سے ایک پاکستانی ہیں اور باقی تینادے جادی ہیں۔ اللہ کی شان اِجابی، مہبط قرآن حجاز مقدس سے بعید ترین ملک ہے، لیکن اس بیسویں صدی میں بھی قرآن پاک کے ساتھ ایسا تعلق کہ تلو میں تلوادے حافظات جادی مبارک ہو جادی گو یہ امتیاز اور یہ توفیق! دینی ذالک فلیتنا فی المتنافسون ۵

بہر حال امید کرنی چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حجاز مقدس میں لڑکیوں میں حفظ قرآن کا یہ کام شروع کر لیا ہے تو انشاء اللہ تھوڑے ہی عرصہ میں سیکڑوں اور اس کے بعد ہزاروں حافظات دہاں ہو جائیں گی۔ اس عاجز نے تحریک حفظ قرآن اور ادارہ تحفظ القرآن کا کسی قدر تفصیل سے یہ تذکرہ صرف اس امید پر یہاں کر دیا ہے کہ اللہ کے بندے اس سے سبق حاصل کریں۔

ادھر عرض کیا جا چکا ہے کہ جب ہم لوگ وسط شعبان میں مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت شیخ الحدیث وہیں مقیم تھے۔ پھر وہ شعبان کو جب حضرت کہ معطلہ آئے تو ہم لوگ بھی ساتھ ہی آئے۔ اور جب تک ہم لوگ کہ معطلہ رہے حضرت کا قیام بھی وہیں رہا۔

الفت سن کے ناظرین میں یقیناً اچھی خاصی تعداد ایسے حضرات کی ہے جن کا حق ہے کہ حضرت کے شب و روز کا جو نظام ہر مین پاک کے زمانہ قیام میں دیکھا وہ ان تک بھی ہو نچا دیا جائے۔ اس لیے کافی فکر و تامل کے بعد چند سطریں اس بارے میں بھی لکھ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ یقین ہے کہ اللہ کے بہت سے بندوں کے لیے یہ تذکرہ انشاء اللہ بہت نافع ہوگا۔ اور یہ عاجز اپنی محکم فیسی اور آرام طلبی کی وجہ سے جو فائدہ لکھوں سے دیکھ کے نہ اٹھا سکا، انشاء اللہ بہت سے باتوق بندے الفت سن کے صفحات میں پڑھ کے اٹھائیں گے، اور پھر رب کریم مجھے بھی ان کے حساب میں اجر سے نوازے گا، اور اس طرح کسی وجہ میں میری غرضی کی انشاء اللہ توفیق ہو جائیگی۔

عرض کیا جا چکا ہے کہ مدینہ طیبہ میں حضرت کا قیام مسجد نذر سے ملحق ایک مکان میں تھا۔ دن کے زیادہ تر اوقات تو نماز عشاء کے بعد تک مسجد نبوی ہی میں گزرتے تھے، لیکن رات کو بعد عشاء جب مسجد شریف کے دروازے بند ہونے کا وقت قریب آتا تھا تو حضرت (نماز فجر تک کے لیے) یہاں قیام گاہ پر آ جلتے، فوراً ہی دسترخوان لگ جاتا، بہت سے مخلصین و محبین اپنے اپنے گھروں سے بھی انواع و اقسام کے کھانے لاتے اور سب شریک ہوتے، حضرت شیخ کے کچھ کھانے تیسرے کا اور درستیوں، نیاز مندوں اور دوسرے آنے جانے والے حضرات سے ملاقات اور بات چیت کا بھی دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں بس ہی ایک وقت تھا، اس لیے اچھا خاصا مجمع ہو جاتا۔

دسترخوان پر مختلف انواع و الاوان کے اتنے کھانے جمع ہو جاتے جن کا شمار بھی آسان نہ ہوتا، اور مان محسوس ہوتا کہ یہ اکثر تعالے کی طرف سے ”حسنہ دنیا“ اور ”مائدہ ربانی“ ہے۔ حضرت شیخ کا دسترخوان پر بیٹھنے کا یہ پورا وقت اور ساری فکر تو جو اس پر صرف ہوتی کہ ہر زمان اور ہر شریک دسترخوان کو حتیٰ الوسع کھانے پینے کی چیزیں پہنچ جائیں اور صحت التفات سے بھی ہر ایک کا دل خوش کیا جائے، اور فرق مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے ہر ایک کا حتیٰ ادا کیا جائے۔ غور کرنے والا دیکھ لیتا کہ خود برائے نام کھارہے ہیں، بس کوئی کوئی چیز چکھ رہے ہیں، صرف دوسروں ہی کو کھلا رہے ہیں، اور ان کا دل خوش کرنے کے لیے انتہائی بے غلغلی کے اپنے خاص انداز میں گفتگو فرما رہے ہیں، ظریفانہ باتیں اور دلچسپ فقرے سنا رہے ہیں، بہت سے نئے آدمیوں کے لیے یہ بات سوجھ بوجھ ہوتی ہوگی کہ دسترخوان پر اپنے ہمالوں اور نیاز مندوں کے لیے اتنا ہشاش بشاش اور ایسی ذائقہ دہا باتیں کرنے والا ہی آدمی ہے، جو اس وقت کے علاوہ اپنے باقی سارے اوقات میں اور دن بھر مسجد شریف میں باطل ساکت، صامت اپنے اشغال و معمولات میں مشغول رہتا ہے۔ تھوڑی دیر کی اس دسترخوانی مجلس میں جنت کا لطف آ جاتا۔ تقریباً پون گھنٹہ اس کھانے کھلانے میں صرف ہوتا، اس کے بعد اذکار طہیتم و فاتحہ کے ترانے کی قرآنی حکم پر عمل ہوتا اور مجلس ایک دم منتشر ہو جاتی، سب لوگ فوراً ہی اپنی اپنی جگہ کو روانہ ہو جاتے اور حضرت بوجہ لیت جاتے، تھوڑی دیر آرام فرمانے کے بعد سویرے ہی مسجد کے لیے ٹھٹھ جاتے اور اخیر شب تک اُس میں مشغول رہتے، فجر کا وقت قریب آنے پر اس کی تیاری فرماتے اگر دزدہ کا دن ہوتا تو صبح صادق ہونے سے پہلے چائے کی ایک پیالی پی لیتے، کبھی کسی خادم کے اصرار سے اس کے ساتھ ایک دڈچھ کھانے کی کوئی چیز بھی لے لیتے، درنہ چائے ہی پر اکتفا فرماتے، اور بس یہی سحری ہو جاتی، پھر اذان فجر سے پہلے مسجد شریف آ جاتے، نماز فجر کے بعد پھر قیام گاہ واپسی ہوتی، اور تقریباً ایک گھنٹہ یعنی اشرق تک ذکر کا حلقہ

ہوتا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد سب رفتار اور خدام تو چائے ناشتہ وغیرہ کرتے یا کچھ آرام کرتے لیکن حضرت نوافل میں مشغول ہو جاتے۔ اور قریباً دو گھنٹے میں فارغ ہوتے۔ اگر روزہ کا دن نہ ہوتا تو اس وقت صرف ایک پیالی چائے پیتے۔ اور عشاء تک کے لیے کھانے پینے سے بالکل فارغ ہو جاتے۔ حجازی وقت کے حساب سے قریباً آٹھ بجے وہاں سے قریباً آٹھ بجے صبح) مدرسہ شریف آ جاتے (جو مسجد شریف کے بالکل برابر میں ہے) اور وہاں ضروری ڈاک لکھاتے۔ یا کسی کو تخلیہ کا وقت دیا ہوتا تو اس سے ملاقات اور بات فرمالتے، پھر وضو وغیرہ سے فارغ ہو کے مسجد شریف آ جاتے۔ اور ظہر تک اپنے اشغال و معمولات میں مشغول رہتے۔ نماز ظہر کے بعد پھر مدرسہ شریف ہی میں تھوڑا سا آرام کے عرصے بہت پہلے مسجد شریف چلے جاتے اور اکثر دنوں میں اس وقت سے عشاء تک مسلسل مسجد شریف ہی میں اپنے معمولات میں مشغول رہتے۔

ہفتہ کے ۳۰۲ دنوں میں عصر کے بعد بھی تھوڑی دیر کے لیے مدرسہ شریف میں تشریف لاتے اور قریباً ایک گھنٹہ مجلس ہوتی۔ جس میں کوئی مفید دینی و اصلاحی کتاب پڑھی جاتی اور کبھی حضرت اپنے بزرگوں کے سبق آموز واقعات سناتے۔

مدینہ طیبہ کے قیام میں شروع میں قریباً دو مہینے تو مسلسل بلا ناغہ روزے رہے۔ یہ دو مہینے مئی جون کے تھے۔ اس کے بعد سے ایسا نظام تھا کہ اسطرح مہینے کے نصف دنوں میں روزہ ہوتا تھا اور نصف دنوں میں روزہ نہیں ہوتا تھا۔ لیکن جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا۔ روزہ نہ ہونے کے دن بھی صبح صرف چاشت کے وقت ایک پیالی چائے پیتے تھے۔ پھر جس دن روزہ ہوتا تھا صرف ایک کھجور سے انظار کر کے عشاء تک ادا بین اور اپنے معمولات میں مشغول رہتے عشاء کے بعد ہی احباب و رفقاء کے ساتھ دسترخوان پر کچھ کھاتے۔

یہ نظام یا پروگرام تو مدینہ منورہ کے زمانہ قیام میں دیکھا۔ مکہ معظمہ میں آ کر رمضان مبارک میں اس پر یہ اضافہ ہو گیا کہ روزانہ رات کو حرم شریف میں تراویح ختم ہونے کے بعد ”تسبیح“ یا ”حجرانہ“ حاکم عمر کا احرام باندھتے، وہاں سے آ کر طوان اور سعی کرتے اور حلق کرتے۔ اس کے بعد فجر تک کے لیے مسجد میں مشغول ہو جاتے، اور صبح میں ایک پیالی چائے پی کے یا کسی خادم کے اصرار سے اس کے ساتھ ایک آدھ چھ کوئی چیز لے کر فجر کی نماز کے لیے حرم شریف آ جاتے فجر کے بعد قیام گاہ (مدرسہ صولتہ) آ کر تھوڑا سا آرام کر کے پھر چاشت کے نوافل میں اور پھر اس کے بعد تلاوت وغیرہ اپنے معمولات میں اگلی فجر تک کے لیے مشغول ہو جاتے یعنی رمضان مبارک میں آرام رات کو کبھی بالکل نہیں۔ بلکہ صرف فجر کے بعد سے چاشت کے وقت تک میں دو ڈھائی گھنٹہ

اس کے علاوہ دن رات میں کسی وقت لینا بھی نہیں — پھر رمضان میں بھی روزانہ عتر ایک گھجور سے افطار کر کے نوافل میں عشاء تک مشغول رہتے۔

یہ سب کچھ ضعف و نفاذاتی کی اس حالت میں ہے کہ برسوں سے یہ کیفیت ہے کہ دو آدمیوں کے سہاگے کے بغیر نہ کھڑے سے بیٹھ سکتے ہیں نہ بیٹھے سے کھڑے ہو سکتے ہیں نہ دو قدم چل سکتے ہیں لیکن جبکہ اوپر تفصیل سے ذکر کیا جا چکا دن رات کے ۲۴ گھنٹے میں مشکل سے ۲-۳ گھنٹے آرام اور سونے کے تسلی کر کے باقی سارے وقت اپنے اشغال و معمولات میں اس انہماک اور تندی سے مشغول رہتے ہیں کہ غور سے دیکھنے والا سوچنے لگے کہ یہ بندہ گوشت پوست سے بنا ہوا آدمی ہے یا تو ہے سے بنی ہوئی کوئی مخلوق۔

الحمد للہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایسے نونے اب بھی موجود ہیں۔ بلاشبہ ہماری اس دنیا میں ایسے بندگانِ خدا کا وجود آپ کی اور آپ کے لئے ہوئے دین حق کی صداقت کی نشانیوں میں سے ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ نظام زندگی ایسا نہیں ہے جس کی سبب تقلید کہ سکیں یا جس کی سبب کو دعوت دی جائے۔ اس سے سبق نہ لینا بڑی غرہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم جیسے آرام طلبوں اور عیش کو شوق کو سبق لینے اور عبت حاصل کرنے کی توفیق دے۔

ناظرین کرام کو یاد ہو گا کہ چند مہینے پہلے راقم سطو نے اخلاقیات کے صفحات میں الجہد کی علالت کا ذکر کر کے دعائے صحت کی درخواست کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت، اُن کی علالت کا وہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اس درمیان میں حالت کبھی کبھتر اُدھر کسی حد تک قابلِ اطمینان رہی۔ اور کبھی اس کے برعکس اور زیادہ تنہم ہو گئی۔ شروع ستمبر (آخر رجب) میں رابطہ کے اجلاس کا وقت قریب آیا تو ان کی حالت کچھ غنیمت چل رہی تھی اسی لیے میں سفر کا فیصلہ کر سکا۔ اور نیت کر کے روانہ ہوا کہ اگر کیفیت ایسی ہی رہی تو انشاء اللہ رمضان مبارک وہیں گزرے گا۔ واپسی ہوگی۔ شروع میں یہی اطلاع ملتی رہی کہ مرض میں کوئی زیادتی نہیں ہے۔ حالت ایسی ہی چل رہی ہے۔ اس لیے رابطہ کے اجلاس کے خاتمہ کے بعد میں مدینہ طیبہ چلا گیا اور دو ہفتے وہاں قیام کیا۔ وہاں یہ نظام بنایا کہ اگر جلدی ہوگی کی مجبوراً نہ ہوئی تو انشاء اللہ حضرت شیخ الحدیث کے پردہ کرام کے مطابق رمضان مبارک کا پہلا عشرہ پا کچھ مزید کہ منظر میں گزرا کہ حضرت کے ساتھ ہی پھر مدینہ طیبہ آجائیں گے لیکن کہ منظرہ دایں آکر میرے استفسار سے تاہم کہ جواب میں ہر رمضان کو تاہم ملا جس میں الجہد کی حالت کے جیسی نظر جلدی واپسی کا مشورہ دیا گیا تھا بیچانچہ

دایمی کا فیصلہ کر لینا پڑا۔ رفیق محترم مولانا علی میاں کو بھی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے کاموں سے دستبردار مقرر کیا گیا۔ ایک لکھنؤ پہنچ جانا تھا۔ چنانچہ ہم دونوں رمضان مبارک کے صرت ۱۴ دن کہ منسلک میں گزار کے ۱۵ دین کی صبح جدہ سے روانہ ہو کر اسی دن بمبئی آ گئے۔ یہ دو شنبہ کا دن تھا اور ہمارا ۱۵ دن روزہ تھا لیکن بمبئی میں بلکہ سارے ہندوستان میں اس دن رمضان مبارک کی تیرہویں تاریخ اور تیرہواں روزہ تھا تو اس بنا پر رمضان کے آخری منگل کو جب یہاں ۱۸ دن روزہ تھا تو ہمارا تیسواں تھا۔ بڑھ کو ہم نے ۱۳ دن روزہ رکھا۔ اگر ہندوستان کے بہت سے دوسرے شہروں کی طرح لکھنؤ میں بھی ۲۹ کی رویت ثابت نہ ہوئی ہوتی تو ہم کو بتیوں اور روزہ بھی رکھنا پڑتا کیونکہ قرآن مجید نے پورے ماہ رمضان کے روزے فرض کیے ہیں۔ پس جس ملک میں ہم ہوں جب تک وہاں رمضان رہے گا ہم پر روزہ فرض ہوگا۔ اور جس دن شوال کی پہلی تاریخ ہوگی پہلے روزہ رکھنا ناجائز ہوگا۔ اب خواہ روزے اس رکھنے پڑیں یا ۳۲ یا بعض صورتوں میں صرت ۲۸ یا ۲۹۔ یہ ان مسائل میں سے ہے جن کا پہلے تصور بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن نئے حالات میں وہ واقعات بن کر سامنے آ گئے ہیں۔ ہمارے فقہ کی عام کتابوں میں اصل مذہب اسی کو قرار دیا گیا ہے اور اسی کو فضیلت بہ لکھا جاتا رہا ہے کہ رویت ہلال کے بارے میں اختلاف مطاع معتبر نہیں۔ اور مشرق یا مغرب میں کہیں بھی رویت ہو جائے تو سب پر اس کے مطابق عمل لازم ہوگا۔ لیکن اب یہ بات ایک واقعہ بن کر سامنے آ گئی ہے کہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔ اور بعد مضافت اور اختلاف مطاع کی وجہ سے رویت میں ۲۰ دن کا بلکہ اس سے زیادہ کا بھی فرق ہو سکتا ہے بلکہ ہونا لازم ہے۔

یہ صرت ایک مثال ہے۔ ورنہ ایسے بہت سے مسائل ہیں جن کے بارے میں نئے حالات اور نئے اکتشافات اور معلومات نے از سر نو غور و فکر اور نئے فیصلوں کی ضرورت پیدا کر دی ہے۔ فقہ اسلامی کی تاریخ میں ایسی مثالوں کی کمی نہیں ہے کہ نئے حالات اور معلومات سامنے آنے پر فقہاء نے نئے سرے سے غور و فکر کیا اور نئے فیصلے کیے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اس حمد کے علماء و شریعت کو اس ذمہ داری کے ادا کرنے کی توفیق دے۔

آپ حج کیسے کریں؟

حج کے موضوع پر اردو میں بیشمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن یہ کتاب جو دراصل مولانا نعمانی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی کی مشترک تالیف ہے اپنی اس خصوصیت میں اب بھی ممتاز اور منفرد ہے کہ یہ بہت آسان اور دلنشین آغاز میں حج کا طریقہ اور اسکے احکام و مسائل بھی بتاتی ہے اور وہ ذوق و شوق اور جذبہ عشق بھی پیدا کرتی ہے جو حج و زیارت کی حمان ہو۔

اگر کے جن بندوں نے اس کتاب کو لے کر اور اس کی رہنمائی میں حج کیلئے ان کا بیان ہو کہ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہو کہ ایک ماہر اور مخلص معلم اور صاحب دل مرشد انکلی پیکر کرسنوں اور عاشقانہ حج کر رہا ہو۔ آخر میں شوق انگیز اور وجد آور نظمیں بھی شامل ہیں۔ قیمت مجلد صرت ۲/-

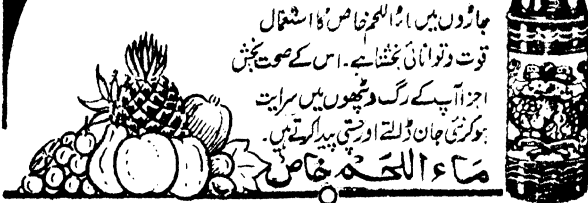
اسان حج | یہ آسان زبان میں "آپ حج کیسے کریں" کا خلاصہ ہے۔ یک تعلیم یافتہ حضرات کے لیے بہترین معلم و رہنما ہے۔ جیسی سائز، آفٹ کی طباعت قیمت ۲/-

قریباً دو سو سال پہلے کا قابل دید سفر نامہ حج

مراد آباد کے ایک درویش صفت عالم دین اور رئیس مولانا شاہ رفیع الدین صاحب نے جو حضرت شاہ ولی اللہ کے شاگرد تھے ۱۲۰۱ھ میں سفر حج کیا تھا، ان کا یہ سفر دو سال میں پورا ہوا تھا، انھوں نے فارسی زبان میں قصص سے مدد و سفر لکھی تھی ادارہ الفرقان نے اس کا اردو ترجمہ شائع کیا تھا جو اب علم اور ادب اپنے حق کے لیے خاص محمد ہو۔ قیمت ۲/-

ملنے کا پتہ ہے: مکتب خانہ الفرقان، بچھری روڈ، لکھنؤ

صحت کا توازن ...



نڈائیت اور توانائی سے بھرپور بہترین طماک

دواخانہ طبیب کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ



قرآن آپسے کیا کہتا ہے؟

بیالینٹ۔ مولانا محمد مظہر عثمانی

بلاشبہ قرآن مجید کی دعوت و تبلیغ کو ہی انسانییت کے لئے آبِ حیات ہے، لیکن ہماری دنیا اس سے نا آشنا ہے جیسا تک کہ اس کو "کلامِ الہی" ماننے والی اُمت کی غالب اکثریت بھی اس سے بیگانہ ہے

یہ کتاب

اسی صورت حال کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔

- یہ قرآنی دعوت اور اس کی اہم تعلیمات کا ایک جامع خلاصہ ہے۔
- جس میں ہر عنوان کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت مختصر و موجز پرورش یافتہ انداز میں لکھا گیا ہے۔
- خاص طور پر قرآن کی دعوت کو جدید کلمہ بیان اس کتاب کا شاہکار ہے۔
- یہ اصل ایک نئے طرز کی کتاب ہے جو قرآن کی دعوت سے روشناسی کے ساتھ ساتھ قرآن کے عجایب بیان کا بھی لذت شناس کرتی ہے۔

نہایت اعلیٰ کتابت و جلد بندی، ۲۰۰ صفحات، جلد بند، مگر واپس، قیمت ۵/۲۰

انفین لکھنؤ

Regd. No. L-359

Monthly 'ALFURQAN' Lucknow.

VOL 37 NO. 9

DECEMBER. 1969


ROLEX


OMEGA

WEST END

CITIZEN

SARGENT

FAVRE-LEUBA

ROAMER

لکھنؤ

اومیکا

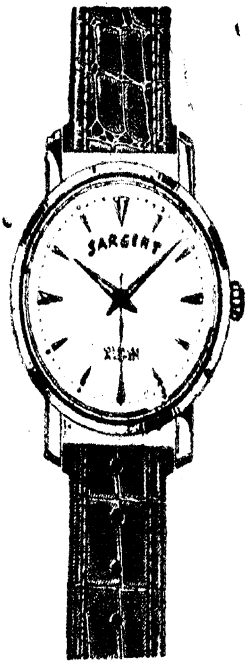
ایسٹ

سیٹرن

سارگنٹ

فیو لوبا

روامر



مکتہ المکرمہ ومدنیۃ المنورہ میں

راج دربارت کے لئے برب خدا
آپ کو لائے اور گھڑی کی ضرورت

محسوس ہو تو پاک محل کے

کسی بھی شوروم میں تشریف لا کر

قسم کی گھڑیاں نئے ڈیزائنوں

میں بار حمایت خرید فرمائیں۔ اپنے آئیڈل دوست احباب کو بیک وقت کراویں

پاک محل - المکتہ المکرمہ

افسانہ

۹/۲ - اس

محمد علی

عقیدۃ الہیہ

پشکوان کے عُمدہ تیلوں میں گپ کی خاص پسند۔

پوسٹ مین برانڈ
صاف کیا ہوا مونگ پھلی کا تیل
۳۰۲۰۱ اور ۳۰۲۰۵ کلو

عُمدہ ونا پتی
۳۰۲۰۵ اور ۱۶۲۵ کلو

ستلولا، ستل کا تیل
۳۰۲ اور ۵۵۵ کلو

ہائیڈر جینٹل ناریل کا تیل
۳۰۲ اور ۱۱۱ کلو

کوکو جارج

صاف کیا ہوا ناریل کا تیل

۳۰۲ اور ۵۵۵ کلو

امی سلاڈ تیل

۳۰۲ اور ۵۵۵ کلو

اسٹیمر سلاڈ، بیسی ۸

مَا لَمْ يَجِدْ
غیر ملاک سے
۵ اشناک
ہوائی ڈاک کے لیے مزید
محصول ڈاک کا اخاذ

الکھنؤ دفتر

اس شمارہ کی قیمت — ایک روپیہ

مَا لَمْ يَجِدْ
ہندوستان سے ۷/۵۰
پاکستان سے ۷/۵۰
شمارہ
ہندوستان سے ۴/-
پاکستان سے ۴/-

جلد ۲، باب ماہ شوال ذیقعد ۱۳۸۹ھ مطابق جنوری و فروری ۱۹۶۷ء شمارہ ۱۰/۱۱

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحہ
۱	نگاہِ آدیں	عتیق الرحمن منہجلی	۲
۲	معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی	۵
۳	ارشادِ اکیم الامت حضرت تھانویؒ	مولانا نسیم احمد فریدی امر دہی	۲۷
۴	حضرت عمرؓ کی شخصیت سازی	مولانا محمد تقی امینی	۴۱
۵	تسخیرِ فطرت یا علم و عشق	قاضی محمد عدیل عباسی	۵۸
۶	حضرت مولانا عبدالعزیز دیوبندیؒ	مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی	۷۰
۷	دو باتوں کی وضاحت	مولانا محمد منظور نعمانی	۷۷

اگر اس دائرہ میں ○ سرخ نشان ہو تو

اس کا مطلب ہو کہ آپ کی دہ خیربادی ختم ہو گئی ہو۔ براہِ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیں۔ یا خیربادی کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۴ فروری سنہ تک آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغہٴ دیٰ اپنی ارسال ہوگا۔ پاکستان کے خیربادہ۔ اپنا چندہ ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور صرف ایک سادہ کارڈ کے ذریعہ ہم کو اطلاع دے دیں۔

نمبر خیربادی :- براہِ کرم خط و کتابت اور سنی آرڈر کوپن پر اپنا نمبر خیربادی ضرور لکھ دیا کیجئے۔
تالیف اشاعت :- الفرقان ہرگز بڑی ہیند کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر تالیف تک کسی صاحبِ کونڈے تو فوراً مطلع کریں، اسکی اطلاع ۲۴ تاریخ تک آجانی چاہیے۔ اس کے بعد رسالہ بھیجئے گا، ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر دفترستان، پچھری روڈ، لکھنؤ

(برقی) محمد منظور نعمانی پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر و پروفراٹر، تنزیل پریس میں، پچھو اگر دفتر الفرقان، پچھری روڈ، لکھنؤ سے شائع کیا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نگاہِ اولیں

عَلَيْكَ يَا رَحْمٰنُ سُبْحٰنَكَ

چاند کے سفر (تجسّس) چاند کا فاعل بھی کہا جاتا ہے، اپنے ساتھ وہاں کے خاک پتھر کی جو سوغات لائے ہیں اُس کی جانچ پڑتال کے بعد سائنس دان اس نتیجے پر پہنچ رہے ہیں کہ انھوں نے چاند کے متعلق جو یہ نظریہ قائم کر رکھا تھا کہ یہ وہ ٹکڑا ہے جو زمین سے ٹوٹ کر کسی وقت اُٹک ہو گیا تھا۔ یہ صحیح نہیں کیونکہ وہاں کی چٹانوں کے نمونوں میں یہاں کی چٹانوں سے شبہت نہیں ہے۔

چاند کے متعلق سائنس دانوں کا یہ نظریہ اُن نظریات کی ایک کڑی تھی جو سائنس کے کائنات کے مختلف اجزاء کے وجود میں آنے اور موجودہ حالت تک پہنچنے کی توجیہ کی جاتی ہے جس طرح یہ نظریہ کہ چاند ہمارے زمین ہی سے ٹوٹ کر اُٹک ہوا بنانے والا ایک ٹکڑا ہے، محض تخمین پر مبنی تھا، بالکل یہی حال اس سلسلہ کے دوسرے نظریات کا بھی ہے ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب غلط ہوں مگر قطعیت کے ساتھ کسی ایک کے بارے میں بھی نہیں سمجھا جاسکتا کہ وہ دائرہ کے حلقہ مطابقت ہے۔ کائنات کے وجود میں آنے اور اُس کے مختلف اجزاء کے اپنی موجودہ حالت تک پہنچنے کا تصور جو سائنس دان پیش کرتے ہیں وہ مختصر طور پر یہ ہو کہ

کائنات کا ابتدائی مادہ ایک خاص قسم کی شعاعیں تھیں جو آپ سے آپ انھما میں متحرک تھیں۔ ایک عرصہ کے بعد ان متحرک شعاعوں میں آپ سے آپ جا بجا گرہیں پڑ گئیں، جو ثقیف اور منفی قسم کے برقی احاد (MATTER) کی شکل میں تھیں جنھیں الیکٹران اور پروٹان کہا جاتا ہے۔ پھر یہ برقی احاد اپنی باہمی کشش سے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر گھومتے پھرتے گرد ہوں کی شکل اختیار کر گئے، جنھیں ہم سالمات کہتے ہیں۔ یہ سالمات اپنے الیکٹرانوں اور پروٹانوں کی تعداد و ترتیب کے لحاظ سے چورائے مختلف قسموں کے تھے۔ ان میں سے ہر نمونے کے سالمات آپس میں مل کر گیمیاؤں عناصر کے ذرات بن گئے۔ یہ ذرات شروع میں دھوئیں یا گیس کے ایک بھٹ بڑے گھومتے ہوئے بادل کی شکل میں تھے۔ یہ بادل چونکہ اتنا بڑا تھا کہ اس کی اندرونی کشش ثقل اسے سالم نہیں رکھ سکتی تھی اس لئے وہ مختلف ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ اور پھر ہر ٹکڑا اپنے محور کے گرد گھومنے لگا۔ ابتدا میں ہر ٹکڑے کی (جسے، نیو بلاؤں NEBULAE) کہا جاتا ہے، شکل گول تھی اور اس کی محوری حرکت کی رفتار بھی کم تھی لیکن اندرونی طور پر اُس کے اجزاء اپنے ایک بلند درجہ حرارت کی وجہ سے نہایت زور کے ساتھ ایک غیر منظم حرکت کر رہے تھے جس کی وجہ سے اُن سے روشنی اور حرارت نکل کر فضا میں پھیلی رہی تھی۔ روشنی اور حرارت کے اخراج نے ان اجزاء میں سکڑاؤ پیدا کیا اور وہ ایک دوسرے سے قریب تر ہو کر اور زیادہ تیزی

سے گردش کرنے لگے گردش کی تیزی سے ان میں ٹوٹ پھوٹ شروع ہوئی، اور اس ٹوٹ پھوٹ نے ہر نبولے ستاروں کے ایک سلسلہ کو جنم دیا۔ ہمارے سورج اسی طرح ایک نبولے سے نکلا ہوا ستارہ ہے۔ اس سورج کا کعبہ قبیلہ جسے ہم نظام شمسی کہتے ہیں کس طرح وجود میں آیا؟ اس کے متعلق سائنس کتنی کئی وقت سورج کے پاس سے ایک اور بڑے ستارے کا گزر ہوا جس کی کشش ثقل سے سورج کے کئے بڑے بڑے گوتے ٹوٹ کر اس سے الگ ہو گئے۔ یہی اُس کے سیارے ہیں۔ ان سیاروں میں سے بعض اتنے چھوٹے تھے کہ آسانی سے ٹھنڈے ہو گئے، اور پھر اولیٰاں مادہ کی شکل اختیار کر کے بعد میں ٹھوس ہوتے گئے۔ سورج کے اسی قسم کے چھوٹے سیاروں میں سے ایک ہمای زمین ہے۔ بعض وقت ایسے سیارے بھی جب سیال حالت میں پہنچتے ہیں تو ان کا کوئی ٹکڑا الگ ہو جاتا ہے۔ اور پھر وہ اس سیارے کے چاند کی شکل میں اس کے گرد گھومنے لگتا ہے۔ ہمای زمین کا یہ چاند بھی اسی طرح کسی وقت اس سے الگ ہوا تھا۔

یہ ہے کائنات سے متعلق سائنس دانوں کا نظریہ اور یہ جس طرح از ادل تا آخر فلین دنجین اور غرضات مرکب ہے وہ ذرا بھی گھٹی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چاند کو جب فلین دنجین کے بجائے سر کی آنکھوں سے دیکھتے کائنات ملا تو اصل حقیقت اُس سے بالکل مختلف نظر آنے لگی جو اب تک سمجھی گئی تھی۔ یہ کائنات کے اُس بزرگ سے متعلق نظریہ کا حالی نکلا جو درمیان اجزاء کے مقابلہ میں ہم سے قریب ترین جزو ہے، تو ان اجزاء سے متعلق نظریے کہنے قابل اعتماد ہوں گے جن کی زمین سے دوری چاند کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے۔ اور یہ تو بھی کئی موجودات سے متعلق نظریوں کا معاملہ ہے۔ لیکن ان موجودات کی وہ شکلیں اور وہ حالتیں جو سائنس دان بتاتے ہیں کہ اربوں کھربوں سال پہلے کبھی تھیں۔ ذرا اُن کے ارے میں سوچیے کہ کتنا اور کتنا کم اعتماد اُن کے متعلق سائنس دانوں کے بیانات پر کیا جاسکتا ہے؟ سوال کسی نظریہ کے غلط نکل جانے کے بعد کا نہیں ہے۔ اُن نظریوں میں سے کوئی نظریہ غلط ثابت ہو یا نہ ہو سوال اعتماد و یقین کی بنیاد کا ہے کہ ان بیانات میں آخر وہ کون سی چیز جو اعتماد کو دعوت دینے اور یقین پیدا کر دینے کی صلاحیت رکھتی ہے؟ مگر آج کا انسان کس قدر اطمینان قلب کے ساتھ ان بیانات پر ایمان لاتا اور اُن کو حقائق کی کسی واقعی تفسیر سمجھتا ہے کس قدر بھروسہ کے ساتھ وہ اب تک اس کا قائل رہا کہ ہم جس زمین پر بستے ہیں اسی سے الگ ہو جانے والا ایک ٹکڑا یہ چاند ہے! اور کس بھروسہ کے ساتھ وہ کج بھی اس کا قائل ہے کہ یہ زمین سورج سے ٹوٹا ہوا ایک گولہ ہے۔ حالانکہ سائنس دانوں نے کبھی نہیں کہا وہ جس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ وہ حقیقت کے باب میں حرج و مرج ہے اس کے برعکس اس کائنات سے متعلق کچھ خبریں اُن شخصیتوں نے دی ہیں جنھیں پیغمبر کہا جاتا ہے

لے قرآن اور علم جدید۔ از ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم سے انحصار کے ساتھ

یہ وہ ہیں کہ بغیر کے دم قدم کی تاثیر سے دنیا میں صدق و دیانت کا چلن ہوا۔ جن کی زندگی کا سب سے بڑا وصف
ہی صداقت کشی اور صداقت پرستی تھا۔ جنہوں نے صدق و صفا کو اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں کی زندگی بنانے
کی خاطر وہ دکھ اٹھائے کہ کسی دوسرے کے حصے میں وہ کیوں آئے ہوں گے۔ اِنَّكَ اَلْبَتَّاسُ
بَلَاءُ الْاَلْبَتَّاسِ یہ وہ ہیں کہ جن کی سچائی اور پاکیزگی پر حجت لانے کی جرأت کبھی ان کے دشمنوں کو بھی نہیں
ہوئی۔ اور اگر کسی بد نصیب کے حصہ میں یہ جرأت بھی آج بھی گئی تو خود اس کی رسوائی کے سوا اور کسی کام کی
نہ ہو پائی۔

اپنے اس محمود و صفتِ صداقت کے ساتھ یہ شخصیتیں اس کائنات کے آغاز و انجام اور دیرمیاں
اور ابد سے متعلق کچھ باتیں لوگوں کو انتہائی قطعیت کے ساتھ بتاتی ہیں اور اس ذاتِ شہرِ باری کی طرف سے
وحی کہہ کر بتاتی ہیں جس کے نام پر وہ داعی تھے کہ لوگ صداقت و دیانت اختیار کریں۔ اور کیسے سراپا
خلوص و داعی کی دنیا کی کوئی دوسری دعوت اپنے لیے اپنے داعی کے ایسے صدق و خلوص کا ثبوت نہیں
ہم پہنچا سکتی۔ کیا اس کا تصور بھی کیا جاسکتا ہے کہ اس وصف کے لوگ اپنے خدا کی طرف کوئی ایسی
بات منسوب کر دیں گے جس کے متعلق انہیں شرح صدر نہ ہو کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اور بالکل اسی طرح
ہے جس طرح وہ بیان کرنے جا رہے ہیں؟ ان کے تو تربیت کردہ لوگوں کا حال بھی یہ تھا کہ جب خدا کی کتاب
کی کسی آیت کا مطلب ان سے پوچھا جاتا جس کے متعلق انہیں حق یقین نہ ہوتا کہ کیا مطلب ہے تو یہ
کہہ کر معذرت کر دیتے تھے کہ اگر میں اللہ کی کتاب کے بارے میں کوئی ایسی بات کہوں جس کے بارے
میں دُشوک کے ساتھ نہیں جانتا تو کس آسمان کے نیچے اور کس زمین کے اوپر مجھے ٹھکانا ملے گا۔ یہ وہ
ہستیاں ہیں جن کی بات سے زیادہ دنیا کے کسی آدمی کی بات اس کی سختی نہیں کہ اُس پر شرح صدر کے
ساتھ ایمان لایا جائے اور اُن کے ذریعے جو کچھ معلوم ہو گیا ہے اس پر خیر کیا جائے کہ اتنا کچھ یقینی علم
بھی ہمارے پاس جو کچھ کیا قیامت ہے کہ اور تو اور خود ان پیغمبروں کے کتنے ہی ماننے والے آج کی فضا
سے ایسے مرعوب ہو گئے ہیں کہ انہیں ان پیغمبروں کی کتنی ہی باتوں کو زبان پر لانے ہوئے شرم آتی ہے اور اس
کے برعکس جو سائنسدانوں کی زبان سے نکل جائے وہ بھی تامل اور تدبیر کے بغیر اور دل کے ساتھ اُن کی زبانوں
پر بھی جاری ہو جاتا ہے سائنسدانوں کی بات کو بغیر کسی عقل و جربا دیں کے غلط سمجھنا ضروری نہیں مگر ان کی
جو بات صحیح معلوم ہوتی ہو اس کے لیے پیدا ہونے والے شرح صدر سے کہیں زیادہ شرح صدر پیغمبر کی بات
کے لیے اگر دل میں پیدا نہیں ہوتا تو کچھ آدمی کو سوچنا چاہیے کہ اُس کا ایمان کہاں تک قابلِ اطمینان ہو؟
شوال اور ذی قعدہ کا یہ مشترکہ شمار صرف ۱۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ ایک ماہ کی ہدایت
یہ اشاعت میں اس سے زیادہ ضخیم شمارہ ممکن نہ تھا۔ خدا نے چاہا تو آئندہ شمارہ میں کچھ صفحات
زیادہ کر کے اس کمی کی ممکن تلافی کی جائے گی۔ مرتب

کتاب المعاشرة والمعاملات

مَعَارِفُ الْحَدِيثِ
(مُسَلَّل)

اولاد کے بارہ میں باپ کی ذمہ داریاں

[اس سلسلہ میں چند عزائمات کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اس سے پہلی قسطوں میں پیش کی جا چکی ہیں۔ اس کے آگے ناظرین کرام آج کی صحبت میں ملاحظہ کریں۔]

نکاح اور شادی کی ذمہ داری:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ کی یہ بھی ذمہ داری بتلائی ہے کہ جب بچہ یا بچی نکاح کے قابل ہو جائے تو اس کے نکاح کا بندوبست کیا جائے اور تاکید فرمائی ہے کہ اس میں غفلت نہ برتی جائے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَلَدَ لَهُ وَلَدٌ فَلْيَحْنِ اسْمَهُ وَادَّبَهُ فَإِذَا بَلَغَ وَكَمُرِيزُ وَجْهِهُ فَأَصَابَ إِمَّا فَأَمَّا إِمَامُهُ عَلَى أَبِيهِ

رداء البیهقی فی شعب الایمان

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کو اللہ تعالیٰ اولاد دے، تو چاہیے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو اچھی تربیت دے اور سلیقہ سکھائے۔

پھر جب وہ سن بلوغ کو پہنچے تو اس کے نکاح کا بندوبست کرے اگر (اُس نے اس میں کوتاہی کی اور شادی کی عمر کو پہنچ جانے پر بھی اپنی غفلت اور بے پرواہی سے) اسکی شادی کا بندوبست نہیں کیا اور وہ اس کی وجہ سے حرام میں مبتلا ہو گیا تو اس کا باپ اس گناہ کا ذمہ دار ہو گا۔
(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس حدیث میں اولاد کے قابل شادی ہو جانے پر ان کے نکاح اور شادی کے بندوبست کو بھی باپ کا فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے معاشرہ میں اس بارہ میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے، جس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے دوسروں کی تقلید میں نکاح شادی کو بھی بھاری اور بھیل بنا لیا ہے اور اُن کے رسم و رواج کی پٹریاں اپنے پاؤں میں ڈال لی ہیں اگر ہم اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی پیروی کریں اور نکاح شادی اس طرح کرنے لگیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے اور اپنی صاحبزادیوں کے نکاح کیے تھے تو یہ کام اتنا آسان پھلکا ہو جائے جتنا ایک مسلمان کے لیے جمعہ کی نماز ادا کرنا، اور پھر اس نکاح اور شادی میں وہ برکتیں ہوں جن سے ہم بالکل محروم ہو گئے ہیں۔

ماں باپ کے حقوق اولاد پر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح ماں باپ پر اولاد کے حقوق اور اس سلسلہ کی اُن کی ذمہ داریاں بیان فرمائیں اسی طرح اولاد پر ماں باپ کے حقوق اور اس سلسلہ کے اُن کے فرائض بھی بتلائے، بلکہ اس کو آپ نے اپنی تعلیم و تلقین میں جزو ایمان کا درجہ دیا۔ قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل کیا ہوا صحیفہ ہدایت ہے اس میں ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت کے ساتھ ساتھ اس طرح دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کے اعمال میں خدا کی عبادت کے بعد ماں باپ کی خدمت اور راحت رسانی کا درجہ ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا ہے

وَقَضَىٰ رَبِّيَ اِلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّاَّ
اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا
اور تمھارے رب کا قطعی حکم ہے کہ صرف
اسی کی عبادت اور پرستش کرو، اور ماں

(نبی اسرائیل - ع ۳)

باپ کے ساتھ اچھے سے اچھا برتاؤ اور ان

کی خدمت کرو!

اور دوسری جگہ سورہ لقمان میں ماں باپ کا حق بیان کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا گیا ہے اگر بالفرض کسی کے ماں باپ کا فرد شرک ہوں اور اولاد کو بھی کفر و شرک کے لیے مجبور کریں تو اولاد کو چاہیے کہ ان کے کہنے سے کفر و شرک تو نہ کرے لیکن دنیا میں ان کے ساتھ اچھا سلوک اور ان کی خدمت بھی کرتی رہے۔
 (وَرَأٰنُ جَاهِدَ الْاَكْفَرَ عَلٰی اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۝ — لقمان ع ۲)

آگے درج ہونے والی حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں باپ کے حقوق اور ان سے متعلق اولاد کے فرائض کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ دراصل قرآن مجید کی ان آیات ہی کی تشریح و تفسیر ہے۔

ماں باپ اولاد کی جنت اور دوزخ میں :-

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا حَقُّ الْوَالِدَيْنِ عَلٰی وَلَدِهِمَا قَالَ هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ — رواہ ابن ماجہ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت! اولاد پر ماں باپ کا کتنا حق ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ تمہاری جنت اور دوزخ ہیں۔ (مسند ابن ماجہ)

مطلب یہ ہے کہ اگر تم ماں باپ کی فرمانبرداری و خدمت کرو گے اور ان کو راضی رکھو گے (تشریح) تو جنت یا لوگے اور اس کے برعکس اگر ان کی نافرمانی اور ایذا رسانی کر کے انھیں ناراض کرو گے اور ان کا دل دکھاؤ گے تو پھر تمہارا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا۔

اللہ کی رضا والدین کی رضامندی سے وابستہ ہے :-

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رَضِيَ الرَّبُّ فِي رَضَى الْوَالِدِ وَتَخَطَّى الرَّبُّ فِي تَخَطَّى الْوَالِدِ۔

رواہ الرزقی

حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی رضامندی والد کی رضامندی میں ہے اور اللہ کی نافرمانی والد کی نافرمانی میں ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح) حدیث کا مطلب اور مدعا یہ ہے کہ جو اپنے مالک و مولا کو راضی کرنا چاہے وہ اپنے والد کو راضی اور خوش رکھے، اللہ کی رضا حاصل ہونے کے لیے والد کی رضا جوئی شرط ہے اور والد کی ناراضی کا لازمی نتیجہ اللہ کی ناراضی ہے، لہذا جو کوئی والد کو ناراض کرے گا وہ رضاۃ الہی کی دولت سے محروم ہے گا۔

اس حدیث میں والد کا لفظ آیا ہے جو عربی زبان میں باپ ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (ماں کے لیے والدہ کا لفظ بولا جاتا ہے)۔ اس بنا پر اس حدیث میں ماں کا ذکر صراحتہ نہیں آیا ہے۔ لیکن چونکہ دوسری احادیث میں جو عنقریب درج ہوں گی ماں کا درجہ باپ سے بھی بلند اور بالاتر بتایا گیا ہے اس لیے ماں کی خوشی اور ناخوشی کی بھی وہی اہمیت ہوگی اور اس کا بھی وہی درجہ ہوگا جو اس حدیث میں باپ کی رضامندی اور ناراضی کا بتایا گیا ہے۔

ماں کا حق باپ سے بھی زیادہ :-

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ مَنْ أَحْسَنَ بَحْسِنَ صَعْمَانِي قَالَ أُمُّكَ ثُمَّ أُمُّكَ ثُمَّ أَبَاكَ ثُمَّ أَدْنَاكَ فَأَدْنَاكَ۔

رواہ البخاری و مسلم

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مجھ پر خدمت اور حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری ماں، میں پھر تمہاری ماں، میں پھر تمہاری ماں، میں پھر تمہاری ماں، اُنکے بعد تمہارے باپ کا حق ہے، اُس کے بعد جو تمہارے قریبی رشتہ دار ہوں، پھر جو ان کے

بعد از دیکر رشتہ دار ہوں۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(تشریح) لیکن جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں ہز بن حکیم بن معاویہ قشیری سے روایت کیا گیا ہے کہ میرے دادا معاویہ بن حیدہ قشیری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ ”مَنْ اَبْرُ؟“ (مجھے کس کی خدمت اور کس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے؟) یعنی اس بارہ میں سب سے زیادہ اور سب سے مقدم حق کس کا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ”اُمِّكَ“ (تمہاری ماں کا) انھوں نے پوچھا ”ثُمَّ مَنْ؟“ (پھر کس کا حق ہے) آپ نے پھر فرمایا ”اُمِّتِكَ“ (تمہاری ماں کا) انھوں نے پھر پوچھا ”ثُمَّ مَنْ؟“ (اس کے بعد کس کا حق ہے) آپ نے پھر فرمایا ”اُمِّكَ“ انھوں نے اس کے بعد پھر پوچھا ”ثُمَّ مَنْ؟“ (پھر ماں کے بعد کس کا حق ہے) تو چوتھی دفعہ میں آپ نے فرمایا ”اَبَاكَ“ ثُمَّ الْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ“ یعنی ماں کے بعد تمہارے باپ کا حق ہے۔ اس کے بعد درجہ بدرجہ اہل قربت اور رشتہ داروں کا حق ہے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

ان دونوں حدیثوں کا مضمون بلکہ سوال جواب کے الفاظ بھی قریب قریب یکساں ہیں اس لیے اس کا بہت امکان ہے کہ صحیحین کی حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہر شخص کے سوال کا ذکر کیا گیا ہے وہ بھی معاویہ بن حیدہ قشیری ہوں بن کی حدیث ان کے پوتے ہز بن حکیم سے امام ترمذی اور امام ابو داؤد نے روایت کی ہے۔

ان دونوں حدیثوں کا صریح مدعا یہ ہے کہ خدمت اور حسن سلوک کے بارہ میں ماں کا حق باپ سے زیادہ اور مقدم ہے۔ قرآن مجید سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ کہی جگہ اس میں باں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کے ساتھ خاص طور سے ماں کی اُن تکلیفوں اور مصیبتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو حمل اور ولادت میں اور پھر دودھ پلانے اور پالنے میں خصوصیت کے ساتھ ماں کو اٹھانی پڑتی ہیں۔

بوڑھے ماں باپ کی خدمت میں کوتاہی کرنے والے بد بخت اور محروم:-

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
رَغِمَ أَنْفُهُ رَغِمَ أَنْفُهُ قِيلَ مَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ مَنْ أَدْرَكَ

وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ أَوْ أَحَدُهُمَا ثُمَّ لَعِمَ يَدُ خَلِ الْجَنَّةِ — رواہ سلم
 حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ
 آدمی ذلیل ہو، وہ خواہر ہو، وہ رسوا ہو اگر عین کیا گیا یا رسول اللہ کون! (یعنی کس کے بارہ
 میں یہ ارشاد فرمایا ہمارا ہے؟) آپ نے فرمایا وہ بد نصیب جو ماں باپ کو یا دونوں میں
 سے کسی ایک ہی کو بڑھا پائے کی حالت میں پائے پھر ان کی خدمت اور ان کا دل خوش
 کر کے جنت حاصل نہ کر لے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) ماں باپ تمہاری جنت اور تمہاری دوزخ ہیں یعنی ماں باپ کی خدمت اور راحت رسانی
 جنت حاصل کرنے کا خاص وسیلہ ہے اور اس کے برعکس ان کی نافرمانی اور ایذا رسانی آدمی کو دوزخی
 بنادیتی ہے، پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جب ماں باپ بڑھا پائے کی عمر کو پہنچ کے ازکار رفتہ ہو جائیں تو اس
 وقت وہ خدمت اور راحت رسانی کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں اور اس حالت میں ان کی خدمت
 اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت محبوب اور مقبول عمل اور جنت تک پہنچنے کا سیدھا ذریعہ ہو۔
 پس اللہ تعالیٰ جس بندہ کو اس کا موقع میسر فرمائے اور وہ ماں باپ کا یا دونوں میں سے
 کسی ایک ہی کو بڑھا پائے اور پھر ان کی خدمت کر کے جنت تک نہ پہنچ سکے بلاشبہ وہ بڑا
 بد نصیب اور محروم ہے۔ اور ایسوں کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا ہے کہ وہ
 نامراد ہوں، ذلیل و خواہر ہوں، رسوا ہوں۔

ماں باپ کی خدمت بعض حالات میں ہجرت اور جہاد سے بھی مقدم:-

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَجَاهِدْ، قَالَ أَلَاكَ أَبْوَابُ
 قَالَ نَعَمْ قَالَ فَبِمَا فَجَاهِدْ — رواہ ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں جہاد میں

جانا چاہتا ہوں، آپ نے پوچھا کیا تھا اے ماں باپ ہیں؟ اُس نے کہا ہاں میں، آپ نے فرمایا تو پھر اُن کی خدمت اور راحت رسانی میں جہد و جہاد کرو۔ (یہی تمہارا جہاد ہے)

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات منکشف ہو گئی تھی یا کسی وجہ سے اس کے بارہ میں شبہ ہو گیا تھا کہ اس آدمی کے ماں باپ اس کی خدمت کے محتاج ہیں اور یہ ان کو چھوڑ کے اُن کی اجازت کے بغیر جہاد کے لیے آگیا ہے اس لیے آپ نے اُس کو یہ حکم دیا کہ وہ گھر واپس جا کر ماں باپ کی خدمت کرے کیونکہ ایسی حالت میں اس کے لیے ماں باپ کی خدمت مقدم ہو۔ اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہو گا کہ جس کسی کے ماں باپ ہوں وہ جہاد اور دین کی کسی خدمت کے لیے کبھی گھر سے باہر نہ نکلے اور صرف وہی لوگ جہاد میں اور دین کی خدمت میں لگیں جن کے ماں باپ نہ ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام جہاد کرتے تھے اُن میں بڑی تعداد انہی کی ہوتی تھی جن کے ماں باپ زندہ ہوتے تھے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَجُلًا هَاجَرَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْيَمَنِ فَقَالَ هَلْ لَكَ أَحَدٌ بِالْيَمَنِ؟ فَقَالَ أَبَوَايَ، فَقَالَ إِذَا نَالَكَ؟ قَالَ لَا، قَالَ ارْجِعْ إِلَيْهِمَا فَاسْتَذِنْهُمَا فَإِنْ زِنَاكَ فُجَاهِدْ وَإِلَّا فَتَبَرَّهُمَا

رواہ ابوداؤد و احمد

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص یمن سے ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے اُس سے پوچھا کیا یمن میں تمہارا کوئی ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ ہاں میرے والدین ہیں، آپ نے دریافت فرمایا کیا انہوں نے تم کو اجازت دی ہے؟ (اور تم اُن کی اجازت سے یہاں آئے ہو؟) اُس نے عرض کیا ایسا تو نہیں ہے، آپ نے فرمایا تو پھر ماں باپ کے پاس واپس جاؤ اور یہاں نے کی راہ جہاد اور دین کی محنت میں لگنے کی، اُن سے اجازت مانگو، پھر وہ اگر تمہیں اجازت دے دیں تو آؤ اور جہاد میں لگ جاؤ اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو اُن کی خدمت اور اُن کے ساتھ سب ملوک کرتے رہو۔ (سنن ابی داؤد، مسند احمد)

(تشریح) ہجرت کر کے آنے والوں اور جہاد میں شرکت کرنے والوں کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو عام متفقہ رویہ اور اسوہ حسنہ تھا اس کی روشنی میں اس قسم کی تمام احادیث کے بارہ میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان کا قلعن اس صورت سے ہے جب ماں باپ خدمت کے تحت محتاج ہوں اور کوئی دوسرا ان کی خبر گیری کرنے والا نہ ہو اور اس وجہ سے وہ اجازت بھی نہ دیں تو پھر بلاشبہ ان کی خدمت اور خبر گیری ہجرت اور جہاد سے بھی مقدم ہوگی۔

جنت ماں کے قدموں میں ہے :-

عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَاهِمَةَ أَنَّ جَاهِمَةَ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَدْتُ أَنْ أَعْتَزُّ وَوَقَدْ جِئْتُ أَسْتَشِيرُكَ فَقَالَ هَلْ لَكَ مِنْ أُمِّ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَالزَّمْنَاهَا فَإِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا

رواہ احمد والنسائی

معاذ بن جہامہ سے روایت ہے کہ میرے والد جہامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرا ارادہ جہاد میں جانے کا ہے اور میں آپ سے اس بارہ میں مشورہ لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے اُن سے پوچھا کیا تمہاری ماں ہیں؟ انھوں نے عرض کیا ہاں ہیں، آپ نے فرمایا تو پھر انہی کے پاس اور انہی کی خدمت میں رہو، اُن کے قدموں میں تمہاری جنت ہے۔

(مسند احمد سنن نسائی)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِئْتُ فَرَأَيْتُنِي فِي الْجَنَّةِ فَمِئَمْتُ فِيهَا قِرَاءَةً فَقُلْتُ مَنْ هَذَا؟ قَالُوا حَارِثَةُ بِنْتُ النُّعْمَانِ كَذَّابُكُمْ الْبَرُّ كَذَّابُكُمْ الْبَرُّ وَكَانَ أَبَرَّ النَّاسِ بِأُمِّهِ

رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سو یا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں ہوں، وہیں میں نے

کسی کے قرآن پڑھنے کی آواز سنی تو میں نے دریافت کیا کہ اللہ کا یہ کون بندہ ہے جو یہاں جنت میں قرآن پڑھ رہا ہے؟ تو مجھے بتایا کہ یہ حارثہ بن النعمان ہیں، ماں باپ کی خدمت اور اطاعت شغلی ایسی ہی چیز ہے، ماں باپ کی خدمت اور اطاعت شغلی ایسی ہی چیز ہے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ خواب بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ) حارثہ بن النعمان اپنی ماں کے بہت ہی خدمتگار اور اطاعت شغلی تھے (یعنی اسی عمل نے ان کو اس مقام تک پہنچایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں ان کی قراوت سنی) (شرح السنہ للبخاری و شعب الایمان للبیہقی)

ماں کی خدمت بڑے سے بڑے گناہ کی معافی کا ذریعہ :-

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِيمًا فَهَلْ لِي مِنْ تَوْبَةٍ؟ قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ أُمِّ؟ قَالَ لَا قَالَ وَهَلْ لَكَ مِنْ خَالَةٍ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَابْرَأْهَا

رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے تو کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے (اور مجھے معافی مل سکتی ہے)، آپ نے پوچھا تمہاری ماں زندہ ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ ماں تو نہیں ہے، آپ نے فرمایا تو کیا تمہاری کوئی خالہ ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ ہاں خالہ موجود ہے، آپ نے فرمایا تو اُس کی خدمت اور اُس کے ساتھ اچھا سلوک کرو (اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمہاری توبہ قبول فرما لے گا اور تمہیں معاف فرما دے گا) (جامع ترمذی)

(تشریح) توبہ کیا ہے؟ گناہ پر دل سے نادم و پشیمان ہو کر اللہ سے معافی مانگنا، تاکہ اللہ کے غضب اور اُس عذاب سے بچ جائے جس کا وہ گناہ کی وجہ سے مستحق ہو چکا ہے، اور توبہ کی قبولیت یہ ہے کہ اللہ پاک اس کو معاف فرما دے اور اُس سے راضی ہو جائے۔

یوں تو سارے ہی اعمال صالحہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ گناہوں کے گندے اثرات کو مٹاتے اور اللہ کی رضا و رحمت کو گھسیٹتے ہیں۔ (اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ الشَّيْئَاتِ) لیکن بعض اعمالِ صالحہ اس بارہ میں غیر معمولی امتیازی شان رکھتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی خدمت اور اسی طرح خالہ اور نانی کی خدمت بھی انہی اعمال میں سے ہے جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہگاروں اور سیاہ کاروں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان سے راضی ہو جاتا ہے۔

حدیث اور حسن سکوک کا فروشِ مال کا بھی حق ہے :-

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ قَدِمَتْ عَلَيَّ أُخْتِي وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِي عَهْدِ قُرَيْشٍ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أُخْتِي قَدِمَتْ عَلَيَّ وَهِيَ رَاغِبَةٌ أَفَأَصِلُهَا؟ قَالَ نَعَمْ صِلُهَا۔

رواہ البخاری و مسلم

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش مکہ کے (حدیبیہ والے) معاہدہ کے زمانہ میں، میری ماں جو اپنے مشرکانہ مذہب پر قائم تھی (مصر کے مدینہ میں) میرے پاس آئی، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری ماں میرے پاس آئی ہے اور وہ کچھ خود بخود ہند ہے۔ تو کیا میں اس کی خدمت کر دوں؟ آپ نے فرمایا ہاں اس کی خدمت کرو اور اس کے ساتھ وہ ملوک کرو جو بیٹوں کو ان کے ساتھ کرنا چاہیے)

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت اسماء صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور دوسری ماں سے حضرت عائشہ صدیقہ کی بڑی بہن تھیں، ان کی ماں کا نام روایات میں قتیلہ بنت عبد العزی ذکر کیا گیا ہے۔ ان کو حضرت ابوبکر نے زمانہ جاہلیت ہی میں طلاق دے کر الگ کر دیا تھا۔ بہر حال اسلام کے دور میں یہ ان کی بیوی نہیں رہیں اور اپنے پرانے مشرکانہ طریقہ ہی پر قائم رہیں۔ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں جب مشرکین مکہ کو مدینہ آنے کی اور مدینہ کے مسلمانوں کو مکہ جانے کی آزادی حاصل ہو گئی تو

حضرت اسامہؓ کی یہ ماں اپنی بیٹی کے پاس مدینہ آئیں، حضرت اسامہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مجھے ان کے بارہ میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟ کیا ان کے کافر و مشرک ہونے کی وجہ سے ان سے ”ترکِ موالات“ کروں یا ان کے رشتہ کا لحاظ کر کے ان کی خدمت اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کروں؟ آپ نے حکم دیا کہ ان کی خدمت کرو اور ان کے ساتھ وہی سلوک کرو جو ماں کا حق ہے۔ حدیث میں **وَارْعِبْہَا** کا لفظ ہے جس کا ترجمہ اس عاجز نے خواہشمند کیا ہے۔ اس بنا پر مطلب یہ ہوگا کہ حضرت اسامہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ماں جو مشرک ہیں کچھ خواہش مند ہو کر آئی ہیں، یعنی وہ اس کی طالب و متوقع ہیں کہ میں ان کی مالی خدمت کروں، بعض شراحین نے اس کا ترجمہ مخرف اور بیزار بھی کیا ہے اور لغت کے لحاظ سے اس کی بھی گنجائش ہے۔ اس بنا پر مطلب یہ ہوگا کہ میری ماں سنے تو آئی ہیں لیکن ہمارے دین سے مخرف اور بیزار ہیں، ایسی صورت میں ان کے ساتھ بیزاریہ کیا ہونا چاہیے؟ کیا ماں ہونے کی وجہ سے ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کروں، یا بے تعلقی اور بے رحمی کا رویہ اختیار کروں — بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہدایت فرمائی کہ ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرو جو ماں کا حق ہے۔ **(رَبُّعُ صِلَہَا)**

ادبِ قرآن مجید کی وہ آیت ذکر کی جا چکی ہے جس میں مسلمانوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ اگر کسی کے ماں باپ کافر و مشرک ہوں اور وہ اولاد کو بھی کفر و مشرک کے لیے مجبور کریں اور دباؤ ڈالیں تو اولاد ان کی یہ بات تو نہ مانے لیکن ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک برابر کرتی ہے۔

ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کے خاص حقوق :-

اولاد پر ماں باپ کے حقوق کا سلسلہ ان کی زندگی کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ان کے مرنے کے بعد ان کے کچھ اور حقوق قائم ہو جاتے ہیں جن کا ادا کرتے رہنا سعادت مند اولاد کی ذمہ داری اور اللہ تعالیٰ کی خاص رضا اور رحمت کا دلیل ہے۔

عَنْ أَبِي أُسَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَدَّدُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِي سَلَمَةَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

(تشریح) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ان دونوں حدیثوں میں صرف باپ کے بھائیوں اور اہل محبت کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ اس باب میں ماں کا حق باپ سے بھی زیادہ ہے۔ علاوہ انہیں ابھی اوپر حضرت ابو اسیدؓ کی روایت سے جو حدیث ذکر کی جا چکی ہے اس میں ماں باپ دونوں کے اہل قرابت کے ساتھ محسن سلوک اور اہل محبت کے اکرام و احترام کو اولاد پر ماں باپ کے مرنے کے بعد اُن کا حق بتایا گیا ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَبْدَ لِمَوْتٍ وَآلِدَةٍ أَوْ أَحَدُهُمَا وَإِنَّ لَهُمَا الْعَاقَ فَلَا يَزَالُ يُدْعَوُ لَهُمَا وَيُسْتَعْرَضُ لَهُمَا حَتَّى يَكْتُبَهُ اللَّهُ بَيِّنًا

رداء البیہقی فی شعب الایمان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا ابھی ہو تا ہے کہ کسی آدمی کے ماں باپ کا یا دونوں میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا ہے اور اولاد زندگی میں اُن کی نافرمانی اور اُن کی رضا مندی سے محروم ہوتی ہے، لیکن یہ اولاد اُن کے انتقال کے بعد سچے دل سے اُن کے لیے اللہ تعالیٰ سے خیر و رحمت کی دعا اور مغفرت و بخشش کی استدعا کرتی رہتی ہے (اور اس طرح اپنے قصور کی تلافی کرنا چاہتی ہے) تو اللہ تعالیٰ اُس نافرمان اولاد کو فرمانبردار قرار دے دیتا ہے۔ (بھروسہ ماں باپ کی نافرمانی کے وبال اور عذاب سے بچ جاتی ہے) (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) جس طرح زندگی میں ماں باپ کی فرمانبرداری و خدمت اور اُن کے ساتھ محسن سلوک اہل طہ کے درجہ کا عمل صالح ہے جو بڑے بڑے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح اُن کے مرنے کے بعد اُن کے لیے اخلاص اور الحاح سے رحمت و مغفرت کی دعا ایسا عمل ہے جو ایک طرف تو ماں باپ کے لیے قبر میں راحت و سکون کا ذیلہ بنتا ہے اور دوسری طرف اس سے اولاد کے اُن قصوروں کی تلافی ہو جاتی ہے جو ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت میں اُن سے ہوئی ہو اور وہ خود اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کی مستحق ہو جاتی ہے۔ قرآن پاک میں اولاد کو خاص طور سے ہدایت فرمائی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ماں باپ کے لیے رحمت و مغفرت مانگا کرے۔

وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا دَيَّبَانِي
صَغِيرًا
اور اللہ سے یوں عرض کیا کرو کہ اے پروردگار
میرے ماں باپ پر رحمت فرما جس طرح تھو
نے مجھے بچپن میں شفقت کے ساتھ پالا تھا!

(بخاری ص ۲)

ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کی دنیوی برکات :-

ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کی اصل جزا تو جنت اور رضائے الہی ہے جیسا کہ ان احادیث سے معلوم ہو چکا ہے جو "ماں باپ کے حقوق" کے زیر عنوان پہلے درج ہو چکی ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے کہ ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کرنے والی اولاد کو اللہ تعالیٰ کچھ خاص برکتوں سے اس دنیا میں بھی نوازا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ يَزِيدُ فِي عَمْرٍ الرَّجُلِ بِبِرِّهِ وَالِدَيْهِ
رواہ ابن مسیح
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ اللہ تعالیٰ ماں باپ کی خدمت و فرمانبرداری اور حسن سلوک کی وجہ سے آدمی کی عمر
بڑھا دیتا ہے۔ (مسند ابن مسیح، کامل ابن عدی)

(تشریح) اس طرح کی اسناد کے اعتبار کے مسئلہ سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ان سے معلوم تھا اور
معلوم ہے کہ فلاح آدمی ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کرے گا، اسی لحاظ سے اس کی عمر اس
زیادہ قرار فرمائی گئی جتنی کہ اس کو ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری نہ کرنے کی صورت میں دی جاتی۔ اسی طرح
ان سب چیزوں کو سمجھنا چاہیے جن میں کسی اچھے عمل پر رزق میں وسعت اور برکت وغیرہ کی خوشخبری سنائی
گئی ہے، حالانکہ رزق کی تنگی اور وسعت بھی مقدر ہے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَرُّوْا
آبَاءَكُمْ بَرُّ آبَائِكُمْ وَعَقْوُ آبَائِكُمْ نِسَاءُكُمْ
رواہ الطبرانی فی الاوسط

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
اپنے آباء (ماں باپ) کی خدمت و فرمانبرداری کرو، تمہاری اولاد تمہاری فرمانبرداری اور خدمت گزار

ہوگی اور تم پاکدامنی کے ساتھ رہو، تمہاری عورتیں پاکدامن رہیں گی۔

(صحیح اوسط المطبائی)

تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو اولاد ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت کرے گی۔ اللہ تعالیٰ اسکی اولاد کو اس کا فرمانبردار اور خدمت گزار بنائے گا۔ اسی طرح جو لوگ پاکدامنی کی زندگی گزاریں گے اللہ تعالیٰ ان کی بیویوں کو پاکدامنی کی توفیق دے گا۔

والدین کی نافرمانی و ایذا رسانی عظیم ترین گناہ :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام طرح ماں باپ کی فرمانبرداری اور راحت رسانی کو اعلیٰ درجہ کی نیکی قرار دیا ہے جو جنت اور رضائے الہی کا خاص وسیلہ ہے۔ اسی طرح ان کی نافرمانی اور ایذا رسانی کو اکبر الکبائر یعنی بدترین اور خبیث ترین گناہوں میں سے بتلایا ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْكِبَايَرِ فَقَالَ
الْإِسْرَافُ بِاللَّهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ۔

رواہ البیہقی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبیرہ یعنی بڑے بڑے گناہوں کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ وہ کون کون گناہ ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ خدا کے ساتھ شرک کرنا، اور ماں باپ کی نافرمانی و ایذا رسانی، اور کسی بندہ کو ناحق قتل کر دینا، اور جھوٹی گواہی دینا۔ (صحیح بخاری)

تشریح) صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ان گناہوں کو "اکبر الکبائر" یعنی کبیرہ گناہوں میں سے بڑے گناہ (بے بڑے گناہ) بتایا گیا ہے اور ان میں ترتیب سے آپ نے ان کا ذکر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کے بعد والدین کے حقوق (یعنی ان کی نافرمانی و ایذا رسانی) کا درجہ ہے حتیٰ کہ قتل نفس کا درجہ بھی اس کے بعد ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ وَقَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْكِبَايَرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَهَلْ يَشْتُمُ ابْنُ

وَالِدَيْهِ ۖ قَالَ نَحْمَدُكَ يَا الرَّجُلَ فَيَسُبُّ أَبَاهُ وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ ۖ رواه البخاری ومسلم
حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے ماں باپ کو گالی دینا بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔
عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ کیا کوئی اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا
ہاں اس کی صورت یہ ہے کہ کسی آدمی کے ماں باپ کو گالی دے، پھر وہ جواب میں اس
کے ماں باپ کو گالی دے۔ (تو گویا اس نے خود ہی اپنے ماں باپ کو گالی دلوائی۔)
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی آدمی کا کسی دوسرے کو ایسی بات کہنا یا ایسی حرکت
(تشریح) کرنا جس کے نتیجہ میں دوسرا آدمی اس کے ماں باپ کو گالی دینے لگے، اتنی ہی بری
بات ہے جتنی کہ خود اپنے ماں باپ کو گالی دینا، اور یہ گناہ کبیرہ کے درجہ کی چیز ہے۔ اس سے
انکار کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں ماں باپ کے احترام کا کیا مقام ہے۔
اور اس بارہ میں آدمی کو کتنا محتاط رہنا چاہیے۔

دوسرے اہل قرابت کے حقوق اور صلہ رحمی کی اہمیت :-

اسلامی تعلیم میں والدین کے علاوہ دوسرے اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے
حقوق کی ادائیگی پر بھی بہت زور دیا گیا ہے اور صلہ رحمی اس کا خاص عنوان ہے۔ قرآن مجید
میں جہاں والدین کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی گئی ہے وہیں ”وَذِي الْقَرْبَىٰ“
فرما کر دوسرے اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق قرابت کی ادائیگی کی بھی وصیت
فرمائی گئی ہے۔ ابھی چند صفحے پہلے صحیح بخاری و صحیح مسلم کے حوالے سے ایک سائل کے جواب میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ ”خدمت اور حسن سلوک کا سب سے پہلا حق تم پر
تمہاری ماں کا ہے اس کے بعد باپ کا اس کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے اہل قرابت کا“۔ اب یہاں
چند حدیثیں اور پڑھ لیجئے جن میں صلہ رحمی کی اہمیت اور اس کے فضائل و برکات بیان فرمائے
گئے ہیں یا اس کے برعکس قطع رحمی کے بُرے انجام سے خبردار کیا گیا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّحِمُ
شُجْعَةٌ مِنَ الرَّحْمَانِ فَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى مَنْ وَصَلَكَ وَصَلَتْهُ وَ
مَنْ قَطَعَكَ قَطَعَتْهُ

رواہ البخاری

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ رحم (یعنی حق قرابت) مشق ہے رحم سے (یعنی خداوند رحمان کی رحمت کی ایک شاخ
ہے اور اس نسبت سے) اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا کہ جو تجھے جوڑے گا میں اُسے جوڑوں گا
اور جو تجھے توڑے گا میں اُس کو توڑ دوں گا۔ (صحیح بخاری)

مطلب یہ ہے کہ انسانوں کی باہم قرابت اور رشتہ داری کے تعلق کو اللہ تعالیٰ کے اسم پاک
(تشریح) رحمن سے اور اس کی صفت رحمت سے خاص نسبت ہے اور وہی اس کا سرشمبہ ہے اور اسی
لیے اس کا عنوان رحم مقرر کیا گیا ہے۔ اس خصوصیت نسبت ہی کی وجہ سے عند اللہ اس کی اتنی اہمیت ہے کہ
اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ جو صلہ رحمی کرے گا یعنی قرابت اور رشتہ داری کے حقوق ادا کرے گا اور رشتہ
داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ اپنے سے وابستہ کر لے گا اور اپنا بنالے گا اور جو کوئی
اس کے برعکس قطع رحمی کا رویہ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اُس کو اپنے سے کاٹ دے گا اور دوریاد و بے تعلق
کر دے گا۔ اسی ایک حدیث سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں
صلہ رحمی کی (یعنی رشتہ داروں اور اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک کی) کتنی اہمیت ہے اور اس میں
کتنا ہی کتنا سنگین جرم اور کتنی بڑی محرومی ہے۔ آگے درج ہونے والی حدیثوں کا مضمون بھی
اس کے قریب ہی قریب ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّحِمُ
مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُولُ مَنْ وَصَلَنِي وَصَلَهُ اللَّهُ وَمَنْ قَطَعَنِي قَطَعَهُ
اللَّهُ

رواہ البخاری و مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ رحم (یعنی رشتہ قرابت) عرش الہی کے ساتھ معلق ہے اور کہتا ہے جو مجھے
جوڑے (یعنی جو رشتہ قرابت کے حقوق ادا کرے اور صلہ رحمی کرے) اللہ اس کو جوڑے

اور اس کے برعکس جو کوئی قطع رحمی کا رویہ اختیار کرے گا اور قربت کے اُن حقوق کو پامال کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں اور انسان کی فطرت میں رکھے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو توڑ دے گا۔ یعنی اپنے قرب اور اپنی رحمت و کرم سے محروم کر دے گا۔

آج کی دُنیا میں مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت سے محرومی کا منظر جو ہر جگہ نظر آ رہا ہے، بلاشبہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی ہماری بہت سی بد اعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ لیکن ان احادیث کی روشنی میں یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس بربادی اور محرومی میں بڑا دخل ہمارے اس جہنم کو بھی ہے کہ صلہ رحمی کی تعلیم و ہدایت کو ہماری غالب اکثریت نے بالکل ہی بھلا دیا ہے اور اس باب میں ہمارا طرز عمل غیر مسلموں سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے۔

صلہ رحمی کے بعض دنیوی برکات :-

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُسَيِّطَلَهُ فِي رِزْقِهِ وَيُسَالَهُ فِي إِثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ

رواہ البخاری و مسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی یہ چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی اور کشادگی ہو اور دُنیا میں اُس کے آثار قدم تا دیر رہیں (یعنی اُس کی عمر دراز ہو) تو وہ (اپنی قربت کے ساتھ) صلہ رحمی کرے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم

(تشریح) اللہ کی کتاب قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں یہ حقیقت جا بجا بیان فرمائی گئی ہے کہ بعض نیک اعمال کے صلہ میں اللہ تعالیٰ اس دُنیا میں بھی برکتوں سے نوازتا ہے۔ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ صلہ رحمی یعنی اپنی قربت کے حقوق کی ادائیگی اور اُن کے ساتھ حسن سلوک، وہ مبارک عمل ہے جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق میں وسعت اور عمر میں زیادتی اور برکت ہوتی ہے۔ صلہ رحمی کی دو ہی صورتیں ہیں، ایک یہ کہ کوئی اپنی کمائی سے اپنی قربت کی مالی خدمت کرے، دوسرے یہ کہ اپنے وقت اور اپنی زندگی کا کچھ حصہ

اُن کے کاموں میں لگائے، اس کے صلہ میں رزق و مال میں وسعت اور زندگی کی مدت میں اضافہ اور برکت باکل قرین قیاس اور اللہ تعالیٰ کی حکمت و رحمت کے عین مطابق ہے۔

اس بابی نقطہ نظر سے بھی یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے، یہ واقعہ اور عام تجربہ ہے کہ خاندانی جھگڑے اور خانگی الجھنیں جو زیادہ تر حقوق قرابت ادا نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں آدمی کے لیے دلی پریشانی اور اندرونی کڑھن اور گھٹن کا باعث بنتی ہیں اور کاروبار اور صحت ہر چیز کو متاثر کرتی ہیں لیکن جو لوگ اہل خاندان اور اقارب کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی کا برتاؤ کرتے اور اُن کے ساتھ اچھا سلوک رکھتے ہیں اُن کی زندگی انشراح و طمانیت اور خوش حالی کے ساتھ گزرتی ہے اور ہر لحاظ سے اُن کے حالات بہتر رہتے ہیں اور فضل خداوندی اُن کے شامل حال رہتا ہے۔

قطع رحمی جنت کے راستے میں لگاوٹ :-

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قطع رحمی کرنے والا (یعنی رشتہ داروں اور اہل قرابت کے ساتھ برا سلوک کرنے والا) جنت میں نہ جاسکے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اسی ایک حدیث سے سمجھا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں اور اللہ (تشریح) کے نزدیک صلہ رحمی کی کتنی اہمیت ہے اور قطع رحمی کس درجہ کا گناہ ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قطع رحمی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا سخت گناہ ہے کہ اس گناہ کی گندگی کے ساتھ کوئی جنت میں نہیں جاسکے گا، ہاں جب اس کو سزا دے کے پاک کر دیا جائے گا یا کسی وجہ سے اس کو معاف کر دیا جائے گا تو جاسکے گا، جب تک ان دونوں میں سے کوئی ایک بات نہ ہو جنت کا دروازہ اس کے لیے بند ہے گا۔

قطع رحمی کرنے والوں کے ساتھ بھی صلہ رحمی :-

خاندانی زندگی میں بجزرت ایسا پیش آتا ہے کہ ایک آدمی رشتہ اور قرابت کے حقوق ادا نہیں کرتا،

اہل قربات کے ساتھ برائے لوگ کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ ایسے آدمی کے ساتھ بھی صلہ رحمی کا معاملہ کیا جائے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ
الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِي وَلَكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ سَرِجَتُهُ
وَصَلَّيْنَا

رواہ البخاری

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ آدمی صلہ رحمی کا حق ادا نہیں کرتا جو (صلہ رحمی کرنے والے اپنے اقربا کے ساتھ) بدلہ کے طور پر صلہ رحمی کرتا ہے، صلہ رحمی کا حق ادا کرنے والا دراصل وہ ہے جو اس حالت میں بھی صلہ رحمی کرے (اور قربت مندوں کا حق ادا کرے) جب وہ اس کے ساتھ قطع رحم (ادھر حق تلفی) کا معاملہ کریں۔ (صحیح بخاری)

غلا ہر ہے کہ قطع رحمی اور حق تلفی کرنے والوں کے ساتھ جب جو ابی طور پر قطع رحمی کا برتاؤ کیا (تشریح) جائے گا تو یہ بھاری اور گندگی معاشرہ میں اور زیادہ بڑھے گی اور اس کے برعکس جب اُن کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کیا جائے گا تو انسانی فطرت سے اُمید ہے کہ دیر سویر اُن کی اصلاح ہوگی اور معاشرہ میں صلہ رحمی کو فروغ ہوگا۔

صحت کا توازن ...

جارڈوں میں ماڈلیم خاص کا استعمال
قوت و توانائی بخشتا ہے۔ اس کے صحت بخش
اجزاء آپ کے رگ و پھجوں میں سرایت
ہو کر نئی جان ڈالتے اور نئی پیدا کرتے ہیں۔

ماء اللبنة خاص

غذائیت اور توانائی سے بھرپور بہترین ٹانکے

دوستانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ



مولانا ابوالحسن علی ندوی کی ایک نئی شاہکار تصنیف

ارکانِ اربعہ

”کتاب کا موضوع اسلام کے عبادوں، مشہور و معروف ارکانِ عبادت و صوم و زکوٰۃ درج ہیں۔ اور کتب میں ان کے احکام کے ساتھ ساتھ ان کے عقلی مصلح، ان کی اہمیت اور دوسری امتوں کے عبادتی طور پر ان سے موازنہ و مقابلہ کے ساتھ بیان کر دیے گئے ہیں۔ اس طرح کتاب ایک ہی وقت میں فقہ اور کلام اور اصول دین سب کی ہو گئی ہے۔“ مولانا صاحب لکھنؤ (پیش)

”مصحف کی تمام کتابوں میں یہ کتاب شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے اور اس لائق ہے کہ کوئی پڑھا کھا مسلمان اس کے مطالعہ سے محروم نہ رہے۔“ (مولانا شاہ عین الدین احمد ندوی — معارف)

”مولانا ابوالحسن علی ندوی نے..... اس علم (اسرار و حکم) کا احیاء ہی نہیں کیا بلکہ اسے اور اگے بڑھایا۔ اس کتاب میں نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج ان چاروں عبادات کے اسرار و حکم اس وسعت اور ہمہ گیر کی کے ساتھ بیان کیے ہیں کہ ان کا کوئی ایک فرض، رکن، شرط وغیرہ ایسا نہیں جو کسی حکمت و لائق نے زبان کی ہو۔“ (مولانا سید محمد کبر آبادی — برہان)

”قابلِ مصحف نے اپنی اس بے حد قابلِ تہلی کتاب میں ارکانِ اربعہ کی شرعی حقیقت، دین میں ان کی اہمیت اور ان کے مقاصد و اسرار سے بحث کی ہے اور علمائے دانشمندان نے جو کچھ اس موضوع پر لکھا ہے اس کو اپنے سامنے رکھا ہے۔ بلکہ ان کی اکثر عبادتیں اس کتاب میں نقل بھی کر دی ہیں۔ اس کے علاوہ خود مولانا کے احکامات اور فہم و بصیرت نے ان علماء کے افادات میں چار چاند لگا دیے ہیں۔“ (مولانا سید احمد مدوح قادری — ننگ)

کتابت اعلیٰ، طباعت روشن، جلد ۱۱، کراچی پوسٹ 8/-

ایک اور نئی کتاب

مسلم پرسنل لا اور اسلام کا عائلی نظام

(از شمس تبریز خاں۔ رفیق مجلس تحقیقات و نشریات اسلام)

- مسلم ممالک میں پرسنل لا کا ارتقاء، پرسنل لا کی شرعی حیثیت، تبدیلی کے حدود
- نکاح و طلاق و طلع، وراثت اور اوقات کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر کی تشریح
- اسلام اور دوسرے مذاہب و تہذیبوں مثلاً یونان، رومن ایمپائر، عرب جاہلیت، ہندومت، یہودیت اور عیسائیت میں عورتوں سے متعلق قوانین کا تنقیدی جائزہ
- اسلام میں عورت کی حیثیت پر تاریخ کی روشنی میں ایک مفصل تبصرہ..... اور جناب مولانا شاہ عین الدین احمد ندوی مدظلہ کے تبصرتہ افزودہ مقدمہ کے ساتھ۔

کتابت و طباعت عمدہ۔ مع ڈسٹ کور۔ 5/-

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

اُشاداتِ حکیمِ الامنہ حضرت مولانا ابھاراویؒ

علماء و طلباء اربابِ تمام اور اصحابِ اس کے لیے لمحہ فکریہ

تَلْخِصْ ————— اَدْمُوْنَ اَلْاَسْمَاءَ لِكُلِّ فَرْقٍ اَوْ اَلْمَوَدِّعِ

————— قِسْطُ (۵) —————

فرمایا کہ ————— ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ یہاں کے لوگ ہر وقت آمادہ فساد اور برسرِ پرخاش رہتے ہیں۔ محض اس خیال سے کہ یہ خیالات میں ہم سے مختلف ہے۔ اس پر فرمایا کہ سمجھیں نہیں آتا کہ محض اس بنا پر فساد کرتے ہوں کوئی اور بات ہوگی۔ اپنے طرز کو بدلنا چاہیے۔ طبعی بات ہے کہ حکومت کی تو لوگ ہر طرح کی برداشت کر لیتے ہیں مگر بدوئی حکومت کو کسی کارباز نہیں سمجھتا نہ برداشت کر سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے خیالات کی جو تبلیغ کرتے ہوں گے اس میں تشدد کا لہجہ ہوگا۔ تبلیغ بھی ہر شخص کا کام نہیں۔ لیکن اگر پھر بھی قصداً ایسا کرتے ہو تو پھر تیرا ہوجاؤ کہ کچھ بھی سر پر اس کو برداشت کرو.....

حضرت شاہ عبدالقادر (دہلویؒ) نے ایک شخص کو مجلسِ وعظ میں ٹخنوں سے نیچا پا جاہمہ پہنے دیکھا۔ جب ب لوگ وعظ ختم ہونے کے بعد اٹھ کر چلے گئے تو اس شخص کو روک لیا اور فرمایا کہ میان میں کھڑے رہنا ہوں ذرا یہ دیکھنا کہ میں جو پا جاہمہ پہن رہا ہوں یہ خلافِ شریعت ٹخنوں سے نیچا تو نہیں دہ شخص سمجھ گیا (اور کہا کہ) حضرت میں ہی خلافِ پر ہوں اُسی وقت زائد پانچ پھاڑ ڈالا اور توبہ کی ————— حضرت مولانا محمد تقی اسم رحمۃ اللہ علیہ کا نقشہ سنیے۔ ایک خاں صاحب آپ کے مقصد بخج

اور بچپن کے دوست بھی تھے حتیٰ کہ جمعہ کے دن ایک ہی جگہ (کیے بعد دیگرے) غسل کر کے کپڑے بدلتے تھے مگر وضع بظاہر خلاف شریعت تھی۔ ایک روز حضرت مولاناؒ نے خان صاحب سے کہا کہ خالصاً آپ کو معلوم ہے کہ ہماری تمہاری پرانی دوستی ہے۔ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تم اس وضع میں رہو اور میں اس وضع میں۔ اس لیے جب نہانے آؤ تو اپنے دُجوڑے لے کر آنا، ایک اپنے لیے ایک ہمارے لیے میں بھی آج تمہاری جیسی وضع اختیار کروں گا۔ خاں صاحب مارے شرمندگی کے پانی پانی ہو گئے اور اُسی روز سے شرعی لباس پہن لیا۔ ناصح اگر عالم نہ ہوگا اور نصیحت کرے گا تو اُس میں (بعض اوقات) تکبر ہو گیا۔ مناسب طرقتی سے نصیحت کرنا یہ عالم ہی کا کام ہے۔ دوسرے فطری طور پر مخاطب کے قلب میں اُس کی عظمت و محبت ہوتی ہے اس لیے اُس کی سختی بھی گوارا کر لی جاتی ہے اور اس فطری غفلت پر (بھی) مجھ کو ہمیشہ اس کا خیال رہتا ہے کہ اہل علم کی بے وقعتی نہ ہو۔

— فرمایا کہ علم کے ساتھ عقل کی بھی سخت ضرورت ہے اور عقل کی افزودنی عادت موقوف ہے تجربے پر اور تجربہ اکثر بوڑھوں کو زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے میں آج کل کے اہل علم نو جوانوں سے کہا کرتا ہوں کہ تم عالم تو ہو مگر بوڑھے نہیں ہو اس لیے بوڑھوں سے پوچھ پانچھ رکھا کرو۔ بد دن بوڑھوں کے کام نہیں چلتا۔ اس بوڑھوں کے تجربے پر ایک حکایت یاد آئی۔ ایک شادی میں لڑکی والے نے یہ شرط کی تھی کہ برات میں کسی بوڑھے کو ساتھ مت لانا۔ ایک بوڑھے کو معلوم ہوا اُس نے کہا مجھ کو ضرور لے جاؤ۔ لوگوں نے کہا جب (لڑکی والے تمہیں) دیکھیں گے تو مواخذہ کریں گے۔ بوڑھے نے کہا (ماس کے آنے جانے کا انتظام کر کے کسی بڑے) صندوق میں بند کر کے لے چلو غرض بڑے میاں کو صندوق میں بند کر کے لے گئے وہاں پہنچ کر لڑکی والے نے کہا کہ برات کا ہر آدمی ایک ایک بجرا کھائے تب لڑکی نکاح میں دیں گے اب یہ (سب براتی) گھبرائے ہوئے گئے صندوق کے پاس۔ اور بڑے میاں کو صندوق میں سے نکالا اور (اس شرط کو) بیان کیا۔ اس بوڑھے نے کہا کہ ایک ایک بجرا (بھنوا کر) منگاتے رہو اور سب مل کر کھاتے رہو اس طرح سب (بجروں کا گوشت) کھا جاؤ گے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اُن کا مطالبہ باقی رہا کہ پیٹ نہیں بھرا۔ ایک بوڑھے میاں کی (اور حکایت ہے کہ ایک) برات میں گئے اور وہاں لڑکی والے نے سب براتیوں کے ہاتھوں کو سیدھا کر کے کھینچ لیا بندھوا دیں اور کہا کہ اس طرح کھانا پڑے گا۔ اب سب گھبرا گئے کہ کیسے کھا سکتے ہیں۔ منہ تک تو

ہاتھ نہیں جاسکتا۔ (ایک) بڑے میاں نے کہا کیا دیکھتے ہو آٹے سامنے بیٹھ جاؤ اور ہر شخص اپنے سامنے والے کے منہ میں ٹمہ دیتا رہے۔ یہ تو بڑھاپے کی دنیا کی برکت ہے اور آخرت کے اعتبار سے یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمان بزرگوں کا (بعد مرگ) لحاظ کرتے ہیں۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جس کے پاس سرمایہ ہو اس کو تبلیغ کا انتظام کرنا چاہیے مطلب یہ کہ علماء اس کام کے لیے چندہ نہ مانگیں اس سے علماء کی وقعت نہیں رہتی۔ وعظ کہہ کر جہاں چندہ مانگا سب اثر گر بڑھ گیا۔ بڑے زور شور کی تقریر، گھنٹے دو گھنٹے کی محنت، ایک لفظ چندہ کے کہتے ہی سب ختم۔ اس لیے چندہ بھی وہی کرے جس کے پاس سرمایہ ہو اور علماء صرف تبلیغ کریں، اُسوقت تبلیغ موثر ہو سکتی ہے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ خلوص بڑی چیز ہے اور یہ اکثر غریب میں ہوتا ہے اور امراء خلوس تو ہوتا ہے مگر خلوص نہیں ہوتا۔

ایک غریب شخص نے مجھ کو ایک اکتی دے کر کہا کہ میں ایک پیسہ دینا چاہتا ہوں، تین پیسے واپس کر دو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ بھلا اس میں کیا ریاکاری ہو سکتی ہے؟ سو غریب سے ہمیشہ میرا یہ معاملہ بنا ہے بعض اُن کے خلوص کی وجہ سے اور امراء کے ساتھ دوسرا معاملہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ذاب ڈھاکہ سلیم اللہ شاہ صاحب مرحوم نے مجھ کو مدعو کیا میں نے چند شرائط پیش کیں، منجھ اور شرائط کے ایک شرط یہ بھی تھی کہ مجھ کو کچھ دیا نہ جائے۔ سب شرائط طے ہو گئیں۔ میں ڈھاکہ پہونچا ذاب صاحب نے درخواست کی کہ میری چھوٹی چھوٹی دوا لڑا لیاں ہیں اُن کو بسم اللہ پڑھا دیجئے اور یہ بھی کہا کہ ہمارا خاندانی دستور یہ ہے کہ بسم اللہ شروع کرانے کے وقت کچھ دیا جاتا ہے۔ اگر نہ دیا جائے یا قبول نہ کیا جائے تو ہماری سبکی ہوتی ہو۔ یہ (ایک) ترکیب تھی کہ اس بہانے سے مجھ کو نقد دیں۔ میں نے کہا کہ میں آپ کی سبکی گوارا نہیں کر سکتا لیکن اپنی وضع کو بھی چھوڑنا نہیں چاہتا اُس کی صورت یہ ہے کہ میں جلوت میں تو آپ کا عطیہ لے لوں گا اور خلوت میں داپس کر دوں گا اور عمر بھر داپسی کا کسی سے تذکرہ نہ کر دوں گا مگر اپنے دل میں تو خوش رہوں گا کہ میں نے اپنے مسلک اور مشرب کے خلاف نہیں کیا بس چُپ رہ گئے اور رقعہ لکھا کہ میری غلطی تھی اب میں آپ کی وضع پر اپنی تجویز کو شمار کرتا ہوں.... ذاب صاحب مجھ سے بعض پیروں کی شکایت کرتے تھے کہتے تھے کہ ہمارا دیر پہ بھی لیا اور اپنے سامنے (نظمی) سجدے تک کر ائے۔

میرے محض چند روز کے قیام میں پاس بیٹھنے سے اُن کی کایا ملت گئی۔ حالانکہ میں نے نہ کچھ کہا نہ کسی بات سے (جانبجا) روکا۔ داپسی کے بعد وطن پہنچ کر کچھ روز بیہ غر خروچ میں رہ کر چلا گیا۔ میرا ہمیشہ کا معمول رہا کہ بچی ہوئی رقم واپس کر دیتا تھا مگر یہ داپس کرنا اب صاحب کی شان کے خلاف تھا اور رکھنا بھی وضع کے خلاف تھا۔ میں نے یہ یہ کیا کہ مسجد میں لگا دیا ان کو اطلاع کر دی۔ اور برائی میں یہ مشہور ہوا کہ تجھ پر بارہ دپیہ لایا ہے۔ میں نے سُن کر کہا کہ تم بھی بے آؤ۔ ایک ذرا سا نسخہ تھا استغفار کا جس سے دین کی عزت ہوئی اور ادب صاحب کو دینی شمع حاصل ہو گیا۔

فرمایا کہ ایک داعط مولوی صاحب کی حکایت تصبیہ پڑھانے میں دیا کر سنی کہ اُن کا دِعظ آکٹھ آنے سے پانچ روپے تک پہنچا تھا۔ ہر قسم کے طبائع کے لوگ موجود ہیں۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا انتہام کے لیے تشنگم کا اعتدال کے ساتھ کسی قدر سخت ہونا بھی ضروری ہو۔ بدن ایک انتہام ہونا دشوار ہے۔ فلان مدرسہ کے اندر بفساد ہوا اُس کا اصل سبب کام کرنے والوں کا ڈھیلپن ہے جو مشورہ میں نہ آئے۔ داپس اُس پر تشنگان مدرسہ پورا علی نہ کر سکے ورنہ ایک دم فساد خلع فضل سے ہبیا و مشہور ہو جاتا کام قوت ملی سے ہوتا ہے بھٹی خواہری سامان سے کام نہیں ہو سکتا۔

میں نے ایک ایسے ہی موقع پر خود حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا اُس وقت مدرسہ میں (سخت) اخلاق ہو گیا تھا۔ کچھ لوگ یہ چاہتے تھے کہ ایک آدمی ہمارا ابھی ممبر ہوا اور حضرت منظور نہ فرماتے تھے۔ میں نے لکھا کہ اس کو منظور فرما لیجئے کثرت تو پھر بھی حضرت ہی کے خدام کی رہے گی ورنہ مدرسہ ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ حضرت نے جواب تحریر فرمایا تھا کہ نااہل کو ممبر بنانے میں ہم سے مواخفہ ہوگا اور اب اس فساد کے وہ خود دسے رہے ہیں اگر مدرسہ ٹوٹ جائے۔ ہم کو خدا تعالیٰ کی رضا منظور ہے مدرسہ مقصود نہیں ہم نااہل کو ممبر نہیں بنا سکتے۔

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ موادِ اعظم کا مشہور مفہوم یہ ہے کہ ہر زمانے میں جس طرف کثرت ہو۔ میں کہتا ہوں یہ مراد نہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ خیر القرون میں جس عقیدے کی طرف کثرت تھی کیونکہ اُس وقت اہل باطل کم تھے اہل خیر زیادہ تھے۔ اُس وقت کسی طرف کثرت ہونا علت تھی اُس کے حق ہونے کی۔ اس وقت کا موادِ اعظم مراد نہیں اور وہ بھی عقاید میں کثرت مراد ہے آراء

میں کثرت مراد نہیں جیسا اس وقت جمہوریت کو قبلہ و کعبہ بنا رکھا ہوا اور دشتِ اوردہ سُمّ فی الامم (آئینِ قرآنی) سے امتثال کیا جانا چاہیے جو کہ اُس کے پیچھے گئے لیے نری بات یہ ہے کہ صحابہ کا یہی عمل تھا اُن سے زیادہ قرآن کو کون کچھ مکتا ہے؟ دیکھیے بعد از حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مشورہ کیا۔ مائین زکوٰۃ سے قتال کرنے میں تمام صحابہ ایک طرف تھے اور تنہا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک طرف تھے پھر دیکھو کیا عمل ہوا؟ — اور جو لوگ جمہوریت کے مدعی ہیں انہیں وہ بھی شخصیت ہے جسے کام لیتے ہیں چنانچہ یہ معلوم ہوا کہ اختلافات کے وقت دائرہ کثرت کو اختیار ہوتا ہے کہ جس شخص پر چاہے عمل کرے۔ اسی طرح بادشاہ کو اختیار ہے کہ جب چاہے پالیسیٹ توڑ دے۔ غرض سب کو اسی طرف آنا پڑا۔ اگر وہی شخصیت ہی رہ جاتی ہے۔ خود اسی جمہوریت میں کثرت (اور اکثریت) والے چاہتے ہیں کہ ہمارے شخصیت رہے۔۔۔۔۔ پھر اگر کثرت بھی معتبر ہوتی تو مطلق کثرت نہیں۔ اہل کی کثرت معتبر ہوتی اور وہ بھی جب کہ خلوت کے ذہن (حالی الذہن) ہونے کی حالت میں ہو۔ یہاں دونوں باتیں نہیں۔۔۔۔۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اگر مسلمان اسی پر اعمالِ صالحہ کے لیے آمادہ ہو جائیں کہ ہم کو آخرت میں سب کچھ مل جائے گا تب بھی اُن کی ساری پریشانیاں دُور ہو جائیں گی اور وہ تمام دنیا کے مقابلے میں کھڑے ہو سکتے ہیں خیر آخرت تو بڑی چیز ہے۔ دُنیا ہی کے بہت سے مفاد ایسے ہیں کہ وہ اتفاق پر موقوف ہیں۔ یہ تو دُنیاوی کاموں کے لیے بھی اتفاق نہیں کرتے۔۔۔۔۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا۔۔۔۔۔ میں نے اعلیٰ انقلاب میں دلائل سے یہ ترتیب ثابت کی جو

کہ اول ماں باپ کا حق ہے۔ دوسرے درجے میں اُسناد کا تیسرے درجے میں پیر کا۔ ماں باپ کی مثال اینٹِ شمی جمع کرنے والے کی ہے اور اُسناد کی مثال مکان بنانے والے کی ہے اور پیر کی مثال نقش و نگار کرنے والے کی۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اصل چیز طلب ہے اس طلب پر اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں جیسے بچے کو ماں کے دودھ کی طلب ہوتی ہے تو دودھ اُس کے اُترے اُترتا ہے تو ماں کو ناز نہ چاہیے کہ میں دودھ دیکھ کر کودتی ہوں۔ دودھ خود بچے کی طلب کا اُتر ہے۔ (دودھ) بچہ کو اسی واسطے عطا فرمایا ہے کہ تو بچے کو دے۔ البتہ بچے کو ضروری ہے کہ وہ (سن شعور میں پہنچ کر) اُس کو اپنا ٹھکانہ سمجھے۔ اسی بنا پر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہر ایک باور فرمایا کہ شیخ اپنے پاس سے کچھ نہیں دیتا مُرید ہی میں سب ذخیرہ ہے۔ شیخ سے اُس کا ہنر ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ مُرید

کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے۔ سبحان اللہ تحقیق اور تربیت دونوں کو کس طرح جمع فرمایا۔ واقعی اپنے فن کے امام تھے، مجتہد تھے، مجدد تھے، حضرت کے فیضِ باطنی سے ایک عالم منور اور روشن ہو گیا۔ سبحان اللہ کسی دُعا تھی۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، فلاں شخص کی حالت دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے شیخ نے قطعاً اُن کی تربیت کی طرف توجہ نہیں فرمائی فرمایا نرمی توجہ سے کیا ہوتا ہے جب تک دوسری طرف سے بھی طلب نہ ہو۔ حضراتِ انبیاء علیہم السلام سے تو زیادہ کسی کی توجہ نہیں ہو سکتی مگر جہاں دوسری طرف سے طلب نہیں ہوئی کچھ بھی نہ ہوا۔ عادتہ اللہ یہی ہے اسی عدمِ طلب کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔
اَنْتُمْ تَكْمُلُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كَرِهُوْنَ۔ (دوسرے طلب اور ارادہ ہو تو اس طرف سے عطا ہوتی ہے۔)

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اہلِ باطل میں نہم و غفل کا تو نام و نشان نہیں ہوتا اس لیے کہ یہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں اتباعِ دین سے، تقویٰ سے، طہارت سے، اہلِ اللہ اور خاصانِ حق کی صحبت سے۔ بدون اس کے عقل و فہم نہیں پیدا ہوتے۔

فرمایا کہ۔ تادیل و توجیہ کا بھی ایک معیار ہے۔ ایک وہ شخص ہے جس کی غالب حالت صلاحیت کی ہے۔ دین کا مطیع ہے، عقائد صحیح ہیں ایسے شخص سے اگر کوئی غلطی ہو جائے وہاں تادیل واجب ہے اور جہاں فسق و فجور کا غلبہ ہے وہاں تادیل نہ کی جائے گی اور تحقیق تادیل کی شان میں اگر تادیل بھی نہ کی جائے تب بھی کھوٹا سان (زبان کا درکنار) واجب ہے گو اُن کا متفقہ ہونا بھی واجب نہیں جیسے شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ہیں..... ان کا متفقہ ہونا واجب نہیں مگر گستاخی بھی محلِ خطر ہے اور خطر بھی ایسا جس کو امام غزالی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ اہلِ طریق سے بدگمانی کرنے میں اندیشہ سودِ خاتمہ کا ہے اور اگر کچھ نہ کہو تو کچھ اندیشہ نہیں۔ تو بہتر صورت یہی ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ کچھ نہ کہو گو یہ بھی ضروری نہیں کہ متفقہ ہو جائے۔ بس نہ متفقہ ہو اور نہ کچھ بے جا کلمہ کہو اسی میں خیر ہے..... ہمارے بزرگوں کا تو مسلک یہ ہے کہ وہ انفرادی تفریط کو پسند نہ فرماتے تھے۔ بجز منصوص علیہ حضرات کے کسی خاص

عہد کیا ہم اس دعویٰ یا میں کو تمہارے گھٹے میں ڈال دیں در آخر انیکہ تم اس سے نفرت کیے چلے جاؤ۔

(ادنیٰ) بزرگ کا نہ معتقد ہونا فرض ہے اور نہ بُرا بھلا کہنا جائز۔۔۔۔۔ شیخ محمد الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ پر بعض خشک علماء بڑا ہی سبب دشتم کرتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اس کی کیا ضرورت ہے کہ بُرا بھلا کہنا جائز ہو؟ خصوصاً کو نہ مانے خصوصاً کا ماننا فرض نہیں مگر خصوص کا ماننا تو فرض ہے اور خصوص کا حکم ہے کہ بدوئل شرعی یقینی کے کسی کو بُرا کہنا جائز نہیں۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ کھلم کھلا اور بغی میں سب چیزیں ہونا چاہئیں قرآن بھی، حدیث بھی، فقہ بھی، تصوف بھی۔ پھر ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا شخص حدود پر رہ سکتا ہے۔ جان نہ ہونے کی وجہ سے کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہو جاتی ہے محقق اور علما، موقع اور محل کو دیکھتا ہے۔ ایک مدرسہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ جتنا بھی کام ہو، اصولی صحیحہ کے تابع ہو، حدود و ضوابط کے ماتحت رہ کر ہو، مقصود خدا کی رضا ہے، مسلمان کے ہر کام کا مقصد خدا کی رضا ہونا چاہیے اور ان کی خوشنودی پیش نظر رہنا چاہیے۔ مدرسہ ہے یا جائے۔ چاہے مدرسہ ملک میں ہو یا ملک جو یا نیک نام اپنودہ بند ہو یا جاوی رہے۔ طلباء اور زیادہ ہوں یا کم، فرض کہ کچھ بھی ہو، اصول صحیحہ کے تابع رہنا چاہیے اور یہ میری رائے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فرمانے کے مطابق ہے اپنی تہذیب کے نہیں۔۔۔۔۔ ایک بولوکی صنایع کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ فلاں مدرسہ میں فساد اور گجڑی زنا تو تیزی پر ہے اور اصلاح کی رفتار سُست ہے تو پھر گجڑا ہی غالب رہے گا اور اُسی کو قوت ہوگی۔ اس اگر اصلاح کے مقابل فساد اور گجڑا نہ ہوتا تو پھر تدریج اصلاح کی رفتار جلتی۔۔۔۔۔ تب پھر مجھے جس کے لحاظ سے اصلاح کو قوت ہو جاتی ایک موقع پر فرمایا کہ اب فلاں مدرسہ میں اصلاح محض تدریس سے اُٹھالی ہے۔ اب تو ضرورت قوت کی ہے۔ اس لیے کہ اصلاح تو اس غلطی کی ہوتی ہے جو بلا قصد کے ہوتی ہے اور جو غلطی قصد سے ہو اور نفس کی شرارت کا اُس میں دخل ہو اور پھر اُس میں اغراض بھی وابستہ ہوں نہ ہوں کیسے اصلاح ہو سکتی ہے۔ قوت سے تو اصلاح ہو سکتی ہے سو اس سے کام لیا جائے۔۔۔۔۔ کام تو کام کے طریقے سے ہو سکتا ہے اور جس درجے کا کام ہو اُسی درجے کی قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔۔۔

ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کون سی انسانیت ہے کہ ضروری سوا ل پر بھی آپ جواب نہیں دیتے اس قنات اور بزرگی سے یہاں کام نہ چلے گا یہ سکھ اور بازاروں میں چلتا

ہے جہاں بڑی بڑی دکانیں جگائے بیٹھے ہیں اور ضرورت ہونا مصنوعی بزرگی کے بھی بُرائی نہیں البتہ زیادہ بڑا بُرائی بزرگی کے ہو سکتا ہے اور اس میں بھی ایک تفصیل ہے اس پر ایک مفید واقعہ یاد آیا۔ ایک بڑے کلھن مولوی صاحب نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ زیادہ بڑا اچھا نہیں اور آپ زیادہ بڑے ہیں (حضرت مولانا کی عادت تھی کہ افاداتِ علیہ کو شاگردوں کے سامنے خوب وضاحت اور خاص شغف کے ساتھ پیش فرمایا کرتے تھے)۔ حضرت نے فرمایا کہ زیادہ بڑے کی فی نفسہ منافعت نہیں اصل میں فضول ہونے کی منافعت ہے مگر مبتدی اس اعتدال پر عادتِ قادر نہیں ہوتا اس لیے اُس کو زیادہ تعلیم کی تعلیم کی جاتی ہے تاکہ اعتدال پر آجائے۔ اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک کاغذ جو مدت تک ایک بُخ پر مڑا رہا ہو تو اُس کو سیدھا کرنے کے لیے اُس کی جانب مخالفت کی طرف مڑانے میں مُبالغہ کرتے ہیں یعنی اُس کو دوسری جانب خوب زور سے موڑتے ہیں۔ پھر جب کھولتے ہیں تو وہ سیدھا ہو جاتا ہے اور یہی مقصود تھا۔ عجیب مثال ہے۔ ایسی باریک بات کو اس قدر بڑی کر دیا حقیقی علم اس کو کہتے ہیں جس میں نہ سیرِ مذہب کی اصطلاحیں ہیں نہ تدقیقات ہیں۔

ایک خط کو ملاحظہ فرماتے ہوئے فرمایا عبارت بھی شخص کو لکھنا نہیں آتی اس کے لیے بھی علم دین پڑھنے کی ضرورت ہے یعنی تدقیقات۔ ورنہ محض عقائد پڑھنے کا وہ حشر ہوگا جیسے ایک معقولی مولوی صاحب سے دعوے کے لیے کہا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ آپ کو دغظ کتنا نہیں آتا کہنے لگے کون کہتا ہے کہ تجھ کو دغظ کتنا نہیں آتا میں ابھی کہتا ہوں۔ یہ کہہ کر منبر پر جا بیٹھے اور دغظ شروع کیا کہ خدا تعالیٰ کی وہ شان ہے اور وہ قدرت ہے کہ وہ عالم کو یس (نیمت) سے ایس (ہست) میں لائے ہیں اور پھر ایس سے یس میں لے جائیں گے۔ غرض چار پانچ منٹ تک دغظ میں یہی ایس لیں کرتے رہے اس کے بعد دغظ ختم کر دیا۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں نے حساب باقاعدہ نہیں سیکھا اور زلفِ وغیرہ نکال لینا اور چیز ہے فن میں مہارت ہونا اور چیز ہے۔ تجھ کو فن میں مہارت نہیں۔

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وسوسوں کا ایک عجیب علاج فرمایا ہے۔ واقعی حضرت اس فن کے مجتہد تھے۔ دوسرے شائع تو لمبے چوڑے

وظائف بتاتے ہیں۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ جب دس اُس کثرت سے آنے لگیں تو مستقلاً اُن کے نکالنے کے واسطے نہ ہو جاؤ بلکہ اُس وقت یہ خیال کرو کہ خدا تعالیٰ کی بھی کیا عجیب صنعت ہے۔ غالباً ایک دریا بنایا ہے جس میں کیسی کیسی مچھلیاں تھکتی ہیں کہ اُن کے روکنے کی کوشش کرتا ہوں مگر مچھلیاں ہیں کہ نہیں روکتیں۔ پس اس وضع الٰہی کے مراقبہ سے وہ دس اُس آئینہ ہو جائیں گے مشابہ وضع الٰہی کا۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کوئی کام ہو کہ ہم نے دالوں میں نہ اُس کے اصول ہیں نہ حدود نہ اہل کو دیکھا جاتا ہے نہ اہل کو بڑی ہی گڑبڑ ہو رہی ہے حالانکہ کام کرنے سے قبل ہمیشہ اُس کے نتائج پر غور کرنا اور اصول صحیحہ کے تابع ہو کر کام کرنا ضروری ہے۔ ایک مدرسے کے ایک طالب علم کا خط آیا تھا، لکھا تھا کہ..... یہ ہے میرا شعبہ تبلیغ کی امارت ہے۔ جمعرات کے روز مبلغین کو جمع کر کے تبلیغ کے لیے بھیجا میرے ذمے ہے اور بعض مرتبہ بعض مقام پر میں خود بھی تبلیغ کے لیے جاتا ہوں اس مرتبہ ایک طالب علم سے کچھ غلطی ہو گئی تھی میں نے اس غلطی پر تنبیہ کی اُس نے کہا کہ مجھ کو سزا دیجئے میں نے اُس کے کان پکڑوا دیے اُس کے بعد مجھ کو بے حذر راست ہوئی اور اس طالب علم سے معافی چاہی مجھ کو ایسا کرنا (کان پکڑوانا) چاہیے تھا یا نہیں؟ اور یہ اچھا ہوا یا بُرا؟ میں نے لکھ دیا کہ بُرا ہوا بلا ضرورت اُس کی امانت کی تم امارت سے استعفا دیدو۔ تم اس قابل نہیں کہ آج پھر ضبط آیا ہے کہ میں امارت سے مستعفی ہو گیا ہوں اور اپنی حرکت اور بے وقوفی پر نادم ہوں۔ میں نے لکھا کہ امارت ہی کچھ چھوڑا ہے یا تبلیغ کے کام کو بھی چھوڑ دیا کبھی یہ سمجھتے ہوں کہ ”امیر“ کے ذمے تو دین کا کام ہے اور ”غریب“ کے ذمے دین کا کام نہیں۔ جب امارت ہی نہیں تو دین کا کام میرے ذمے نہیں۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مولوی عبدالستیع صاحب (بیدل رامپوری) خیالات کے تو خیر خالی..... تھے مگر تھے نیک نیت۔ میں زمانہ طالب علمی میں دیوبند سے میرٹھ والد صاحب کے پاس آیا ہوا تھا۔ زیادہ قیام کی ضرورت تھی۔ والد صاحب نے میرے اسباق کے مانعہ کے خیال سے مجھ کو درس کے لیے اُن کے سپرد کرنا چاہا مگر انہوں نے فرمایا کہ کثرت اساتذہ مناسب نہیں اور وہ بھی دو چار روز کے لیے کیونکہ کثرت میں سب کے حقوق ادا نہیں ہو سکتے۔ کیسے کام کی بات فرمائی۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شکرین کی سی وضع اختیار کرنا اُن کا لباس پنہا اس میں خاصیت ہے کہ کبر کی جس سے ایک غلط پیدا ہوتی ہے اور طلب بگڑتا ہے اسی طرح اپنی حیثیت سے زیادہ قیمتی کپڑا

پہنا اپنی وسعت سے زیادہ سامان جمع کرنا یہ سب کبر کی فرع ہیں۔ بالخصوص جبکہ فجار و کفار کے ساتھ تشبہ بھی ہوتا تو ظلماتِ بعضہا خوفِ بعض کا مصداق ہوگا۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ جدید تعلیم یافتہ لوگ تو بولویوں کو بے وقوف سمجھتے ہیں اور زبان سے بھی کہتے ہیں کہ مولوی بے وقوف ہوتے ہیں مگر اُن کو جو مولوی ملا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے کتابیا سمجھ کر نہیں پڑھیں ورنہ اُن کو پتہ چل جائے کہ مولوی بے وقوف ہوتے ہیں یا خود جناب۔ اور یہ واقعہ ہے کہ اگر طالبِ علم دینی کتابیں سمجھ کر پڑھے پھر اُس کی قابلیت کے مقابلے میں کوئی کتنی دُگریاں حاصل کیے ہوئے ہوں ہرگز قابلیتِ ظاہر نہیں کر سکتا۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ ایک قادیانی چند مرتبہ میرے پاس اپنے مذہب کی کتابیں دکھلانے کو لاچکا ہے اور مجھ سے زبانی مذہبی گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ میں نے کہہ دیا کہ میں عالم نہیں ہوں اپنے مذہب سے پورا واقف نہیں۔ یہ باتیں تم ہمارے علماء سے پوچھو اور انھیں سے گفتگو کرو۔ فرمایا۔ یہی جواب مناسب ہے۔ جتنے اہلِ باطل فرستے ہیں شبِ دروز اسی خاک میں رہتے ہیں اور اہلِ حق کے پیچھے بڑے رہتے ہیں۔ پھر اُن کے پاس اتفاق سے اپنے مسلک و مذہب کی اشاعت اور تبلیغ کا سامان موجود ہے۔ کافی سرمایہ ہے۔ دوسرے ممالک میں تبلیغ کے لیے ہونچ گئے۔ آج کل حقِ باطل کو تو کوئی دیکھتا نہیں صرف ان باتوں کو دیکھتے ہیں کہ تبلیغ کا کام کرتے ہیں، غیر مسلموں سے مناظرہ کرتے ہیں۔ اسلام کے ہموار ہیں۔ اگر ایسی تبلیغ اور اشاعت حق کا معیار ہے تو اس وقت عیسائیوں سے زیادہ کوئی بھی تبلیغ نہیں کر رہا۔ تمام ممالک میں اُن کے مشن کھلے ہوئے ہیں۔ اسی طرح مناظرہ کرنا بھی حق کا معیار نہیں ہو سکتا۔ عقل و فہم لوگوں سے جاتا رہا۔ یہ بھی ایک بڑا اثر خداوندی ہے۔ اب تو یہاں ملک ذہبت آگئی ہے کہ لوگوں کو اس پر شبہ ہوتا ہے کہ قادیانی تو اپنے کو مسلمان کہتا ہے پھر علماء اُس کو کافر کہیں کہتے ہیں؟ خوب سمجھ لو اُس کا اپنے کو مسلمان کہنا ایسا ہے جیسے مسلمانہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے کو مسلمان کہتا تھا۔ نماز پڑھتا تھا حضور کی رسالت کی تکذیب نہ کرتا تھا بلکہ صرف اپنی رسالت کا دعویٰ کرتا تھا کہ جیسے یہ رسول ہیں ایسا ہی میں بھی رسول ہوں۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ طلبِ صادق بھی عجیب چیز ہے۔ یہی ایک ایسی چیز ہے کہ بڑے بڑے سخت کام کو سہل بنا دیتی ہے۔ دیوبند میں ایک شخص تھے دیوان اُتار دیا۔ انھوں نے حضرت

مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ میں کیا چیز ہوں اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا نام بتلایا کہ وہاں جا کر مُرید ہو جاؤ۔ انھوں نے کچھ چون چرائیں کی سیدھے گنگوہ حضرت کی خدمت میں پہنچے اور جا کر مُرید ہو گئے۔ پھر دیوبند واپس آئے اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پھر عرض کیا کہ حضرت! بیعت کر لیجئے فرمایا کہ گنگوہ (جا کر) حضرت سے تو بیعت ہو آئے پھر یہ درخواست کیسی؟ عرض کیا کہ وہاں تو آپ کے فرمانے سے بیعت ہو آیا اور کبھی جس جس سے آپ فرمائیں بیعت ہو جاؤں، باقی اصل، بیعت تو آپ ہی سے ہوں گا۔ کیا ٹھکانا ہے اس محبت اور اطاعت کا کیسے سمجھ دار آدمی تھے مخالفت بھی نہیں کی شیخ کی۔ اور درخواست بھی نہ چھوڑی۔ آخر مولانا کو بیعت کرنا پڑا۔ اور واقعی بیعت تو دی ہی ہے جو ایسی طلب کے بعد ہوا ہے تو بیعت، اکثر رسم ہی رسم رہ گئی ہے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ وہ اپنے فضل سے اور بزرگوں کی برکت سے عین دقت پر ضرورت کی چیز طلب میں انکار فرمادیتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب جو اپنے ہی عقائد کے تھے مجھ سے کہنے لگے کہ اگر تم خانہ ہو تو ایک بات کہوں، میں نے کہا کہ خفا ہونے کی کیا بات ہے کہو کیا بات ہے۔ کہا کہ دشمن کو آگ میں جلتا ہوا دیکھ کر ہم کو بھی رحم آجاتا ہے تو کیا حق تعالیٰ کو رحم نہ آئے گا جب کفار و دوزخ میں جلیں گے۔ میں نے کہا کہ یہ آپ کا قیاس مع انفارق ہے۔ آپ میں تو انفعال ہے اور اللہ تعالیٰ انفعال سے منزہ ہے وہاں تو جو بھی ہوتا ہے ارادہ سے ہوتا ہے پھر وہ ارادہ، حکمت سے ہوتا ہے۔ مولوی صاحب نے (یہ جواب سُن کر) توبہ کی۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شاہانِ سلف میں جن قدر بادشاہ گزرتے ہیں اُن کو رعایا کے ساتھ شفقت تھی۔ اُن کی پرورش کا خیال رکھتے تھے اب اکثر حکومتوں کو اس کا خیال نہیں اور جب تک شفقت نہ ہو پرورش کا خیال نہ ہو کوئی طریقہ اور کوئی تدبیر رعایا کو مُطیع بنانے کی نہیں ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ذرا بت بھی عجیب چیز ہے بشرطیکہ اُس کا استعمال بھی محل پر ہو۔ سلطان عبدالحمید (سلطان ترکی) سے کسی یورپین بادشاہ نے کہا تھا کہ آپ یورپ کے درمیان میں ایسے ہیں جیسے ستیہن دانوں کے درمیان زبان۔ اس میں تعریف تھی عجز و ضعف کی طرف جس کو سلطان سمجھ گئے اور فرمایا کہ یہ بالکل ٹھیک ہے مگر قدرتی سنت یہ ہے کہ دانت پہلے

فنا ہو جاتے ہیں اور زبان باقی رہتی ہے۔ عجیب جواب ہے آخر تو شاہید و اسرار تھا۔۔۔

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہمیشہ جن قدر مسلمانوں کے نزدیک کھانا کی کوشش کی جا رہی اور مخالفت ہو رہی ہے اگر اس سے ہزاروں حصہ کوشش بھی کسی دوسرے مذہب کے مثلے کی کی جاتی تو اب تک کبھی کھانا ہو چکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کا کوئی حامی ہے اس لیے انشاء اللہ تعالیٰ یہ بٹ نہیں سکتا۔ اور یہ بھی ایک وجہ ہے مسلمانوں کی بے فکرگی کی۔ سمجھتے ہیں کہ اگر اس کا کوئی بھی حامی نہ ہو تب بھی خدا تعالیٰ تو حامی ہے وہ خود دین کے محافظ ہیں اور اسی پر کیا حسرت ہے۔ استغناء مطلقاً مسلمانوں کا خاصہ ہے اور یہ شجاعت کے لوازم سے ہے اور دوسری قوموں میں نہیں۔۔۔

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا تھا اس میں لکھا تھا کہ میں عرضِ نبیؐ میں مبتلا ہوں اس کا کوئی طریقہ علاج بتلائیے۔ میں نے لکھا کہ یہ فعل اختیار ہے یا غیر اختیار ہے۔ آج پھر خط آیا ہے لکھتے ہیں کہ ہے تو اختیار ہے مگر بغیر علاج کے اصلاح کے غیر ممکن ہے میں نے لکھا کہ اگر کوئی شخص کہے کہ زنا ہو تو اختیار ہے مگر بدون علاج کے اصلاح غیر ممکن ہے تو کیا بجز ترک زنا کے اس کی اصلاح کا اور بھی طریقہ آپ کے نزدیک ہے؟

ایک اہل علم کے خلافتِ شریعت، افعال کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ علم پڑھ کر بھی جس میں خستہ نہ پیدا ہو اس سے وہ جاہل اچھا جس میں خستہ ہو علم کی مثال، مانع اور مضر ہونے میں توازن کی دھار کی سی ہو اس سے دوست بھی کتا ہے اور دشمن بھی کتا ہے۔ اگر توازن چلانے والا ماہر فن نہ ہو تو کبھی اس سے اپنے ہی کو نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس طرح کہ مارا ہاتھ دشمن کے اور وہ خالی گیا اور لوٹ کر اپنے ہی پر پڑ گیا۔ اسی طرح علم بڑی ہی نازک چیز ہے اس میں امن بھی ہے اور خوف بھی۔ گو غالباً امن ہی ہے، مگر حق استعمال کی ضرورت ہے۔۔۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ابیہ مشہور ہے کہ چودھویں صدی کے بعد کا کوئی بیان نہیں آیا کیا اس کی کوئی اصل ہے؟ فرمایا کہ یہ تو یوں ہی مشہور ہو گیا۔ روایات میں نہ تیرھویں کی تخصیص ہے نہ چودھویں کی نہ پندرھویں کی۔۔۔ فرمایا کہ ایک مولوی صاحب کسی بزرگ کا قول نقل فرماتے تھے کہ (دینی) تصنیف بھی اس اُمت کے خصائص میں سے ہے۔ واقعی اور اُمتوں میں اس شان کی تصنیف نہیں ہوئی۔ ایک ایک حدیث کو حضورؐ تک پہنچا سکتے ہیں اور سائل کے نام بتلا

سکتے ہیں کہ فلاں سے فلاں نے روایت کی اور ان کے حالات، بیان کر سکتے ہیں۔ یہ اسی مذہب کی خصوصیت میں سے ہے ورنہ کوئی مذہب بھی کسی اپنی مذہبی بات کو اپنے پیشرو ایک اس اہتمام کے ساتھ نہیں پہنچا سکتا۔ یہ بات کسی کو بھی نصیب نہ ہوئی سوائے اسلام کے۔ ائمہ اکبر علماء نے دین کی اس قدر خدمت کی ہے کہ حیرت ہوتی ہے کہ ساری ساری عمریں خدمتِ دین میں گزار دیں اور یہ اس لیے زیادہ عجیب ہے کہ مسلمان اکثر ان حضرات کے مخالف سمجھا رہے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان سے امداد تو کیا ملتی اور اُلٹی مخالفت کا معاملہ رہتا تھا۔ باوجود کسی مادی امداد نہ ہونے کے اسی عظیم الشان خدمت نہایت عجیب بات ہے اور مسلمان کی مخالفت ان حضرات کے اثر کی وجہ سے تھی.....

ان حضرات نے جیلوں میں رہ کر اور ہر قسم کی تکلیفیں اٹھا کر دین کی خدمتیں کیں۔ ایک سم ہیں کہ خاندانِ علویوں میں رہ کر اور نرم فرشوں پر بیٹھ کر شتم کر رہے ہیں۔ افسوس آج ان کی خدمات کو دنیاؤسی خیالات بتلا جاتا ہے مگر وہ دنیاؤسی تو ایسے (اعلیٰ دماغ کے تھے کہ اگر اس زمانے میں ہوتے تو ان احمقوں کو منہ بھی نہ لگاتے ہم تو پھر بھی ان کی بہت رعایتیں کرتے ہیں..... اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی گنوار جاہل کسی دیں کے محلے یا مقدمے میں دخل دینے لگے۔ وہ دلیل اُس کو بے ہودہ سمجھ کر منہ بھی نہ لگائے گا۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ تحریفِ دین میں تو آج کل بعض لوگوں کو ایک خاص ملکہ ہو گیا ہے۔ جاہل تو بھلا کسی شمار میں نہیں لکھے پڑھے تعلیم یافتہ حتیٰ کہ بعض جو مولوی کہلاتے ہیں وہ قرآن و حدیث میں ایسی تحریف کرتے ہیں کہ جس کا سر نہ پاؤں۔

فرمایا کہ ہم تو بیر ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے جو ہم سے بے حسی کی توقع رکھی جائے۔ ہم تو طالبِ علم ہیں طالبِ علموں کو پسند کرتے ہیں۔ طالبِ علموں ہی میں رہتے ہیں۔ طالبِ علموں ہی کی باتیں اچھی معلوم ہوتی ہیں جن کو ایسی بزرگی پسند ہو جس میں بالکل حس ہی نہ رہے وہ ایسوں کے پاس جاتے۔ اگر بزرگی یا پیری بے حسی کا نام ہے تو ایسی بزرگی اور پیری کو ہمارا اسلام ہے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ تصنیف کا کام بہت ہی مشکل ہے۔ جو کام کرتا ہے وہی جانتا ہے کہ کیا کیا مشکلات پڑتی ہیں۔ آج کل تو (بہت سے) مصنفین برساتی مینڈک کی طرح اُمنڈ پڑے ہیں۔ ان کا اس دقت کوئی ذکر نہیں۔ ان کا تو یہ قصہ ہے کہ ایک پہلو لے لیا اور رسالہ لکھ

مارا چاہے آگے پھر کچھ ہو کرے۔ ذکر اُن مصنفین کا ہے جو محقق ہیں جن کے سامنے ہر پہلو ہے ہر جزئی اور کلی پر نظر ہے اور اس حالت میں پھر وہ تصنیف کرتے ہیں۔ اُن کی حالت تصنیف کے وقت ایسی ہوتی ہے جیسے جاں نکلنے کے وقت ہوتی ہے۔ ایک کتاب میں لکھ رہا تھا اب تو وہ چھپ کر تیار ہو گئی مگر تصنیف کے زمانے میں مجھے یاد ہے کہ اُس کے ایک مقام پر اُنھیں پیدا ہوئی بہت غور اور فکر کی دگر کچھ نہ لکھ سکا بالآخر پھوڑ دیا۔ صبح کو قرآن شریف پڑھتا ہوا جنگل گیا اسٹیشن کے قریب پہونچ کر وہ مقام محل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے بے ساختہ دل میں ڈال دیا۔ وہاں سے محض اس خیال سے لوٹ کر آیا کہ کہیں ذہن سے نکل نہ جائے اور ذہول نہ ہو جائے۔ یہاں آکر وہ مضمون لکھ کر پھر جنگل گیا اور وہ مضمون صرف دو سطریں تھیں۔ اب کسی کو کیا خبر کہ کام کرنے والے پر کیا گزرتی ہے اور دیکھنے والوں کو اس کی کیا خبر ہوگی کہ یہ دو سطریں کیا چیز ہیں؟

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ خود بھی بڑی غلطی ہے کہ ایک دم اتنا بڑا کام (مددہ وغیرہ کا) شروع کر دیتے ہیں جس کام کو آدمی سنبھال نہ سکے اُس کام کو کرے ہی کیوں؟ اور اگر کرے بھی تو چھوٹے پیمانے پر شروع کرے۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کوئی آمدنی کی سبیل فرمادیں تو جس قدر آمدنی بڑھتی رہے کام کو بڑھاتے رہیں جیسے بتدریج بچہ پرورش پاتا ہے۔ اور ایسا ہی کام دیر پا اور مستقل بھی ہوتا ہے اور اسی کو قوت ہوتی ہے جو رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہے۔ مگر اس وقت اکثر مسلمانوں کے ہر کام میں صرف جوش ہوتا ہے۔ جوش باقی نہیں رہتا۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو شاید منتہا سے بھی آگے پہونچا دیں گے مگر کچھ ہی وقت گزرنے کے بعد خبرے بنا شد۔ سو ڈے کی بوتل کا سا جوش ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ پھر وہ پھوڑا سا کام بھی نہیں رہتا۔ وہی مثل صادق آتی ہے: ”لھاؤں تو گھئی سے نہیں تو جاؤں گی سے“ اور یہ بات بالکل بے فائدہ اور بے اصول ہے۔ ایک خط کو ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ بعض کو لکھتا تو آیا نہیں خواہ خواہ گڑبڑ کرتے ہیں ایسا بڑا اور بھڑا خط ہے کہ دیکھ کر کبھی اُلکھن ہوتی ہے۔ ایسا ہی ایک اور صاحب کا خط آیا تھا۔ نہایت ہی بدخط تھا۔ اُس کو شاید ڈاکخانے والے بھی پڑھ کر پریشان ہوئے ہوں اور پتہ سمجھنے میں دقت ہوئی ہو۔ اُس میں لکھا تھا کہ میں اپنے نفس کی اصلاح چاہتا ہوں۔ میں نے جواب میں لکھ دیا تھا کہ نفس کی اصلاح کے پہلے ضرورت ہے اصلاحِ خط کی کیونکہ اس کا (خط) کا تعلق دوسرے کی راحت اور کلفت سے ہے۔ اگر اس میں شبہ ہو تو غفلت پر جو پتہ لکھا ہے اسی کو دیکھ لو۔ غالب یہی ہے کہ ڈاک خانے والے بھی پریشان ہوئے ہوں گے۔

حضرت سہروردیؒ کی شخصیت سازی

(اَؤْمَلَانَا مُحَمَّدٌ تَقَىٰ اٰمِنِيْ، نَاظِمُ سُنِّي دُنْيَا تَسْلِمُ يُؤَيِّرُنِيْ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ)

ہمارے معاشرہ میں شخصیت سازی کی طرت کوئی توجہ نہیں ہے۔ ہر ایک اپنے حال میں مست اور دوسرے کی فکر سے بے نیاز ہے۔ حد یہ ہے کہ کسی کو یہ معلوم کرنے کی بھی فکر نہیں کہ اسلام میں کس قسم کی شخصیت مطلوب ہے۔

ذیل میں شخصیت سازی کے لیے حضرت عمرؓ کی کوششیں ذکر کی جاتی ہیں تاکہ اسلام میں مطلوبہ شخصیت کا پتہ چل سکے۔

(۱) حضرت عمرؓ نے تحصیل علم اور سمجھ پر کافی زور دیا، حتیٰ کہ جبری تعلیم کا حکم دیا۔

عليكم بالفقه في الدين و دين میں تفقہ (طہیرت) حاصل کرو، جن

حسن العبادۃ والتفہم في عبادت کے جو گوشت اور عربیت میں سمجھ

العربیۃ لہ پیدا کرو۔

ایک موقع پر فرمایا

كونوا ادعيۃ الكتاب و کتاب کے طر (بقن) اور علم کے

یتنا بیع العلم لہ سرچنے ہو۔

ابوسفیان نامی ایک شخص کو متعین کیا کہ قبال میں پھر کر لوگوں کو تعلیم پر مجبور کرے۔

- بعث عمر بن الخطاب رجلاً من قریش یقال له ابوسفیان لیستقر اهل البیادیه ۱
- حضرت عمرؓ قریش کے ایک آدمی ابوسفیان نامی کو گاؤں وادوں کے پاس بھیجا کہ وہ اُن سے اہل البیادیه ۱
- (۲) فہم و دانش کو بُرائی و سرداری کا معیار قرار کیا اور بہت خیالات و کم ظرفی سے منع کیا۔
- تفقہوا قبل ان تسود وایہ سرداری سے پہلے سمجھ حاصل کرو۔
- ایک اور جگہ فرمایا
- ان الحکمۃ لیست عند کبر السن و لکنہ عطاء من اللہ یعطیہ من یشاء فالایک و دنیا و الا مورثہ
- حکمت (و انائی) کبر سن پر موقوف نہیں ہے۔ وہ اللہ کا عطیہ ہے جس عمر میں چاہتا ہے عطا کرے گا۔
- (۳) حالات و معاملات کی درستگی کو زیادہ اہمیت دی اور ناز و دزدہ وغیرہ عبادات سے دھوکا نہ کھانے کی تاکید کی۔
- لا تنظروا الی صلاح امرئ ولا صیامہ ولكن انظروا الی صدق حدیثہ اذا حدث والی ووعہ اذا شفعی والی امانتہ اذا ائتمن ۲
- کسی کی ناز و دزدہ کی طرف نہ دیکھو بلکہ بات کرتے وقت اس کی سچائی دیکھو۔ شفا پانے کے بعد اس کی پرہیزگاری دیکھو اور امانت کے وقت اس کی دانتداری دیکھو۔
- (۴) ہر وقت چاق و چوبند رہنے کا حکم دیا۔ گردن بھگا کر بیٹھنے اور ضرورت سے زیادہ سنجیدہ پننے سے منع کیا۔
- یا هذا ارفع رأسک فان الخشوع لا یزید علی ما فی القلب ۳
- میاں سر اٹھاؤ۔ تمہارے دل میں جس قدر خشوع ہے وہ سر بھگا کر بیٹھنے سے زیادہ نہ ہوگا۔
- (۵) صفائی، ستھرائی عبادت اور خوشبو کو زیادہ اہمیت دی۔
- لیعجب بنی الشاب الناسک نظیف یخیر صان ستھر عبادت گزار اور خوشبودار

الثوب طيب الريح ۛ
ۛ ان لينده ۛ

(۶) کارکردگی دکھانے کی کوسرہائے حیات قرار دیا اور بے کاری و کام چوری کو نہایت تحقیر کھایا۔

کان اذا سرائی فتی قاعجبہ حالہ جب کسی جوان کو اہی حالت میں دیکھتے تو پوچھتے

سال عنہ هل له حرفة فان قيل لا
کہ کون پیشہ کرے ہو اگر جواب ملتا کہ کچھ نہیں کر

قَالَ سَقَطَ مِنْ عَيْنِي ۝
 رہا ہوں تو فرماتے کہ یہ میری نظر سے گر گیا۔

(۷) فیشن پر پابندی لگائی اور عیش و عشرت کی زندگی سے منع فرمایا۔ چنانچہ ایک موقع پر فرمایا۔

اخشوشناو لا تبختر و اکتبختر

الاعاجمۃ کدہ

دوسری جگہ ہے۔

ایاکم والنعم وزی العبد وعلیکم
 اپنے کو عیش و عشرت کی زندگی اور عجموں کے طرز

بالشمس فانها حمام العرب ۴۴ سے بحاد سورج سے فائدہ اٹھاد۔ یہ عرب

کامیابی

ایک اور جگہ ہے۔

معد و واد اختو شنو اد خوشبیل سخت بزو اهلوا کاهاد کاهانزی پهنو

وَإِخْلُوقُوا وَعَلُّوا الرِّكْبَ اسْنَهَا

وانزو امنزو ارموا بالاعراض
چارہ دد۔ دٹ کہ گھوڑ سواری کہ د اور جم کہ

تیراندازی کرد۔

ایک موقع پر جو انوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

فہینا عن التکلف ^{۱۵} ہم تکلف سے روکے گئے ہیں۔

(۸) دنیا کو مقصود بنانے سے منع کیا اور دوسرے جہان و آسمان پر نظر رکھنے کا حکم دیا۔

لہ ایضاً ۲۔ ازلہ النحاز مقصود دوم من ابواب شتی ص ۱۳۵ لہ ایضاً ۳۔ ایضاً ۴۔ بخاری ج ۲

باب ايجزه من كثرة السؤال وتكلف بالانفيه ١٠٨٣

لا تحزنك الا يجعل لك كثير
تہیں یہ بات غم میں نہ ڈالے کہ دینی امور میں پس پڑے
ما تحب من امور دنیاك اذ كنت
بیزوں کا زیادہ حصہ نہیں ملا ہے۔ جبکہ تم کو اکثر
ذا غیبة فی امر آخرتاك یہ
کے امور سے رغبت ہے۔
(۹) لوگوں کے ذکر و تذکرہ میں پڑنے سے منع کیا کہ اس سے بھی شخصیت مجروح ہوتی ہے۔
علیکم بذکر اللہ فانہ
تم اللہ کے ذکر کو لازم پکڑو کہ اس میں شفاء
مشفاء وایاکم و ذکر الناس
ہے اور لوگوں کے تذکرہ سے اپنے کو بچاؤ کہ اس
قائہ جاء یہ
میں بیماری ہے۔

(۱۰) خود ستائشی سے سختی کے ساتھ روکا اور اس کو احساس کتری و خود کشی پر محمول کیا چنانچہ فرمایا
من قال انا عالم
جن شخص نے کہا میں عالم ہوں وہ پھر اصل
فہو جاہل یہ
جاہل ہے۔

ایک اور موقع پر ہے۔
المسح ذلج یہ
اپنی تعریف کرنا خود کو ذبح کرنا ہے۔

(۱۱) اپنی مضبوطی کے ساتھ دوسروں کی نکتہ چینی سے بے پروا رہنے کا حکم دیا۔
ما انعم اللہ علی عبد نعمۃ
اللہ نے بندہ کو جس نعمت سے نوازا ہے اسکے
الا وجدلہ من الناس ولو ان
حاضر و غائب ہوں گے۔ اگر کوئی شخص تیرے
امراً أقوم من السهم لوجدلہ
زیادہ سیدھا ہو جب بھی اس میں عیب نکالنے
من الناس من یغتر علیہ فمن
دائے ہوں گے۔ جس نے اپنی زبان کی حفاظت
حفظ لسانہ ستر اللہ عورۃ
کی۔ اللہ اس کی خفیہ باتوں کو پھیلے گا۔

(۱۲) غلامی کے رواج کو ختم کیا کہ اس سے شخصیت مجروح ہوتی تھی چنانچہ فرمایا۔
لا یسترق عوبی یہ
کوئی عربی غلام نہ بنایا جائے۔

لے تاریخ عمر لابن ماجہ فی الباب اسباب الدخول فیہ ایضاً ص ۱۰۰ ایضاً الباب السنون۔ لے تاریخ عمر الباب السنون
ص ۲۰۲ لے کثیر المعانی ص ۱۰۰ کتاب الجہاد من قسم الانفال الاساری ص ۱۱۲

ابو سنی اشعریؒ کو رکویہ حکم بھیجا۔

خدا کا اکا روضہ واعیہ

کسی کاشت کار دہل چلانے والے کو غلام نہ
رکھا جائے۔

ایک موقع پر فرمایا۔

هتھ استعبد تم الناس وقد
ولدتم امم احرارا ۛ

تم نے ان لوگوں کو غلام کب سے بنا رکھا ہے
حالانکہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد جنما ہے۔

(۱۲) حضرت عمرؓ نے تقدیر پر غلط اعتقاد سے روکا کہ اس سے شخصیت کی بالیدگی ختم ہوتی۔ اور
پست حوصلگی سرایت کر جاتی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ملک شام جبار ہے تبھے معلوم ہوا کہ وہاں طاعون
کی وبا شدت سے پھیلی ہوئی ہے۔ واپسی کا ارادہ کیا تو ابو عبیدہؓ نے اعتراض کیا کہ

افرار امنی قدر الله۔
جواب میں فرمایا۔

نعم نفر من قدر الله الى
قدر الله ۛ

ہاں ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر کی طرح
بھاگ رہے ہیں۔

”تقدیر“ اللہ کے علم و اندازہ کا نام ہے وہ کوئی آہنیا زہ نہیں ہے جو لوگوں کو پنداری گئی ہو
کہ لوگ سمجھتے جائیں اور وہ قبضہ کرتی جائے جس طرح وہاں جانا تقدیر سے ہے اسی طرح نہ جانا تقدیر
سے ہے۔ چنانچہ آگے فرمایا۔

اريت لو كان ابل فهبط واديا له
عدوتان احداها خصبة والآخرى
جدة اليس ان رعيت الخصبة رعيتها
بقدر الله وان رعيت الجدبة
رعيتها بقدر الله ۛ

اچھا بتاؤ کہ اگر تم اپنے اونٹوں کے ساتھ
کسی وادی میں اترو جس کے ایک طرف
سرسبز ہی ہو اور دوسری طرف خشکی تو کیا
ایسا نہیں ہے کہ اگر سرسبز حصہ میں چراؤ تو یہ
بھی تقدیر سے ہے اور خشک حصہ سے

لے ایضاً آئے تاریخ عمر اباب الشان و الشان ص ۳۷ مسلم باب انطا حون ۛ تاج عمر ابن ابو زری اباب الشان ص ۱۱۷

پر ادا کیے بغیر سے۔

(۱۴) شمار کی غلط تعظیم سے روکا اور حجر اسود کی طرف توجہ ہو کر فرمایا۔

انی لا اعلم انک حجج لا تنفع ولا
تضر له
میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نہ نفع پہنچا سکتا
ہے اور نہ نقصان۔

اسی طرح ”رسل“ کے بارے میں فرمایا۔

مالنا وللرمل انما کنا ارا ینابہ
المشکین وقد اهلکهم اللہ
رسل سے ہمارا کیا تعلق ہے اس کے ذریعہ ہم
نے مشرکین کو مرعوب کیا تھا اب ان کو اللہ نے
ہلاک کر دیا۔

لیکن چونکہ اس کا تعلق روایت و یاد گار سے تھا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل موجود تھا
اس بنا پر نہ خود ترک کیا اور نہ ترک کرنے کا حکم دیا۔

(۱۵) اُس درخت کے کاٹنے کا حکم دیا جس کے نیچے صلح حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے بیعت لی تھی کہ بعد میں لوگ اس کی زیادہ تعظیم نہ کرنے لگیں جس سے شخصیت پر حوت آئے۔

امر عمر بن الخطاب بقطع الشجرة التي
حضرت عمرؓ نے اس درخت کے کاٹ دینے

بیع تحتها النبی صلی اللہ علیہ وسلم
کا حکم دیا جس کے نیچے لوگوں نے رسول اللہؐ

فقطعها لانهم كانوا یذبحون یصلون
سے بیعت کی تھی اس لیے کہ لوگ اس کے نیچے

تحتها غفوا علیہم الغنۃ
ناز پر ہٹنے لگے تھے جس سے فتنہ کا اندیشہ تھا۔

(۱۶) حضرت دانیالؑ کی قبر پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا کہ اس سے قبر کی غلط تعظیم کا اندیشہ تھا۔

وامر عمر بیاخذ غطاء قبر
حضرت عمرؓ نے دانیالؑ کی قبر چھپانے کا حکم

دیا۔

دانیالؑ

(۱۷) اور دو وظائف کا سلسلہ زیادہ نہ جاری ہونے دیا کہ اس سے زندگی کے کاموں میں

۱۔ تاریخ عمر لابن الجوزی ابواب الاثالث والاربعون ۷۶ ۲۔ سناری و مشکوٰۃ باب دخول کدہ الطوان ۳۔ مسلم
اب الطائون ۴۔ الامتصاف للشاطبی ۵۔ فضل تدبیر اصیل شرعاً ۶۔ ۷۲ ۸۔ اغاثۃ الایمان لابن القیم ص ۲۷

عدل و اعتدال برقرار رکھنے میں دشواری ہوتی ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ بعد کے فقہوں کے ذکر میں کہتے ہیں۔

اختر ارج اوراد و احزاب بہ نیت تقرب
اللہ عز و جل زیادہ برکت
فائدہ اختر ارج کر لیے گئے جو سنت سے منقول
نہیں تھے اور واجبات کی طرح مستحبات کا
المتزام واجبات یہ
المتزام ہونے لگا۔

(۱۸) حضرت عمرؓ نے مذہبی رہنمائی کے لیے مبیہ مقرر کیا اور وعظ و افتاء جیسے مقدس فریضہ کی ہر شخص کو اجازت نہ دی کہ اس سے بھی دوسرے کی شخصیت کا گہرا تعلق ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ فقہوں کے ذکر میں کہتے ہیں۔

پہلے وعظ اور فتویٰ خلیفہ کی اجازت پر موقوف تھا اس کی اجازت اور مرضی کے بغیر نہ کوئی
وعظ کہہ سکتا اور نہ فتویٰ دے سکتا تھا لیکن بعد میں یہ صورت باقی نہ رہی اور وعظ و افتاء
میں آزادی ہو گئی تھی

(۱۹) حسب حیثیت و صلاحیت مذہبی امور کی ذمہ داری سپرد کی اور اس کا باقاعدہ اعلان کیا تاکہ
کوئی شخص خام کاہ و غلط رہنمائی کا شکار نہ ہونے پائے چنانچہ فرمایا۔

من اراد القرآن فلیاتہ بتیاً ومن
جو شخص قرآن حاصل کرنا چاہے وہ ابی بن کعب
اراد ان یسأل الفرائض فلیات زیداً
سے حاصل کرے جو فرائض کی معلومات حاصل
ومن اراد ان یسأل عن الفقه فلیات
کرنا چاہے وہ زیدؓ کے پاس جائے اور جو فقہ
معاداً ۳۵
سیکھنا چاہے وہ معاذؓ سے سیکھے۔

(۲۰) حضرت عمرؓ نے درازی تقریر اور پیشہ درانہ وعظ کو پسند نہیں کیا بلکہ غلط اثر کے اندیشہ سے اُن
کو شیطان کی طرف منسوب کیا۔

ان کثیرا من الخطب من شقاشق الشیطان
بہت سے خطبے (وعظ) شیطانی ہیجان سے ہیں۔

۱۔ ازالتہ الخفا مقصد اول در تقریر فقہ ۱۲۹ ص ۳۰ ایضاً ص ۱۳۰ ۲۔ ازالتہ الخفا مقصد اول ص ۱۳۰

۳۔ ازالتہ الخفا مقصد دوم من ابواب شتی ص ۱۳۹

شقائق (جمع شقہ) اس جھاگ کو کہتے ہیں جو سستی کے وقت اونٹ کے منہ سے باہر آتا ہے۔
چنانچہ شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں۔

شیطان کے ساتھ اس شخص کو تشبیہ دی جو اپنے کلام کو وسیع کرنا اور صدق و کذب کی پروا
نہیں کرتا ہے۔

(۲۱) حضرت عمرؓ نے ہر شخص کو خود کفیل بننے کا حکم دیا اور خاص طور سے مذہبی رہنماؤں کو
دوسرے کے لیے بار بننے سے منع کیا کہ اس سے دوسروں پر برا اثر پڑتا ہے چنانچہ فرمایا۔

یا معشر القراء اذ فغورؤ مسکم
فقد وضع الطریق واستبقوا
الحذیرات ولات کونوا عمیالا
علی المسلمین

اے قراء (علماء) کی جماعت اپنے سروں کو
ادبچا رکھو۔ راستہ کھلا ہوا ہے۔ مال کانے
میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاؤ اور
مسلمانوں پر بوجھ نہ بنو۔

(۲۲) معاشی بد حالی و بد نظمی کی وجہ سے شخصیت کی نشوونما ختم ہو جاتی یا وہ غلط راستہ
اختیار کر لیتی ہے۔ اس بنا پر حضرت عمرؓ نے خصوصی توجہ کے ساتھ مختلف قسم کے انتظامات کیے
مثلاً اگر کسی پر پابندی لگائی۔ چنانچہ ایک سائل آپ کے سامنے سے گزر ا جس کی بھولی غلہ سے
بھری ہوئی تھی۔ آپ نے اس کو اونٹوں کے آگے بکھیر دیا اور فرمایا۔

الان سئل ما بد اللہ ۵۵

اب سوال کر جو تجھے میرا بچا ہے۔

(۲۳) مستحق ذریعہ آمدنی بنانے کا حکم دیا تاکہ حالات کی تبدیلی سے اخلاق و کردار کے متاثر
ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت خالدؓ نے قادیسیہ کے عطایہ و وظائف دیکھ کر کہا
کہ بعض لوگوں کے اخراجات زیادہ نہیں ہیں۔ کھانے والے افراد کبھی کم ہیں۔ ایسی حالت میں فضول
خرچہ کی جذبات ابھرنے کا قوی اندیشہ ہے۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا

”جب ان لوگوں کو سرکاری عطایا ملیں تو کچھ بھڑکیں خبریں ادا ان کی پرورش کرتے رہیں

بھر مزید مطالبے پر اوروں بھیڑیں نہ ہوں۔ اس طرح ان کی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے گا۔ ممکن ہے میرے بعد کے حکمران اس نظام کو قائم نہ رکھ سکیں۔ اگر یہ ذریعہ آمدنی باقی رہے گا تو غریبوں کے کام آئے گا اور لوگ اس کے سہارے اپنی زندگی گزار سکیں گے۔

خالد۔ یہ جو کچھ تم سے کہہ رہا ہوں اس کے مخاطب دور و نزدیک کے سب لوگ ہیں جو شخص بالکل آخری سرس پر بیٹھا ہے وہ بھی میری ذمہ داری میں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جو حکمران اپنی رعایا کی خبر گیری سے غافل رہتا ہے اس کو فردوس کی ٹونگ نہ آئے گی۔“ (۲۴) خوشحالی و فادارغ البالی کے پروگرام کو وسیع کر کے ہر ایک کی معاشی کفالت کا اعلان کیا۔

ولایبدع فقیراً فی ولایتہ الا
اعطاء ولا مدیون الا قضی
عنہ دینہ ولاضعیف الا اعانہ
ولا مظلوماً الا نصرہ ولا ظالماً
الامنہ عن الظلم ولا عاریاً الا
کساء کسوة ۵
دوسری جگہ ہے۔

لیس لاحد الا لہ فی ہذا المال حق ۵
(۲۵) دفاتر قائم کر کے لوگوں کے وظیفے مقرر کیے۔ چنانچہ خالد بن ولید نے یہ تجویز پیش کی۔
میں نے ملک شام میں بادشاہوں کو دیوان مرتبہ کرتے اور فوج بھرتی کرتے دیکھا ہے جب
اس پر ابوسفیان نے اعتراض کیا۔

کہ کیا آپ وہ دیوں جیسے دفاتر قائم کریں گے؟ اس کے بعد لوگ اپنے اپنے وظیفے پھیل پر بھروسہ
کر کے تجارت چھوڑ دیں گے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ کیوں کہ مسلمانوں کے ”نے“

۵ ابو بکر صدیق و فاروق اعظم باہموں باب ۵ شرح شریعت الاسلام سید علی زادہ۔ ۵ کتاب الاموال ص ۲۲۱
۵ الاحکام السلطانیہ لقاضی ابی یعلیٰ فی دفع الدیوان ص ۲۲۱

کا مال بہت ہو گیا ہے۔ اے

دفا ترقائم کر کے وظیفہ مقرر کرنے میں دودشواریاں تھیں (۱) روسیوں سے مشابہت (۲) خود کار ذریعہ معاش سے بے رغبتی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے حالت و ضرورت کی رعایت سے اس کا انتظام کو ناگزیر سمجھا اور اس نظام کو یہاں تک ترقی دی کہ العوالی (مضافات) کے حکام سے وہاں کے لوگوں کی ہنر طلب کر کے ان کے وظیفے مقرر کیے نیز نو مولود شیر خوار بچوں کا وظیفہ دودھ پھڑانے کے بعد سے مقرر کیا۔ لیکن جب دیکھا کہ مائیں وظیفہ کی وجہ سے دودھ پھڑانے میں جلدی کر رہی ہیں تو پیدا ہونے کے بعد ہی سے وظیفہ کا حکم دے دیا۔

(۲۶) معلوم۔ اماموں اور مؤذنین کی تنخواہیں مقرر کیں تاکہ یہ معزز خدمت در یوزہ گری کی نذر نہ ہونے پائے۔

ان عمر بن الخطاب عثمان بن عفان کا نا
بیرقان المؤمنین والائمة والمعلین الفضاۃ
حضرت عمر و عثمان۔ اماموں۔ مؤذنین معلوم
اور قاضیوں کو تنخواہیں دیتے تھے۔

(۲۷) عوام کی معاشی حالت درست کرنے کے لیے معیار زندگی پر پابندی لگائی اور روزانہ گوشت کھانے سے روک دیا۔ چنانچہ ذبح خانہ خود تشریف لے جاتے اور جس کو دودن گوشت خریدنے دیکھتے دس سے اس کو سزا دیتے تھے۔

فاذرائی رجلاً اشتری لحمایومین
متابعین ضربہ الدرۃ
اور یہ فرماتے تھے۔
جب کسی شخص کو دیکھتے کہ وہ دودن مسلسل گوشت
خرید رہا ہے تو اس کو درے مارے

الاطویط بطنہ لمارک و ابن
عملہ
تو نے اپنے پڑوسی اور پچھلے بھائی کے
لیے کیوں کفایت نہیں کی۔

یہ قحط کے زمانہ کی بات نہ تھی بلکہ عام حالات میں معیار زندگی پر پابندی لگا کر لوگوں کو معاشی

کاٹے خود کھین بنا چاہتے تھے۔

(۲۸) وارڈ صادر کی معاشی ضرورت کے لیے مال گودام بنایا جس میں مختلف چیزوں کا اہتمام تھا۔

فجعل فیہا الدقیق والسیق والتمرو الذنبیج ما یحتاج الیہ یعین بہ المنقطع بہ والضیف لہ

مال گودام میں آٹا، ستوبہ، کھجور، کشمش اور دوسری ضرورت کی چیزیں تھیں جن کے ذریعہ مسافروں اور سماؤں کی مدد کی جاتی تھی۔

(۲۹) معاشی توازن برقرار رکھنے اور عیشی عشرت سے بچانے کے لیے مسلمانوں کو زمین و جائیداد رکھنے سے قاننا منع کر دیا تھا۔

بغلاں چھ لفظ دئی جو ہری کہتے ہیں۔

فلما کثرت الاموال فی ایام عمرو وضع الدیوان فرض الرواتب للعمال والقضاہ ومنع ادخار المال وحرم علی المسلمین اقتناع الضیاع والذراعة والمزارعة لان ارزاقہم وازراق عیالہم تدفع لہم من بیت المال لہ

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں جب مال زیادہ ہو گیا تو باقاعدہ رجسٹر مرتب کیے گئے۔ لوگوں کے وظیفے مقرر ہوئے، عاملوں اور قاضیوں کی تنخواہیں مقرر ہوئیں، نیز سرمایہ جمع کرنے، زمین رکھنے، کاشتکاری کرنے اور کرانے سے روک دیا گیا۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ لوگوں کے بال بچوں تک کے وظیفے سرکاری خزانہ سے مقرر کر دیے گئے۔

مانعت کے اس قانون نے یہاں تک ترقی پائی کہ

اگر کوئی غیر مسلم اسلام قبول کر لیتا تو اس کی تمام جائیداد غیر منقولہ ضبط کر کے سستی کے غیر مسلموں میں تقسیم کر دی جاتی اور اس کو مسلم کا سرکاری خزانہ سے وظیفہ مقرر کیا جاتا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں مانعت کے اس قانون پر عمل کیا تھا۔ وایدھذہ القاعدۃ عمر بن

حضرت عمرؓ کے اس قانون کو عمر بن عبدالعزیز

عبد العزیز و کان یقہدی ابن
الخطاب بکل خطواتہ
نے نافذ کیا اور وہ حضرت عمرؓ کے ہر نقش قدم پر
چلتے تھے

(۳۰) دی ہوئی زمین و جاگیر واپس لے لی۔ چنانچہ قوم بیکملہ کو خالصہ زمین کا کچھ حصہ دے دیا تھا۔
دو تین سال تک ان لوگوں نے زمین کو اپنے قبضہ میں رکھا لیکن جب میں حضرت عمرؓ نے اس کو واپس لے
لیا پھر جب قوم بیکملہ کے بعض افراد نے اپنے حقوق کا مطالبہ پیش کیا تو سرکاری خزانہ سے ان کی مدد کی
جس کی حیثیت لازمی طور سے معاوضہ کی نہ تھی۔

اسی طرح بلال بن حارث سے پوری وادی حقیقہ یہ کہہ کر واپس لے لی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے تم کو اس لیے نہیں دیا تھا کہ نہ خود آباد کرو اور نہ دوسروں کو آباد کرنے دو۔ جتنی زمین آباد کر سکتے ہو
اپنے پاس رکھو اور بقیہ خلافت کے حوالہ کر دو یہ سن کر بلالؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ کی دی ہوئی زمین
کبھی نہ واپس کروں گا خواہ میں اسے آباد کروں یا نہ کروں حضرت عمرؓ نے واپسی پر اصرار کیا اور بالآخر
آباد شدہ حصہ چھوڑ کر بقیہ زمین لے لی۔

(۳۱) حضرت عمرؓ نے قحط کے زمانہ میں جبکہ لوگوں کے حقوق پاگمال ہو رہے تھے، اجتماعی طعام
کی ایک تجویز کا خیال ظاہر کیا۔ چنانچہ فرمایا۔

فواللہ لو ان اللہ ما یغیر جہامنا
تو خدا کی قسم میں ہر مسلمان کے گھر میں جس میں
کچھ دست ہے اس کے افراد کے برابر غریب غفلوں
کو دامن کر دوں گا کیوں کہ نصف پیٹ کھانے
سے کوئی ہلاک نہ ہوگا۔
علی ما یقیم واحد آئم

یہ کوئی ترغیب کا معاملہ نہ تھا بلکہ قانون و فرض کی شکل تھی جیسا کہ ”ذوالنثر“ اور ”ادخلت“ سے
ظاہر ہے۔

لے ایضاً یہ کتاب الاموال و کتاب الخراج و احکام القرآن لجمہ ص اسلام کا زرعی نظام سے کتاب الاموال کتاب الخراج
یہی ص ۳۲ کے تاریخ عمر الباب الثالث و الثلثون ص ۱

(۲۲) حضرت عمرؓ نے حکومت و عوام کے درمیان کسی قسم کا تہنجی سلوک روا نہ رکھا بلکہ سب کو ایک خاندان کے افراد قرار دیا تاکہ کوئی احساس کمتری کا شکار نہ ہو۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں

انما مثلنا کمثل قوم سا فردا ہمارے مثال اور قوم کی مثال اسی ہے جیسے کچھ
فد فعدوا نفعنا تم الی وجہ لوگوں نے سو کیا اور اپنے اخراجات کی قسم
منہم فعدوا لہ انفع علینا اپنے میں سے کسی آدمی کے یہ کہہ کر سوال کر دیا
فہل لہ ان یستأثر علیہم کہ ہمارے اوپر خرچ کرتے ہو کیا اسی صورت
بشی قال لا لہ میں ان کے ساتھ کسی قسم کا تہنجی سلوک روا
ہو سکتا ہے؟ بالکل نہیں!

حکومت کی حیثیت واضح کرتے ہوئے فرمایا

فان الله جعلنی خازناً^۵ مجھ کو اللہ نے خازن اور تقسیم کرنے والا بنایا
وقاماً لہ

(۳۲) عام حالات میں حکومتی طبقے کے لیے متوسط درجہ کی زندگی کا معیار پیش کیا۔

قوی وقوت اہلی کفوت میری اور میرے گھر والوں کی روزی اس قدر
رجل من قریش لیس باعذابم ہے جتنی کہ قریش کے متوسط درجہ شخص کی جو
ولا با فقرہم^۶ نہ زیادہ مالدار ہو اور نہ زیادہ مفلس ہو۔

اور خاص حالات میں جب تک دوسروں کے لیے ضروریات زندگی کی فراہمی نہ ہو جائے اس معیار کو بھی گوارا نہ کیا۔ چنانچہ خط کے زمانہ میں گھمی اور دودھ وغیرہ کا استعمال ترک کر دیا اور دیکھا غذا استعمال کرنے لگے جو عام لوگوں کو ملتی تھی۔^۷

(۳۴) اہل و عیال کو بھی اس انداز سے رکھا کہ ان کی وجہ سے کوئی اپنے کو کمتر نہ سمجھے چنانچہ

فرمایا۔

انہ واللہ مالاک عندی
غیر سہل فی المسلمین
وسعت او عجز عنک هذا
کتاب اللہ بینی و بینکم
خدا کی قسم میرے پاس تمہارا اہل و عیال اتنا
حصہ ہے جتنا دوسرے مسلمانوں کا ہے اس میں
تمہیں وسعت ہو یا تنگی میرے اور تمہارے درمیان
افتر کا یہی فیصلہ ہے۔

(۳۵) حکم و احکام اور قانون کے نفاذ میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ کوئی رعایت گوار نہ کی۔
بلکہ دوسروں کے مقابلہ میں سختی کا برتاؤ کیا جیسا کہ حضرت عمر کا دستوریہ منقول ہے۔

اذا نھی الناس عن شیء جمع
اہلہ فقال انی قد نھیت عن
کذا و کذا و ان الناس ینظرون
الیکم کما ینظر الطیر الی
اللحم فان وقفتم و قفوا
ان ہبتم ہابوا و انی واللہ
لا اوتی برجل وقع فیما نھیت
الناس عنہ الا ضعف لہ العقوبۃ
لمکانہ منی فمن شاء منکم فلیقدم
ومن شاء فلیتأخر
جب لوگوں کو کسی چیز سے روکنے کو آپ نے اکٹھے
دالوں کو جمع کیسے فرماتے کہ میں نے فلاں
چیز سے منع کیا ہے اور لوگ تمہاری طرف
ایسے ہا دیکھ رہے ہیں جیسے پرندہ گوشت
کی طرف دیکھتا ہے۔ اگر تم بچو گے تو وہ بھی
بچیں گے اور تم بھینسو گے تو وہ بھی بھینس
گے اگر تم میں سے کسی نے منع کی ہوئی بات کو گناہ
کیا تو اپنے نعلن کی وجہ سے خدا کی قسم اس
کو دو گنی سزا دوں گا اب اختیار ہے جو چاہے
آگے بڑھے اور جو چاہے پیچھے ہے۔

(۳۶) عہدہ بلازمت میں اپنے خاندان و گھر والوں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی بلکہ دوسروں
کے مقابلہ میں زیادہ احتیاط سے کام لیا۔

کوئہ والوں کی حالت سے حضرت عمرؓ اکثر پریشان رہتے تھے۔ اگر ان پر کوئی نرم حاکم بنایا
جاتا تو اس کو کوئی اہمیت نہ دیتے اور سخت آدمی کو متعین کیا جاتا تو اس کی شکایت کرتے چنانچہ
ایک مرتبہ تنگ آ کر کہا۔

ولود ووت انی وجدت رجلا قویا امینا مسلما استعمله علیہم
کاش مجھے کوئی قوی امانتدار اور مسلمان ملتا تو
میں اس کو کوند داؤں پر حاکم بناتا۔
ایک شخص نے عرض کیا۔

ابنا والله ادلك علی الرجل
خدا کی قسم میں آپ کو ایک ایسا بھائی پاتا
القوی الامین المسلم واشقی
ہوں جو قوی امین مسلمان سب کچھ ہے اور
علیہ۔
بڑی خوبیوں کا مالک ہے۔

پوچھا وہ کون ہے؟ جواب دیا عبدالنثر (آپ کے صاحبزادے ہیں)
یہ سن کر فرمایا۔

قاتلک الله لہ النثر تجھے محروم کرے۔

(۳۷) بیوی میں بھی برتری کے جذبات نہ ابھرنے دیے بلکہ ان سے برابر خدمت خلق و دفاہ
حاکم کے کام لیتے رہے۔ چنانچہ یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک رات گشت کر رہے تھے کسی گھر سے دروازہ
میں مبتلا عورت کے کراہنے کی آواز سنی فوراً واپس آکر اپنی بیوی ”ام کلثوم“ کو خدمت کے لیے لے
گئے جو ضوانی امود کی نگہداشت کرتی رہیں یہاں تک کہ فراغت ہو گئی تھی۔

یہ گھر معمولی تھا جس میں جانے سے بیگمات کی توہین ہوتی ہے اور عورت بھی اپنے دلچسپی نہ
تھی بلکہ کم درجہ کی تھی جس سے بات کرنے میں بیگمات کی توہین ہوتی ہے۔

(۳۸) حضرت عمرؓ نے عملاً معاشرتی امتیازات (ادب و بیچ کی تقسیم ذات پات کی تفریق اور
حسب و نسب کا لحاظ وغیرہ) کو ختم کیا کہ اس سے بھی شخصیت مجروح ہوتی ہے اور ذاتی صلاحیتوں کے
نشوونما پانے کے مواقع محدود ہو جاتے ہیں چنانچہ چہ میل جول و ملاقات میں رُسا کو ناپائی حیثیت دی
اور جن کو کمتر سمجھتے تھے ان کو درجہ اول پر رکھا۔

حضرت جنؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس سہیل بن عمروؓ حادث بن ہشام ابوہشامؓ
بن حرب اور قریش کے دوسرے رُسا حاضر ہوئے۔ خبیث بن بلالؓ اور دوسرے آذات و غلام

سہی آئے لیکن حضرت عمرؓ نے ثانی الذکر کو اجازت دی اور اول الذکر کو چھوڑ دیا۔ اس پر ابو سفیان نے کہا۔
 لہذا رکال یوم قطب یا ذن لہولاء ایسا میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ ان غلاموں کو
 العبدید ویترکنا علی بابہ اجازت ملتی ہے اور ہم مدد داؤہ پر کھڑے بیٹے
 لایلتفت الینا۔ ہیں۔ ہماری طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی۔

سہیل زیادہ سمجھا رہے تھے انہوں نے جواب دیا۔

ایہا القوم انی واللہ قعد اے لوگو! میں تمہارے پھر دل کی ناگواہی دیکھ
 ارئ الذی فی وجوہکم رہا ہوں۔ اگر تم غصہ کرتے ہو تو اپنے اور غصہ
 ان کنتم غضباناً فاغضبوا کرد۔ قوم کو دعوت دی گئی اور تمہیں بھی دی گئی
 علی انفسکم دعی القوم لیکن قوم نے قبول کرنے میں جلدی کی اور تم
 ودعیتم فاسرعوا وابطا تم لوگوں نے دیر کی۔ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا
 فکیف بکم اذا دعوا یوم جبکہ قیامت کے دن قوم بلائی جائے گی اور
 القیمۃ وشرکتہ تم جھوڑ دیے جاؤ گے۔

(۳۹) حسب د نسب اور ذات پات کے بتوں کو اس طرح توڑا کہ دلی کی مرضی کے خلاف غیر کفو
 میں نکاح کا حکم دیا چنانچہ حوالی (آزاد شدہ غلاموں) میں سے ایک مالدار شخص نے ایک قریشی کی بہن سے
 پیغام بھیجا قریشی نے یہ کہہ کر انکار کر دیا۔

ان لنا حسباً وانہ لیس ہم حسب د نسب والے ہیں۔ وہ (لوگ) لڑکی
 لہا بکفو۔ کا کفو نہیں ہے۔

جب اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو پہنچی تو آپ نے قریشی کو بلا کر کہا کہ وہ مالدار بھی ہے اور
 پرہیزگار بھی اگر بہن راضی ہے تو نکاح کر دو۔

زوج الرجل ان کانت المرءۃ راضیۃ اگر لڑکی راضی ہے تو اس سے نکاح کر دو۔
 چنانچہ بھائی نے جا کر پوچھا تو وہ راضی ہو گئی اور نکاح کر دیا گیا۔

فراجعہا اخوها فرضیت فزوجها بیٹھائی نے جیہ اس سے مروجت کی آدھڑائی

منہ لہ ہو گئی اور اس سے نکاح کر دیا۔

یہ کوئی معاشرہ کا معاملہ نہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے مجبور ہو کر یہ فیصلہ کیا ہو بلکہ حسبِ دُنبیب کے بت کو توڑنا مقصود تھا جس کے آہنی پنجہ میں اب مسلم معاشرہ گرفتار ہو گیا ہے۔

۱۴) خود اپنے صاحبزادہ ”عاصم“ کا نکاح ایک دودھنوش کی بیوہ لڑکی سے کیا جس کا واسطہ

مشہور ہے ۲۔

امیر المومنین نے لڑکی کا حسبِ دُنبیب دیکھا اور نہ معیارِ زندگی پر نظر کی۔ ادھر صاحبزادہ تے

نہ ہیز کی خواہش کی اور نہ بیوگی پر نظر کی۔ دراصل ان دونوں نے زندگی کے اصل معیار کو دیکھا اور وہ

”تقویٰ“ ہے جس کا ثبوت لڑکی میں بدرجہ اتم موجود تھا بس اسی کو بنیاد بنا کر صاحبزادہ نے اُماؤگی ظاہر کی اور امیر المومنین نے تادی کا پیغام بھیجا۔

غرض اس قسم کی بہت سی تعلیمات ہیں جن سے شخصیت سازی کا ثبوت ملتا ہے اور نہایت ہی

خوددار عالی حوصلگی، علم و ہنر میں ترقی کے ساتھ باوقار زندگی گزارنے کی تاکید پائی جاتی ہے۔

لہ اذالہ انتخا مقصد دم سیاست فادرق اعظم لہ ایضا گشت عمر

BOMBAY ANDHRA TRANSPORT Co.

Transport Contractors

113, BHANDARI STREET (CHAKLAY)

BOMBAY 3

”تسخیرِ فطرت یا علم و عشق“

(از جناب قاضی محمد عدیل عباسی ایڈوکیٹ سبٹی یو پی)

زیر طبع کتاب ”اقبال اور اسلام“ کا ایک جزو

آج کی تمدن و دنیا کے نقش و نگار کو دیکھ کر یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ ابتدائے تاریخ سے قبل کے انسان کا رہن سہن کیا رہا ہوگا لیکن ایک دور وہ بھی تھا جب وہ غاروں اور درختوں کے سائے کے نیچے گز رہے کرتا تھا اور گھاس پھوس اور کچے گوشت کھاتا تھا۔ اس نے ابھی آگ دریافت نہیں کی تھی کہ کھانا پکانا، کپڑا بنانا نہیں جانتا تھا اس لیے یا تو ننگے رہتا تھا یا درختوں کی پھال پہنتا تھا لیکن وہ ادراک، احساس، جو اس شخص سے قدرتا بہرہ ور تھا اور اسی کا دوسرا نام عقل ہے جو اس میں ددیعت کی گئی تھی چنانچہ اس نے اپنے آپ کو اور دنیا کو سنوارنے میں تدریجی منزلیں طے کرنا شروع کیں۔ آگ دریافت کی اور کچے گوشت کو بھون کر کھایا۔ غزلے مچائے میں یہ اس کا پہلا قدم تھا اور اس کے بعد وہ روز بروز نئی دریافتیں کرتا رہا۔ انسان کے اندر آرزو اور جستجو اس طرح کوٹ کوٹ کر بھری تھی کہ وہ اس کی طبیعت ثانیہ سنی ہوئی تھی۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بچتے ہر چیز کی دریافت و جستجو میں لگا رہتا ہے گویا یہ مادہ انسان کے خیر میں ہے اور اسے طبیعت ثانیہ کتنا بھی صحیح نہیں یہ اس کی اصل طبیعت اور اس کا اصل مذاق ہے جس عالم اب دگل میں اس کو رہنا تھا اور جس ماحول میں اسے زندگی گزارنی تھی وہ اس کے راستے میں رکاوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ بڑی بڑی جھاڑیاں، گھنے جنگل، مہیب غاروں یا اور پہاڑ، کہاں جائے اور کیا کرے! اینچر یعنی فطرت اس کی دشمن تھی۔ اس نے اس سے لڑنے اور اس کو قابو میں کرنے کی تمنا پیدا کی اور یہ تمنا اس کی تخلیق میں مضمر تھی۔ اس تمنا کے لیے اسے کسی عالم کے دعوے، کسی فلسفی کی تقریر کسی ہوش اور دلوں دلانے والے

خطبہ کی ضرورت نہ تھی وہ بہ تعاضلے فطرت اس میں منہمک ہو گیا اور اس کی بیخدا کے سامنے یہ کائنات فطرت
سزنگوں ہوتی چلی گئی۔ اس کی فتوحات کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس نے لوہے کی دریافت کی۔ کھارے بنائے۔
جنگلوں کو کاٹ کر کشتیاں بنائیں اور دریائوں کو پار کیا۔ اس کی تسخیر فطرت کے میدانِ عمل کا وہ بڑا کامیاب دن
تھا جب اس نے دانہ زمین میں ڈالا اور غلہ اُگایا۔ زراعت موجودہ دور تمدن کی مشہل اویں تھی۔
اب وہ جہالت اور کم علمی کے ظلمات سے باہر نکل رہا تھا اور علم و شعور کی ہلکی ہلکی شعائیں اُسے نظر آنے
لگی تھیں۔ اس نے پھر غلہ کا استعمال سیکھا اور طرح طرح کے کھانے تیار کرنے شروع کیے۔ ان سب باتوں
کے سکھانے کے لیے کوئی استاد تھا نہ کوئی کتاب تھی نہ معلم تھا نہ مدرسہ اور کالج تھے۔ خود اس کے اندر
موجود عقل کی رہنمائی اور خود اپنے تجربات اس کے لیے مشعلِ راہ تھے۔ رفتہ رفتہ اس نے ترقی کی ارتقائی
منزلیں طے کیں اور آج خوش نما باغ و بہار پارک اور ہوٹل، طرح طرح کے لذیذ کھانے، انواع و اقسام
کے فطرت دہنے کے لیے عمدہ سے عمدہ مکانات، استراحت کے لیے نرم ملائم گدے اور مسہریاں بچلنے کے
لیے تیز رفتار سواریاں، مرض پر قابو پانے کے لیے دوائیں، پرسکون زندگی گزارنے کے لیے قوانین و دستور
حیات کے لیے آئین موجود ہیں۔ ان فرض اس نے کیا کیا نہیں کیا۔ وہ دریائے دُر تھا اور اس پار سے
اُس پار جانا محال تھا اور کہاں اس نے دریا کے پانی کو نہ صرف کھیتوں میں پہنچایا بلکہ اس سے بجلی نکالی
اور راستوں اور گھروں کو روشنی دے دی۔ اس نے بجلی سے مزدور کا کام لیا۔ اس سے اپنے بدن گرم کیے
کھانا پکایا، لکڑی چیری، گیسوں پیدا اور طرح طرح کی خدمات لیں۔ کہاں وہ پہاڑ کو ناقابل عبور سمجھتا تھا
کہاں اس نے ڈائنامیٹ سے پہاڑوں کو روٹی کے گائے کی طرح اڑا دیا۔ کبھی ہمالیہ فیصل کشور ہندوستان
تھا اب ہمالیہ انسان کی حفاظت کا محتاج ہے۔ اس نے سمندروں کو مسخر کر کے داخلی جہازوں سے اس کی
موجوں کو روند ڈالا۔ اس نے ہوا کو مسخر کیا اور ہزاروں میل فی گھنٹہ ہوائی جہازوں پر پرداز کرنے لگا۔ زراعت
کے بعد صنعت کی فہم آئی اور اس نے سارے عالم کو نگارخانہ بنادیا اور معاش اور راحت کے نئے
نئے راستے پیدا کیے۔ انسان کی طبع انصبور کرداروں اور تمناؤں کا ایک وسیع میدان ہے۔ ایک لمحہ اس
کو چین نہیں دیتے۔ فتوحات وہ کرتا رہتا ہے۔ اور آسمانوں پر کندھ ڈالتا ہے۔ آج اس کی پرداز کردہ باد سے
پرے خلا میں ہے اور چاند مریخ زہرہ تک پہنچنے کا خواب دیکھ رہا ہے۔ آج وہ ہزاروں میل دور سے لوگوں
سے بات بھی کرتا ہے اور ان کی شکل بھی دیکھتا ہے۔ طلسم ہوش ربا کے افسانے آج حقیقت بن کر سامنے ہیں

یہ سب علم انسانی کے کرشمے اور عقل کے مجربے ہیں۔ ایک زمانہ تھا جس کو پانچ چھ سو سال سے زائد نہیں ہوئے جب علم انسانی اتنا محدود تھا کہ حکیم یا ڈاکٹر کا درجہ اسی کو ملتا تھا جو تمامی علوم پر حادی ہو چنانچہ بوعلی سینا حکیم نہیں کہا گیا بلکہ شیخ کہلایا اور دایت ہے کہ صرف اس لیے کہ وہ موسیقی نہیں جانتا تھا۔ آج علمِ دفن نے اتنی ترقی کی ہے کہ اس کی ایک ایک شاخ ہی میں کمال حاصل نہیں کر سکتا چہ جائے کل شاخوں پر نظر ڈالے اور کل موجودہ علم کا احاطہ تو تصور میں بھی نہیں آ سکتا علم کو آرٹ اور سائنس میں تقسیم کر کے ہر ایک کی بے شمار شاخیں اور شاخوں کی شاخیں ہیں۔ مثال کے طور پر صرف علم الابدان کو لے لیجئے تو اس میں طب اور جراحات کے دو بڑے شعبے ملیں گے۔ اور ہر ایک میں الگ الگ مضامین ہیں۔ اگر آج آپ کسی کو ڈاکٹر کہہ دیں تو سننے والا اگر ہوشیار ہے تو کچھ سمجھ نہ سکے گا کہ آپ کیا فرما رہے ہیں ابھی صرف دس سال قبل ڈاکٹر سے یہ مراد لی جاتی تھی کہ وہ ہر مرض بلکہ طب و جراحات کے ہر شعبے کا ماہر ہے۔ آج آنکھ کے ڈاکٹر، کان کے ڈاکٹر، حلق کے ڈاکٹر، پیچھے ٹپے کے ڈاکٹر، ہڈی کے ڈاکٹر، انفرس ہر ہر عضو کے الگ الگ ڈاکٹر ہیں۔ اگر قسمی سے آپ بیٹا ہو کر کسی ماہر طبیب (ڈاکٹر) کے پاس کھنڈھیلے حاصل ہو تو وہ آپ کو مختلف ماہرینِ فن کے پاس بھیج کر ان کی رپورٹیں لے گا اور تب کوئی رائے قائم کر سکے گا اگر آپ قبض جیسے معمولی اور عالمگیر مرض میں مبتلا ہیں تو وہ دانت کے ڈاکٹر کی رائے لے گا کہ دانتوں میں پائیریا یا اس قسم کی کوئی بیماری تو نہیں ہے جس سے وعدہ پرائیڈر رہا ہے۔ اگر بخار ہے تو خون کا معائنہ کر لے گا۔ انفرس علم کی وسعت اور پہنائیوں کی وجہ سے ہر ماہرِ فن ایک جہز میں مقید ہو کر رہ گیا ہے اور دوسرے ماہرینِ فن کا محتاج ہے اور یہ مشورہ دے کہ کہ آپ فلاں سے اس معاملہ میں مشورہ کر کے رپورٹ لائیے، اپنے عجز اور اس شاخِ علم سے نادانیت کا اظہار کرتا ہے۔

ادہ پرستوں کا خیال ہے کہ انسان اصل نقطہ اس کائنات کا ہے اور وہ زیورِ علم سے آراستہ ہے۔ اس علم کی بدولت وہ فطرت کی تسخیر کر رہا ہے، فطرت اس کی دشمن ہے اور یہی تنہا اس کی دشمن ہے۔ اور جب وہ کل فطرت کو مسخر کر لے گا تو وہ کال ہو جائے گا تکمیلِ انسانیت کے لیے علم اور عقل کے راستے سے نیچر کو قابو کر لینا ہی کافی ہے اور ایک مادرِ المومسات کا درمطلق ہستی کا تصور محض اس کے علم کی خامی اور اس لیے اپنی بعض ضروریات زندگی میں مجبوری و مجبور کی کا دوسرا نام ہے۔ مثلاً جب تک انسان نے دریاؤں سے پانی کو نکال کر نہروں اور دیگر ذرائع سے کھیتوں کی آبپاشی

کا طریقہ دریافت نہیں کیا تھا اور اس کی کھیتی کی نمود پر دراخت کا انحصار صرف ابر باران پر تھا تو پانی نہ برسنے کی شکل میں وہ عظیم نشان قادر مطلق ہستی کا تصور کر کے اس سے دعائیں مانگتا تھا کہ وہ پانی برسا دے لیکن جب اس نے ہنر، یوب دل اور دیگر ذرائع سے زمین اور دریا کو مسخر کر کے اور مختلف طبعیات اور انجینئرنگ سیکم کر کھیتوں کو پانی سے بھر دیا تو وہ پانی برسنے کی دعا نہیں کرے گا اس لیے کہ علم کی کمی اور مجبوری کا نام خدا ہے ورنہ خدا کا کوئی وجود نہیں۔

دوسری طرف مذاہب کا ایک گروہ جو وحدت الوجود جیسے عقیدہ کا قائل ہے وہ مادہ اور روح دونوں کے وجود سے انکار کرتا ہے اور جب مادہ کا وجود نہیں ہے تو تسخیر کس کی ہوگی جب انسان کی ایما اینفو کا وجود نہیں ہے تو تسخیر کون کرے گا اور کس کے لیے کرے گا۔ دوسرا گروہ مادہ کے وجود کا تو اقرار کرتا ہے لیکن اس سے گریز یا فرار کرتا ہے اور کج عافیت میں بیٹھ کر سکون پرستی اور انشراح کی یاد میں گزارنا چاہتا ہے۔ وہ فطرت سے آویزش کا قائل نہیں اگرچہ تسخیر فطرت سے جو منافع حاصل ہوں اس سے مستفیض ہونے سے احتراز نہیں کرتا وہ اپنا گھر بجلی کے چراغوں سے روشن کرتا ہے لیکن بادلوں سے بجلی لانے کی مشقت سے منحرف ہے۔

اقبال کا نظریہ جو عین اسلام کی تعلیم ہے اس کو ظاہر کرنے سے پہلے ایک اور امر کی جانب اشارہ کرنا ضروری ہے۔ انسان جب جنگوں اور غارتوں میں رہتا تھا تو اسے کسی قانون یا دستور کی ضرورت نہ تھی یا یہ بات ابھی اس کے شعور میں نہیں آئی تھی۔ جس طرح وہ تھکن ہوتا گیا اور اس نے بڑے بڑے شہر بسائے اور محل جل کر رہنا سیکھا تو اس کو ضابطہ حیات کی حاجت ہوئی انفرادی اور اجتماعی اور دھیر دھیرے فہمیت یہاں تک آگئی کہ خود جہادری اور مال دیوانی اور قومی سے کل کرین الا قوامی قوانین بھی تیار کرنے پڑے۔ ان معاملات کو حل کرنے کے راستے کیا ہیں۔ حقوق اور فرائض کی تربیت کیسے دی جائے جرائم کے انفراد اور ان کی سزائیں کیا ہوں۔ مختلف عقائد میں ہم آہنگی پیدا کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ صلح و امن کے کیا راستے ہیں۔ ان ہی قوانین کے انضباط اور تدین اور ان پر عمل درآمد کے ضوابط کا نام تہذیب ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ مسائل کس طرح حل ہوں گے دنیا کے ایک بڑے گروہ کا جن میں مادہ پرستوں کے علاوہ بہت سے مذاہب کے ماننے والے بھی شامل ہیں یہ خیال ہے کہ یہ مرحلہ بھی عقل ہی طے کرے گی انسانی عقل کل پر محیط ہے اور وہ انسان کی رہنمائی کے لیے کافی ہے۔

ایک تیسرا مرحلہ جہاد مادہ پرستوں کی توجہ اس لیے منعطف نہیں ہوئی کہ دھادہ کے سوا خدا اور

روح کے قائل ہی نہیں ہیں اور وہ مرحلہ ہے خود انسان کے ذاتی اور شخصی اعمال کا جو قوانین کی زد میں نہیں آتے ہیں اور نہ ان کے بارے میں کسی قسم کا قانون مرتب کیا جاسکتا ہے مثلاً ماہی باپ کی اطاعت۔ اپنے چھوٹوں سے محبت، مبتلائے آلام و مصائب سے ہمدردی، احسان، عفو و درگزر، کینہ، بغض، حسد، غیبت، چغلی سے گریز وغیرہ وغیرہ۔ اسی لیے مارکس از م میں انفرادی اعمال صالحہ کا اسی طرح کوئی دعوہ نہیں ہے جس طرح انفرادی آزادی کوئی چیز نہیں سب کچھ مجموعی انسان کے فلاح و بہبود میں مضمر ہے اور تسخیر کائنات کی غرض بھی یہی ہے کہ انسان آرام و آسائش کی زندگی بسر کر سکے۔ انسان انسان ہیں فرق باقی ماندہ ہے۔ اور افلاس، بیاری ایک انسان پر دوسرے انسان کی برتری درجہ ہو۔ انغرض اصل چیز انسان نہیں بلکہ انسانوں کی سوسائٹی ہے۔

قرآن حکیم نے ان تمام خیالات و افکار کا جائزہ لیا ہے اور ایک سیدھی اور مستقیم راہ جو ہر عام و خاص کی سمجھ میں آسکتی ہے، معین کی ہے۔ اقبال نے اپنے فن کا راند شعری مہارت سے اسی کو بار بار زور کلام اور حسن بیان کی خوبیوں سے آراستہ کر کے پیش کیا ہے۔ علماء اسلام نے سیدھے سادھے الفاظ میں جو بات کہی تھی وہ یہ تھی کہ تمام عالم انسان کے لیے اور انسان اللہ کی عبادت کے لیے بنایا گیا ہے اسی کو وہ فلسفیانہ زبان میں عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اشعار کے خوبصورت سانچے میں ڈھانتا ہے۔

جہاں تک تفسیر فطرت کا سوال ہے وہ پوری حد تک مادہ پرستوں کے ساتھ جاتا ہے، وہ انسان کے اندر علم و عقل کی بے پناہ طاقتوں کے پنہاں ہونے کا قائل ہے۔ اسی لیے وہ حرکت کا مدح خواں اور سکون کا مخالف ہے۔ جدوجہد زندگی میں وہ انسان کو ہر وقت آگے بڑھنے کے لیے کوڑے مارتا ہے اور حیات کو بے ثبات تصور کے مغموم و دلگیر ہو کر کنج عافیت تلاش کرنے کو انتہائی معیوب تصور کرتا ہے۔ وہ انسان کو آرزوں کا مسکن مانتا ہے اور نت نئے انداز اور نئے شان سے اس کو جھوٹہ گرد دیکھنا چاہتا ہے۔

محبت تھے ان جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کسند

چنانچہ اس نے شاعرانہ شوخی کے ساتھ محاورہ مابین خداداد انسان بھی تصنیف کیا ہے۔ اس سے مراد انسان کی قوت تفسیر فطرت کی پر زور نمائش ہے۔ خدا انسان کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ میں نے ایک آبدار دنگل سے اس دنیا کو پیدا کیا لیکن تو نے ایران و تاتار و زنگ میں اسے تقسیم کر دیا۔ میر نے بھی

سے لوہا بنایا تو نے اس سے شمشیر و تیر و تفنگ بنائے تو چمن کے درختوں کو کاٹنے کے لیے تیر بناتا ہے اور طاہر
نغمہ زن کے لیے نفس تیار کرتا ہے۔

جہاں رازِ یک آب دگل آفریدم تو ایران و تاتار د زنگ آفریدی
من از خاکِ پولاد ناب آفریدم تو شمشیر و تیر و تفنگ آفریدی
تیر آفریدی نہالِ چمن را
نفس ساختی طاہر نغمہ زن را

انسان کی یہ شرارتیں جب بیان کی گئیں تو گوان میں بھی اس کے علم و تسخیر کے کرشمے شامل تھے لیکن منزل
شر کے گئے تھے۔ اس لیے انسان نے جواب دیا کہ میری قوت تسخیر خیر کی جانب بھی مائل ہے اور میں نے وہ
بڑے بڑے کارنامے انجام دیے جس نے تیری صفاتِ عالم سازی کو جلا بخود ہی ہے۔ تو نے رات بنائی تھی
اور صبح بھی تھی، میں نے چراغ بنا کر اسے روشن کیا، تو نے مٹی بنائی تھی، میں نے جام بنایا، تو نے بیابان
دکھا اور نشیب و فراز زمین بنادی تھی میں نے اس کو خیابان و گلزار و باغ بنا کر آراستہ کیا میں وہ ہوں کہ
پتھر سے آئینہ اور زہر سے نوشینہ تیار کرتا ہوں۔

تو شب آفریدی پیراغ آفریدم سفال آفریدی ایاغ آفریدم
بیاباں و کسار و راغ آفریدم گلستان و گلزار و باغ آفریدم
من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم
من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

انسان کی یہ تعلی جو دراصل حقیقت کی آئینہ دار ہے اس میں اقبال نے صرف شوخی بھری ہے
اور گستاخی کے ساتھ انسان کے کمالات و فنِ تسخیر کو ظاہر کیا ہے۔ اسی طرح کی شوخی اور مستی وہ ”پیام
مشرق“ میں اپنی نظم بہشت میں ظاہر کرتا ہے۔ اقبال کے نزدیک یہ دنیا حرکت و جہد و جدوجہد اور آرزوں
کی تکمیل کی ہے۔ آدم جب بہشت میں تھے تو ان کی زندگی میں کوئی طوفان نہ تھا وہ آرزو کی خلش سے
آزاد تھے چنانچہ میلادِ آدم، انکارِ ابلیس، اغوائے آدم کے تحتی عنوانات سے جو بشکلِ ڈرامہ اقبال نے
بعض ان تسخیرِ فطرت لکھا ہے اس کے آخر میں آدم کی زبان سے اسی حقیقت کا انکشاف کیلئے وہ اس دنیا
کو بہشت سے بھی زیادہ دلکش پاتا ہے کیونکہ یہاں سوز و گداز نہ ہے۔ آسمانوں کا راستہ ڈھونڈنا اور رستاروں

کو رازدار بنانا ہے۔ یہ وہ زندگی ہے جس میں تغیر ہے اور آرزو کی خلش ہے۔

آدم از بہشت بیرون آمدہ می گوید

چہ خوش است زندگی را ہم سوز دماز کردن دل کوہ و دشت و صحرا ہمے گداز کردن
ز نفس درے کشادہ بہ قضاے گفتن رہ آسمان تو از نہ بہ ستارہ راز کردن
بہ گداز بائے نہاں بہ نیاز بائے پیدا نظرے اداسناسے، عہدیم ناز کردن
گہہ جن کے لایم کہ بہجوم لالہ ز اوسے گہہ خار میش زن را ز گل امتیاز کردن

ہمہ سوز نا تمام ہمہ درد آرزو دیم

بگماں دہم یقین را کہ شہید حجتجویم

بہشت کے سکون کو یوں بیان کیا ہے کہ اس کے یوسف نے زنداں کا درد نہیں دیکھا اور اس کی زلیخا کے پاس دل نالاں نہیں ہے۔ اس کا خلیل حریف آتش نہیں ہے اور اس کے کلیم کی جان میں ایک بھی شرور نہیں ہے شہبہات اس کے یقین پر پھرا پائیں مارتے ہیں اور دھال کو اندر نشہ ہجران نہیں ہے۔ اور تب کہتا ہے کہ بہشت کو درد توں کی دنیا ہے اس میں رہ کر کیا کر دگے اس میں زنداں ہے اور شیطان نہیں ہو۔

مزی اندر جہانے کوہ ذوق

کہ زنداں دلا دد شیطان ندارد

یہ پھر کلام کی شوخی اور شاعرانہ گستاخی ہے جو اقبال کے یہاں قدم قدم پر ملے گی۔ تسخیرِ فطرت میں حرارت آ کر زد ہے۔ آج بادلوں پر قاپو یا توکل چاند پر تیر مارا۔ ایک کو فتح کیا تو دوسرے کی تلاش ہے۔ یہاں کشمکش ہے مجددِ ہمد ہے۔ بہشت میں سکون اور راحت ہے اس لیے وہ کشمکشِ حیات کو اس عنوان سے پیش کرتا ہے کہ گویا جنت بھی اس کے مقابلے میں پیچ ہے۔ یہ شاعرانہ مبالغہ ہے غرض یہ ہے کہ جہادِ زندگی کی جانب توجہ پوری قوت سے مبذول ہو۔

تسخیرِ فطرت میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ہر قدم پر خطرہ ہے اسی لیے وہ خطرے کو دعوت دیتا ہے وہ پکارتا ہے۔

اگر خواہی حیات اندر خطر زی

یعنی اگر زندگی چاہتا ہے تو خطرے کے اندر رہنا سیکھ۔

خطر تاب و توان و امتحان است

عیار ممکنات جسم و جان است

خطر تہارے تاب و توان کا امتحان اور جسم و جان میں کیا ممکنات پوشیدہ ہیں ان کا میزان ہے۔
اسی شوخی کے ساتھ وہ یہاں تک کہہ دیتا ہے کہ زندہ دلوں کے لیے زندگی صرف جفا طلبی ہے اس لیے
اگر کعبہ کے راستہ میں خطر نہ ہو تو وہاں کا بھی سفر میں نہ کروں گا۔

یہ کیش زندہ دلاں زندگی جفا طلبی است

سفر کعبہ نیکو دم کہ راہ ہے خطر است

اور کہتا ہے کہ

چوں موج ساز و دجودم زسیل ہے پرد است

گماں میر کہ درین راہ ساحلے دارم

یعنی جس طرح موج دریا اور سمندر کے سیلاب میں چلتی ہے وہی حال میرا ہے یہ مٹی سمجھنا کہ
میں اس سمندر میں ساحل یا کناؤ تلاش کرتا ہوں۔

تسخیر فطرت کا سبق اقبال معراج پیغمبر علیہ السلام سے بھی لیتا ہے چنانچہ صان لفظوں میں
کہا ہے کہ

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے

کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

پھر تسخیر فطرت براہ عقل کو کس لطیف لیکن واضح انداز سے بیان کیا ہے۔

فطرت کو خرد کے رد برد کر

تو اپنی خودی کو کھو چکا ہے

تا ردن کی فضا ہے بسکہ انہ

عرباں ہیں ترے چہی کی جودیں

چاک گل دلالہ کو رنوک

بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت

جو اس سے نہ ہو سکا وہ تو کر

جب اکرم دنیا میں آتے ہیں تو درج ارضی ان کا اس طرح استقبال کرتی ہے۔
کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو زرا دیکھ
اس جلوہ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ ایام جدائی کے ستم دیکھ جفا دیکھ

یقیناً نہ ہو معرکہ ہیم درجا دیکھ
ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضا میں
یہ کوہ یہ صحرا یہ سمندر یہ ہوائیں تھیں پیش نظر گل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینہ ایام میں کج اپنی ادا دیکھ
سمجھ گا زمانہ تری آنکھوں کے اشائے دیکھیں گے تجھے دور سے گدوں کے تاشائے
ناہید ترے بھرتیوں کے کٹائے پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرائے
تغیر خودی کے اثر آہ رسا دیکھ

خوشید جہاں تاب کی صورتیں شرو میں آباد ہے ایک آذہ جہاں تیرے ہنر میں
پچھے نہیں بچتے ہوئے فردوس نظر میں جنت تری پہناں ہے ترے نوالے میں
اے پیکر گل کو شش پیہم کی جزا دیکھ

نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے تو جنس محبت کا خیر یاد ازل سے
تو پیر صم خانہ اسماء ازل سے محنت کش دغوں و زدم آزار ازل سے
ہے را کب تقدیر جہاں تیری نظر دیکھ

افترض وہ اس تمام عالم رنگ و بو زمین سے آسمان اور ستاروں تک مسخر کر کے انسان کے تصرف میں
لانا چاہتا ہے اور یہی اسلام کی تعلیم ہے۔ مسخر اللہ مافی السموات والارض کا کیا نشانہ ہے۔
زمینوں اور آسمانوں کو مسخر کر لینا ہی ایک کوسن کی شان ہے۔ چنانچہ حزب الاحزاب مصنفہ ملا علی قاریؒ
میں جو دعائیں درج ہیں ان میں ایک جگہ یہ بھی درج ہے کہ کل عالم کو میرے لیے مسخر کر دے۔ یہ دعائیں قرآن
اور حدیث سے ماخوذ ہیں گویا یہ ایک مومن کا نصب العین حیات ہے کہ وہ سارے عالم کو مسخر کر لے اور زمین
اور آسمانوں پر تصرف کرے۔ دنیا کے اسلام کے نامور مفکر و خطیب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ناظم
مزدہ العلماء لکھنؤ ملتے بالہی دل کے عنوان سے مولانا محمد یعقوب صاحب بھوپالی مدظلہ کے اقوال

افریقہ میں تحریر فرماتے رہے ہیں اس میں ایک جگہ حضرت نے اس دھاکا دھاکہ دیتے ہوئے کہا کہ اگر سارا عالم ہمارے تصرف میں آجائے تو ہم اس کو کھلائیں گے کہاں سے؟ یہ ایک صوفیانہ نکتہ تھا، ایک مخصوص حلقہ کو تعلیم تھی۔ غالباً مقصود یہ تھا کہ وہ دھاکا دھاکو بادل سے نکلے اور جس کے لیے عمل پیدا ہو چکا ہے حقیقتہً ظاہر ہے کہ یہ دھاکوں کو سکھائی گئی ہے۔

’عالم اسلام اور سائنس سے بے خبری‘

علم ایک وسیع معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور اس میں دیگر علوم کے ساتھ علم سائنس بھی شامل ہے۔ نبی پاکؐ نے فرمایا اطلبوا العلم ولو کان بالصحین (یعنی علم طلب کرو خواہ وہ چین میں ملے) اسی طرح آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ علم کو گھوڑے سے موت تک طلب کرو۔ علم کے حصول پر اس قدر زور و شان نبوتؐ کو ظاہر کرتا ہے جس کے لیے متنبی کی تمام آریکیوں میں رشتی خود ادا تھی لیکن علمائے اسلام نے حدیث بالا میں ایک لفظ کا اضافہ فرمایا کہ علم سے مراد علم دین ہے۔ حالانکہ قانون کی شرح کا ایک مسلہ اصول ہے کہ اس میں کسی لفظ کا اضافہ جائز نہیں ہے۔ اس لیے مناسب یہ تھا کہ علم سے مراد علم مطلق لیا جائے۔ علم دین کی اولیت و اہمیت و فرضیت مسلم اور اس کا تناسب تمام بھی کون تسلیم کرے گا لیکن سوال علم دنیا سے گریز کا ہے چنانچہ اس تشریح نے بڑے دو حصوں میں تقسیم کیا۔

اور میرا جو ناچیز مطالعہ ہے اس کی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ دنیا میں اسلام کے زوال کی دہوں میں ایک بڑی وجہ یہ ہے۔ اور یہ بات اقبال کی نظر سے پنہاں نہ تھی اسی لیے وہ علم کی کہیں نہ کہ نہیں کرتا بلکہ ہر جگہ وہ مقام دیتا ہے جس کی وہ مستحق ہے البتہ اسے شوخی اور گستاخی سے روکتا ہے اور اپنے حلقے اندر رہتا ہے۔ زوال کی دوسری بڑی وجہ سلطانی ہے میری ملاؤں کی تنگ نظری اور غرقہ پوش ارباب خانقاہ کی بے بصری ہے۔

بانی نہ ہی تیری وہ آئینہ ضمیر

اے کشتہ ملای و سلطانی و پیری

ترکی کی تاریخ بتلاتی ہے کہ وہ یورپ، ایشیا اور افریقہ پر اس لیے حکمران رہے کہ ان کے پاس آلات حرب و دسروں کی بہ نسبت زیادہ بہتر تھے لیکن جب یورپ میں علم اور سائنس

۱۔ افریقان :- فاضل مقالہ لکھارے اس پیرا گراف میں اور اس سے اگلے پیرا گراف میں جہد بانیوں کی کبھی ہیں جن سے ہمیں اتفاق نہیں۔ آئندہ شمارہ میں ان شاء اللہ اس بارے میں کچھ لکھا جائے گا۔

کی روشنی آئی تو اس سے ترکوں نے اجتناب کیا اور اسی قدیم روش پر قائم رہ گئے۔ ترکوں نے سب سے پہلے رافض کا استعمال کیا اور جب سلطان سلیم نے مصر پر حملہ کیا اور اسے چشم خون میں تاخت و تاراج کر کے حکمران طبقہ مملوکوں کے امیر کو گرفتار کیا تو اس نے سلطان سلیم کے سامنے ایک بے باک تقریر کی جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ ”آج جو ہم کو شکست ہوئی اور تم کو فتح تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ تم ہم سے زیادہ بہادر ہو۔ ہم یقیناً تم سے زیادہ بہادر ہیں لیکن تمہارے پاس رافض اور توہیں ہیں اور ہمارے پاس یہ سامان نہیں ہیں۔ یہ رافض اور توہیں ہمارے پاس بھی لالائی گنجی تھیں اور ہمارے سردار نے ہم کو مشورہ دیا تھا کہ ہم انھیں اپنائیں لیکن ہم لوگوں نے انکار کیا اور کہا ان سے لڑنا مردانگی کے خلاف ہے۔ تب ہمارے امیر نے کہا تھا کہ ایک دن آگے کا جب اسی سے تم غمت و نابود کیے جاؤ گے۔ پھر اس نے ایک سردار کھنچی اور کہا کہ ”افسوس آج وہی دن ہے“

علم کے خزانے یونان سے اٹلی اور اٹلی سے بغداد اور وہاں سے یورپ پہنچے۔ یورپ ان کی روشنی سے جگمگا اٹھا لیکن سلطانی کی وجہ سے حکومت ترکیہ میں جو اضمحلال پیدا ہو گیا تھا اس نے اس کو جدت پسندی اختیار کرنے سے باز رکھا۔ ذہن میان تک پہنچی کہ اگر جدید طرز پر فوج کو ترتیب دیے گا کوئی سلطان خیال بھی کرتا تھا تو فوج بغاوت کر دیتی تھی اور علماء ان کی تائید کرتے تھے اور اسے بدعت قرار دیتے تھے۔ ایک زمانہ تھا کہ ترکی کا سمندر دہریہ تھے اور آخر کار وہ دن بھی آیا جب طرابلس المغرب پر اطالیہ نے حملہ کیا تو ترکی بے چارگی سے دیکھتا رہ گیا وہاں وہ فوج کس طرح بھیج سکتا تھا جب کہ اس کے پاس جنگی جہاز ہی نہ تھے۔ مختصراً انجاسم یہ ہوا کہ وہ دن بھی تھا جب سلیمان شکوہ نے دانا کا محاصرہ اس دعوے کے ساتھ کیا تھا کہ آج میں دانا کے محل میں ناشتہ کروں گا اور میرے گھوڑے دانا کے اصطل میں دانا کھائیں گے اور یادہ دن بھی آیا کہ بیردنی طاقتوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا۔ قوم پر در ترکوں میں سے جو ملا اسے تہہ تیغ کر دیا بقیہ دیگر ممالک میں جا کر ردپوش ہو گئے۔ وہ تو ایک زخملے باک جزائرت فلندرنے کے ساتھ اٹھا اور کچھ بچائے گیا۔ ورنہ ترکوں کو غلامی کی زندگی بسر کرنی پڑتی تباہی خلافت پر زلزلے ہو گئی اور عالم اسلامی منتشر ہو کر مرگئے محروم ہو گیا۔ یہ سب کیوں ہوا؟ اس لیے کہ علم سے پہلے تہی کی گئی اور وہ زہر ج اور کواکب کے مسائل سیکھنے کے سوا اور ہر چیز کو علم کے وسیع اور وسیطہ خود سے خارج کر دیا گیا۔

حکومت کا تو کیا زنا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارہ
مگر وہ علم کے موتی کی تپیں اپنے آبا کی
جو دیکھو ان کو یورپ میں نودل تھا راجو سیارہ

اور آج بھی وہی عالم ہے۔ تمام دنیائے اسلام کے مدارس میں مذہبیات کے علاوہ جن سے اردو قرآن حدیث اور فقہ کی تعلیم ہے۔ صرف آئرن کے بعض اجزاء کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مثلاً قدیم فلسفہ اور قدیم منطق وغیرہ۔ سائنس کی تعلیم شجر منوعہ کی حیثیت رکھتی ہے اور علوم جدیدہ سے اجتناب و اعراض ہیں اسلام تصور کیا جاتا ہے۔ اس ہمارے ملک میں درس نظامیہ سے باہر کھانا کسی طرح ممکن نہیں ہو سکتا ہے۔ ندرتہ العلماء نے ضرور علم بغارت لہذا کیا تھا لیکن وقت نے اسے بھی مرعوب کر دیا۔ سر سید علیہ الرحمۃ نے علی گڑھ کالج کی بنیاد ڈالی اور سائنس اور علوم جدیدہ کی تعلیم پر کمر بستہ ہوئے تو ان پر دھڑا دھڑا کھڑے ہوئے فتوے صادر ہوئے۔ خود سر سید فرماتے ہیں۔

خدا دارم دل بریاں و محنتی مصطفیٰ دارم نذر دہیچ کا فرماؤ سامانے کہ من دارم
اسرائیلی نو جو کے مقابلے میں عربوں کی حالیہ شرمناک شکست اور بیت المقدس کے مکمل جانے کا حادثہ بالکل تازہ ہے۔ اس کے روحانی اسباب و علل جو بھی ہوں اور میں ان کا منکر نہیں لیکن جو بات اظہر من الشمس ہے وہ یہ ہے کہ عرب پھوٹی پھوٹی ریاستوں میں بنا ہوا ہے۔ سلطانی کا زور ہے اور سائنس کا فقدان پورے عرب میں ایک سوئی بھی نہیں بنتی ہے اور نہ اس جانب دھیان ہے حالانکہ اگر کل عرب متحد ہو جائے تو وہ ایٹمی پاور بن سکتا ہے وہ اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لیے یا تو امریکہ یا روس کی امداد کا محتاج ہے وہ خود آلات حرب تیار نہیں کر سکتا۔ غیر سے درپوزہ گری اور امداد غیر پر انحصار کے سلسلے میں مدح و تشکایت کا ایک دفتر ہے یا باں ہماری کل نگ و درد کا شاہکار ہے۔ اسرائیل عرب ممالک کے اندر ایک ناسور بن گیا ہے اور صیہونی تحریک بڑے بڑے منصوبوں کے خواب دیکھ رہی ہے اور عرب میں اپنے پیرزوں پر کھڑے ہونے کی کسی کوشش کا اہمیا آخاذ تک نہیں ہوا۔

الغرض جس زمانہ میں اقبال نے اپنا پیام سنانا شروع کیا اس وقت سائنس اور علوم جدیدہ کی تعلیم اگر کفر و شرک نہیں تو بدعت سیہ ضرور قرار پا چکی تھی اس لیے اقبال کو اس معاملہ میں اصل اسلام کو دلوں میں پیوست کرنے میں بڑی محنت کرنی پڑی۔

(باقی)

حضرت مولانا عبدالمومن دیوبندیؒ

(جناب مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی (استاذ حدیث و تفسیر جامعہ ملیہ دہلی)
(حضرت مولانا کے یہ حالات میں نے محب محترم حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کی فرمائش پر
”نذہت الخواطر“ کے آخری حصہ کے لیے مرتب کیے تھے۔ اب قدرے تفصیل کے ساتھ نذر ناظرین
”الفتنہ“ ہیں۔)

حضرت مولانا عبدالمومن دیوبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ دیوبند کے ممتاز علمی خاندان شیوخ عثمانی
کے ایک رکن تھے، ان کے والد بزرگوار کا اسم گرامی منشی فہیم الدین تھا، یہ محکمہ نہر میں ایک انیسویں
حیثیت سے سرکاری ملازم تھے، ان کے تین فرزند تھے۔ ایک وکیل تھے، دوسرے اور سیرتیر
سب سے چھوٹے حضرت مولانا تھے، مولانا نے اپنے شوق سے علوم دینی کی طرف توجہ فرمائی، اور
۱۲۹۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ مولانا کی حقیقی بہن کی شادی حضرت مولانا محمد حسن مدرس
دارالعلوم سے ہوئی تھی جو بعد میں اسی دارالعلوم کے شہرہ آفاق صدر المدین ہوئے اور شیخ الہند کے
نقیب عالم اسلام میں شہرت پائی۔ غالباً حضرت شیخ الہند کا یہ تعلق ہی مولانا کو انگریزی اسکول
کے بجائے دارالعلوم کی چار دیواری میں کھینچ لانے کا سبب بنا ہو، حضرت شیخ الہند اسی سال ۱۲۹۲ھ
میں دارالعلوم کے حلقہ مدرسین میں شامل ہوئے تھے۔

دارالعلوم میں مولانا عبدالمومنؒ نے اس دورِ اول کے اساتذہ کرام سے علوم تلمیذ و عالیہ کی
تکمیل کی اور محبت عصر حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ تعالیٰ صدر المدین اولیٰ دارالعلوم دیوبند
دورہ حدیث پڑھا اور ۱۲۹۳ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔

مولنا کے دارالعلوم میں رفعت کے درس بھی وہ اصحاب فضل و کمال رہے جو بعد میں آسمان علم و دین پر آفتاب و اہتاب بن کر چلے۔ چنانچہ ۱۲۰۸ھ میں صبح الاولیٰ ۱۳۰۸ھ کو دارالعلوم کا چوتھا جلسہ دستار بندی ہوا تو اس میں گیارہ طلبہ نے سند فراغ حاصل کی۔ ان خوش نصیب طلبہ میں حضرت مولنا اشرف علی تھانوی، حضرت مولنا محمد یحییٰ کاندھلوی، شمس العلماء مولانا ناصر حسن دیوبندی اور مولنا عبدالحمید دیوبندی کے نام بھی شامل ہیں۔

قطب وقت حضرت مولنا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے دست مبارک سے ان کے سروں پر دستار فضیلت باندھی اور ہندوستان میں علمی و دینی رہنمائی کا تلج ان کے سروں پر رکھا۔ حضرت مولنا کو ۱۳۰۳ھ میں دارالعلوم کی طرف سے جو سند عطا ہوئی اس کے بعض جملے یہ ہیں:-

”مولوی عبدالحمید ۱۲۹۲ھ میں میزان پڑھتے ہوئے داخل مدرسہ ہوئے۔ اکثر امتحانوں میں انعام پایا۔ جلسہ دستار بندی ۱۳۰۱ھ میں دستار علم حاصل کی۔ استعداد تام، مناسبت عمدہ، ذہن مناسب، طبع سلیم، فکر مستقیم رکھتے ہیں۔ بطور نیابت طلبہ کو درس دیتے ہوئے اکثر کتب درسیہ پڑھانے میں آئیں۔ ان کی خوبی اخلاق اور عمدگی عادات سے مدرسین و تہمتین و جمیع طلبہ ہم درس راضی و خوش رہے۔ اب حسب الطلب بمشورہ اراکین مدرسہ سند عطا ہوئی۔“

۵ ذی قعدہ ۱۳۰۳ھ

اس مضمون سند سے واضح ہوتا ہے کہ فراغت کے بعد حضرت مولنا کچھ عرصہ اپنے اساتذہ کرام کی زیر رہنمائی نائب مدرس کی حیثیت سے دارالعلوم کی سند درس پر بھی فائز رہے۔

میرٹھ، حضرت مولنا سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء کرام کے تبلیغی دورہ کے بعد سے علماء حق کی دینی و اصلاحی سرگرمیوں کا ایک خاص مرکز تھا۔ دہلی چھوڑنے کے بعد، حجۃ الاسلام حضرت مولنا محمد قاسمؒ میرٹھ ہی میں مقیم ہو گئے۔ اسباب ظاہری کے درجہ میں حضرت نانوتویؒ نے پہلے منشی ممتاز علی صاحبی کے مطبع مجتبائی میں کتب دینیہ کی تصحیح کا کام اپنے ذمہ لیا اور ان کے ہجرت کر جانے کے بعد، مولوی محمد ہاشم کے مطبع ہاشمی میں یہی خدمت اختیار فرمائی مگر شیغل

محض بہانہ کے طور پر تھا۔ اصل مقصد اشاعتِ علم، تبلیغِ دین، اور ترویجِ کفر و باطل کی وہ عظیم الشان خدمات تھیں جو حضرت مولانا نے میرٹھ کو مرکز بنا کر انجام دیں۔ اور شیخ اسلام کو مسیحیت اور آریہ دھرم کے پورا پورے کے حلوں کے جھکڑوں سے محفوظ رکھا۔

حضرت نانوتویؒ کے وصال کے بعد جو غیر متوقع طور پر جلد ہی (۱۲۹۷ھ) میں ہو گیا تھا دارالعلوم دیوبند میں حضرت کے رفقاء کرام نے میرٹھ کی علمی و دینی زندگی کو باقی رکھنے کی کوشش کی، چنانچہ میرٹھ کے جدید گو اور مولوی حافظ عبدالہادی اور ان کے ماہوں مولوی محمد ہاشم مالک مطیع ہاشمی میرٹھ کی درخواست پر جو ۱۲۹۷ھ کے جلد ہی دستار بندی دارالعلوم کے خصوصی شرکاء میں تھے (رونداد دارالعلوم دیوبند ۱۲۹۷ھ) پہلے حضرت مولانا ناصر حسن دیوبندیؒ مدرسہ اسلامیہ میرٹھ کے صدر مدرس کے منصب پر، اور پھر کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا عبدالنور صاحب دیوبندیؒ مدرسہ قومیہ میرٹھ کے منصبِ صدارت پر مقرر ہو کر میرٹھ تشریف لائے۔ اس زمانہ میں اول الذکر مدرسہ کے کارپرداز مولوی محمد ہاشم صاحب مرحوم ہی تھے۔ اور ثانی الذکر مدرسہ کے، دیندار کبہہ خاندان کے رئیس حافظ روح اللہ خاں تھے جن کو حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددیؒ سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔

مدرسہ اسلامیہ میرٹھ کی بنیاد اکابر میرٹھ کی درخواست پر حضرت حجت الاسلام مولانا محمد قاسمؒ کے دستِ مبارک سے رکھی گئی تھی۔ یہ مدرسہ پہلے جامع مسجد میرٹھ کی قدیم شاہی عمارت میں قائم ہوا اس کے بعد محلہ مفتی وارہ میں مولوی محمد ہاشم صاحب مہتمم مدرسہ کے ذاتی مکان میں منتقل ہوا پھر جب میرٹھ کے غیر رئیس حاجی الہی بخش مرحوم نے ایک عمارت اس کے لیے مسجد بالائے کوٹ سے متصل تعمیر کرا دی تو اس جدید عمارت میں چلا گیا (یہ حالات مجھے حضرت مولانا محمد اسماعیل کھٹوری مرحوم رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم اور والد محترم حضرت مولانا قاضی بشیر الدین قاضی شہر میرٹھ سے جو دونوں ہم سبق اور مدرسہ کے قدیم ترین طلبہ میں سے تھے، معلوم ہوئے) اسی سے متصل زمانہ میں، حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب دیوبندی (جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم نامور ہوئے) بھی اسی مدرسہ میں تشریف لائے اور کئی برس مقیم رہے، والد مرحوم نے ان سے بھی استفادہ کیا۔

مدرسہ قومیہ میرٹھ میں مولانا عبدالنور صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قیام کتنے دن رہا اس کا تعین نہ ہو سکا

ساتھ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدت کافی طویل تھی۔ میری تعلیمی زندگی کے آغاز (۱۳۲۹ھ) تک وہاں قیام رہا۔ مجھے ان کا وہاں کا زمانہ یاد ہے۔ اسی مدرسہ میں حضرت کے ممتاز شاگرد اور ملک کے فاضل مصنف حضرت مولانا عاشق الہیؒ نے اول سے آخر تک آپ کے علوم ادبیہ و عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کی۔ پھر حضرت کے ساتھ اسی مدرسہ میں بطور مدرس کام کیا۔ کچھ عرصہ بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مدرس ہو کر تشریف لے گئے۔

مولانا عاشق الہیؒ کے بعد کے مولنا کے دوسرے ممتاز شاگرد حضرت مولانا اعجاز علی شاہؒ دارالعلوم دیوبند بھی ہیں۔ حضرت شیخ الادبؒ نے حضرت مولانا عبداللہ الموسیٰ کے علاوہ حضرت مولانا عاشق الہیؒ مرحوم سے بھی علوم دینیہ اور ادبیہ کی تحصیل کی یہ دونوں فضلاء مکبہ خاندان کے فرد تھے اور یہ مدرسہ (مدرسہ قومیہ) مکبہ صاحبان کا خاندانی قومی مدرسہ سمجھا جاتا تھا جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اس کے بعد کے زمانہ کے حضرت مولنا کے ایک اور ممتاز شاگرد مولنا محمد علی نامی ایم۔ اے۔ مرحوم سابق صدر شعبہ عربیہ اسلامیہ یونیورسٹی تھے۔

مدرسہ قومیہ کی مدرسے کے زمانہ میں حضرت مولنا کا قیام مسجد بالا لے کوٹ گڑی بازار کے حجرہ میں رہتا تھا۔ یہ وہ مسجد ہے جو پہلے مسجد قاضیان کے نام سے موسوم تھی۔ تیرہویں صدی ہجری کے اوائل میں جب حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ حضرت مولنا محمد اسماعیل شہیدؒ اور حضرت مولنا عبدالحیؒ کے ساتھ اپنے تاریخی تبلیغی دورہ کے سلسلہ میں میرٹھ وارد ہوئے اور مولوی حیات بخش قاضی و منصف میرٹھ اور ان کے برادر خورد مولوی قاضی قادر بخش نے ان کی میزبانی کے فرائض ادا کیے (سیرۃ سید احمد شہید مرتبہ مولنا ابوالحسن علی ندوی وغیرہ) تو حضرت سید صاحب نے اسی حجرہ میں قیام فرمایا تھا اور اسی مسجد میں نمازیں ادا فرمائی تھیں۔ غالباً انہی بزرگوں کے قدروں کی برکات ہیں کہ آج تک اس مسجد میں کوئی نہ کوئی خدا رسیدہ ہستی مقیم رہی ہے۔

بہر حال حضرت مولنا عبداللہ الموسیٰؒ جب تک مدرسہ قومیہ میرٹھ کے مدرس رہے ان کا قیام اسی مسجد کے مشرقی حجرہ میں رہا۔

حافظ روح اللہ خاں مرحوم کے بعد مدرسہ قومیہ کا انتظام بعض بریلوی عقائد کے لوگوں کے ہاتھ میں آگیا اور حضرت مولنا کو وہاں سکون قلب حاصل نہ رہا۔ میرٹھ کے ممتاز رئیس حافظ

فصح الدین صاحب سوداگر سلمہ میرٹھ کو جب ان حالات کا علم ہوا تو انھوں نے حضرت مولنا سے مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار میرٹھ میں تشریف لانے کی درخواست کی جسے مولانا نے قبول فرمایا اور تمام اخراجات میں مصروف رہے۔

۲۶ برس میں دارالعلوم دیوبند ایک سال سے زیادہ قیام کر کے میرٹھ آگیا اور مدرسہ امداد الاسلام میں داخل کر دیا گیا۔ اس زمانہ میں متوسطات پڑھتا تھا۔ اس مدرسہ میں اس وقت حضرت مولنا صدر المدرسین تھے۔ آپ کے ساتھ حضرت مولنا عبدالرحمان مدرس معقولات اور حضرت مولنا اختر شاہ ام دہی مدرس ادبیات عربی و فارسی تھے۔ تینوں اساتذہ اپنے اپنے فنون کے بالکل استاد تھے۔ اور ایک خصوصیت جو آج کل غفقا کے درجہ میں ہے یہ تھی کہ تعلیمی خدمات دینی فرض سمجھ کر انجام دیتے تھے اور مشاہرہ جس کی حدود میں چالیں روپے سے متجاوز نہ ہوتی تھی محض قوت لایوت کے طور پر قبول کر لیتے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک روز غالباً ہدایہ کے درس میں دینی تعلیم پر اجرت کے جواز عدم جواز کا مسئلہ زیر بحث آگیا۔ فرمانے لگے اگرچہ متاخرین نے علوم دینیہ کے مٹ جانے کے خطرہ سے دینی تعلیم پر اجرت کے جواز کا فتویٰ دے دیا ہے مگر مجھے اطمینان نہیں ہوتا۔ پھر ابدیدہ ہو کر فرمایا اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھے برابر سب سے چھوڑ دیں اور تعلیم دین کو وسیلہ معاش بنانے پر وارگیر نہ فرمائیں تو میں اسے غنیمت سمجھوں گا۔

حضرت مولنا اختر شاہ خاں مرحوم کا بھی یہی حال تھا۔ ساری عمر غالباً تیس روپے ماہوار مشاہرہ پر بسر کر دی اور درس و تدریس میں انہماک کی یہ کیفیت تھی کہ ضروریات دینی و دنیوی کے اوقات کو چھوڑ کر صبح و شام اور رات کو ہر وقت طلبہ کا ہجوم آپ کو گھیرے رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لیے مکان سے جامع مسجد تک راستہ طے فرماتے تھے تو اس ڈیڑھ میل کی مسافت میں طلبہ کتابیں ہاتھ میں لیے ساتھ ساتھ چلتے تھے اور سبق جاری رہتا تھا۔ یہ منظر دیکھنے والے میرٹھ میں آج بھی موجود ہیں۔

میں نے غالباً تین سال کے مدرسہ امداد الاسلام کے زمانہ میں ہدایہ مشکوٰۃ، بیضاوی اور دیوان تاسعہ مولانا سے پڑھیں۔ پھر دورہ حدیث میں شرکت کے لیے میں دارالعلوم دیوبند چلا گیا۔

جہاں محدث عصر حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری اپنی تجلیاتِ علمیہ کی آخری کرنیں بکھیر رہے تھے۔ حضرت مولانا عبداللہ المومنین کا اندازِ درس یہ تھا کہ کسی طالب علم کو قرآن شروع کرنے کا حکم دیتے تھے طالب علم عبارت پڑھتا تھا، مولانا اس وقت اپنی پان کی ڈبیا کھول کر اس میں سے پان نکالتے تھے۔ اور ٹیوے میں سے چھالیا اور تبا کو نکال کر اس میں ڈالتے تھے۔ اتنی دیر میں طالب علم قرآن سے فارغ ہو جاتا تھا۔ یہاں اوقات مولانا صرف آخری جملے ہی سنتے تھے۔ پھر مسئلہ زیر بحث سے متعلق مختصر اور جامع تقریر ایسے دلنشین انداز میں فرماتے تھے کہ مشکل سے مشکل مسئلہ بانی ہو جاتا تھا اور طالب علم کے دماغ کے تمام کانٹے نکل جاتے تھے۔ تقریر طویل نہیں ہوتی تھی مگر اس کے باوجود کوئی ضروری بات چھوٹی بھی نہ تھی۔ سنا ہے کہ یہ انداز انھوں نے اپنے بلند پایہ استاد حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی سے لیا تھا۔

حضرت مولانا اپنے طلبہ سے خصوصاً ان طلبہ سے جو محنت سے پڑھتے تھے بڑی محبت کرتے تھے۔ بالکل اپنی اولاد کی طرح ان کے ساتھ برتاؤ کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ ان کے دل میں بھی تحصیل علم، خدمتِ دین اور اخلاص و دلالت کے جذبات آتا رہیں۔ مگر اب زمانہ بدلی رہا تھا۔ حالات بدلنے بدل رہے تھے۔ اور مولانا اس پر محزون تھے۔

مجھے یاد ہے کہ میں اور میرے رفقاء مولوی سید شوکت علی ڈاکٹر شوکت سبزواری ایم اے گریجویٹ یونیورسٹی، مولوی حنیف علی مرحوم وغیرہ یونیورسٹی کے امتحانات کی تیاری کر رہے تھے۔ ایک مدرسہ میں سے ایک طالب علم اپنی عربی انشاء کی کاپی پر حضرت مولانا سے اصلاح لے رہا تھا، مقصد ”فاضل“ کے امتحان کی تیاری تھی، اتفاقاً اُسی وقت ایک بیرونی مولوی صاحب تشریف لے آئے۔ حیرت سے طالب علم کا منہ دیکھ کر کہنے لگے۔ کیا یہ مضمون اس لڑکے نے لکھا ہے؟ حضرت مولانا نے فرمایا جی ہاں۔ پھر کایک چہرہ کا رنگ بدل گیا اور حسرت کے ساتھ فرمانے لگے ”افسوس اب تو ایسے طلبہ سے واسطہ پڑتا ہے جن سے کوئی توقع ہی نہیں کی جا سکتی“ اور جن سے کوئی توقع ہو سکتی ہے ان کے ذہنوں کا رخ بدلا ہوا ہے۔

۱۳۴۴ھ میں حضرت مولانا کو کینسر کا مرض ہوا۔ میرٹھ کے ڈاکٹر دل نے جواب دے دیا تو حضرت شیخ المذہب کے خاندان سے خصوصی تعلقات کی بنا پر علاج کے لیے ڈاکٹر انصاری مرحوم کے ہاں دہلی لایا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑی توجہ سے علاج کیا۔ مگر مدت مقررہ اچکا تھا۔ چند ماہ کی عزالت کے بعد راہِ ہی

ملک بچا ہوئے۔ وصیت کے مطابق درگاہ حضرت خواجہ باقی باشر کے احاطہ میں دفن کیے گئے، تاہم پیدائش کا صحیح علم نہ ہو سکنے کی وجہ سے عمر کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ مگر ماٹھ سے زیادہ اور سترے کم تھی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

حضرت مولناؒ کی کسی تصنیف کا علم نہ ہو سکا۔ ان کے رفیق درس حضرت مولنا ناظر حسن دیوبندى صدر المدین مدرّسہ عالیہ ڈھاکہ نے زمانہ قیام بنگال میں بینک کے سود کے جواز کا فتویٰ دیا تھا۔ مولاناؒ نے نزلة العالم کے نام سے اس کا رد لکھا تھا۔ اسی طرح بعض مختصر رسائل فرق مبتدعہ کے رد میں لکھے تھے۔

حضرت مولنا عاشق الہی کے مقبول ترجمہ قرآن اور حاشی قرآن پر بھی حضرت مولناؒ نے اصلاحی نظر ڈالی۔ اور ان ہی کی سفارش پر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسے نظر ثانی سے کراہتہ کیا، حضرت مولناؒ کے کئی عزیز مذہبوتے مگر ان کی علمی وراثت مولنا محبوب الہی صاحب صدر مدرس مدرّسہ عبد الرب دہلی کو حاصل ہوئی۔ مولنا مدظلہ اب ضعیفی کے دور میں ہیں اور اپنے والد ماجد سے استفادہ مشاہدہ ہیں کہ ان کو دیکھ کر ان کی تصویر لکھا ہوں میں پھر نے لگتی ہے۔

اُردو، عربی ڈکشنری

مصلح اللغات کے مصنف مولانا عبد الحفیظ صاحب لمبا دی کی دوسری مشہور کتاب کا دو سراؤش جو نظر ثانی اور قیمتی اضافوں کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

اُردو سے عربی ترجمہ کرنے کے لیے اتنی ہی مفید کتاب جتنی مفید عربی سے اُردو ترجمہ کے لیے مصباح اللغات ثابت ہو چکی ہے۔ ۷۰ صفحات، اعلیٰ کاغذ، عمدہ طباعت، قیمت ۹/-

کتاب خانہ الفتنان، کچہری روڈ، لکھنؤ

دُوبَاتُون کی وضاحت

آذ محمد منظور نعمانی

(۱)

الفتن کے گزشتہ شمارہ میں ”ہرمین پاک کی حاضری“ کے زیر عنوان راقم مسطور نے ذکر کیا تھا کہ حجاز مقدس میں اور بعض دوسرے بلاد عرب میں بھی بعض مساجد میں تراویح کی نماز اس طرح ہوتی ہے کہ امام صاحب قرآن مجید کو ہاتھ میں لے کر اُس کو دیکھ کر پڑھتے ہیں۔

ناظرین الفتن میں سے ایک صاحب نے اس کے بارہ میں دریافت کیا ہے کہ کیا یہ طریقہ درست ہے اور اس طرح قرأت کرنے سے نماز ہو جاتی ہے؟ اُن صاحب کو خط سے جواب دے دیا گیا تھا لیکن مناسب معلوم ہوا کہ الفتن کے صفحات میں بھی اس کی وضاحت کر دی جائے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کی گنجائش نہیں ہے، اُن کے نزدیک یہ ”عمل کثیر“ ہے اور اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ لیکن اُن کے صاحبزادے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اور دوسرے بعض ائمہ مجتہدین امام شافعیؒ وغیرہ کے نزدیک یہ جائز ہے اور اس سے نماز میں خلل نہیں آتا۔ حجاز مقدس وغیرہ میں نماز تراویح میں جو ائمہ قرآن مجید میں دیکھ کر قرأت کرتے ہیں وہ اسی دوسرے مسلک کی پیروی کرتے ہیں۔

(۲)

گزشتہ شمارہ کے اسی مضمون میں سفر کی سرگزشت کے ضمن میں برصغیر ہندوستان اور حجاز مقدس کے اختلاف مطابح کی بنیاد پر روایت ہلال اور قمری تاریخوں کے فرق کا بھی ذکر کیا گیا تھا۔ جو کچھ عرض کیا گیا تھا اُس کا حاصل یہ تھا کہ ۹ نومبر کو جبکہ اتوار کا دن تھا (اور ہندوستان

میں شعبان کی تاسیسوں تاریخ تھی، حجاز مقدس میں شعبان کی انیسویں تھی، اسی دن بعد نماز عشاء تک شریعت طہران سے رمضان مبارک کا چاند ہو جانے کا اعلان ہو گیا، اس لیے وہاں پہلا روزہ ۱۰ نومبر دوشنبہ کے دن رکھا گیا۔ اس بنا پر ۲۴ نومبر دوشنبہ کو جس دن کہ اتم سطور اور رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صبح کو جبرہ سے روانہ ہو کر عصر کے وقت تکبہ پونچے، ہمارا پندرھواں روزہ تھا، لیکن ہندوستان میں رمضان کی تیرھویں تاریخ تھی اور تیرھواں روزہ تھا، اس حساب سے ۹ دسمبر شنبہ کو یہاں رمضان مبارک کی اٹھاسیسویں تاریخ تھی اور ہمارا اکیسواں روزہ تھا، اُس کے اگلے دن یعنی چار شنبہ ۱۰ دسمبر کو یہاں ہندوستان میں (اور اسی طرح پاکستان میں بھی) ہمارا اٹھاسیسویں رمضان تھی (یعنی وہ دن یہاں یقینی طور پر رمضان کا تھا) اور ہم یہاں موجود تھے، اس لیے ہم نے رمضان کا وہ دن پایا، اور قرآن پاک نے رمضان کے پانے والوں پر اُس کے ہر دن کا روزہ فرض فرمایا ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت ۱۸۵ میں رمضان مبارک کی یہ فضیلت اور عظمت بیان کرنے کے بعد کہ اس میں قرآن نازل کیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے ”فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ“ (تم میں سے جو کوئی اس مہینہ (رمضان) میں حاضر موجود ہو تو وہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے، الغرض قرآن پاک کے اس صریح حکم کی بنا پر ہم نے یہاں کی انیسویں رمضان کو بھی روزہ رکھا اور یہ ہمارا اکیسواں روزہ ہو گیا۔ اس آیت کے علاوہ احادیث نبوی کی ہدایت بھی یہی تھی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی مشہور حدیث ہے۔ ”صَوْمُوا الرُّيُوتَ فَإِذَا فُطِرَ رُؤُوسُ الرُّيُوتِ“ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب رمضان کا چاند دیکھ لیا جائے تو روزے رکھے جائیں اور جب شوال کا چاند نظر آجائے تب روزے چھوڑ دیے جائیں اور نظر ملتی جائے، ہم نے اسی ہدایت پر عمل کیا ۹ نومبر کو ہم مکہ معظمہ میں تھے، وہاں اُس رات کو چاند نظر آیا، ہم نے وہاں روزے رکھنے شروع کر دیے، دسمبر رمضان میں ہم ہندوستان آچکے تھے، یہاں شوال کا چاند ۱۰ دسمبر کی شب میں دیکھا گیا، اس لیے ہم نے اُس دن تک روزہ رکھا اور اگلے دن اس ارشاد نبوی کی ہدایت کے مطابق عید کی۔

جنوبی ہند کے ایک صاحب نے ایک خط کے ذریعہ اس پر تنقید کی، جس کا انداز اور لب و لہجہ افسوس ہو کہ صرف عامیانہ اور اسنجیرہ ہی نہیں بلکہ کلیف دہ حد تک تسخیر آمیز بھی ہے۔ اس تنقید کا حاصل یہ ہے کہ جب ۹ دسمبر شنبہ کو (جبکہ یہاں ہندوستان میں ۲۸ داں روزہ تھا) ہمارے روزے پورے ۳۰ ہو چکے تھے تو اس کے بعد ۱۰ دسمبر کو ہمیں روزہ نہیں رکھنا چاہیے تھا کیونکہ حدیث نبوی کی رو سے رمضان ۲۹ کا ہوتا ہے

یا ۲۰ کا اس لیے ہم نے اکیسواں روزہ غلط رکھا، اُس دن روزہ رکھنا ہمارے لیے حرام تھا۔

ان صاحب کے خط سے یہ نہیں سمجھا جاسکا کہ وہ اختلاف مطالع کی بنیاد پر بعید المسافت علاقوں اور ملکوں کے درمیان رویت ہلال کی تقدیم و تاخیر اور اس کی بنا پر تاریخ کے فرق کو در جواب ایک مشاہداتی حقیقت بن چکی ہے، تسلیم کرتے ہیں یا اُن کو اس سے انکار ہے، حالانکہ اس بحث میں وہی بنیادی سلسلہ جو تاہم اُن کے نسخہ کو نظر انداز کر کے اُن کے شبہ یا استدلال کو پیش نظر رکھ کر نفس سلسلہ کی مزید وضاحت کے لیے سطور ذیل حوالہ قلم کی جا رہی ہیں تاکہ اگر کسی اور صاحب کو بھی اس طرح کا خلجان ہو تو اُن کی نظر سے بھی گزر جائے۔ دائر الموفق۔

یہ بات کہ رمضان کبہ ہر قمری مہینہ یا ۲۹ دن کا ہوتا ہے یا ۳۰ دن کا ایک مسلم صحابی اور مشاہداتی حقیقت بھی ہے اور اختلاف مطالع سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بصیر منہد پاکستان اور حجاز مقدس کے درمیان رویت ہلال میں ایک یا دو دن کا فرق ہونے کے باوجود ہر جگہ رمضان یا ۲۹ کا ہوتا ہے یا ۳۰ دن کا، یہی حدیث نبوی کا مدعا ہے اور اس میں بحث کی گنجائش نہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ ہو سکتا ہے اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ سفر کے عام رواج نے اس کو اب ایک عام واقعہ بنا دیا ہے کہ ایک شخص آخر شعبان اور شروع رمضان میں حجاز مقدس یا کسی اور ملک میں ہو جو ہندوستان سے ۲۰۰۰ ہزار میل مغرب میں واقع ہو، مطلع کے اختلاف کی وجہ سے وہاں رمضان کا چاند ہندوستان سے دو دن پہلے دیکھ لیا جائے اور اس بنا پر وہاں رمضان پہلے ہاں سے دو دن پہلے شروع ہو جائے جیسا کہ اس سال بھی حجاز مقدس میں ہوا، پھر وہ شخص رمضان ہی میں ہندوستان آجائے۔ اس صورت میں یہاں اٹھائیسویں رمضان کو اُس کے ۳۰ دنے پورے ہو جائیں گے، اُس کے اگلے دن یہاں اسیسویں رمضان ہوگی، یعنی قطعی اور یقینی طور پر وہ دن یہاں رمضان کا ہوگا اور مندرجہ بالا قرآنی آیت (فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ) کی رو سے اُس دن روزہ رکھنا اُس پر فرض ہوگا اگرچہ یہ اس کا اکیسواں روزہ ہو جائے گا۔ (جبکہ تفصیل سے عرض کیا جا چکا ہے۔ راقم سطور اور رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو اس سال یہی صورت پیش آئی)۔

اس کے برعکس یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص آخر شعبان اور شروع رمضان میں ہندیا پاکستان میں ہو (ظاہر ہے کہ وہ مندرجہ بالا قرآنی آیت اور ارشاد نبوی صَوْمُوا لِرُؤْيَاہِ کے حکم کے مطابق رمضان کے

روزے اُسی وقت شروع کر لیا جب یہاں رمضان کا چاند ہو جائے گا پھر وہ اُٹار دے رمضان ہی میں مثلاً حجاز مقدس پہنچ جائے اور وہاں رمضان مبارک دو دن پہلے شروع ہو چکا ہو جیسا کہ اس سال ۱۴۴۹ھ تو وہاں کی ۲۹ ویں رمضان کو اس کا ۲۷ واں روزہ ہو گا، اگر بالفرض ۲۹ ویں ہی کو وہاں شوال کا چاند ہو گیا تو اگلے دن عید الفطر ہو گی اور میں نہیں سمجھتا کہ دنیا کا کوئی مفتی بھی اُس کو یہ فتویٰ دے گا کہ چونکہ اُس کے روزے صرف ۲۷ یا ۲۸ ہوئے ہیں اس لیے وہ شوال کا چاند ہو جانے کے باوجود وہاں عید کے دن روزہ رکھے اور ۲۹ یا ۳۰ کی گنتی پوری کرے۔ اگر بالفرض وہ ایسا کرے گا تو ارشاد نبوی "أَفْطِرُوا الْبُرُؤِيَّةَ" کی صریح خلاف ورزی اور حکم شریعت کی آزمائی ہو گی۔ یہ صورت سلسلہ بھی صرف فرضی نہیں ہے بلکہ جس طرح ہم لوگوں کو اس سال پہلی والی صورت پیش آئی اور ہم نے ۱۴ دنے رکھے، اس طرح بعض اُن حضرات کو جو ہندوستان یا پاکستان میں رمضان مبارک شروع ہونے کے بعد حجاز مقدس پہنچے تھے اور عید تک وہیں مقیم رہے یہ دوسری صورت پیش آئی وہاں شوال کا چاند بھی ۲۹ کا نا گیا یعنی ۹ دسمبر شنبہ کو عید الفطر ہوئی جبکہ ان حضرات کے روزے صرف ۲۷ ہوئے تھے۔ جو کچھ عرض کیا گیا اُس پر غور کرنے کے بعد ہر شخص باسانی سمجھ سکتا ہے کہ رمضان کا مہینہ تو کہیں بھی ۲۹ دن سے کم اور ۳۰ دن سے زیادہ کا نہیں ہوا بلکہ اس سال تو ہندوستان اور حجاز مقدس دونوں ہی جگہ ۲۹ دن کا ہوا، لیکن بعد سافت کی بنا پر مطلع کے اختلاف اور سفری نقل و حرکت کی وجہ سے یہ صورت پیدا ہو گئی کہ ہم لوگوں نے رمضان کے ۳۰ دن پائے ۱۵ دن حجاز مقدس میں اور ۱۵ دن ہندوستان میں اس لیے ہم نے ۳۰ روزے رکھے جن میں سے ہر روزہ رمضان ہی میں رکھا گیا اور اس کے برعکس کچھ دوسرے حضرات نے رمضان مبارک کے صرف ۲۷ دن پائے اس لیے انھوں نے صرف ۲۷ ہی روزے رکھے اور کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ انھوں نے رمضان مبارک کے کسی ایک دن کا بھی روزہ چھوڑا۔ بلاشبہ انھوں نے اور ہم نے بھی ارشاد بانی "فَمَنْ شَرِهَ مِنْكُمْ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" اور ہدایت نبوی "صُومُوا الْبُرُؤِيَّةَ وَأَفْطِرُوا الْبُرُؤِيَّةَ" کی پوری تعمیل کی۔

اس نے یہی سمجھا ہے اور اب تک جن اہل علم اور اصحاب فتویٰ سے اس بارہ میں گفتگو کا اتفاق ہوا، اُن کی رائے بھی یہی معلوم ہوئی، لیکن ہم میں سے کوئی بھی معصوم نہیں اور بلاشبہ دلیل کے ساتھ ہر ایک کو اختلاف رائے کا حق ہے۔ اس سلسلہ میں اور بھی بہت سے خبری سوالات بھی پیدا ہوں گے علماء و شریعت اور اصحاب فتویٰ کو اُن پر بھی غور کرنا ہو گا۔ واللہ الملمہ للحق والصواب۔

قرآن آپسے کیا ملتا؟

— اِنَّا لَنَعْلَمُ — وَلَا اَنْتَ تَعْلَمُ —

بلاشبہ قرآن مجید کی دعوت پر تسلیم پوری انسانیت کے لئے آبِ حیات ہے، لیکن ہماری دنیا اس سے نا آشنا ہے۔ یہاں تک کہ ایک تو کلامِ الہی "مانے والی" ہمت کی غالب اکثریت پر بھی اس سے بیگانہ ہے۔

(یہ کتاب)

اسی صورت حال کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔

- یہ قرآنی دعوت اور اس کی اہم تعلیمات کا ایک جامع خلاصہ ہے۔
- جس سے ہر مومن انسان کو حق تعالیٰ کی آیات کو نہایت خوب طور پر درک کرنے کی توفیق ملے گی۔
- خاص طور پر قرآن کی دعوت کو صحیحہ کا بیان اس کتاب کا شاہکار ہے۔
- یہ بالکل ایک نئے طرز کی کتاب ہے، جو قرآن کی دعوت سے روشناسی کے ساتھ ساتھ قرآن کے امتیاز بیان کا بھی لذت شناس کرتی ہے۔

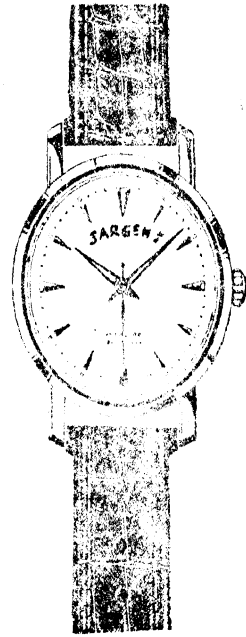
مقامات اہل کتاب، علماء، محققین، صحفیات، مطبعین، گروہوں، فوجیت، ۱۴

کے ساتھ قرآن

Monthly 'ALFURQAN' Lucknow.

VOL 37 NO. 10-11

JAN, FEB 1970



سائیکل انگریز وینسٹن اسٹون

جج و وزارت کے لئے جب خدا
آپ کو لائے اور گھر کی ضرورت
محسوس ہو تو پاک محل کے

کسی بھی شوروم میں تشریف لا کر ہم
قسم کی گھڑیاں نئے ڈیزائنوں

میں بارگاہیت خریدیں۔ قیمتیں آئیو الٹو وست اہباب کو پتہ نوٹ کروادیں

پاک محل - انگریز وینسٹن اسٹون

الفوائد المكفونة

مكتبة

عتيق الرحمن بن يحيى

چکوان کے حصہ تیلوں میں کپ کی خاص پسند

پوسٹ میں براڈ
ملا گیا ہوا مونگ چلی کا تیل

۳۰۱۲ اور ۱۵۶۵ کلو

حصہ وناستی

۳۰۲۰ اور ۱۶۶۵ کلو

ستلوا، ستل کا تیل

۳۰۱۲ اور ۱۵۶۵ کلو

بلاڈ حصہ ناریل کا تیل

۳۰۱۲ اور ۱۵۶۵ کلو

کو کو جہا

ملا گیا ہوا ناریل کا تیل

۳۰۱۲ اور ۱۵۶۵ کلو

امی سلاڈ تیل

۳۰۱۲ اور ۱۵۶۵ کلو

حصہ ریلز، بیسی

۸/- ہندوستان سے
۷۵۰ پاکستان سے
ضمائم ۵۶ صفحات
قیمت فی کاپی
۷۵ پیسے

لفظِ قرآن
اس شان کی قیمت ۹۰ روپے

غیر ممالک سے

۱۵. شلنگ

ہوائی ڈاک کے لیے مزید
محصولہ ڈاک کا اعانہ

اس شمارہ کی قیمت ۹۰ روپے

جلد ۳۴	بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ مطابق مایچ ۱۹۷۰ء	شمارہ ۱۲
نمبر شمار	مضامین	صفحات
۱	نگاہ اولیں	۲
۲	معارف الحدیث	۵
۳	ارشادات حکیم الامت مولانا محمد انواریؒ	۱۳
۴	حج کا مقام	۲۷
۵	تغییر فطرت یا علم و عشق	۳۵
۶	درس ہفتہ آن	۴۷
۷	نئی مطبوعات	۶۱
	ع۔ س	
	عتیق الرحمن سنبللی	
	مولانا محمد منظور نعمانی	
	مولانا نسیم احمد فریدی امر دہی	
	حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند	
	قباضی محمد عدیل صاحب عباسی ایڈوکیٹ	
	مولانا محمد منظور نعمانی	

اگر اس دُائرہ میں ○ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہو۔ براہ کرم اس مسئلہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۳۰ مارچ تک اس معاملے 'دورنہ' اگلا شمارہ تصدیق دینی پنی ارسال ہو گا۔

پاکستان کے خرمیدار: اپنا چندہ ادارہ اصلاح و تبلیغ اسٹریٹس بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور صرف ایک سادہ کارڈ کے ذریعہ ہم کو اطلاع دیں۔ ڈاکخانہ کی برید بھیجنے کی ضرورت نہیں۔

تاریخ اشاعت :- الغفرانی ہرگز نری ہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ۲۰ تاریخ تک کسی صاحب کے پاس نہ آتا تو مطلع کریں، اس کی اطلاع ۲۸ تاریخ تک آجانی چاہیے اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر افتاب، کجری رود، کهنه

(دہلوی) محمد منظور نعمانی پرنسز و پبلشر، ایڈیٹر و پریپرٹر نے تو یہ آپس میں چھپا کر دفتر الفرقان کھری روڈ لکھنؤ سے مشائع کیا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نگاہِ اولیں

اَزْ — عَتِيقُ الرَّحْمَنِ سَنَدُ هَلِیْ

گزشتہ شمارہ کے ایک مضمون ”تفسیر فطرت یا علم عشق“ میں بعض ایسے خیالات کا اظہار ہوا تھا، جن پر الفرقان کو اختلافی نوٹ دینا پڑا۔ اس نوٹ میں اختلاف اور وجوہ اختلاف کی کوئی تفصیل نہیں تھی، اُسے آئندہ پرستھل کر دیا گیا تھا۔ اس صحبت میں اکی امر کی تھوڑی سی وضاحت منظر پر ہو۔

فاضل مضمون نگار نے خیال ظاہر کیا تھا کہ:

”تفسیر ارض و سما و اسلام کی تعلیم ہو، زمینوں اور آسمانوں کو مسخر کر لینا ہی ایک بوسہ کی شان اور اسکی زندگی کا نصب العین ہو، قرآن نے سَخَّرَ لَكُم مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَرَ اَنْ تَعْلَمُوْا تَعْلَمُوْا تَعْلَمُوْا تَعْلَمُوْا“ اسی ذیل میں یہ بھی تھا کہ:

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ”اطلبوا العلم ولو بالقصین“ د علم طلب کرو خواہ چین میں ملے جیسے ارشادات میں مطلق علم کے حصول پر زور دیا تھا، جنہیں سائنس وغیرہ بھی شامل ہیں مگر علمائے اس کی تشریح محض ”علم دین“ سے کی، جس کا کوئی جوہر نہیں تھا اور اس سے عالم اسلام کو غیر موزوں نقصان پہنچا کہ علم دنیا سے گریز کا رجحان پیدا ہو گیا، جو اسلامی طاقت کے زوال کا ایک بڑا سبب ہو۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہو کہ علم دنیا سے گریز ایک نقصان کا سودا ہو، تو اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ دنیا میں رہنا اور علم دنیا سے بے اعتنائی کرنا ایسا ہی ہو جیسے کوئی پیر کی سیکنے پیچھے سمندر کی زندگی اختیار کرنا چاہے۔ اسی علم دنیا کا نام سائنس ہو، خواہ وہ آج کی سیم ترقی یافتہ شکل میں ہو یا ہینکڑوں اور ہزاروں برس پہلے کی معمولی اور تھوڑی سی شکل میں، جس کے ذریعہ انسان اپنے لباس، پوشاک، غذا، علاج و معالجہ، حفاظت و دفاع اور حرب و ضرب کی ضروریات لیا کے مقابلہ میں معمولی درجہ پر پوری کرتا تھا۔

انسان کی ایسی فطری اور لابی ضرورت میں اسلام جیسا دین فطرت مانع اور مزاحم ہو، اس کا کوئی سوال ہی نہیں، اُس کے صحیفہ مقدس کا یہ ارشاد کہ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ (جو کچھ زمین میں ہو وہ سب خدا

نے تہملہ لیے پیدا کیا ہی اس وقت تک باسٹی ہی نہیں ہو سکتا جب تک انسان کو اس خزانہ ارضی کا جائزہ لینے اس سے استفادہ کیلئے داغ لگانے اور کچھ نتائج اخذ کر کے انھیں آزمائے کی اجازت نہ ہو۔ اور یہی علم دینا یا سائنس ہو یا علماہ ازہیں خدائے جلّ جلالہ کی طرح کی ذمہ داریاں انسان پر ڈالی ہیں، اپنی جان کی حفاظت کرے، نفسِ خاندان کا بار اٹھائے، اقربا کی خبر گیری کرے، عام حاجت مندوں کے کام آئے، اور سب بڑھ کر دین حق کو غالب کرنے میں کوشاں ہو یہ جملہ فرائض آدمی کی جس استطاعت پر موقوف ہیں، وہ علم دنیا کے بغیر کہاں سے مل سکتی ہو؟ اس لیے اجازت ہی نہیں، موقعِ محل سے اس کی اہمیت کے اشارے بھی قرآن و حدیث میں مل سکتے ہیں۔

لیکن سائنس کے میدان میں مغربی اقوام کی ترقیوں اور ترقیہ کائنات کے سلسلہ کی انہی لہ پر ادائیوں کو دیکھ کر اس کو اسلام کا نصب العین قرار دینا زیادہ ہی عجیب و غریب کی غلطی ہو جس نے غایتِ اشرع خاں مشرقی جیسے لوگوں کو اس حد تک پہنچا دیا کہ وہ اسلام کو فسادِ امن اور فتنہ و فحشاء کی باگل دوسری تشریح کرنے لگے! انھوں نے مجازاً استعارہ کی زبان یا شاعرانہ انداز میں نہیں بلکہ لوہے زور و قوت اور اصل و کھسکا پتھے نزدیک استدلال کی روشنی میں یہ دعویٰ کیا کہ مغرب کی موجودہ مادی سائنسی ترقیات کا عین اسلام و ایمان ہیں اور اس راہ کی انہی محنت کا دوش دہ اصل جہاد اور عملِ صالح ہو جس کی ترقی میں نبوت دی گئی ہو اور اس بنا پر موجودہ یورپین اقوام ہی منہنیں صاکیں ہیں اور مسلمان جو اپنی توانائی کی وجہ سے ان ترقیات سے محروم ہیں وہ اصل کفار اور مجاہد ہیں وہ جن اسلام کا لیے بیٹھیں وہ اصلی اسلام نہیں ہو بلکہ ”مولوی کا غلط مذہب“ ہو۔

حقیقت یہ کہ ہر چیز کو ایک مقام اور درجہ ہو کسی چیز کو اسلام کا یا مسلمانوں کا نصب العین قرار دینے کے لیے یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ کیا قرآن مجید یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہیں اس کو یہ وجہ دیا گیا ہو اور کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے فیض یافتہ صحابہ کرام کا دیر اس کے بارے میں وہاں ہو جو کسی شخص اور جماعت کا اپنے نصب العین کے بارے میں ہونا چاہیے۔ ظاہر ہو کہ سائنس یا جس چیز کو اس سخت میں تفسیر ارض و سماء کہا گیا ہو اس کی نوعیت یہ نہیں ہو۔ قرآن مجید میں بیشک ”مَعْرِكَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“ فرمایا گیا ہو اور جبکہ جگہ فرمایا گیا ہو لیکن اس کا زیر بحث موضوع سے کوئی تعلق نہیں ان آیات کا مقصد توبہ مندوں کو صبر سے بتانا ہو کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ احسانات فرمائے ہیں کہ تمہیں موجود خدا تمہارے لیے خدائیں پیدا کیں، زندگی کی دوسری ضروریات مہیا فرمائیں اسی طرح اس کا یہ بھی عظیم احسان ہو کہ اس نے زمین آسمان کی کائنات کو تمہارے لیے خیر کر دیا کہ تم ان سے اور ان کی مضمر طاقتوں سے فائدہ اٹھا سکو، اس خدا کی عدوت اور اس کی شکر

بہت سے فائز ہیں جو اس سے نواہت ہیں انھیں یہ سطور بڑھ کر غائبیت ہوگی اور ان کے دل میں ضرور یہ خیال آئے گا کہ کوئی آدمی یہ سلاطین و شہنشاہوں کی ایسی بات کہے کہ سکتا ہو لیکن واقعہ یہ ہو کہ علامہ مشرقی کی تفسیر کتاب مہرکہ کا خاص موضوع ہی ہو۔ پوری کتاب اس دعوے کا جھکاؤ نہ ہو کہ اسے بھری ہوئی ہو۔

رب العالمین کو جان سکے اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کر دے۔

یہ بات بھی قابلِ محاذ ہے کہ قرآن مجید کی ان آیات میں تسخیر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اور عینکے آدمی کی نشان دہی ہے تسخیر کا مطلب کسی چیز کو تاجِ فرمان کر لینا، اسی گرفت اس پر حاصل کرنا کہ سر نہ وخراف نہ کرے ظاہر ہے کہ یہ شانِ انسانی ہے۔ آج جس نے کھلی کیسا تسخیر کی نسبت انسان کی طرف کی جانے لگی ہے وہ صرف جاہلیتِ جدیدہ کی پیداوار ہے۔ خود پرستانہ نقطہ نظر سے ہوس کا کام کرنا کی تسخیر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تسخیر کی ہوتی مخلوقات کو اس کی مرضی اور احکام کے مطابق استعمال کرنا ہے۔

علاوہ ازیں قرآن مجید میں بہت سی جگہ یوں منبروں کی شان اور ان کے اوصاف بیان ہوئے ہیں مگر اس میں کس یہ نہیں کہ وہ بر باد کی تسخیر کرتے اور سرور پر دین پکند ڈالتے ہیں تترنم صفوں بنگار اگر چاہیں تو کم از کم سورہ توبہ کی آیت ۱۱۱ "الَّذِينَ يُؤْتُونَ الْقُرْآنَ حَرْفٍ" اور سورہ الزمر اب کی آیت ۳۵ "إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ" اور قرآن مجید میں دیکھ لیں یہ یوں کے اوصاف کے سلسلہ کی جان ترین آیتیں ہیں۔

اس کے بعد یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ کسی حدیث سے بھی یہ کائنات صحیح نہیں ہوگا کہ یوں اپنا نصب العین تسخیر کائنات سمجھ لے سکے۔ یہ ضروری علم ہر جگہ سے حال کے لئے کوشش ملے۔ یہ گویا یہ بات کہ حدیث "اطلبوا العلم ولو بالعبث" جس کی حواشی میں حضرت عظیم دین مراد جو اس کا مفہوم اس سے وسیع تر ہے، تو پہلی بات توبہ کہ جہاں تک خاص اس حدیث کا تعلق ہے واقعہ یہ کہ یہ ان مردوں میں سے ہے جو اگرچہ کواہم میں کما حقہ سے شہرت پائی ہیں لیکن انکی کوئی مغیرہ نہیں ہے اور اس وجہ سے محدثین کے نزدیک ان کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ ہاں اور بہت سی صحیح حدیثوں میں بلکہ قرآن مجید کی آیات میں بھی تحصیلِ علم کی تاکید اور اس کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے لیکن جو شخص قرآن و حدیث کی زبان اور اس کے محاورات کو جانتا ہو اس کو اس میں شریعت بھی نہیں ہو سکتا کہ ان سب آیات احادیث میں وہ علم ہدایت مراد جو بیوں کے ذریعہ آتا ہے قرآن پاک میں جا بجا اہل کتاب کے لئے یہ فرمایا گیا ہے "وَمَا لَكُمْ قَوْلَ الْآلِیْمِیْنَ بَعْدَ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ" ظاہر ہے کہ اس سے ہی علم ہدایت مراد جو آئے نبیوں کے ذریعہ آئے پاس آیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور اور صحیح حدیث ہے "ان العلمیاء علم یورثو دینا و اولادہما و انما و رثو العلم" یعنی انبیاء و علیہم السلام نے سوچے پسے کی میراث نہیں چھوڑی بلکہ اپنی میراث میں علم چھوڑا ہے ظاہر ہے کہ اس سے علم ہدایت ہی مراد ہے جو انبیاء و علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ سے ملنا تھا اور جو انھوں نے بطور میراث اپنی امتوں کیلئے چھوڑا یعنی خدا کی ذات صفات اس کی حضرات اور اسکے احکام کا علم۔ ان غرض قرآن حدیث کا معلم کیلئے یہ بات بالکل بوجہ کہ جن آیات احادیث میں تحصیلِ علم کی تاکید فرمائی گئی ہے وہاں اس عظیم ہدایت ہی مراد ہے علاوہ ازیں آیات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر بالفرض دوسرے علوم فنون بھی مراد ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ان کے کیلئے سکھانے اور انکی تحریک و تاملت بھی دیا ہی تھا مگر اس کے عینکے کہ جس حدیث میں اس علم کا کیا گیا۔ یہ علم دنیاوی کی ضرورت و اہمیت ثابت کرنے کیلئے بالکل ضروری نہیں ہے کہ احادیث میں علم کے مفہوم کی وضاحت کا کوئی کیا جائے اس کے لئے اس آیت کافی ہے کہ ان احادیث میں اس کی کوئی کمی ثابت ہو جائے علم دنیا کے اعتنائی کی تعلیم نہیں ہے بانی یہی علم کی ضرورت و اہمیت اسلام کو ترک نہ کیا اور ترک اسباب کا داعی نہ بنایا جانے مسلم افراد کے لئے

یہاں یہ بات کہ علم ہدایت مراد ہے جو انبیاء و علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ سے ملنا تھا اور جو انھوں نے بطور میراث اپنی امتوں کیلئے چھوڑا ہے ظاہر ہے کہ اس سے علم ہدایت ہی مراد ہے جو انبیاء و علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ سے ملنا تھا اور جو انھوں نے بطور میراث اپنی امتوں کیلئے چھوڑا ہے

کِتَابُ الْمَعَاشِرَةِ وَالْمَعَامِلَاتِ

مَعَارِفُ الْحَدِيثِ
(مُسَلَّسٌ)

مِیَانِ بیوی کے باہمی حقوق اور ذمہ داریاں

انسانوں کے باہمی تعلقات میں ازدواجی تعلق کی جو خاص نوعیت اور اہمیت ہے اور اُس سے جو عظیم مصالح اور منافع وابستہ ہیں وہ کسی وضاحت کے محتاج نہیں، نیز زندگی کا سکون اور طلب کا اطمینان بڑی حد تک اسی کی خوشگواہی اور باہمی الفت و اعتماد پر موقوف ہے۔ پھر جیسا کہ ظاہر ہے اس کا خاص مقصد یہ ہے کہ فریقین کو پاکیزگی کے ساتھ زندگی کی وہ سہولتیں اور راحتیں نصیب ہوں جو اس تعلق ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں اور آدمی آوارگی اور پراگندگی سے محفوظ رہ کر زندگی کے فرائض و وظائف ادا کر سکے اور نسل انسانی کا وہ تسلسل بھی انسانی عظمت اور شرف کے ساتھ جاری رہے جو اس دنیا کے خالق کی مشیت ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ مقاصد بھی اسی صورت میں بہتر طریقہ پر پورے ہو سکتے ہیں جبکہ فریقین میں زیادہ سے زیادہ محبت و یکجہانیت اور تعلق میں زیادہ سے زیادہ خوشگواہی ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مِیَانِ بیوی کے باہمی حقوق اور ذمہ داریوں کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں اُن کا خاص مقصد یہی ہے کہ یہ تعلق فریقین کے لیے زیادہ سے زیادہ خوشگوار اور سہولت و راحت کا باعث ہو، دل جڑے رہیں اور وہ مقاصد جن کے لیے یہ تعلق قائم کیا جاتا ہے بہتر طریقہ سے پورے ہوں۔ اس باب میں آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کا خلاصہ یہ ہے کہ بیوی کو چاہیے کہ وہ اپنے شوہر کو اپنے لیے سب بالاتر سمجھے، اس کی وفادار اور فراموش نہ رہے، اس کی خیر خواہی اور رضا جوئی میں کمی نہ کرے، اپنی دنیا اور آخرت کی بھلائی اس کی خوشی سے وابستہ سمجھے۔ اور شوہر کو چاہیے کہ وہ بیوی کو اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت سمجھے، اس کی قدر اور اس سے محبت کرے، اگر اس سے غلطی ہو جائے تو چشم پوشی کرے، صبر و تحمل و بردباری سے اس کی اصلاح کی کوشش کرے، اپنی استطاعت کی حد تک اس کی ضروریات اچھی طرح پوری کرے، اس کی راحت و رسانی اور دوجوئی کی کوشش کرے۔

ان تعلیمات کی صحیح قدر و قیمت سمجھنے کے لیے ابے قریب ۱۴ سال پہلے پوری انسانی دنیا اور خاصکر عربوں کے اس ماحول کو سامنے رکھنا چاہیے جس میں بیجاری بیوی کی حیثیت ایک خدیہ کردہ جانور سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی اور اُس غریب کا کوئی حق نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس مختصر تمہید کے بعد اس سلسلہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پڑھیے !

بیوی پر سب سے بڑا حق اُس کے شوہر کا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْظَمُ النَّاسِ حَقًّا عَلَى الْمَرْأَةِ زَوْجُهَا وَأَعْظَمُ النَّاسِ حَقًّا عَلَى الرَّجُلِ أُمُّهُ

رواہ الحاكم فی المستدرک

سفرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عورت پر سب سے بڑا حق اُس کے شوہر کا ہے اور مرد پر سب سے بڑا حق اُمّی کی ماں کا ہے۔ (مستدرک حاکم)

اگر غیر اللہ کیلئے سجدہ کی گنجائش ہوتی تو عورتوں کو شوہر کیلئے سجدہ کا حکم ہوتا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ أَمْرًا أَحَدًا أَنْ تَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ

لِزَوْجِهَا _____ رواہ الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر میں کسی کو کسی مخلوق کے لیے سجدہ کا حکم کرتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) کسی مخلوق پر کسی دوسری مخلوق کا زیادہ سے زیادہ حق بیان کرنے کے لیے اس سے زیادہ (تشریح) مبلغ اور مؤثر کوئی دوسرا عنوان نہیں ہو سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیوی پر شوہر کا حق بیان کرنے کے لیے اختیار فرمایا۔ حدیث کا مطلب اور مدعا یہی ہے کہ کسی کے نکاح میں آجہانے اور اس کی بیوی بن جانے کے بعد عورت پر خدا کے بعد کسی بڑا حق اُس کے شوہر کا ہو جاتا ہے، اُسے چاہیے کہ اُس کی فرمانبرداری اور رضا جوئی میں کوئی کمی نہ کرے۔ جامع ترمذی میں یہ حدیث حضرت ابوہریرہ کی روایت سے انہی الفاظ میں روایت کی گئی ہے — اور امام احمد نے سند میں اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کی ہے۔

کسی آدمی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ	لَا يَصْلَحُ لِبَشَرٍ أَنْ يُسْجَدَ لِبَشَرٍ
کسی دوسرے آدمی کو سجدہ کرے، اور اگر	وَلَوْ صَاحَبُ يَسْجُدُ لِبَشَرٍ
یہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ	لَا مَرَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تُسْجِدَ
اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے، کیونکہ اس پر اس	لِزَوْجِهَا مِنْ عَظَمِ حَقِّهَا
کے شوہر کا بہت بڑا حق ہے۔	(المحدث)

اور من ابن ماجہ میں بھی مضمون حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی روایت سے حضرت معاذ بن جبل کے ایک واقعہ کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے۔ اس روایت میں واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ

”شہور انصاری صحابی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ملک شام گئے ہوئے تھے، جب وہاں سے واپس آئے تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سجدہ کیا، آپ نے تعجب سے پوچھا ”مَا هَذَا يَا مَعَاذُ؟“ (معاذ یہ کیا کر رہے ہو) انھوں نے

عرض کیا کہ میں شام گیا تھا وہاں کے لوگوں کو میں نے دیکھا کہ وہ اپنے دینی بیٹروں،
پادریوں کو اور تومی سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں تو میرے دل میں آیا کہ ایسے ہی ہم بھی
آپ کو سجدہ کیا کریں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایسا نہ کرو۔۔۔۔۔ اس کے بعد
ارشاد فرمایا۔

فَإِنِّي لَوُكُنْتُ أَمِيرًا أَحَدًا أَنْ
يَسْجُدَ لِغَيْرِ اللَّهِ لَا مَرُوتُ الْمَرْأَةُ
أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا..... الحدیث
اگر میں کسی کو امیر کے سوا کسی اور کے لیے
سجدہ کرنے کے لیے کہتا تو عورت کو کہتا کہ
وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

اور سن ابی داؤد میں اس سے ملتا جلتا ایک دوسرا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے صحابی قیس بن سعد سے روایت کیا گیا ہے۔۔۔۔۔ وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ
"میں حیرہ گیا تھا (یہ کوئٹہ کے پاس ایک قدیمی شہر تھا) وہاں کے لوگوں کو میں نے
دیکھا کہ وہ ادب و تعظیم کے طور پر اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ میں نے اپنے جی میں
کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کیا کریں
پھر جب میں (سفر سے لوٹ کے) آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ سے
یہی بات عرض کی، آپ نے مجھ سے فرمایا

أَرَأَيْتَ لَوْ مَرَرْتُ بِقَبْرِیْ أَكُنْتُ
تَسْجُدُ لَهُ؟ فَقُلْتُ لَا فَقَالَ لَا
تَفْعَلُوْهُ لَوْ كُنْتُ أَمْرًا أَحَدًا أَنْ
يَسْجُدَ لِأَحَدٍ إِلَّا مَرُوتُ النِّسَاءِ
أَنْ يَسْجُدَ لَزَوْجِهَا لِمَا
بتاؤ اگر (میرے مرنے کے بعد) تم میری قبر
کے پاس سے گزرے تو کیا میری قبر کو سجدہ
سجدہ کرو گے؟ (قیس کہتے ہیں) میں نے
عرض کیا کہ نہیں (میں) آپ کی قبر کو تو سجدہ
نہیں کروں گا) تو آپ نے فرمایا ایسے جواب

لے اس سوال سے آپ کا مقصد قیس بن سعد کو یہ بتانا اور سمجھانا تھا کہ میں تو ایک فانی ہستی ہوں، ایک دن وفات پا کر
قبر میں دفن ہو جاؤں گا اور اس کے بعد تم بھی مجھے سجدہ کے لائق نہ سمجھو گے، پھر مجھے سجدہ کو بخیر و بدامان ہو سکتا ہے، سجدہ
تو اس ذات کے لیے روا ہو جو "حَقُّ لَا یَمُوتُ" ہے اور جس کے لیے کبھی فنا نہیں ۱۲۔

جَلَّ اللهُ لَهُمْ عَلَیْهِمْ مِنْ حَقِّ۔ سجدہ کرو۔ اس کے جیسے قرآن کریم کی
 کسی دوسری مخلوق کے لیے سجدہ کرنے کے لیے کہتا تو عورتوں کو کہتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا
 کریں، اس عظیم حق کی بنا پر جو اللہ نے ان کے شوہروں کا ان پر عطا کیا ہے :

اور سید احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور واقعہ روایت کیا گیا ہے
 کہ ایک اونٹ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سجدہ کیا (یعنی : وہ اونٹ آپ کے
 حضور میں جھک گیا جس کو دیکھنے والوں نے سجدہ سے تعبیر کیا) اس اونٹ کا یہ عزم عمل دیکھ کر
 بعض صحابہ نے حضور سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اونٹ جیسے چوپائے اور درخت آپ سے بے سجدہ کرتے
 ہیں (یعنی جھک جاتے ہیں) تو ان کی یہ نسبت ہمارے لیے زیادہ سزاوار ہے کہ ہم آپ کو سجدہ
 کریں۔ آپ نے اُن سے فرمایا :

أَعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَأَكْرِمُوا آخِلَكُمْ
 وَلَوْ كُنْتُ أَمْرًا أَحَدًا أَنْ تَسْجُدَ
 لِأَحَدٍ لَا مَرْوَةَ الْمَرْأَةِ أَنْ
 تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا۔

عبادت اور پریشانی اپنے رب کی کو اللہ

اپنے بھائی کا (یعنی سزاوار) میں اگر کم احترام

کر دو اور اگر میں کسی کو کسی دوسری مخلوق

کے لیے سجدہ کرنے کو کہتا تو عورت کو کہتا کہ

..... احدث

ان مختلف احادیث و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 بیوی پر شوہر کے حق کے بارہ میں یہ سجدہ والی بات مختلف موقعوں پر دوبارہ بارہ فرمائی۔

ہر قسم کا سجدہ صرف اللہ کے لیے :-

ان سب حدیثوں سے یہ بات بھی پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ معلوم ہوگئی کہ شریعت
 محمدی میں سجدہ صرف اللہ کے لیے ہے، اس کے سوا کسی دوسرے کے لیے حتیٰ کہ افضل مخلوقات
 سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی کسی طرح کے سجدہ کی گنجائش نہیں ہے، یہ بھی
 ظاہر ہے کہ حضرت معاذ یا قیس بن سعد یا جن دوسرے صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے حضور میں سجدہ کے بارہ میں عرض کیا تھا وہ سجدہ تجاہد ہی کے بارے میں عرض کیا تھا اور نہ

لوگ سجدہ تعظیفی بھی کہہ دیتے ہیں، اس کا توشیح بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ان صحابہ نے معاذ اللہ سجدہ عبادت و عبودیت کے بارہ میں عرض کیا ہو۔ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکا ہو اس کی غرض توحید کو قبول کر چکا اس کو تو اس کا وسیعہ بھی نہیں آسکتا کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ عبادت کرے، اس لیے انما پڑے گا کہ ان حدیثوں کا تعلق خاص کر سجدہ تحیہ ہی سے ہے۔ اسی لیے فقہانے تصریح کی ہے کہ کسی مخلوق کے لیے سجدہ تحیہ بھی حرام ہے۔ پس جو لوگ اپنے بزرگوں، مرشدوں کو امامت کے بعد ان کے مرادوں کو سجدے کرتے ہیں وہ بہر حال شریعت محمدی کے مجرم اور باغی ہیں اور ان کا یہ عمل صورتہ بلاشبہ شرک ہے۔

غیر اللہ کے لیے سجدہ کے بارہ میں یہاں جو چند سطریں لکھی گئیں، یہ مندرجہ بالا احادیث کی تشریح و تفسیر ہیں اور تقاضا تھا، اب اصل موضوع یعنی بیوی پر شوہر کے حقوق سے تعلق بقیہ احادیث پر ہے۔

شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری :-

میاں بیوی کے تعلق میں یہ ضروری تھا کہ کسی ایک کو سربراہی کا درجہ دیا جائے لہذا یہ حرا سے اس پر ذمہ داریاں بھی ڈالی جائیں، اور ظاہر ہے کہ اپنی فطری برتری کے لحاظ سے اس کے لیے شوہر ہی زیادہ موزوں ہو سکتا تھا، چنانچہ شریعت محمدی میں گھر کا سربراہ مرد ہی کو قرار دیا گیا اور بڑی ذمہ داریاں اسی پر ڈالی گئی ہیں۔ فرمایا گیا ہے ”الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالَاتِ (مرد عورتوں کے سربراہ اور ذمہ دار ہیں) اور عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ گھر کے سربراہ و ذمہ دار اپنے بہترین کی حیثیت سے شوہر کی بات مانیں اور بیوی ہونے کی حیثیت سے ان کی جو مخصوص حنانگی و مہربانیاں ہیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں۔ چنانچہ ان کے لیے فرمایا گیا ہے ”فَالصِّلَاتُ قُنُوتٌ حَقٌّ ظَلَّتْ لِلْغَيْبِ“ (نیک بیویاں شوہروں کی فرمانبرداری ہوتی ہیں اور شوہر کے لیے بھی وہی کی آبرو دار ہر امانت کی حفاظت کرتی ہیں)۔ اگر عورت شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری نہ کرے تو بھائی یا نافرمانی و سرکشی کا رویہ اختیار کرے تو ظاہر ہے کہ اس کے نتیجہ میں پہلے کشمکش اور پھر غناہ چلی ہوگی جو دونوں کی دینی و دنیوی بربادی کا باعث ہوگی۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے عورتوں کو شوہروں کی اطاعت و قربانیداری اور دنیا جوئی کی تائید بھی فرمائی ہے اور اس کا
عظیم اجر و ثواب بیان فرما کے ترغیب بھی دی ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْرُ آةٍ إِذَا
صَلَّتْ حُضْنَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا أَحْصَنَتْ قَرْبَهَا وَأَطَاعَتْ لِبَعْلِهَا
فَلْتَدْخُلْ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ — رواه ابن أبي عمير في الحلية
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
عورت جب پانچوں وقت کی نماز پڑھے اور ماہِ رمضان کے روزے رکھے اور اپنی
شرم و آبرو کی حفاظت کرے اور شوہر کی قربانیداری سے تو بھر دے تو ہے کہ جنت کے
جس دروازے سے چاہے اس میں داخل ہو۔ (حلیۃ ابن عیمر)

(تشریح) اس حدیث میں یہ بات خاص طور سے قابلِ لحاظ ہے کہ اس میں بیوی کے لیے شوہر
کی اطاعت کو نماز، روزہ اور زنا سے اپنی حفاظت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے یہ اس
بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ شریعت کی نگاہ میں اس کی بھی ایسی ہی اہمیت ہے جیسی کہ
ان ارکان و فرائض کی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَيُّ الذِّمَّاءِ خَيْرٌ قَالَ أَلَّتِي تَسْرُكُ إِذَا أَنْظَرْتَ وَتَطِيعُهُ إِذَا أَمَرَ لَا
تَخَالِفُهُ فِي نَفْسِهَا وَلَا مَالِهَا بِمَا يَكْرَهُ

— رواه النسائي و ابن أبي عمير في شعب الایمان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی
پوچھا کہ کون عورت زیادہ اچھی ہوتی ہے (یعنی اچھی عورت کے کیا اوصاف ہیں) آپ نے
فرمایا وہ (عورت) زیادہ اچھی ہے جس میں یہ اوصاف ہوں) اسے دیکھ کر شوہر کا بھی خوش
ہو، اور جب وہ کسی کام کے کرنے کو کہے تو وہ اس کی تعمیل کرے اور خود اپنی ذات اور اپنے
مال و جائیداد کے بارے میں شوہر کی منشا اور مرضی کے خلاف کوئی ایسی بات اور ایسا اقدام نہ
کرے جو اس کی ناگواری کا باعث ہو۔ (مسند نسائی، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) حدیث کے پہلے جملہ "كُشِّرُوْا اِذَا اَنْظَرُوْا" میں وہ سب چیزیں داخل ہیں جیسا کہ بیوی میں
ہوتا شوہر کی سرسرت اور خوشدلی کا باعث ہوتا ہے مثلاً اس کا طریقہ مند اور صفائی پسند
ہونا، خوش مزاج اور بااخلاق ہونا، نیک صحبت، نیک اطوار اور اطاعت شعار ہونا وغیرہ وغیرہ۔
عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا
اِمْرَاةٍ مَاتَتْ وَرَزَوُجُہَا عَنْہَا رَاضٍ دَخَلَتْ الْجَنَّةَ۔

رواہ الترمذی

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
جو عورت اس حالت میں دنیا سے جلتے کہ اس کا شوہر اس سے راضی اور خوش ہو تو وہ
جنت میں جائے گی۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس سلسلہ معارف الحدیث میں یہ بات بار بار واضح کی جا چکی ہے کہ جن احادیث میں
کسی خاص عمل پر جنت کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ عمل
اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے اور اس کا صلہ جنت ہے اور اس کا کرنے والا جنتی ہے لیکن اگر بالفرض
وہ عقیدہ یا عمل کسی ایسی گندگی میں لوث ہو جس کی لازمی سزا دوزخ کا عذاب ہو تو اللہ تعالیٰ کے
قانون کے مطابق اس کا اثر بھی ظاہر ہو کے رہے گا۔ اسی روشنی میں حضرت اُم سلمہ کی اس حدیث
کا مطلب سمجھنا چاہیے۔

دوسری بات یہاں یہ قابل لحاظ ہے کہ اگر کوئی شوہر تاواجب طور پر اپنی بیوی سے ناراض
ہو، تو اللہ کے نزدیک بیوی بے تصور ہوگی اور ناراضی کی ذمہ داری خود شوہر پر ہوگی۔
[یہاں تک وہ حدیثیں مذکور ہوئیں جن میں بیویوں پر شوہر کی کفایت بیان کیا گیا ہے اور ان کی
اطاعت و فرمانبرداری اور رضاجوی کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اب وہ حدیثیں پڑھیے جن میں شوہر کا
کو بیویوں کی رعایت اور دلجوئی و دلدادگی اور بہتر رویہ کی تاکید فرمائی گئی ہے]

(جاری)

ارشادات حکیم الامتہ حضرت مولانا تھانویؒ

علماء و طلباء، اربابِ اہتمام اور اصحابِ اہلِ اس کے لیے لمحہ فکریہ
ملخص ————— از مولانا نسیم احمد فریدی امر دہی

(۶)

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ————— اب سنا جاتا ہے کہ بعض مدرس کے طلباء کا تو بالکل ہی طرز بدل گیا ہے (الامثالۃ اللہ) دیکھنے سے یہی پتہ نہیں چلتا کہ یہ کس طرح ہے یا دینی مدرسہ، جب اپنے بزرگوں کے طرز کو چھوڑ دیا تو پھر نور کہاں؟ برکت کہاں؟ طلباء کے لباس میں، طرزِ معاشرت میں تبدیلی پیدا ہو گئی، منتظینِ اساتذہ سب کے سب طلباء سے مغلوب ہیں۔ محض اس وجہ سے کہ اگر یہ نہ ہے تو ہماری مدرسہ بھی جاتی رہے گی۔ تو کیا ان صاحبوں کی نظر میں نور مدرسہ مقصود بالذات ہے؟

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ مدرسہ مقصود بالذات نہیں مقصود خدا کی رضا ہے نور مدرسہ رہے یا نہ رہے ————— یہاں بفضلِ تعالیٰ قواعد اور اصول کی رعایت کی جاتی ہے مگر ان (قواعد و اصول) پر لوگ معترض ہیں اگر یہاں یہ اصول نہ ہوتے تو کیا حق کرنے کے لیے بد فہم لوگ یہاں بھی کچھ کہہ آتے ہیں مگر بحمد اللہ اپنے بزرگوں کی دعا کی برکت سے اور اصولِ صحیحہ کی وجہ سے یہاں کسی کی نہیں چلتی اور اہلِ بدعت نہ بجز رضامندی کے یہاں کوئی چیز مقصود ہے۔ لوگوں نے اصولِ صحیحہ کو چھوڑ دیا ہے جس سے ایک عالم کا حاکم پریشانی میں مبتلا ہے جس کی حکومت اپنی رعایا سے باپ اپنے بیٹے سے استاد اپنے شاگرد سے پیر اپنے فرید سے خاوند اپنی بیوی سے آقا اپنے نوکر سے —————

اور اگر اصول صحیح کا انتخاب کیا جائے اور ہر چیز کو اپنی حد پر رکھ لے تو کوئی پریشانی اور تکلیف نہیں ہو سکتی۔ ایک مسئلہ گفتگو میں فرمایا۔ تجربے سے معلوم ہوا کہ کوئی عورت کسی گناہ میں سمجھ کر پڑھے اسے کافی توبہ والے کے بعد اپنی معاملات و مسائل میں قیامت کا جواب دینے کے لیے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ مگر آج کل عربی طلباء بھی کتابیں سمجھ کر نہیں پڑھتے، طوطے کی طرح روتے ہیں اس وجہ سے اُن میں سمجھ پیدا نہیں ہوتی۔ بزرگوں نے جو درسی کتابیں انتخاب کی ہیں اُن میں سب کچھ ہے مگر سمجھ کر پڑھنا شرط ہے۔

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مشکل باتیں پیش آئیں مگر حق تعالیٰ نے ہمیشہ مدد فرمائی۔ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ نیکوں کو تو حکم ہے کہ بدوں کی صحبت سے بچو اور بدوں کو حکم ہے کہ نیکوں کی صحبت اختیار کرو۔ تو اس صورت میں نیک اپنی صحبت میں بدوں کو کونے کونے دیں گے؟ جبکہ اُن کو حکم ہے کہ بدوں کی صحبت سے بچو۔ پھر بدوں کو نیکوں کی صحبت کیونکر میسر ہو سکتی؟ فرمایا کہ جواب سننے کے بعد تو کچھ بھی اشکال نہیں رہتا، مگر اولیٰ نے میں تو بڑا ہی سخت اشکال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت مدد فرمائی اور قلب میں جواب افتاء فرمایا یہ سب اُن کی ہی رحمت ہے۔ میں نے کہا کہ عادت النہیہ یہ ہے کہ تابع کا اثر مقبوع پر نہیں ہوتا۔ مقبوع کا اثر تابع پر ہوتا ہے اس لیے نیکوں کو جو حکم ہے کہ بدوں کی صحبت سے بچو مطلب یہ ہے کہ اُن کے تابع بن کر اُن کی صحبت مت اختیار کرو۔ لیکن اگر وہ تمہارا ہے اس آئیں گے تو تابع ہو کر آئیں گے اُن کو اپنے پاس آنے و اُسی طرح بدوں کو جو حکم ہے کہ نیکوں کی صحبت اختیار کرو۔ مطلب یہ ہے کہ تم اُن کے تابع بن کر جاؤ۔ یہ جواب سن کر وہ صاحب بہت خوش ہوئے۔ اگر حق تعالیٰ عقل سلیم اور فہم کامل کسی کو عطا فرمائیں۔ بڑی ہی اُن کی رحمت اور نعمت ہے اور بڑا ہی فضل اُس بندے پر ہے جس کو ان نعمتوں سے نوازا جائے۔

ایک مسئلہ گفتگو میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت بیان فرمائی کہ ایک مولوی صاحب کہتے تھے کہ میں ایک مرتبہ قصبہ رام پور (منشیان) سے دیوبند پہنچا میرا ایک مقدمہ تھا۔ میرے ساتھ ایک ہندو بھی تھا اُس کا مقدمہ سے تعلق تھا اُس ہندو نے دیوبند پہنچ کر مجھ سے پوچھا کہ کہاں ٹھہر دے؟ میں نے کہا کہ میں حضرت مولانا کے یہاں ٹھہروں گا اُس نے

کہ میں کھانک ناؤ بازار سے نکلاں گا۔ ابھی قیام کے ہے ایک تھوڑی سی جگہ اور ایک چھوٹی سی چارپائی مولانا کے بیان سے مجھ کو بھی دل چلتی تو بڑی آسانی ہو اور حدالت میں نہ ہو کر چلنے میں کوئی تکلیف نہ ہو۔ مولوی صاحب کہتے تھے کہ میں نے حضرت مولاناؒ کی بیٹھک میں انتظار کیا کہ آیا ایک روز میں اور وہ ہندو اپنا اپنی چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دو بہر کا وقت تھا۔ حضرت مولاناؒ زمانہ مکان سے وہ دے دیے بیروں بیٹھک میں تشریف لائے اور اُس ہندو کی چارپائی پر بیٹھ کر اُس کے سر دانا شرمس کیے وہ اس قدر بے ہوش ہو رہا تھا کہ خراٹوں کی آواز آ کر نہ تھی میں چونکہ جاگ رہا تھا اس لیے برداشت نہ کر سکا اور اُنھ کو ہونچا اور عرض کیا کہ میں دباؤں گا۔ فرمایا کہ میرا ہاتھ ہے مجھ پر تھی ہے میں نے پھر اصرار کیا تو فرمایا کہ جاؤ تم داخل دینے والے کون ہوتے ہو؟ آرام کرو۔ زیادہ بات کرنے سے بچاؤ کی آنکھ کھل جائے گی اور تکلیف ہوگی۔ کیا ٹھکانہ ہے اس نے نفی کا۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے حضرات کا پیچھے یہ مسلک اور مشرب رہا ہے کہ غریب اور دینداروں سے محبت رکھتے تھے اور اہل دنیا بالخصوص اہل مال سے جو امراء کہلاتے ہیں۔ خصوصیت کا تعلق نہ رکھتے تھے۔ اور امراء سے مُراد وہ لوگ ہیں جو شتمول ہونے کے ساتھ دنیا دار بھی ہیں لیکن اگر ان میں سے بھی کوئی دیندار ہو تو اُس سے بھی خصوصیت کا تعلق رکھتے تھے ورنہ نہیں۔ یہ بات ہماری جماعت ہی کے ساتھ خاص تھی ورنہ دوسرے اکثر علماء کو دیکھا کہ وہ امراء کو پسندتے ہیں اُن کی چال پوسیاں کرتے ہیں اور یہ سب کچھ کرنے کا سبب محض اپنی دنیاوی اغراض ہیں۔ ہمارے حضرات میں ایک استغناء کی شان تھی۔ تو کُل اعلیٰ درجے کا تھا۔ کبھی دنیاوی اغراض کی بنا پر کسی سے تعلق نہ پیدا فرماتے تھے۔

ایک مولوی صاحب سے فرمایا کہ یہ زمانہ نہایت ہی پُر فتن ہے۔ دین میں تخریف کرنے والے اس زمانے میں بکثرت پیدا ہو گئے۔ کچھ اور دھڑی بھرے پڑے ہیں اور کوئی کام تو رہا نہیں شبہ روز بیٹھ ہوئے احکام اسلام میں کثرتِ بیعت کرتے رہتے ہیں۔ احکامِ طلب میں یا احکامِ تعزیرات میں اُنھوں نے کبھی کثرتِ بیعت نہیں کی۔ اور اس دین کے تو حق تعالیٰ محافظ ہیں ورنہ یہ تو ہر وقت اُس کی بیخ و بناد ہی اکھیرنے کی فکر میں لگے ہیں۔ خیر یہ بھی زور لگائیں۔ ان سے پہلوں نے بھی

بہت زور لگائیے ہیں مگر اسلام اور احکام اسلام کی بقاؤ کی تو یہی شان رہی ہے کہ

پہنؤ آں ابرو محنت در فشاں است

خم و خمنا نہ با مسر و فشاں است

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس زمانے میں اپنے حضرات کے علوم اور شان تحقیق کو دیکھ کر
یوں معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے بڑے درجے کے لوگ پیدا کیے ہیں۔ ان حضرات کی واقعی یہ حالت
تھی کہ جاس تھے ظاہر اور باطن کے کسی نے خوب ہی کہا ہے۔

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق

ہر ہو سنا کے نراند جام و سندان بافتن

بالخصوص تصویف میں تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان تحقیق عجیب ہی تھی کہ اپنے
زمانے کے تصویف کے، امام مجتہد مجدد اور محقق تھے۔ ایک صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ اب
اس زمانے میں (امام) رازئی اور (امام) غزالی نہیں پیدا ہوتے ہیں نے کہا کہ ہاں! کابر کے لغو فحاشات
اور تحقیقات کو دیکھ لو معلوم ہو جائے گا کہ اس زمانے میں بھی (امام) رازئی اور (امام) غزالی موجود
ہیں۔ صاحبِ نبوت ہی تو ختم ہوئی ہے۔ باقی اور کمالات کا دروازہ تو کھلا ہوا ہے۔ فرق صرف یہ
ہے کہ اُن (بزرگوں) کا زمانہ اس قدر فتن اور شر کا نہ تھا جیسا کہ اب ہے۔ یہ سب ان حضرات
(ہمارے اکابر) کی تصنیفات اور تحقیقات سے معلوم ہو سکتا ہے مگر اُن کو دیکھنا کون ہے۔ کیونکہ
مذاق ہی بگڑ گیا ہے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ مولانا محمد صدیق صاحب انیسویں نے ایک عجیب اور کام کی
بات فرمائی۔ وہ یہ کہ ہماری جماعت میں جو باوجود زیادہ مجاہد نہ ہونے کے اکثر کافضل ہو جاتا ہے
اس کا سبب، اتباع سنت کا اہتمام ہے۔ اس کی برکت سے اُس طرف سے جذب کیا جاتا ہے

عہ وہ ابرو محنت ابھی تک در فشاں کو رہا ہے اور خم و خمنا نہ شریعت و طریقت اُسی شان و شوکت کے ساتھ ہو۔

عہ ایک ہاتھ میں جام شریعت ہے اور ایک ہاتھ میں عشق لاہرن ہے ہر ہاں اوس جام و سندان کو اس
طرح جمع کرنا نہیں جانتا۔

کسی عیب اور کام کی بات فرمائی۔ سبحان اللہ

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ خلوت ہی بہت کہ قلب کا تعلق ہوا ہے خدا کے اور کسی سے نہیں ہوتا چاہے بس یہ ہے سکون کی چیز۔ مگر آج کل لوگوں نے قلب کو اسٹیشن مرام آباد کا اسلامی مسافر خانہ بنا رکھا ہے کہ سب وہیں آکر ٹھہرتے ہیں۔ پھر ایوان دے بھی بری دے بھی بھڑکھڑا ہوا دے بھی۔ یہاں قلب تو ایک ہی کے رہنے اور سامنے کی جگہ ہے اور وہ غذا و غذائیں حلالہ کی ذات پاک ہے اور جو یہ کہ قلب میں وہ سما گئے ہیں ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ ان کو ہر ناگوار اور ہوجاؤ اور شاہ فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ اگر میں خدا اللہ مومن ہوں اور باری دنیا مجھ کو سردرد سمجھے میرا کچھ ضرر نہیں اور اگر خدا اللہ مومن ہوں اور باری دنیا قلعہ مغوث یا ہر الہ سمجھے تو کچھ نفع نہیں۔ ظلال مثال صاحب نے باری خدا اسی میں صرف کی کہ کچھ کو برا بھلا کہا مگر آخر اللہ میں نے ایک سطر بھی جواب میں نہیں لکھی تو میرا کیا بگڑ گیا۔ قرآن شریف کا بھی یہی طرز ہے کہ اس کام بیان کر دیے مخالف پر زیادہ رجحان نہیں کیا۔ ایک مولوی صاحب نے عجیب بات کہی کہ تاتاریا سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو قلعہ مناظر سے کبھی نہیں ہوا ہے۔ جب ہوا تاتاریا سے ہوا اور وہ بھی اس تبلیغ سے جو جادو ہم پر پائی تھی اُسن کے ماتحت ہوئی۔ حضرت تاتاریا کو خبر نہیں کچھ کو خبر ہے کہ اُن خان صاحب کے بیٹے مرید خود ان کی تصنیفات کو دیکھ کر ان سے برا عقاد ہوئے۔ میری تصنیفات تو دیکھ کر ان سے برا عقاد نہیں ہوئے۔ میری تصنیفات کو اُنھوں نے دیکھ لیا جہت کے بعد ان میں اس قسم کے اضافے نہیں ہوئے۔ جی سے برا عقاد ہونے کی ترغیب دی گئی ہو اس سبب کو برا دیا ہے۔ اب جی طرفت میں لاتی چاہے جیسے ہر شخص اپنے دین کا ذمہ دار ہے البتہ خود ان کی تصنیفات کو دیکھ کر انھیں اُن سے برا عقاد ہوئے۔۔۔۔۔ ابھی کا داتا ہے کہ بریلی میں ایک حکیم صاحب ہیں عمر سیدہ آدمی ہیں۔ پچیس سال سے اُن (خاص صاحب) کے مرید تھے۔ ان ہی بیروزوں کو دیکھ کر اب انھوں نے عقاد باطلہ سے توبہ کر لی ہے اور اس طرف رجوع کیا ہے۔ کچھ کو لکھا ہے کہ میں آپ سے مرید ہونا چاہتا

عہدہ اللہ سے اچھے زمانہ اور اچھے طریقے سے بحث و گفتگو کرے

ہوں میں نے کچھ دیا کہ اس کام میں تعجب، مناسب نہیں۔ اس کے بعد پھر قضا کیا کہ تعجبی نہ کرنے کا حد
 ثرائی بہانے میں نے کچھ دیا کہ جب تک یہ سب چاہیں غلط اور سائل نہ دیکھو اور میں مرتبہ
 حکام کو البتہ دوسرے مرتبہ ملاقات نہ کرو۔ اُس وقت تک یہ حدود رکھتے ہوگی اس پر انھوں نے لکھا
 کہ تیسرے آں قاضی صاحب کے صراحتاً اس سے بعد بعد استبداد چند سوالات بھی کیے ہیں ان کا
 انھوں نے جواب بھی دیا ہے میں پھر کچھ سوالات کہہ رہا ہوں وہ بھی آپ کے اس بھیجوں گا۔ میں
 نے لکھا کہ جب تک ان چیزوں سے دل چاہی تیس مجھ سے میں مقصد کے لیے جو عرض کیا ہے وہ اس
 طریقے سے حاصل ہوتی ہیں جو ممکنہ اگر آپ کے نزدیک یہ سوال جواب ضروری ہیں تو مناسب یہ
 معلوم ہوئے کہ میں مقصد کے لیے کچھ سے رجوع کیا ہے اُس کو مؤخر کر دیا جائے اور جس میں اس
 وقت آپ کو اتنا کچھ ہے اُس کو مستخدم رکھا جائے جب اُس سے فارغ ہو لیں اُس وقت مجھ سے خط
 و کتابت کی جائے۔ آپ سال بھر میں فارغ ہو دیا دو سال میں۔ اس پر لکھا ہوا آیا کہ آپ نے
 ایسے عنوان سے لکھا ہے کہ مجھ کو اس موجودہ مسئلے سے نفرت ہو گئی امداد میں اس سلسلے میں کچھ
 نہ ہوں گا۔ کچھ کہ آنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ آدمی بھرا معلوم ہوتے ہیں میں نے لکھ
 دیا کہ ان کی جگہ کی کیا ہے کچھ خط و کتابت ہو لینے دیجئے اور اگر آپ آنا ہی چاہتے ہیں تو اس کے متعلق یہ
 ہے کہ یہاں پر رہتے ہوئے مجلس میں چُپ بیٹھا رہنا ہو گا۔ مکاتبت اور مخالفت کی اجازت نہ ہوگی۔
 اس پر لکھا کہ میں کچھ نہ ہوں گا۔ مجلس میں خاموش بیٹھا رہوں گا۔ پھر فرمایا کہ اس مضمون سے اُن
 کو اس قدر قطع ہوا کہ تمام عمر کے مجاہدات اور ریاضات سے بھی وہ نفع نہ ہوتا۔ اگر میرا مذاق بھی ہی مخرج
 و عام روانہ کے مطابق ہوتا تو ان کی اس تحریر سے میں خوش ہوتا کہ میرے ساری عمر کے دشمن کے مقابلہ
 میں میری نصرت کر رہے ہیں بلکہ اور ترغیب دیتا۔ مضمون منگامنگا کر دیکھتا اُس میں مشورے دیتا بلکہ
 اکثر کلام کہ لکھ شکریہ ہے اور اُن کا فیصل ہے کہ مجھ کو تیشہ ان چیزوں سے محفوظ رکھا اور ان خرافات سے
 میری حفاظت فرمائی۔ اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ آیا یہ شخص زیادہ مفید ہے کہ ایک شخص کو فضول
 لائیں بات سے ہٹا کر کام میں لگا دیا اور مفید تھا جو انھوں نے تجویز کیا تھا نیز اگر درخواست بعت
 کی کہ لے جائے اُن کو مزید کر لیتا تو کیا اس قدر نفع ہو سکتا تھا جس قدر اب ہوا؟ (نہیں) بلکہ اُلٹا اثر
 ہوا یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ منتظر بیٹھے تھے کہ اُدھر سے کوئی ٹوٹ کر آئے تو ہر دم

اس کو دیکھ کر اس صورت سے قفاک تھک سکتا تھا کیونکہ اس صورت کا حاصل تو یہ ہے کہ
مطالب، مطلوب ہو جائے اور مطلوب، طالب۔ پھر تعلق کہاں؟ تعلق جب ہی ہو سکتا ہے جب ہر
پہرہ پہن رہے ہو۔ حق میں حق تعالیٰ نے قوت دی ہے اور تالیفِ قلوب، کسی عارض کی وجہ سے کی
جاتی ہے۔ اگر کسی عارض سے ایسا ہوا ہے تو اس کو باقی اور مستحکم نہیں رکھا گیا۔ حق کی قوت کو اثر
نہایت کیا۔ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَّتِ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ رَهُوًّا۔
عجب یہ کہ لوگ سب چیزوں میں خاصیت کے حامل ہیں مگر حق کی خاصیت کے قابل نہیں۔
عجب عقیدہ ہیں۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کے مشائخ تو کیا اگر سے بھی گئے گزرے ہیں کیا اگر
ایک نہایت سست کمال کی وجہ سے کسی کو سمجھ نہیں سکتا۔ بڑے بڑے دنیا دار اور مالدار اس کے
پیچھے پیچھے پھرتے ہیں مگر وہ آٹھ اٹھ کر بھی نہیں دیکھتا، کیسا استغناء ہوتا ہے اور یہ مشائخ دعویٰ
کرتے ہیں شیخ ہونے کا۔ حق تعالیٰ سے تعلق کا، محبت کا اور پھر مخلوق کی طرف نظر اور ان کی چاہ کو
کرتے ہیں تو کوئی ایسا باتوں سے طبعاً غیرت آتی ہے کہتے ہیں کہ دین کا نفع یہو بخانے کے لیے
اخلاق کا تباہ کیا جاتا ہے اور مخلوق سے تعلق رکھا جاتا ہے مگر یہ سب محض زبانی جمع خرچ ہو
دل میں کچھ اور ہے تعلق کو تو میں منع نہیں کرتا مگر اس کو منع کرتا ہوں۔ اب تو خلق ہی دیکھا جاتا ہے۔
ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ عنوان کا بھی اثر بڑا ہوتا ہے۔ بات ایک ہی ہوتی ہے مگر تعبیر
کا طریق جدا ہوتا ہے۔۔۔۔۔ ایک شاہ صاحب اہل سماع سے تھے۔ اتفاق سے اللہ آباد میں
لے گئے کہنے لگے کہ آپ تو چشتی ہیں پھر آپ سماع کیوں مخالف ہیں؟ میں نے کہا کہ اس کا جواب
تو بعد میں دوں گا پہلے میرے ایک سوال کا جواب دیں۔ آپ یہ بتلائیں کہ طریقی کی روح کیا ہے؟ کہا
کہ مجاہدہ۔ میں نے کہا کہ بالکل ٹھیک ہے آپ یہ بتلائیے کہ مجاہدہ کی حقیقت کیا ہے؟ کہا کہ نفس
کے خلاف کرنا میں نے دریافت کیا کہ اب سچ بتلائیں کہ سماع کسے کو آپ کا جی چاہتا ہے یا نہیں؟
کہا کہ چاہتا ہے، میں نے کہا کہ ہمارا بھی چاہتا ہے مگر آپ جی چاہا کرتے ہیں اور ہم نہیں کرتے تو حساب

عہ کہہ دیجئے کہ حق اگیا اور باطل چلا گیا اور باطل تو چلے جانے اور ختم ہو جانے ہی کے لیے ہے۔

یہاں وہ تم ہوئے کہ ہم جس وقت تم ہوئے یا ہم بدوہ شمس تم ہوئے یا ہم نہ سمجھ گئے اور کہا کہ ایک عرصے سے اس میں ابتلا تھا آج حقیقت معلوم ہوئی۔ یہ عنوان بھی برکت ہے اگر مناظرانہ گفتگو ہوتی تو ہوائے قیل و قال کے کوئی بھی نتیجہ نہ نکلتا۔ اس لیے کہ جواب تو ہیرات کا ہی بخود صحیح ہو غلط۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ مشکل سوالوں کا جواب بھی دل میں ڈال دیتے ہیں چنانچہ ایک مرتبہ اپنی جماعت کے ایک مولوی صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مکتوب میں تقسیم فرمایا ہے کہ میں کچھ نہیں ہوں۔ بعض مخالفین اس پر کہتے ہیں کہ ہم تو مولانا کے قول کو صحیح سمجھتے ہیں اس لیے ہمارا بھی یہی اعتقاد ہے کہ وہ کچھ نہ تھے۔ یہ نقل کر کے وہ ان مولوی صاحب نے کہا کہ شبہ کی تو بات ہے مولانا کو سچا سمجھ کر پھر ان کے مقصد ہونے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ میں نے کہا کہ مولوی صاحب تعجب ہے کہ آپ جیسا عالم اور ایسی بات میں شبہ۔ اب اس کا جواب سنئے۔ کلمات کی دو قسمیں ہیں ایک کلماتِ واقعہ اور ایک کلماتِ متوقعہ۔ حضرت مولانا کا یہ فرمایا کہ میں کچھ نہیں ہوں۔ یہ کلماتِ متوقعہ کے اعتبار سے ہے اور ہم مولانا کے معتقد ہیں وہ کلماتِ واقعہ کے اعتبار سے۔ یہ جواب سنا کہ بہت خوش ہوئے غرض اللہ کا شکر ہے کہ ہر ضروری چیز کا حل قلبِ مہمما کھ دیا ہے کہیں گاڑی نہیں اٹکتی اور یہ سب اپنے بزرگوں کی دُعا کی برکت ہے۔ باقی مجھے تو کچھ آجاتا تھا۔

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اہل تحقیق کا قول ہے کہ سلطنت کا ردِ دل ظلم سے ہوتا ہے کفرت نہیں ہوتا۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ سلف، علوم میں محض قیل و قال پر اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ علوم سے ضروری نفع حاصل کرتے تھے اور خلف، اکثر زوائد میں مشغول ہو گئے چنانچہ اخیر شب میں نزولِ رب الی السماء کی جو حدیث ہے اس سے سلف نے تویہ کام لیا کہ اس سے ان کو رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے کی اور ابتہال الی اللہ کی رغبت ہو گئی اور انھوں نے اس حدیث کے متعلق کبھی یہ نقش نہیں کیا جب حق تعالیٰ اجسم سے سُنترہ ہیں تو نزولِ رب الی السماء کے کیا

معنی؟ اور واقعی کام کرنے والوں کی ہی شان ہوتی ہے۔ وہ قیل و قال کو کہاں پسند کرتے ہیں اور نہ وہ دلائل فلسفہ پر مبنی اور کہتے ہیں جیسا آج کل دلائل فلسفہ پر مبنی تھکتے ہیں جو بالکل غلط طریق ہے آخر کہاں تک یہ چل سکتے ہیں کہیں تو جا کر انجی فیل ہو گا اس راہ میں یہ سب چیزیں ناہنہ ہیں۔ ہاں اگر مقصود اس میں کلام دہشت ہو اور بجاو نہ ہو تو ایک درجے میں کارآمد بھی ہے۔ غرض ان چیزوں پر مدد نہیں۔ مدد وہی ہے جس کو صحابہ نے کر کے دکھلادیا یعنی ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا اس پر عمل شروع کر دیا نہ دلائل فلسفہ کی تلاش نہ حکم اور اثر ارکی جو کہ کسی قیل و قال سے مطلب۔ سو اس راہ میں اس طرح کام بن سکتا ہے کہ سب (دوڑگا فیوں) کو خیر باد کہہ کر کام میں لگ جائے۔۔۔۔۔ اور یہ دولت پیدا ہوتی ہے اہل صحبت کی صحبت میں رہتے سے اس کی خدمت میں اپنی ہر حالت بیان کرنے سے اور جو وہ تعلیم کرے اس پر عمل کرنے سے۔۔۔۔۔

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام سے حقیقی غلطی نہیں ہوتی ان کی شان ہی یہ ہے کہ غلطی سے معصوم ہوں اور اگر دنیا پر کوئی غلطی معلوم بھی ہو تو اس غلطی کو حق تعالیٰ ہی غلطی فرما سکتے ہیں ہم کو حق نہیں کہ ہم اس کو غلطی کہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ حقیقت میں وہ غلطی ہوتی ہی نہیں بلکہ وہ طاعت ہوتی ہے مگر وہاں کوئی طاعت اس سے بڑھ کر ہوتی ہے جو فوت ہو گئی جس کے مقابلے میں اس کو غلطی فرمایا جائے جس کا حاصل یہ ہے کہ بڑی طاعت کے مقابلے میں بھڑکی طاعت کو غلطی کہا گیا۔ خلاصہ کلام کا یہ ہے کہ اس سے افضل کے ترک کو غلطی فرمایا۔ مثلاً آدم علیہ السلام نے گندم کھایا اس طمع میں کہ فرشتہ ہو جاؤں تو کیا یہ خیال آدم علیہ السلام کا کہ فرشتہ ہو نا چاہا۔ غیر طاعت تھا؟ ظاہر ہے کہ طاعت ہی تھا مگر اس سے بڑھ کر طاعت یہ تھی کہ بشر رہ کر ترقی فرماتے ہیں اس کا ترک اس کا ترک تھا اور وہ بھی اجتہاد سے جس کی وجہ سے اس میں اور خفیت آگئی۔ اسی سلسلہ کلام میں حضرت حاجی صاحب کی تحقیق بیان فرمائی کہ معرفت الہیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک معرفت ہوتی ہے علمی اور ایک ہوتی ہے حالی حضرت آدم علیہ السلام کو معرفت علمی تو حاصل تھی لیکن معرفت حالیہ اس واقع پر موقوف تھی چنانچہ اگر ان سے مواخذہ نہ ہوتا تو منتقم کی معرفت حالیہ نہ ہوتی۔ اسی

طرحِ تہر کے بعد مافی سے تو آپ کی معرفت حالیہ حاصل ہوئی۔ تو اس واقعے سے حضرت آدم علیہ السلام کے معارف میں ترقی ہوئی گو صودۃ تشریل ہوا۔

ایک ضعیف العمر حضرت کے یہاں بھائی ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ یہ بڑے مہال ہمارے پیر بھائی ہیں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت میں پیر بھائی تو کم بول ہیں اور عمر بڑا زیادہ ہیں اس لیے پیر بھائیوں سے مل کر بڑا ہی جوش ہو تا ہے کہ اُن سے مل کر طبیعت میں ایک خاص تازگی محسوس ہوتی ہے چنانچہ میں جب گنگوہہ جاتا تھا تو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تم آجاتے ہو تو دل زندہ ہو جاتا ہے اسنادِ اسطی حضرت میرے سامنے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بہت تذکرہ فرمایا کرتے تھے مجھے تھے کہ میں نے حضرت حاجی صاحب کو دیکھا ہے اس لیے اُن کو اس تذکرے میں زیادہ لطف آتا تھا۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ نفس سے ہمیشہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے یہ جب موقع پائے گا اور اسباب دیکھے گا ضرور اپنا کام کیے بغیر نہ رہے گا۔ جو لوگ اپنی اصطلاح کا دلِ طریقے سے بھر چکے ہیں بے فکر ہی تو اُن کے لیے بھی خطرات سے خالی نہیں مگر پھر ایک وجہ سے اُن کے لیے سہولت ہے کہ وہ عین وقت پر بھی علمِ اندر تجربے کی وجہ سے اُس کو قابو میں کر سکتے ہیں ورنہ ہمارے نفس کی حالت سمجھو زور گھوڑے کی سی ہے جب قابو سے نکل جاتا ہے آگاہیچھا کچھ نہیں دیکھتا جو کچھ ضرور اس سے صادر ہو وہ کم ہے اس لیے ہر وقت ہوشیار رہنے اور انتظام رکھنے کی ضرورت ہے جنھوں نے اس کی حقیقت پہچان لی ہے وہ ہر وقت اس کی فکر میں رہتے ہیں اس سے بے فکری کسی وقت بھی اور کسی کو بھی نہیں ہوتا چاہیے اگر کبھی بے فکری ہوگی دھوکہ کھائے گا۔ سانپ سے کیا بے فکری وہ تو موقع موع پاتے ہی اپنا کام کرے گا پس یہی حالت اس نفس کی ہے یہ تو اس کا وقت تک قابو میں ہے جب تک اس کی فکر (کے ساتھ تنگوائی) ہو اور جس طرح یہ تاک میں ہے اس کی بھی کوئی تاک میں ہو ورنہ یہ تو اشدِ بے شیطانت اس قدر خطرناک نہیں جتنا یہ ہے۔۔۔۔۔

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میرے اظہار حق کا معیار یہ ہے کہ اُس کا نشانہ کسی کی عدالت ہو نہ کسی کی رعایت نہ شخص تو تینہ ہو گو اس میں غلطی بھی ہو جائے کیونکہ غلطی سے کون خالی ہے و بشریت میں غلطی ہوتی ہے۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو نہیں کی تاکہ صبح تک پریشان نہ رہیں۔ اول حضرت ابو طلحہ نے بیٹے کو پوچھا کہ اب کیا حالت ہے؟ جواب میں کہا کہ سکون ہے۔ واقعی موت سے بڑھ کر سکون کی اور کیا چیز ہوگی۔ بول کے مطابق خاندان کی خدمت کی۔ پھر اسے بھی کوئی طالع یا رنخ کا اعلان نہ دیا۔ کھانا کھلایا، میسر لگایا..... جب تمام شب گزر چکی اور صبح ہوئی تو ایسا سے مسئلہ پوچھا کہ کسی نے ایک شخص کے پاس کوئی امانت رکھی اب وہ اس کو مانگتا ہے اس کو خوشی اُس کے سپرد کر دینا چاہیے یا رنخ کرنا چاہیے صحابی نے کہا کہ خوشی سپرد کر دینا چاہیے رنخ کی کیا بات ہے تب کہتی ہیں کہ لڑکے کا انتقال ہو چکا ہے اس کو دفن کر دو۔ صحابی نے فرمایا کہ بھلی باتیں رات بھر تم نے اس کا ذکر نہیں کیا وہ جو آدنی ہیں کہ کیا نتیجہ ہوتا میں تو پریشان تھی ہی تم بھی پریشان ہوتے۔ ابتر ابتر۔ یہ عورتیں تھیں ذکر کر دینا تو آسان ہے مگر جب اپنے پر گزرتے تب بہتہ چلے۔ ابتر اکبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی کیا شان تھی عرب کی پہلے کیا حالت تھی آپ کی برکت سے کیا ہے کیا ہو گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نظر سے (عرب دلتے) کھیا تو کیا (دین کے) کھیا ساز بن گئے۔ سبحان ابتر۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میں معترض کا کبھی جواب نہیں دیتا کہہ دیتا ہوں کہ جو کام ہم سے ہو سکا ہم نے کر دیا اب جو تم سے ہو سکے تم کر دے یہ کیا ضروری ہے کہ سارا کام ایک ہی کے ذمہ رکھا جائے بعض لوگ تضامین کے متعلق مشورہ دیا کرتے ہیں کہ اس میں فلاں بھی رہ گئی میں کہہ دیتا ہوں تم کی کو پورا کر دو۔ اس سے زیادہ قیل و قال کرنے میں بیشک یہ دعویٰ کر دوں کہ نہیں یہ کام پورا ہے اس میں کمی نہیں فضول وقت صرف ہوتا ہے اور آدمی ضروری کاموں سے رہ بھٹاتا ہے۔ اپنے بزرگوں کا یہی مسلک اور مشرب تھا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ کبھی قیل و قال میں نہ پڑنا اگر کوئی معترض ہو تو سب رطب دیا جس اُس کے حوالے کر کے الگ ہو جانا اور کسی ضروری کام میں لگ جانا یہ طریق کو ٹھہر کو نہایت ہی پسند ہے اور اس سے بے حد نفع ہوا اور نہ بہت سے ضروری کام رہ جاتے۔ ابتر کا شکریہ ہے کہ انھوں نے ہمیشہ فضول اور عیبت سے محفوظ رکھا۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دعا التجا اور توبہ تو بالکل متروک ہی (ہی) ہو گئیں دُنیا و دلتو کیا (بہت سے) دینداروں میں بھی یہ چیزیں نہیں رہیں۔ کچھ لوگوں میں خشکی اور افسردگی

سہاگئی یہی وجہ ہے کہ کسی کام میں برکت و صلاحات نہیں معلوم ہوتی۔ ہر چیز میں رد کھاپن
 نامعلوم ہوتا ہے۔ یہ دو چیزیں دُعا اور توبہ، حقیقت میں مصائب و شرور کے مقابلے میں خال
 اور ہتھیار ہیں مگر ان ہی سے لوگوں کو غفلت ہے۔ البتہ جب کوئی مصیبت سر ہی پر آ پڑتی ہے اس وقت
 ہوش آتا ہے پھر توبہ کی حالت ہوتی ہے جیسے ایک شخص گھوڑا خریدنے جا رہا تھا۔ ایک لمبے دالے
 راستے میں لگے۔ انھوں نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ کہا گھوڑا خریدوں گا۔ انھوں نے کہا کہ
 میان ان شاء اللہ نکلتے۔ تو کہہ لیا ہوتا۔ کہنے لگے کہ اس میں اللہ کے چاہنے کی کون سی بات ہو
 روپیہ میرے پاس موجود ہے گھوڑا، بازار میں جاؤں گا خرید لادوں گا۔ یہ بچا جسے خاموش
 ہو گئے۔ بازار پہنچے گھوڑا پسند کر کے سودا کیا۔ بٹے ہو جانے کے بعد روپیہ دینے کے لیے جیب میں ہاتھ
 ڈالا دیاں پہلے ہی گرہ کٹنے جیب اڑا لی تھی۔ خالی ہاتھ لاتے آ رہے تھے۔ وہی شخص پھر بٹے پوچھا کہ
 بھائی گھوڑا خرید لائے؟ تو کہتے ہیں کیا تلوادوں ان شاء اللہ میں بازار پہنچاں ان شاء اللہ۔
 گھوڑا پسند کیا ان شاء اللہ سودا بٹے ہو ان شاء اللہ۔ روپیہ دینے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا
 ان شاء اللہ کسی گرہ کٹنے جیب کاٹ کر روپیہ اڑا لیا ان شاء اللہ۔ گھوڑا نہ خرید سکا ان شاء اللہ
 — اب موقع بے موقع ان شاء اللہ ہو رہا ہے۔ ان شاء اللہ مستقبل پر ہوتا ہے۔ انہی پر تھوڑا
 ہی ہوتا ہے مگر وہ ماضی پر بھی ان شاء اللہ بول رہے ہیں۔ بس اسی طرح جب مصیبت سر پر
 آ پڑتی ہے اُس وقت توبہ بھی ہے، دُعا بھی ہے۔ الحاح و زاری بھی ہے۔ اللہ انٹر بھی ہو مگر حالت
 فراغ اور حالتِ صحت میں ان چیزوں کی طرف مطلق التفات نہیں۔
 ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ طاعت بڑی چیز ہے اُس کے آثار چہرے تک پر ظاہر
 ہونے لگتے ہیں اور یہ حالت ہوتی ہے۔

نوحی ظاہر بود اندر دلی نیک میں باشی اگر اہل دلی

اس کا خوب ترجمہ کیا ہے (مولانا نور الحسن صاحب کاندھلوی نے)

مرد حقانی کی پیشانی کا نور

کب بھپا رہتا ہے پیشِ ذی شہود

سینا ھ فی وجوہ ھم من اشر الشجورۃ — کا نور ہونے لگتا ہے۔

نخلان نافرمانی (اور مصیبت) کے کہ اُس سے پہرے پر ظلمت اور وحشت برسنے لگتی ہے۔ ظاہری صُن اور جمال کو بھی خاک میں ملا دیتی ہے اور باطن کو اس قدر خراب اور برباد کرتی ہے کہ قریب قریب باطن کو مُردہ ہی ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ مصیبت سے دل پر ایک سیاہ دھبہ پیدا ہوتا ہے اگر تو بہ نہ کی تو وہ بڑھتا شروع ہو جاتا ہے حتیٰ کہ سارے قلب کو گھیر لیتا ہے۔ اسی کو مولانا (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں۔

ہر گنہ زنگے است بر مر آة دل دل شود زین زنگ باخوار و خجل
پوں زیادت گشت دل را تیرگی نفسِ دود را بیش گرد و خیرگی
(ترجمہ۔ دل کے آئینے پر ہر گناہ ایک زنگ ہو جس سے دل خراب اور ذلیل ہو جاتا ہے جب
دل پر تیرگی اور تاریکی زیادہ ہو جاتی ہے تو پھر نفسِ آلودہ کی خیرگی اور افسوس کی بھی بڑھ جاتی ہے۔

آخر میں ضروری گزارشات — ارشادات حکیم الامتہ حضرت مولانا تھانویؒ کا یہ سلسلہ جو چند ماہ سے چل رہا ہے ”الافاضات الیومیہ“ کی چار جلدوں سے مانوڑ ہے جیسا کہ شروع میں عرض کر دیا تھا۔ مگر یہ لکھنا رہ گیا تھا کہ یہ ملفوظات ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ سے رجب ۱۳۵۱ھ تک کے ہیں۔ افاضات الیومیہ کی تلخیص کے دوران میں حضرت مولانا محمد رفیع صاحب داصل ٹانڈوی مظلمہ و خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامتہؒ نے جدید ملفوظات کا نسخہ استخر کو ارسال فرمایا جو خود ان ہی کا ضبط کیا ہوا ہے۔ اگلی قسط اس مجموعے سے مرتب ہوگی۔ قسط (۵) کی کتابت کی ایک غلطی کی اصلاح بھی کرنا ضروری ہے ص ۳۵ سطر ۱ پر مولوی عبد السمیع بیگل کے ذکر میں ہے کہ خیالاً کے تو خیر غالی... تھے خیر کی جگہ غیر بنایا جائے یعنی غیر غالی.... تھے۔

تصحیح بابت مضمون حضرت مولانا عبد المومن صاحب دیوبندؒ کی ۱۱ شمارہ جنوری و فروری صفحہ ۷۰ کی آخری سطر... ”۱۲۹۲ھ میں فارغ التحصیل ہوئے“ نہیں ۱۲۹۹ھ بنایا جائے۔ — ”مرتب“

اسلام کی چار اساسی عبادتوں میں حج کا مقام

(حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند رحمہ اللہ)

(یہ مضمون ایام حج سے چند ہی روز پہلے لکھا گیا ہے، اس کا بہت مختصر خلاصہ دلی میگزین سے شائع ہوا ہے، پورا مضمون اب انجمن المسلمین کے ذریعہ کارپس کلام کیا جا رہا ہے۔ ادارہ)

حج کی ضرورت، حج کی فضیلت اور حج کی حکمت :-

عقیدہ توحید و رسالت کے بعد اسلام کی عمارت چار بنیادی عبادتوں پر قائم کی گئی ہے، نماز، حج، زکوٰۃ اور روزہ۔ ان چار میں دو اصل ہیں نماز اور حج اور باقی دونوں ان کے تابع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس وقت جبکہ حج بالکل قریب ہے، مجھے اس کے بارہ میں کلام کرنا ہے اور وہی اس وقت میرا اصل موضوع ہے لیکن نماز اور حج میں اپنے اپنے تقاضوں اور احکام کے لحاظ سے کچھ ایسا علاقہ ہے کہ ان میں سے ایک کے ذکر کو چھوڑ کر دوسرے کی وضاحت کا پورا حق ادا نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے حج کی حقیقت واضح کرنے کے لیے حج کے ساتھ ساتھ نماز کا تذکرہ بھی ناگزیر طریقہ پر ہوگا اور ساتھ ہی صحیح طور پر زکوٰۃ اور اور روزہ کا ذکر بھی لازمی طور پر آئے گا۔

نماز پر وہ دگار کے سامنے بندہ کے ادب و تعظیم، احترام و نیاز افزائی و خاکسپاری اور ملکوتی مہمانداری کے سببات کو اُجھارنے اور مستحکم کرنے کے لیے بھی لگتی ہے جس میں اللہ کی شان حکومت و کبریا کی اور حاکمیت مطلقہ کے تقاضے پوش کیے جاتے ہیں کیونکہ حکومت و جہانگیری کے جس قدر بھی وجود اس

ہو سکتے ہیں۔ وہ لامحدودیت کے ساتھ صرف اسی کی ذات بابرکات میں ہی خواہ وہ قوۃ و شوکت ہو یا بقر
و قمر، قبضہ و اقدار ہو یا عظمت و برصیت، ذرہ کا علم ہو یا اُس پر قدرت، بے نیازی دغا ہو یا موافقہ
و انتقام، تدبیر و تصرف ہو یا خبر و ادوی و حکمت، سب اسی کی ذات اقدس کی صفات ہیں، اس لیے
وہی اور صرف وہی حقیقی مالک الملک اور ملک الملوک ہے، اور کون نہیں جانتا کہ حکمران کے سامنے
جذباتِ انقیاد و اطاعت کے ساتھ اظہارِ عجز و نیاز اور تعظیم و ادب ہی محکموں کا وظیفہ ہوتا ہے تو
اُس بادشاہوں کے بادشاہ اور ساری کائنات ارض و سما کے حقیقی اور واحد فرمان روا رب العزۃ
جل جلالہ کے سامنے جس کی بادشاہت خود اپنی ہے کسی کی بخش ہوئی نہیں ہے، انتہائی طور پر عجز و
نیاز بلکہ ذلت و خواری کی بھی انتہائی صورت سے حاضر ہونا نہ صرف قانونی اور عقلی ہی فریضہ ہو سکتا ہے بلکہ
فطرۃ انسانی کا تقاضا بھی ہے، اسی عجز و نیاز اور اظہارِ ذلت و خواری کی مکمل ترین ہیئت کا نام نماز
ہے۔ چنانچہ نماز کے ہر ہر جو میں اسی نیاز مندی اور بندگی کا رنگ بھرا ہوا ہے۔ قیام میں جاگدوں
کی طرح اُتھ باندھ کر سرود کھڑا ہونا، ادب سے نگاہیں نیچی رکھنا، رکوع میں گردن اور کمر کو جھکا کر سر
تسلیم خم کر دینا، سجدہ میں ناک اور پیشانی زمین پر ٹیک دینا اور آخر میں دُعا و توبہ کہ عاجزانہ انداز
سے سمیک مانگنا اور اپنی محتاجگی و درماندگی کے ولی اعتراف کے ساتھ اپنی حاجتیں پیش کرنا یہی
نماز کی ہیئت و حقیقت ہے جو اُس کے شاہی اقتدار اور جلال و جبروت کا تقاضا ہے۔

برخلاف اسکے حج کی عبادت عشقِ الہی اور محبتِ خداوندی کے تقاضے پر اُکرنے کیلئے رکھی گئی جو جہیں اللہ
کا شاہِ جمال و محبوبیت کے سامنے اپنی عاشقانہ و ارغشی محبت میں گمشدگی اور سرمتی عشق کی دیوانگی کے افعال
پیش کیے جاتے ہیں کیونکہ جس طرح حق تعالیٰ شانہ تمام جہانوں اور ساری کائنات کا بادشاہ مطلق اور حقیقی حکمران
ہو اسی طرح وہ تمام جہانوں اور جہانوں کے ایک ایک ذرہ کا محبوب حقیقی اور مطلوبِ صلی بھی جو جس کی محبت
بالخصوص انسان کی فطرت میں زیادہ سے زیادہ پیوست کی گئی ہے کیونکہ عشق و محبت کے حقیقہ
بھی دو جہ و اسباب ہو سکتے ہیں وہ سب کے سب لامحدودیت کے ساتھ صرف اس کی ذلت
کے پر توے اور صفات میں۔ حسن و جمال ہو یا مُہر اور کمال، احسان و عطا ہو یا جود و نوال، مُند
و قُرب ہو یا معیت و اتصال سب اسی کی جمالی شائیں ہیں اب اگر کسی جمیل اور صاحبِ جمال و
کمال سے محبت کرنا اور اُس کے سامنے عاشق بن کر پیش ہونا ہی فطرت ہے تو اللہ رب العزیز

کے لیے جو سارے جمالات ہستی کا یکہ دہنما محضین و مصداق ہے بلکہ مخلوق کا ہر ہر حسن و جمال اس کے جمال کی ایک ادنیٰ سی جھلک ہے تو بندہ کا اپنی استہانتی گردیدگی اور اورنگی و غنائیت کے ساتھ اُس کے حقیقی جمال پر پروانہ دار شمار ہونا اور محو جمال ہو کر اپنی ہر خودی و خود داری کو کھود دینا بھی نہ صرف کوئی قانونی و ظلیفہ بلکہ فطرت بشری کا قدرتی تقاضا ہے۔ ان ہی عاشقانہ جذبات و افعال کے مکمل و مکمل نقشہ کا نام سچ ہے۔ جس کے ایک ایک جزو میں داخلگی، عاشقانہ دیوانگی اور مستی دے خودی کا رنگ بکھرا ہوا ہے، کون نہیں جانتا کہ عاشق میں جب عشق سرایت کر جاتا ہے اور اُس کے دل کی گہرائیوں میں محبوب ہی بجوٹا بس جاتا ہے تو اُسے محبوب کے اسوہ کسی چیز سے سرور کا نہیں رہتا نہ لباسِ زینت کی خبر رہتی ہے نہ وضعِ قطع اور زرباش کی فکر نہ مکان اور گھر کی راحت و آسائش کا دھیان رہتا ہے نہ کسی کی مذمت کی طرف التفات رہتا ہے نہ سائش کی طرف توجہ نہ مال و دولت کی طمع رہتی ہے نہ بجاہ و حشمت کی طلب نہ کھانے کی خبر نہ پینے کی فکر نہ راحت کی طلب نہ آرام کا خیال غرض ہر ماسویٰ دل سے سوخت ہو کر ایک محبوب ہی محبوب باقی رہ جاتا ہے۔ دل میں ہر وقت اسی کا تصور، زبان پر ہر وقت اسی کا تذکرہ، منہ پر ہر وقت اسی کی سحرِ رخ، اُسی کی طرف درونا، اُس کے گھر کے ارد گرد چکر لگانا، اُس کے در و دیوار کو محبت کی آنکھوں سے دیکھنا، اُس کی ایک ایک اینٹ کو چومنا، حتیٰ کہ اُس کے نام لگا چو اشہر بھی عزیز ہو جاتا ہے اور اُس کے نام لگے ہوئے اُس کے پُر دسی بھی دنیا جہاں سے زیادہ پیارے نظر آنے لگتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب ایک فانی محبوب کے عشق کی یہ کیفیات ہوں کہ نہ عاشق کو اپنی خبر رہے نہ غیر کی درانجام لیکہ ان سب جو بان مجازی کا جمال بھی فانی اور عاشق کا عشق بھی کافی اور نہ فانی تو اکثر رب العزت جس کا جمال بھی جہاد فانی اور اس کا عشق بھی لافانی، جو سارے ہی جمالات کا سرچشمہ، ہر ہر خوبی و کمال کا مخزن، بلکہ ہر پاکیزہ اور محبوبی کی بے مثال صفت جیسے وجود بخشی در ذاتی، بقا دہی دنیوی، رحیمی و کریمی، شفقت و رافت، تجود و عطا، اُربوبیت و تربیت، صبر و حلم، عقود و درگزر، احسان و انعام، ہدایت و رہنمائی، سالانہ حیات کی تخلیق، مہر اور تہرے مخلوق کو سنبھالنا اور اتنے سے اتنا کر کے اُسے حدِ کمال تک پہنچانا اُسی ایک ذات بے ہمتا کی خصوصیات اور اوصاف ہیں تو اُس سے زیادہ جلیل کون ہو سکتا ہو اور اس سے زیادہ کون اس کا مستحق ہے کہ سارا عالم اس کا عاشق اور دالہ و شہید بن کر اُد اُس کے

عشق میں سرشار ہو کہ اپنی ہر لذت و راحت کو تھوڑے اور اسی ایک کا ہو رہے ہیں اسکا جاذبہ عشق دوستی اور جاذبہ بد پوشی دے خودی کے مکمل مظاہرہ کا نام تھوڑے جس کے سارے یہ افعال و ارکان میں عاشقانہ رنگ بھرا ہوا ہے۔

محرّم الہی کے شوق دیدار میں دھن اور گھر باہر بھٹو کر دیا ر محبوب کی راہ لینا نہ خشکی کی پرولہ تہ تری کا ڈر نہ سمندر دے کے عبور سے گریز نہ فضاؤں میں مار کر پھونچنے سے ہلک مغرب الیہ کی سحر تری بے سر و سامانی اور بے کسی کے ساتھ محرم خداوندی کی طرف دودھ جس کا نام سفر حج ہے محرم الہی کے قریب مقدرہ صحر جس کا نام بیعتات ہے پہونچنے سے ہوئے کپڑے اور زیب و زینت کو چھوڑ کر ایک چادر اور ایک لنگی کی کفنی باندھ لینا جس کا نام اجرام ہے ہنگے سر تنگے پاؤں نہ زینت نہ آرائش نہ زیبائش نہ نائش نہ راحت نہ آسائش نہ حجامت نہ خطا کی اصلاح آہاں بڑھے ہوئے سارا جسم گرد آلود غطر و خوشبو اور تیل پھیل سے بے گانگی سر میں جوئیں بھی پڑ جائیں تو مارنے سے گریز شکار ماضی بھی آجائے تو اس کو شکار کرنے سے پرہیز راستے میں گھاس اور کانٹا بھی آجائے تو اس کے کاٹنے اور اٹھانے سے اجتناب اور قرآن کی زبان میں نہ رفت نہ فسوق نہ بھگڈ نہ فنا سخت کلائی بھی منسنے میں آئے تو صبر تحمل نہ خود اپنی طرف سے کسی سے پھیر پھار نہ ایسی ہی باتوں کا نام جنایات اجرام ہو جو عاشق کے لیے سزاوار نہیں زبان پر ہمہ وقت لبیک لبیک کی عاشقانہ صدا راستہ کی ادبچائی نیچائی آجائے تو لبیک قافلے آتے جاتے مل جائیں تو لبیک راہ پیائی کا کوئی موڑ آجائے تو لبیک یعنی اے محبوب حقیقی میں تیرے ہی پاس حاضر ہو رہا ہوں تیری ہی طرف دوڑ رہا ہوں اور تیرے سوا میرا کوئی مطلب اور محبوب نہیں اسی کا نام تکلیف ہے جو واجبات اجرام میں سے ہو۔

محبوب کا گھر یعنی بیت افسر سے آیا تو شوق دید سے اُس پر نگاہ محبت ڈالنا اور اُس تک گریبان و برہان پہونچ کر اُس کے اور گرد چکر لگانا جس کا نام طواف ہے محبوب کے گھر کے خاص علامتی نشان یعنی حجر اسود تک پہونچ جائے تو بڑھ کر اُسے شوق و اضطراب سے چومنا گویا محبوب کی دست و سہا کرنا جسے تفصیل تحریر کرتے ہیں بیٹ محبوب کے کو نہ اور ستون سے گز رہو تو اُسے شوق سے چھو کر کنگے بڑھنا جسے اسلام رکن کہتے ہیں محبوب کی دلہیز پر پہونچے تو شوق بے پایاں سے رو دگر ادھاس سے لگ کر دعائیں مانگنا جسے دُعا مقررہ کہتے ہیں طواف عشق کی ان ہنگامہ گردنوں کی تکبیل پر

دو گناہ شکر ادا کرنا جسے واجب الطوائف کہتے ہیں طوائف کے بعد محبوب کے گھر کا ایک قطرہ پانی بھی مل جائے تو اسے سو جان سے جبرے محبت سمجھ کر نوش جان کرنا جسے زہ مزہم کہتے ہیں بہتم محترم سے باہر محبوب کے نام لگے ہوئے مقدسین کی جگہیں آگئیں جن میں انھوں نے سرمستی عشق اور تسلیم و رضا کی داغ بیل ڈکھلائی تھیں تو ان ہی کے انداز سے ان جگہوں سے گزرنا کہیں چلنا کہیں دوڑنا کہیں نرم و فتادی کہیں تیز گامی پھر ایک بار نہیں بلکہ سات سات مرتبہ لمبے لمبے پھیرے پھر ناجسے سعی سفاد مودہ کہتے ہیں۔ پھر دیار محبوب میں صرف مکہ کے قیام ہی پر قناعت نہ کرنا کہ باوجود سفر غربت کے پھر کئی باب شہری آسائشیں تو ہمایا تھیں جس سے عشق کی داغ بیل گئیوں پر تہمت آسکتی تھی اور عشق ناتمام رہ جاتا تو اس شہری زندگی سے دور عرفات کے سنان جنگل میں نویں ذی الحجہ کا دن گزارنا اور دُور گریہ و بکا اور الحاح و زاری سے بے خود ہو کر کھڑے اور بیٹھے خیال محبوب میں گم رہنا اور اُس سے عنایت و کرم کی بھیک مانگنا جس کا نام دُوقن عرذہ ہے۔ پھر دن ختم ہو جانے پر دہاں سے دیوانوں کی طرح مزدلفہ کے سنان جنگل کی طرف بھاگنا اور دہاں بھی اسی طرح رات کاٹ دینا جسے دُوقن مزدلفہ کہتے ہیں۔ پھر جبکہ محبت کے لوازم میں سے عداوت بھی ہے جو محبوب کے دشمنوں کے ساتھ طبعاً ہوتی ہے جن میں سے سب سے بڑا دشمن شیطان تعین ہے تو مئی ہو چکر شیطان کے آثار و نشانات سے اظہار نفرت و بیزاری کرتے ہوئے اُن پر سنگ باری کرنا اور رِضَاءِ لِلرَّحْمٰن کے ساتھ رِضَاءِ لِلشَّيْطَان کی صدائے غیر تمدانہ بلند کرنا، پھر ایک دن نہیں بلکہ تین دن تک روزانہ نلکریاں مارا اور اُس کی عداوت اور اپنی غیرت عشق کو اُبھارنا بلکہ جبرِ نفس بنالینہ جو پھلکی محبت کی نشانی ہے۔ کہ اس کا نام رُحی جواز ہے۔

اب جبکہ عشق کی بے خودی میں عاشق نے اپنی ساری راحت و آسائش لذت و زینت اور عُرْف و قفا و امتیاز و شاکر سب کی قربانی دیدی تو اس کے پاس اپنے نفس کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہا لیکن نکمیں عشق کا تقاضا تھا کہ وہ اسے بھی محبوب حقیقی پر قربان کر دیتا اور خواہشات نفس کی ان قربانیوں کے بعد آخر میں خود بھی محبوب پر قربان ہو جاتا جس کے لیے وہ تیار تھا، لیکن اُس رحمت و درافت دالے محبوب نے اس خودکشی کو گواہ نہیں فرمایا کہ یہ عاشق مٹ جائے اور عشق و محبت کا یہ کارخانہ ہی سب سے درہم برہم ہو جائے اس لیے اُس نے جیسے اپنے کامل ترین عاشق صادق حضرت ابراہیم خلیل اشر

اور اپنے سچے عاشق جانناز حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہم السلام کی طرف سے اُن کی جہان کے بدلہ میں جانور کی قربانی بطور نذیہ قبول فرما کر اُس کو قربانی نفس قرار دے دیا تھا۔ اس طرح اُس سنت ابراہیمی کے مطابق یہاں بھی اُن عشاق الہی کی جہان کے بدلہ میں جانور کی قربانی بطور نذیہ نفس قبول کر لی جاتی ہے اور اُس کو قربانی نفس قرار دے دیا جاتا ہے اسی عمل کا نام سحر اور اس قربانی کے دن کا نام یوم النحر ہے اور اس مرحلہ پر آخر کار یہ عشقی عبادت ختم ہو جاتی ہے۔

بہر حال حج کے تمام افعال خالص عاشقانہ اور محویانہ رنگ کے ہیں جیسا کہ نماز کے تمام افعال عاقلانہ اور غلامانہ رنگ کے تھے اس لیے نماز کی عبادت انسان کی عاقلانہ و فاداری محکومانہ بندگی اور مودبانہ غلامی کے لیے وضع ہوئی ہے جو اللہ کی صفت جلال اور شان قہر و حکومت کا تقاضا ہے اور حج کی عبادت عاشقانہ محویت و بے سامانی فانیانہ جہان سپاری اور بے خودانہ ربودگی کے لیے رکھی گئی ہے جو اللہ کی صفت جمال اور شان محبوبیت کا تقاضا ہے نماز میں بندہ کی عقل و دانش کا امتحان ہوتا ہے اور حج میں بندہ کے عشق و محبت کا، اسی لیے نماز اور حج کے تقاضوں اور احکام میں بھی وہی تفاوت ہے جو خود عقل اور عشق میں فرق ہے نماز ایک ہیئت و جلال والی ذات کے دربار کی حاضری ہے تو قدم قدم پر بندہ کا ادب و احترام اور عظمت و ہیبت پذیری دیکھی جاتی ہے اور حج کو پھر محبوب کی حاضری ہے تو قدم قدم پر اس کی فانیات و ربودگی شوق و اشتیاق نفس سے بے نیازی اور سرستی و جہان سیاری دیکھی جاتی ہے اسی فرق کے تحت نماز میں صاف ستھر الباس ضروری ہے جو تقاضائے عقل و ادب ہے اور حج میں سہلے سے سلا بوا لباس ہی ممنوع ہے جو تقاضائے عشق و ادب ہے۔ نماز میں عطر اور خوشبو مستحب ہے جو دربار شہا کے شایان شان ہے اور حج میں بحالت احرام خوشبو اور تیل پھیل کا پاس آنا بھی ممنوع ہے کہ عشق کی بے حرمتی ہے وہاں ٹوپی و عمامہ مطلوب ہے جو وقار و دربار کے مناسب شان ہے اور یہاں کھلے سر پر اگر احرام کا کپڑا لٹکا جائے تو جنایت اور خطا ہے اور اس پر کفارہ دینا ضروری وہاں سر ڈھانکنا سنت صلوٰۃ ہے۔ یہاں سر کھلا رہنا ہی سنت حج اور کمال محویت ہے وہاں موزے اور جواہر کا پیر میں ہونا نماز میں مغل نہیں اور یہاں وہ جو نہ بھی مغل حج اور ممنوع ہے جو پیر کے اوپر کی ہڈی کو ڈھانپے، نماز کے لیے دوڑ بھاگ کر آنا بھی مکہہ ہے کہ خلاف ادب

و مسکن ہے لیکن یہاں قدم قدم پر پرشوق ہوگا و وہ بھی خیر حج اور ہر عبادت ہے نماز میں چلنا کھڑا ہونا
 قدموں کی حرکت متحرک ہے کہ شمع و سکون کے مافیہ ہے حج میں شوق و اضطراب کے ساتھ قدموں کا
 حرکت میں رکھنا ہی عین طاعت ہے کہ عشق و اضطراب کا ہی تقاضا ہے نماز میں آنکھیں نہ کھول دیکھنا اور
 پتلیوں کو غیر معمولی حرکت میں نہ لانا ضروری ہے اور یہاں آنکھ اٹھا اٹھا کر بیت اشتر اور شامرا المیہ
 کو دیکھنا ہی بنیاد عبادت ہے نماز کی صفوں میں پیچ چپ کھڑے رہنا ہی روح صلوٰۃ ہے لیکن حج
 کے جھگھنوں میں پرشوق صدائیں اور شور و کینک بلند کرنا ہی درج ہے وہاں ادب کے ساتھ
 نظر پر قدم کلام خداوندی کی سماعت اصل ہے اور یہاں کلام والے کے آثار و مشاہد پر آنکھیں لگا کر رکھنا
 اصل ہے نماز میں شیطان اور نفس سے پناہ مانگ کر کچھ سو رہنا ضروری ہے اور حج میں خود سے آگے
 بڑھ کر ان دونوں دشمنان محبوب پر حملہ آور ہونا نفس کے مرغبات کو کچلنا اور شیطان پر تنگ باری کرنا ضروری
 ہے نماز میں ذرا سناخوں بہ جائے تو ضرور اہل نماز دونوں قاصد ہیں اور کسی کو ذرا کرنے کا فعل کیا جائے خود
 وہ قربانی کا جانور ہی ہو تو نماز باطل ہے اور یہاں شکر میں ٹوٹنا بہانا اور اہراق دم ہی خواہ اپنے اور
 چھٹیں بھی آجائیں صحت حج کی علامت ہے بہر حال نماز اور حج میں ذہنی فرق ہے جو عقل اور عشق میں
 ہے ایک کا تقاضا شعور اور فکر و ادب ہے اور ایک کا مقتضاء فکر و شعور کے کوچہ سے دور رہ کر بودگی
 و محویت سوختہ جانی دے خودی اور از خود رفتگی و خود گردی ہے اس لیے نماز عقل کی تسکین کے لیے ہو
 اور حج عشق کی تسکین کے لیے اگر نماز نہ ہو تو عقل تشنہ رہ جاتی ہے اور حج نہ ہو تو عشق پیامرا اور بے آب
 و دانہ رہ جاتا ہے پس جیسے ان دونوں قوتوں کا انسان میں ہونا فطرت انسانی کی تکمیل ہے ایسے ہی ان
 دونوں عبادتوں کا ہونا فطرت اسلام کی تکمیل ہے ظاہر ہے کہ اگر انسان کی حقیقت شعور و محبت یا عقل و
 عشق کا مجموعہ اور کامل اتم نمران ہے اور بلاشبہ ہے کہ بے عقل بھی انسان نہیں کہلاتا اور بے انس و محبت
 بھی انسان نہیں ہوتا تو بالآل اس دعوے کی تصدیق ناگزیر ہو جاتی ہے کہ نماز انسان کی فطرت عقلی کا
 تقاضا اور حج انسان کی فطرت عشقی کا مقتضاء ہے اور اس لیے اس دعوے میں بھی آئی نہ ہونا چاہیے
 کہ اگر اسلام میں حج کی عبادت نہ ہوتی تو ایک طرف تو اسلام بلحاظ دین ناقص اور نام نہاد رہ جاتا اور
 دوسری طرف انسان کی فطرت کا آدھا حصہ مضمحل ہو کر خود انسان بھی بلحاظ دین آدھا اور ناقص رہ جاتا
 اس لیے اسلام نے جس طرح ہاتھ دیکھی کہ انسان کی عقلی اور شعوری فطرت نکھر کر جہد کمال کو پہنچے۔

وہیکر اس نے ریح مجھ دکھا کہ اس کی شقی نطرت اور بے خودی و محویت کی صفت بھی اُبھر کر ذوق کمال تک چوڑی جاتی۔

اتحاد میں صدمت جبکہ ریح نطرت بشری اور نطرت الہیہ دونوں کا تقاضا ہے جیسا کہ واضح ہو چکا ہے تو اس سے بڑھ کر ریح کی ضرورت کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ وہ صین نطرت ہے اور نطرت کے لیے کسب بیرون و داخل کی ضرورت نہیں کہ نطرت خود ہی ایک ناقابل انکار دلیل ہے؛ (باقی)

BOMBAY ANDHRA TRANSPORT Co.

Transport Contractors

113, BHANDARI STREET (CHAKLA)

BOMBAY 3.

مکمل زندہ دلی کے ساتھ زندگی پھر سے شروع کیجیے

ہمدرد کا مائٹ اللحم

نئے سرے سے آپ کو توانائی دے گا اور آپ کی
اُداسی کو جوان اُمنگوں میں تبدیل کرے گا۔

ہمدرد کا مائٹ اللحم پورے نظام جسمانی کو چستی اور قوت دیتا ہے۔ اس میں
قدرتی طور سے حاصل کیے ہوئے دالے پروٹین شامل ہیں جو نظام جسم کی بہتر کارکردگی
کے لیے بطور ایندھن بے حد ضروری ہوتے ہیں۔

ہمدرد کا مائٹ اللحم آپ کو تیز رفتاری اور عام امراض سے بچاؤ کی طاقت بھی بہت کرتا ہے۔

ہمدرد کا مائٹ اللحم زندگی کو سدا بہار رکھتا ہے



تسخیرِ فطرت یا علم و عشق

(از قاضی محمد عدیل حسنا عباسی ایڈیٹر کیٹ)

زیر طبع کتاب اقبال اور اسلام کا ایک باب

(۲)

علم کی تائید اور اس کی پٹائیوں اور قوتوں کا اظہار اقبال نے طرح طرح سے کیا ہے اور تسخیرِ کائنات کا بھولا بھالنا ہی یاد دلایا ہے۔ اس معاملے میں وہ ادھر پرستوں سے ایک رنج بھی پیچھے نہیں ہے۔ وہ پوری کائنات کو انسان کے تصرف میں لانا چاہتا ہے اور آسمان اور زمین سب کو مسخر کر لینا چاہتا ہے۔ اس کا حیدر ہے کہ انسان میں پوری کائنات پر حکمرانی کرنے کی طاقت و قدرت ہے۔

”علم کے حدود اور تسخیرِ نفس“

لیکن یہاں تک آنے کے بعد وہ ادھر پرستوں سے ٹکر لینے پڑتی جاتا ہے اور ان کی کم بھری کو واضح کرتا ہے کہ کتاب کہتا ہے کہ انسان کا دشمن صرف فطرت نہیں بلکہ اس کا ایک اور سخت دشمن اس کا نفس ہے اور اس لیے انسان کے کال ہونے کے لیے صرف یہ شرط کافی نہیں ہے کہ وہ کائنات کو مسخر کرے بلکہ اسے اپنے نفس پر بھی قابو حاصل کرنا ہوگا اور اس کی تسخیر کا بھی عمل سیکھنا ہوگا۔ بلا اس کے وہ کال نہیں ہو سکتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے باہر یعنی بڑی دنیا آباد ہے اس سے کم و بیش وہ عالم نہیں ہے جو خود اس کے اندر ہے۔ واقعات دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو انسان سے باہر کا دنیا میں پیش آتے ہیں دوسرے وہ جو خود اس کے اندر وقوع پذیر ہوتے ہیں جو واقعات اس کے اندر وارد ہوتے ہیں وہ بڑا

گھر اتر گئے ہیں۔ انسان میں قہر و رحمہ و خیر و خشری احسان و ظلم شرارت و تسفل عضو و انتقام کرم و بخشش و حد و بعض دکنہ و غیرہ کے مقصود حیوانات پیدا ہوتے رہتے ہیں اور علم سے حاصل کی ہوئی طاقت کا استعمال و اعمال ہی حیوانات کے تحت کرتا ہے اس لیے مانا کہ وہ علم کے ذریعہ عالم کو سخر کرنے کا فن سیکھ لے لیکن یہ کیا ضرور ہے کہ وہ ان کا استعمال بھی صحیح کرے۔ مثلاً آج امریکہ اور روس دونوں ایٹمی پادریں چلے ہیں اور ہر وقت مشینوں سے چلنے والے جہاز تیار کھڑے ہیں۔ اگر دونوں میں سے کسی ایک کی بخانتِ نفس متاثر کئے جائے پروا ہو بلات و صرف ایک ٹن دبا نا ہے فوراً طیارے اڑ جائیں گے اور پورا عالم تین دن سے سات دن کے اندر فنا ہو جائے گا۔ اس کا علاج بچارے علم کے پاس کچھ بھی نہیں۔ یہ معاملہ اس کے دسترس سے باہر ہے اس نے تو ایک طاقت مہیا کر دی اور پھر یہ کہہ کر کنارہ کش ہو گیا کہ ظر خواہ آسمان و خواہ زمین شوخیدری

اس لیے ضرور دی ہے کہ نفس کی بھی تسخیر کی جائے اور اسے بھی قابو میں لایا جائے اور بے راہ روی سے بچایا جائے۔ بغیر اس کے یہ دنیا رہنے کے قابو نہیں ہو سکتی اور انسان کی تکمیل ناممکن رہ جائے گی۔ نفس کی تسخیر کے لیے آئین مرتب کرنے ہوں گے وہ آئین کیا ہوں اور کیسے ہوں اور کیسے مرتب ہوں یہ سوالات ہیں جو تمام عالم میں دانش و دروں کے داغ میں زمانہ دراز سے پہچان پیدا کیے ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ بات منطقی حیثیت سے طے ہو جاتی ہے کہ انسان کو ضبط نفس اور اس کے لیے آئین کی ضرورت ہے۔

ہر کہ تسخیر مہ و پردہ میں کند خویش را نہ بخیر آئین کند

یعنی جو مہ و پردہ میں کی تسخیر کر لیتا ہے وہ اپنے آپ کو آئین کا پابند کرتا ہے۔ اقبال ان ماسرینِ علم نفس کا ہم خیال ہے جو یہ کہتے ہیں کہ آزاد دی شخص ہے جو سب سے زیادہ عقیدہ ہے۔ ایک آدمی لا الہ الا بالیٰ بن کا شکار ہے جب جی چاہتا ہے سو کر اٹھتا ہے کبھی سبے اور کبھی ۳ بجے کھانا کھاتا ہے۔ سونے کا بھی کوئی وقت نہیں الفرض اس کی زندگی میں کوئی ضابطہ نہیں اور ایک دوسرا شخص ہے جن کا ہر کام وقت سے ہوتا ہے وہ گھر کی کوئی سوئی کا پابند ہے۔ بظاہر وہ شخص آزاد ہے جو کسی اصول کا پابند نہیں ہے لیکن درحقیقت آزاد وہ ہے جس نے اپنے آپ کو جکڑ کر بند کر رکھا ہے چنانچہ اس کی وہ مثالیں دیتا ہے۔

باد ازندان گل خوشبو کند قید بود نافہ آہو کند

یعنی جب بوہرن کی ناف میں بند ہو جاتی ہے تو مشک بنتی ہے۔

میں زندہ آخر سوئے منزل قدم پیش آئیں سر تسلیم خم
چاند ایک آئین کے تحت اپنا قدم اٹھاتا ہے تو وہ منزل تک پہنچ جاتا ہے۔
قطر ہا دریا ست از آئین وصل ذرا با صحر است از آئین وصل
باطن ہر شے ز آئین قوی تو چرخ غافل ازین سال رومی
قطر وصل کے آئین پر عمل کر کے دریا اور درے اسی آئین وصل پر عمل پیرا ہو کر صحرائے ہیں
نظر ایک آئین کے تحت کام کر رہا ہے اور ہر چیز کا باطن آئین ہمسے قوی ہوتا ہے تو اس سادہ
سالان سے کیسے غافل گزر سکتا ہے۔ اس لیے سب سے پہلی ضرورت ضبط نفس ہے۔

نفس تو شل شتر خود پر در است خود پرست و خود سواد و خود سلامت
مرد شو آور ز نام او بکف تا شوی گوہر اگر باشی خزن
ہر کہ بر خود نیست فرانش رواں می شود زماں پذیر از دیگران
یعنی تیرا نفس اونٹ کی طرح خود پرورد خود پرست اور خود سر ہے اگر تو مرد ہے تو اس کی باگ
اپنے ہاتھ میں لے تاکہ اگر تو پھسکری ہے تو گویا ہر بن جائے ہو شخص کہ اپنے اوپر حکمرانی نہیں کرتا وہ دیکھو
کا فرمان پذیر یا غلام بن جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ضبط نفس یا تسخیر نفس کا نسخہ کیا ہے کس طرح اسے حاصل کیا جائے اقبال
کا نظریہ یہ ہے کہ تسخیر نفس میں سب سے بڑی رکاوٹ ”خون“ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان ہر وقت
موجود آنے والی بلاؤں سے ڈرتا رہتا ہے۔ اگر موٹر پر سوار ہے تو سوچتا ہے کہ کہیں ٹکرائے جائیں گے
اگر گاڑی پر انجن کے قریب نہیں بیٹھے کہ شاید کہیں گاڑی پٹری سے اتر گئی یا اگر گھی تو سب سے پہلے
ہم کو ہی جان کا خطرہ ہوگا۔ ایک ذرا سا گیس میں خراش ہو اور دو چار دن رہ گیا تو کینسر کا درد آگیا۔ گھر
میں سوتا ہے تو چونک چونک اٹھتا ہے کہ کہیں چور نہ آگئے ہوں۔ انسان کی زندگی میں ہر چار دن خون
بھی خون ہے۔ اولاد اور اعزہ کی صحت اور عافیت اور زندگی کی جانب سے ہر لمحہ خطرہ لگا رہتا ہے یہ
سب خون کس لیے ہیں۔ اقبال کے نظریے میں اس خون کی دھواں چیزوں سے محبت ہے جن کے
ضائع ہونے کا اس کو اندیشہ رہتا ہے۔ خون اور محبت دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور یہ دونوں تسخیر
نفس اور انسان کے کمال ہونے میں حائل ہیں۔

طرح تعمیر تو از گری ریختند یا محبت خون را آمیختند
یعنی تیری تعمیر ایسی مٹی سے ہوئی ہے جس میں محبت کے ساتھ خون ملا دیا گیا ہے۔

خون دنیا خونِ عقربی خونِ جان خونِ آلام زمین و آسمان
حب مال و دولت و حب وطن حب خویش و اقربا و حب زلف

یعنی دنیا کا خون، عقربی کا خون، آلامِ زمین و آسمان کا خون یعنی وہ بہم خون کہ کہیں پایا ایسا نہ ہو جائے کہ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ اس تمام خون کی بنیاد کیا ہے۔ مال کی دولت کا وطن کی محبت خویش و اقربا اور بی بی کی محبت ان سب کی محبت میں گرفتار ہو کہ انسان ہر لمحہ خون میں مبتلا رہتا ہے۔ صوفیان باصفا اور خدا جو یان معنی آشنا کا قول ہے کہ مذہب انسان کو ان تمام خون کی حالتوں سے نجات دینے کے لیے آیا ہے۔

ان تمام خون کی حالتوں سے نجات کا کیا ذریعہ ہے۔ اس کا جواب دینے کے لیے حیاتِ کائنات کے بیسٹ مطالعہ اور اس کی حقیقت معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔ اقبال کا جواب یہ ہے کہ پہلی سچائی اس کائنات کی ایک قادر مطلق ذات یگانہ بے ہمتا ہے مثالِ قوتِ زمان و مکان کے قیود سے بالاتر ازل و ابد کی ناممکن الادراک واجب الوجود کی ہستی ہے جسے اسلام توحید کہتا ہے اور اقبال نے بھی توحید کا نام دیا ہے۔ وہ حقیقتہً الخالق ہے۔ وہی انسان کا خالق ہے اور اسی نے وہ نوائیں و آئین مرتب کیے ہیں جن پر عمل کر کے انسان نفس کی تسخیر کر سکتا ہے۔ اب صرف یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ وہ نوائیں الہیہ انسان کو ملیں کیسے۔ اللہ تعالیٰ لا محدود اور انسان محدود ذال محدود کے لیے اپنے کو محدود بنانا اس کی شانِ اعلیٰ و رفیع کے خلاف اور محدود کا لا محدود تک پہنچنا ناممکن ہے

داں لڑی آنکھ جہاں اپنا گدازہ ہی نہیں

اس لیے ضرورت ہوئی کہ کوئی درمیانی رشتہ قائم کیا جائے تاکہ وہاں کا پیغام ہم تک پہنچ سکے اور اس کے لیے رسالتِ لادری قرار پائی اور انبیاء و رسول یا پیغمبر خدا کا پیغام انسانوں تک لائے اور نوائیں الہیہ سے باہر کیلئے انسانی فہم و ادراک اور علم کی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی صرف وحی یا الہام ربانی سے یہ کام ہو سکتا ہے اور اس کا نام اقبال کی زبان میں ”عشق“ ہے اور ”علم“ جو تسخیر کائنات کرتا ہے اسے تابعِ عشق ”بونا چاہیے تپہ انسان کی تکمیل کی منزل طے ہوگی۔

عقل کہ جہاں سوز و یکہ جلوہ عیا کش از عشق بیا نمود ر آئین جہاں تابانی
 یعنی عقل جہاں سوز ہے لیکن وہ عشق کا صرف ایک جلوہ ہے باک ہے اور عقل عشق سے آئین جہاں
 تابانی دکھاتی ہے۔ انسان ان نوا میں الہیہ کی اطاعت پر مجبور ہے اور جب وہ ضبط نفس اور اطاعت سے
 پوری طرح بہرہ ور ہو گا تو نیابت الہی کے مرتبہ پر قائم ہو گا اور یہی اس کی تکمیل کا خلاصہ ہے اور بلا اس
 کے وہ ناقص رہے گا۔ رسالت کے لیے وہ پیغمبر عربی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین اور
 آپ کے پیغام کو آخری وحی مانتا ہے اور آپ کی اُمت کو خاتم اقوام اور خیر الامم تسلیم کرتا ہے۔ جو کچھ اوپر
 بیان کیا گیا اب اقبال کی زبان سے سنئے گا

تا عصلے لالہ داری بہ ست	ہر طلسم خوف را خواہی شکست
ہر کہ حق باشد چوں جاں اندر تنش	ختم نگو دو پیش باطل گر دش
خوف را در سینہ او راہ نیست	خاطرش مرعوب غیر اللہ نیست
ہر کہ در اقلیم لا آباد شد	فارغ از بند زن و اولاد شد
می کند از ما سوا قطع نظر	می بند سا طور بر خلق پسر

یعنی جس شخص نے توحید کی عصا ہاتھ میں لے لی۔ وہ خوف کے ہر طلسم کو توڑ دے گا جس کے جسم و
 جہاں میں توحید سرایت کر گئی۔ اُس کی گردن کسی باطل کے آگے نہیں ہلکتی ہے۔ اس کے سینہ میں خوف کو
 راستہ ہی نہیں سکتا۔ اس کا دل کسی غیر اللہ کو پسند ہی نہ کرے گا۔ اور نہ اس کی جانب مائل ہو گا جو توحید کے
 احاطہ میں آگیا۔ وہ زن و فرزند کے قید سے آزاد ہو جاتا ہے اور ہر ماسوا اللہ سے قطع نظر کر لیتا ہے۔
 حتیٰ کہ بیٹے کے گلے پر بھی پھری چلا دیتا ہے (اشارہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف جنھوں نے
 حلقہ استغیل پر پھری دکھ دی تھی)

ایک شبہ یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اقبال نے خوف حقیقی سے کبھی پھسکارہ حاصل کرنے کو کہا ہو
 لیکن وہ قرآن کی آیت اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا هم یخزنون (اولیاء اللہ
 کو نہ کسی قسم کا خوف ہے نہ حزن) کی تشریح کر رہا ہے اور ہر بندہ مومن کو اسی مقام تک لے جانا
 چاہتا ہے۔

عطا اسلاف کا جذبہ دردوں کے شریکِ ذمہ لا یخزنوں کے

اقبال بن لوگوں میں نہیں ہے جو ادبیا اللہ سے عقیدت کو اصنام پرستی سے ملادیتے ہیں۔ اگرچہ وہ ادبیا کلام کا بڑا معتقد ہے۔ اس کے ختمائے کی شراب عام ہے۔ جہاں تک رسالت کا تعلق ہے۔ اقبال اس کا ایک عظیم شیدائے ہے۔

طینت پاک مسلمان گوہر است آب و تابش ازیم پیغمبر است
یعنی مسلمان کی طبیعت پاک مثل ایک موقی کے ہے جس کی آب و تاب پیغمبر علیہ السلام کے سمندر سے ہوئی ہے۔

لیکن توحید اور رسالت کا ذکر تفصیل سے آگے آئے گا یہاں صرف موضوع سخن کے لحاظ سے اشارہ کرنا مقصود ہے۔

”اعمال صالحہ“

عقیدہ توحید و رسالت کو لازماً قرار دینے کے بعد اقبال کہتا ہے کہ اگرچہ عقیدہ ضروری ہے لیکن بلا عمل صالحہ کے وہ تکمیل انسانیت نہ کر سکے گا۔

لذت ایمان فرایند از عمل مردہ آن ایمان کہ ناید در عمل

عمل سے ایمان کی لذت میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ ایمان جو عمل میں نہ آسکے مردہ ہو جاتا ہے اور عمل کے لیے اس نے اسلام کے ارکان خمسہ کی تعلیم دی ہے چنانچہ کہتا ہے۔

لا الہ الا اللہ صدق گوہر نماز قلب مسلم راجع اصغر نماز

در کتب مسلم شانِ خیر است قاتل فحشاء بغی و منکر است

روزہ بر جو رعطش شیخون زند خیر بن پروری را بشکند

نومناں و افطرت افزا است حج ہجرت آموزد وطن سوزا است راج

طاعتی سرمایہ جمیعے ربط اور اقی کتاب ملے

حب دولت و انفا سازد زکوٰۃ ہم سادات آشام سازد زکوٰۃ

دل ”دمتی تنفقوا“ محکم کند زر فرایند الفت زر کم کند

ایں ہمہ اسباب استقامت است پنختہ محکم اگر اسلام تست

اہل قوت شہزادہ یا قوی

”اسوار اشتر خاکی شوی

یعنی کلہو تو حید سیپ اور ناز اس کے اندر لوثی ہے اور یون کے لیے ناز ج اصغر کا درجہ رکھتی ہے۔ ناز مسلمان کے ہاتھ میں ایک خیر ہے جس سے خواہش نامرغباتی اور منکرات تہ تیغ ہو جاتے ہیں۔ یہ قرآن پاک کی اس آیت کا ترجمہ ہے ان الصلوٰۃ تمسحی عن الغشاء والملک (روزہ بھوک اور پیاس پر شیخوں مارتا ہے اور تہن پھردی کے قطعہ کو توڑ ڈالتا ہے حج یومن کے لیے فطرت افروز ہے۔ وہ ہجرت کے قوانین سکھاتا اور وطن کے غلط نظریے کو جس سے انسان صرف وطن بن کر رہ جاتا ہے، بھونک ڈالتا ہے کہو کہو کہو سے انسان دنیا کا شہری بن جاتا ہے) زکوٰۃ حب دولت کو فنا کرتی ہے اور مساوات کا سبق دیتی ہے۔ ترکان پاک میں آیا ہے لی تنالوا البر حتی تنفقوا ہما تحبون (یعنی تم ہرگز خیر کا دل کو پونج نہ سکو گے جب تک اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو) اقبال کہتا ہے کہ اس آیت کے معنی سے دل کو حکم کرنا زکوٰۃ کا کام ہے اس سے دولت میں اضافہ ہو سکے اور یہ کی محبت گھٹتی ہے اگر تیرا اسلام حکم ہے تو ان سب باتوں پر عمل کرنے سے تجھے استحکام حاصل ہوگا اس خاک پر حکمرانی کرنے کے لیے تم جب سچا اہل ہو سکتے ہو جب ”یا قوی“ کا درد کر کے اہل قوت بنو یعنی تسخیر کائنات کے ساتھ تسخیر نفس بھی کرو۔ اور علم کو تابع عشق رکھو۔

عقبرہ اور علی سے انسان کی تئیں کا راستہ بتلانے کے بعد وہ اصرار کرتا ہے کہ نوامین الہیہ کی کامل اطاعت و اتباع ہونا چاہیے۔ اقبال نے جابجا ”غلام بختہ کار“ بننے کا مشورہ دیا ہے اور کہیں کہیں محمدؐ کی مخالفت کی ہے۔ اس سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ نکال لیا کہ اقبال فاشیزم کا یا ڈکٹیٹر شپ کا قائل ہے اسے کہیں نہ بھولنا چاہیے کہ اقبال دستور حیات مرتب کر رہا ہے، اس کا طبع نظر شخصی (deuicism) ہے۔ عملی سیاست (PRACTICAL POLITICS) سے اُسے کوئی غرض نہیں اور نہ وہ رخصت و اجازت کی گفتگوؤں اور بحثوں سے واسطہ رکھتا ہے۔ وہ اسلام کو پیش کر رہا ہے اور ان عقاید و اعمال کی تشریح کر رہا ہے جو فرد و ملت کے لیے ہونے چاہئیں اور اصولاً ہونے چاہئیں۔ وہ کوئی نئی دنیا اور اس میں رہنے کے لیے نئے آدم کی تعمیر کے لیے نہیں اٹھا ہے وہ حیات و کائنات کے بارے میں اپنا مطالعہ پیش کر رہا ہے اور انسان کی تکمیل کے لیے ضروریات بتلا رہا ہے۔ اس کی نگاہ وسیع ہے اور وہ ہر گوشہ

پر نظر ڈالتا ہے۔ وہ ایک ایسے فرد کا تخیل پیش کرتا ہے جس کی انیما ایفو میں بہت سی صفات پولر ہیں جو وہ شریع کے ساتھ بیان کرتا ہے پھر وہ ایک مملکت کا نقشہ پیش کرتا ہے جو وطن کی قید سے آزاد اور عاصی ہو اور اس کے لیے نو ایسٹن الیہ کی پابندی لازمی قرار دیتا ہے کہیں کہیں درخصت و اجازت کے طور پر کوئی تبدیلیاں راستہ اختیار کرتا ہے تو وہ اس کے موضوع سخن سے منہاج ہے کسی قوم کا کسی کسی قوم کا غلام ہونا یہ بالکل جداگانہ بات ہے اور اس سے نفرت کا اظہار جس طرح اقبال نے کیا ہے نہیں ہو رہا مشکل ہے یہاں صرف ایک قطعہ پیش کیا جاتا ہے۔

آدم انبیاء بصری بندگی آدم محمد
گو ہر داشت و نداشت قیاد جم کرد
یعنی از خونے غلامی ز سگان نواز راست
من ندام کہ سگے پیش سگے سر خم کرد
یعنی ایک انسان کے لیے دوسرے انسان کی غلامی بصری ہے اور جو ایسا کرتا ہے وہ کہنے سے بھی بدتر ہے کیونکہ ایک کتا دوسرے کتے کے آگے سر خم نہیں کرتا اب اس نے جمہوریت کے عنوان سے جو لکھا ہے اس کا جائزہ لیجئے۔

متارح معنی بیگانہ ازد و فطرتاں جوئی
ز موراں شوخی طبع سلیمانے نمی آید
گریز از طرز جمہوری غلام پنختہ کاے شو
کہ از مغز و صدر شوخ و کلالتے نمی آید
کیا دون فطرتوں سے متارح معنی بیگانہ تلاش کرتے ہو کسی سلیمان کی شوخی طبع چوتھیوں میں نہیں آسکتی طرز جمہوریت سے بھاگو اور غلام پنختہ کا رہو کیونکہ اگر دوسو گدھوں کے خنجر اکٹھے کر دیے جائیں تو کسی انسان کی فکر اس سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جمہوریت میں عوام الناس آئین دستور و قوانین ترتیب دیتے ہیں نو ایسٹن الیہ کی پابندی نہیں ہوتی اور نو ایسٹن الیہ پر عمل کے بغیر انسان کبھی اپنی منزل کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے اس طریقہ جمہوریت کو ترک کر دو اور نو ایسٹن الیہ کے غلام پنختہ کا رہو۔ جمہوریت کا اصول بھی یہی ہے کہ انسانوں کے ایک گروہ کو جو کسی بھڑائی یا حدود میں آباد ہوں اور ایک حکومت کے ماتحت رہنا چاہیں۔ اپنے لیے آئین و ضوابط مرتب کرنے کا اختیار ہے۔ اور اس کا اصل الاصول یہ ہے کہ عوام کو غلط قانون بنانے کا بھی حق ہے اور صحیح قانون بنانے کا بھی حق ہے یعنی خود اس کے مدعیان ان آئین اور ضابطوں کی صحت کے ذمہ دار نہیں ہیں جمہوریت کے بہت سے فوائد ہیں اور ان کی نظام پر بناء جمہوریت دنیا کے موجودہ نظاموں میں سب سے بہتر

ہے۔ اس کا اقبال ممکن نہیں لیکن انسانیت کے جو قوانین وہ مرتب کر رہا ہے۔ اس سے یہ موضوع غرض خالص ہے۔ اقبال کی نگاہ میں عقل انسانی کی حدود ہیں اور وہ قسیر نفس یا مضبوط نفس یا تہذیب نفس کا مرحلہ حل کرنے سے قاصر ہے۔ اس کے لیے کائنات نے جو سبق تو حید و رسالت کا دیا ہے اور اس کی راہ سے جو نوامیس الہیہ ہیں وہی کافی ہو سکتے ہیں اور اسی کا نام وہ عشق رکھتا ہے اور اپنے مرشد رومی کے حسب ذیل شعر سے اکتساب کرتا ہے۔

بہ خرد راہ عشق می پوی بہ چراغ آفتاب می چوی

اسی طرح وہ مولانا روم کا یہ شعر بھی پیش کرتا ہے۔

داندگن کو نیک نخت و محرم است زیر کی زالمیں و عشق از آدم است
چنانچہ ہلک فلسفہ زدہ سید زادہ کو لکھا ہے۔

آدم کو ثبات کی طلب ہے دستور حیات کی طلب ہے
اور اس کے لیے کیا ہونا چاہیے۔ یہ لکھ کر کہ میں برہمن زادہ ہوں اور مرے آپ دگل ہیں فلسفہ ہے اور میں اس کی رگ رنگ سے باخبر ہوں عقل انسانی کے مقام کی حدود کو یوں ظاہر کیا ہے۔

شعلہ ہے ترے جنوں کا بے سوز سن بھڑے بہ نکتہ دل افروز
انجام خود ہے بے حضوری ہے فلسفہ زندگی سے دوری
افکار کے فتنہ ہائے بے صوت ہیں ذوق عقل کے واسطے موت
وہ مسلک زندگی کی تقویم دیں سر محمد دایہ اہمیس
دل در سخن مھڑی بند اسے پور علی زبوحی چند

اسی طرح کہتا ہے۔

خود سے راہِ دردشن بصری خود کیا ہے چراغِ رہگذری
دردنِ خانہ بنگاہے ہیں کیا کیا چراغِ رہگذر کو کیا خیر و

لیکن جیسا کہ کہا گیا ہے وہ علم کے مدارج اور مقامات کا بھی بڑا معترف ہے البتہ اس کا تاج عشق

رکھنا چاہتا ہے۔

گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

ایک نظم ”علم و عشق“ میں اُسے اُجاگر کیا ہے۔
علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین و ظن
بندہ تخمین و ظن کہ ہم کتابی نہ بن

عشق سراپا حضور علم سراپا حجاب

شرع محبت میں ہے عشرتِ نازلِ حرام
شورشِ طوفاںِ حلالِ لذتِ ساحلِ حرام
عشق پہ بجلیِ حلالِ عشق پہ ساحلِ حرام

علم ہے ابنِ الکتاب عشق ہے امِ الکتاب
اسی طرح کہتا ہے کہ علم تو زمان و مکان کی پیمائش ہے یعنی اسی آب و گل یعنی مادہ سے اس کا تعلق ہے اور ذکر (یعنی عشق) انسان کو واجب الوجود تک لے جاتا ہے۔

مقامِ ذکرِ کمالاتِ رومی و عطار مقامِ فکرِ نقالاتِ بوعلی سینا
مقامِ فکر ہے پیمائشِ زمان و مکان مقامِ ذکر ہے سبحان و بی‌الہی

اسی طرح دوسرا قطعہ بہ عنوان ”وحی“ ملاحظہ ہو۔

عقل بے مایہ امانت کی سزاوار نہیں راہبرِ ہوش و ظن و تخمین تو زبوں کارِ حیات
فکر بے نور ترا جذبِ عمل ہے بنیاد سختِ تشکک ہے کہ روشن ہو شبتِ ملاحیات
غوبِ مانوبِ عمل کی ہو گرہ و اکیوں کر گر حیات آپ نہ ہو شارحِ اسرارِ حیات

اقبال کا مطلب یہ ہے کہ عقل انسانی سے اگر تہذیبِ نفس کے مراحل طے کیے جائیں تو عقل تو قیاس آرائیوں سے کام لے گی جس طرح عقل نے مادہ کی تسخیر میں سبب اور نتیجہ سے کام لیا تھا اور اسی کا نام سائنس ہے وہ چیز یہاں ممکن نہیں ہے اس لیے اس بات کا پتہ کیسے چلے کہ کیا چیز غوب اور کیا غوب ہے جبکہ خود حیات شارحِ حیات نہ ہوگی یعنی خالقِ انسان جو اس کی فطرت سے واقف ہے خود اس کے لیے قوانین مرتب کرے نہ وہ چیز البتہ یقینی ہے اور اس کے لیے وحی کی ضرورت ہے۔ اقبالِ تقدیر کا قائل نہیں ہو اس کا خیال ہو کہ احکامِ الہی کے کالِ اقبال سے تقدیریں لپٹ جاتی ہیں۔

پابندی تقدیر کہ پابندی احکام
یہ مسئلہ مشکل نہیں اسے مرد خود مند
اک آن میں سوار بل جاتی ہو تقدیر
ہو اس کا تقدیر بھی ناخوش ابھی ہو رہند
تقدیر کے پابند نہ ماتہ د جہاد است
مومن فقط احکام الہی کا جو پابند
عجبت ہے شکوہ تقدیر یزداد
تو خود تقدیر یزداد کیوں نہیں جو
تقدیر کے مقاصد کے عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان

عمر نگاہ مرد مومن سے پلٹ جاتی ہیں تقدیریں
اقبال کتنا ہے کہ عصر حاضر کے انسان نے عقل کی اتباع اور عشق سے گریز کر کے بڑی ٹھوک کھائی
ہے وہ راز حیات سے نا آشنا ہو گیا اور اس کی دنیا ایک ہو گئی۔

عشق ناپید و خرد صورت مار
عقل کو تاریخ فرمان نظر کر نہ سکا
دھوڑنے والا ستاروں کی گذرگا ہوں کا
اپنے ادکار کی دنیا میں سحر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم پرچ میں اٹھوا لیا
آج تک فیصلہ سود و ضرر کر نہ سکا
جس نے سچ کی شعاؤں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

تہذیب مغربی میں بھی غمازی ہے کہ اس کی روح مدنیت کو امیں الہیہ کی پابند نہ ہونے سے پاک
نہیں رہ گئی ہے اور روح کی پاکیزگی کے بغیر نہ ضمیر پاک رہ سکتا ہے اور نہ خیالات بلند اور ذوق لطیف
پیدا ہو سکتا ہے۔

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عصفیہ
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف
اسی لیے وہ سیاست ہو دین سے الگ اور صرف عقل انسانی کی تابع ہوتی ہے وہ شیطان کی
کنیز اور پست فطرت اور ضمیر مردہ بن جاتی ہے یعنی سیاست اور مدنیت کو لو امیں الہیہ کا پابند ہونا
چاہیے :-

میری نگاہ میں ہو یہ سیاست لادیں
کنیز ہر من دودن نہاد و مردہ ضمیر
ہوئی ہے ترک کھسا سے حاکی آزاد
فرنگیوں کی سیاست ہے دیو بے زنجیر
متابع غیر یہ ہوتی ہے جب نظر اس کی
تو ہیں ہر ادب لشکر کلیسا کے سفیر

دوسری جگہ کہا ہے کہ عیسائیت چونکہ رہبانیت کی تعلیم دیتی ہے اس لیے اس کو حاکمی سے کوئی تعلق نہیں اس لیے دین جہاں ہے تن اور حاکمی تن بے جا بن گئی ہے۔

کیسا سچہ پطرس شمار د کہ ادب حاکمی کا رے نزار
 بہ کا و حاکمی مکرو دفتے میں تن بے جاں دجاں بے تنے میں
 اقبال یقین کے ساتھ مغربی تہذیب کی موت اور اسلام کے جلوہ گر ہونے کی پیشین گوئی کرتا ہے۔
 مد ستارہ سے آگے مقام ہے جس کا وہ مشیت خاک اکہی آوارگان راہ میں کو
 خبر ملی ہو خدایاں بحر دیر سے مجھے زنگ رگہ زریں سبیل بے پناہ میں کو
 جہاں کن دکاں کا دست قدرت تو زباں تو ہے یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے
 پرے ہے چرخ نیلی نام سے منزل مسماں کی ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے
 مکان فانی یکیں آئی ازل تیرا ابد تیرا خدا کا آخری پیغام ہے تو جادواں تو ہے
 جہاں آب دگل سے عالم جاوید کی خاطر نبوت ساتھ جس کو لے گئی وہ ارغواں تو ہے
 سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
 لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

خدا



درس قرآن — مرکز والی مسجد

ہر فردی سلسلہ ایک شبہ

- تحریم و تحلیل صرۃ اللہ کا حق ہے
- مشرکین کی بعض مشرکانہ بدعات و خرافات کا رد
- دین حق کی بنیادی ہدایات

حمد و صلوٰۃ اعوذ اور بسم اللہ کے بعد

قُلْ لَا آجِدُ قِيَمًا أَوْحَىٰ إِلَيَّ مَحَرَّمًا عَلَىٰ طَائِعِيهِ تَيْمَمَهُ إِلَّا
 أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مُّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خَمْزٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ
 أَوْ يِسْقًا اهْتِلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنْ اضْطَرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ
 فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا
 كُلَّ ذِي ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهَا إِلَّا
 مَا حَلَّتْ ظُهُورُهَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذَلِكَ جَزَاءُ
 بِغْيِهِمْ وَإِنَّا لَصَدِيقُونَ ○ فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو
 رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ○
 سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا
 وَلَا حَرَمْنَا مِنْ شَيْءٍ طَكَذَابَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

حَتَّىٰ ذَٰهُوَابِ أَسَانَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِنْ
تَذَبَّحُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ۝ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ
الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَبُكُمْ بِكُمْ أَجْمَعِينَ ۝ قُلْ هَلْ مِنْكُمْ شَهِدٌ أَعْلَمُ
الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حُرِّمَ هَٰذَا ۖ فَإِنْ شَهِدُوا فَلَا
تَشْهَدُ مَعَهُمْ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ
لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ يَرِيهِمْ يَحَدِّثُونَ ۝
قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّيَ كُفْرُكُمْ عَلَيَّكُمْ إِلَّا تَشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا
وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ ۖ وَتَحْنُ
تُزْزِقُهُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرُبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۖ
وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۖ ذَٰلِكُمْ وَصَّيْتُكُمْ
بِهِ لَعَلَّكُمْ تُعْقِلُونَ ۝ وَلَا تَقْرُبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ
أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا بِالْكِيلِ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ
لَا تَكْلَفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعِدُوا ۖ وَكُنْزُكُمْ
وَلِيْعَبْدِ اللَّهِ ۖ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَصَّيْتُكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَذَكَّرُونَ ۝ وَ
أَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ
بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ ذَٰلِكُمْ وَصَّيْتُكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ ثُمَّ آتَيْنَا
مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ
وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّعَالَمِهِمْ بِإِقْدَارٍ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ۝

الانعام ع ۱۴-۱۸

لے پیغمبران سے کہہ کہ جو شریعت خدا کی طرف سے وحی کے ذریعہ میرے پاس آئی ہے
میں اس میں کھائی جانے والی چیزوں میں سے کوئی چیز کسی کھانے والے کے لیے
جو اس کو کھانا چاہے حرام نہیں پاتا الا یہ کہ وہ مردار جانور ہو یا بہتا ہو خون ہو یا
خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ہی ناپاک ہے یا وہ حرام اور سراسر بائیس و فجور

وہ کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے، پھر اگر وہ یہ گواہی دیں تو تم ان کی ہمنوا نہ
کرتا اور ان لوگوں کی یہ حالت اور عزت پر نہ جلتا جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب
کی بعد جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور دوسری ہستیوں کی اپنے پروردگار کے برابر
مظہراتے ہیں۔

لے بغیر ان سے کہو اؤ میں تمہیں سزاؤں جو تھلے رب نے تم پر حرام کیا ہے راہ جو
پابندیاں تھلے اوپر عائد کی ہیں، اُس کی سب سے پہلی اور اہم ہدایت یہ ہے کہ تم اس کے
ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، اور ان باب کے ساتھ ہر ملک کرو اور غلطی تنگ ہستی
کے خیال سے اپنی اولاد کو نہ ڈالو، ہم تم کو بھی روزی دیتے ہیں اور ان کو بھی، اور
بے سیما دی بے شریکی کی کنہی باتوں کے پاس نہ جاؤ خواہ وہ غلطی ہو یا اچھی، اور
جس کا خون بہانا اللہ نے حرام کیا ہو اس کو قتل نہ کرو، اللہ کی کسی حق کی نیسا پر
اُس کی جان لی جائے۔ اللہ نے ان باتوں کی تم کو سخت تاکید کی ہے، امید
کی جانی چاہیے کہ تم ان باتوں کو اور ان کی اہمیت اور روح کو سمجھو (اور عمل کرو)
اور یہ سمجھو اس کی ہدایت جو کہ تم سے کافی کے پاس نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو ہرگز
یہاں تک کہ وہ اپنے اپنے سن بلوغ کو پہنچ جائے اور ناپ تولی پوری کرو انسان
اور دیانت داری کے ساتھ، ہم مختلف نہیں کرتے کسی کو مگر اتنے ہی کا جتنا اس کے
اسکان میں ہو، اور حسب بات کو تو حق والی بات کی کو اگرچہ وہ جس کا معاملہ سے
تعلق ہو (تھا) عزیز قریب ہی ہو، اور اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو، اللہ نے
تم کو اس سب کی تاکید ہدایت کی ہے، امید کی جانی چاہیے کہ تم نصیحت پکڑو گے
(اور عمل کرو گے)، اللہ ہی اللہ کا ارشاد ہے کہ یہ جس کی تمہیں دعوت دی جا رہی
ہے، میرا مقرر کیا ہوا، رہتے ہیں اسی پر چلو اور دوسرے انہوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں
خدا کی راہ سے ہٹا کر دوسرے کر دیں۔

تمہیں اللہ سے رب نے یہ سب وصیت کی ہے، امید کی جانی چاہیے کہ تم
(اس کی پیروی اور پابندی کرتے ہوئے) نافرمانی اور اس کے برعکس انجام سے)

پچھلے

الانعام آیت ۱۴۵-۱۴۶

تفسیر و تشریح

یہ آیتیں مسجد الانعام کے سترھویں اور اٹھارہ ویں رکوع کی ہیں پچھلے ہفتہ
 ان سے پہلی جو کہ تیس زبور میں تھیں وہ قالوا انہذا انعام وجزل وحمو
 لا یأکلہا الا من نشاء من عینہم۔۔۔ سے لے کر ان الله لا یسہی القوم الظالمین
 تک ان میں مشرکین عرب کی اس گمراہی کا ذکر کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ زمین کی طرف کے لیے
 جو حلال چھپائے گئے عینیں بکری وغیرہ پیدا کیے ہیں اور اسی طرح زمین سے جو غذائی پیداوار ہوتی
 ہے ان مشرکین نے ان کے بارہ میں اپنی ایک قرینیت گھڑ رکھی تھی اور اپنی مشرکانہ توحید
 پر تازہ ذہنیت کے مطابق بہت سی حلال طیب چیزوں کو کھانسی خاص طبع کے لیے یا سب کے لیے
 حرام قرار دے رکھا تھا اور اسی طرح بعض حرام اور گندمی چیزوں کو حلال بنا لیا تھا اور اس
 تحریم و تحلیل کو بالکل بے سند خدا کی طرف منسوب کرتے تھے اور اپنی اس خود ساختہ شریعت کو خدا کی
 شریعت کہلاتے تھے حالانکہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل اور سند نہیں تھی بلکہ یہ ان کا خاص افتراء
 تھا۔۔۔ آخر میں فرمایا گیا تھا۔۔۔ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ اخْتَرَىٰ عَلَىٰ اللَّهِ كَيْدًا بِآيَاتِهِ
 النَّاسُ بَعْدَ عِلْمٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (انہ سے بڑا مجرم کون
 ہوگا جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اللہ پر بالکل سمیٹ بہانہ اندھیں جس کی کوئی دلیل اور سند
 ہو۔ اللہ ایسے مجرموں کو راہ یاب نہیں کرتا)

اس کے بعد مقلایہ آیتیں ہیں جو میں نے اس وقت تلاوت کی ہیں۔ ان میں
 اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ ان تاثراتِ الٰہیہ
 حقیقت کو بتائیے اور اعلان کر دیجئے کہ خدا نے جو شریعت میری طرف وحی کی ہے اس میں مان
 چیزوں میں سے جو کھائی جاتی ہیں اور جن کے کھانے کا تم لوگوں میں دستور اور عین ہے صرف
 یہ چار چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں۔ ایک میثتہ (درا ہوا جانور) یعنی جو مر گیا ہو اور شرعی طریقہ
 پر حلال نہ کیا گیا ہو۔۔۔ دوسرے بہا ہوا خون (جو ذبح کے وقت یا زخمی ہو جانے کی صورت
 میں جانور کے جسم سے بہتا ہے) تیسرے خنزیر کا گوشت جو ہر اس ناپاک ہے، چوتھے وہ جانور
 جو بطور تذللہ اللہ کے سوا کسی رستی کے لیے نامزد کر دیا گیا ہو اور بول دیا گیا ہو۔۔۔ ارشاد ہے

كُلٌّ لَا أَجِدَ فِيهَا أَوْحِيَ إِلَيَّ مُخَرَّمًا عَلَى طَائِعِيهِ لَيْطَمَهُ إِلَّا أَنَّهُ يَكُونُ
مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خَنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ نَجَسًا أَهْلًا
لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّنَا غَفُورٌ رَحِيمٌ

یہ مضمون الفاظ کے بہت قوی سے فرق کے ساتھ سورہ بقرہ میں بھی ذکر کیا گیا ہے، وہاں بھی فرمایا گیا
تھا کہ میں بھی چار چیزیں اللہ نے تمھارے لیے حرام قرار دی ہیں۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْنَا الْمَيْتَةَ
وَالْدَّمَ وَلَحْمَ الْخَنْزِيرِ وَمَا أُهْلِيَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَسَبِّحْهُ هَاطُطًا غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا
إِسْرَاعَ عَلَيْهِ وَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

پھر سورہ مائدہ کے پہلے رکوع میں بھی ان چار چیزوں کی حرمت کا ذکر کیا گیا ہے، جہاں بھی
ان چار کے علاوہ کچھ اور محرمات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ان چار چیزوں میں سے "میتہ" (مرا ہوا
جانور) اور "دم مسفوح" (سپاہا خون) اور "لحم خنزیر" (سور کا گوشت) یہ تینوں بالکل واضح
ہیں، ان کے بارے میں کسی وضاحت کی ضرورت نہیں، البتہ چوتھی چیز "مَا أُهْلِيَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ" کی
کچھ وضاحت کی ضرورت ہے، اگرچہ پہلے جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے، وہاں وضاحت کی حاجت
ہے، لیکن آپ حضرات میں بعض وہ بھی ہوں گے جو اس موت پر شریک دس نہیں ہے ہوں گے،
اس لیے میں آج پھر ضروری وضاحت کرتا ہوں۔

پہلے یہ بات سمجھ لیجئے کہ خدا کے ہر تار بندے خدا کو راضی کرنے اور اس کی رحمت و عافیت
حاصل کرنے کے لیے جو کچھ کرتے ہیں مشرکین بھی اپنے دیوتاؤں اور فرضی اہلہ بھی خداؤں کی
رضامندی اور نظر عنایت حاصل کرنے کے لیے وہ سب ہی کرتے ہیں، مثلاً اللہ کے پوتا مکی
عبادت اور پرستش کرتے ہیں تو مشرکین بھی اپنے معبودوں کی عبادت اور پرستش کرتے ہیں، خدا
پرست اپنے پروردگار کے لیے نذرانے ہیں اور قربانیاں کرتے ہیں تو مشرکین بھی اپنے مانے
ہوئے دیوتاؤں اور شرکیوں کے لیے نذرانے اور قربانیاں کرتے ہیں یہ ایسی بات ہے جو
ہر اُس شخص کو معلوم ہے جو مشرکین کے حالات اور ان کے مشرکانہ طویر طریقوں سے واقف و بصائر
ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح غیر اللہ کی عبادت اور پرستش کو شرک قرار دیا ہے اسی طرح اللہ کے
سوا کسی کے لیے نذرانے، نذر چڑھانے اور اُس کے واسطے قربانی کرنے کو بھی شرک بتایا ہے۔

مشرکین عرب میں شرک کی یہ سب صورتیں مانج تھیں، وہ غیر اللہ کی عبادت اور پرستش بھی کرتے تھے۔ اُن کے لیے جانوروں کی قربانی بھی ملتے تھے، قربانیاں بھی کرتے تھے۔ قرآن پاک نے غیر اللہ کے لیے اس نداد و قربانی کو ایسا تعبیت مشرکانہ عمل قرار دیا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ جانور بھی حرام اور مردار ہو جاتا ہے جبکہ اللہ کے سوا کسی کی حمد کے لیے نامزد کر دیا گیا ہو یا غیر اللہ کے لیے اس کی قربانی کی گئی ہو۔ ”مَّا أَهْلُ بَيْتِ اللَّهِ بِشَٰعِرِينَ“ سے بھی دونوں صورتیں مراد ہیں۔ جن وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں اس کا مصداق وہ جانور تھے جن کو مشرکین اپنے بتوں کے لیے مذبح کے طور پر نامزد کر دیا کرتے تھے یا اپنے بتوں کو سمانی کرنے کے لیے جن کی قربانی کرتے تھے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں اُن کا گوشت حرام اور مردار قرار دیا گیا ہے اگرچہ وہ مرغادہ بکرا جیسے حلال جانور ہوں۔ بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا ہے کہ ”مَّا أَهْلُ بَيْتِ اللَّهِ“ سے مراد صرف وہ جانور ہے جس پر ذبح کے وقت اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام لیا گیا ہو۔ لیکن لغت کے لحاظ سے بھی یہ بات صحیح نہیں ہے، عربی لغت اور محاورہ کی رو سے اس سے وہ جانور مراد ہے جن کو غیر اللہ کے لیے قربان کر دیا گیا ہو یا وہ جانور بھی اس میں داخل ہو گا اور بدرجہ اولیٰ داخل ہو گا جس پر ذبح کے وقت خدا کے سوا کسی کا نام لیا گیا ہو۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس پر بڑی تفصیل سے نہایت فاضلانہ انداز تحقیق و بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کو بطور مذبح غیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ہو، وہ اس مشرکانہ انداز سے تمام ہو جاتے ہیں، حتیٰ کہ اگر بالعرض اس غیر اللہ کے لیے ان کی قربانی کرتے وقت اُن پر اللہ کا نام لیا جائے اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا جائے جب بھی وہ جانور حلال نہ ہو گا جس طرح سوریا کی اگر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو حلال نہ ہو جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے آپ نے بطور پیشین گوئی فرمایا تھا: ”لَا تَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا شِبْرًا وَلَا عَابِدَةَ لَّعَنَ“۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ میری امت میں بھی وہ سب گمراہیاں آئیں گی جو لوگوں میں آئی تھیں۔ حضور کی اس پیشین گوئی کے مطابق بہت سے جاہل مسلمان بھی اس طرح کے مشرکانہ اعمال کرتے تھے، وہ اللہ کے سوا جن بتوں کو حاجت ردا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں، اُن کے لیے مذہب مانتے ہیں اُن کے

ہم کے سرغے اور بکری کے مزاروں پر چڑھتے ہیں اور انہیں راضی کرنے کے لیے بھی کی قرینیاں کرتے ہیں۔ یہ قطعاً مشرکانہ اعمال ہیں اور ان کے وہ سرغے اور بکری بلاشبہ مَآءِ اُھلِ بَہِ بَیْعِہ اللہ میں داخل ہیں۔ بس طرح عبادت صرف اللہ کا حق ہے اور غیر اللہ کی عبادت شرک ہے، اسی طرح نذر اور قربانی بھی صرف اللہ کا حق ہے اور غیر اللہ کے لیے قطعاً شرک ہے۔ یہ سب وہی شرک ہیں جن کو مٹانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے تھے۔

الغرض اس آیت میں اس جانور کو جسکی غیر اللہ کے لیے نذر ہل دی گئی ہو، براہِ مقررہ قرار دیا گیا لیکن یہ حرمت چونکہ مشرکانہ نذر کی وجہ سے آئی ہے اس لیے اگر وہ آدمی جس نے، اس جانور کی نذر ہل دی ہو اس جانور کے ذبح ہونے سے پہلے ہی اپنے اس مشرکانہ عمل سے توبہ کرے تو جانور کی حرمت ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس مشرکانہ عمل کی وجہ سے حرمت پیدا ہوئی تھی جب اس شخص نے اللہ کی توہین سے اس نے توبہ کر لی تو حرمت کا وہ سبب ہی ختم ہو گیا۔

بعض لوگ ان جاہل عوام کی طرف سے جو اپنی حاجتیں اور مراویں پوری کرانے کے لیے بزرگوں کے لیے تقدیر مانتے اور ان کے مزارات پر سرغے اور بکری بڑھاتے ہیں یہ تادل کرتے ہیں کہ ان کا مقصد ہر عمل ان بزرگوں کی روحوں کے لیے ایساں ثواب گزانا ہوتا ہے، حالانکہ جو لوگ اس عقد کے مسائل سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ تو ایساں ثواب کے تصور سے بھی نا آشنا ہوتے ہیں۔ وہ تو انہیں حاجت برآوردہ کار ساز سمجھ کر انہیں راضی کرنے کے لیے نذر دیتے ہیں اور پڑھاؤں سے پڑھاتے ہیں۔ ان کا مقصد نہیں یہی ہوتا ہے کہ یہ بزرگ ہم سے راضی ہو جائیں اور ہمارا فلاح کام نہاد بنیں اور فلاں بلا کو ڈال دیں، یہ بالکل وہی ذہن ہے جو عرب کے مشرکوں کا تھا اور ہمارے ملک کے بہت پرست اور توہم پرست مشرکوں کا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر لیک کے دل کا حال جانتا ہے، اس طرح کی تادیلوں سے اس کو دھوکا نہیں دیا جاسکتا۔

یہاں ایک بات اور وضاحت طلب ہے، سورہ انفام کی اس آیت قُلْ لَا اَجِدُ فِتْمًا

لہ نذر ہل دیکھنے کی عبادت ہے۔ فرقہ مجیدی میں لٹا دیا ہے "وَلْيُؤْتُوا ذُرِّيَّتَهُمْ وَلْيَبْکُوْا فَمَا بَالِیَّتِ

الْعَبْدِیْنِ"۔

اَوْجِبَ اِلَيْهِ عَزْمًا عَلٰی طَاعَتِهِ تَطِيعَةً اَلَّتِي فِيْهَا طَاعَةُ سُوْرَةِ بَقَرَةِ كِي اَمِيْتٍ اِنَّمَا اَحْرَمَ عَلَيْنُكَ الْمَيْتَةَ وَالْدَّمَ وَلَحْمَ الْخَنْزِيْرِ وَمَا اُھْلَ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ“ میں حصر کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ میں بھی چار چیزیں حرام ہیں۔ اس سے یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ شریعت اسلام میں ان چار کے علاوہ کوئی پانچویں چیز حرام نہیں، ان کے سوا اب حلال ہی حلال ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح ان دین سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی گندی اور خباب چیزیں حرام ہیں مثلاً کتا، بھڑیا، چیتا وغیرہ سب دندہ حرام ہیں۔ اسی طرح جیل اور شکوہ جیسے شکاری پرندے حرام ہیں۔ زمین کے کیرے کوڑے سانپ بھجھ وغیرہ حرام ہیں، خود قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان بیان کی گئی جو کہ ”يُحِلُّ لَكُمْ الطَّيْبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْكُمُ الْخَبَائِثَ“ (یعنی وہ پاکیزہ اچھی چیزوں کی حلالیت کا حکم دیتے ہیں اور گندی نجس چیزوں کی حرمت کا حکم دیتے ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ شریعت اسلام پر نجس اور گندی چیزیں حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن حدیثوں میں درندوں اور شکاری پرندوں کی حرمت کا اعلان کیا ہے وہ گویا اسی ”يُحَرِّمُ عَلَيْكُمُ الْخَبَائِثَ“ کی تشریح اور تفصیل ہے۔

برہاں دس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اسلامی شریعت میں وہی چار چیزوں، (مردار، خون، خنزیر اور ما اھل لغیر اللہ) کے علاوہ بھی بہت سی چیزوں کا کھانا حرام مستراح دیا گیا ہے اس لیے اس کی وضاحت ضرور دی جائے کہ ان دو آیتوں میں جو حصر کے ساتھ لکھا گیا ہے کہ میں بھی چار چیزیں حرام ہیں اس کا کیا مطلب ہے۔ اصطلاحی نقطوں میں تو اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ حصر منطوق کا حصر حقیقی نہیں ہے بلکہ یہ حصر اضافی ہے یعنی ان آیتوں کا مقصد یہ ہے کہ سب کے سب حرمت کی تفصیل بتادی جائے اور ان کی کس کس شریعت میں کر دی جائے (بالکلیہ انعام اور سورہ بقرہ کی ان دو آیتوں کے سیاق و سباق سے عبادت ظاہر ہے کہ مشرکین نے کھانے پینے کی جن اسلامی چیزوں کو بغیر کسی دلیل اور علم کے حرام قرار دے رکھا تھا اور اس تحریر کو بغیر کسی سند کے خدا کی طرف منسوب کرتے تھے۔ ان آیتوں کا اہل مقصد میں اس کی نفی اور تردید ہے۔ اور مطلب ان دونوں آیتوں کا میں یہ ہے کہ تم نے اور تمہارے باپ دادا نے کھانے پینے کی

چیزوں میں سے جو بہت سی چیزوں کو سب کے لیے یا کسی خاص طبقہ کے لیے حرام قرار دے رکھا ہے اور اس سلسلہ میں ایک شریعت گہر لی ہے اور اس کو خدا کی طرف نسبت کرتے ہو۔ یہ سب قاطعاً اور ہر اچھا اور افسوس، کھانے پینے کی جن چیزوں کا تم لوگوں میں جلیں ہے دستور ہے اُن میں عطا نے پس یہ چار چیزیں حرام کی ہیں، ان کے سماج میں چیزوں کو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے حرام قرار دے رکھا ہے وہ حرام نہیں کی گئی ہیں۔

ماصل یہ ہوا کہ یہ حصر دنیا بھر کی تمام چیزوں کے لحاظ سے نہیں ہے، بلکہ صرف اُن چیزوں کے لحاظ سے ہے جن کو مشرکین عرب نے بلا کسی دلیل اور سند کے حرام قرار دے لیا تھا اسی کو حصر اصفانی کہتے ہیں۔

اگے فرمایا گیا ہے کہ اگر بالفرض کسی وقت کسی آدمی کے لیے ایسی صورت پیش آجائے کہ وہ جان بچانے کے لیے ان چار حرام چیزوں میں سے کچھ کھانے کے لیے مضطر اور مجبور ہو جائے تو وہ شرطوں کے ساتھ اس کی اجازت دے دی گئی ہے۔ ایک یہ کہ ضرورت جان بچانے کے لیے کھانے لنت حاصل کرنے کے لیے، افسرانی کرنے والا نہ ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس بقدر ضرورت کھائے ضرورت سے تجاوز نہ کرے۔ ”غَيْرِ بَاطِلٍ وَلَا عَظِيمٍ“ کا یہی مطلب ہے۔ اگے فرمایا گیا ہے ”فَإِنَّ رِيشَ شَعْوَدٍ رِيشٌ“ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت اور صفتِ مغفرت کا کرشمہ ہے کہ مضطر کے لیے یہ گنجائش دے دی گئی اور آخرت میں اُس سے اس کا مواخذہ نہ ہوگا۔

اگے ”وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا“ سے جو مضمون بیان کیا گیا ہے اسکی حیثیت اسی شخصِ دھرم کے سلسلہ میں مزید وضاحت کی ہے۔ اوپر والی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں حرام نہایت یہ چار چیزیں ہیں، اس پر یہ سوال اٹھایا جاسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو اُن کے ذریعہ ہوشیاری علیہ السلام اور ان کی قوم کو ملی تھی اس میں تو ان چار کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں حرام کی گئی تھیں چنانچہ زنا، خمر اور کھمبے والے سائے جانور حرام کیے گئے تھے اور کھانے، کپڑوں وغیرہ کی پوری راجس خاص اصفانی چربی کی مستثنیٰ کر کے حرام کر دی گئی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیزیں بھی حیثیت اور گندی ہیں، پھر ان کو قرآن میں کیوں حرام نہیں قرار دیا گیا۔ گویا اسی کے جواب میں فرمایا گیا ہے۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَزَبًا مِّنْ دُونِ ظَهْرِهِ وَمِنَ الْبَقَرَةِ الْعَنَمِ حَزَبًا
عَلَيْهِمْ تَحَوُّهُمْ أَلَا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ
بِعَظْمِهِ إِنَّ إِلَهَ جَزَيْنَاهُمْ بِبَعْثِهِمْ وَإِنَّا لَصَدِّقُونَ ۝

مطلب یہ ہے کہ یہودیوں پر جو یہ چیزیں حرام کی گئی تھیں، یعنی تاجن اور سہم والے جانور، جیسے اونٹ، شتر مرغ، بٹا، قناذ وغیرہ۔ اور گائے بھینس اور بھیر بکری کی چربی (سوائے اُس چربی کے جو ان جانوروں کی پشت پر ہو یا انسرطیوں پر ہو یا ہڈی سے لگی ہو)۔ تو یہ چیزیں اس وجہ سے حرام نہیں کی گئی تھیں کہ ان میں کوئی خباثت اور گندگی ہے، بلکہ یہودیوں کے لیے ان چیزوں کی تحریم اُن کی سرکشی اور بغاوت کی سزا کے طور پر تھی، گویا اس تحریم کے ذریعہ ان کو بطور سزا کے ان نعمتوں سے محروم کر دیا گیا تھا، اس لیے یہ تحریم دینی اور عارضی تھی، جو اب منسوخ کر دی گئی۔

آخر میں فرمایا کیا ہے کہ یہ ایک سچی تاریخی حقیقت ہے اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے (وَإِنَّا لَصَدِّقُونَ ۝) اگے ارشاد فرمایا گیا ہے "فَإِنَّ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَّبِّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرِيدُ بِآسَئِكُمُ الْعُقُومَ الْمُجْرِمِينَ ۝" مطلب یہ ہے کہ اگر اس وضاحت کے بعد بھی یہ آپ کی تکذیب کریں اور کٹ جاتی سے باز نہ آئیں تو آپ ان سے کہہ دیں اور ان کو بتادیں کہ یہ میت سمجھو کہ خدا تعالیٰ نے جہنم اور پھاری ہٹ دھرمی کو دیکھ کر نہیں رہا یا وہ تمہاری ان حرکتوں سے راضی ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس کی رحمت کا دامن بڑا وسیع ہے وہ مجرموں کو فوراً ہی عذاب کی گرفت میں نہیں لے لیتا بلکہ ان کو پوری اہلیت دیتا ہے تاکہ اگر وہ رجوع اور تلافی کرنا چاہیں تو کر سکیں، اس نے تم کو بھی اپنے اسی دستور کے مطابق اہلیت دے رکھی ہے۔ لیکن جب اس کی طرف سے عذاب اور سزا کا فیصلہ ہو جائے گا تو پھر کسی طاقت اور کسی تدبیر سے اس عذاب کو مجرموں سے روکا نہ جاسکے گا۔ (وَلَا يُرِيدُ بِآسَئِكُمُ الْعُقُومَ الْمُجْرِمِينَ ۝)

اگے "مَنْ يَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا" سے مشرکین کی ایک جابلانہ منطق کا ذکر کر کے اس کی تردید کی گئی ہے وہ اپنے کا شرکانہ طور طریقوں کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے ایک بات یہ بھی کہتے تھے کہ ہم جس راستے پر چل رہے ہیں اگر یہ خدا کی مرضی کے خلاف ہوتا تو وہ ہمیں اس پر چلنے ہی نہ دیتا حالانکہ ایسا نہیں ہوتا ہے ہم برابر اس راستے پر چل رہے ہیں اور ہم سے

پہلے ہائے باپ حارے بھی چلتے رہے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ راستہ اللہ کی مرضی کے خلاف نہیں ہے۔ حالانکہ یہ دلیل نہیں محض جاہلانہ دھوکہ سکہ ہے، یہ بات تو چودا اور ڈاکو اور بڑے بڑا پیشہ کرنے والے بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس دنیا میں سب کچھ کرنے کی جو آزادی ملی ہوئی ہو یہ ہرگز اس کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ ہر کوئی جو کچھ کر رہا ہے وہ اللہ کی مرضی کے مطابق ہے۔ ارشاد ہے۔

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاءُنَا وَلَا حَزَمْنَا مِنْ شَيْءٍ ذَكَرَ إِلَهُكَ كَذَبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ أَتَوْا بِسَنَاءٍ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخَرِّجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا خُرُصُونَ ۚ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ۝

مطلب یہ ہے کہ یہ مشرکین یہ بھی کہیں گے کہ اگر اللہ یہ چاہتا کہ ہم مشرک نہ کریں اور جن چیزوں کو ہم نے حرام قرار دیا ہے ان کو حرام قرار نہ دیں تو پھر ہم اور ہمارے باپ دادا اللہ کی قدرت اور اس کے ارادہ کے سامنے بخیر و بوجہ تھے اور ان میں سے کوئی بات بھی نہ کر سکتے، نہ ہم مشرک کر سکتے نہ ان چیزوں میں سے کسی چیز کو حرام کر سکتے اور جب ہم یہ سب کر رہے ہیں اور اس کے باوجود اس دنیا میں ٹھٹھاٹھے جی رہے ہیں تو ثابت ہوا کہ یہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں سب ٹھیک ہے اور اللہ یہی چاہتا ہے۔ اس کے جواب میں پہلے تو ان کو انجام سے خبردار کرنے کے لیے یہ فرمایا گیا کہ ان سے پہلے مشرکین حق نے بھی اسی طرح کی گٹ جھٹی کر کے اور منطق بگھار کے داعیان حق کو جھٹلایا تھا جس کے نتیجہ میں ان پر ہمارا عذاب آگیا تھا۔ اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ یہ تو تمہارے خیالی تیر تھے اور بے اصل اولاد ہیں۔ اگر کوئی علم و یقین والی بات ہو تو پیش کر دو۔ اس کے بعد فرمایا گیا "قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ" مطلب یہ ہے کہ جب ان کی بات کا غلط اور بے بنیاد اور بے سند ہونا ظاہر ہو گیا تو اسے رسول ان سے کہیے کہ پھر اللہ کی قطعی حجت جو اس کے پیغمبروں کے ذریعہ آئی ہے جس میں تمہارے مشرک اور اللہ کی عمال کی ہوئی چیزوں کی تحریم کو بدترین جرم قرار دیا گیا ہے وہ قائم اور ثابت ہو چکی اب تم اس کے بارہ میں کوئی معذرت بھی نہیں کہہ سکتے۔ اور

یہ بیک صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا قادر مطلق ہے کہ اگر وہ تم سب کو ہدایت سے فائدہ پہنچاتا تو ایسا کر سکتا تھا (فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ)۔ لیکن اس کی حکمت کا تقاضا اور فیصلہ یہی ہو کہ وہ بندوں کو راہ حق پر چلنے کے لیے مجبور نہیں کرے گا، اس نے بندوں کو پیدا فرما کر ایک درجہ کی فکر و عمل کی آزادی دے دی ہے اور جو جس راستہ پر چلنا چاہتا ہے اللہ اس کو اس کا موقع دے دیتا ہے، یہی اس کی مشیت ہے لیکن اسی کے ساتھ اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ ان کو حق کی دعوت اور تعلیم دلوائی ہے اور بتلادیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے کیا چاہتا ہے اور اس کی رضا اور غضب کا قانون کیا ہے۔ اور چونکہ تم خدا کی دی ہوئی آزادی اور اس کی عطا ہوئی قوتوں کو اس کی ہدایت کی مخالفت میں استعمال کر رہے ہو اور تمہاری شرارت حد سے بڑھ گئی ہو، اس لیے خدا نے تمہیں ہدایت سے نوازا نہیں پایا اگر وہ چاہتا تو تم کو بھی ہدایت کی نعمت دے سکتا تھا۔ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ۔

مشرکین جن خرافات میں مبتلا تھے عیا کراد پر کی آیات میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہو ان میں سے ایک یہ گمراہی بھی تھی کہ بہت سی حلال طیب غذاؤں کا بخود نے حرام کر رکھا تھا اسکے لیے ان کی سب سے بڑی سند یہ تھی کہ ہمارے بڑوں نے اور قوی رہنماؤں نے جن کی ہم پیروی کرتے ہیں ہم کو یہی بتایا ہے کہ خدا نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے۔ اگلی آیت میں اس کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ اپنے ان رہنماؤں کو لاؤ وہ اس کی شہادت دیں کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی میں ذرہ برابر بھی احساس ذمہ داری ہو گا تو وہ ایسی غلط بات خدا کے بارہ میں نہ کہہ سکے گا اور اگر کوئی شخص بے حیائی پر کمر باندھ کے ایسی بات کہے گا تو کوئی دلیل اور سند نہ پیش کر سکے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ہے۔

قُلْ هَلْ مِمَّنْ شَهِدَ آءَكُمُ الَّذِينَ يَشْكُرُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَذَا
فَإِنْ شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدُوهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ
كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ يَرِثُهُمْ
يَعْبُدُونَ

مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ تم اپنے ان رہنماؤں کو لاؤ جو اس کی شہادت

دیں کہ ان چیزوں کو خدا نے حرام قرار دیا ہے، امید یہ ہے کہ خدا پر ایسے صریح افتراء کی جرات کوئی نہ کرے گا۔ لیکن اگر بالفرض وہ اس کی شعلت دہی تو اسے بغیر تم و اس میں ملان کی ہمنوائی نہ کرنا۔ بلکہ پوری قوت سے اس کی تردید کرنا اور ایسے لوگوں کی بدعت پر مت چلنا جو چارویں بیانات کی تکذیب کرتے ہیں اور آخرت کو نہیں ملتے ہیں۔ اور دوسری ہستیوں کو خود کی برابر کہتے ہیں۔ یہاں تک مشرکین کی تحریم طہیات والی مشرکانہ بدعت، پر کلام کیا گیا اور مختلف پہلوؤں سے اس کی تردید کی گئی جس سے یہ بات پوری طرح ظاہر ہو گئی کہ کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا صرف اللہ کا حق ہے اور کسی اور کیسے بھی یہ حق تسلیم کرنا ایک طرح کا شرک ہے اور اسی طرح بغیر معتبر سند اور دلیل کے یہ کہنا کہ فلاں چیز کو خدا نے حرام یا حلال کیا ہے اس پر افتراء اور سنگین جرم ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا گیا ہے کہ آپ ان مشرکوں سے کہنے کو تم نے جن چیزوں کو خواہ مخواہ اور بغیر کسی سند کے حرام قرار دے رکھا ہے، اس کی حقیقت تو تم کو بتادی گئی کہ خدا نے ہرگز ان کی حرمت کا حکم نہیں دیا ہے۔ اب آؤ میں تم کو بتاؤں کہ فی الحقیقت کن کن چیزوں اور کن کن باتوں کو خدا نے حرام کیا ہے اور اس کے بنیادی احکام کیا ہیں! **هَلْ تَعَالَوْا اَمْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّي عَلَيْكُمْ..... ۶۱۔**

(باقی)

فہرست نمبر

(دیجئے قاعدہ نمبر)

افتاویٰ کی ملکیت و دیگر تفصیلات

مقام اشاعت ----- دہلی ----- دفعہ اشاعت ----- ۱۴۰۰
پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر اور مالک کا نام ----- محمد منظور نعمانی ----- شہر ----- پٹنہ

پتہ ----- پتہ ----- پتہ -----
محمد منظور نعمانی اعلان کرتا ہیں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و یقین سے بالکل صحیح ہیں۔

محمد منظور نعمانی
یکم مارچ ۱۴۰۰ھ

نئی مطبوعات

فتاویٰ رضویہ (جلد اول و دوم) | از افادات مولانا سید عبد الرحیم صاحب لاچوری
جلد اول: صفحات ۳۴ سائز ۲۰x۲۶ بجلہ قیمت دس روپے
جلد دوم: ۴۳۲ صفحات سائز ۲۰x۲۶ بجلہ قیمت - بارہ روپے
پتہ: - عطرستان - چوک بازار - سورت (گجرات)

صاحب فتاویٰ مولانا سید عبد الرحیم صاحب بڑی مسجد راندر ضلع سورت کے خطیب ہیں۔
گجراتی زبان میں آپ کے یہ فتاویٰ گجرات کے ایک ماہنامے (ہیماس) میں شائع ہوتے رہے تھے۔
اصل زبان میں ان کا مجموعہ شائع ہونے کے بعد اسے اردو میں بھی منتقل کر دیا گیا ہے۔ ہمارے ساتھ
بھی اردو ادیشن ہے۔

یہ دونوں جلدیں سینکڑوں سوالات کے جوابات پر مشتمل ہیں۔ سوالات کا تعلق صرف فقہی مسائل
سے نہیں ہے، بلکہ ہر طرح کے دینی سوالات ہیں جو مفتی صاحب بوضوح و بصیرت ایک دینی رہنما کے
کیے گئے اور آپ نے ان کا جواب ارقام فرمایا۔ مثلاً "بارش نہ برسے اور قحط سالی کے اسباب کیا ہیں؟"
"کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہ تھے؟" "عمل صالح کی توفیق کیوں ہوتی ہے اور
کیوں نہیں ہوتی؟" اس طرح کے بہت سے سوالات پر بھی، جن کا مخصوص علم الفقہ سے کوئی تعلق
نہیں ہے، اس مجموعہ فتاویٰ میں کلام مل جاتا ہے۔

فقہی سوالوں کے جوابات میں بھی مفتی صاحب نے صرف مفتی کے فرائض پر اکتفا نہیں کیا
بلکہ محض حکم شرعی اور اس کی سند بتا دی جائے۔ بلکہ بہت سے مقامات پر قرآن و حدیث اور آثار

صحابہ و تحقیقات اکابر نیز دلائل عقلی کی مدد سے اس قدر شرح و بسط کے ساتھ جواب دیا گیا ہے کہ ایک ممکن مضمون بن گیا ہے جس میں سائل کی ذہنی تشفی ہو گئی ہو۔ پابندی شریعت کی ترغیب کا بھی پورا سامان موجود جو صاف معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کا علم بہت حاضر اور دینی لٹریچر پر اُن کی نظر وسیع ہے۔

گجراتی سے اُردو ترجمہ خود مفتی صاحب کا نہیں ہے بعض دوسرے حضرات نے کیا ہے۔ اور وہ خود بھی بھی قابل تحسین ہو کہیں سے ترجمہ بنی غلط نہیں ہوتا۔ کتاب کا ظاہری حسن بھی معنوی قدر و قیمت سے کم نہیں ہے۔ کتابت و طباعت بہت ہی نفیس اور کاغذ اعلیٰ درجہ کا استعمال کیا گیا ہے جو اُردو کی خصوصاً دینی کتابوں کو کم ہی نصیب ہوتا ہے جلد بھی بہت سہری اور دیدہ زیب ہے۔

خدا معلوم کیوں جہاں مفتی صاحب نے سوالات کا جواب مختصر دیا ہے وہاں بہت سی جگہ کوئی حوالہ نہیں ہے۔ ایک موقع ایسا بھی تبصرہ نگار کی نظر میں آیا جہاں حدیث کے ایک لفظ کے ترجمہ میں کھلا سراح محسوس ہوتا ہے۔ جلد دوم صفحہ ۲۴ پر مذکورہ حدیث میں جہاں جہاں ”علیٰ ابن“ کا لفظ آیا ہے اُس کا ترجمہ جت لیتا کیا گیا ہے۔ حالانکہ کر دٹ سے لینا اس کا ترجمہ ہونا چاہیے۔ کتاب کی ترتیب خاص طور سے بہت نظر ثانی کی محتاج ہے۔ جگہ جگہ ایک باب میں دوسرے باب کے سائل درج ہو چکے ہیں۔

ایک ضروری بات یہ بھی جاتی ہے، مفتی صاحب حنفی المسلک ہیں اور جماعت دیوبند سے تعلق رکھتے ہیں۔ قدرتی طور پر اُن کے فتاویٰ اسی مذہب و مسلک کے مطابق ہیں۔ کیا اچھا ہوتا ہے کہ اس نوع پر یہ نہ کہنا پڑے کہ جن جماعتوں سے جماعت دیوبند کی فقہی یا اعتقادی چشمک ہے۔ جہاں ان کے اعتراضات جہاں زیر بحث آگئے ہیں وہاں مفتی صاحب کا قلم ایسی شدت پر بھی عمل پیرا ہو گیا ہے جسے اب ترک کر دینا ہی اچھا ہے۔ اگرچہ مفتی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اسکی حیثیت جوابی ہے یتیمہ یتیمہ منہا میں انکی اجازت ہے۔

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔

تاریخ و عود و غریبیت (جلد اول) طبع دوم صفحات ۲۰۰ سا ۲۰۲۷ء جلد قیمت دس روپے

ناشر۔ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

یہ کتاب پہلی بار ۱۵۵۵ء میں دارالمصنفین اشرف گڑھ سے شائع ہوئی تھی۔ اب (۱۹۷۹ء میں) اس کا یہ دوسرا ایڈیشن مصنف کی قائم کردہ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ نے شائع کیا ہے۔ کتاب کے نام سے اُس کا موضوع و مقصد پوری طرح واضح نہیں ہوتا۔ کتاب کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ اسلام کو اپنی زندگی کے طویل سفر میں اپنی بھاری اور دفاع کے لیے جس طرح کے افراد و اشخاص کی ضرورت ہوئی وہ عین ضرورت کے مطابق اُسے ملتے چلتے گئے۔ اور عموماً اُس طرح ملے اور ایسے نامساعد حالات میں انھوں نے عظیم کامیابیاں حاصل کیں، کہ اسے اسلام کی حفاظت کے ایک غیبی انتظام کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ باخدا دیگر اسلام کی حفاظت کا جو ذمہ اُس کے نازل کرنے والے نے لیا تھا اور پیغمبر اسلام کی زبان سے یہ مژدہ سنایا گیا تھا کہ اس دین کو برابر ایسے مردان کا فراہم ہوتے رہیں گے جو ہر اندھ دنی بگاڑ اور بیوفی ملغاد کے مقابلہ میں اس کی ہستی کا تحفظ کریں، تاریخ اس کی صداقت پر گواہ ہے۔

یہ موضوع جتنا مبارک ہے، اتنا ہی بے پایاں بھی ہے۔ کوئی تنہا شخص اپنی پوری زندگی بھی اس پر لگانے تب بھی مشکل ہی سے حق ادا ہو سکے گا۔ اسلام پوری زندگی کا دین ہے۔ ایسے دین کو اپنی زندگی برباد رکھنے اور ہر دور کے بیمانوں سے اپنی حقانیت کا ثبوت فراہم کرنے کے لیے تیرہ پودہ سو برس کی طویل مدت میں جتنی متغیر ضرورتوں سے سابقہ ہوا ہوگا اُن کا احاطہ کرنا اور پھر یہ سب دریں جس جس طور پر پوری کی گئیں اُسے بیان میں لانا، جیسی وسعت نظر اور جیسی علمی جامعیت کو چاہتا ہے کہاں ممکن ہے کہ وہ سب ایک آدمی میں جمع ہو جائے۔ مگر جتنا کچھ بھی اس موضوع پر کوئی مصنف پیش کر دے، وہ جو کم بہر حال از دیاد ایمان کا ذریعہ اور اسلام پر تنگ نظری اعتماد کا وسیلہ ہے، اس لیے مبارک ہے، قابل تحسین ہے بلکہ لائق امتنان ہے۔

مولانا علی میاں کا قلم خالی ایک مصنف کا قلم نہیں، ایک ایسے داعی اسلام کا قلم ہے جس کا اسلام کی صداقت، اُس کی ابدیت اور ہر دور میں بالائری کی صلاحیت پر ایمان و اعتماد اس کی رگ و گ سے پکٹتا ہے۔ پھر مولانا کے قلم کا ادبی پایہ اور اُس کی جذبات انگیزی بھی مسلم ہے۔ ایسے قلم سے جو کچھ بھی اس موضوع پر نکلے اُس کی ایمان افروزی اور اعتماد آفرینی میں کیا شبہ کیا جاسکتا ہے۔ کتاب کی پیش نظر مجلس میں دوسری صدی ہجری سے ساتویں صدی تک اسلامی تاریخ کا

جائزہ دیا گیا اور اس عرصہ میں اسلام کو پیش آنے والے حالات اور اُن کی ضرورتوں پر مدغم ہوئے تھے اُن شخصیتوں کی نشاندہی اُن کے کافی تفصیلی حالات کے ساتھ کی گئی جو جو ان ضرورتوں کی تکمیل کا ذریعہ بنے۔

اس دوسرے ایڈیشن کا قلم کچھ ضرورت سے زیادہ جلی محسوس ہوتا ہے۔ کتابت اور طباعت اور گٹ اپ بھی قابلِ تعریف نہیں ہے۔ تصحیح کا بھی شاید پورا اہتمام نہیں کیا گیا۔ مثال کے طور پر صفحہ ۳۲ پر "تاویج کے گشادہ" کے عنوان سے جو عبارت شروع ہوتی ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کوئی جملہ چھوٹ گیا ہے۔

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ارکان الہیہ | صفحات ۳۶۳۔ سائز ۲۰×۲۶۔ مجلد۔ قیمت۔ آٹھ روپے
ناشر۔ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

یہ کتاب اصلاً عربی میں لکھی گئی تھی اور ہر دور سے شائع ہو چکی ہے۔ اب مجلس تحقیقات سے اس کا یہ اردو ترجمہ شائع ہوا ہے جو مختصر مصنف کی نگہانی میں اُن کے براءۃ زادہ عزیز مولوی محمد الحسن صاحب نے کیا ہے۔

مولانا کی یہ کتاب ہماری نظر میں اُن کی تمام دوسری کتابوں پر فائق ہے۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ جیسے مولانا اپنے اصل میدان میں آگئے ہوں۔ اسلام نے جو چار قسم کی عبادتیں مقرر کی ہیں۔ جنہیں "ارکان الدین" کہا جاتا ہے یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج، یہ کتاب ان میں سے ہر ایک کے پورے نظام کو جو بہت سے فرائض و واجبات، شرائط و آداب اور سنن و تحجبات پر مشتمل ہے، ایسی حکیمانہ تشریح کے ساتھ پیش کرتی ہے جس کی روشنی میں انسان کو کوئی سعادت اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی کہ وہ ان اعمال کا جوگر ہو اور ہر نبی سے اُس خدا کی حمد کرے جس نے یہ ابواب سعادت اپنے بندوں پر کھولے۔

کتاب کے مقاصد میں سے ایک خاص مقصد یہ بھی ہے کہ اسلام کی مقرر کردہ ان عبادتوں کے حقیقی مقاصد سامنے آئیں اور مادہ پرستانہ انکار کے غلبہ سے جو بہت سے ذہنوں میں ان عبادات

سے متعلق ایسے خیالات جاگزیں ہوتے جا رہے ہیں جو ان کے اصل منافع سے محروم کر دینے والے اور بالآخر دین کی منوی تحریف تک پہنچا دینے والے ہیں ان کا پردہ چاک ہو۔

پوری کتاب میں جو کچھ کہا گیا ہو کتاب و سنت کی بنیاد پر کہا گیا ہو بلکہ نصوص و کتاب سنت کی پس تشریح ہو جو اس میں پیش کی گئی ہو مصنف نے اپنے فہم و فکر کے علاوہ ان ائمہ دین کے افکار سے بھی پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے جو اس راہ میں کوئی رہنما نقش پہلے پھوڑ گئے ہیں مثلاً امام غزالی، امام ابن القیم اور شاہ دہلی اشرف جو اس راہ کے سب سے بڑے امام ہیں۔

ان سب پہلوؤں کے ساتھ ایک خاص خدمت جو اور مولانا نے اس کتاب میں کی ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی عبادات کے مقابلہ میں دوسرے مذاہب، یہودیت، جیساٹ اور ہندومت کا بھی جائزہ لیا گیا ہے کہ وہاں ان عبادتوں کا کیا تخیل رہا ہے۔ اس تقابلی مطالعہ سے کم از کم اجمالی طور پر یہ بات متحقی ہو جاتی ہے کہ اسلام کا نظام عبادات بحد فائق اور سید جانتا ہے۔

کتاب کا ظاہر بھی باطن ہی کی طرح شاندار ہے۔ کتابت و طباعت بہت اچھی ہے۔ کاغذ بھی نفیس اور سرورق بھی خوش منظر ان ظاہری و باطنی خوبیوں کے ساتھ آٹھ روپے میں یہ سوداوار اگر اس نہیں ہوگا کاش کوئی پڑھا لکھا مسلمان اس کے مطالعہ سے محروم نہ رہے۔ بلکہ جو لوگ عربی خواں ہیں انھیں تو ہم مشورہ دیں گے کہ عربی ایڈیشن ہی کا مطالعہ کریں عربی زبان کو ان مضامین سے جو مناسبت ہو اس کی بنیاد عربی ایڈیشن کا ذائقہ اور اس کی تاثیر کچھ اور ہی ہے۔

از مولانا شمس تبریز خاں

مسلم پرسنل لا اور اسلام کا بنیادی نظام | صفحات ۲۶۳ | ساگر ۲۰۲۲ء | مجلد قیمت پانچ روپے
ناشر: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

ہندوستان کا دستور انسانی مساوات اور سماجی انصاف کے ان کے تصورات پر مبنی ہے جو ہمارے
کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ نے مغرب سے اٹھ کھینچے ہیں۔ ان تصورات کی رو سے کسی حکومت کے زیر سایہ
افراد کے لیے کسی معاملہ کے جو انداز عدم جواز اور اس سے بیدار ہونے والے استحقاق اور مواخذہ کا معیار
ایک ہی ہونا چاہیے۔ اس بنیاد پر ہندوستان کے دستور میں حکومت کے لیے یہ صریح ہدایت بھی درج

ہو کہ وہ ملک کے تمام شہریوں کے لیے ایک ہی قانون دیوانی (سول لا) نافذ کرے۔ جیسا کہ قانون فوجداری پہلے ہی سے ایک چلا آ رہا ہو۔

ہندوستان کے خاص حالات میں یہ آئنا بڑا قدم ہو کہ ایک دم سے نہیں اٹھایا جاسکتا۔ اس لیے اس مقصد کی طرف بالاقساط پیش قدمی کی جا رہی ہو۔ پہلے اکثریت سے متعلق مخصوص قوانین کو جو ان کے شخصی اور خانگی معاملات سے متعلق تھے، مذکورہ تصورات کے مطابق ایک نئے سانچے میں ڈھالا گیا اور اس کے کچھ عرصہ کے بعد ملک کی سب سے بڑی اقلیت (مسلمانوں) کے متعلق ارادہ کیا گیا کہ اسی معیار کے مطابق ان کے شخصی اور خانہ دانی معاملات سے متعلق قوانین (مسلم پرسنل لا) میں بھی تبدیلیاں کی جائیں۔

مسلمانوں سے متعلق یہ قوانین بنیادی طور سے اسلامی شریعت پر مبنی ہیں لیکن سو فیصدی شریعت کے مطابق آج بھی نہیں ہیں۔ اس لیے ان میں کسی ایسی تبدیلی کی تحریک تو شک یہ کی مستحق ہوتی جو انھیں مزید شریعت کے مطابق بنادیتی لیکن ایسے کسی معیار سے تبدیلی جو ان کی رہی سہی شریعت سے مطابقت بھی ختم کر دے، مسلمانوں کو کسی طرح پسند نہیں ہو سکتی چنانچہ مسلمانوں کے پریشان کن مسائل کی فہرست میں چند سال سے یہ ایک مسئلہ بھی بڑھ گیا ہے کہ حکومت کو اس ارادہ سے کیسے باز رکھا جائے۔ اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کے سخت تردد عمل نے اتنا اثر بھی کر دیا ہے کہ کم از کم فی الحال یہ ارادہ معرض التوار میں چلا گیا ہے۔

لیکن دوسری طرف دو نئے محاذ کھل گئے ہیں۔ ایک حکومت سے باہر کے کچھ ”ترقی پسند“ مسلمانوں اور ہندوؤں کا محاذ ہے جو دانشورانہ انداز میں مسلمانوں کو یہ سمجھانے کے درپے ہے کہ اس معاملہ میں ان کا موقف رجعت پسندانہ اور ان کے معاشرہ کی ترقی میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ دوسرا محاذ ان خالص ہندو لیڈروں کا ہے جو مسلمانوں کے اس موقف کو ”دوقومی نظریے“ اور علیحدگی پسندی کے مترادف قرار دے کر یہ جانا چاہتا ہے کہ اپنے اس رویہ کی موجودگی میں مسلمان کبھی بھی ہندوؤں کے ساتھ اعتماد و یگانگت کی زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ اور مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمان کسی طرح اپنے اس ملی حصار سے باہر نکل آئیں جس سے نکالے بغیر انھیں اکثریت کے تمدنی دھاوے میں بہہ لے جانے کی خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔

یہ جو ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کا دہ مسئلہ جس میں مسلم نقطہ نظر کی وضاحت اور دلائل کے ساتھ پیش کرنے کے لیے یہ کتاب لکھی گئی جو اور کوئی شبہ نہیں کہ مصنف نے بڑی محنت اس کے لیے کی جو اور بہت کچھ پڑھ کر قلم اٹھا یا ہو مگر مسئلہ اور اس کا یہ پس نظر و ماحول جس ڈھنگ سے مسلمانوں کی پروری چاہتا ہے۔ وہ ڈھنگ ہمیں اس کتاب میں بالکل نظر نہیں آتا۔ اس میں بنیادی بحثیں صرف دو ہیں۔ اسے یہ کہ نکاح و طلاق اور وصیت و وراثت وغیرہ سے متعلق قوانین اسلام میں وہی مذہبی حیثیت رکھتے ہیں جو عبادات وغیرہ کی جو۔ اور اس میں کوئی بھی انسان ترمیم و تفسیح کا مجاز نہیں ملے یہ کہ ان ابواب میں اسلامی احکام کس قدر فطری، حقیقت پسندانہ، افراط و تفریط سے پاک اور موجب خیر و فلاح ہیں بالخصوص عورتوں کے بارے میں اسلام کا رویہ دوسرے مذاہب اور تہذیبوں کی بہ نسبت کس درجہ عادلانہ اور لائق قدر و منزلت جو اور یہ دونوں بحثیں (خواہ ان کا کتنا ہی حق کر دیا جائے) ایسی نہیں ہیں جو مخالف نقطہ نظر پر اٹھانے لگتی ہوں۔ جہاں تک پہلی بحث کا تعلق ہے وہ تبدیلی کا سوال اٹھانے والوں کے لیے کوئی انجانی حقیقت نہیں جو مگر ان کے نزدیک مسلمانوں کا یہ نقطہ نظر قابل اصلاح ہے کیونکہ یہ دین و دنیا کی تفریق کے اس ترقی پسندانہ اصول کے خلاف ہے جو جس پر آج زندگی کی تنظیم ہونی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نقطہ نظر سے مسلمانوں کا شدید احتجاج بھی اس میں کامیاب نہیں ہوا کہ حکومت اس ادب ہی کو چھوڑ دیتی، بلکہ صرف یہ اعلان ہوا کہ ایسا کوئی اقدام مسلمانوں کی رضامندی کے بغیر نہیں کیا جائیگا۔ اسی طرح کتاب کی دوسری بحث بھی مخالف محاذ پر کوئی اثر نہیں ڈالتی کیونکہ ادلہ تو یہ خیر فلاح اور عدل و فطرت کے اس تصور پر مبنی جو جو مصنف کا (اور ہم لوگوں کا) اپنا تصور ہے جبکہ مخالفین کا تصور مختلف ہے۔ جب تک ان کے تصور کا فلسفہ نہ توڑا جائے ان کے محاذ پر کوئی اثر نہیں ڈالا جاسکتا۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی نکلیں گے جو ان قدر دل میں تو ہم سے اختلاف نہیں رکھتے یا کم از کم وہ مانیں گے کہ اسلام نے جس زمانہ میں یہ احکام دیے تھے اس وقت اور اس کے بعد بھی ایک مدت تک واقعی ان میں معاشرے کی بڑی بھلائی اور خصوصاً عورتوں پر بڑا احسان تھا، مگر ان کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ آج جبکہ معیشت بالکل نئے سانچے میں دھل گئی ہے اس سانچہ کے اندر بھی انہیں ضابطوں کو برقرار رکھنا کیسے قرین عدل و فطرت ہو سکتا ہے؟ اختلاف کی اس بنیاد کو بھی بحث میں بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

ان دو بنیادی بحثوں کے علاوہ ضمنی طور سے حکومت کے موقف پر بھی معقل و انصاف اور دستور و
میں الانوامی روایات کی روشنی میں تنقید کی گئی ہے۔ اور حسب عادت اس بحث کے لیے بھی مصنف نے
کافی تیاری کی ہے۔ مگر اس کو پڑھ کر بھی احساس ہے کہ خود حکومت کا موقف ہی مصنف پر واضح نہیں ہے۔
وہ اس طرح کا استدلال یقیناً نہ کرتے کہ

”اگر یکسانیت ہی مطلوب ہو تو پھر اکثریت ہی کا قانون کیوں نافذ ہو۔ اقلیتیں بھی اس
مطالبہ کا حق رکھتی ہیں کہ انھیں کا قانون جسے وہ عزیز رکھتی ہیں پورے ملک میں یکساں طور
پر نافذ ہو۔“ (ص ۹۷)

علیٰ پڑا برطانوی حکومت کے رویہ کو بھی دلیل نہ بنا دیتے کہ مسلم پرنسپل لا میں تو اس غیر ملکی حکومت
نے بھی مداخلت نہ کی تھی۔ اور نہ اسلامی تاریخ کا حوالہ دیتے کہ برہمن سمجھتے کہ مسلمانوں نے کبھی کسی قوم کے
پرنسپل لا میں دخل نہیں دیا کیونکہ نہ حکومت اکثریت کا قانون نافذ کر رہی ہے۔ اور نہ اس کی مثال
کسی مسلم حکومت یا برطانوی حکومت کی ہے جو حکومت غیر کی حیثیت رکھتی تھیں۔
کتاب کی افادیت کو ایک اور چیز نے بھی بہت نقصان پہنچا دیا ہے۔ اور وہ جو حشو و زوائد کی
کثرت مصنف نے اس تصنیف کے لیے جو کچھ پڑھا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب کا سب اس کتاب میں
رکھنے کی کوشش کی ہے۔ یہ سب مواد بچائے خود تو بہت کام کا ہے۔ مگر اس کتاب میں اس کا بڑا حصہ
بے محل اور دور انداز ہے۔ جس کی وجہ سے مباحث منضبط نہیں رہ سکے اور کھری کھرائی کوئی بات شکل
ہی سے عام ناظرین کے ہاتھ آسکے گی۔ موجودہ شکل میں صرف اہل علم اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکتے
ہیں۔

انفتار کا سالانہ چند، محرم ۱۳۹۰ھ سے

ہم اپنے قارئین سے صہرت خواہ ہیں کہ انفتار کے چندہ میں ایک بار پھر اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ کاغذ کی قیمت ان
دنوں کافی بڑھ گئی ہے۔ کتابت کی اہمیت میں بھی قابل محاط اضافہ ہوا ہے جسکی بنا پر ہندوستان و پاکستان کے معرکہ چندہ میں غور و
تأمل اضافہ کر رہے ہیں۔ اب ہندوستان کے لیے سالانہ چندہ آٹھ روپے اور پاکستان کے لیے
ساتھ روپے آٹھ روپے ہو گا۔ فی کپی ۵۰ پیسے

آئندہ اس سے دی، اپنی اساتذہ کے مطابق کیے جائیں گے۔ اور سنی اور مذہب غریہ سے بھی اسی کے مطابق ترسیل ہونی چاہیے۔

مینبر انفتار لکھنؤ

مولانا ابوالحسن علی ندوی کی ایک نئی شاہکار تصنیف

اَرْكَانُ اَرْبَعَه

کتب کا موضوع اسلام کے چاروں مشہور و معروف ارکان صلوٰۃ و صوم و زکوٰۃ و حج ہیں اور کتاب میں انکے احکام کے ساتھ ساتھ انکے عقلی معانی، انکی اہمیت اور دوسری امتوں کے عبادتی طور پر انہوں سے موازنہ اور مقابلہ کے ساتھ بیان کر دیے گئے ہیں اس طرح کتاب ایک ہی وقت میں فقہ و کلام اور اصول دینی سب کی پوچھ ہے۔ (مولانا عبدالمجید دیابادی، محدث جدید) ”مصنف کی تمام کتابوں میں یہ کتاب شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے اور اس لائق پوچھ کو کوئی بڑھا کھا مسلمان اس کے مطالعہ سے محروم نہ رہے۔“ (مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی۔ ”معارف“)

”مولانا ابوالحسن علی ندوی نے..... اس علم (اسرار و حکم) کا احیاء نہیں کیا بلکہ اسے روا رکھے رکھا ہے۔ اس کتاب میں نماز، زکوٰۃ، حج و عمرہ ان چاروں عبادت کے اسرار و حکم اس وسعت اور سیرگی کے ساتھ بیان کیے ہیں کہ ان کا کوئی ایک فرض رکن، بشرط و قیود یا انہیں ہے جسکی حکمت مولانا نے نہ بیان کی ہو۔“ (مولانا سعید احمد اکبر دیابادی۔ ”ہمدان“)

”قابلِ مہضت نہ اپنی اس بے حد تاجی بقول کتاب میں ارکان اربعہ کی شرعی حقیقت، دینی میں ان کی اہمیت اور ان کے مقاصد و اسرار سے بحث کی ہے اور علماء و دانشمندان نے جو کچھ اس موضوع پر لکھا ہے اس کو اپنے سامنے رکھا ہے، بلکہ ان کی اکثر عبادتیں اس کتاب میں نقل بھی کر دی ہیں۔ اس کے علاوہ خود مولانا کے احسانات اور فہم و بصیرت نے ان علماء کے افادات میں چار چاند لگا دیے ہیں۔“ (مولانا عبدالحکیم دیابادی۔ ”زندگی“)

کتابت اعلیٰ، طباعت روشن، مجلد ۱۱، گروپوش ۸/-

ایکے اور نئی کتاب

مِسْلِم پَرِئِلْ لَآ اَوْرِ اِسْلَامْ کَا عَالَمِی نِظَامْ

(از جنس تبریز خاں، دفین مجلس تحقیقات و نشریات اسلام)

- مسلم ممالک میں پریل لاکا اور تقاضا، پرسنل لاکا شرعی حیثیت، تبدیلی کے حدود۔
- نکاح و طلاق و نفقہ و وراثت اور اوقاف کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر کی تشریح۔
- اسلام اور دوسرے مذاہب و مذہبیوں مثلاً یونان، رومن و مسیحی، عرب جاہلیت، ہندو مت، یہودیت اور عیسائیت میں عورتوں سے متعلق قوانین کا تنقیدی جائزہ۔
- اسلام میں عورت کی حیثیت پر تاریخ کی روشنی میں ایک مفصل تبصرہ..... اور جناب مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مظلہ کے بصیرت افزا مقدمہ کے ساتھ۔

کتابت و طباعت علمہ، مع ڈسٹ کور 5/-

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

کتاب خانہ افقستان کی دینی اصلاحی مطبوعات

دین و شریعت

اس کو اچھے اچھے اصحاب نظر نے اس دور کی عظیم ترین کتاب کہا ہے، اسلام کے پورے نظام معاش و اعمال اور انسانی زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق اسلامی تعلیمات پر ایسی جامع اور اس درجہ یقین آفریں شایہ کسی کوئی دوسری کتاب ہو۔ انگریزی اور بعض دوسری زبانوں میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ قیمت ۲/۷۵

نماز کی روح اور اس کی حقیقت نماز کی حقیقت سے واقفیت کے لیے اور اپنی نماز کو حقیقی نماز بنانے کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہو

قیمت ۱/۲۰
کلمہ طیبہ کی حقیقت کلمہ شریف کی ایمان افزہ تشریح۔ قیمت ... ۱/۵۰

برکات رمضان رمضان اور روزہ کے بارہ میں اسلامی تعلیمات کی حضرت شاہ

دلی انداز کے طرز پر تشریح۔ قیمت ۱/-

آپ ج کیسے کریں؟ حاجیوں کے لیے بہترین رہنما اور علم جس کے مطالعہ سے حج کا طریقہ بھی معلوم ہوتا ہے اور وہ عاشقانہ جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے جو حج کی دور رس ہے۔ قیمت ... ۲/-

آسان حج کہہ کر بڑھ لکھے حضرات کے لیے آپ حج آسان حج کیسے کریں؟ آسان زبان میں خلاصہ جس میں سارے قیمت ... ۱/۷۵

سب سے پہلا سفر نامہ حج دو سال پہلے ہندوستان کے ایک صاحب دل عالم اور بزرگ نے پورے دور میں حج کا سفر کیا تھا یہ سفر نامہ ان کے اس سحر آمیز سفر کی بڑی دل آویز اور زورانی روایت ہے۔ قیمت ... ۲/-
مذکرہ مجدد الف ثانی الفقان کے مجدد الف ثانی بزرگ کی آدنی مکتوبات کو اجہ محمد مصوفہ نقشبندی حفظہ اللہ سے جمع کیا ہے
حضرت مولانا محمد الیاس اودان کی دینی و علمی مکتوبات حضرت مولانا محمد الیاس قیمت ... ۲/۷۵

معارف الحدیث

اردو ترجمہ اور نوٹز نشین تشریح کے ساتھ احادیث نبوی کا ایک نیا اور جامع انتخاب جس کے ذریعہ اور دواں طبقہ کے لیے بارگاہ نبوی سے براہ راست علمی اور دینی استفادہ کا دروازہ کھل گیا ہے۔

پانچ ضخیم جلدیں مکمل ہو چکی ہیں
جلد اول کتاب الامان، برائے مسلمان، مسلمانیت ۵/-
جلد دوم کتاب الرقائ والافلاق ۲۲۰ ۵/۷۵
جلد سوم کتاب الطہارۃ والصلوۃ ۲۹۲ ۷/-
جلد چہارم کتاب الزکوۃ والصدقہ ۲۹۶ ۵/۲۵
جلد پنجم کتاب الاذکار والدعوات ۳۰۸ ۶/۵۰
منوٹہ جلد کے لیے فی جلد ۱۲۵ کا اضافہ جلد چہارم کی ہوگی۔

اسلام کیا ہے؟

انشر تعالیٰ نے اس کتاب کو خاص تاثیر اور مقبولیت عطا فرمائی ہے، لکھنؤ کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے۔ انگریزی اور فارسی بری ہندی اور گجراتی اور کثیرہ وغیرہ بہت سی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ کاغذ کتابت طبعات اعلیٰ
جلد قیمت ... ۲/۵۰

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟

یہ کتاب مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کے لیے لکھی گئی ہے۔ ہم صوفی اس کتاب میں قرآن پاک کی ہدایت و تفسیر کو کئی سو غزوات کے تحت اس طرز مرتب کر کے پیش کیا گیا ہے کہ اس کے مطالعہ سے اسلام کے حق اور قرآن کے کتاب اسٹر ہونے کا یقین بھی پیدا ہوتا ہے اور دل میں نور اور فرکانی دراست پر چلنے کا جذبہ بھی ابھرتا ہے۔
انگریزی اور ہندی اور سنسکرت میں طبع ہے
قیمت ... ۵/-

تقصیر القرآن

(از مولانا حفص الرحمن مرحوم)

اہم سائقہ کے سلسلے میں قرآن کے بیانات پر تازہ و حدیث اور علوم غرائفی کی مدد سے تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے اور ان واقعات کے ہر پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اپنے موضوع پر ایک پراکتب خانہ ہے۔ قیمت مکمل جلد غیر مجلد - ۲۸/-

فہم قرآن

(از مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم اے)

قرآن مجید کے آسان ہونے کے کیا معنی ہیں؟ قرآن کو صحیح طور پر سمجھنا جن علوم و شرائط پر موقوف ہے اس سلسلہ میں اصوات نبویہ کا کیا مقام ہے؟ اس کتاب کے خاص مباحث ہیں۔ ۲۲/-

ارض القرآن

قرآن پاک میں جن مقامات اور شہروں کے نام آئے ہیں ان پر خلاصہ جغرافیائی مباحث، از مولانا سید سلیمان ندوی۔ دوحصول میں مکمل۔ قیمت مکمل صرف - ۱۰/-

لغات القرآن

تمام قرآنی الفاظ کی نہایت جامع اور مفصل و مختصری - الفاظ کے معانی بتانے میں جہاں علمی بحث اور تاریخی تفسیر کی ضرورت پڑی ہے اس کا بھی التزام کیا گیا ہے۔ خاص طور پر اہل علم کے لیے بڑے کام کی ہے۔ بڑے سائز کی چھ جلدوں میں مکمل قیمت مکمل سیٹ غیر مجلد - ۳۲/-

قرآن اور تعمیر سیرت

فلسفہ و نفسیات کے اہر خباب ڈاکٹر میر الدین صاحب کی ایک نہایت قابل قدر کتاب جو جس میں سیرت و کردار سادگی کے جامع نقطہ نظر سے قرآن کی بعض اہم تعلیمات کا جائزہ دیا گیا جو متعدد مقالوں پر مشتمل ہے۔ قیمت صرف - ۷/-

رہنمائے قرآن

قرآن کریم کے مطالعہ میں اس مختصر سے مقالے سے بڑی رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ خاص کر جدید تعلیمات و طبع کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے۔ قیمت صرف - ۷/-

مفسر قرآن مولانا عبدالمجید صاحب دریا بادی کے

چند تفسیری رسالے

جو اپنے اپنے موضوع پر ان کے گہرے اور وسیع مطالعہ کا پتہ دیتے ہیں

حیوانات قرآنی

قرآن مجید میں جن حیوانات کا ذکر کیا گیا ہے ان کے بارے میں تحقیقی معلومات۔ قیمت صرف - ۲/-

بشریت انبیاء

قرآن مجید کی بہت سی آیات سے انبیاء علیہم السلام کی بشریت کا ثبات۔ قیمت صرف - ۲/۲۵

قرآنی شخصیتیں

قرآن میں اہل سے آنے والے شخصیتوں کا ذکر کیا چو ان کے بارے میں تحقیقی معلومات۔ قیمت صرف - ۲/۲۵

تقصیر و مسائل

بعض قرآنی مسائل اور قصص پر جدید تحقیقی نوعیت کے مقالات کا مجموعہ۔ قیمت صرف - ۲/-

تفسیر مجیدی جلد اول

اس تفسیر کی افادیت اور خصوصیات کا مزاد مطالعہ کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے۔ مکمل نظر ثانی اور بحریرت اضافات کے ساتھ یہ دوسرا ایڈیشن ہے۔ جلد دوم تا آخر، بقدرہ، آل عمران کا تفسیر پر مشتمل ہے۔ بڑے سائز، صفات، قیمت مجلد - ۱۸/- (باقی جلدیں زیر طبع)

کاروان مدینہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ان روح پرور مضامین کا مجموعہ جن کا معلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ہے۔ ان میں ایک تیشی عقیدہ شائع ہو چکی ہے جس میں فارسی اور اردو شعرا کا منتخب کلام جمع ہو گیا ہے۔ اہل محبت کے لیے بیش بہا تحفہ ہے۔ قیمت مجلد - ۳/-

مولانا تقی الدین ندوی کے علمی کارنامے

(۱) مولانا تقی الدین ندوی مضاف ہری

۱) مولانا عبد اللہ صاحب صحاح مسند کا تذکرہ، اور ندوی حدیث کی تاریخ شروع میں مولانا علی بیان کا مقدمہ قیمت ۱/۵۰

۲) فن اسماء الرجال، محمد حدیث کا

۳) مولانا تقی الدین ندوی کی دوسری تصنیف، اس میں فن اسماء الرجال کی تاریخ اور اس کے بارے میں ضروری تفصیلات جمع کر دی گئی ہیں شروع میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا مقدمہ ہے۔ قیمت صرف ۱/۵۰

۱) مولانا تقی الدین ندوی کے علمی کارنامے

(۱) مولانا تقی الدین ندوی مضاف ہری

۱) مولانا عبد اللہ صاحب صحاح مسند کا تذکرہ، اور ندوی حدیث کی تاریخ شروع میں مولانا علی بیان کا مقدمہ قیمت ۱/۵۰

۲) فن اسماء الرجال، محمد حدیث کا

۳) مولانا تقی الدین ندوی کی دوسری تصنیف، اس میں فن اسماء الرجال کی تاریخ اور اس کے بارے میں ضروری تفصیلات جمع کر دی گئی ہیں شروع میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا مقدمہ ہے۔ قیمت صرف ۱/۵۰

تاریخ دعوت و عزیمت

امت کے شہید مجددین و صلحین حضرت عمر بن عبد العزیزؓ و صاحب حسن بصریؒ امام ابو الحسن اشعریؒ ابن کجریؒ امام غزالیؒ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ عارف ندویؒ محبوب الہی خواجہ نظام الدین ادلیاؒ شیخ شرف الدین میرزا کی دینی زندگی و خدمات کا مفصل تذکرہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے قلم سے ۲ جلدوں میں قیمت مجلد اول - ۱/- جلد دوم جلد اول - ۱/- جلد دوم جلد اول - ۱/-

تذکرۃ الرشید

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی مکمل سوانح حیات حضرت مولانا عاشق الہی میرٹھیؒ کے قلم سے۔ قیمت ۸/-

سوانح مولانا محمد یوسفؒ

داعی الہی ائمہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی سوانح حیات جن کو مولانا سید محمد ثانی صاحب نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی نگہدانی میں تیار کیا ہے۔ قیمت مجلد - ۱/-

سوانح حضرت رائے پوریؒ

عارف با ائمہ حضرت مولانا عبد الغفار رائے پوریؒ کے حالات زندگی، ان کی شخصیت کے نمایاں صفات اور معرفت و سلوک کا ایمان افروز تذکرہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے قلم سے۔ قیمت مجلد - ۶/-

ارکانِ اربعہ (اردو)

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تازہ ترین تحریر کا تصنیف جو چترہ مودت کا شاعر کا رسم ہے۔ قیمت مجلد - ۸/-

علم الفقہ

مرتبہ حضرت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی لکھنؤ سلیس اور زبان میں فقہ حنفی کی مستند کتاب ہے۔ کالی کچھ قیمت کامل مجلد - ۱۶/-

تزکیہ نفس

مولانا امین احسن صلائیؒ کی ایک عظیم تصنیف جس کا پہلا حصہ ۱۵۰ میں شائع ہوا تھا ابھی حال ہی میں اس کا دوسرا حصہ بھی شائع ہوا ہے تصنیف مولانا کی ترقی ترقیوں کا مجموعہ ہے جو اب تصنیفی شکل میں ترمیم و ترمیم ہو گیا ہے۔ قیمت مجلد - ۶/-

تبلیغ دین

(۱) حضرت امام غزالیؒ کی شہرہ معروف تصنیف "اربعین" جو دراصل ایک شہرہ آفاق کتاب ہے، اس کا علم کا خلاصہ ہے، اس کا اردو ترجمہ مولانا عاشق الہی میرٹھی کے قلم سے قیمت مجلد - ۳/۵۰، عینیت ۳/۵۰

۲) مسلم پرسل لا

۳) تصنیف مولانا شمس تبریز خاں شائع کردہ مجلس تحقیقات و نشریات لکھنؤ

۴) کن بصرہ و طبعات الخ، مجلد قیمت ۵/-

قرآن آپ کی کتاب ہے؟

دارالقرآن مجید کی دعوتِ تبلیغِ مہم پوری انسانیت کے لئے آپ کی کتاب ہے۔
 انسان ہادی انیاس سے آتشِ نابے میں تانک کہ ہو کہ کام آجی تانتے والی
 ہمت کی کتابِ آئینتِ رحیمی سے ہو کہ نہ

یہ کتاب

اسی صورتِ حال کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔
 قرآنی موت اور اس کی اہم تعلیمات کا ایک جامع خاکہ ہے۔
 قرآن کو دنیا کے تحت مظہرِ قرآنی بات کو نہایت بڑا اور انسان پر انسانی ترقی کی بنیاد ہے۔
 اس میں غور پر قرآن کی دعوت کو یہ کہ بیان اس کتاب کا نصاب ہے۔
 یہ بھی ایسے طرز کی کتاب ہے جو قرآن کی دعوت سے روشناسی کے ساتھ ساتھ
 قرآن کے اہل بیان کا بھی لذت شناس کرتی ہے۔
 کتاب حق کی کتابِ حیات ہے۔ انسانیت، انسانیت، انسانیت، انسانیت، انسانیت۔

میں بیجا نہ افسانہ لکھ رہا ہوں

Price Rs. 5/-

Regd No. L-353

Monthly 'ALFURQAN' Lucknow.

VOL 37 NO. 12

MARCH 1970


ROLEX


OMEGA

WEST END

CITIZEN

SARGENT

FAVRE-LEUBA

ROAMER

روس

امیگا

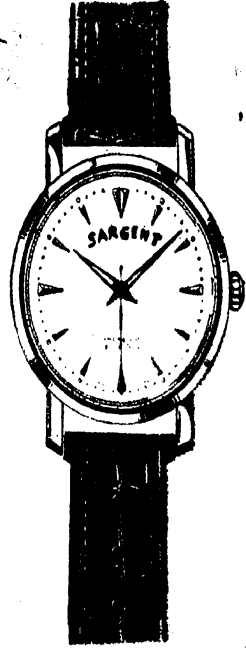
ایسٹ

سیزن

سارنٹ

فیو لوبا

رومر



ملکہ المکریمہ و مدینۃ المنورۃ میں

محج و زیارت کے لئے جب خدا
آپ کو لائے اور گناہوں کی ضرورت

محسوس ہوتا پاک محل کے

عسی بھی شوروم میں تشریف لا کر ہم

قسم کی گھڑیاں نئے ڈیزائنوں

میں بارہایت خرید فرمائیں۔ اپنے انیولر دست احباب کو پتہ نوٹ کروائیں

پاک محل **لاٹری ملکہ المکریمہ**

